پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج



تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ ڈی۔ علوم اسلامیہ

زیر نگرانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

سابق وائس چانسلر

محی الدین اسلامی یونیورسٹی

آزاد کشمیر

مقالہ نگار

مسز نرگس پروین خان

ایم اے، ایم فل علوم اسلامیہ (گولڈ میڈلسٹ)

اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج برائے خواتین

مدینہ ٹاؤن فیصل آباد

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

سیشن 2002



شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

In The Name of Allah, The Compassionate, The Merciful.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Dr. Muhammad Ishaq Qureshi
Vice Chancellor

Mohi-ud-Din Islamic University
Nerian Sharif (AJK)

Ref # ______

Date 6-6-2001

جناب کنٹرولر امتحانات
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

مسز نرگس پروین خان کا مقالہ "عنوان " پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج "
برائے پی ایچ ڈی (اسلامیات) ڈگری، موصول ہوا۔ مقالہ نگار مسز نرگس خان —
نے مقالہ کی تدوین میں محنت سے کام لیا ہے اور ضوابط کے مطابق اس کو ترتیب
دیا ہے۔ مقالہ یونیورسٹی کو پیش کرنے کی میں اجازت دے رہا ہوں تاکہ اس کو
ممتحنین کے پاس معیار، اسلوب اور تحقیق جانچنے کے لئے روانہ کیا جا سکے۔ میں نے
اس مقالہ کا جائزہ لے لیا ہے اور میں یونیورسٹی میں اس کے جمع کرانے اور قبول کرنے
کی سفارش کرتا ہوں اس لئے کہ اس کی تیاری کے تمام مراحل میری نگرانی میں
طے ہوئے ہیں اور عمومی ضوابط کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔

محمد اسحاق قریشی
٦ - جون ٢٠٠١ء

Nerian Sharif (AJK) 92-058710-49502
Camp Office: 28/D Kashmir Gate Plaza, Murree Road, Rawalpindi. 92-051-420922

DECLARATION

I Mrs. NARGIS PERVEEN KHAN, D/O GHULAM YAHYAHA KHAN Roll No--------

Registration No. 89-PRL-1366

as a student of Ph.D. at Allama Iqbal Open University Islamabad do hereby solemnly declare that the Thesis entitled "پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج" is sumitted in partial of Ph.D. degree in Islamic Studies, is my orignal work and has not been sumitted or published earlier and shall not in further be sumitted by me for obtaining and degree from this or another university or institution.

Signature

Name Nargis Perveen Khan

Assistant Professor of Islamic Studies

Govt. College for Women

Madina Town Faisalabad.

FORWARDING SHEET

The thesis entitled ''پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج''

Submitted by Mrs. Nargis Perveen Khan in partial fulfilment of the requirements for the degree of Doctor of Philosophy in Islamic Studies has been completed under my guidance and supervision. I am satisfied with the quality of student's research work.

Signature

Dr. Muhammad Ishaq Qureshi

Vice Chancellor,

Mohi-ud-din Islamic University

Narian Sharif

(AJk)

APPROVAL SHEET OF THE COMMITTEE

Title of thesis "پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج"

Name of student : Mrs. Nargis Perveen Khan

Accepted by the Faculty of Arabic and Islamic Studies Allama Iqbal Open University, Islamabad in partial fulfilment of the requirements for the Degree of Doctor of Philosophy in Islamic Studies.

Viva Voce Committee

Dean,
F/O AIS.

Chairman
Deptt of Arabic & Islamic Studies.

External Examiner

Supervisor

انتساب

سب سے زیادہ محترم ہستی والدہ ماجدہ کے نام

جن کے قدموں میں میری جنت ہے

جن کی دعاؤں اور عملی تعاون سے میں

اس عظیم علمی کام کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوئی

اظہار تشکر

اللہ تعالیٰ ہی تمام تعریفوں کا سزاوار ہے۔ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے تعلیم دی اور اسے وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ بے حد درود وسلام اس ذات بابرکات پر جسے معلم بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔ تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن جن کے منصبی فرائض میں سے ہیں۔ ساتھ ہی آپ کے اصحاب کبائر اور اہل بیت اطہار پر جن کی کاوشوں اور قربانیوں کے نتیجے میں دنیا نور ایمان سے منور ہوئی۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا

امابعد! میں نے ایم۔فل علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے کیا تو میرے گائیڈ محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی سابق وائس چانسلر محی الدین اسلامی یونیورسٹی آزاد کشمیر نے میری کاوش کی اس طرح پذیرائی فرمائی کہ مجھے مزید تحقیق کا حوصلہ ہوا اور میں نے پی ایچ۔ڈی کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب نے مجھے اپنی شاگردی میں قبول فرمایا۔ میں ان کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے۔ آپ ایک بہترین محقق اور قابل استاد ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے ہر مشکل وقت پر میری رہنمائی کی کہ آج میں یہ تحقیقی مقالہ لکھنے میں کامیاب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے کثیر سے نوازے۔

ڈین فیکلٹی آف عربک اینڈ علوم اسلامیہ جناب ڈاکٹر علی اصغر صاحب جو انتہائی علمی، مذہبی وروحانی اور خوش اخلاق شخصیت کے حامل ہیں جن کی سرپرستی مجھے میسر ہے۔ انہوں نے ہر مشکل مرحلے کو میرے لئے سہل بنایا اور اپنا دست شفقت دراز رکھا۔ وہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں بہترین منتظم ثابت ہوئے ہیں اور ان کی کارگردگی قابل صد تحسین ہے۔ میں اُن کی تہہ دل سے ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے نوازے۔

اس موقع پر میں جناب محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الحق صاحب کی بھی شکر گزار ہوں جو محققین کے ساتھ انتہائی مشفقانہ رویہ رکھتے ہیں۔ وہ ایک قابل محقق اور قابل استاد ہونے کے ساتھ انتہائی علمی شخصیت کے حامل ہیں۔ جو ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں بہترین طریقے سے اپنے فرائض کما حقہ ادا کرتے ہیں اور محققین کی قدم بہ قدم معاونت بھی کرتے ہیں۔

کتب اور معلومات کی فراہمی کے لئے علمی شخصیات اور کتب خانوں سے استفادہ اس مصروف ترین مادی دور میں کتنا دشوار ہے۔ لیکن اس کٹھن مرحلے پر قدرت نے میری دستگیری کی اور ان دشوار گزار مراحل کو میرے لئے آسان بنا دیا۔

میں پروفیسر ڈاکٹر آغا محمد سلیم اختر صدر شعبہ عربی (گورنمنٹ کالج فیصل آباد) اور پروفیسر منظور حسین سیالوی صاحب جیسی علمی شخصیت کی ممنون ہوں جنہوں نے کتب کی فراہمی میں میری معاونت کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم سے نوازے۔

مسز ڈاکٹر سیدہ ظفر عباس صاحبہ (سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج برائے خواتین مدینہ ٹاؤن فیصل آباد) جیسی علمی شخصیت کی بے حد شکر گزار ہوں جو اپنے گراں قدر مشوروں سے میری بھرپور معاونت کرتی رہیں۔ اور میں اسی کالج کی لائبریرین مس ثمینہ بخاری صاحبہ، مسز نسرین صاحبہ، مسز ساجدہ صاحبہ اور مسز انیس صاحبہ و دیگر اراکین لائبریری کی شکر گزار ہوں جنہوں نے نہایت اعلیٰ ظرفی اور خندہ پیشانی سے میرے لئے مطلوبہ کتب مہیا کیں۔

گورنمنٹ کالج فیصل آباد قائد اعظم بلاک پوسٹ گریجویٹ لائبریری کے انچارج جناب محسن علی صاحب نے عربی مصادر اور تاریخ کی کتب فراہم کرنے میں نہایت خلوص سے مثالی تعاون کیا۔ میں ان کے تعاون کی بے حد شکر گزار ہوں۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، پنجاب یونیورسٹی لاہور، جناح پبلک لائبریری لاہور، دیال سنگھ لائبریری لاہور، شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور، جیسی گرانقدر لائبریریوں کے ارباب بست و کشاد کا علمی تعاون ان کی علم دوستی کا شاہد عدل ہے۔

فیصل آباد میں دینی مدارس کے جن کتب خانوں سے مجھے مستفید ہونے کا موقع ملا ان میں مدرسہ اشاعت العلوم کچہری بازار فیصل آباد اور اس سے متعلق علمی شخصیت مولانا عبدالرشید (مرحوم) اور مولانا محمد رمضان شوق صاحب جیسی علم پرور شخصیتوں نے بھرپور تعاون فرماتے ہوئے عربی مصادر اور تاریخ کے بنیادی ماخذ سے متعلق کتب بہت فراخدلی سے فراہم کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے کثیر سے نوازے۔

دوسرا بڑا روحانی دینی مدرسہ جامعہ الاثریہ منٹگمری بازار فیصل آباد ہے۔ جہاں یہ مکتبہ نادر کتب کا خزینہ ہے وہاں اس کے منتظمین علم دوستی اور علم پروری کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ جن میں سرفہرست شخصیت شیخ الحدیث جناب مولانا ارشاد الحق الاثری صاحب کی ہے۔ جو ایک روحانی، دینی و علمی شخصیت ہیں۔ آپ کا علمی حلقوں میں بہت نمایاں اور منفرد مقام ہے۔ اس کے ساتھ ہی جناب مولانا عبدالحئی انصاری صاحب جو کہ زہد و تقویٰ کا پیکر ہیں اور ایک عالم معتبر ہیں۔ دونوں علمی، روحانی شخصیتیں ہمہ وقت تحقیقی کام میں مصروف کار نظر آتی ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا ارشاد الحق الاثری اور جناب مولانا عبدالحئی انصاری صاحب جس انداز سے محققین کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں یہ ان کی علم نوازی کی اعلیٰ مثال ہے۔

اس کے ساتھ ہی میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے پرنسپل چوہدری یٰسین ظفر صاحب اور لائبریرین مولانا اشرف جاوید صاحب کی علمی معاونت کی بے حد ممنون ہوں۔

اس کے علاوہ میں اپنے اہل خانہ کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے برداشت کیا۔ اس تحقیقی کام کے لئے ہر سہولت اور وقت فراہم کیا جس سے مجھے اپنے کام کی تکمیل میں بہت آسانی رہی۔ **فجزاهم الله خيرا**

سب سے زیادہ جس عظیم ہستی کی مخلصانہ دعاؤں نے میرے قلم پکڑنے سے لیکر اس علمی اور تحقیقی کام کی تکمیل تک میرا ساتھ دیا جس کی حوصلہ افزائی نے میرے جذبوں کو ہر آن توانائی بخشی، جس کا وجود میرے لئے سائبان رحمت ہے وہ میری محترمہ والدہ ماجدہ ہیں جن کی دعاہائے نیم شب سے میرے مقدر کا سورج ہمیشہ نصف النہار پر رہا۔ اللہ کریم انہیں صحت کے ساتھ لمبی زندگی عطا فرمائے اور عزت وعظمت ہر قدم ان کے ساتھ رہے۔ آمین یارب العالمین سید بجاہ المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

احقر

نرگس پروین خان

ناوڑ خیل (مروت)

اسسٹنٹ پروفیسر (علوم اسلامیہ)

ایم۔اے، ایم۔فل (گولڈ میڈلسٹ)

گورنمنٹ کالج برائے خواتین

مدینہ ٹاؤن فیصل آباد

مشمولات

فہارس

رموز واشارات

تحقیقی مقالہ میں غیر ضروری تکرار اور طوالت سے بچنے کے لیے درج ذیل رموز واشارات کا استعمال کیا گیا ہے۔

۱۔ ص: صفحہ

۲۔ ت: متوفی

۳۔ م۔ن: مصدر نفسہ

۴۔ ھ: سن ہجری

۵۔ ء: سن عیسوی

۶۔ { }: آیات کے لیے بریکٹ

۷۔ ( ): احادیث کے لیے بریکٹ

۸۔ " " خصوصی مفہوم

۹۔ /: جلد اور صفحہ یا سن ہجری او سن عیسوی کے درمیان فرق کرنے والا خط۔

ABSTRACT

زیر نظر تحقیقی مقالہ بعنوان "پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج" لکھا گیا ہے۔ جو کہ مقدمہ، پانچ ابواب، نتائج تحقیق، سفارشات ملخص مقالہ اور مختلف فہارس پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں موضوع تحقیق کا پس منظر، موضوع تحقیق کی اہمیت، موضوع کا تعارف، موضوع تحقیق کا بنیادی مسئلہ و مفروضہ تحقیق، تحقیق کے مقاصد، اسلوب تحقیق، خاکہ تحقیق، زیر تحقیق موضوع پر ہونے والا سابقہ کام، زیر نظر مقالہ کی افادیت اور مصادر و مراجع کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

باب اول: اس باب کو پانچ فصول پر منقسم کیا گیا ہے۔

فصل ۱۔ تعلیم کا لغوی مفہوم، اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے تعلیم کا تصور از روئے قرآن وحدیث بیان کیا ہے۔

فصل ۲۔ اس میں تعلیم کے اسلامی اصول جن کو مزید دس بڑے عنوانات پر منقسم کیا گیا ہے۔

فصل ۳۔ مختلف وحدات کے تناظر میں تعلیم کے اثرات کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے۔

فصل ۴۔ اسلامی تعلیم کے بنیادی مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان تمام تعلیمی پہلوؤں کا تنقیدہ جائزہ پیش کرتے ہوئے تحقیق کے تمام اصول وضوابط کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

فصل ۵۔ اس فصل میں تعلیمی مقاصد کے حصول کے ادارے اور وسائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب دوم: عہد نبوی کے تعلیمی ادارے اور ان کے مقاصد۔ اس باب کو چار فصول پر منقسم کیا گیا ہے۔

فصل ۱۔ عہد نبویؐ میں نظام تعلیم۔

فصل ۲۔ مدینہ منورہ میں تدریسی سرگرمیاں اور ان کا تحقیقی جائزہ و کارکردگی کو تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

فصل ۳۔ تبلیغ اور تبلیغی وفود کا کردار اور ان کے بنیادی اور انقلابی اثرات۔

فصل ۴۔ عہد نبویؐ میں نظام تعلیم، عہد نبوی کی تعلیمی پالیسی کے مثبت نتائج اور ثمرات۔

باب سوم: خلفائے راشدین اور تعلیمی ترقی

اس باب کو تین ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل ۱۔ خلفائے راشدین کے تعلیمی منہاج پر ایک نظر۔

فصل ۲۔ تعلیم کے مقاصد۔

فصل ۳۔ خلفائے راشدین کے تعلیمی محرکات اور عصری تقاضے۔

(الف)۔ خلفائے راشدین کے تعلیمی نصاب کا جائزہ۔

(ب)۔قرآن وحدیث اور دیگر علوم۔

باب چہارم: بنوامیہ کے تعلیمی ادارے اوران کے مقاصد

اس باب کو پانچ فصول پر منقسم کیا گیا ہے۔

فصل ا۔ عہد بنوامیہ کا سیاسی نظام اوراس کے تعلیمی منہاج پر اثرات،

تعلیمی نصاب، مقاصد تعلیم اور عصری تقاضے،

فصل ۲۔ اس فصل میں عہد بنوامیہ میں وہ علوم جوعوام الناس کی توجہ کا مرکز بنے اور جن پر تحقیقی کام ہوا۔

فصل ۳۔ تعلیمی اداروں کا انتظام وانصرام۔۔ نئے تعلیمی مدارس۔

فصل ۴۔ مسجدوں کی تعمیر، مکاتیب، محلات، بادیہ۔

فصل ۵۔ مشہور علمی حلقہ ہائے درس اوران کی کارکردگی، بنوامیہ کے تعلیمی اداروں کا نصاب، معاشرے میں اساتذہ کا مقام ومرتبہ اور اساتذہ وشاگردوں کے درمیان باہمی روابط۔ان سب پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔

باب پنجم: نتائج اور عصر حاضر کے تعلیمی منہاج کی تنظیم نو

اس باب میں پہلی صدی ہجری کے تعلیمی منہاج کا جائزہ پیش کرتے ہوئے اسلامی دینی مدارس کی تعلیمی خدمات، مروجہ نصاب پر بحث کرتے ہوئے موجودہ حالات حاضرہ کا تعلیمی وتنقیدی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نتائج، تحقیق وسفارشات کو مربوط انداز سے ترتیب سے مدون کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ مقدمہ میں اٹھائے گئے مسئلے کا جواب دیا گیا ہے۔نیز مقدمہ میں قائم کیے گئے مفروضات میں درست مفروضے کی نشاندہی کردی گئی ہے۔ تحقیق سے حاصل شدہ نتائج پر عمل درآمد کے لیے حکومتی اداروں کو سفارشات پیش کی گئی ہیں۔

تحقیقی میدان میں نووارد طلباء وطالبات کی رہنمائی کے لیے چند موضوعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ملخص مقالہ میں تحقیق کے دوران آنے والے تمام اہم نکات کو بھی یکجا کردیا گیا ہے۔ تاکہ کم وقت میں پورے مقالہ پر سرسری نگاہ ڈالی جاسکے۔ نیز مقالہ میں حوالے کے طور پر آنے والی قرآنی آیات، احادیث نبویؐ، فقہی اصطلاحات، بنیادی تاریخی المصادر ومراجع، الاعلام اور موضوعات کی فہارس بھی مرتب کی گئی ہیں۔

مُقَدِّمَہ

(تعارف و تحقیق)

ا۔ موضوع کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور رسول ﷺ کو جب آخری اور حتمی دعوت پہنچانے کی ذمہ داری سونپی تو اس کا آغاز پڑھنے کے حکم سے ہوا، جیسے کہ قرآن پاک کی پہلی وحی میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ O الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴾

پڑھو (اے نبی ﷺ!) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

ان آیات میں تعلیم اور قلم کی بات کی گئی ہے۔ تعلیم سے قوموں کی تشکیل ہوتی ہے اور قلم وہ آلہ ہے، جس کے ذریعہ تہذیبوں اور ثقافتوں کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ یہی آلہ نسلوں کو علم کی وراثت منتقل کرنے کا باعث بنتا ہے۔ رسول ﷺ اُمی تھے اور آپ ﷺ ایک امی قوم میں مبعوث ہوئے لیکن آپ ﷺ نے علم کے ذریعے اس قوم کی حالت بدل دی۔ اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ بعثت کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ نزول قرآن کے ساتھ ہی اس کی کتابت کا انتظام بھی کر لیا گیا اور جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو آپؐ نے وہاں پر مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے باقاعدہ ادارے منظم کیے۔ خلافت راشدہ سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ نے عربوں کی ایک اجڈ قوم کو پڑھی لکھی قوم میں بدل دیا۔ تعلیم و تربیت کا یہ سلسلہ خلافت راشدہ اور پہلی صدی ہجری میں ترقی کرتا چلا گیا۔ آج کے مسلمانوں کی زبوں حالی، بدحالی اور پسماندگی کا سبب مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی ہی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم پہلی صدی کے تعلیم و تربیت کے منہاج کا مطالعہ کریں اور اس کی روشنی میں موجودہ اُمتِ مسلمہ کی اصلاح کے لیے کوششیں کریں۔ اسی غرض سے پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کے لیے یہ موضوع تحقیق منتخب کیا گیا۔

۲۔ موضوع تحقیق کا بنیادی سوال (Problem of the Research)

اس مقالہ کے موضوع تحقیق کے بنیادی سوال کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ تعلیمی منہاج سے کیا مراد ہے؟

۲۔ اسلام میں تعلیم کی اہمیت اور اس کی کون کون سی اقسام ہیں؟

۳۔ اسلام اور دنیا کی دوسری تہذیبوں کے کیا مقاصد ہیں؟

۴۔ مسلمانوں کے تعلیمی اداروں نے تعلیم کے میدان میں کیا خدمات سرانجام دی ہیں؟

۵۔ عہد نبوی کے تعلیمی ادارے اور ان کے مقاصد کیا تھے؟

۶۔ خلفائے راشدین کے دور میں تعلیمی منہاج کیا تھا؟

۷۔ بنوامیہ کے اہم تعلیمی ادارے اوران کا اسلوب کیا تھا؟

۳۔ مفروضۂ تحقیق (Hypothesis of the Research)

اس مقالے کے دو مفروضۂ تحقیق بن سکتے ہیں:

۱۔ پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں نے دینی علوم کے سوا دوسرے علوم میں ترقی نہیں کی اور دوسرے علوم میں مسلمانوں میں پہلی صدی کے بعد اس وقت ترقی کی جب ان کا سامنا دوسری تہذیبوں سے ہوا۔

۲۔ پہلی صدی ہجری میں ہی مسلمانوں نے دینی علوم کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم میں ترقی کی بنیاد رکھ دی تھی اور قرون وسطیٰ میں مسلمانوں نے جو علمی ترقی کی اس کی بنیاد پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج ہی تھا۔

۴۔ تحقیق کے مقاصد (Objectives of the Research)

اس مقالے کے مقاصد تحقیق حسب ذیل ہیں:

۱۔ صدر الاسلام کے منہج تعلیم کو پیش کرنا۔

۲۔ اس منہج کے اہم مقاصد کو سامنے لانا۔

۳۔ صدر الاسلام کے منہج کے خصائص واضح کرنا۔

۴۔ صدر الاسلام کے منہج کی روشنی میں مسلمانوں کے موجود منہج تعلیم کا جائزہ لینا اور اس میں اصلاح تجویز کرنا۔

۵۔ اسلوب تحقیق (Methods of the Research)

اس مقالے کو مکمل کرنے کے لیے درج ذیل اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

۱۔ مواد اصلی مصادر سے حاصل کیا گیا ہے۔

۲۔ استشہاد کی بنیاد قرآن وسنت رسولؐ ہے۔

۳۔ جس جگہ ضروری ہوا وہاں پر اصلی مصادر تک رسائی اور توضیح وتشریح کے لیے ثانوی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۴۔ احادیث کی تخریج کردی گئی ہے۔

۵۔ علمائے سلف کے ساتھ معاصر علماء اور باحثین کی آراء کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۷۔ پہلا باب تمہیدی ہے، جب کہ بعد میں آنے والے چار ابواب موضوع تحقیق سے متعلق ہیں۔

۸۔ ہر باب کو مختلف فصول اور پھر ہر فصل کو مختلف مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۹۔ بحث کے اندر کی تفصیل کو پہلے عدد ۱۔۲۔۳۔ اور پھر اسے الف، ب، ج میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور جہاں الف، ب، ج کی تقسیم کی

بھی ضرورت محسوس ہوئی وہاں i, ii , iii اعداد کو استعمال میں لایا گیا ہے۔

۱۰۔ ہر باب کے آخر میں اہم نکات کی صورت میں باب کا خلاصہ دیا گیا ہے۔

۱۱۔ تمام ابواب کے اہم نکات پر مشتمل خلاصہ مقالے کے آخر میں "ملخص مقالہ" کے عنوان سے علیحدہ بھی دیا گیا ہے۔

۱۲۔ دوران تحقیق حوالے کے طور پر آنے والی قرآنی آیات، احادیث اور ضروری اصطلاحات کی فہارس مقالے کے آخر میں دے دی گئی ہیں۔

۱۳۔ دوران تحقیق دلیل کے طور پر آنے والی قرآنی آیات، احادیث، فقہ کے عربی میں اقوال، عربی مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے ان کا با محاورہ ترجمہ دیا گیا ہے۔

اقتباسات میں جس جگہ عربی عبارت نہیں ہے، وہاں من وعن کسی ایک کتاب سے ترجمہ نہیں ہے، بلکہ مختلف کتب سے اخذ شدہ مفہوم ہے۔

۱۴۔ حاشیہ میں حوالہ جات کے اندارج کے لیے پہلے مصنف کا معروف نام، پھر کتاب کا نام، پھر جلد اور صفحہ نمبر کی ترتیب کو اختیار کیا گیا ہے۔ جب کہ فہرست مصادر و مراجع میں کتاب کی تمام تفاصیل درج کردی گئی ہیں۔

۱۵۔ حوالہ جات کے اندراج میں اختصار کے لیے جلد کو Slash "/" اور صفحہ کے لیے "ص" کی علامت کو اختیار کیا گیا ہے اور اگر اسی صفحہ پر اسی کتاب کا دوبارہ حوالہ آ گیا تو اس کو "م۔ن" سے ظاہر کیا گیا ہے جس سے مراد "مصدر نفسہ" ہے۔

۶۔ مقالے کا خاکہ (Synopsis of the Research)

ابواب کی تفصیل

پہلا باب: پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج

اس باب کی فصول حسب ذیل ہیں:

فصل ۱۔ تعلیم کا لغوی مفہوم و اصطلاحی مفہوم، تعلیم کا تصور از روئے قرآن وحدیث

فصل ۲۔ تعلیم کے اسلامی اصول جن کو مزید دس بڑے عنوانات پر منقسم کیا ہے۔ ہر عنوان کے ذیلی عنوانات بنائے گئے ہیں جن کی قرآن و سنت، تعلیمی نظریات وتناظر کو مدنظر رکھتے ہوئے تحقیق کی گئی ہے۔

فصل ۳۔ مختلف وحدات کے تناظر میں تعلیم کے اثرات کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے۔ جس میں دنیا کی معروف تہذیبوں کا تقابلی تہذیبی وتمدنی و علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

فصل ۴۔ اسلامی تعلیم کے بنیادی مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے، نیز حصول علم اور علم کی فرضیت، ملی ضروریات کی تکمیل وقومی ضروریات کی تکمیل۔ ان تمام تعلیمی پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے تحقیق کے تمام اصول وضوابط کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

فصل ۵۔ اس فصل میں تعلیمی مقاصد کے حصول کے ادارے اور وسائل، نیز مسلمانوں کے درخشاں تعلیمی ادرے، ان کی تعلیمی کارکردگی کا

تنقیدی وتحقیقی جائزہ اس طرح پیش کیا ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہو سکے کہ مسلمانوں میں تعلیمی میدان میں جو بیش بہا، گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں وہ کسی مذہب وملت کے نصیب کا حصہ نہیں بن سکیں۔

دوسرا باب: عہد نبویؐ کے تعلیمی ادارے اوران کے مقاصد

اس باب کو چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے:

فصل ۱۔ عہد نبویؐ میں نظام تعلیم۔

فصل ۲۔ مدینہ منورہ میں تدریسی سرگرمیاں۔

اسلام کی پہلی یونیورسٹی ''الصفہ'' اس کی علمی حیثیت (مقام ومرتبہ)، اصحاب صفہ کی تعداد، اس کی تعلیمی کارکردگی کا تفصیلی جائزہ، نہایت تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

فصل ۳۔ تبلیغ اور تبلیغی وفود کا کردار اوران کے بنیادی وانقلابی اثرات، علاوہ ازیں تبلیغی خطوط وفرامین۔

فصل ۴۔ عہد نبویؐ میں نظام تعلیم

عہد نبویؐ میں تعلیمی نصاب،

تعلیمی محرکات اور عصری تقاضے۔

عہد نبویؐ کے تعلیمی اداروں کی تفصیل اور جائزہ

اور عہد نبویؐ کی تعلیمی پالیسی کے مثبت نتائج وثمرات کا تنقیدی جائزہ۔

اس باب میں تمام معلومات عربی کی بنیادی، علمی وتعلیمی کتب سے لی گئی ہیں۔ معلومات کو تحقیقی انداز میں نہایت مدلل وجامعیت سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تیسرا باب: خلفائے راشدین اور تعلیمی ترقی

اس باب کو تین ذیلی فصول میں منقسم کیا گیا ہے:

فصل ۱۔ خلفائے راشدین کے تعلیمی منہاج پر ایک نظر۔

فصل ۲۔ تعلیم کے مقاصد

فصل ۳۔ خلفائے راشدین کے تعلیمی محرکات اور عصری تقاضے۔

(الف)۔ خلفائے راشدین کے تعلیمی نصاب کا جائزہ۔

(ب)۔ قرآن وحدیث ودیگر علوم۔

اس بات میں تعلیمی ترقی کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تعلیمی میدان میں جو بیش بہا خدمات سرانجام دی ہیں اور تعلیم وتحقیق کی جو بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھی ہے اس ڈگر پر چل کر مسلمانوں نے علوم وفنون کے

میدان میں اتنی ترقی کی منازل طے کیں کہ دیگر اقوام انگشت بدنداں رہ گئیں۔ تعلیم کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کی خدمات نمایاں نظر آنے لگیں۔ اہل مغرب نے ان علوم سے استفادہ کیا اور چاند ستاروں تک کمندیں ڈال دیں۔ اس کے پیچھے مسلمان جواں مردوں کا ہاتھ ہے۔ جن کے سروں پر علم کا بیش قیمت تاج سجا ہوا ہے۔ یہ باب تحقیقی مقالے کا بنیادی حصہ ہے۔

چوتھا باب: بنوامیہ کے تعلیمی ادارے اور ان کے مقاصد

میرے تحقیقی مقالے کا یہ باب بنیادی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس باب میں عہد بنوامیہ کی تعلیمی کاوشوں کو منظر عام پر لانے اور علم وفنون کی ترقی کو بتدریج تحقیقی سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔ اسلام کے شروع میں مسلمانوں کی پوری توجہ صرف دینی تعلیم پر مخصوص تھی اور وہ علوم قرآن، تفسیر، حدیث اور اس کے روایت اور فقہی احکام استنباط کرنے اور شرعی فتوے دینے پر مشتمل تھے جو کہ آپس میں مربوط تھے اور جس میں نئی نئی باتیں شامل ہوتی رہتی تھیں۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ دین سے متصل علوم عہد بنوامیہ میں پھیلے اور عہد عباسی میں علوم عقلیہ، یعنی طب، فلسفہ اور ریاضیات پر بھرپور توجہ دی گئی۔ علماء نے مملکت اسلامیہ کی پھیلی ہوئی سرحدوں اور عجمیوں میں دین کی اشاعت کا بروقت ادراک کرتے ہوئے عربی زبان، تدوین حدیث اور تفسیر قرآن کی ترویج کے لیے اس کے متعلقہ علوم کی تدریس کا باقاعدہ اہتمام کیا۔ اس طرح علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ کی تعلیم اور توسیع کے لیے مختلف علاقوں میں ادارے سرگرم عمل ہو گئے۔

بنوامیہ کے ابتدائی دور میں تابعین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جنھوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعامل بچشم خود ملاحظہ کیا تھا۔ اس طرح صحابہ کا گراں قدر علمی ذخیرہ بھی مدون ہو گیا۔ یہ وہ علمی و تعلیمی بنیادی کاوشیں تھیں جن کی وجہ سے علم کی راہیں ترقی پر گامزن ہوتے ہوئے اوج ثریا تک جا پہنچیں۔ مسلمانوں کی حیرت انگیز علمی ترقی سے دیگر اقوام واہل مغرب نے بہت فیض حاصل کیا۔

میرے اس مقالے کا بنیادی مقصد مسلمانوں کی علمی و تعلیمی خدمات کو مربوط و منظم طریق سے منظر عام پر لانا ہے تاکہ ہم اپنے اسلاف کے سنہری کارناموں کو یاد رکھتے ہوئے مزید تعلیم و تحقیق پر اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور اس کائنات کو بزور علم تسخیر کر لیں۔

باب چہارم درج ذیل فصول پر مشتمل ہے۔

فصل ۱۔ اس فصل کو چھ عنوانات پر منقسم کیا گیا ہے اور ہر عنوان کو مربوط چھوٹے چھوٹے عنوانات کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔ اس میں عہد بنوامیہ کا سیاسی نظام اور اس کے تعلیمی منہاج پر اثرات، تعلیمی نصاب، مقاصد تعلیم اور عصری تقاضے، عربی زبان کی ترقی، دیگر علوم کی اشاعت وغیرہ۔

فصل ۲۔ اس فصل میں عہد بنوامیہ میں وہ علوم جو عوام الناس کی توجہ کا مرکز بنے اور جن پر تحقیقی کام ہوا، یہ تقریباً علوم وفنون کی چودہ شاخیں ہیں۔ یہ علوم تعلیمی اداروں میں بطور نصاب پڑھائے جاتے رہے۔

فصل ۳۔ تعلیمی اداروں کا انتظام وانصرام۔اس میں نئے تعلیمی مدارس

فصل ۴۔ مسجدوں کی تعمیر، مکاتب، محلات، بادیہ اور نادر روزگار تعلیمی مساجد کی تعمیر جن میں مختلف علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی۔جن کی
اس قدر پرشکوہ تھی کہ دیکھنے والی نظر مبہوت ہوئے بغیر نہ رہ سکتی۔ان تمام عنوانات کو تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

فصل ۵۔ اس فصل میں مشہور علمی حلقہ ہائے درس اوران کی کارکردگی، جن میں عوام الناس کی ذہنی، روحانی تربیت کی جاتی تھی۔علاوہ
بنوامیہ کے تعلیمی اداروں کا نصاب۔معاشرے میں اساتذہ کا مقام ومرتبہ اوراساتذہ وشاگردوں کے درمیان باہمی روابط۔
ان سب پر تفصیل حاصل بحث وتحقیق کی گئی ہے۔

باب پنجم نتائج اور عصر حاضر کے تعلیمی منہاج کی ترتیب نو

پہلی صدی ہجری کا منہاج---تعارف

حدیث اوراحادیث کے اسناد کو پرکھنے والے ذیلی علوم

عصر حاضر میں دینی مدارس کا کردار

برصغیر پاک وہند میں دینی مدارس کا آغاز

قومی مقاصداورقومی تعلیمی پالیسی

نتیجۃ البحث

قومی تعلیمی سفارشات وآراء۔

باب پنجم نتائج اور عصر حاضر کے تعلیمی منہاج کی ترتیب نو

اس باب میں پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے اسلامی دینی مدارس کی تعلیمی خدمات، مروجہ نصاب پر بحث کرتے ہوئے موجود حالات حاضرہ کا تعلیمی وتنقیدی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز پاکستان میں مروجہ نصاب جو دینی مدارس میں پڑھایا جارہا ہے اس کے ہر پہلو پر تنقیدی جائزہ کہ یہ نصاب آیا طلباء کی تعلیمی ضروریات کو پورا کررہا ہے، ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور کردار میں پختگی پیدا کرنے، نیز روزگار مہیا کرنے میں کس قدر مفید وکارآمد ہے۔ حکومت پاکستان تعلیمی ترقی میں اور افرادی صلاحیتوں کو بروقت بروئے کار لانے میں کیا معاون کردار ادا کررہی ہے؟

اس مقالے کی تکمیل کے لیے میں نے اپنی بھرپور صلاحیتوں کو استعمال کیا ہے اور جتنا مجھ سے ہوسکا ہے اسے بہتر کرنے کے لیے میں نے کوشش کی ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک انسانی کام ہے اس لیے اس کام میں اگر کوئی کمی کوتاہی ہے تو میں ہی اس کی ذمہ دار ہوں اور میں اس کی تصحیح کے لیے تیار ہوں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ میری اس عاجزانہ اور حقیر کاوش کو قبول فرمائے تاکہ تمام اہل علم اور صاحب دل اس سے مستفید ہوں۔

وما توفیقی الا باللہ العظیم

نرگس پروین خاں

ایم۔اے، ایم۔فل علوم اسلامیہ (گولڈ میڈلسٹ)

اسسٹنٹ پروفیسر علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج برائے خواتین

مدینہ ٹاؤن۔ فیصل آباد



مصادر ومراجع کا تنقیدی جائزہ

زیرنظر تحقیقی مقالہ میں جن بنیادی مصادر ومراجع سے مواد لیا گیا ہے ان میں قرآن مجید کی عربی تفاسیر، احادیث کی کتب ولغات کی کتب شامل ہیں۔ان میں چند عربی تفاسیر کی کتب حسب ذیل ہیں۔

قرآن مجید کی عربی تفاسیر

١۔ الجصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی (م ٣٧٠ھ/ ٩٨٠ء)
"احکام القرآن"

٢۔ القرطبی،ابوعبداللہ ، محمد بن احمد الانصاری (م ٣٧٠ھ/٩٨٠)
الجامع لاحکام القرآن

٣۔ ابن کثیر، عماد الدین، ابوالفداء ، اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی (م ٧٤٧ھ/١٣٧٧ھ)
تفسیر قرآن العظیم

٤۔ آلوسی ، ابوالفضل شهاب الدین ، محمود بن عبداللہ (م ١٢٧٠ھ/١٨٥٤ء)
روح المعانی فی تفسیر العظیم وسبع المثانی

٥۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر (م ٩١١ھ/ ١٥٠٥ء)
الاتقان فی علوم القرآن

قرآن مجید کی اردو تفاسیر

۱۔ احمد سعید مولانا، ت(۱۵ر دسمبر ۱۹۶۵)
''کشف الرحمٰن''
ملک برادرز۔کارخانہ بازار، لائل پور (فیصل آباد)

۲۔ ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ت(۱۹۷۹ء)
''تفہیم القرآن''
ادارہ ترجمان القرآن، لمیٹڈ، لاہور۔

۳۔ امین احسن اصلاحی، مولانا ت(۱۹۷۹ء)
''تدبر قرآن''
فاران فاؤنڈیشن لاہور پاکستان۔ ۱۹۸۵ء

۴۔ سید محمد نعیم الدین، مرادآبادی ت(۱۹۷۹ء)
''تفسیر خزائن القرآن''
دارالعلوم امجدیہ، مکتبہ رضویہ، آرام باغ روڈ۔کراچی

کتب احادیث

۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری ت (٢٥٦ھ/٨٧٠ء)
"الجامع الصحیح"

۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری ت (٢٥٦ھ/٨٧٠ء)
"الجامع الصحیح"

۲۔ مسلم، ابوالحسن، مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری ت(٢٦١ھ/ ٨٧٥ء)
"الجامع الصحیح" (صحیح مسلم)

۳۔ احمد بن حنبل، امام ت (٢٤١ھ/٨٥٥) کی المسند

٤۔ ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی ت (٢٧٥ھ/٨٨٧ء)
"سنن ابن ماجه"

٥۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی ت (٢٧٥ھ/٨٨٩ء)
"سنن ابی داؤد"

٦۔ مالك بن انس، الامام صبحی، ت (١٧٩ھ/٧٩٥ء)
"المؤطأ"

٧۔ الحاکم، ابوعبدالله محمد بن عبدالله، نیساپوری، ت (٤٠٥ھ)
"المستدرك على الصحیحین"

٨۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام، ت (١٣٤٦ھ)
"جامع الترمذی مع تحفة الاحوذی"

کتب لغات

۱۔ تحقیق کے دوران الفاظ کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کی تفہیم کے لیے جن کتب سے استفادہ کیا گیا۔ ان میں ابن منظور، ت(۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء) کی ''لسان العرب''

۲۔ الجرجانی، ت(۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء) کی التعریفات''

۳۔ راغب اصفہانی، ت(۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء) کی ''المفردات''

۴۔ التھانوی، ت(۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء) کی ''کشاف اصطلاحات الفنون''

۵۔ الزبیدی، ت(۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) کی ''تاج العروس'' شامل ہیں۔

نقد المصادر و المراجع

اس تحقیقی مقالہ میں عربی کے بنیادی مصادر و مراجع سے جو بنیادی معلومات لی گئی ہیں ان کا مختصر تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا

(آ)

۱۔ آلوسی، ابوالفضل شهاب الدین محمود عبدالله، ت (۱۲۷۰ھ / ۱۸۵٤ء)
"روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی"

۲۔ آلوسی ، ابوالفضل شهاب الدین محمود عبدالله ، ت (۱۲۷۰ھ / ۱۸۵٤ء)
"' بلوغ الارب فی معرفة احوال العرب"

(الف)

۳۔ ابن الاثیر، عزالدین علی بن محمد الجزری ت(٦۳۰ھ/ ۱۲۳۲ء) "الکامل فی التاریخ"

۴۔ احمد امین ت (۱۲۹۵ - ۱۳۷۳ھ = ۱۸۷۸ - ۱۹۵٤ء)' 'ضحی الاسلام"

۵۔ احمد امین ت(۱۲۹۵۔۱۳۷۳ھ = ۱۸۷۸۔۱۹۵٤م) "فجر الاسلام'

٦۔ احمـدالازرقی ، ابوالولید محمد بن عبدالله بن احمد، الازرقی ،ت(م قیل۲۱۲، و قیل۲۲۳)ب
" اخبارمکه وما جاء فیها من الآثار"

ے۔ احمد سمهودی ، نور الدین علی بن احمد سمهودی ، ت (۹۱۱ھ)
" وفاء الوفا باخبار دارالمصطفٰی"

۸۔ اصفهانی ، حسین بن محمد الراغب ، اصفهانی ، ت (۵۰۲ھ / ۱۱۰۸م) "کتاب الآغانی"

۹۔ اکرم ضیاء العمیری ، دکتور، ت (   )
" المجتمع المدنی فی عهد النبوة خصائصه و تنظیماته الاولٰی"

۱۰۔ اصیبعة، ابن اصیبعة، (۵۹٦۔٦٦۸ھ / ۱۲۰۰۔۱۲۷۰م) "عیون الأنباء فی طبقات الاطبا

(ب)

۱۱۔ ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی ، ت(۳٤٦ھ)
"تاریخ مسعودی مروج الذهب ومعادن الجواهر"

۱۲۔ البغدادی، اسماعیل باشا بن محمد أمین بن میر سلیم 'البغدادی'
" ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون"

۱۳۔ البلاذری ، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر البلاذری ، ت (۲۷۹ھ/۸۹۲م)
"فتوح البلدان"

۱۴۔ البیهقی، ابوبکر محمد بن حسین بن علی بیهقی، ت(٤۰۸ھ)
"السنن الکبری"

٭(ج)

١٥- الجاحظ، ابوعثمان عمربن ، الجاحظ ت (٢٠٠هـ) "الحيوان"

١٦- الجاحظ، ابوعثمان عمربن ، الجاحظ ت (٢٠٠هـ) "البيان والتبيين"

١٧- الجاحظ، ابوعثمان عمربن ، الجاحظ ت (٢٠٠هـ) "رسالة المعلمين"

١٨- جرجي زيدان ، ت (١٣٣٢هـ) "تاريخ آداب اللغة العربية"

١٩- ابن جرير طبرى ، ابوجعفر محمد بن جرير طبرى ، ت (٣١٠هـ) "تاريخ طبرى"

٢٠- ابن جرير طبرى ، ابوجعفر محمد بن جريرطبرى ت (٣١٠هـ) "تاريخ امم والملوك"

٢١- ابن جرير طبرى ، ابوجعفر محمد بن جرير طبرى ، ت (٣١٠هـ) "خلافت راشده"

٢٢- ابن جرير طبرى ، ابوجعفر محمد بن جرير طبرى ، ت (٣١٠هـ) "الخصائص الكبرىٰ"

٢٣- ابن جماعة ، بدرالدين بن جماعة ، ت (٧٣٣هـ) "تذكرة السامع والمتكلم فى ادب العالم والمتعلم"

٢٤- جواد على، دكتور "المفصل فى تاريخ العرب قبل الاسلام"

٢٥- ابن جوزى ، ابى الفرج عبدالرحمٰن بن جوزى ت(٥١٠هـ / ٥٩٧هـ)
"كتاب الوفاء باحوال المصطفى"

٢٦- ابن جوزى ، ابى الفرج عبدالرحمٰن بن جوزى ت(٥١٠هـ - ٥٩٧هـ) "النبى المطهر"

٢٧- ابن جوزى ، ابى الفرج عبدالرحمٰن بن جوزى ت(٥١٠هـ - ٥٩٧هـ) "صفة الصفوة"

٭(ح)

٢٨- ابى حامد محمد بن محمد الغزالى ، للامام ، ت (٤٥٠-٥٠٥هـ/١٠٥٨-١١١١م)
"المستصفى من علم الاصول و بذيلة "فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت فى أصول الفقة"

٢٩- ابن حجر عسقلانى ، شهاب الدين ابوالفضل احمد بن على بن حجر، ت (٧٧٣-٨٥٢هـ/١٣٧٢-١٤٤٩م)
"تهذيب التهذيب"

٣٠- ابن حجر عسقلانى ، شهاب الدين ابوالفضل احمد بن على بن حجر، ت (٧٧٣-٨٥٢هـ/١٣٧٢-١٤٤٩م)
"الإصابة فى تميز أسماء الصحابة"

٣١- ابن حجر عسقلانى ، شهاب الدين ابوالفضل احمد بن على بن حجر، ت (٧٧٣-٨٥٢هـ/١٣٧٢-١٤٤٩م)
"مقدمة فتح البارى"

٣٢- ابن حزم ، ابو محمع على بن احمد بن حزم الاندلسى ، ت (٤٥٦هـ) "جمهرة الانساب العرب"

٣٣- حسن بن ابراهيم ، حسن ، الدكتور ، ت (٢٣٢هـ/ ٨٤٧م) "تاريخ اسلام"

٭(خ)

٣٤- ابن خلكان ، أبى عباس شمس الدين أحمد بن محمد بن ابى بكر ، ابن خلكان ت (٦٨١هـ)
"وفيات الأعيان وانباء أبناء الزمان"

۳۵۔ خلیل بن احمد ، ابوعبدالرحمٰن البصری ، الفراهیدی ت (۱۷۰ یا ۱۷۵ھ) "کتاب العین"

☆(ذ)

۳۶۔ الذہبی، ابوعبداللہ ، شمس الدین محمد الذہبی ، ت(۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء) "تذکرۃ الحفاظ"

۳۷۔ الذہبی، ابوعبداللہ ، شمس الدین محمد الذہبی ، ت(۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء) "میزان الاعتدال"

☆(ر)

۳۸۔ الرازی ، محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم ، الرازی ، ت(۳۲۷ھ) "کتاب الجرح والتعدیل"

۳۹۔ راغب ، اصفہانی ، ابوالقاسم الحسین بن محمد (۵۰۲ھ/۱۱۰۹ء) "المفردات فی غرائب القرآن"

☆(ز)

۴۰۔ زرقانی ، محمد بن عبدالباقی ، العلامہ "شرح العلامۃ الزرقانی علی المواهب اللدنیہ"

۴۱۔ الزرکشی، ابوعبداللہ محمد بن بہادر بن عبداللہ ، ت (۸۹۶ھ/۱۴۸۹ء) "البرہان فی علوم القرآن"

۴۲۔ الزرکشی، ابوعبداللہ محمد بن بہادر بن عبداللہ ، ت(۸۹۶ھ/۱۴۸۹ء)" البرہان فی علوم القرآن"

۴۳۔ زرکلی،خیر الدین

"الاعلام" الأعام قاموس تراجم لأشهر الرجال والنساء من العرب والمستغربین والمستشرقین

☆(س)

۴۴۔ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن سہل ، ت (۴۸۳ھ / ۱۰۹۰) "اصول السرخسی"

۴۵۔ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن سہل ، ت (۴۸۳ھ / ۱۰۹۰) "المبسوط"

۴۶۔ السخاوی ، ابی عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن ، ت(م ۸۳۱ / ۹۰۲ھ) "فتح المغیث"

۴۷۔ السخاوی ، ابی عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن ، ت (م ۸۳۱ / ۹۰۲ھ) "الاعلان بالتوبیخ"

۴۸۔ ابن سعد ، ت (۲۳۰ھ) "الطبقات الکبریٰ"

۴۹۔ السمعانی، عبدالکریم، بن محمد بن منصور التیمی ، ت (۵۶۲ھ) "الانساب"

۵۰۔ السہیلی، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ، ت (۵۸۱ھ)

"الروض الانف فی السیرۃ النبویۃ لابن ہشام"

۵۱۔ سیّد الناس ، ت (۷۳۴ھ) "عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر"

۵۲۔ السیوطی ، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر ، السیوطی ، ت (۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء)

"تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی"

۵۳۔ السیوطی ، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر ، السیوطی ، ت (۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء)

"الخصائص الکبری"

۵۴۔ السیوطی ، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر ، السیوطی ، ت (۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء)

"تاریخ الخلفاء"

☆(ش)
۵۵- شاه ولی اللّٰہ، عظیم الدین ، محدث دهلوی ، ت (۱۷۶۲ء)
"ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء"
۵۶- ابن شبه ، ابوزید عمر بن شبه النیمری البصری ، ت (۲۶۲ ھ)
"اخبار المدينة النبوية اخبار مدينة المنورة"
۵۷- الشهرستانی ، ابی الفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر احمد الشهیرستانی ، ت (۴۷۹-۵۴۸ھ)
"الملل والنحل" تحقیق محمد سید کیلانی
☆(ع)
۵۸- عبدالبر ، ابوعمر یوسف بن عبداللہ ، ت (۴۶۳ھ / ۱۰۷۰ء) ، "جامع بيان العلم وفضله"
۵۹- عبدالبر ، ابوعمر یوسف بن عبداللہ ، ت (۴۶۳ھ / ۱۰۷۰ء) ، "القصد والامم"
۶۰- عبدالبر ، ابوعمر یوسف بن عبداللہ ، ت (۴۶۳ھ / ۱۰۷۰ء) ، "الاستيعاب فی معرفة الاصحاب"
۶۱- ابن عبد ربه ، ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربه ، ت(۹۴۰ھ)
"العُقد الفريد" دارالکتب العلمية ، بيروت ، لبنان ، ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۳ء
۶۲- عمر فروخ، ت (۱۰۰۹ھ / ۱۵۱۷ء) "تاريخ الادب العربی"
۶۳- ابوعبيده القاسم بن سلام ، ت (۲۲۴ھ) ، تقديم ، ترجمه و تحشيه : عبدالرحمٰن "كتاب الاموال"
☆(غ)
۶۴- الغزالی ، ابوحامد ، محمد بن محمد ، امام "احياء العلوم الدين"
☆(ق)
۶۵- ابن قتيبه ، أبی محمد بن عبدالله بن مسلم بن قتيبه ، ت (۸۸۹ھ) "عيون الأخبار"
۶۶- القرشی ، محی الدين محمد عبدالقادر ابن ابی الوفاء محمد بن محمد نصر اللّٰه بن ابی الوفاء القرشی
ت (۶۷۶ھ / ۷۷۵ء) "الجواهر المغية فی طبقات الحنفيه"
۶۷- ابن القفطی، جمال الدين علی بن يوسف، "اخبار العلماء باخبار الحكماء"
۶۸- القلقشندی ، احمد بن علی بن احمد ، ت (۸۴۱ھ / ۱۴۱۸م) "صبح الاعشی فی صناعة الإنشاء"
۶۹- ابن القيم الجوزيه ، شمس الدين ، ابوعبدالله محمد بن بكر الدمشقی، ت (۶۹۱ـ ۷۵۱ھ) ،
"زادالمعاد فی هدی خير العباد" الجزء الاول
۷۰- ابن القيم الجوزيه ، شمس الدين ، ابوعبدالله محمد بن بكر الدمشقی، ت (۶۹۱-۷۵۱ھ) ،
"اعلام الموقعين"
☆(ک)
۷۱- الکتانی، عبدالحی بن عبدالکبير بن محمد حسنی ادريسی فاسی ، الكتانی ، ت(۱۳۴۱ھ)
"نظام الحكومية النبوية" التراتيب الادارية والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمية"
۷۲- ابن كثير ، عماد الدين أبی الفداء اسماعيل بن عمر بن كثير القرشی الدمشقی ت (۷۷۴ھ)
"البدايه والنهاية"

☼(ن)

۷۳۔ ابن الندیم ، ت (۷۲۰ھ) "کتاب الفہرست"

☼(م)

۷۴۔ الماوردی، ابوالحسن، الماوردی ، ت (۳٦٤ھ)
"الاحکام السلطانیہ" مترجم:مولوی سید محمد ابراھیم

۷۵۔ المتقی ، علی بن حسام الدین ، للعامۃ علاء الدین ، ت (۹۷۵ھ)
"کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال"

۷٦۔ محمد بن حبیب ابن امیہ بن عمرو الھاشیمی البغدادی ، ت (۲٤۵ھ) "کتاب المحبر"

۷۷۔ محمد بن حبیب ابن امیہ بن عمرو الھاشیمی البغدادی ، ت (۲٤۵ھ) "کتابُ المنمق"

۷۸۔ محمد مصطفی الاعظمی ، الدکتور "دراسات فی الحدیث النبویؐ وتاریخ تدوینہ"

۷۹۔ محمد بن محمد بن سلیمان الفاسی المغربیؒ ، ت (۱۰۳۹۔۱۰۹٤ھ)
"جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد"

۸۰۔ محمد الخضری ، ت (۱۲۸۹۔ ۱۳٤۵ھ/۱۸۷۲۔۱۹۲۷ء) "تاریخ التشریح الاسلامی"

۸۱۔ محمد بن یوسف الصالحی ، ت(۹٤۲) "سبل للھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد"

۸۲۔ محمد عبدالحادی ابوریدہ ، دکتور ،مترجم :ت۔ ج۔ دی بور "تاریخ الفلسفۃ فی الاسلام"

۸۳۔ محمد عجاج الخطیب ، الدکتور "السنۃ قبل التدوین"

۸٤۔ المقریزی،احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس، الحسینی، العبیدی، تقی الدین المقریزی
ت (۷٦۹۔۸٤۵ھ/۱۳٦۷۔۱٤٤۱ء)
"المواعظ الاعتبار بذکر الخطط والاثار ومعروف "بخطط مقریزی"

۸۵۔ المقریزی،احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس، الحسینی، العبیدی، تقی الدین المقریزی
ت (۷٦۹۔۸٤۵ھ/۱۳٦۷۔۱٤٤۱م) "شذور العقود فی ذکر العقود فی النقود"

۸٦۔ ابن منظور ، محمد بن مکرم ، ت (۷۱۱ھ/ ۱۳۱۱ء) "للسان العرب"

اس مقالہ کو مکمل کرنے کے لیے میں نے اپنی تمام تر کوششیں کی ہیں لیکن چوں کہ یہ ایک علمی کاوش ہے اور میری کم علمی کی وجہ سے اس میں کمی رہ گئی ہوگی۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ اس ضمن میں میری رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی ومددگار ہو۔

وما توفیقی الا باللہ العظیم

نرگس پروین خاں

ایم۔اے،ایم۔فل علوم اسلامیہ (گولڈ میڈلسٹ)

اسسٹنٹ پروفیسر علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج برائے خواتین

مدینہ ٹاؤن۔فیصل آباد

پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج

باب اول

فصل اول:۱۔ تعلیم کا لغوی مفہوم

۲۔ تعلیم کا اصطلاحی مفہوم

۳۔ تعلیم کا تصور از روئے قرآن وحدیث

۴۔ تعلیم کے اسلامی اصول

فصل دوم: الف۔ تصور علم

ب۔ مقصد تعلیم

ج۔ انفرادیت اور اجتماعیت میں توازن

د۔ علم کی وحدت اور ہم آہنگی

ھ۔ تعمیر کردار

ل۔ تکمیل حیات

۵۔ فلسفہ تعلیم

الف۔ انسان کی حیثیت خلیفۃ اللہ فی الارض

ب۔ دنیا ایک امتحان گاہ

ج۔ راہ عمل۔وحی الہی

فصل سوم:۶۔ مختلف وحدات کے تناظر میں تعلیم کے اثرات

(۱) یونان میں

(۲) روم میں

(۳) یمن تہذیب وثقافت میں

(۴) ایرانی تہذیب وثقافت میں

(۵) ہندی تہذیب وثقافت میں

فصل چہارم ۷۔ اسلامی تعلیم کے بنیادی مقاصد

(۱) حصول علم

(۲) علم کی فرضیت

(۳) تعلیم کا مقام وعظمت

(۴) تزکیہ نفس

(۵) تلاوت آیات

(۶) کتاب وحکمت کی تعلیم

(۷) صلاحیتوں کی نشو ونما

(۸) ملی ضروریات کی تکمیل

(۹) قومی ضروریات کی تکمیل

فصل پنجم :۸۔ مذکورہ مقاصد کے حصول کے ادارے اور وسائل

(۱) مسجد، مکتب

(۲) تعلیم کے عناصر چہارگانہ

الف۔ طالب علم

ب۔ استاد

ج۔ تدریسی مواد (نصاب)

د۔ حکومت اور تعلیمی انتظامیہ

حوالہ جات کتب

تعلیم کا لغوی مفہوم

(ا) سکھانا، بتانا ۲۔ تلقین، ہدایت، تربیت

تعلیم ابتدائی

ا۔ کسی علم و فن کے شروعات کو پڑھنا، پڑھانا۔

۲۔ پرائمری جماعتوں کی تعلیم

تعلیم اعلیٰ

ا۔ اعلیٰ پائے کی تعلیم

۲۔ کالج کی تعلیم

تعلیم پانا، حاصل کرنا

ا۔ محاورہ سیکھنا

۲۔ تربیت پانا، ہدایت پانا، تلقین حاصل کرنا۔

تعلیم گاہ

ا۔ تعلیم پانے کی جگہ

۲۔ مکتب اسکول کالج وغیرہ۔ تعلیم لینا (ا) محاورہ علم حاصل کرنا۔ ۱؎

تعلیم

عربی میں کسی کو کچھ سکھانا، فارسی میں کچھ سیکھنا، مونث سکھانا، تلقین، ہدایت، وہ باتیں جو پیر اپنے مرید کو بتاتا ہے۔ ۲؎

تعلیم کا اصطلاحی مفہوم (Education)

تعلیم، آموزش، تہذیب عقل و اخلاق، تعلیم و تدریس یا تربیت کا عمل، اس تربیت کا ایک حصہ یا مرحلہ، تعلیم و تربیت کے نتیجے میں حاصل ہونے والا علم یا صلاحیت، کسی خاص ہنر یا پیشے کی تدریس یا تحصیل، تدریس اور نظم و ضبط حیثیت عمومی، علم و فضل، تعلیمات یا علم کا ایک شعبہ جس کا تعلق مدارس میں تعلیم و تعلم کے طریقوں سے ہے۔ علم التعلیم، ۳؎

تعلیم

پبلک کو لکھنا پڑھنا سکھانا اور نوشت و خواند سے بہرہ اندوز کرنا تعلیم کا ایک مفہوم ہے۔ تعلیم کی ترقی کے ساتھ

ساتھ علوم وفنون کی تعلیم کا مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے۔

حضرت آدمؑ کی تعلیم کی طرف علم الاسماء میں اشارہ ہے۔ یونانیوں' مصریوں اور دوسری قوموں نے تعلیم ابجد کی ابتداء تصویروں اور شکلوں سے کی اور ان کی جگہ حروف نے لے لی۔ مختلف ملکوں اور مختلف قوموں کے ارباب تعلیم مختلف ہوتے ہیں۔ یونان میں افلاطون کے وقت میں بھی سرکاری سکول موجود تھے۔ بعض ملکوں میں تعلیم لازمی ہے اور بعض میں اختیاری۔

پاکستان میں لازمی تعلیم بعض بلدیات میں ہے اور دیہات میں بھی تعلیم کے لزوم پر زور دیا جارہا ہے۔ تعلیم ہمارے ملک میں پرائمری' سیکنڈری اور یونیورسٹی مراحل پر دی جاتی ہے۔ ابھی ملک کی کثیر تعداد ناخواندہ ہے۔ فرنٹیر کے علاقے میں تعلیم کی تمام درسگاہیں سرکاری ہیں دوسرے علاقوں میں اکثر سکول اور کالج سرکاری ہیں لیکن کثیر تعداد پرائیویٹ درسگاہوں پر مشتمل ہے۔ ۴ے

تعلیم کیا ہے ؟

انگریزی زبان کا لفظ "Education" لاطینی لفظ "Edex" بہ معنی نکالنا اور "Ducer-Duc" بہ معنی رہنمائی سے ماخوذ ہے۔ ۵ے

لفظی طور پر اس کے معنی "معلومات کا جمع کر دینا ہے" اور "مخفی صلاحیتوں کو نکھارنا" ہیں۔ اصلاًیہ لفظ معلومات فراہم کرنے اور متعلم کی مخفی صلاحیتوں کو نکھارنے کے مفہوم میں آتا ہے۔

"جان اسٹورٹ مل" مغرب کے ان دانشوروں میں سے ہے جنہوں نے تعلیم کے مفہوم کو وسعت دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

"تعلیم صرف ان باتوں ہی کا احاطہ نہیں کرتی' جو ہم اپنی فطرت کے کمال سے قریب تر ہونے کی بناء پر' واضح مقصد کی خاطر اپنے لئے کرتے ہیں یا دوسرے ہمارے لئے کرتے ہیں اپنے وسیع تر مفہوم میں اس کی حدود بہت زیادہ ہیں۔ انسانی کردار اور صلاحیت پر ان چیزوں کے بالواسطہ پڑنے والے اثرات بھی اس کے دائرہ کار میں شامل ہیں۔ جن کے فوری مقاصد بالکل ہی دوسرے ہوتے ہیں۔" ۶ے

جان ملٹن تعلیم کی تعریف یوں کرتا ہے:

"میرے نزدیک مکمل اور شریفانہ تعلیم وہ ہے جو انسان کی حالت جنگ و امن اپنی اجتماعی اور نجی زندگی کے فرائض' دیانت و مہارت اور عظمت کے ساتھ ادا کرنے کے لئے تیار کرتی ہے۔" ۳ے

تعلیم کا یہ وسیع ترین تصور ہے۔

امریکی فلسفی جان ڈیوی کے نزدیک:

"تعلیم افراد اور فطرت سے متعلق بنیادی طور پر عقلی اور جذباتی رویوں کے تشکیل پانے کا عمل ہے۔" ۸ے

Education difined by Russell,

According to Russell:

"Education, in the sense in which I mean it, may be difined as the formation, by means of instruction of certain mental habits and a certain outlook on life and the world."

Aims of Education

According to Bertrand Russell.

(1) The Aims of Education should be to promote and improve our basic natural qualities of the heart and mind. It should help us in devolping our natural inclinations and tendencies, our feeling and ideas, Bertrand Russell says:

The purpose of education, therefore, cannot be to create any primary impulse which is lacking in the uneducated, The purpose can only be to enlarge the scope of those that human nature provides by increasing the number and variety of attendant thoughts, and by showing where the most permanent satisfaction is to be found.

(2) Education is to help us morally the purpose of education is moral to soften and control the force of desire and emotion, the desires should not go unchecked and uncontrolled and one should not be thoughtlessly violent. Education helps men in gaining wisdom, by destroying the crudity of emotion and instinet. Burtrand Russell says:

"Education destroys the crudity of instinet, and increases though knowledge the wealth and variety of the individual's contact whith the outside world, making him no longer an isolated fighting unit, but a citizen of the universe, embracing distant countries, remote regions of space, and vast stretches of past and future with in the circle of his interests. It is this simultaneous softening in the insistence of desire and enlargement of its scope that is the chief moral end of education."

(3) To make us see and imagine the world in an objective manner, education helps us to form our mental habits and outlook on the world in an unemotional impersonal way, neither favouring one party nor the other. It helps us in understanding our true place in society.

Bertrand Russell says:

Closely connected with this moral end the intellectual aim of education is an endeavour to make us see and imagine the world in an objective manner and not merely through the distorting medium of personal desire.

ڈاکٹر پارک کا خیال ہے:

''تعلیم رہنمائی یا مطالعے سے علم حاصل کرنے اور عادت اختیار کرنے کا عمل یا فن ہے۔''[10]

ڈکشنری آف ایجوکیشن کے مطابق:

''تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے۔ جس کے تحت فرد معاشرتی سوجھ بوجھ اور اپنی انفرادی نشو ونما حاصل کرتا ہے۔''

''تعلیم وہ عمل ہے۔ جس کے ذریعے ایک نسل اپنے ماضی کا علم بڑے منضبط انداز میں حاصل کرتی ہے۔''[11]

عربی لغت کے اعتبار سے:

''تعلیم کا مادہ ع۔ ل۔ م ہے۔ اس سے مراد کسی چیز کو کما حقہ جاننا' پہنچاننا' محسوس کرنا' یقین کرنا' حقیقت کا ادراک اور محکم طور پر معلوم کرنا ہے۔ اس سے باب تفعیل میں ''تعلیم'' آتا ہے۔ تعلیم کے معنی بار بار اور کثرت کے ساتھ خبر دینے کے ہیں۔ حتیٰ کہ طالب علم کے ذہن میں اس کا اثر پیدا ہو جائے۔''[12]

عرب ادراکِ حقیقت کرنے والے کو عالم کہتے ہیں

جس کی جمع عالمون آتی ہے اور علیم کی جمع علماء یعنی گہرا اور پختہ علم رکھنے والے اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز پر ایسے نشانات کے ہیں جن سے وہ شے دیگر اشیاء سے متمیز ہو سکے۔

نیز عربوں کے نزدیک علم کا درجہ معرفت اور شعور سے زیادہ بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ''علم'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں' معرفت اور شعور کا نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو علیم یا عالم تو کہہ سکتے ہیں۔ عارف (معرفت رکھنے والا) یا شاعر شعور رکھنے والا نہیں کہہ سکتے۔''[13]

علم اور معرفت میں (ان کے نزدیک) ایک فرق یہ بھی ہے کہ معرفت کسی چیز کے آثار قرائن میں غور وفکر کر کے اس کا ادراک کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن علم کے لئے یہ ضروری نہیں۔ ثانیاً معرفت کا لفظ بیشتر موقع پر اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز ادراک کے بعد دھیان سے نکل جائے اور پھر دوبارہ اس کا ادارک ہو۔ لیکن علم میں یہ صورت نہیں ہوتی۔[14]

خورشید احمد' پروفیسر ''نظام تعلیم'' میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''تعلیم ایک ایسا عمل ہے' جس کے ذریعے سے ایک فرد اور قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے اور یہ عمل اس قوم کو تشکیل دینے والے افراد کے احساس وشعور کو نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ نئی نسل کی وہ تعلیم و تربیت ہے جو اسے زندگی گزارنے کے طریقوں کا شعور دیتی ہے اور اس میں زندگی کے مقاصد و فرائض کا احساس پیدا کرتی ہے۔ تعلیم ہی سے ایک قوم اپنے ثقافتی' ذہنی اور فکری ورثے کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتی ہے اور ان میں زندگی کے ان مقاصد سے لگاؤ پیدا کرتی ہے۔ جنہیں اس نے اختیار کیا ہے۔''[15]

برہان احمد فاروقی' ڈاکٹر وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اشیاء کی ماہیت اصلی کو سمجھنے کی طلب و آرزو کا نام علم ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''انسان اپنے آپ کو اس عالم میں اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے دو چار پاتا ہے۔ اس عالم میں موجودات سے اس کا واسطہ اسے تجسس پر مجبور کرتا ہے۔ وہ ان اشیاء کی حقیقتوں کا ادراک چاہتا ہے وہ انکی طرف مختلف قسم کی آرزوؤں کیساتھ متوجہ ہوتا ہے ان میں سے ایک علم کی آرزو ہے اشیاء کی ماہیت اصلی کو جاننے کی طلب ''اسی طلب کا نام علم ہے''۔[16]

مقاصد تعلیم قرآن حکیم کی روشنی میں

عہد نبویؐ کے نظام تعلیم و تربیت کے اصولی مقاصد کیا تھے؟

اس بارے میں ہمیں قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ جس کی چند آیات درج ذیل ہیں:

۱۔ وَ يَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔[17]

ترجمہ:۔ وہ جانتا ہے اس کو بھی جو خشکی میں ہے اور اس کو بھی جو تری میں ہے۔

۲۔ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔[18]

ترجمہ:۔ اور اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھا دیے۔

۳۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔[19]

ترجمہ:۔ تمہیں جو کچھ علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔

٤۔ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔[20]

ترجمہ:۔ جسے علم و فہم کی دولت ملی اسے بڑی بھلائی کا حصہ ملا۔

۵۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔[21]

ترجمہ:۔ اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو صحیح معنوں میں عالم ہیں۔

٦۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ۔[22]

ترجمہ:۔ (اے اللہ ایسا پیغمبر مبعوث فرما) جو ان کے سامنے تیری آیات کی تلاوت کریں، کتاب کی انہیں تعلیم دیں، حکمت سکھائیں اور تزکیہ نفس کریں۔

۷۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔[23]

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے مومنین کے درجے اور اہل علم کے درجے بلند کرے گا۔

مطالب و معانی

اگر غور سے دیکھا جائے تو مندرجہ بالا سات آیات قرآنی سے اسلامی نظام تعلیم و تربیت کے سات اصولی مقاصد اخذ

ہوتے ہیں۔ جو علی الترتیب بیان کئے جاتے ہیں۔

پہلی آیت سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بحر و بر ہر چیز پر حاوی ہے اور اسی کی ذات ہی علم و عرفان کا اولین سرچشمہ ہے۔

دوسری آیت سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ علوم و معارف کو سیکھنے کی استعداد اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو بخشی ہے۔

تیسری آیت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انسان کا علم محدود ہے پس اسے اپنی عقل کو وحی الٰہی کا تابع بنا دینا چاہئے۔

چوتھی آیت سے یہ نکتہ ہاتھ آتا ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عنایت ہے پس انسان کو اس کا شکر گزار اور فرمانبردار بندہ بننا چاہئے۔

پانچویں آیت اسلامی نظام تعلیم کی بنیادی غایت کو متعین کرتی ہے اور وہ ہے خشیت الٰہی بالفاظ دیگر خدا کی رضا کی طلب اور اس کی ناراضگی کا ڈر۔

چھٹی آیت ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ تعلیم کا ایک بڑا مقصد انسانی اخلاق و کردار کو سنوارنا ہے دوسرے الفاظ میں قلب انسانی کا تزکیہ تعلیم کی اہم ترین غایت ہے۔

ساتویں آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ صحیح علم و عرفان قرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں علم بجائے خود مقصود نہیں بلکہ ان اعلیٰ مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے جن کا تعین اللہ اور اس کے رسولؐ نے کر دیا ہے۔

تعلیم کا تصور از روئے قرآن و حدیث

اہل علم کیلئے درجات کی بلندی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْر"۔ ۲۳۔

ترجمہ:۔ اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

اہل علم اور غیر اہل علم برابر نہیں

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ ۲۴۔

ترجمہ:- کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۔ ۲۵

ترجمہ:- بے شک اللہ کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں بیشک اللہ عزت والا بخشنے والا ہے۔

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ ۲۶

ترجمہ:- اور سکھائے آدم علیہ السلام کو نام سارے پھر سامنے کیا ان کو اوپر فرشتوں کے پھر کہا بتاؤ مجھ کو نام انکے اگر تم سچے ہو۔

اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ O عَلَّمَهُ الْبَيَانَ O ۲۷

ترجمہ:- رحمٰن نے سکھایا قرآن۔ پیدا کیا آدمی کو۔ سکھایا اس کو بولنا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ O الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ O ۲۸

ترجمہ:- پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے لہو سے۔ پڑھ اور تیرا رب بہت کرم کرنے والا ہے۔ جس نے سکھایا ساتھ قلم کے۔ سکھایا آدمی کو جو کچھ نہیں جانتا تھا۔

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔ ۲۹

ترجمہ:- اور جس وقت سکھائی میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ ۳۰

ترجمہ:- وہی ہے اللہ جو نہیں کوئی معبود مگر وہ جاننے والا پوشیدہ کا اور حاضر کا وہی ہے بخشش کرنے والا مہربان۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ۔ ۳۱

ترجمہ:- اور بعض لوگ وہ شخص ہیں کہ جھگڑتے ہیں بیچ توحید خدا کے بغیر علم کے اور پیروی کرتے ہیں ہر شیطان سرکش کی۔

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ ۳۲

ترجمہ:- تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔

يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ ۳۳

ترجمہ:- پڑھتا ہے اوپر تمہارے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت اور سکھاتا ہے تم کو

جو کچھ کہ نہیں تھے تم جانتے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِىْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔ ۳۴

ترجمہ:-اور نہیں سکھایا ہم نے اس کو شعر اور نہیں لائق اس کے۔نہیں وہ مگر ایک نصیحت اور روشن کتاب۔

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ ۳۵

ترجمہ:-اور تحقیق وہ البتہ صاحب علم تھا واسطے اس چیز کے کہ سکھایا تھا ہم نے اس کو لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ۔ ۳۶

ترجمہ:-اور البتہ تحقیق دی ہم نے ابراہیم کو ہدایت اس کی پہلے اس سے اور ہم تھے اس کو جاننے والے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ۔ ۳۷

ترجمہ:-جاننے والا ہے پوشیدہ کا اور ظاہر کا بڑا بلند ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ ۳۸

ترجمہ:-اور یہ مثالیں ہیں کہ بیان کرتے ہیں ہم ان کو واسطے لوگوں کے اور نہیں سمجھتے ان کو مگر علم والے۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۳۹

ترجمہ:-وہی (خدا) ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے ایسا رسول بھیجا جو ان پر آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اگرچہ وہ اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ ۴۰

ترجمہ:-اے ہمارے پروردگار! تو انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات کو پڑھ کر (سنائے) اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم سکھا دے اور ان کو پاک کرے بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝ ۴۱

ترجمہ:-تو آپ اپنی جانوں کو (ریاکاری کے ساتھ) ستھرانہ بناؤ وہ خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہیں۔

علم و تعلیم اور تحصیل علم اور علماء کے فضائل احادیث نبویؐ میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں:

احادیث نبویؐ میں علم وعلماء کی بہت سی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں اور انہیں دین کی خاطر علم حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا

يُفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ وَ فِيْ الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَ مُعَاوِيَةَ هٰذَا حَدِيْث" حَسَن صَحِيْح"۔ "۴۲

ترجمہ:- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

تلاش علم کی جستجو کا اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَّلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَه' طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّة ۔۴۳

ترجمہ:- حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں سفر اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔

ایک اور جگہ حصول علم کی جدوجہد کرنے والے کی فضیلت یوں بیان فرمائی!

"عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ ۔" ۴۴

ترجمہ:- حضرت انس بن مالک سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں نکلے وہ واپسی تک اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہوتا ہے۔

نیکی کی تعلیم دینے والوں کا اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"عَنْ اَبِيْ الدَّرْدَآءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهُ يَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَنْ فِيْ السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِيْ الْاَرْضِ حَتّٰى الْحِيْتَانُ فِي الْبَحْرِ۔" ۴۵

ترجمہ:- ابوالدرداءؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا زمین و آسمان میں جتنی چیزیں ہیں عالم کے لئے مغفرت طلب کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ دریا کی مچھلیاں بھی۔

نبی کریم ﷺ نے علم کے ساتھ عمل پر بھی پر زور تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَّجُلٍ يَّسْلُكُ طَرِيْقًا يَّطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا اِلَّا سَهَّلَ اللّٰهُ لَه' بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَ مَنْ اَبْطَاءَ بِهٖ عَمَلَه' لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبَه'۔ "۴۶

ترجمہ:- حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی علم حاصل کرنے کیلئے کسی راستے کو طے کرتا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کے راستے کو آسان فرما دیتا ہے اور جس نے اس کے مطابق عمل کرنے میں سستی کی تو اس کا نسب کوئی پیش قدمی نہیں کر سکے گا۔

نبی کریم ﷺ نے حصول علم کو خدا کی رضا و خوشنودی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا یُبْتَغٰی بِہٖ وَجْہُ اللّٰہِ لَا یَتَعَلَّمُہٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِہٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَعْنِیْ رِیْحَھَا۔" ؎۴۷

ترجمہ:۔ حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے علم حاصل کیا جس سے اللہ کی رضامندی حاصل کی جاتی ہے لیکن وہ نہیں سیکھتا مگر دنیا حاصل کرنے کیلئے تو قیامت کے روز جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

علم پھیلانے والے کو اجر کثیر دینے کی خوشخبری سنائی گئی ہے

"عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا فَلَہٗ اَجْرٌ مَّنْ عَمِلَ بِہٖ لَا یَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الْکَامِلِ۔" ؎۴۸

ترجمہ:۔ انس بن مالک کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو علم کی بات بتائے گا تو اسے اس پر عمل کرنے والے کا بھی اجر ملے گا اور عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

علم کو اپنے اغراض و مقاصد کے استعمال کیلئے وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

"قَالَ اَمَا وَاللّٰہِ لَقَدْ کَانَ لِیْ مِنْہُ وَجْہٌ وَّمَنْزِلَۃٌ وَلٰکِنِّیْ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔" ؎۴۹

ترجمہ:۔ فرمایا! خدا کی قسم معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ لیکن میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

علم کو چھپانے والے کو وعید سنائی گئی۔

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَہٗ ثُمَّ کَتَمَہٗ اُلْجِمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِلِجَامٍ مِّنَ النَّارِ۔" ؎۵۰

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص سے کوئی علم کی بات پوچھی گئی اور اس نے جاننے کے باوجود اسے چھپالیا۔ قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی۔

علم دین کیلئے فکر و تدبر کرنے والے کی فضیلت یوں بیان کی۔

"عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔" ؎۵۱

ترجمہ:۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری

تعلیم قرآن کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ۔'' [۲۵]

ترجمہ:۔ حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے سب سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور دوسرے لوگوں کو سکھائے۔

علماء انبیاء کرام کے وارث ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے:

''قَالَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَّطْلُبُ فِیْہِ عِلْمًا سَلَّکَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّۃِ وَ اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَتَفْتَحُ اَجْنِحَتَھَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَ اِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُلَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْحِیْتَانَ فِیْ جَوْفِ الْمَآءِ وَ اِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ عَلٰی سَآئِرِ الْکَوَاکِبِ وَ اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ وَ اِنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔'' [۲۶]

ترجمہ:۔ حضرت ابودرداء نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو علم حاصل کرنے کیلئے کسی راستے پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلائے گا اور علم حاصل کرنے والے کو خوشی کیلئے فرشتے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور عالم کیلئے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز دعاءِ مغفرت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی اور عبادت کرنے والوں پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر اور علماء ہی انبیائے کرام کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیائے کرام کی میراث دینار یا درہم نہیں ہوتے۔ ان حضرات کی میراث علم دین ہے۔ جس نے اسے حاصل کرلیا اس نے بہت بڑا حصہ پالیا۔

علم اور تحصیل علم کی فضیلت میں صحابہ اور تابعین وعلمائے اسلام کے آثار واقوال

☆ حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد ہے:

''فقہ کی ایک مجلس ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔'' [۲۷]

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت کمیلؓ سے فرمایا:

''اے کمیل! علم دولت سے بہتر ہے، علم پاسبانی کرتا ہے اور دولت کی پاسبانی تمہیں کرنی پڑتی ہے، اور علم حکمران

ہوتا ہے اور دولت پر حکمرانی کی جاتی ہے' اور دولت خرچ ہونے سے کم ہوتی ہے اور علم خرچ کرنے سے زیادہ ہوتا ہے"۔۵۳

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے یہ اثر بھی منقول ہے کہ:

"عالم' روزہ دار' زاہد اور مجاہد سے افضل ہے۔ جب کوئی عالم وفات پاتا ہے تو اسلام میں ایک روزن ہو جاتا ہے جو اس کے قائم مقام کے آنے کے بعد بند ہوتا ہے۔"

☆ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

"حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو علم' دولت اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا۔ انہوں نے علم کو منتخب کیا تو دولت و سلطنت بھی اسکے دامن سے وابستہ ہاتھ آئی۔"

☆ فتح موصلیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ اگر مریض کھانے اور دوا کھانے سے روک دیا جائے تو وہ مر نہ جائے گا' لوگوں نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے فرمایا! یہی قلب کا حال ہے اگر اسے تین دن علم و حکمت سے روک دیا جائے تو وہ مردہ ہو جائے گا۔

☆ زبیر بن ابو بکرؒ کہتے ہیں کہ ان کے والد نے انہیں یہ نصیحت لکھ بھیجی کہ :

۱۔ لازم ہے کہ تم علم کی طلب کرو' کیونکہ اگر تم فقیر ہو گئے تو علم تمہاری دولت ہو گا اور اگر تم مالدار ہوئے تو علم تمہارا حسن و جمال بنے گا۔

۲۔ ابن مبارک فرماتے ہیں:

"مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جو علم حاصل نہیں کرتا اس کے باوجود اپنے آپ کو عزت کئے جانے کا مستحق سمجھتا ہے۔"

☆ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں:

"اگر میں ایک مسئلہ کی تعلیم حاصل کروں تو یہ میرے نزدیک رات بھر نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔"

☆ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں:

"علم کی ایک مجلس لہو و لہب کی ستر مجلسوں کا کفارہ ادا کرتی ہے۔"

☆ امام شافعیؒ نے فرمایا:

"علم کی تحصیل نفل پڑھنے سے افضل ہے۔"

☆ ابن عبدالحکیم کا بیان ہے کہ وہ امام مالک کے پاس تعلیم حاصل کرنے میں مشغول تھے' جب ظہر کی نماز کا وقت آیا' تو انہوں نے نماز میں جانے کے لئے اپنی کتابیں سمیٹیں' اس وقت امام مالکؒ نے فرمایا:

"جس چیز کے لئے تم جس چیز کو چھوڑ کر اٹھ رہے ہو وہ اس سے افضل نہیں اگر علم کی تحصیل کی نیت درست

ہے۔"

☆ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

"انسانوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے لئے ہر چیز دعا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ مچھلی بھی سمندر میں دعا گوئی میں مصروف رہتی ہے۔"

☆ بعض بزرگوں کا قول ہے:

"علماء زمانوں کے چراغ ہیں ان میں سے ہر عالم اپنے اپنے زمانہ کے لئے روشنی ہے جس سے اس کے زمانہ کے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں۔"

☆ حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کہا کہ علم کی قیمت ہوتی ہے' پوچھا گیا وہ کیا ہے تو فرمایا:

"اسے اس شخص کو دو' جو اسے عمدہ طریقہ سے اٹھائے اور ضائع نہ کرے۔"

☆ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں:

"اللہ کے نزدیک عزت میں سب سے بڑھے ہوئے وہ ہیں جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہیں اور وہ انبیاء اور علماء ہیں"

☆ نیز انہوں نے فرمایا:

"نبوت سے زیادہ افضل کوئی چیز نہیں اور نبوت کے بعد علم کا در□ ہے۔"

☆ سہل کہتے ہیں:

"جو انبیاء کی مجلسیں دیکھنے کی آرزو رکھتا ہو' وہ علماء کی مجلسوں میں بیٹھے' ان کی مجلسیں انبیاء کی مجالس کا نمونہ ہیں۔"

☆ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"اگر باعمل علماء اللہ کے اولیاء نہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی نہیں ہے۔"

☆ امام سفیان ثوری اور امام شافعی سے منقول ہے کہ:

"فرائض کی ادائیگی کے بعد علم کی طلب سے زیادہ افضل کوئی چیز نہیں۔"

قاضی ابن جماء ان آثار و اقوال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ان سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے علم میں مشغول رہنا' نفل کی بدنی عبادتوں نماز' روزہ' تسبیح اور دعا وغیرہ سے بہتر ہے' کیونکہ اس کے علم کا نفع اس شخص کو حاصل ہونے کے علاوہ دوسرے لوگوں تک بھی پہنچے گا اور جسمانی عبادتوں' نفل نمازوں اور وظیفوں وغیرہ کا نفع صرف اس کی ذات تک محدود رہے گا' بلکہ عالم کے علم سے اس کی وفات کے بعد بھی نفع پہنچنا ممکن ہے۔ اور علامہ ابن عبدالبر نے اس موقع پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ مرنے کے بعد سب کے عمل کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے' سوائے تین قسم کی چیزوں کے ایک صدقہ جاریہ' دوسرے ایسے علم جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی نفع ہو اور تیسرے صالح لڑکے جو اس کے حق میں بھلائی کی

دعا کریں، لیکن عابد کی عبادت سے صرف اس کی ذات کو نفع پہنچتا ہے۔'' ۵۳؎

علم کی فضیلت کا بیان

۱۔ قَالَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَّطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِّنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ لَتَفْتَحُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِّطَالِبِ الْعِلْمِ وَ اِنَّ لِلْعَالِمِ يَسْتَغْفِرُلَه' مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْحِيْتَانِ فِی جَوْفِ الْمَآءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰی سَآئِرِ الْكَوَاكِبِ وَ اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وَ اِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلا دِرْهَمًا اِنَّمَا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَه' اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔ ۵۳؎

ترجمہ:۔ حضرت ابو درداء نے فرمایا کہ میں حضرت رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستہ پر چلائے گا اور علم حاصل کرنے والے کی خوشی کیلئے فرشتے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور عالم کیلئے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز دعائے مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی اور عبادت کرنے والوں پر عابد کی فضیلت ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر اور علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیائے کرام کی میراث دینار و درہم نہیں ہوتے ان حضرات کی میراث علم دین ہے جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے بہت بڑا حصہ پا لیا۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَّجُلٍ يَّسْلُكُ طَرِيْقًا يَّطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا اِلَّا سَهَّلَ اللّٰهُ لَه' بِهٖ طَرِيْقًا اِلَی الْجَنَّةِ وَ مَنْ اَبْطَاَ بِهٖ عَمَلَه' لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُه'۔ ۵۴؎

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی علم حاصل کرنے کیلئے کسی راستہ کو طے کرتا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کے راستہ کو آسان فرما دیتا ہے اور جس نے اس کے مطابق عمل کرنے میں سستی کی تو اس کا نسب کوئی پیش قدمی نہ کر سکے گا۔

۳۔ قَالَ اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ لِیْ مِنْهُ وَجْه'' وَّ مَنْزِلَة'' وَّلٰكِنِّیْ سَمِعْتُه' يَقُوْلُ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَه' مِنَ النَّارِ۔ ۵۵؎

ترجمہ:۔ فرمایا خدا کی قسم! معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے حضورؐ کی بارگاہ میں خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے لیکن میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

۴۔ عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ

بِرَایِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاَ۔ ۵۶؎

ترجمہ:- حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی کتاب میں اپنی رائے سے کچھ کہا خواہ صحیح ہو پھر بھی اس نے غلطی کی۔

۵۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا یُبْتَغٰی بِہٖ وَجْہُ اللّٰہِ لَا یَتَعَلَّمُہٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِہٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَعْنِیْ رِیْحَھَا۔ ۵۷؎

ترجمہ:- حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے علم حاصل کیا جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کی جاتی ہے لیکن وہ اس کو نہیں سیکھتا مگر دنیا حاصل کرنے کیلئے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

۶۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَہٗ ثُمَّ کَتَمَہٗ اُلْجِمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِلِجَامٍ مِنَ النَّارِ وَفِی الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَّ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ وَ حَدِیْثُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ حَدِیْثٌ'' حَسَنٌ''۔ ۵۸؎

ترجمہ:- حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص سے کوئی علم کی بات پوچھی گئی اور اس نے جاننے کے باوجود اسے چھپالیا۔ قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی۔ اس باب میں حضرت جابرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایات ہیں۔

۷۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْہِ عِلْمًا سَھَّلَ اللّٰہُ لَہٗ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّۃِ ھٰذَا حَدِیْثٌ'' حَسَنٌ''۔ ۵۹؎

ترجمہ:- حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں سفر اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کردیتا ہے' یہ حدیث حسن ہے۔

۸۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ ھٰذَا حَدِیْثٌ'' حَسَنٌ''۔ ۶۰؎

ترجمہ:- حضرت انس بن مالکؓ سے راویت ہے حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں نکلے وہ واپسی تک اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہوتا ہے یہ حدیث حسن ہے۔

۹۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَ فِی الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَ مُعَاوِیَۃَ ھٰذَا حَدِیْثٌ'' حَسَنٌ صَحِیْحٌ''۔ ۶۱؎

ترجمہ :۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ اس باب میں حضرت عمرؓ ابو ہریرۃؓ اور معاویہؓ کی بھی روایات ہیں' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱۰۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مِنْ بَعْضِ حُجَرِهٖ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَإِذَا هُوَ بِحَلْقَتَيْنِ اَحَدُهُمَا يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلٌّ عَلٰى خَيْرٍ هٰؤُلَآءِ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ يَدْعُوْنَ اللّٰهَ فَاِنْ شَآءَ اَعْطَاهُمْ وَ اِنْ شَآءَ مَنَعَهُمْ وَ هٰؤُلَآءِ يَتَعَلَّمُوْنَ وَ يُعَلِّمُوْنَ وَ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا فَجَلَسَ مَعَهُمْ۔ ۶۲؎

ترجمہ :۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے' وہاں دو حلقے بیٹھے ہوئے تھے ایک حلقہ قرآن کی تلاوت کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا اور دوسرا تعلیم و تعلم کا کام انجام دے رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ہر دو بھلائی پر ہیں۔ یہ حلقہ قرآن پڑھ رہا ہے اور اللہ سے دعا کر رہا ہے خدا چاہے تو اس دعا کو قبول فرمائے اور چاہے نہ قبول فرمائے دوسرا حلقہ تعلیم و تعلم میں مشغول ہے اور میں بھی معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں یہ فرما کر آپ اس حلقہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔

نیکی کی تعلیم دینے والوں کا اجر

۱۱۔ عَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنَّهٗ يَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى الْحِيْتَانُ فِي الْبَحْرِ۔ ۶۳؎

ترجمہ :۔ حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا زمین و آسمان میں جتنی چیزیں ہیں وہ عالم کیلئے مغفرت طلب کرتی ہیں' حتیٰ کہ دریا کی مچھلیاں بھی۔

۱۲۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا فَلَهٗ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهٖ لَا يُنْقِصُ مِنْ اَجْرِ الْعَامِلِ۔

ترجمہ :۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ حضرت نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جو علم کی بات بتائے گا۔ تو اسے اس پر عمل کرنے والے کا بھی اجر ملے گا۔

۱۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔ ۶۴؎

ترجمہ :۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک فقیہ' شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔

تعلیم قرآن کی فضیلت کا بیان

۱۴۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ۔ ۶۶

ترجمہ:۔ حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے سب سے بہترین وہ شخص ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

۱۵۔ جُبَيْرٌ بْنُ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًى فَقَالَ نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَبَلَّغَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ۔ ۶۷

ترجمہ:۔ حضرت جبیر بن مطعم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ مقام خیف میں جو وادی منی میں واقع ہے خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداں و فرحاں رکھے جو میری ایک بات سن کر دوسرے تک پہنچادے کیونکہ بہت سے فقہ کے جاننے والے خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے فقہ جاننے والے ایسے ہوتے ہیں کہ جس شخص تک یہ بات پہنچاتے ہیں وہ ان سے زیادہ فقیہہ ہوتا ہے۔

علم کی فضیلت کا بیان

۱۔ فَضْلُ الْعِلْمِ وَقَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ"۔ وَقَوْلُهٗ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ ۶۸

ترجمہ:۔ علم کی فضیلت کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئے اور انہیں علم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے مراتب بلند کردے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اے میرے پروردگار میرا علم زیادہ کر۔

۲۔ اَلاِغْتِبَاطُ فِيْ الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ وَ قَالَ عُمَرُ تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا وَقَالَ اَبُوْ عَبْدُاللّٰهِ وَ بَعْدَ اَنْ تُسَوَّدُوْا وَ قَدْ تَعَلَّمَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ كِبَرِ سِنِّهِمْ۔ ۶۹

ترجمہ:۔ علم اور حکمت میں رشک کرنے کا بیان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کرو اور ابو عبد اللہ کہتے ہیں کہ سردار بنائے جانے کے بعد بھی حاصل کرو۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے اصحاب نے بوڑھے ہو جانے کے بعد بھی علم حاصل کیا تھا۔

۳۔ تَحْرِيْصُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْدَ عَبْدُالْقَيْسِ۔ عَلٰى اَنْ يَّحْفَظُوْا

الإِيمَانَ وَالْعِلْمَ وَيُخْبِرُوْا مَنْ وَرَآئِهِمْ وَقَالَ مَالِكُ ابْنُ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعُوْآ اِلٰى اَهْلِيْكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ ۔ ۷ے

ترجمہ :- حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ عبدالقیس کے وفد کو علم کی طرف رغبت دلانا کہ ایمان اور علم کی حفاظت کریں اور اپنے پیچھے والے لوگوں کو خبر کر دیں اور مالک بن حویرث نے کہا کہ ہم سے حضرت نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤ اور انہیں (دین کی) تعلیم دو۔

آخر زمانہ میں علم کی کمی ہونا

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍ و بْنِ الْعَاصِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَّنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا نِ اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسَآءَ جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَ اَضَلُّوْا ۔ ۱ے

ترجمہ :- عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ تعالیٰ اس طرح پر علم نہ اٹھائے گا کہ لوگوں کے دلوں سے چھین لیوے۔ لیکن اس طرح اٹھاوے گا کہ عالموں کو اٹھا لے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا تو لوگ اپنے سردار جاہلوں کو بنالیویں گے وہ بن جانے فتویٰ دیں گے اور خود گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ وَ اَبِىْ مُوْسٰى فَقَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ اَيَّامًا يُرْفَعُ فِيْهَا الْعِلْمُ وَ يَنْزِلُ الْجَهْلُ وَ يَكْثُرُ فِيْهَا الْهَرَجُ وَالْهَرَجُ الْقَتْلُ۔

ترجمہ :- عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت سے پہلے کچھ دن ایسے ہوں گے جن میں علم اٹھ جاوے گا اور جہالت اترے گی اور کشت وخون بہت ہوگا۔ ۲ے

حفاظت علم کیلئے کتابت ضروری ہے

٤۔ كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ وَ كَتَبَ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ اِلٰى اَبِىْ بَكْرِ ابْنِ حَزْمٍ اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَاِنِّىْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَآءِ وَلَا تَقْبَلْ اِلَّا حَدِيْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيُفْشُوا الْعِلْمَ وَلْيَجْلِسُوْا حَتّٰى يُعَلَّمَ مَنْ لَّا يَعْلَمُ فَاِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ يَكُوْنَ سِرًّا۔ ۳ے

ترجمہ :- علم کس طرح اٹھا لیا جائے گا اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے (اپنے نائب) ابوبکر بن حزم کو (مدینہ منورہ میں) یہ لکھ بھیجا کہ دیکھو تمہارے پاس حضرت رسول خدا کی حدیثیں جس قدر بھی ہیں ان کو لکھ لو۔ اس لئے کہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے معدوم ہو جانے کا خوف ہے اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ سوائے رسول مقبول ﷺ کی حدیث کے اور کوئی چیز مقبول نہ ہوگی اور چاہئے کہ سب لوگ علم کی اشاعت کریں اور (علماء عام مجلسوں میں) بیٹھے (اور علم کی اشاعت کریں) تاکہ جو نہیں مانتا وہ جان لے کیونکہ علم چھپانے ہی سے گم اور ضائع ہوتا ہے۔

حصول علم میں شرمانا نہیں چاہئے

٥۔ بَابُ الْحَيَآءِ فِى الْعِلْمِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ'' لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٌ وَّلَا مُسْتَكْبِرٌ'' وَقَالَتْ عَائِشَةُ نِعْمَ النِّسَآءُ نِسَآءُ الْاَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَآءُ اَنْ يَّتَفَقَّهْنَ فِى الدِّيْنِ۔ ۴ے

ترجمہ :- علم (کے حصول) میں شرمانے کا بیان۔ مجاہد نے کہا کہ نہ تو شرمانے والا علم حاصل کر سکتا ہے اور نہ غرور کرنے والا (علم حاصل کر سکتا ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ انصار کی عورتیں کیا اچھی عورتیں ہیں انہیں دین میں (علم) سمجھ حاصل کرنے سے حیاء مانع نہیں آتی۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ'' الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔ ۵ے

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا فرمایا' رسول اللہ ﷺ نے حکمت والا کلمہ مومن کی گم شدہ چیز

ہے پس جس جگہ اس کو پائے وہی اس کے لائق ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْه اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ اَلْفِ عَابِدٍ۔ ۷۶

ترجمہ :- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ایک فقیہ ہزار شیطان پر عابد سے بہت سخت ہے۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدرِىِّ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاْتِيْكُمْ رِجَالٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ يَتَعَلَّمُوْنَ فَاِذَا جَاؤُكُمْ فَاسْتَوْصُوْبِهِمْ خَيْرًا قَالَ فَكَانَ اَبُوْ سَعِيْدٍ اِذْ رَاٰنَا قَالَ مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ ۷۷

ترجمہ :-ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضرت نبی ﷺ نے فرمایا کہ مشرق سے تمہارے پاس لوگ علم پڑھنے کیلئے آئیں گے۔ پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کو نیکی کی وصیت کرو۔ پس کہا راوی نے جب ابوسعید ہمیں دیکھتا تھا تو کہتا تھا مبارک ہو تمہیں ساتھ وصیت رسول اللہ ﷺ کے۔

علم کے نابود ہونے کے بیان میں

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُه، مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُتْرَكْ عَالِمًا اِتَّخَذَالنَّاسُ رُؤُسًا جِهَالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔ ۷۸

ترجمہ :- عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بے شک اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح سے قبض نہیں کرے گا کہ لوگوں کے دلوں سے کھینچ لے گا لیکن علم کو قبض کرلے گا عالموں کے قبض کرنے کے ساتھ یہاں تک کہ کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے پھر وہ مسائل پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يَجْلِسُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْمَعُ مِنَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُعْجِبُه، وَلَا يَحْفَظُه، فَشَكٰى ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ لَاسْمَعُ مِنْكَ الْحَدِيْثَ فَيُعْجِبُنِىْ وَ لَا اَحْفَظُه، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ وَ اَوْ مَا بِيَدِهِ الْخَطِّ۔ ۷۹

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد انصار سے نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھتا تھا اور آنحضرت

سے حدیث سنتا تھا، پس اس کو وہ حدیثیں پسند آتی تھیں اور اس کو یاد نہ رہتی تھیں۔ اس نے اس بات کا شکوہ نبی کریم ﷺ کے پاس کیا، سو کہا اس نے یارسول اللہ میں آپؐ سے حدیث سنتا ہوں اور وہ مجھے پسند آتی ہے اور مجھے یاد نہیں رہتی۔ پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ سے مدد طلب کر۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ مبارک کی طرف اشارہ کیا یعنی لکھتے جاؤ۔

تعلیم کے اسلامی اصول

اسلامی تہذیب وتمدن میں علوم و معارف کا درجہ بہت بلند ہے قرآن مجید اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی کہ

''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَة'' عَلٰى كُلِّ مُسْلِم''۔ [۸۰]

حجۃ اسلام امام غزالیؒ نے اپنی بہت سی کتابوں میں علم کی بحث چھیڑی ہے۔ لیکن ''احیاء علوم الدین'' میں خصوصی تفصیل دی ہے۔ احیاء کی پہلی کتاب علم ہی سے متعلق ہے۔ جسے کتاب علم، تعلیم اور تعلم کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں آیات واحادیث ہیں۔

دوسرے باب میں علم کی فرضیت کی بحث ہے اور یہ بتایا ہے کہ کونسا علم فرض عین ہے اور کونسا فرض کفایہ' کونسا محمود' کونسا مذموم اور کونسا مباح؟ اس کے بعد یہ بحث کی ہے کہ علم فقہ اور علم دنیا وغیرہ کی حد کیا ہے؟ چوتھے باب میں مناظرہ اور جدل و خلاقیات کی آفات کا تذکرہ ہے۔ پانچویں میں آداب المعلم والمتعلم بیان ہوئے ہیں۔ چھٹے میں آفات العلم والعلماء اور علمائے حق اور علمائے دنیا میں فرق بتایا ہے۔ ساتویں میں عقل کی اہمیت اور فضیلت بیان ہوئی ہے۔ [۸۱]

الف۔ تصور علم

علم کا مصدر ومنبع (مبدء) صرف خدا کی ذات ہے اور اس سے زیادہ جاننے والا بھی کوئی نہیں (وہ علیم وعلام ہے) وہ انفس وآفاق کے علم کا مالک اور عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ہے وہ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے جنہیں لوگ چھپاتے ہیں۔

''وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ۔'' [۸۲]

زمینوں اور آسمانوں کے اسرار اور برّ و بحر میں چھپی ہوئی جتنی حکمتیں ہیں خدا کا علم ان سب پر محیط ہے۔ اور مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ۔

ترجمہ:۔ جو کچھ آئندہ آنے والا ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔ یوم الساعۃ کا علم بھی اسی کے پاس ہے۔

وَعِنْدَه' عِلْمُ السَّاعَةِ۔ [۸۳]

انسان جو علم حاصل کرتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے اور اس کی حقیقت اس کے نتائج اور اس کے مضمرات کا صحیح علم بھی اسی کو ہے۔ انسان کو جو علم حاصل ہوا وہ وھبی بھی ہے اور اکتسابی بھی' مگر منبع ہر حال میں خدا کی ذات ہی ہے۔

غزالیؒ کی نظر میں علم کا مقصد انسان کے لئے سعادت ابدیہ کا حصول ہے اور علم اعظم الانبیاء ہے اور اعظم الاشیاء وہ شے ہے جو اس سعادت تک پہنچائے۔ اس عمل تک پہنچنا بھی علم کے بغیر ممکن نہیں جو سعادت ابدی تک پہنچاتا ہے۔

لہٰذا امامؒ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اصل السعادۃ فی الدنیا والاخرۃ ھو العلم دنیا اور آخرت میں اصل سعادت علم ہی ہے۔ اس سعادت کا ثمرہ ہے قرب رب العالمین آخرت میں اور عزت وو قار اس دنیا میں۔ علم کا مقصد سعادت آخروی کے ساتھ ساتھ مقاصد خلق (تخلیق کائنات) کی دریافت اور تکمیل بھی ہے۔ ۸۴

علم کی تعلیم و تحصیل انسانی فطرت میں طبعی ہے

علمائے اسلام میں سے ابن خلدون نے تعلیم و تحصیل کے فن کو تمدنی زندگی میں انسانی طبیعت کے لئے فطری قرار دیا ہے۔

ابن خلدون رقمطراز ہیں:

''انسان تمام حیوانوں سے اپنی حیوانیت میں حس حرکت اور غذا کے لحاظ سے شارکت رکھتا ہے اسے حیوانوں سے جو امتیاز حاصل ہے وہ اس کی قوت فکر کی وجہ سے ہے۔ اس کے ذریعے سے وہ اپنی معاش کی تحصیل اور اپنے ابنائے جنس سے اس کے حصول میں تعاون کرتا ہے اور اس تعاون کے مہیا کرنے کیلئے اجتماعی ہیت اختیار کرتا ہے۔

''وہ اسی قوت فکر سے ان پیغاموں کو قبول کرتا ہے۔ جو انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں اور ان پر عمل کرتا ہے اور اپنی آخرت کی بھلائی کے وسیلے اختیار کرتا ہے۔ وہ ان تمام معاملات میں ہر وقت غور و فکر سے کام لیتا رہتا ہے۔ پل بھر بھی اس سے غافل نہیں ہوتا اور اسی غور و فکر کے ذریعہ سے علوم پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اس فکر کے ذریعہ ان ادراکات کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو اس سے پہلے علم حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔ یا جن لوگوں کو اس کی معرفت زیادہ حاصل رہتی ہے۔ یا ان انبیاء کی تعلیمات میں ڈھونڈھتا ہے۔ جو پیشتر گزر چکے ہیں اور ان سے ان کی تعلیمات کی تلقین حاصل کرتا ہے اور ان کے حاصل کرنے اور جاننے کی کوشش کرتا ہے۔'' ۸۵

''پھر اس کی فکر و نظر ایک ایک کر کے حقائق تک پہنچتی ہے اور جو چیز اس کے سامنے آتی ہے اس کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کی مشق مسلسل جاری رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس حقیقت کے عوارض کے الحاق سے اسے ایک ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت اس حقیقت کو جو چیز پیش آتی ہے۔ اس کے متعلق اس کا ایک مخصوص علم بن جاتا ہے اور آئندہ نسل اس کے حاصل کرنے کی مشتاق ہوتی ہے اور لوگ اس کے جاننے والوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی سے فن تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم و تعلیم انسانی فطرت کیلئے طبعی ہے۔'' ۸۶

ابن خلدون نے امام غزالی سے زیادہ واضح طریقہ علم و تعلیم کو منجملہ دنیاوی پیشوں کے ایک پیشہ قرار دیا ہے اور اس نے اسے مختلف و قیع دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔ اس لئے یہ سمجھنا کہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلیمی نصب العین میں صرف مذہبی تعلیم داخل رہی ہے صحیح نہیں ہے! بلکہ علمائے اسلام نے جملہ علوم کی عقلی نقلی دو بڑی قسموں میں تقسیم کر کے قسم اوّل یعنی ''عقلی علوم'' اور ''نقلی علوم'' کو ربانی پیغام کی تحصیل، دین و مذہب کی واقفیت اور آخرت کی بھلائی کیلئے حاصل کرنا فرض ٹھہرایا ہے۔ ۸۷

ابن خلدون رقمطراز ہیں:

"جن علوم پر انسان غور کرتا ہے اور جن کی تحصیل و تعلیم شہروں میں عام طور پر کی جاسکتی ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں۔ایک انسان کیلئے طبعی ہے جسے وہ اپنی قوت فکر سے حاصل کرتا ہے اور دوسری نقلی ہے جسے اس کے وضع کرنے والے سے حاصل کیا جاتا ہے۔

اوّل قسم

(۱) علوم حکمیہ:- علوم حکمیہ فلسفیہ ہیں۔یہ وہ علوم ہیں جن سے انسان اپنے غورو فکر کی طبیعت کے ذریعہ واقف ہوتا ہے اور اپنے بشری ادراک کے ذریعہ ان کے مسائل اور براہین تک پہنچتا ہے۔یہاں تک کہ اس کی نظر وسیع ہو جاتی ہے اور وہ اس حیثیت سے کہ وہ صاحب غورو فکر انسان ہے۔اس کے ثواب و خطاء کی تمیز کرتا ہے۔

(۲) علوم نقلیہ:- دوسرے وہ وضع کئے ہوئے نقلی علوم ہیں جو وضع شرعی کی خبر کی بنیاد پر قائم ہیں اور اس میں عقل کو دخل نہیں ہوتا، بجز اس کے کہ اس کے فروعی مسائل کو اس کے اصول سے عقل و قیاس کے ذریعہ سے ملانے کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ بعد میں پیش آنے والے جزئیات نقل کلی کے ماتحت اپنی وضع کے وقت درج نہیں کئے جاسکتے۔اس لئے قیاسی صورت کے الحاق کی ضرورت ہوتی ہے۔لیکن یہ قیاس بھی اصل میں حکم کے ثبوت کے ساتھ خبر ہی سے نکلتا ہے اس لحاظ سے یہ قیاس بھی نقل قرار پائے گا اور ان تمام نقلی علوم کی شرعی بنیاد کتاب و سنت ہے۔جو ہمارے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے مشروع کیا گیا ہے۔"[۸۸]

امام غزالی نے "احیاء العلوم"، جس میں علم کی تحصیل ہر مسلم پر فرض ہے "اس علم کا بیان جس کی تحصیل فرض کفایہ ہے"

علوم کی اولاً دو قسمیں ہیں:

۱۔ علوم شرعیہ
۲۔ علوم غیر شرعیہ

۱۔ علوم شرعیہ

علوم شرعیہ سے میری مراد وہ علوم ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام سے براہ راست حاصل ہوتے ہیں۔ان کی طرف عقل کی رہنمائی اس طریقہ سے نہیں ہو سکتی جسے عقل کے ذریعے علم حساب سیکھا جاتا ہے نہ وہ تجربہ سے حاصل ہو سکتے ہیں جیسے علم طب کی تدوین ہوتی ہے اور نہ محض سننے سے ان کا حاصل کرنا ممکن ہے۔جیسے علم لغت حاصل کیا جاتا ہے۔

۲۔ علوم غیر شرعیہ

جو علوم غیر شرعیہ ہیں ان میں بعض پسندیدہ ہیں اور بعض ناپسندیدہ اور بعض ایسے جو صرف درجہ مباح رکھتے ہیں۔

(ا) علوم پسندیدہ :- علوم پسندیدہ وہ ہیں جن سے دنیاوی امور کی مصلحتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ جیسے علم طب اور حساب وغیرہ ان علوم پسندیدہ میں اپنے درجوں کے لحاظ سے بعض ایسے ہیں جن کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے' بعض ایسے ہیں جنہیں حاصل کرنا افضل ہے اور بعض ایسے ہیں جن کو حاصل کیا جاسکتا ہے مگر ان کی تحصیل فرض نہیں ہے۔

(ب) فرض کفایہ :- پھر ان میں فرض کفایہ ہر وہ علم ہے جس سے ہم دنیاوی زندگی اور کاروبار کے قائم اور باقی رکھنے میں بے پرواہ نہیں ہو سکتے۔ جیسے علم طب ہے کہ اس کی تحصیل صحت کے باقی رکھنے کیلئے لازمی ہے۔ یا علم حساب ہے کہ مختلف معاملوں' وصیتوں اور ترکہ کی تقسیم میں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی شہر ان علموں کے جاننے والوں سے خالی ہو جائے تو شہر والوں کو دقت پیش آئے گی اور جب کوئی ایک شخص بھی ان کا جاننے والا ان کے درمیان پیدا ہو جائے تو اس کے ذریعے سے شہر کی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں۔ اس لئے یہ فرض اس کی موجودگی میں دوسروں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح مختلف پیشے کاشتکاری' باغبانی' پارچہ بافی' سائسی' حجامت' خطاطی وغیرہ ہیں کہ ان میں سے کسی پیشہ والے سے کوئی شہر خالی ہو جائے تو زحمت پیش آئے گی اور بعض پیشہ والوں کی عدم موجودگی میں ہلاکت تک کی نوبت آجائے۔ پس جس نے بیماری اتاری اس نے دوا بھی بتائی اور ان کے استعمال کے طریقے بھی بتائے اور ان کے مہیا کرنے کے اسباب بھی پیدا کئے۔ اس لئے ان پیشوں کو چھوڑنا جائز نہ ہوگا اور بعض علوم جن کا حاصل کرنا اگرچہ فرض نہیں مگر افضل ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کی تحصیل سے فائدہ پہنچنے کے پہلوؤں میں اضافہ ہوتا ہے۔

ناپسندیدہ علوم میں سحر' شعبدہ بازی اور نظر بندی وغیرہ ہیں اور علم مباح میں جیسے اشعار کا پڑھنا' جن میں رکاکت نہ ہو یا علم تاریخ وغیرہ سے دلچسپی رکھنا ہے۔" ۸۹

امام غزالی نے بھی ایک دوسرے موقع پر بھی "علم" کے مصداق میں مختلف علموں اور پیشوں کو داخل کیا ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"جب علم تمام امور میں افضل ہے' تو اس کا حاصل کرنا افضل ترین چیز کا حاصل کرنا ہے اور اس کی تعلیم دینا افضل چیز کا مہیا کرنا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کے مقاصد دین اور دنیا دونوں کے مجموعہ پر مشتمل ہیں کیونکہ دین کا نظام جب تک دنیاوی نظام قائم نہ ہو' قائم نہیں ہو سکتا اور امر دنیاوی کا انتظام انسانوں کے کاموں اور پیشوں پر موقوف ہے اور انسانی پیشے تین قسم کے ہیں۔

ا۔ ایسے پیشے جو عالم کے قیام کے لئے بنیاد کے طور پر ہیں اور وہ چار ہیں:

(الف) زراعت انسان کی غذا کیلئے۔

(ب) پارچہ بافی تن پوشی کے لئے۔

(ج) تعمیر سکونت کی جگہ کے لئے۔

(د) سیاست خاندان اور ملک کے انتظام اور معیشت کے اسباب کے مہیا کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کیلئے۔

۲۔ دوسرے وہ پیشے جوان چاروں پیشوں کیلئے آلات اور وسیلے مہیا کریں جیسے لوہاری اور ندافی (دھنائی) وغیرہ۔

۳۔ تیسرے وہ پیشے ہیں جو پہلی قسم کے پیشوں کو مدد پہنچائیں۔ جیسے کھانا پکانے اور سینے پرونے وغیرہ کے پیشے۔۹۰؎

ان سب پیشوں میں پہلی قسم کے پیشوں کو فضیلت حاصل ہے اور ان میں سے بھی سب سے افضل سیاست کا پیشہ ہے جس سے نظم اور ضبط کا وجود عمل میں آتا ہے اور اس کے ذریعہ سے مخلوق کی اصلاح کی جاتی ہے اور انہیں حق کی راہ دکھائی جاتی ہے۔

پیشہ سیاست کے چار درجے قرار پاسکتے ہیں

۱۔ پہلے درجہ میں انبیائے کرام کی سیاست ہے، جو وہ اپنے پیغاموں سے خلق کی رہبری فرماتے ہیں۔

۲۔ دوسرا درجہ خلفاء اور سلاطین کو حاصل ہے ان کے احکام عوام و خواص پر نظم و انتظام کیلئے جاری ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی حکومت ظاہر پر ہوتی ہے باطن پر نہیں۔

۳۔ تیسرے علمائے کرام ہیں، یہ انبیائے کرام کے وارث ہیں۔ ان کی حکومت لوگوں کے دلوں پر ہوتی ہے اور یہ باطن کی اصلاح کرتے ہیں۔

۴۔ چوتھے واعظ ہیں جو صرف عوام کی اصلاح کرتے ہیں۔

پس ان پیشوں میں سب سے بڑھ کر پیشہ نبوت کے بعد علم کا فائدہ پہنچانا اور لوگوں کو تہذیب دار اخلاق سکھانا ہے اور یہی فن تعلیم کا حقیقی مقصود ہے۔۹۱؎

اس کے ساتھ اسلامی نقطہ نظر سے علم دین کے حاصل کرنے والوں کے لئے یہ بھی جائز نہ تھا کہ وہ اس علم کی فضیلت پر ناز کر کے دوسرے غیر شرعی علوم کو حقارت کی نظر سے دیکھیں۔ کیونکہ دنیاوی زندگی میں ان علوم کی ضرورتیں مسلم تھیں، امام غزالی نے اس مبحث پر اس لحاظ سے بھی گفتگو کی ہے اور نتیجہ کے طور پر دکھایا ہے کہ علم دین حاصل کرنے والوں کی مثال ان مجاہدوں سے دی جاسکتی ہے جو جہاد کے میدان میں اپنا سر ہتھیلی پر لئے دین کی حمایت میں لڑ رہے ہیں اور دوسرے علوم کے حاصل کرنے والوں کی مثال فوج کے اس دستہ سے دی جائے گی جو سرحدی قلعوں پر سرحد کی حفاظت کرنے کے لئے متعین ہوتا ہے۔۹۱؎

مقاصد تعلیم

۱۔ معرفت اور رضائے الٰہی کا حصول

خالق کائنات نے اس ساری کائنات کو پیدا فرمایا۔ انسان کو رنگینی کائنات کا اہم جزو بنایا اور تمام ارضی مخلوقات پر اس کو شرف بخشا۔ اشرف المخلوقات کی صفت سے متصف ہونے کا سبب یہ ہے کہ انسان کو عقل و شعور کی دولت ودیعت فرمائی گئی۔ عقل و شعور کی بدولت انسان اپنے بھلے اور برے کی تمیز کر سکتا ہے۔ اس خداداد دولت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ

انسان اپنے خالق حقیقی کو پہچانے 'اس کا عرفان اور رضا حاصل کرے تا کہ وہ دونوں جہانوں میں حسنات سے بہرہ ور ہو۔

سید ریاست علی 'ندوی مولانا "اسلامی نظام تعلیم" اسلامی کی نظر میں تعلیم کا مقصد بیان کرتے ہوئے "معرفت اور رضائے الٰہی کا حصول" بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اسلام کی نظر میں تعلیم و تعلم کا مقصد خالص رضائے الٰہی کی طلب ہے اور بس 'اس میں کسی دنیاوی غرض کا میل نہیں 'بلکہ اس کی نظر میں تعلیم کا اصلی مقصد صرف انسانی پیدائش کے منشاء کو پورا کرنا 'اچھے اخلاق سے آپ آراستہ ہونا اور دوسروں کو آراستہ کرنا 'اپنے علم کی روشنی سے جہل اور نادانی کے اندھیرے کو دور کرنا۔ نہ جاننے والوں کو سکھانا 'بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا 'حق کو پھیلانا اور باطل کو مٹانا ہے۔" ۹۲

غلام عابد خان 'پروفیسر "عہد نبوی کا نظام تعلیم" میں رقمراز ہیں:

"خالق کو چونکہ اپنی مخلوقات سے ماںمتا سے ستر گنا زیادہ محبت ہے۔ اس لئے اس نے ہدایت انسانی کے لئے ایک طریق کار اپنایا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے خداوند کریم نے اپنے برگزیدہ بندوں یعنی نبیوں اور رسولوں کے ذریعے ہدایت کے مواقع باہم پہنچائے 'ان آسمانی ہدایات کے پیش نظر اسلام کی تعلیم کا اولین مقصد معرفت اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان اور خدا کے درمیان اس تعلق کو استوار کرنا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان خوشی و خاطر اپنے زندگی کے تمام امور میں خداوندی احکام پر عمل کرتا اور رضائے الٰہی کو اپنی پسند و ناپسند کا معیار ٹھہراتا ہے۔" ۹۳

ارشاد خداوندی ہے:

"قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ ۹۴

ترجمہ:- (اے محمدؐ) کہہ دیجئے میری نماز میرے تمام مراسم عبودیت 'میرا جینا اور مرنا سب کچھ رب العالمین کیلئے ہے۔

۲۔ ملت بیضا کی تربیت

روئے زمین پر جب سے انسان نے قدم رکھا اور خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز ہوا تہذیب و تمدن کے لحاظ سے انسان مختلف ارتقائی منزلوں سے گزرا۔ عمرانیات کا طالب علم اس امر سے خوبی آگاہ ہے کہ دنیا میں مختلف ادوار میں کئی تہذیبیں ابھریں اور پھر مٹ گئیں 'خداوند کریم نے ہر دور میں انسان کی اصلاح اور ہدایت کے مواقع باہم پہنچائے اور مختلف اوقات میں اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے اپنا پیغام پہنچایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

"کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ۔ ۹۵

ترجمہ:- سب لوگ ایک ہی جماعت تھے پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھی خوشخبری دینے والے ڈرانے والے اور ان کے

ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں میں ان باتوں میں فیصلہ کریں جن میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔

محمد شفیع مرزا "علم التعلیم" میں رقمطراز ہیں:

"یعنی مرد کی اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب کا اہل بنا سکے اور نائب ہونے کی حیثیت سے خدا تعالیٰ نے اس پر جو فرائض عائد کیے ہیں ان کو کما حقہ ادا کر سکے اور اس دنیا پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کو قائم کر سکے۔"۹۶

ملت بیضا کی تربیت صحیح نصب العین سے ہو سکتی ہے یہ نصب العین وہی ہو سکتا ہے جو صحیح اور کامل ہو۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین "اسلام کا نظریہ حیات" میں یوں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ایک صحیح نصب العین حیات ہی انسان کے لئے دائمی امن اور اطمینان و ترقی اور فارغ البالی کا ضامن ہے اگر ہم اپنا نظام تعلیم اس نصب العین کے مطابق بنائیں گے تو ہم ایک ایسی قوم تیار کریں گے جو اقوام عالم کو امن اور ترقی کا راستہ دکھا سکے گی۔"۹۷

دور حاضر کے دانشور اور ماہر تعلیم "سید محمد سلیم "ملت بیضا کی تربیت اور نوخیز نسلوں کو اسلامی تصور حیات" دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"تعلیم وہ اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ نوخیز نسلوں کو اسلامی تصور حیات سکھاتا ہے۔ اسلامی عقائد و اقدار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے۔ اسلامی افکار کی روشنی میں آداب زندگی اور اخلاق کی تربیت کرتا ہے۔"

اسی نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے مزید اظہار رائے کرتے ہیں کہ:

"اسلامی تصور تعلیم و تربیت اپنے اندر بے پناہ وسعتیں رکھتا ہے۔ جس میں وہ تمام لوازمات شامل ہیں جن کی ایک فرد کو ضرورت پڑتی ہے، جسمانی صحت، فکری بالیدگی، اخلاقی پاکیزگی، آداب معاشرت، تکمیل ذات اور نیابت الٰہی کی صلاحیت یہ سب پہلو اسلامی تعلیم میں شامل ہیں۔"

"گویا مسلمان طالب علم کی زندگی کا ہر گوشہ اور فکر کا ہر زاویہ تعلیمی عمل کی لپیٹ میں ہے اور جسمانی صحت سے لے کر نیابت الٰہی کے جملہ مراحل میں اسلام طالب علم کا ساتھی اور راہنما رہتا ہے۔"۹۸

غلام عابد خان، پروفیسر "عہد نبوی کا نظام تعلیم" اس نقطہ کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اسلامی تعلیمات کا دوسرا بڑا مقصد ایک ایسی امت کی بنیاد رکھنا اور اس کی عملی تربیت کرنا ہے جو وحدت فکر انسانی کو قائم رکھتی ہو اور خیر کی مسلسل اشاعت و تبلیغ کی ذمہ داری قبول کرے۔۹۹

ارشاد خداوندی ہے:

"اَلَّذِینَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔"۱۰۰

ترجمہ :- یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر اقتدار عطا کریں تو نماز قائم کریں گے اور زکوۃ ادا کریں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور برائیوں سے منع کریں گے۔

مشہور ماہر تعلیم پروفیسر الفریڈ نارتھ وہائٹ ''تعلیم کے مقاصد'' میں رقمطراز ہیں:

''تعلیم کے میدان میں ہمیں اس پرانے نصب العین سے کم چیز پر (جو ہماری تہذیب کے ہر دور میں تسلیم کیا جاتا رہا ہے) رضامند نہ ہونا چاہئے اور وہ غائت یہ ہے کہ تعلیم کی روح مذہبی ہونی چاہئے۔''[۱۰۱]

جوہن فریڈرک ہربرٹ کا خیال ہے کہ :

''تعلیم کا صرف ایک ہی کام ہے اور وہ لفظ اخلاقیات سے ظاہر ہوتا ہے۔''[۱۰۲]

ہربرٹ ریڈ تو یہاں تک کہتا ہے :

''جب تک ہم اخلاقی تعلیم کو تمام دوسری تعلیم پر فوقیت نہیں دیتے دنیا کے لئے مایوسی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔''[۱۰۳]

۳۔ تعمیر انسانیت

اسلام کا تصور تعلیم تعمیر انسانیت کی بنیاد کو مضبوط کرتا ہے۔ یہ وہ تصور تعلیم ہے جو دنیا کی دیگر تمام اقوام و مذاہب کے تصور تعلیم سے یکسر مختلف' منفرد و ممتاز' جامع و مکمل اور متنوع الحیثیات ہے۔

اس ضمن میں مشتاق احمد گورایہ' پروفیسر' ڈاکٹر اپنے ایک طویل مضمون ''اسلامی تعلیم تمہید اور غایات و مقاصد'' مین رقمطراز ہیں:

''اسلامی علم اور تعلیم کو حیات انسانی کے لئے اس طرح ناگزیر سمجھتا ہے جس طرح طبعی زندگی کے لئے ہوا اور پانی۔ یہی وجہ ہے کہ ابوالمعاشرت علامہ ابن خلدون تعلیم کو انسان کی فطری غذا قرار دیتے ہیں پھر جس طرح جسم کی صحت مندانہ پرورش متوازن غذا پر موقوف ہے۔ اس طرح حیات انسانی کی بالیدگی اور توانائی بھی متوازن تعلیمی تغذیہ پر منحصر ہے۔ جہاں تک اسلامی تعلیم کا تعلق ہے۔ قرآنی تعلیمات اور نبویؐ فرمودات اور اعمال متوازن تعلیمی غذا کا نہ صرف فارمولا پیش کرتے ہیں بلکہ اس کا صحیح' قابل اعتماد طریق کار اور معیار بھی مہیا کرتے ہیں۔ گویا قرآن و سنت ہی اسلامی تعلیم کا مصدر و معیار ہیں۔''[۱۰۴]

اسلامی تعلیمات کا مقصد تعمیر انسانیت ہے۔ جو نسلی' علاقائی' لسانی' قومی تعصب سے یکسر ماوراء ہے۔

کسی نسلی' علاقائی' لسانی اور قومی تعصب سے ماوراا اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو مخلوق اللہ سے محبت اور شفقت کا اعلان کرتا ہے۔ رشد و ہدایت کے سلسلے میں پہلے انبیاء کی تعلیمات نہ صرف محدود تھیں بلکہ علاقائی' لسانی اور قومی بنیادوں پر قائم تھیں۔ جس کے نتیجے میں دوسرے مذاہب عالم میں تعصب اور نسلی امتیازات کی واضح مثالیں آج بھی موجود ہیں۔

غلام عابد خان، پروفیسر "عہد نبوی کا نظام تعلیم" میں تعمیر انسانیت اور اس کے ہمہ گیر پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اسلام اور دوسرے مذاہب کی نوعیت کار میں فرق موجود ہے۔ دوسرے انبیاء کی تعلیم کا مقصد کسی مخصوص قوم یا علاقہ میں موجود لوگوں کے عقائد میں درستی اور چند اعمال کی ترتیب رہا۔ برعکس اس کے اسلام کی عالمگیریت کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اعلان فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔

یعنی خدا صرف مسلمانوں کا ہی نہیں بلکہ تمام اقوام پروردگار ہے اور تمام مشرقین اور مغربین کا پالنے والا ہے اور اس کی مقدس کتاب "هُدًى لِّلنَّاسِ" روئے زمین کے لوگوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے اور اس طرح "ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِیْنَ" کی حیثیت سے قرآن کریم سے ملقب سے فرمایا۔ ان اشارات کی رو سے اسلام کا مقصد ایک ایسی عالمگیر تہذیب کی بنیاد ڈالنا ہے جس کے اندر بلا تخصیص نسل و قوم تمام انسانوں کی تعمیر کا سامان موجود ہو اور ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے ہر پہلو کی تربیت مقصود ہے۔ جس میں ہر انسان خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، جوان ہو یا بوڑھا، باپ ہو یا بیٹا، گورا ہو یا کالا، عربی ہو یا عجمی جہاں ہو اور جس حیثیت کا حامل ہو اس کے اعمال و عقائد، اخلاق و اطوار اور اس کے حقوق و فرائض غرضیکہ ہر پہلو کی اصلاح و تربیت کرنا مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں انسانی زندگی کا ایسا پہلو او جھل نہیں رہا۔ جس کے لئے راہنمائی بہم نہ پہنچائی گئی ہو۔

چنانچہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر محیط اسلامی تعلیمات کا بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ انسانیت کی ایسی تعمیر نو کی جائے جس سے مخلوق اللہ سے محبت و شفقت دوسروں سے رواداری جیسی صفات پیدا ہوں، تاکہ پوری انسانیت ایک ایسے معاشرہ کو تشکیل دے سکے جو ہر لحاظ سے پر امن بقائے باہمی کے اصول کو اپنا کر ایک خوشحال زندگی گزار سکے۔"۱۰۵

عقیدہ آخرت

اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کا یہ بھی مقصد ہے کہ انسان کو دنیا کی زندگی میں آخرت کے لئے تیار کیا جائے اسلام سے قبل تمام انبیاءؑ کی تعلیمات میں آخرت یعنی روز قیامت، سزا و جزاء کا تصور موجود تھا۔ اسی لئے انبیاء کو مبشرین و منذرین کے القاب سے نوازا گیا۔ قرآن نے اس دنیوی زندگی کو کھیل تماشا سے تشبیح دی ہے اور آخرت کے لئے اس زندگی میں زاد راہ بنانے کی تاکید کی ہے۔ عقیدہ آخرت صرف مسلمانوں کے ایمان و ایقان کا معاملہ نہیں۔ بلکہ دوسرے مذاہب کے پیروکار بھی کسی نہ کسی صورت میں اس پر یقین رکھتے ہیں اور یہ امر واقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ اس کے عقل شعور کی دولت دی گئی ہے اور اس کو دوسری نعمتوں کے ساتھ ساتھ کچھ اختیارات سے بھی نوازا گیا۔ یہ سب کچھ دینے کے بعد اس پر مطلوبہ اعمال و کردار کی ذمہ داری بھی ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ اس بناء پر اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ اس نے دنیا میں اس مقصد کے تحت زندگی گزارنے کے لئے کیا تگ و دو کی۔

ابو الاعلیٰ مودودی اس نظریے کو "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی" میں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"یوم آخرت سے مراد موت کے بعد کی زندگی ہے۔ اسی لئے اس کی حیات آخرت اور دار آخرت بھی کہا گیا ہے۔ قرآن مجید کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جو اس دوسری زندگی کے ذکر سے خالی ہو۔ طرح طرح سے اس کو ذہن نشین کیا گیا ہے اس کی صداقت پر دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ اس پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور صاف صاف کہا گیا ہے کہ جو شخص آخروی زندگی پر ایمان نہیں لاتا اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔" ۱۰۶؎

ارشاد خداوندی ہے:

"وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ ۱۰۷؎

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے:

"قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ۔ ۱۰۸؎

"تفہیم القرآن جلد چہارم" ابو الاعلیٰ مودودی عقیدہ آخرت کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"عقیدہ آخرت کے سوا کوئی دوسری چیز ایسی نہیں جو اس دنیا میں انسان کو راہ راست پر قائم رکھنے کی ضامن ہو سکتی ہو۔ اگر کوئی شخص یہ نہ مانتا ہو کہ اسے مر کر دوبارہ اٹھنا ہے اپنے خدا کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے تو وہ لازماً گمراہ اور بدراہ ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اس کے اندر سرے سے وہ احساس ذمہ داری پیدا ہی نہ ہو سکے گی جو آدمی کو راہ راست پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ کیونکہ شیطانی قوتیں کبھی یہ نہیں پسند کرتیں کہ انسان آخرت کے عقیدہ حیات پر ایمان رکھے۔ دنیا میں جو شخص بھی گمراہ ہوا اس انکار آخرت یا شک فی الآخرت کی وجہ سے ہوا اور جس نے بھی راست اوئی اختیار کی ہے اس کے طرز عمل کی بنیاد آخرت پر ایمان ہے۔" ۱۰۹؎

غلام عابد خان' پروفیسر "عہد نبویؐ کا نظام تعلیم" میں عقیدہ آخرت کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"عقیدہ آخرت سے انسان کے دل میں اپنی ذمہ داریوں کے احتساب کا جو احساس پیدا ہوتا ہے وہ اس کے اعمال پر اثر انداز ہوتا ہے اور اپنی ذمہ داری کو بطریق احسن نبھانے کی سعی کرتا ہے۔ اس سے مثبت اعمال کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ جس کا دور رس نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں ایک توازن اور معاشرہ میں امن بر قرار رہتا ہے۔" ۱۱۰؎

انفرادیت اور اجتماعیت میں توازن

فرد کو تعلیم اس کی بہتری کی خاطر دینی چاہئے یا پھر اسے تعلیم اس لئے دینی چاہئے کہ وہ قوم یا ریاست کا بہترین خادم بن جائے تعلیم اس لئے دینی چاہئے کہ اس کی تمام تر صلاحیتیں نشو و نما پائیں یا اسے تعلیم اس لئے دینی چاہئے کہ معاشرہ

ترقی کر سکے۔

انفرادیت پسند مفکرین فرد کی آزادی عمل اور انفرادیت کے احترام کو ضروری سمجھتے ہیں اور اجتماعیت پسند مفکرین معاشرہ کی بہبود کو ترجیح دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرد کی انفرادی صلاحیتوں کی نشوونما اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب اسے معاشرے سے تمام وسائل اور سہولتیں حاصل ہو سکیں یعنی فرد کو ترقی دینے کیلئے معاشرے پر انحصار کرنا پڑتا ہے اور معاشرے کی بقاء اور اصلاح اسی وقت ممکن ہے جب افراد اس کے لئے کوشش کریں اور اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔

برٹرنڈرسل "نظام معاشرہ اور تعلیم" میں رقمطراز ہیں:

"تعلیم کا مقصد صرف یہی نہیں کہ وہ ان موانع کو جو ترقی کی راہ میں حائل ہوں، ہٹادے بلکہ اس کا مقصد تربیت کا کچھ سامان بھی کرنا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا تعلیم کا مقصد اچھے افراد پیدا کرنا ہے یا اچھے شہری؟ ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے اچھا فرد صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا مطمع نظر جماعتی بھلائی ہو اور جماعتی بھلائی ایک ایسا نقشہ ہے جو انفرادی بھلائیوں سے مل کر تیار ہوتا ہے۔"[111]

"شہریت اور فردیت کے درمیان جو اختلاف ہے وہ تعلیم، اخلاقیات، سیاسیات اور مابعد الطبیعات میں یکساں طور پر اہم ہے۔ تعلیم میں اس کی نوعیت نسبتاً سادہ اور عملی ہے۔"[112]

ماہر تعلیم سید محمد سلیم نے انفرادیت اور اجتماعیت میں توازن کی حقیقت پسندانہ تصویر کشی یوں کی ہے:

"تعلیم وہ اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ نوخیز نسلوں کو اسلامی تصور حیات سکھاتا ہے۔ اسلامی عقائد و اقدار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے۔ اسلامی افکار کی روشنی میں آداب زندگی اور اخلاق کی تربیت کرتا ہے۔"[113]

خورشید احمد نظام تعلیم میں رقمطراز ہیں:

"تعلیم کا مقصد اس نظریہ کا استحکام اور اسکی اشاعت و ترویج ہے جو ہمارے قومی وجود کی بنیاد اور اساس ہے اسلام انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد نسل و رنگ یا جغرافیائی وجود کو نہیں، نظریہ اسلام کو قرار دیتا ہے۔ اس لئے ہماری تعلیم کا اولین مقصد اسلامی نظریہ کی تعلیم اور اسکے تقاضوں کا احساس پیدا کرنا ہے۔ تعلیم کا مقصد بہتر انسان پیدا کرنا ہے اور ہماری قومی تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ اچھے انسان پیدا کرے ایسے انسان جو اسلامی کی جیتی جاگتی تصویر ہوں اور جو زمین پر خدا کے دین کو قائم کرنے اور اس کے کلمے کو بلند کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔"[114]

نصب العین کی محبت جماعت کے افراد میں وحدت اور تنظیم پیدا کرتی ہے

ہماری زندگی کے تمام جذبات و احساسات، اعمال و افعال صحیح نصب العین کے تحت پیدا ہوتے ہیں۔ اگر نصب العین صحیح ہو تو قانون اخلاق یا ضابطہ اوامر و نواہی بھی صحیح ہوتے ہیں نصب العین کی محبت جماعت کے افراد میں وحدت اور تنظیم پیدا کرتی ہے۔

محمد رفیع الدین، ڈاکٹر "اسلام کا نظریہ تعلیم" میں رقمطراز ہیں:

"نصب العین کی محبت جماعت کے افراد میں وحدت اور تنظیم پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا جماعت ایک ریاست کی شکل اختیار کر لیتی ہے ریاست کی تمام سیاسی 'فوجی' اقتصادی' قانونی' تعلیمی' سماجی اور علمی سرگرمیاں اس نصب العین کے تحت پیدا ہوتی ہیں اگر ریاست یا جماعت کا نصب العین صحیح ہو تو اس کی سرگرمیاں صحیح ہوتی ہیں ورنہ غلط ہوتی ہیں۔ ریاست کے افراد اپنے نصب العین کے نفسیاتی اثرات آئندہ نسلوں کو وراثتاً سپرد کرتے ہیں اس طرح نصب العین صدیوں تک زندہ رہتا ہے۔" ۱۱۵؂

انفرادی و اجتماعی پہلوؤں کی نشوونما و ترقی

فرد کی انفرادی و اجتماعی تعلیم و تربیت میں مختلف پہلوؤں کے نشوونما اور ترقی کو مدنظر رکھنا لازمی ہے۔

محمد رضی الدین صدیقی 'ڈاکٹر "تعلیم کا مسئلہ" میں یوں رقمطراز ہیں:

ہر فرد کی زندگی کے دو بڑے پہلو ہوتے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی' پھر انفرادی زندگی میں تین ذیلی شعبوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ یعنی جسمانی' ذہنی اور روحانی زندگی۔ تعلیم و تربیت کا منشاء اور مقصود یہ ہونا چاہئے کہ وہ فرد کی زندگی کے ان مختلف پہلوؤں کے نشوونما اور ترقی میں مدد دے اور کسی ایک پہلو کو بھی نظر انداز نہ کرے۔" ۱۱۶؂

انسانی وحدت کی تعلیم

انسانی وحدت کی تعلیم کا پرچار کرتے ہوئے عمر رضی الدین صدیقی "تعلیم کا مسئلہ" میں یوں رقمطراز ہیں:

"انسانوں اور خصوصاً نئی نسلوں کو اس تعلیم کی سخت ضرورت ہے کہ ساری زمین ایک ہی غیر منقسم اکائی ہے بچوں اور نوجوانوں میں ابتداء ہی سے یہ شعور پیدا کیا جانا چاہئے کہ سب انسان ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں اور رنگ و نسل اور جائے پیدائش کا فرق قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لئے سب سے پہلے خود بڑے بوڑھے لوگوں میں اس عالمگیر انسانی وحدت کا احساس موجود ہونا چاہئے۔ اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ خدا کی زمین کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرنے اور خدا کے بندوں کو متعدد گروہوں میں بانٹنے کے تمام معیاروں اور طریقوں کو ختم کر دیا جائے اور سارے انسانوں کو ایک ہی رشتہ وحدت میں باندھ دیا جائے۔" ۱۱۷؂

جغرافیائی' علاقائی تقسیم اور نوح انسان کی رقیبی گروہ بندی ناقابل عمل ہے

اسلامی اصول کے مطابق ساری زمین ایک غیر منقسم وحدت ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کا وطن ہے۔

"امن عالم کا قیام اس وقت ناممکن ہے جب تک کہ اس نکتہ کی اہمیت کو کماحقہ محسوس نہ کیا جائے دراصل ساری خرابی اس وجہ سے پیدا ہو رہی ہے کہ لوگ پرانے اقدار کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نئے بدلے ہوئے حالات کے تحت ان کا جائزہ نہیں لینا چاہتے۔ اگر وطنیت اور قومیت کے مروجہ تصور کی سائنسی تحلیل کریں تو زمین کی جغرافیائی تقسیم اور نوح انسان کی رقیبی گروہ بندی اس زمانے میں قطعی مہمل اور ناقابل عمل ہے۔" ۱۱۸؂

زمین ایک ناقابل تقسیم اکائی ہے جو تمام انسانوں کا وطن ہے

جغرافیائی تقسیم اور وطن پرستی کی غلط تعلیم نے یہ سارا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ ہوس نے نوع انسان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں اور خدا کی زمین کو مختلف جماعتوں نے تقسیم کر کے خاص اپنی مملکت بنالیا ہے۔

''وہ تمام انسان اسلام کی اس تعلیم کو حرز جان بنائیں کہ ہماری زمین ایک ناقابل تقسیم اکائی ہے جو سارے انسانوں کا وطن ہے جس میں ہر شخص کے لئے آزادی ہے کہ جہاں چاہے اپنی زندگی بسر کرے تمام دنیا میں صرف ایک ہی قوم ہے اور وہ امریکی یا جرمن یا ہندوستانی قوم نہیں بلکہ انسانی قوم ہے۔''[19]

انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ترقی کیلئے ایمان اور علم کا کردار

انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اور ترقی کے لئے دو اجزاء لازمی ہیں یعنی ایمان اور علم۔ ان ہی اجزاء کی موجودگی میں فرد اور جماعت میں وہ خصوصیت پیدا ہوتی ہے جو متمدن زندگی کو برقرار رکھ سکتی ہے۔ کسی قوم کے بقاء اور ارتقاء کا دارومدار ایمان اور علم ہی پر ہوتا ہے اور جب یہ دونوں اجزاء ایک خاص حد تک کسی قوم میں موجود رہتے ہیں وہ قوم ترقی کرتی رہتی ہے۔

ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی ''تعلیم کا مسئلہ'' میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ :

''اگر انفرادی زندگی کو مکمل اور جماعت کو دنیا میں ہر جہتی ترقی کے قابل بنانا ہے تو تعلیم کا نظام عمل اس نقطے پر مرکوز رہنا چاہئے کہ نوجوان نسلوں کے ایمان کو مستحکم کیا جائے اور انہیں جدید ترین علوم کا ماہر بنایا جائے۔''[20]

علم کی وحدت اور ہم آہنگی

ہمارے اکثر تعلیم یافتہ افراد بلکہ علماء اور ماہرین کو اپنے خاص مضمون کے علاوہ کسی دوسرے مضمون کے متعلق کچھ معلوم کرنے کی خواہش ہی نہیں ہوتی اور بسا اوقات یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے خاص مضمون کے لئے ان دوسری معلومات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ انجینئر اور ڈاکٹر ہیں تو وہ تاریخ و ادب سے بالکل بے بہرہ ہیں اور مورخ اور ادیب ہیں تو مبادیات سائنس سے قطعی ناواقف' تاریخ اور ادب پھر بھی چونکہ عالمگیر اپیل رکھتے ہیں اور ہر انسان کو ان سے کچھ نہ کچھ سابقہ پڑتا ہے اس لئے سائنس والے ان مضامین کی ابتدائی باتوں سے کم وبیش واقف ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عوام اور آرٹس (Arts) کے مضامین کے معلم اور ماہرین سائنس کی بالکل ابتدائی اور موٹی موٹی باتوں سے بالکل کورے ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک کی فضاء حد درجہ غیر سائنسی ہے اور سائنس کے جدید انکشافات کے متعلق تو کجا صدہا سال پہلے حاصل کی ہوئی معلومات کے متعلق بھی کوئی بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ عقیدہ ہے کہ سائنس صرف چند ماہرین کا مشغلہ ہے جس کے لئے کسی سمجھ دار شخص کو سر کھپانے کی ضرورت نہیں کیونکہ دوسروں کو ان معلومات سے ذرہ برابر فائدے کی توقع نہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ افادیت ہی کسی مضمون سے واقفیت یا

ناواقفیت کا معیار نہیں، بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو ہماری تہذیب (کلچر) کا جزبن گئی ہیں اور جن سے واقف ہونا ہر تعلیم یافتہ شخص کیلئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی "تعلیم کا مسئلہ" میں علم کی وحدت اور ہم آہنگی اور افادیت پر رقمطراز ہیں:

"قدیم زمانے کے اکثر بڑے علماء جامع العلوم ہوتے تھے اور مختلف مضمونوں میں اہم تحقیقات کرتے تھے۔ اب اگرچہ علوم کی ترقی اور وسعت کی وجہ سے اس کا موقعہ نہیں رہا لیکن پھر بھی اگر موجودہ زمانے کے بڑے عالم یا سائنس دان کے کارناموں پر غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ان کی تحقیق ایک چھوٹے موضوع کے تنگ دائرے تک ہی محدود نہیں ہوتی بلکہ وہ متعدد وسیع موضوع کے متعلق اصولی انکشافات کرتے ہیں۔ ان کی فنی اور غیر فنی تقریروں اور تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ نہ صرف اپنے خاص مضمون بلکہ دوسرے علوم کے متعلق بھی ان کی معلومات کس قدر وسیع ہوتی۔

علم کی وحدت اور مختلف علوم کا باہمی ربط و تعلق

محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر "تعلیم کا مسئلہ" میں علم کی وحدت و ہم آہنگی سے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علوم و فنون کی اس کثرت میں ہم خود علم کی وحدت کو بھی بھولتے جارہے ہیں اور صرف ایک محدود مضمون کی معلومات حاصل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ علم کی اس وحدت کے متعلق بحث کی جائے گی کہ مختلف علوم کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔

۱۔ منطق (Logic) استدلال کا علم

۲۔ حساب (Arithmatic) عددوں کا علم

اس میں الجبراء احصاء وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ ہندسہ (Geometry) فضاء کا علم

۴۔ علم حرکت وقت کا علم

۵۔ طبیعات (Physics) مادہ اور توانائی کا علم

اس میں کیمیا، معدنیات، انجینئری وغیرہ شامل ہیں۔

۶۔ حیاتیات (Biology) زندگی کا علم

اس میں تشریح الابدان (Anatomy) فعلیات (Physiology) نباتات (Botany) حیوانات (Zoology) طب (Medicine) وغیرہ شامل ہیں۔

۷۔ نفسیات (Psychology) نفس (Mind) کا علم

۸۔ عمرانیات (Sociology) اجتماعی نفس (Collective Mind) کا علم

اس میں معاشیات (Economics) تاریخ، قانون، سیاسیات وغیرہ شامل ہیں۔

اب اگر مندرجہ بالا فہرست پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہو گا یہ تمام علوم ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں یا زیادہ صحیح طور پر ایک ہی سیڑھی کے مختلف زینے ہیں اور کسی زینے پر پہنچنے کے لئے اس سے پہلے کے تمام زینوں کو طے کرنا لازمی ہے۔

۱۔ منطق

منطق کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم سب جانتے ہیں کہ استدلال کے صحیح اصول اور طریقوں سے واقفیت کے بغیر کسی علم کو حاصل کرنا ناممکن ہے۔

۲۔ علم حساب (Arithmatics)

جس میں ریاضی کی دوسری بڑی شاخیں الجبراء وغیرہ شامل ہیں۔ اعداد اور ان کے باہمی تعلقات کا علم جس کا دارومدار صرف منطقی اصول پر ہے۔ اس علم میں خارجی دنیا کی اور کسی معلومات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ علم سوائے منطق کے باقی تمام علوم سے آزاد رہ کر تشکیل پاتا ہے اور حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ علم ہندسہ (Geometry)

یعنی جیومیٹری میں ایک نیا جز فضا (Space) کا دخل ہوتا ہے اور یہ علم پہلے کے دونوں علوم یعنی منطق اور حساب پر منحصر ہے کیونکہ اس کی تشکیل اور حصول میں ان دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر حساب جاننے کے جیومیٹری سیکھنا ممکن نہیں لیکن اس کے حاصل کرنے کیلئے علم حرکت سے لے کر عمرانیات تک کسی علم کی ضرورت نہیں۔

۴۔ علم حرکت

میں اعداد اور فضاء کے علاوہ ایک تیسرا نیا جز وقت کا دخل ہوتا ہے جو اس سے قبل کے علوم میں یعنی منطق، حساب اور جیومیٹری میں نہیں پایا جاتا۔ علم حرکت اپنے سے قبل کے ان تینوں علوم پر منحصر ہے لیکن اپنے سے بعد کے علوم یعنی طبیعات سے لے کر عمرانیات تک تمام علوم سے آزاد ہے۔

۵۔ علم طبیعات (Physics)

میں ان سابقہ اجزاء یعنی عدد فضاء اور وقت کے علاوہ ایک نیا عنصر "مادہ اور توانائی" کا دخل ہوتا ہے یعنی اس علم میں جن مظاہر اور واقعات سے بحث ہوتی ہے ان میں یہ چاروں عناصر عدد 'فضا' وقت اور مادہ اور توانائی شامل ہیں۔ (جدید تحقیقات کے بموجب مادہ اور توانائی دو مختلف چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے) طبیعات کا علم اپنے قبل کے تمام علوم یعنی منطق، حساب، ہندسہ اور علم حرکت پر منحصر ہے اور اپنے اور اپنے بعد کے تمام علوم یعنی حیاتیات، نفسیات اور عمرانیات سے بالکل آزاد ہے۔ اس میں کیمیاء معدنیات 'انجینئری وغیرہ تمام مضامین شامل ہیں جن میں مادہ توانائی اور ان کے تغیروں سے

بحث ہوتی ہے۔

۶۔ علم حیاتیات (Biology)

میں ایک نیا عنصر ''زندگی'' کا دخل جو اس سے قبل کے تمام علوم میں مفقود ہے۔ چونکہ زندگی ظہور بغیر مادہ اور توانائی کے واسطے کے ممکن نہیں اس لئے علم حیاتیات میں سابقہ تمام اجزاء یعنی مادہ توانائی وقت فضا اور عدد بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ علم طبیعات 'کیمیا' اور ان کے ذریعے سے علوم ریاضی پر منحصر ہوتا ہے۔ علم حیاتیات کو تشکیل دینا اور اس کو حاصل کرنا بغیر علوم طبیعات اور ریاضی کے ممکن نہیں۔ لیکن علم حیاتیات اپنے بعد کے علوم نفسیات اور عمرانیات سے بالکل آزاد رہ سکتا ہے۔ علم حیاتیات میں تشریح الابدان' فعلیات' طب' نباتیات' حیوانیات وغیرہ تمام مضامین شامل ہیں جن میں زندگی اور اس کے مختلف مظاہروں سے بحث ہوتی ہے۔

۷۔ نفسیات (Psychology)

اس علم میں نیا عنصر ''نفس'' کا دخل ہوتا ہے جو اس سے قبل کے تمام علوم میں مفقود ہے۔ چونکہ نفس صرف زندہ اجسام میں ہی پایا جاتا ہے اور زندگی بغیر مادہ اور توانائی کے واسطے کے ظہور پذیر نہیں ہوتی۔ اس لئے نفسیات میں سابقہ تمام اجزاء یعنی زندگی' مادہ اور توانائی وقت' فضا اور عدد بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ علم حیاتیات اور طبیعات پر اور ان کے ذریعے سے علوم ریاضی پر منحصر ہوتا ہے۔ بغیر علوم حیاتیات' طبیعات اور ریاضی کے نفسیات کو باضابطہ تشکیل دینا اور اس کو حاصل کرنا ناممکن ہے۔

۸۔ عمرانیات (Sociology)

عمرانیات کا علم جو ایک فرد کے نفس سے نہیں بلکہ ایک جماعت یا گروہ پر حاوی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ علم فرد کی نفسیات پر منحصر ہے۔ نفسیات خود محکم حیاتیات' طبیعات وریاضیات پر منحصر ہے۔ اس لئے لازماً عمرانیات بھی ان تمام علوم کے تابع ہے۔ اس کو باضابطہ طور پر تشکیل دینا یا حاصل کرنا بغیر ان سابقہ علوم کے ممکن نہیں۔ عمرانیات میں معاشیات' تاریخ' قانون اور سیاسیات وغیرہ تمام مضامین شامل ہیں جو جماعتوں اور گروہوں سے بحث کرتے ہیں۔

سب سے آخری اور بلند ترین زینہ پر ''علمیات'' یعنی نظریہ علم (Epistemology or theory of knowledge) کو رکھا ہے جو کائنات کی حقیقت سے بحیثیت مجموعی بحث کرتا ہے۔ تمام دوسرے علوم کے بنیادی اصولوں اور نتیجوں کی صحت وصداقت کو پرکھتا ہے اور ان کے باہمی تعلق پر غور کرتا ہے اس طرح گویا یہ علم العلوم ہے اور باقی تمام علوم پر منحصر ہے اور بغیر ان علوم کے تشکیل نہیں دیا جاسکتا۔

اس طرح علوم کی یہ تقسیم اور ترتیب جو مندرجہ بالا فہرست میں دی گئی ہے۔ اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہر علم اپنے سے پہلے کے تمام علوم پر منحصر ہوتا ہے اور اپنے سے بعد کے تمام علوم سے آزاد ہوتا ہے۔ ہر علم میں وہ سب عناصر

یا اجزاء موجود ہوتے ہیں جو سابقہ علوم میں پائے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ ایک نیا عنصر یا جزو داخل ہوتا ہے جو سابقہ علوم میں مفقود ہوتا ہے۔ یہ اجزاء حسب ذیل ہیں:

عدد فضاء 'وقت' مادہ اور توانائی' زندگی نفس' اجتماعی نفس

اس لئے ظاہر ہے کہ بغیر ریاضی کے طبیعات ممکن نہیں' بغیر طبیعات کے حیاتیات ممکن نہیں' بغیر حیاتیات کے نفسیات ممکن نہیں اور بغیر نفسیات کے علوم عمرانی ممکن نہیں۔ یہ حقیقت ہمارے بہت سے متعلمین اور معلمین کے لئے شاید انوکھی اور حیرت انگیز ہو لیکن جو تحلیل اوپر دی گئی ہے اور جو استدلال پیش کیا ہے اس کی روشنی میں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

علوم وحدت اور اس کی افادیت پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد رضی الدین صدیقی' ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' میں رقمطراز ہیں:

جب کسی شخص کو انفرادی نفس کی حقیقت اور اس کے اصول ہی سے واقفیت نہ ہو تو وہ کس طرح اجتماعی نفس کے اعمال اور اصول کو سمجھ سکتا ہے۔ اگر کوئی متعلم زندگی کی حقیقت ہی سے ناواقف ہو تو وہ نفس کے عمل کو کیسے جان سکتا ہے۔ اگر کسی کو مادہ اور توانائی کے اصول ہی معلوم نہ ہوں تو وہ کیسے توقع کر سکتا ہے کہ زندگی کے متعلق کوئی علم حاصل کرے۔ جب کہ زندگی کا ظہور بغیر مادہ اور توانائی کے ممکن نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ دوسروں کی بتلائی ہوئی چند باتوں کو یا مختلف سرسری اور ابتدائی شاہدوں کو یاد کر لیا جائے لیکن کیا اس کا نام علم ہے؟ علم کا مقصد قدرت پر قابو حاصل کرنا اور مستقبل کی پیش بندی کرنا ہے۔

محمد رضی الدین صدیقی' ڈاکٹر ''علم کی وحدت اور اس کی افادیت'' ان علوم کی افادیت پر زور دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ہر عمرانیات کا متعلم ریاضی' طبیعات اور حیاتیات کے تمام علوم و فروغ' کلیات و جزئیات پر حاوی ہو بلکہ متعلقہ امور کے صرف بنیادی اصول اور اہم نتیجوں سے واقفیت کافی ہے۔ حالانکہ طبیعات کے علم کا سارا دارومدار ریاضی پر ہے۔ لیکن کوئی ماہر طبیعات ریاضی کی تمام شاخیں تو کجا صرف ایک شاخ کی تمام تفصیلات سے بھی واقف نہیں ہوتا۔ بلکہ طبیعات والوں کے لئے ریاضی کے ضروری اہم اجزاء مختص کر دیئے جاتے ہیں اور انہی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اسی طرح یہ ہونا چاہئے کہ حیاتیات کے طالب علموں کے لئے طبیعات اور ریاضی کے ضروری اور اہم اجزاء مختص کر دیئے جائیں اور علوم عمرانی کے متعلمین کے لئے نفسیات اور حیاتیات کے ضروری اور اہم جزو مختص کر دیئے جائیں۔''[۱۲۱]

''انسانوں کیلئے سب سے کم فوری ضرورت اور قریبی تعلق رکھنے والا علم ریاضی کا سب سے زیادہ قریبی تعلق رکھنے والا علم عمرانیات کا ہے۔ جس میں تاریخ و معاشیات وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ سب

سے زیادہ صحیح اور زیادہ ترقی یافتہ علم ریاضی اور سب سے کم صحیح اور کم ترقی یافتہ علم عمرانیات کا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ علوم بہت پیچیدہ ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان علوم کے نام لیوا اپنے میں وہ سائنسی قابلیت اور صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے جو ان علوم کی تشکیل اور ترقی کے لئے ضروری ہیں۔"۱۲۲

تعمیر کردار

ماہرین تعلیم نے سیرت سازی اور کردار کی تعمیر کو ہی تعلیم کا اہم مقصد قرار دیا ہے۔ ہربارٹ اور کئی دوسرے ماہرین نے اس بات کی حمایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کردار کی تشکیل واقعی اہم ہے۔ تعلیم کا یہ فرض ہے کہ وہ افراد کو اس قابل بنا دے کہ زندگی گزارنے کا ڈھنگ سیکھ سکیں۔ افراد نیک سیرت ہوں، وسیع النظر ہوں، دوسروں کی بھلائی کا خیال رکھیں تو معاشرتی سالمیت برقرار رہ سکتی ہے۔ صرف اس قسم کے افراد معاشرے کے قائم کردہ قوانین، روایات اور طور طریقوں کا احترام کر سکتے ہیں جو اخلاقی قدروں کو جانتے ہیں اور مجلسی زندگی کا احترام کریں۔ چنانچہ اس مقصد میں اخلاقی اور سماجی تربیت کو بہت ہی اہم درجہ حاصل ہے۔ یہاں مدرسہ کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ایسی تعلیم و تربیت دے جو ایسے شہری تیار کرے جو نیک چلن اور پاک سیرت ہوں۔

تعلیم کا ایک مربوط سلسلہ وار عمل ہے جو ابلاغ و تبلیغ، تربیت کردار اور تعلیم کتاب و حکمت پر مشتمل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الأُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ۔ ۱۲۳

سلیم محمد، پروفیسر "تعمیر کردار" کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"اسلامی تعلیم کا بہترین ماڈل اسوہ رسولؐ ہے۔ "وَلَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ" حَسَنَةٌ" " اس تعلیمی عمل کا مقصود سیرت کی پاکیزگی اور بالیدگی ہے۔ جس پر نفس انسانی کی فوز و فلاح کا سارا دار و مدار ہے۔ (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا) مگر جو بد نصیب ودیعت شدہ صلاحیتوں کو پروان نہ چڑھا سکا بلکہ انہیں کچل ڈالا۔ اس کی نامرادی میں قطعاً کوئی شک نہیں۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس ۱۰) یہ ہے مختصر طور پر قرآنی تصور تعلیم کی نقشبندی۔ حیرت ہے جس تصوراتی مغالطہ اور اصطلاحی انتشار میں یورپ اور امریکہ کی جدید تعلیم گرفتار ہے۔ قرآن کس طرح دوستانہ انداز میں اس سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے۔ ۱۲۴

اسے نہ نظریاتی تبلیغ سے چڑ ہے نہ تشکیل کردار سے متوحش ہے نہ رابرٹ ہچن (Robert Hutchine) کی طرح "تعلیم" سے مہارتوں کا دیس نکالا چاہتا ہے۔ یہاں مہارتوں کی تحصیل بھی تعلیم ہے اور حقائق کی آگہی بھی تعلیم ہے اور معارف و بصائر بھی تعلیم۔

اسلام میں تعلیم کا مقام بہت بلند ہے مگر یہاں تعلیم محض معلومات پہنچا دینے کا نام نہیں بلکہ معلومات وحقائق اور افکار و نظریات کے ساتھ ساتھ وہ تہذیب اخلاق اور تہذیب نفس بھی ہے۔

اسلامی تعلیم میں بدن و روح کے تقاضوں کا بھی خیال رکھا جاتا ہے اور فرد و اجتماع بھی گویا اسلامی تعلیم فرد کی سیرت و کردار کے جملہ پہلوؤں یعنی علمی، عملی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور مادی سبھی پر محیط ہے۔ یہ بیک وقت دین و دنیا، علم و اخلاق، روح و بدن، ماضی حال اور استقبال کو اپنی لپیٹ میں لے لینے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ ان مختلف النوع پہلوؤں کے میل جول سے ایک ایسا انداز فکر و عمل ابھرتا ہے جو اسلامی تعلیم ہی کا خاصہ ہے کسی اور نظام تعلیم میں اس طرح کا تصور تعلیم ملنا ناممکن ہے۔

تعلیم کے ذریعے نوجوان نسل میں حکمت و دانش منتقل کرنا

تعلیم جہاں نوجوان نسل کی تعمیر کردار میں بھرپور کردار ادا کرتی ہے وہاں نوجوانوں تک حکمت و دانش کو بھی منتقل کیا جاتا ہے۔ ان کی تمام صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر قوم وملت کیلئے مفید و معاون بنایا جاتا ہے۔

اے۔ این۔ وائٹ ''مقاصد تعلیم'' میں یوں رقمطراز ہے:

''بات دراصل یہ ہے کہ حصول علم کا صحیح طریقہ وہی ہے جس سے حکمت حاصل ہو سکے۔ اس کا تعلق اس امر سے ہے کہ آپ علم کو کس طرح برتتے ہیں۔ متعلقہ مسائل کے تعین کے لئے آپ اس کا انتخاب کیونکر کرتے ہیں۔ اُس کا اِس طور پر کیسے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے آپ کے فوری تجربہ کی اہمیت میں اضافہ ہو جائے۔ علم پر یوں اقتدار حاصل کرنا جو کہ دراصل حکمت ہے وہ سب سے زیادہ متعارف وحریت ہے جسے حاصل کرنا ممکن ہے۔ قدماء نے پوری وضاحت سے محسوس کیا۔ ہمارے مقابل کہیں زیادہ وضاحت سے کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ حکمت علم پر اقتدار رکھے لیکن قدماء نے بڑی دردناک غلطی جس سلسلہ میں کی وہ عملی تعلیم کے دائرہ میں حصول حکمت ان کا طریقہ تھا۔ اس بات کو آسان تر انداز میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ قدماء نے جو عام طریقہ اختیار کر رکھا تھا اس کے مطابق یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ نوجوانوں تک حکمت و دانش کو اس طرح منتقل کیا جا سکتا ہے کہ فلسفیوں کی خدمات حاصل کر لی جائیں جو انہیں پر جوش تقریریں سنائیں۔ حکمت کا واحد طریقہ صرف یہ ہے کہ علم کے حضور کی حالت میں حریت موجود ہو لیکن علم کے حصول کا واحد طریقہ یہ ہے کہ مرتب حقیقت کے حصول میں ضبط و تنظیم کے ساتھ عمل کیا جائے۔''[۱۲۵]

تعمیر کردار میں ایک اچھے انسان کی جھلک

تعمیر کردار اس نہج پر کی جائے کہ ایک اچھا انسان پیدا ہو سکے جو ملک وقوم کیلئے کارآمد و مفید شہری بن کر سامنے آئے۔

ڈاکٹر ملک حسن اختر ''تعلیم کا فن'' میں رقمطراز ہیں:

''پاکستان میں تعلیم کا مقصد اچھے مسلمان پیدا کرنا ہونا چاہئے۔خوش قسمتی سے ایک اچھے مسلمان اور ایک اچھے انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ایک اچھے انسان کیلئے مذہبی تعلیم بھی ضروری ہے۔''[۱۲۶]

محمود حسین ''ایجوکیشن اور کلچر'' میں رقمطراز ہیں:

''وہ معاشرہ جس میں اپنے مذہب کو نوجوانوں تک پہنچانے کا حوصلہ نہ ہو بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔''[۱۲۷]

تعمیر کردار میں مذہبی تعلیم کی طرف رغبت دلاتے ہوئے ایک مشہور ماہر تعلیم پروفیسر وہائٹ ہیڈ ''تعلیم کے مقاصد'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''تعلیم کے میدان میں ہمیں اس پرانے نصب العین سے کم کسی چیز پر (جو ہماری تہذیب کے ہر دور میں تسلیم کیا جاتا رہا ہے) رضامند نہ ہونا چاہئے اور وہ غایت یہ ہے کہ تعلیم کی روح مذہبی ہونی چاہئے۔''[۱۲۸]

جوہن فریڈرک ہربرٹ کے خیال کے مطابق:

''تعلیم کا صرف ایک ہی کام ہے اور وہ لفظ اخلاقیات سے ظاہر ہوتا ہے۔''[۱۲۹]

ہربرٹ ریڈ تو یہاں تک کہتا ہے کہ:

''جب تک ہم اخلاقی تعلیم کو تمام دوسری تعلیم پر فوقیت نہیں دیتے دنیا کے لئے مایوسی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔''[۱۳۰]

''ایک اچھا مسلمان بننے کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ہم صرف نام کے مسلمان بن جائیں اس طرح ہم اسلاف کی روح نہیں پا سکتے۔اسلام انسان کی شخصیت کو بدل کر اسے خاص سانچے میں ڈھال دیتا ہے اور پھر انسان اپنی ذات کو پہچان کر اپنی صلاحیتوں کو اس طرح بروئے کار لاتا ہے کہ وہ انسانیت کی بھلائی کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔نماز' روزہ' قربانی اور حج کی ادائیگی کے باوجود بھی بعض اوقات انسان اسلام کی اصل روح سے آگاہ نہیں ہوتا۔یہ سب چیزیں اسے اچھا مسلمان بنانے کا ذریعہ ضرور ہیں مگر ان کو اپنا کر بھی برائیوں میں گھرے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں نے انسان پر کوئی اثر نہیں کیا۔''[۱۳۱]

تعمیر کردار اور سچائی کی جستجو

تعمیر کردار میں سچائی کی جستجو انسان کی راہوں کو روشن اور منور کر دیتی ہے۔

''ہر اچھا انسان اس جستجو میں رہتا ہے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔وہ دوسرے کے بتائے ہوئے رستے پر چلتا ضرور ہے مگر اس کے دل میں یہ خواہش کروٹیں لیتی رہی ہے کہ وہ معلوم کرے کہ یہ رستہ سچائی کی منزل کی طرف جاتا ہے یا نہیں۔وہ معاشرہ جہاں لوگوں کی تعلیم و تربیت ان خطوط پر کی جاتی ہے وہ ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے۔''[۱۳۲]

مولوی عبدالحق ''چند ہم عصر'' میں اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

''ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے اس صلاحیت کو درجہ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور بڑائی ہے درجہ کمال تک نہ کبھی کوئی پہنچا ہے اور نہ پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کی کوشش میں انسان انسان بنتا ہے یہ سمجھو کہ کندن ہو جاتا ہے۔ حساب کے دن جب اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی خدا یہ نہیں پوچھے گا کہ تو نے کتنی اور کس کی پوجا پاٹ یا عبادت کی۔ وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں وہ پوچھے گا تو یہ پوچھے گا کہ میں نے جو استعداد تجھ میں ودیعت کی تھی اسے کمال تک پہنچانے اور اس سے کام لینے میں تو نے کیا کیا اور خلق الٰہی کو اس سے کیا فیض پہنچایا۔'' ۱۳۳

تعمیر کردار اور انسانیت کے تقاضے

ملک حسن اختر' ڈاکٹر ''تعلیم کا فن'' میں رقمطراز ہیں:

''ایک اچھے انسان میں یہ خوبی بھی ہوتی ہے کہ وہ احساس کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اگر کوئی شخص دوسروں کے دکھ درد سے متاثر نہیں ہوتا تو وہ انسانیت کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اسے اس بات کا اہل ہونا چاہئے کہ وہ اپنے تخیل کی مدد سے دوسروں کو دیکھ لے اور ان کے موجودہ یا متوقع مصائب کا احساس کر کے ان کی مدد کیلئے تیار ہو۔ اس کے لئے تخیل کے ساتھ ساتھ ذہانت کی بھی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ذہانت کے بغیر کوئی بھی دوسروں کے کام نہیں آ سکتا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ اپنے کام بھی نہیں آ سکتا چنانچہ تعلیم انسان کو ذہین بنانے میں بھی مدد دیتی ہے اور ذہانت کی بنیاد تجسس ہے۔''

۱۳۴

تکمیل حیات

روئے زمین پر جب سے انسان نے قدم رکھا اور خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز ہوا تو تہذیب و تمدن کے لحاظ سے انسان مختلف ارتقائی منزلوں سے گزرا ہے۔ دنیا میں مختلف ادوار میں کئی تہذیبیں ابھریں اور پھر مٹ گئیں۔ خداوند کریم نے ہر دور میں انسانی تکمیل حیات اور اس کی اصلاح و ہدایت کے تمام مواقع باہم پہنچائے۔ مختلف اوقات میں اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے اپنا پیغام پہنچایا۔ قرآن پاک میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

''كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔'' ۱۳۵

ترجمہ:۔ سب لوگ ایک ہی جماعت تھے پس اللہ نے نبیوں کو بھی خوشخبری دینے والے' ڈرانے والے اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری تا کہ لوگوں میں ان باتوں میں فیصلہ کریں جن میں ہم اختلاف رکھتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا بڑا مقصد ایک ایسی امت کی بنیاد رکھنا اور اس کی عملی تربیت کرنا ہے جو انسانی تکمیل حیات و خیر کی

مسلسل اشاعت وتبلیغ کی ذمہ داری قبول کرے۔

ارشاد خداوندی ہے:

"اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔" [۱۳۶]

ترجمہ:- یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر اقتدار عطا کریں تو نماز قائم کریں گے اور زکوۃ ادا کریں گے نیکی کا حکم دیں گے اور برائیوں سے منع کریں گے۔

۱۔ تکمیل حیات اور علم کے ذریعے ظاہری و باطنی قوتوں تک رسائی

مودودی صاحب اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے "تفہیمات" میں رقمطراز ہیں :

"دین اسلام یہ مذہب خالص علم سے پیدا ہوا ہے۔ سراسر عقل کو اپیل کرتا ہے اور اس کا مقصد انسان کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی میں لانا ہے تاکہ وہ کائنات میں اپنی اصلی حیثیت سے واقف ہو۔ موجودات کے ساتھ اپنے تعلق کی حقیقی نوعیت کو سمجھے اور علم وفہم کی روشنی میں اپنی تمام ظاہری و باطنی قوتوں اور مادی و روحانی وسائل کو اس مقصد تک پہنچنے میں استعمال کرے جو درحقیقت انسانی زندگی کا اصلی مقصد ہے۔ یعنی اس دنیا میں اس خدمت کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرنا جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر اس کے سپرد کی ہے۔ آخرت میں اپنے مالک کی خوشنودی سے سرفراز ہونا جو ادائے فرض کا لازمی نتیجہ ہے۔ [۱۳۷]

۲۔ تکمیل حیات اور اسلامی نظریہ زندگی کے بارے میں محمد رفیع الدین ڈاکٹر رقمطراز ہیں:

"اسلامی نظریہ زندگی کے مطابق تعلیم دینے کے معنی یہ ہیں کہ اخوت مساوات اور رواداری ایسی اسلامی اقدار کو نظام تعلیم میں داخل کر دیا جائے بے شک اگر اخوت، مساوات اور رواداری کی اقدار کو اسلامی نقطہ نظر سے سمجھا جائے تو وہ اسلامی اقدار ہیں لیکن جب تک نظام تعلیم کے اندر خدا کے تصور کو علی الاعلان داخل نہ کیا جائے اور طالب علم کے دل میں اس تصور کی محبت کو درجہ کمال پر نہ پہنچا جائے اس وقت تک ناممکن ہے کہ طالب علم ان اقدار پر عمل کرنا تو ایک طرف ان کی روح سے بھی آشنا ہو سکے۔" [۱۳۸]

۳۔ تکمیل حیات اور خودی کا نظریہ حیات

دین اسلام ہی انسان کو تکمیل حیات سے ہمکنار کرتا ہے۔ یہ انسانی تصورات زندگی اور خودی کی ضروریات کو پورا ہی نہیں کرتا بلکہ ارتقاء کی انتہاء تک لے جاتا ہے۔

محمد رفیع الدین ڈاکٹر "اسلام کا نظریہ تعلیم" میں اس نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"انسان ایسے تصورات زندگی سے جو اس کی خودی کی ضروریات کو پورا نہ کر سکتے ہوں مکمل اور مستقل طور پر

مطمئن نہیں ہو سکتا۔ نفسیات انسانی کے ٹھوس حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ارتقائے کائنات کی قوتیں جن کے عمل سے کائنات رفتہ رفتہ کامل سے کامل تر ہوتی جارہی ہے بالآخر غلط زندگی کو مٹادیں گی اور صرف خودی کا نظریہ حیات روئے زمین پر باقی رہ جائے گا۔ قرآن میں یہ پیش گوئی موجود ہے اور علمی حقائق اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری قوم اپنے صحیح اور کامل نظریہ زندگی کی وجہ سے ارتقاء کی انتہاء پر ہے اور دوسری قومیں ارتقاء کے راستے پر قدم بقدم ہمارے پیچھے چلی آتی ہیں اور آخر کار ہماری قیادت قبول کرنے پر مجبور ہوں گی۔"۱۳۹ ـ

۴۔ تکمیل حیات اور تعمیر انسانیت

اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو وحدت نسل انسانی کا داعی ہے اور تفریق بین الناس کا سخت مخالف ہے۔ قومی، لسانی اور نسلی امتیازات کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ وحدت نسل انسانی کا نظریہ وہ نظریہ جس کی نظیر دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں نہیں ملتی۔

غلام عابد خان، پروفیسر "عہد نبوی کا نظام تعلیم" میں یوں رقمطراز ہیں:

"اسلام کا مقصد ایک ایسی عالمگیر تہذیب کی بنیاد ڈالنا ہے۔ جس کے اندر بلا تخصیص نسل و قوم تمام انسانوں کی تعمیر کا سامان موجود ہو اور ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے ہر پہلو کی تربیت مقصود ہے۔ جس میں ہر انسان خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، جوان ہو یا بوڑھا، باپ ہو یا بیٹا، گورا ہو یا کالا، عربی ہو یا عجمی جہاں ہو اور جس حیثیت کا حامل ہو اس کے اعمال و عقائد، اخلاق و اطوار اور اس کے حقوق و فرائض غرضیکہ ہر پہلو کی اصلاح و تربیت کرنا مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں انسانی زندگی کا کوئی ایسا پہلو اوجھل نہیں رہا۔ جس کے لئے راہنمائی بہم نہ پہنچائی گئی ہو۔ چنانچہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر محیط اسلامی تعلیمات کا بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ انسانیت کی ایسی تعمیر نو کی جائے۔ جس سے مخلوق اللہ سے محبت و شفقت دوسروں سے رواداری جیسی صفات پیدا ہوں تاکہ پوری انسانیت ایک ایسے معاشرہ کو تشکیل دے سکے۔ جو ہر لحاظ سے پر امن بقائے باہمی کے اصول کو اپنا کر ایک خوشحال زندگی گزار سکے گا۔۱۴۰ ـ

فلسفہ تعلیم

فلسفہ تعلیم کا عمومی نظریہ ہے یہ ایک فطری چیز ہے جبکہ تعلیم کا تعلق عمل سے ہے۔ فلسفہ حقیقت، علم، سچائی اور تجربے کے عوامل کا کھوج لگاتا ہے۔ تعلیم ان سے عملی طور پر عہدہ برا ہوتی ہے۔

۱۔ فلسفہ تعلیم کو سمت عطا کرتا ہے یہ منزل کے تعین میں تعلیم کی رہنمائی کرتا ہے تعلیم کے مقاصد کیا ہوں؟ ان مقاصد کو اختیار کرنا کیوں ضروری ہے؟ تعلیم کن اقدار کو پیش نظر رکھے؟ کس قسم کی ثقافت کی ترویج و ترسیل کرے؟ ان تمام سوالات کا جواب فلسفہ دیتا ہے۔

۲۔ تعلیمی عمل میں فلسفہ قدم قدم پر استاد کی رہنماء کرتا ہے۔ استاد کو اکثر فلسفیانہ فیصلے کرنا پڑتے ہیں۔ تعلیم بطور

سائنسی تحقیق کے استاد کو ضروری مواد مہیا کرتی ہے۔ جس کی بنا پر استاد فیصلے کرتا اور ان پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ تعلیم (Generalization) کرنے اور قاعدے کلیئے بنانے میں استاد فلسفیانہ طریق کار کا سہارا لیتا ہے۔ مقاصد کے تعین نصاب اور نفس مضمون کا انتخاب، طریقہ ہائے تدریس اور جائزہ غرض تعلیمی سرگرمی کے ہر مرحلے پر استاد کو یہ طے کرنا پڑتا ہے کہ وہ کون سا قدم اٹھائے لیکن ہر قدم اٹھانے سے پہلے وہ اس بات کا تعین کرتا ہے کہ وہ ایسا کیوں کرے؟ وہ کون سے اصول یا معیار ہیں جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ ایسا کر رہا ہے۔

برنڈرسل "نظام معاشرہ اور تعلیم" میں رقمطراز ہیں:

"اگرچہ انسان کی برتری کا مدار اسی کے ذہنی شعور پر ہے پھر بھی یہی سب کچھ نہیں۔ فقط کائنات کی آئینہ داری ہی کافی نہیں، یہ آئینہ داری جذبے کے زیر اثر ہونی چاہئے اور وہ جذبہ شئے مقصود کے حسب حال ہونا چاہئے اور اس میں مسرتِ علم کی چاشنی شامل ہو، لیکن علم اشیاء اور جذبات مل کر بھی پوری انسانیت کی ترجمانی نہیں کر سکتے، لیکن اس تغیر پذیر دنیامین انسان خود بھی تبدیلیوں کا باعث ہوتا ہے اس احساس کی بناء پر وہ اپنی قوت ارادی سے کام لیتا ہے اور اس طرح اسے اپنی اس طاقت کا احساس ہوتا ہے۔ علم جذبات اور قوت کے حلقے کو تابہ حد امکان وسعت دینا انسانی شخصیت کی تکمیل کیلئے ضروری ہے۔"[141]

فلسفہ تعلیم یا نظریہ تعلیم نظریہ زندگی کے تحت وجود میں آتا ہے

محمد رفیع الدین، ڈاکٹر "اسلام کا نظریہ تعلیم میں رقمطراز ہیں:

"ہر قوم اپنا فلسفہ تعلیم یا نظریہ تعلیم اس طرح بناتی ہے کہ وہ ان کے نظریہ زندگی کی مناسب خدمت کر سکے اور ان کی عملی زندگی کے معبود کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ یورپ کے نظریات تعلیم جو مختلف یورپ قومیتوں کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے وجود میں آئے ہیں۔ ہمارے نظریہ زندگی کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے ہیں۔ جس طرح ان کے نظریات زندگی غلط ہیں اسی طرح ان کے نظریات تعلیم بھی غلط ہیں۔ خودی کا نظریہ حیات بلند اور صحیح تر نظریہ حیات، ان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ چونکہ حق تعالیٰ کی ذات تمام کمالات معنوی کا مجموعہ ہے اور اس کے حسن و کمال کی انتہاء نہیں۔ لہٰذا جو نظریہ تعلیم خودی کے تصور پر قائم کیا جائے گا وہ صحیح ترین ہوگا۔"[142]

اعلیٰ تعلیم کا صحیح نصب العین جامع العلوم میں مہارت

ہمارے اکثر تعلیم یافتہ افراد بلکہ علماء اور ماہرین کو اپنے خاص مضمون کے علاوہ کسی دوسرے مضمون کے متعلق کچھ معلوم کرنے کی خواہش ہی نہیں ہوتی اور بسا اوقات یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے خاص مضمون کے لئے ان دوسری معلومات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ لیکن اعلیٰ تعلیم کا صحیح نصب العین جامع العلوم میں مہارت حاصل کرنا ہے۔

محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر "تعلیم کا مسئلہ" میں رقمطراز ہیں:

''قدیم زمانے کے اکثر بڑے علماء جامع العلوم ہوتے تھے اور مختلف مضمونوں میں اہم تحقیقات کرتے تھے۔اب اگر چہ علوم کی ترقی اور وسعت کی وجہ سے اس کا موقع نہیں رہا لیکن پھر بھی اگر موجودہ زمانے کے بڑے عالم یا سائنس دان کے کارناموں پر غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ان کی تحقیق ایک چھوٹے موضوع کے تنگ دائرے تک ہی محدود نہیں ہوتی بلکہ وہ متعدد وسیع موضوعوں کے متعلق اصولی انکشافات کرتے ہیں۔'' [۱۴۳]

ا۔انسان کی حیثیت خلیفۃ اللہ فی الارض

خالق کائنات جس نے اس ساری کائنات کو پیدا فرمایا۔انسان کو رنگینی کائنات کا اہم جزو بنایا اور تمام ارضی مخلوقات پر اس کو شرف بخشا۔کائنات میں انسان کی حیثیت خلیفۃ اللہ فی الارض قرار دی گئی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ [۱۴۴]

ترجمہ:-اور جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں گویا انسان اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔

سورۃ انعام میں اس آیت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰكُمْ۔'' [۱۴۵]

ترجمہ:-اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض سے اونچے درجے دیئے تاکہ جو کچھ ہم نے اس کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش ہے۔''

انسان خلیفۃ اللہ فی الارض کے بارے میں ابوالاعلیٰ مودودی ''اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''انسان کی حیثیت اس دنیا میں خدا کے خلیفہ کی ہے'خلیفہ کہتے ہیں نائب کو'نائب کا کام یہ ہے کہ جس کا وہ نائب ہے اس کی اطاعت کرے وہ نہ تو اس کے سوا کسی اور کی اطاعت کر سکتا ہے اگر ایسا کرے تو باغی سمجھا جائے گا۔'' [۱۴۶]

مودودی صاحب اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''نائب کا اولین فرض یہ ہے کہ جس کا نائب ہو اس کی فرمانبرداری اس کی حکومت اور اس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرے اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو نہ تو وہ نائب ہونے کی حیثیت کو سمجھ سکے گا اور نہ اپنے امین ہونے کا صحیح تصور اس کے ذہن میں پیدا ہوگا۔نہ اپنے ذمہ دار اور جواب دہ ہونے کا احساس کر سکے گا اور نہ اس امانت میں جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔اپنی ذمہ داریاں اور اپنے فرائض صحیح طور پر ادا کرنے کے قابل ہوگا۔'' [۱۴۷]

۲۔عبادت الٰہی

انسان اس دنیا میں خدا کا نائب ہے۔اس کی پیدائش کا مقصد ہے کہ وہ خدا کی عبادت کرے اور اس بندگی کے ساتھ ساتھ وہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرے اور اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں سے کما حقہ فائدہ خود بھی اٹھائے اور دوسروں کو بھی اس سے فیض یاب کرے۔

عبدالحق' مولوی ''چند ہم عصر'' میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے۔اس صلاحیت کو درجہ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور بڑائی ہے۔درجہ کمال تک نہ کبھی کوئی پہنچا ہے اور نہ پہنچ سکتا ہے۔لیکن وہاں تک پہنچنے کی کوشش میں ہی انسان انسان بنتا ہے۔یہ سمجھو کہ کندن ہو جاتا ہے۔حساب کے دن جب اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی خدا یہ نہیں پوچھے گا کہ تو نے کتنی اور کس کی پوجا پاٹ یا عبادت کی' وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں' وہ پوچھے گا تو یہ پوچھے گا کہ میں جو استعداد تجھ میں ودیعت کی تھی اسے کمال تک پہنچانے اور اس سے کام لینے میں تو نے کیا کیا اور خلق الٰہی کو اس سے کیا فیض پہنچایا۔'' [۱۴۸]

قرآن پاک میں عبادت الٰہی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَآ خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔'' [۱۴۹]

ترجمہ:-اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس آیت کی رو سے انسانی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی قرار دیا گیا ہے۔رضا الٰہی کے حصول کا ذریعہ خدا کی بندگی ہے اور اس کو اپنا حقیقی معبود سمجھ کر اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔خدا کے سوا کسی اور کو الٰہ ماننا اور کسی غیر کے سامنے سر نیاز جھکانا شرک ہے۔عبادت الٰہی سراسر اطاعت خداوندی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔'' [۱۵۰]

ترجمہ:-اور ہم نے رسول بھی بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ بحکم خدا اس کی اطاعت کی جائے۔

قرآن و حدیث میں اس کے عمل کی توضیح و تشریح موجود ہے۔جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے مرتبہ نیابت کو پہچاننے کے ساتھ ساتھ اپنے خالق کے ساتھ ایسا تعلق استوار کرے جو ایک بندے اور معبود میں ہونا چاہئے۔

قرآن پاک میں اس بندگی کو کہیں عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے کہیں تسبیح و تقدیس سے' کہیں سجود سے اور کہیں قنوت سے چنانچہ جگہ جگہ اس مضمون کی آیات آتی ہیں:

''وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ۔'' [۱۵۱]

ترجمہ:- آسمانوں اور زمین میں جس قدر مخلوقات ہیں اور جو خدا کے پاس حاضر ہیں سب اسی کے ہیں اور اس کی عبادت سے

سر تابی نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔ رات دن اس کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں اور کبھی اس سے کاہلی نہیں کرتے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِيْ السَّمٰوٰتِ وَمَا فِيْ الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔ ۱۵۲

ترجمہ:۔ آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے اس بادشاہ کی جو پاک، غالب اور صاحب حکمت ہے۔

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِيْ السَّمٰوٰتِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ" قَدْ عَلِمَ صَلَاتَه، وَ تَسْبِيْحَه، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ" بِمَا يَفْعَلُوْنَO وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔" ۱۵۳

ترجمہ:۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جس قدر مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو پرندے پر پھیلائے اڑ رہے ہیں سب اللہ ہی کی تسبیح کر رہے ہیں۔ سب اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتے ہیں اور اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی حکومت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

"تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوَاتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ اِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ " ۱۵۴

ترجمہ:۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اسی کی تسبیح کرتی ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے گیت نہ گاتی ہو مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔

"وَلَه، مَنْ فِيْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ" لَه، قَانِتُوْنَ۔ " ۱۵۵

ترجمہ:۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔ سب اسی کے حکم کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

"اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ۔ " ۱۵۶

ترجمہ:۔ سورج اور چاند ایک حساب سے چکر لگا رہے ہیں اور درخت اور تارے سجدے میں ہیں۔

ابو الاعلیٰ مودودی "تفہیمات" اسلام میں عبادت کا تصور میں اس عبودیت کے اظہار کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

بندگی اور پرستش کی یہی مواصلت ہے جس سے انسان کو دوسری مخلوقات پر شرف حاصل ہوتا ہے اور وہ اس مرتبہ پر پہنچتا ہے جسے خدا نے اپنی خلافت و نیابت قرار دیا ہے۔ خدا کی بندگی تو انسان آپ سے آپ بلا عمد و اختیار، بغیر جانے بوجھے کر ہی رہا ہے اور ٹھیک اسی طرح کر رہا ہے جس طرح لایعقل حیوان، بے شعور درخت، بے جان پتھر کر رہے ہیں۔ اس حیثیت سے اس میں اور دوسری مخلوقات میں کوئی فرق نہیں اور اس بندگی کا جو انعام ہے یعنی فیضان وجود اور عطاء رزق، اس میں بھی وہ فی الحقیقت دوسری مخلوقات سے ممتاز نہیں۔ فرق و امتیاز اور برتری و شرف جو کچھ ہے اس امر میں ہے کہ دوسری موجودات کے بر خلاف جو عقل و شعور، جو آزادی ارادہ و اختیار اور جو قوت علمیہ انسان کو دی گئی ہے اس کو پہچانے، جس کا وہ بندہ ہے اور بالاختیار بھی اسی کی عبادت اور پرستش کرے۔ جس کی وہ بلا اختیار بندگی کر رہا ہے۔" ۱۵۷

۳۔ خوف خدا

رضائے الٰہی کے حصول کا اہم ذریعہ خوف خدا ہے جو اس کی عظمت کبریائی کو تسلیم کرنے کا دوسرا نام ہے' خدا سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل میں ہمیشہ یہ احساس موجود رہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق' سمیع و بصیر اور درون دل پوشیدہ بھیدوں کو جاننے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔" ۱۵۸

ترجمہ:- اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تمہارے سب اعمال کو جانتا ہے۔

غلام عابد خان' پروفیسر "عہد نبوی کا نظام تعلیم" میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس احساس کے پیش نظر انسان کو یہ بات بھی مد نظر رکھنی چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے رب کی مرضی اور رضاء کے خلاف کوئی تصرف کر بیٹھے اور اس کے اس فعل سے خداوند کریم ناراض ہو جائے۔ خوف خدا کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے عمل میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا سے ڈرنے والا انسان ایسا عمل کرے گا۔ جس میں خدا کی رضاء مقصود ہو اور ان اعمال سے اجتناب کرے گا جو اس کی ناراضگی کا سبب بنیں گے۔ خوف خدا کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جس انسان کے دل میں خدا کا خوف موجزن ہو گا اس کے دل میں اور کسی چیز کا خوف جگہ نہیں پاتا۔" ۱۵۹

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَا تَتَّخِذُوْآ اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ۔" ۱۶۰

ترجمہ:- دو دو معبود نہ بناؤ' معبود وہی ایک ہے تو مجھ ہی سے ڈرتے رہو اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اسی کا ہے اور اس کی عبادت لازم ہے تو (اسلئے) خدا کے سوا اوروں سے کیوں ڈرتے ہو۔

۴۔ شکر گزاری

اسلام میں انسان کے اجتماعی اور انفرادی حقوق و فرائض کا مقصد صرف رضاء الٰہی کا حصول ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اسلام میں جو خطوط متعین کیے گئے ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنے معبود کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

"فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ۔" ۱۶۱

ترجمہ:- سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا ناشکری نہ کرنا۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں تعلق کے تسلسل احسان مندی اور ناشکری سے اجتناب کا حکم فرمایا ہے۔ احسان

مندی اور شکر گزاری کی صفات کا عمل تو انسان کی اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ بھی شامل ہے لیکن خالق حقیقی کی نعمتوں اور نوازشوں سے کون انکار کر سکتا ہے۔ جس نے انسان کو گندے پانی کے قطرے سے بنایا اور اسے زندگی کے مختلف ارتقائی منازل سے گزارا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے زندگی گزارنے کی آسائشیں دیں۔ احسن تقویم میں موجود ایک ایک نعمت پر ساری دنیا کی دولت ہزار بار نثار کرنے پر بھی صرف ایک آنکھ کا بدلہ نہیں چکایا جا سکتا۔

"ان جملہ خداداد نعمتوں کا ایک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اپنے خدا کا شکر بجا لائے۔ شکر گزاری کا طریقہ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی نیابت کا حق ادا کرے اس کے خوف کو دل میں جگہ دے اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور زندگی کے ہر مرحلہ میں اس کے رسول ﷺ کی پیروی کرے۔" ۱۶۲ے

دنیا ایک امتحان گاہ

انسان دنیامین ایک وقت مقرر تک بھیجا گیا ہے۔ اسے تمام نعمتوں سے نوازا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس سے یہ بھی پوچھا جائے گا کہ اس نے ان نعمتوں کا استعمال کس طرح کیا جو ذمہ داری اسے سونپی گئی تھی اسے کیسے نبھایا۔

ابو الاعلیٰ مودودی "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی" میں اس نظریے کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"نیابت اور امانت کا منصب ہر انسان کو شخصاً شخصاً حاصل ہے۔ اس میں کوئی مشترک ذمہ داری نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص اپنی اپنی جگہ اس منصب کی ذمہ داریوں کے بارے میں جوابدہ ہے۔ نہ ایک پر دوسرے کے عمل کی جواب دہی عائد ہوتی ہے نہ ایک کو دوسرے کے عمل کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے' نہ کوئی کسی کو اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر سکتا ہے اور نہ کسی کی غلط روی کا وبال دوسرے پر پڑ سکتا ہے۔" ۱۶۳ے

ا۔ افعال و اعمال

افعال و اعمال کی جانچ پڑتال کے بارے میں مودودی صاحب یوں رقمطراز ہیں:

"انسان جب تک زمین میں ہے اور جب تک مٹی کے پتلے (جسد انسانی) اور خدا کی پھونکی ہوئی روح میں تعلق باقی ہے اس وقت تک وہ خدا کا نائب ہے۔ یہ تعلق منقطع ہوتے ہی وہ خلافت ارضی کے منصب سے الگ ہو جاتا ہے اس کے زمانہ نیابت کے افعال و اعمال کی جانچ پڑتال ہونی چاہئے۔ اس کے سپرد جو امانت کی گئی تھی۔ اس کا حساب کتاب ہونا چاہئے۔ اس پر نائب ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں عائد کی گئی تھیں۔ ان کی تحقیقات ہونی چاہئے کہ اس نے ان کو کسطرح انجام دیا۔ اگر اس نے غبن' خیانت' نافرمانی' بغاوت اور نافرض شناسی کی ہے تو اس کو سزا ملنی چاہئے اور اگر ایمان داری' فرض شناسی' اطاعت کوشی سے کام کام کیا ہے تو اس کا انعام بھی ملنا ضروری ہے۔" ۱۶۴ے

۲۔ مخلوق خدا کے ساتھ ایسی روش ہو جیسے خود خدا کی روش ہے۔

''جب انسان کو خدا کا خلیفہ اور نائب قرار دیا گیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ انسان خدا کی نیابت و خلافت کا پورا حق اسی وقت ادا کر سکتا ہے جب خدا کی مخلوق کے ساتھ برتاؤ کرنے میں اس کی روش بھی ویسی ہی ہو جیسی خود خدا کی روش ہے۔ یعنی جس شان ربوبیت کے ساتھ خدا اپنی مخلوق کی خبر گیری اور پرورش کرے جو اللہ نے اس کے قبضہ قدرت میں دی ہیں اسی طرح جس شان رحمانی ور حیمی کے ساتھ خدا اپنی ملکیت میں تصرف کرتا ہے۔ جس شان عدل کے ساتھ خدا اپنی مخلوقات میں نظم قائم کرتا ہے۔ جس شان رحم و کرم کے ساتھ خدا اپنی صفت قہر و جبر کا اظہار کرتا ہے۔ چھوٹے پیانہ پر اسی شان کے ساتھ انسان بھی خدا کی اس مخلوق کے ساتھ معاملہ کرے۔ جس پر اللہ نے اس کو حکومت بخشی ہے اور جسے اس کے لئے مسخر کیا ہے۔''[۱۶۵]

۳۔ انسان خود مختار فرمانروا نہیں

''جب انسان اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ وہ اس دنیا میں کوئی خود مختار فرمانروا نہیں ہے بلکہ اس کے حقیقی فرمانروا کا نائب ہے اور یہ نیابت کا منصب ہے جو دنیا کی تمام اشیاء حتی کہ خود اپنے جسم اور جسمانی و نفسانی قوتوں کے ساتھ اس کے تعلق کی حیثیت اور حدود متعین کرتا ہے۔''[۱۶۶]

ارشاد خداوندی ہے:

۱۔ ''وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَا اٰتٰكُمْ۔''[۱۶۷]

ترجمہ:- وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض سے اونچے درجے دیئے تاکہ جو کچھ اس نے تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

۲۔ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔''[۱۶۸]

ترجمہ:- موسیٰ ؑ نے بنی اسرائیل سے کہا قریب ہے کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور تمہیں زمین کی خلافت دے تاکہ دیکھے تم کیسے عمل کرتے ہو۔

انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی نہ کرے یہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۳۔ يَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ'' شَدِيْدٌ''

بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ۔ "[۱۶۹]

ترجمہ:۔ اے داؤد! ہم نے تجھ کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔ پس تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر اور اپنے خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے اس بنا پر سخت عذاب ہے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔

۴۔ "اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ۔ "[۱۷۰]

ترجمہ:۔ کیا خدا تمام حاکموں کا حاکم نہیں ہے۔

۵۔ "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰه۔ "[۱۷۱]

ترجمہ:۔ حکومت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہے۔

یہ آیات بتاتی ہیں کہ دنیا میں جتنی چیزیں انسان کے زیر تصرف اور زیر حکم ہیں حتیٰ کہ خود اس کا نفس بھی اس کی ملک نہیں ہے۔ اصلی مالک اور حاکم فرماں روا خدا ہے۔ انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان چیزوں میں مالکانہ تصرف کرے اور من مانے طریقوں سے ان کو استعمال کرے۔ اس کی حیثیت دنیا میں صرف نائب کی ہے اور اس کے اختیار کی حد بس اتنی ہے کہ خدا کی ہدایت پر چلے اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ان چیزوں میں تصرف کرے۔ اس حد سے تجاوز کر کے اپنے نفس کی پیروی کرنا یا فرمانروائے حقیقی کے سوا کسی اور فرماں روا کی پیروی کرنا بغاوت اور گمراہی ہے۔

دنیا میں کامیابی کی اولین شرط

کہا گیا ہے کہ:

"وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ کَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ "[۱۷۲]

ترجمہ:۔ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ سے کفر کیا۔ وہی دراصل نقصان میں ہیں۔

"وَ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ کَافِرٌ" فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ "[۱۷۳]

ترجمہ:۔ تم میں سے جو کوئی اپنے دین یعنی خدا کی اطاعت سے پھر گیا اور اس حال میں مرا کہ وہ کافر تھا تو ایسے تمام لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے۔

دنیا برتنے کے لئے ہے

ارشاد خداوندی ہے:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ "[۱۷۴]

ترجمہ:۔ کہو کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کیا ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے اور کس نے پاک رزق کو

حرام کر دیا ہے۔

انسان کو رہبانیت سے روکا گیا ہے

"وَ رَهبَانِيَّةَ نِ ابتَدَعُوهَا مَا كَتَبنٰهَا عَلَيهِمُ اِلَّا ابتِغَآءَ رِضوَانِ اللّٰهِ۔ " ۱۷۵؎

ترجمہ:۔ اور رہبانیت کا طریقہ جو مسیح کے پیروؤں نے خود نکال لیا تھا یہ انہوں نے محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کیا تھا وہ ہم نے ان پر نہیں لکھا تھا۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ انسان کا کام دنیا کو چھوڑ دینا نہیں ہے' نہ دنیا کوئی ایسی چیز ہے کہ اس سے پرہیز اور حذر کیا جائے اس سے دور بھاگا جائے۔ اس کے کاروبار' اس کے معاملات اس کی نعمتوں اور اس کی لذتوں اور زینتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا جائے۔ یہ دنیا انسان ہی کے لئے بنائی گئی ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ اس کو برتے اور خوب برتے۔ خدا نے اس کو آنکھیں دی ہیں اس لئے وہ ان سے دیکھے' کان دیئے ہیں ان سے سنے' عقل دی ہے کہ اس سے کام لے' اگر وہ ان کا صحیح استعمال نہیں کرے گا تو اس میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔" ۱۷۶؎

وحی کسے کہتے ہیں

حضرت نبی کریم ﷺ کے قلب مبارک پر جو کلام نازل کیا گیا اس کو "وحی" کہتے ہیں۔ حضرات انبیاء سابقین پر نازل شدہ تعلیمات کا نام بھی "وحی" ہے۔ اس طرح وحی کا معنی و مفہوم جملہ انبیاء کے مابین مشترک چلا آتا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔" ۱۷۷؎

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا يَنطِقُ عَنِ الهَوٰیO اِن هُوَ اِلَّا وَحیٌ يُّوحٰیO" ۱۷۸؎

ترجمہ:۔ وہ (رسول ﷺ) اپنی مرضی سے نہیں بولتا وہ تو صرف وحی الٰہی کی زبان ہے۔

نیز فرمایا:

"قُل مَا يَكُونُ لِیٓ اَن اُبَدِّلَهٗ مِن تِلقَآءِ نَفسِی اِن اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحٰٓی اِلَیَّ۔" ۱۷۹؎

ترجمہ:۔ آپ فرمادیں کہ میں اپنی مرضی سے اس کو تبدیل نہیں کر سکتا میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں۔ جو میری طرف کی جاتی ہے۔

تیسری جگہ فرمایا:

"قُل اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوحٰٓی اِلَیَّ مِن رَّبِّی۔" ۱۸۰؎

ترجمہ:۔ آپ فرمادیں کہ میں تو اسی وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف بھیجی جاتی ہے۔

"آنحضور ﷺ پر نازل شدہ وحی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی وحی میں کس حد تک مشابہت اور مماثلت پائی جاتی

ہے۔"

"جب دین اسلام میں نہایت پوشیدہ اور تیزی سے اطلاع دینے کو وحی کے نام سے موسوم کیا گیا تو اس میں وحی کے لغوی معنی کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ وحی کے لغوی معنی کو اصطلاحی وحی میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔"۱۸۱؎

"چنانچہ انسان کو جو فطری الہام ہوتا ہے اس کو بھی وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔"۱۸۲؎

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡہِ ۔ "۱۸۳؎

ترجمہ:۔ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا کہ اس کو دودھ پلاؤ۔

"اللہ تعالیٰ فرشتے (جبرائیل علیہ السلام) کو جو پیغام نبی علیہ السلام تک پہنچانے کیلئے دیتے ہیں اس کو بھی وحی کہا جاتا ہے۔ اس طرح وحی کی نسبت بذات خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی پیغمبر کی طرف کی جاتی ہے۔ یہ دونوں "وحی" ہیں اور ان کے مفہوم میں چنداں فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ فرشتے کا کام یہ ہے کہ جو امانت اسے تفویض کی گئی ہے وہ بکمال احتیاط اسے نبی علیہ السلام تک پہنچادے اس کے بعد نبی علیہ السلام پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس پیغام کو سن کر یاد کرے اور آگے لوگوں کو اس سے آگاہ کردے۔"۱۸۴؎

"وحی کا مطلب یہ ہے کہ لکھنے والے کو کسی بات کا اسطرح الہام ہو کہ خدا کی روح اس میں حلول کر جائے اور وہ روحانی حقائق اور غیبی خبروں سے خوبی آگاہ و آشنا ہو جائے مگر اس وحی کے باوصف اس کی شخصیت بھی قائم رہے اور وہ اپنے اسلوب و انداز کے مطابق کام کرتا رہے۔"۱۸۵؎

کیفیت نزول وحی

احادیث صحیحہ میں حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے قلب مبارک پر نزول وحی کی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"بعض اوقات نزول وحی کے وقت مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے یہ میرے لئے سخت ہوتی ہے جب یہ کیفیت دور ہوتی ہے تو جو کچھ مجھے بتایا گیا ہوتا ہے مجھے یاد ہو جاتا ہے" بعض اوقات فرشتہ انسانی صورت میں آکر بات چیت کرتا ہے اور اس کو سن کر میں یاد کر لیتا ہوں۔"۱۸۶؎

وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ جبرائیل علیہ السلام ایک انسان کی صورت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اس صورت میں آپ مطمئن رہا کرتے تھے اور ہراساں یا مرعوب نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وحی کی پہلی صورت آپ کے لئے زیادہ گراں اور دشوار ثابت ہوتی تھی۔ جب آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوتی تو پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو جاتی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"سخت سردی کے دن آپ پر وحی نازل ہوتی جب فارغ ہوتے تو پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا۔" ۱۸۷

"وحی کی مذکورہ صدر صورت بعض اوقات اس حد تک شدت اختیار کر جاتی کہ جب حالت سواری میں یہ کیفیت طاری ہوتی تو سواری کا جانور بوجھ تلے دب کر بیٹھ جاتا۔ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ اپنا سر مبارک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر رکھے ہوئے تھے کہ وحی نازل ہوئی تو حضرت زیدؓ پر اس قدر بوجھ پڑا کہ ان کی ران ٹوٹنے لگی۔" ۱۸۸

وحی انسان کیلئے اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے

مفتی محمد شفیع "معارف القرآن" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"وحی انسان کیلئے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی کے متعلق ان سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعے حل نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی راہنمائی کیلئے کافی نہیں بلکہ اس کی ہدایت کیلئے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی۔ اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے بلکہ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے اسی طرح بہت سے دینی عقائد کا علم عطا کرنا بھی عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لئے نری عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔

جو شخص (معاذ اللہ) خدا کے وجود ہی کا قائل نہ ہو اس سے تو وحی کے مسئلہ پر بات کرنا بالکل بے سود ہے لیکن جو شخص اللہ کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے وحی کی عقلی ضرورت' اس کے امکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادر مطلق نے پیدا کی ہے وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمت بالغہ سے چلا رہا ہے اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو اور اسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزل مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصد زندگی کو حاصل کر سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیج دے اور اسے نہ چلتے وقت سفر کا مقصد بتائے اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعے اس پر یہ واضح کرے کہ اسے کس کام کیلئے بھیجا گیا ہے اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہو گی؟ جب ایک معمولی عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تو آخر اس خداوند قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ جس کی حکمت بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند' سورج' آسمان' زمین' ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو۔ وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے

متعلق ہدایات دی جا سکیں ؟ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ بلکہ ان کی رہنمائی کیلئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے بس راہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی ورسالت ہے۔

حضورؐ پر نور پر وحی کے طریقے

وحی ورسالت کا یہ مقدس سلسلہ سرکار دو عالم محمد مصطفے ﷺ پر ختم ہو گیا اب کسی انسان پر نہ وحی نازل ہو گی اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ آنحضرت ﷺ پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشام نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے ؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ آواز نے کہا ہوتا ہے مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آجاتا ہے۔" ۱۸۹؎

اس حدیث میں آپ نے وحی کی آواز کو گھنٹیوں کی آواز سے جو تشبیہ دی ہے شیخ محی الدین ابن عربی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تو وحی کی آواز گھنٹی کی طرح مسلسل ہوتی ہے اور بیچ میں ٹوٹتی نہیں دوسرے گھنٹی جب مسلسل بجتی ہو تو عموماً سننے والے کو اسکی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور کلام الٰہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی ایک سمت نہیں ہوتی بلکہ ہر جہت سے آواز سنائی دیتی ہے اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں لیکن اس بات کو عام ذہنوں سے قریب کرنے کیلئے آپ نے اسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دے دی ہے۔" ۱۹۰؎

جب اس طریقے سے آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں کہ میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپؐ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی ہے ایسی سردی میں بھی جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کی سانس رکنے لگتی' چہرہ انور متغیر ہو کر کھجور کی طرح زرد پڑ جاتا 'سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگے اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے۔ ۱۹۱؎

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ آپ جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے وہ آپ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا اور ایک مرتبہ آپ نے اپنا سر اقدس حضرت زید بن ثابت کے رانوں پر رکھا ہوا تھا اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہو گئی اس سے حضرت زید کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔ ۱۹۲؎

بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چرہ انور کے قریب مکھیوں کی بھنبھاہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔[۱۹۳]

وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ کے پاس آکر اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرائیل علیہ السلام مشہور صحابی دحیہ کلبی کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے البتہ بعض اوقات کسی دوسری شکل میں بھی تشریف لائے ہیں بہر کیف جب حضرت جبرائیلؑ انسانی شکل میں وحی لے کر آتے تو نزول وحی کی یہ صورت آنحضرت ﷺ کے لئے سب سے آسان ہوتی تھی۔[۱۹۴]

راہ عمل وحی الہٰیہ

رسول اللہ ﷺ وہ ماہر بدرقہ ہے جو خدا کی دی ہوئی بصیرت سے ہدایت کی صراط مستقیم کو جانتا ہے وہ اس منزل رسم وراہ سے ایسا واقف ہوتا ہے جیسا کسی راہ پر سینکڑوں مرتبہ چلا ہو۔ بدرقہ اس کے ہر ہر قدم کی تفصیلی کیفیات سے واقف ہوا کرتا ہے اس بصیرت کا نام "حکم" اور "علم" اور "شرح صدر" اور "تعلیم الٰہی" و "ہدایت ربانی" ہے۔ جیسے خصوصیت کیساتھ انبیاء علیم السلام کو عطا کئے جانے کا ذکر بار بار قرآن میں آیا ہے۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۔[۱۹۵]

ترجمہ:- کیا ہم نے تیرے لئے تیرے سینے کو نہیں کھول دیا۔

ایک اور جگہ فرمایا:

"وَ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ۔"[۱۹۶]

ترجمہ:- اور نازل کی اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کو سکھایا۔

ایک اور جگہ فرمایا:

"اِتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا يَسۡـَٔلُكُمۡ اَجۡرًا وَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ"۔[۱۹۷]

ترجمہ:- تم اس کی پیروی کرو جو تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

اور کتاب وہ روشن چراغ ہے جس کی مدد سے رسول اپنے متبعین کو نہ صرف سیدھی راہ چلاتا ہے بلکہ انہیں اسی نور علم اور روشنی فکر اور عرفان حق سے بہرہ مند کر دیتا ہے۔ جو ایک بالاتر درجے میں اللہ کی طرف سے خود اس کو عطا ہوا ہے اور اپنی تعلیم وتربیت سے انہیں اس قابل بنا دیتا ہے کہ اگر وہ اس کے نقش قدم پر چلیں اور اس چراغ کو ہاتھ میں رکھیں تو نہ صرف خود ہدایت پائیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی راہنما اور امام بن جائیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

"كِتٰبٌ" اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ۔"[۱۹۸]

ترجمہ:- یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اتارا ہے تاکہ تو لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔" [199]

ترجمہ :-اور ہم نے تجھ پر (قرآن) اتارا تا کہ لوگوں کیلئے ہدایت کو واضح کر دے جو ان کی طرف اتاری گئی ہے شائد کہ وہ غور وفکر کریں۔

پھر ایک بلیغ انداز میں قرآن نے یہ بھی بتا دیا کہ مادی وجسمانی عالم میں چراغ اور راہنما کے درمیان جو مغائرت ہے وہ عالم حقیقت میں رسول اور کتاب کے درمیان نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک اتحادی رشتہ ہے چنانچہ بعض جگہ جس چیز سے کتاب کو تشبیہ دی گئی ہے اسی چیز سے کسی دوسری جگہ رسول کو تشبیہ دی گئی ہے۔

"يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا۔" [200]

ترجمہ :-اے نبی ﷺ بے شک ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اس کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنایا ہے۔

"اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ۔" [201]

ترجمہ :-بے شک یہ قرآن ہدایت کرتا ہے جو کہ بہت سیدھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اور رسول کا تعلق حقیقتاً نا قابل انقطاع ہے انسان کو ہدایت کیلئے دونوں کی یکساں ضرورت ہے۔انسان جس فکری و عملی نظام اور جس تہذیب وتمدن کو قائم کرنا چاہتا ہے اس کے قیام واستحکام اور اس کے دائما اپنی صحیح شکل میں رہنے کیلئے ناگزیر ہے کہ ہمیشہ رسالت اور کتاب دونوں کے ساتھ اس کا تعلق برقرار رہے۔اسی شدید ضرورت کی بناء پر رسالت اور کتاب دونوں کو الگ الگ مستقل اجزائے ایمان قرار دیا گیا اور ہر ایک پر ایمان لانے کی بار بار تاکید کی گئی اگر تاکید مقصود نہ ہوتی تو ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ رسول کی تصدیق اس کی لائی ہوئی کتاب کی تصدیق کو متضمن ہے اور کتاب کی تصدیق اس لانے والے کی تصدیق کو ملتزم ہے۔

راہ عمل

انسانی زندگی میں راہ عمل وحی الٰہیہ ہی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔" [202]

ترجمہ :-اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ساتھ اس کے جو تیری طرف نازل کی گئی اور جو آپ سے پہلے نازل کی گئی۔

ایک اور جگہ یوں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"كُلٌّ" اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ۔" [203]

ترجمہ :-وہ سب ایمان لائے اللہ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اسکے رسولوں پر۔

وحی الٰہیہ کے متعلق قرآن کا تفصیلی جائزہ

جو کتاب انسان کے لئے فکر و اعتقاد کی صحیح راہنما قرار دی گئی ہو اور اس کو عملی زندگی کیلئے واجب الاتباع قانون مقرر کیا گیا ہو اس کی پیروی اس وقت کیلئے واجب نہیں ہو سکتی جب تک انسان اس کے صحیح اور برحق ہونے اور غلطیوں سے محفوظ ہونے کا پورا پورا یقین نہ رکھتا ہو۔ اس ضرورت کی بناء پر ایمان بالقرآن کے لازمی اجزاء حسب ذیل ہیں جن کو قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا ہے۔

ا۔ قرآن جس زبان میں نازل ہوا اسی عبارت میں محفوظ ہے اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ اس پر حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَه' وَ قُرْاٰنَه'O فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَه'O ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه'O ۲۰۴

ترجمہ:۔ بے شک اس (قرآن) کو جمع کرنا اور پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے پس جب ہم سے پڑھیں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو پھر اس کے معانی سمجھا دینا بھی ہمارا کام ہے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓىO اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ ۲۰۵

ترجمہ:۔ ہم آپ کو پڑھا دیا کریں گے پھر آپ اس کو نہیں بھولیں گے مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔

''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَه' لَحٰفِظُوْنَ۔'' ۲۰۶

ترجمہ:۔ بلاشبہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

''وَاتْلُ مَآ اُوْحِىَ اِلَيْكَ مِنْ كِتٰبِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۔'' ۲۰۷

ترجمہ:۔ اور تلاوت کر اس کی جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے تیرے رب کی کتاب سے اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

''وَلَمْ يَجْعَلْ لَّه' عِوَجًا ۔'' ۲۰۸

ترجمہ:۔ اور اس (کتاب) میں ذرا سی بھی کوئی کجی نہیں رکھی گئی۔

''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۔'' ۲۰۹

ترجمہ:۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کسی قسم کی شک نہیں ہے۔

''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىO اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ'' يُّوْحٰىO ۲۱۰

ترجمہ:۔ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا' مگر وہ جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ (وہی کہتا ہے)

''اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۔'' ۲۱۱

ترجمہ:۔ ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تا کہ لوگوں کے درمیان اس علم حق کے ساتھ فیصلہ کرے جو خدا نے تجھے دیا ہے۔

"فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔" ۲۱۲

ترجمہ:- پس جو لوگ اپنے نبی پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی مدد اور حمایت کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس کے ساتھ اتارا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔" ۲۱۳

ترجمہ:- اے وہ لوگو! جن کو کتاب دی گئی ہے ایمان لاؤ اس کتاب (قرآن) پر جسے ہم نے اتارا ہے اور جو ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہیں۔

"يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔" ۲۱۴

ترجمہ:- اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے جو تمہارے لئے بہت سی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے ہو اور بہت سی چیزوں سے معاف بھی کر دیتا ہے بے شک تمہارے پاس اللہ کا نور اور اس کی روشن کتاب آ گئی ہے جس کے ذریعے اللہ لوگوں کو سلامتی کی راہوں کی طرف ہدایت بخشتا ہے۔ جو اس کی رضا کا اتباع کرتے ہیں اور وہ ان کو اپنے اذن سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال دیتا ہے اور انکی سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

"وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ۔" ۲۱۵

ترجمہ:- اور ہم نے تیری طرف واضح اور کھلی ہوئی آیتیں اتاری ہیں اور ان کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو فاسق ہیں۔

قرآن مجید میں باطل کو ہرگز کوئی راہ نہیں ہے:

"وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔" ۲۱۶

ترجمہ:- یقیناً یہ ایک مضبوط (اور محفوظ) کتاب ہے باطل اس کے آگے اور پیچھے سے نہیں آسکتا یہ حکمت والے سزاوار حمد ہستی کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَ يَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔" ۲۱۷

ترجمہ:- اور جو لوگ علم رکھتے ہیں وہ اس کتاب کو جو تیری طرف تیرے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ

یہی حق ہے اور خدائے عزیز و حمید کی طرف ہدایت کرتی ہے۔

"وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنُ ۔" ۲۱۸؎

ترجمہ:- اور بلاشبہ وہ یقینی حق ہے۔

"قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔" ۲۱۹؎

ترجمہ:- اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کہہ دو کہ یہ کتاب اس نے اتاری ہے جو آسمان وزمین کے سب راز جانتا ہے۔

"اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ۔" ۲۲۰؎

ترجمہ:- بے شک یہ قرآن وہی راستہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔

"اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۔" ۲۲۱؎

ترجمہ:- جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کو چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کی پیروی نہ کرو۔

یہ قرآن مجید کے متعلق اسلام کا تفصیلی عقیدہ ہے اور اس کے ہر جزو پر اعتقاد رکھنا لازم اور واجب ہے جس کے عقیدے میں کسی جزو کی بھی کمی ہوگی وہ قرآن کا صحیح اور کامل اتباع نہ کر سکے گا اور اس راہ راست سے ہٹ جائے گا جس کا نام "اسلام" ہے۔

ا۔ اس ضمن میں خورشید احمد رقمطراز ہیں:

"اسلام نے جو تصورِ تعلیم دیا ہے اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ علم الاشیاء اسی کا دیا ہوا ہے اور انسان کی ہدایت کا علم اسی کی طرف سے ہے۔ حواسِ عقل و تجربہ بڑے اہم ذرائع علم ہیں لیکن وحی سب سے اعلیٰ ذریعہ علم ہے۔ نیز یہ کہ علم کا تعلق محض لوازمات حیات سے ہی نہیں۔ مقاصد حیات سے بھی ہے اور اول الذکر کو ثانی الذکر کے تابع ہونا چاہئے۔ یہی وہ تصور ہے جس سے ہمارے نظام تعلیم کا پورا مزاج بنتا ہے۔ اسلام نے جو علم کا تصور دیا ہے اس میں علم اور تربیت دونوں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے اور ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیم کتاب اور تزکیہ نفس دونوں کو ساتھ ساتھ انجام دینا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مخصوص نظام تعلیم میں تعلیم اور سیرت سازی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو رہے ہیں۔ اس کا اظہار علم و فضل کی اصطلاح سے بھی ہوتا ہے۔ جو نیکی، علم اور اخلاق حسنہ میں بڑے ہونے کے مفہوم کو ادا کرتی ہے۔

ب۔ تعلیم بجائے خود منزل نہیں۔ منزل کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ حقیقی منزل ان لوگوں کا نظریہ حیات اور تمدن وثقافت ہے۔ جن کی خدمت اسے کرنی چاہئے۔" ۲۲۲؎

اقبال کے نزدیک مقصد تعلیم نفس ناطقہ کی تربیت ہے

اقبال نفس ناطقہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"نفس ناطقہ قویٰ کا ایک مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ اپنی ذات میں ایک واحد منقسم شے اور اس کی ہر ایک قوت کا نشوو نما ہر دوسری قوت کے نشوو نما پر منحصر ہے۔ جس طرح جسمانی اعضاء تناسب کے اصول کے مطابق بڑھتے ہیں اسی طرح نفس ناطقہ کی نشوو نما بھی انہیں اصولوں کے تحت میں ہے۔ لہٰذا طریق تعلیم کامل وہی ہوگا جو نفس ناطقہ کے تمام قواعد کے لئے یکساں ورزش کا سامان مہیا کرے۔ ادراک' تخیل' تاثیر' مشیت' غرضیکہ نفس ناطقہ ہر قوت تحریک میں آنی چاہئے کیونکہ کامل طریقہ تعلیم کا منشاء یہ ہے کہ نفس ناطقہ کی پوشیدہ قوتیں کمال پذیر ہوں نہ یہ کہ بہت سی علمی باتیں دماغ میں جمع ہو جائیں۔"۲۲۳

اقبال کا تعلیمی نظریہ خودی

"اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ خالق کائنات نے انسان کے اندر لا محدود صلاحیتیں' بے پایاں طاقتیں اور پراسرار کیفیتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ ان صلاحیتوں' طاقتوں اور کیفیتوں کو باہم ایک دوسرے سے پیوستہ رکھنے والی چیز ہے خودی دوسرے الفاظ میں خودی دراصل انسانی "شعور کا مرکز" (Nucleus) ہے اور یہ مرکزہ فطرت کی طرف سے ودیعت کردہ انسانی صلاحیتوں' طاقتوں اور کیفیتوں کو اپنی گرفت میں رکھتا ہے اور ان کو منتشر و پراگندہ ہونے سے بچاتا ہے اسی لئے اقبال بار بار مختلف انداز میں "خودی" کی پرورش' تربیت و بیداری اور تعمیر و استحکام کا ذکر کرتے ہیں۔"۲۲۴

"غرض کہ خودی انسانی شعور کا مرکزہ ہے جو انسان کی تمام صلاحیتوں' طاقتوں اور کیفیتوں کی شیرازہ بندی کرتا ہے تعلیم کا مقصد و منشاء انسان کی فطری صلاحیتوں' طاقتوں اور کیفیتوں کو بیدار کرنا اور جلا دینا ہے تو اس کیلئے لازمی یہ ہے کہ اس مرکزہ کو متحرک کیا جائے کیونکہ اگر یہ مرکزہ متحرک ہو جائے تو یہ صلاحیتیں اور طاقتیں خود بخود ابھر آئیں گی۔"۲۲۵

اقبال اور ملل و اقوام کی روحانی تربیت

جس طرح حیات افراد میں جلب منفعت' دفع مضرت' تعین عمل و ذوق' حقائق عالیہ' احساس نفس کے تدریجی نشوو نما اس کے تسلسل' توسیع اور استحکام سے وابستہ ہے اس طرح ملل و اقوام کی حیات کا راز بھی اسی احساس یا بالفاظ دیگر "قومی انا کی حفاظت" تربیت اور استحکام میں مضمر ہے اور حیات ملیہ کا انتہائی کمال یہ ہے کہ افراد قوم یعنی آئین مسلم کی پابندی سے اپنے ذاتی جذبات کے حدود مقرر رکیں تاکہ انفرادی اعمال کا تبائن و تناقض مٹ کر تمام قوم کے لئے قلب مشترک پیدا ہو جائے افراد کی صورت میں احساس نفس کا تسلسل قوت حافظہ سے ہے اقوام کی صورت میں اسکا تسلسل و استحکام قومی تاریخ کی حفاظت سے ہے گویا قومی تاریخ حیات ملیہ کیلئے بمنزلہ قوت حافظہ کے ہے۔ جو اس کے مختلف مراحل کے حیات و اعمال کو مربوط کر کے "قومی انا" کے زمانی تسلسل کو محفوظ و قائم رکھتی ہے۔"۲۲۶

Concept of Education in Different civilizations
Contributions of Islamic Civilization to world culture.

According to Robert L. Gulick, Jr.:
In "Muhammad the Educator"

The contributions of Islamic people to the intellectual and spiritual progress of humanity have been so vast and have been manifested in such diverse fields that no one can pretend to do more than indicate certain representative items in our rich heritage.

رابرٹ مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"The most advanced civilization of the middle ages was influenced by Islam. The full recovery of the ancient learning supplemented by what the Arabs had gained from the orient and from their own observation, constitutes the scientific renaissance of middle ages. Robert L. Gulick, "Muhammad the Educator"

میں رسول پاک ﷺ کے پُراثر اندازِ تعلّم کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"The Education of Muhammad (Peace be upon him) subjugated all on one platform without any bloodshed. "
Robert L. Gulick, "Muhammad the Educator"

تعلیم کی اہمیت کو رسول اللہ ﷺ کے اقوال سے واضح کرتے ہوئے بیان کرتا ہے:

Acquire knowledge, becouse he who acquires it in the way of the Lord performs an act of piety; who speaks of it, praises instruction in it, bestows alms; an act of devotion to God. Knowledge enables its possessor to distinguish what is forbidden from what is not; it lights the way to Heaven ; it is our friend in the desert, our society in solitude, our companion when bereft of friends; it serves as an armour against our enemies, associates with sovereigns in this world, and attains to the perfection of happiness in the next.

مختلف وحدات کے تناظر میں تعلیم کے اثرات

Concept of Education in Different civilizations

(۱) سلطنت روم اور یونان کا تہذیب وتمدن

(۲) یونان میں

(۳) یمن تہذیب وثقافت میں

(۴) ایرانی تہذیب وثقافت میں

(۵) ہندی تہذیب وثقافت میں

(۱) روم اور یونان کے معاشی حالات کا جائزہ

ول ڈیورانٹ "دی ایج آف فیتھ" میں سلطنت روم کے معاشی حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"بزنطی حکومت کا اقتصادی نظام مخلوط قسم کا تھا۔ اس میں نجی کاروبار کی بھی اجازت تھی اور اس میں بعض صنعتوں کو حکومت نے اپنی ملکیت میں بھی لے لیا تھا۔ کسانوں کے حقوق ملکیت کے بارے میں جسٹینین کا قانون نافذ تھا اور اسی پر عمل ہو رہا تھا۔ جاگزیں وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی تھیں اور کاشتکار مجبوراً بڑے زمینداروں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے چلے جارہے تھے۔ کیونکہ قحط سالی یا طغیانی کی وجہ سے ان کی زرعی پیداوار بری طرح متاثر ہوتی تھی۔ لیکن ٹیکسوں کا بوجھ جوں کا توں ان پر باقی رہتا تھا۔ پے در پے جنگوں کی وجہ سے عام کاشتکار روز افزوں ٹیکسوں کے بوجھ کو برداشت کرنے سے قاصر تھے۔ صنعتی کارخانوں میں مزدوری کرنے والے لوگ آزاد تھے۔ شام، مصر، شمالی افریقہ میں مزدوروں کو جبراً کام کرنا پڑتا تھا۔ تاکہ آبپاشی کی بڑی نہروں کو درست رکھا جاسکے۔ حکومت اپنے کارخانوں میں زیادہ تر ایسی چیزیں بناتی جن کی فوج کو، افسر شاہی کو اور اہل دربار کو ضرورت ہوتی۔ معدنی دولت حکومت کی ملکیت تھی لیکن پرائیویٹ ادارے کانوں کو حکومت سے کرایہ پر لے لیتے تھے اور معدنیات نکالتے۔ ۵۵۲ء کے قریب نسطوریا فرقہ کے چند راہب چین سے ریشم کے کیڑوں کے انڈے اور شہتوت کے درختوں کی قلمیں لے آئے۔ حکومت نے ریشم پیدا کرنے کی صنعت کو اپنی سرپرستی میں لے کر نقطہ عروج تک پہنچایا۔ ریشمی پارچات اور آرغوانی رنگوں کی ساخت صرف حکومت کے تصرف میں تھی۔ ان کے کارخانے شاہی محلات کے اندر ہوتے یا شاہی محلات کے گردونواح میں ریشمی ارغوانی رنگ کا لباس پہننے کی اجازت حکومت کے افسران اعلیٰ تک محدود تھی۔ سب سے زیادہ قیمتی ریشمی کپڑا شاہی خاندان کے افراد کے لئے مختص تھا۔ بعض لوگوں نے اپنے ذاتی ذرائع سے ریشم کے کیڑوں کے انڈے حاصل کئے اور ان کی پرورش کرکے ریشم بنایا اور اس سے ریشمی کپڑے

بنانے شروع کردیئے۔

جسٹینین نے اس بلیک مارکیٹ کو ختم کرنے کے لئے ریشم سازی اور ریشم بانی کی صنعتوں سے ساری پابندیاں اٹھالیں اور عوام کو اجازت دے دی کہ وہ بھی اس میدان میں اپنی نجی صنعتیں لگائیں۔ جسٹینین نے حکومت کے کارخانوں میں تیار شدہ ریشم کے پارچات سے دکانوں کو بھر دیا اور ان کا نرخ بھی بڑی حد تک گرادیا اور اتنے کم نرخ پر ان کو بازار میں فروخت کرنا شروع کردیا کہ پرائیویٹ ادارے اس قیمت پر ریشمی کپڑا فروخت نہیں کرسکتے تھے کیونکہ ان کی لاگت بہت زیادہ تھی۔ اس مقابلہ میں ناکام ہونے کے بعد ریشمی کپڑا بنانے والے نجی کارخانے بند ہوگئے۔ جب نجی کارخانوں میں بنا ہوا ریشمی کپڑا مارکیٹ میں آنا بند ہوگیا تو بادشاہ نے حکومت کے کارخانوں میں بنے ہوئے ریشمی پارچات کے نرخوں کو بڑھادیا اور اس طرح اپنی قوم کے باہمت افراد کی حوصلہ شکنی کرکے ریشم سازی اور ریشم بانی کی صنعت میں اپنی اجارہ داری قائم کرلی۔۲۲۷

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں رومن سلطنت کے عنوان کے نیچے حکومت کے مالیاتی نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اگرچہ عدالتی نظم ونسق بہترین تھا۔ لیکن سلطنت کا مالیاتی نظام بہت ہی خراب تھا۔ اگر حکومت عوامی اقتصادیات کے اصولوں سے آشنا ہوتی تو وہ اپنے باشندوں کی خوشحالی کو مجروح کئے بغیر اپنی آمدنی میں بہت کچھ اضافہ کرسکتی تھی۔ جو ٹیکس لگائے جاتے ان کی شرح بہت زیادہ تھی اور اس کی وصولی میں بڑے تشدد سے کام لیا جاتا تھا۔ تجارت' حکومت کے لئے قوت وطاقت کا ایک بہت بڑا منبع تھی۔ لیکن حکومت کاروباری لوگوں یوں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی کہ اس کا جی چاہتا کہ ان سے زیادہ سے زیادہ مال چھین سکے۔ آمدنی کا اہم ذریعہ زرعی زمینیں تھیں۔ زمین کے مالکوں پر رومن عہد حکومت کے سارے دور میں اتنا بوجھ ڈالا جاتا رہا جو بالکل نامناسب تھا۔ لگان زرعی پیداوار کے مطابق وصول نہیں کیا جاتا تھا بلکہ زمین کی مالیت وحیثیت کو پیش نظر رکھ کر وصول کیا جاتا تھا۔ آخری دور میں تو یوں معلوم ہوتا تھا گویا چولہا ٹیکس لگادیا گیا کہ اس ٹیکس سے جو آمدنی ہو اس سے فوج اور شاہی افسروں کی امداد کی جائے یہ جنس کی شکل میں وصول کیا جاتا تھا۔

صوبوں کو مختلف مالیاتی ضلعوں میں تقسیم کردیا گیا اور ہر ضلع سے جتنا خراج لینا مطلوب ہوتا تھا اسے ایک رجسٹر میں درج کردیا جاتا۔ ابتداء میں اس تخمینہ پر پندرہ سال کے بعد نظر ثانی کی جاتی اور مناسب تبدیلیاں روبکار لائی جاتی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد نظر ثانی کرنے میں بے قاعدگی رونما ہونے لگیں۔ ٹیکسوں کو وصول کرنے کا ذمہ مجلس نمائندگان کے ارکان پر عائد تھا۔ ساتویں صدی تک یہی دستور رہا۔ مجلس نمائندگان کے ارکان لگان وصول کرتے اور حکومت کے خزانہ میں جمع کرتے جو لوگ لگان نہیں دیتے تھے ان کے حصہ کا لگان ان نمائندگان کو اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتا۔ اس طرز عمل سے مجلس کے کئی ارکان بُری طرح زیربار ہوجاتے جب اس نظام میں تبدیلی کی گئی تو پھر نادہندہ افراد کے حصہ کا لگان سارے ضلع کے لوگوں پر تقسیم کردیا جاتا۔

"کاشتکاروں پر اور بھی طرح طرح کی ذمہ داریاں تھیں۔ جن میں سے سب سے زیادہ اہم یہ ذمہ داری تھی کہ حکومت کے ڈاکخانوں کیلئے گھوڑے 'بگھیاں اور لڑکے مہیا کرنا' چوتھی پانچویں اور چھٹی صدی میں کاشتکاروں کو زمین کے ساتھ وابستہ کر دیا جاتا تھا۔ اگر پہلا مالک زمین فروخت کر دیتا تو خریدنے والے کو زمین کے ساتھ وہ کاشتکار بھی منتقل کر دیئے جاتے جو پہلے مالک کے وقت زمین میں زراعت کرتے تھے۔"۲۲۸ے

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار اس کی معاشی پالیسیوں اور مالی نظم و نسق کے بارے میں رقمطراز ہے:

"عظیم تعمیری منصوبوں' پے در پے جنگوں اور سلطنت کی سرحد پر آباد وحشی باشندوں کو رشوت دے کر خریدنے کیلئے روپے کی شدید ضرورت تھی اور اس کو رعایا پر ٹیکسوں میں اضافہ سے پورا کیا جاتا تھا' وہ سابقہ ٹیکسوں کے بوجھ کے نیچے پسے چلے آرہے تھے ناگوار موسموں کے باعث فصلیں اگرچہ بری طرح متاثر ہوتی تھیں۔ اس کے باوجود لگانوں میں کمی نہیں کی جاتی تھی اور جو لگان نہیں ادا کرتا تھا۔ اس کی غیر منقولہ جائیداد قرق کرلی جاتی تھی۔ ان مالی مظالم کے باعث لوگ بغاوت کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اس سلسلے میں جو بغاوت ۵۳۲ء میں ہوئی اس میں صرف دارالسلطنت میں تیس ہزار نفوس ہلاک کر دیئے گئے۔"۲۲۹ے

شام کے ملک بھی رومیوں نے فتح کر کے اپنی مملکت کا ایک صوبہ بنالیا تھا۔ اس کے حالات کے بارے محمد کرد علی اپنی کتاب "خطط الشام" میں رومی حکومت کے طرز عمل کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"شامی رعایا پر لازم تھا کہ وہ حکومت کا ٹیکس ادا کرے اور اپنی تمام پیداوار اور آمدنی کا دسواں حصہ اور راس المال کا ٹیکس داخل کرے۔ فی کس ایک رقم مقرر تھی جس کا ادا کرنا لازم تھا۔ اس کے علاوہ رومی قوم کے کچھ دوسرے اہم ذرائع آمدنی تھے۔ مثلاً چونگی کمائیں' محاصل اس کے علاوہ جو قطعات گندم کی کاشت کے قابل ہوتے اور چراگاہیں ٹھیکہ پر دے دی جاتیں ان ٹھیکہ داروں کو عشارین کہتے تھے۔ یہ لوگ حکومت سے تحصیل وصول کے اختیارات خرید لیتے اور رعایا سے مطالبات وصول کرتے۔ ہر صوبہ میں ان ٹھیکیداروں کی متعدد کمپنیاں قائم تھیں۔ ہر کمپنی کے پاس کچھ منشی اور محصل ملازم تھے جو اپنے افسروں کو مالکوں کے انداز میں پیش کرتے اور جس قدر ان کو لینے کا حق تھا اس سے زیادہ وصول کرتے وہ لوگوں کو فراغت و راحت کے وسائل سے محروم کرتے اور اکثر ان کو غلاموں کی طرح فروخت کر دیتے۔"۲۳۰ے

عوام کی خستہ حالت کا تو یہ عالم تھا۔ لیکن شاہی خاندانوں اور حکومت کے افسران اور رؤسا کی عیش کوش داستانیں پڑھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ ان کے عالیشان محل' دیوان خانے' ناؤنوش کی مجلسیں' عیش و عشرت کے سازوسامان کی انتہاء نہ تھی۔

حضرت حسان بن ثابت نے جبلہ بن الایہم غسانی کی مجلس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

"میں نے دس باندیاں دیکھیں جن میں پانچ رومی جو بربط پر گا رہی تھیں اور پانچ وہ تھیں جو اہل حیرہ کی دھن میں گا رہی تھیں۔ جنہیں عرب سردار ایاس بن قبیصہ نے تحفہ بھیجا تھا۔ اس کے علاوہ عرب کے علاقہ مکہ وغیرہ سے بھی گویوں کی

ٹولیاں جاتی تھیں۔ جبلہ جب شراب نوشی کے لئے بیٹھتا تو اس کے نیچے فرش پر قسم قسم کے پھول چنبیلی' جوہی وغیرہ بچھا دیئے جاتے اور سونے چاندی کے ظروف میں مشک وغیرہ لگائے جاتے۔ چاندی کی طشتریوں میں مشک خالص لایا جاتا۔ اگر جاڑوں کا زمانہ ہوتا تو عود جلایا جاتا۔ اگر گرمیوں کا موسم ہوتا تو برف بچھائی جاتی اور اس کے ہم نشینوں کے لئے گرمیوں کا لباس آتا جس کو وہ پہنا نے اوپر ڈال لیتے تھے۔ جاڑوں میں سمور' قیمتی کھالیں اور دوسرے گرم لباس حاضر کئے جاتے"۔ ۲۳۱

روم کی اخلاقی حالت

ول ڈیورانٹ اپنی مشہور کتاب "دی ایج آف فیتھ" میں روم کی اخلاقی حالت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں وہ لکھتے ہیں:

"اخلاقی' جنسی اور کاروباری لحاظ سے رومی سلطنت کے مکینوں کی اخلاقی حالت قابل رشک نہ تھی۔ ایک طرف تو رقص کی مذمت کی جاتی تھی لیکن قسطنطنیہ میں رقص گاہیں اور ناچ گھر آباد تھے۔ کلیسا نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ ایکٹروں کو بپتسمہ نہیں دیں گے۔ اس کے باوجود بزنطینی سٹیج پر ایکٹروں اور ان کے کھیلوں کو بڑی پزیرائی بخشی جاتی تھی۔ قانونی طور پر ان پر یہ پابندی تھی کہ وہ ایک سے زیادہ شادی نہیں کر سکتے تھے لیکن دوسری طرف ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سامان کر دیا گیا تھا۔"

پروکوپیس (Procopius) اپنی کتاب سیکرٹ' ہسٹری میں لکھتا ہے:

"اس کے زمانے میں عملی طور پر تمام عورتیں بدکار تھیں۔ ضبط تولید کے وسائل پر بڑی مستقل مزاجی سے تحقیق جاری رہتی تھی۔ اس زمانہ کے اطباء اپنی قرابادینوں میں اس موضوع کو بڑی اہمیت سے ذکر کرتے تھے۔ چوتھی صدی کے ایک مشہور اور قابل طبیب "اوریباسیس (Oribsius) نے اپنے قرابادین میں ضبط تولید کے موضوع پر اور اس کے وسائل پر پورا ایک باب قلمبند کیا ہے۔

قحبہ خانے عام تھے۔ عصمت فروشی کا دھندا برسر عام کیا جاتا تھا۔ جسٹینین اور اس کی ملکہ نے عصمت فروشی کو ختم کرنا چاہا انہوں عصمت فروشی کا دھندا کرنے والے مرد وزن کو قسطنطنیہ سے نکل جانے کا حکم دیا لیکن انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔" ۲۳۲

روم کا مذہب

ابتدائی دور کے رومی قدیم مذہب پر کاربند تھے۔ کرین برنٹن اپنی کتاب "تاریخ تہذیب" میں یوں رقمطراز ہیں:

"جب یونان کبیر (رومہ) اور باقی یونانی دنیا کا الحاق عمل میں آیا تو جمہوریت کے آخری دور کے رومیوں نے کوہ اولمپس کے دیوتاؤں کو اپنا معبود بنا لیا البتہ ان دیوتاؤں اور دیویوں کے نام مقامی ہی رکھے۔ مثلاً یونانیوں کے زیوس کا نام رومیوں نے جوپیٹر اور یونانی ہیرا (زیورس کی بیوی) کا نام رومیوں نے جونو رکھ دیا۔ اس طرح پوسیڈن نیپ چونی' ریرس'

مارس ہٹا اسٹنس ولکن 'ایفروڈالٹ وینس (زہرا) ہتھیا' فزروا کہلانے لگے۔ "۲۲۳؎

کرین بدنتن اپنی مشہور تصنیف "تاریخ تہذیب" میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"مذہبی رسوم جو یونان میں اولمپیائی کھیلوں اور ایتھنز کے ڈرامائی جشنوں کی صورت میں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھیں۔ روم مین ان مذہبی رسومات کا کوئی دستور نہ تھا۔ رومیوں کو عبادات میں زیادہ حصہ لینے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ دیوتاؤں کو مقررہ مقامات پر پہنچانے کی ذمہ داری حکومت نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی اور دیوتاؤں کے بارے میں جو مذہبی رسومات تھیں وہ پروہتوں کی ایک جماعت ادا کرتی تھی۔ جن کا رئیس خود بادشاہ ہوتا تھا۔ سیزر نے جس طرح اپنی رعایا کو پرستش کرنے کا حکم دے دیا تھا اور یہ ان کے باطل معبودوں میں ایک نئے فانی معبود کا اضافہ تھا۔ وہ حیات بعد الموت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے۔

"لوکریش" ایک قدیم رومی شاعر کہتا ہے کہ انسان کو موت سے نہیں ڈرنا چاہے نہ یہ سمجھنا چاہے کہ موت کے بعد تکلیف واذیت کا کوئی امکان ہے۔ اس کے نزدیک انسانی جسم اور انسانی روح کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح عناصر کے وقتی اور عارضی اجتماع کا نتیجہ ہے جب موت آتی ہے۔ ذرات الگ الگ ہو کر بکھر جاتے ہیں۔ جسم وروح بھی الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ موت ایک ایسی نیند سے مشابہ ہے جو نہ کبھی ختم ہو گی اور نہ اس میں کوئی خواب نظر آئے گا۔" ۲۲۴؎

معبودان باطل کی پرستش کا یہ عقیدہ صدیوں جاری رہا؟

ول ڈیورانٹ "تاریخ تہذیب" میں رقمطراز ہیں:

"یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ آپ کی آمد کے باعث آپ کی زبان پاک سے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ سنا۔ اگرچہ فلسطین اور شام وغیرہ کا علاقہ قیصر روم کے زیر نگین تھا۔ لیکن مذہبی طور پر یہودیوں کا بڑا اثر و نفوذ تھا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کو اپنے لئے ایک خطرہ تصور کیا اور آپ کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگادی۔ ہر بیہودہ الزام آپ پر لگایا۔ ہر جھوٹی تہمت آپ کی طرف منسوب کی اور بیت المقدس کے رومی گورنر پیلاطس کو دھمکیاں دیں کہ اگر تم نے اس شخص کا چراغ زیست گھانہ دیا تو تمہارے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں گے۔ اس طوفانی مخالفت کے باعث زیادہ لوگ آپ سے فیضیاب نہ ہو سکے۔ صرف بارہ خوش نصیبوں کو آپ پر ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جنہیں حواری کہا جاتا ہے۔ آپ کے رفع الی السماء کے بعد حواریوں نے آپ کے دین کی تبلیغ کا فریضہ بڑی سرگرمی سے ادا کرنا شروع کر دیا۔ اسکے بعد جو لوگ عیسائیت کو قبول کرتے ان کے خلاف نفرت اور غصہ کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا۔ تعذیب واذیت رسانی کا پہلا واقعہ جو سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ۶۴ عیسوی میں شہنشاہ نیرو کے ماتحت پیش آیا۔

ٹیسی ٹس اعلیٰ درجہ کا مورخ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نیرو نے روم کی تباہی نیز آتش زدگیوں کا الزام مسیحیوں پر عائد کرنے کی دانستہ کوشش کی عام افواہ یہ تھی۔ کہ آگ بے لگام بادشاہ نے خود حکم دے کر لگوائی ہے۔ اس مورخ کے بیان سے واضح

ہوتا ہے کہ مہذب وشائستہ بت پرست 'نئے فرقے کے متعلق کیا سمجھتے تھے۔

''لہٰذا افواہ کی روک تھام کیلئے نیرو نے نئے مجرم تلاش کئے اور انہیں انتہائی بے دردی سے سزائیں دیں یہ ایسے آدمیوں کی ایک جماعت تھی۔ جن کی برائیوں سے لوگ متنفر تھے اور انہیں مسیحی کہا جاتا تھا۔ مسیح نے جو اس فرقہ کا بانی تھا۔ تائیبر یس کے عہد حکومت میں موت کی سزا پائی تھی اور یہ مذموم اتہام طرازی یعنی مسیحیت تھوڑی دیر کے لئے رک گئی تھی۔ کچھ مدت بعد پھر پھوٹی اور یہودیہ ہی نہیں جو بیماری کا گھر تھا۔ بلکہ دارالحکومت تک پہنچ گئی۔ پہلے وہ آدمی گرفتار کئے گئے جو اس مذہب کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ پھر ان کی نشاندہی پر ایک کثیر تعداد کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کے خلاف غصہ آگ لگانے کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ لوگوں کو ان سے نفرت تھی۔ ان کے خاتمہ تک لوگ ان کا مذاق اڑاتے رہے۔ پھر ان پر درندے چھوڑے گئے پھر کتوں سے پھڑوایا گیا۔ پھر انہیں صلیبوں سے باندھ دیا گیا۔ جب سورج غروب ہوا تو صلیبوں کو آگ لگا دی گئی تا کہ رات کے وقت چراغوں کا کام دے سکیں۔''۲۳۵۔

گبن نے ان وجوہات کی نشاندہی کی ہے جن کے باعث مسیحیت کو یہ شاندار فتح نصیب ہوئی۔ ان میں سے چند وجوہات درج ذیل ہیں:

۱۔ یہودیوں میں اپنے مذہب کے لئے انتہائی جوش وانہماک پایا جاتا تھا۔ لیکن ان کی تنگ نظری کے باعث غیر یہودی موسیٰ علیہ السلام کے قانون سے متنفر ہوتے گئے۔ عیسائیوں نے یہودیوں کے مذہبی جوش وخروش کو تو اپنایا لیکن ان کی تنگ نظری سے اپنے آپ کو بچایا۔ اس طرح دوسرے لوگوں کے لئے مسیحیت میں داخل ہونے کا دروازہ کھول دیا۔

۲۔ آئندہ زندگی کا عقیدہ جسے اسطرح بنا سنوار کر پیش کیا گیا کہ اس میں مزید وزن اور اثر پیدا ہو گیا۔

۳۔ وہ معجزاتی قوتیں جو کلیسا کے ابتدائی دور سے منسوب تھیں۔

۴۔ مسیحیوں کے پاک اور راہبانہ اخلاق

۵۔ مسیحی جمہوریت کا اتحاد اور نظم۔۲۳۶۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں روم کیتھولک کے عنوان کے نیچے مجسموں کی عبادت کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے مقالہ نگار بڑے واضح الفاظ میں اس بات کی تصدیق کی ہے وہ رقمطراز ہے:

''یونانیوں کے لئے مسیحیت میں کوئی نرالا پن نہ تھا۔ بلکہ وہ یونانیوں کی بت پرستی کے تسلسل کا دوسرا نام تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پرانے معبود اور پیرو جو پہلے ان کے شہروں کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ اب بھی وہ ان کے نگہبان اور پاسبان تھے۔ لیکن ان کی شکل وصورت بدل گئی تھی۔ اب دیوی دیوتاؤں کی جگہ خدا رسیدہ بزرگوں نے لے لی تھی اور یہ ان کے لئے اس قسم کے عجائبات کا اظہار کیا کرتے۔ کافرانہ بت پرستی کی جگہ اب عیسائیت کے مجسموں کی عبادت نے لے لی تھی۔ جیسے ایشیائے کوچک وغیرہ کے عیسائی سرلپابت پرستی کہتے تھے۔''

شاہ لیو سوم نے فرمان جاری کیا کہ مجسموں اور تصویروں کی تعظیم ترک کر دی جائے۔ لیکن اس فرمان کے باعث

دار الحکومت میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی اور یونان میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ پادری اس فرمان کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہے اور اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان مقدس تصویروں کی تصویر سازی میں ان کی روزی کے اسباب مضمر تھے۔

شاہ لیو کے بعد اس کے بیٹے کنسٹنٹائن پنجم نے اپنے باپ کی بت شکنی کی پالیسی کو زور و شور سے جاری رکھا اور راہبوں کی شدید مخالفت کا دلیری سے مقابلہ کیا۔ اس کے عہد میں ایک جنرل قونصل ۷۵۳ء میں منعقد ہوئی۔ جس میں مجسموں کی پرستش پر نفرت و حقارت کا اظہار کیا گیا۔ لیکن یہ تحریک اس وقت ناکامی کا شکار ہو گئی جب کنسٹنٹائن ششم کی والدہ نے مجسمہ پرستی کی اجازت از سر نو دے دی یہ سلسلہ جاری رہا لیکن آخری فتح مجسموں کے پرستاروں کو ہوئی۔ جب تھیوڈر نے ۸۴۳ء میں مجسمہ پرستی کی تائید میں فرمان جاری کیا۔"[۲۳۷]

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار ان نظریاتی تنازعات کا ذکر کرتا ہے جو خود عیسائیوں میں رونما ہوئے اور ان کو متعدد متحارب فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ اگرچہ یہ سلسلہ بہت طویل ہے اور اس کا یہاں احاطہ بہت مشکل ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری "ضیاء القرآن" میں اس عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس بات پر تو تقریباً سبھی عیسائی فرقے متفق الرائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیثیت جوہر ہونے کے واحد ہے اور حیثیت اقانیم تین ہے وجود۔ علم حیات کو اقانیم کہتے ہیں وجود کو باپ۔ علم کو بیٹا اور حیات کو روح القدس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان کا اختلاف اس میں ہے کہ ان تین اقانیم کا تعلق جوہر سے کیا ہے۔"

ایک فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ تین اقانیم اور جوہر قدیم ہیں اور الگ الگ ہیں اور ان میں سے ہر ایک خدا ہے۔ اقنوم ثانی (علم) حضرت مسیح کے جسم سے متحد ہو گئے۔ جیسے شراب اور پانی میں ملنے کے بعد یک جان ہو جاتے ہیں اور مسیح بھی ازلی قدیم اور مریم نے ازلی قدیم کو جنا ہے۔

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ بیٹا (مسیح) کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک لاہوتی اور ایک ناسوتی اس حیثیت سے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے وہ خدائے کامل ہے اور اس حیثیت سے کہ اس کا ظہور اس جسد عنصری میں ہوا۔ انسان کامل ہے اس لئے بیک وقت یہ قدیم بھی ہے اور حادث بھی۔ قدیم و حادث کا یہ اتحاد نہ قدیم کی قدامت کو متاثر کرتا ہے اور نہ حادث کے حدوث کو۔

تیسرے گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اقنوم ثانی گوشت اور خون میں بدل گیا اور خدا مسیح کی شکل میں رونما ہوا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ الہ قدیم کے جوہر اور انسان حادث کے جوہر میں یوں امتزاج ہوا جیسے نفس ناطقہ کا جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دونوں ایک چیز بن جاتے ہیں۔ اس طرح جوہر قدیم اور جوہر حادث کے مجموعہ کا نام مسیح ہے اور وہی خدا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ خدا، انسان نہ بن سکا، لیکن انسان خدا بن گیا۔ جیسے اگر آگ کوئلہ نہیں بن سکتی کوئلہ تو آگ بن جاتا ہے۔"[۲۳۸]

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں مسیحیت (Christianity) کے موضوع پر جارج ولیم فاکس، سڈنی ہربرٹ میکول

نے مل کر جو محققانہ مقالہ لکھا ہے۔ اس میں وہ رقمطراز ہیں:

"مسیح نے خود بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی اصل کوئی مافوق الفطرت چیز ہے بلکہ وہ اس پر مطمئن تھے کہ انہیں مریم اور جوزف کے بیٹے کی حیثیت سے پہچانا جائے۔"۲۳۹

انسائیکلوپیڈیا میں تاریخ کلیسا (Church History) کے عنوان سے جو مقالہ لکھا گیا ہے۔ اس کا اقتباس پیش خدمت ہے۔

"تیسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے یسوع کو کلام الٰہی (Logos) کا مجسمہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ لیکن اس کی الوہیت کا عام طور پر انکار کیا جاتا تھا۔ اس اثناء میں اپرین (Aprian) کے تنازعہ نے چوتھی صدی کے کلیسا کو جس اضطراب وحیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے لوگوں کی توجہ کو اس مسئلہ کی طرف مبذول کیا۔ نیقیا(Nicaea) کی کونسل جو ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی اس میں یسوع کی الوہیت کو تسلیم کر لیا گیا۔

اور مشرق و مغرب کے عیسائیوں نے اسی عقیدہ کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا۔ بیٹے کی الوہیت کا مظہر یسوع کو قرار دے دینے سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہو گئی۔ جو چوتھی صدی اور اس کے بعد عرصہ تک مابہ النزاع بنی رہی۔ وہ یہ کہ یسوع میں الوہیت اور انسانیت کا باہمی تعلق کیا ہے۔ کالسیڈن کی کونسل جو ۴۵۱ء میں منعقد ہوئی اس میں یہ قرار پایا کہ مسیح کی ذات میں الوہیت اور انسانیت دونوں یکساں طور پر مجتمع ہیں اور باہمی امتزاج کے باوجود دونوں کی خصوصیات جوں کی توں قائم ہیں۔ قسطنطنیہ کی تیسری کونسل جو ۸۶۰ء میں منعقد ہوئی اس میں اس پر مزید اضافہ کیا گیا کہ ان دو ہستیوں کی الگ الگ مرضی اور مشیت ہے۔ مسیح دونوں حیثیتوں کا مالک ہے مسیح کے اندر دو حیثیتوں خدائی اور انسانی کے وجود کے نظریات کو مشرق و مغرب کے کلیساؤں نے حیثیت پختہ اور صحیح عقیدہ مان لیا۔"۲۴۰

روم و یونان

اکبر شاہ خان نجیب آبادی' مولانا"تاریخ اسلام"میں روم و یونان کی تہذیب و تمدن کے متعلق رقمطراز ہیں:

"ایرانی شہنشاہی کے مدمقابل دنیا کی دوسری سب سے بڑی طاقت رومیوں کی سلطنت و حکومت تھی۔ روم و یونان کی تہذیب بھی بہت قدیم و شاندار اور ان کے علوم و فنون اور شوکت عظمت مشہور آفاق ہو چکی تھی۔ طب' ریاضی' ہیت' منطق' فلسفہ و حکمت وغیرہ کی ترقی میں دنیا کا کوئی ملک یونان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسی ملک میں سقراط' لقمان' افلاطون اور ارسطو پیدا ہو چکے تھے۔ اسی ملک میں سکندر جیسا فتح مند و ملک گیر بادشاہ پیدا ہوا تھا۔ یونانی قیصر جس کا دار السلطنت قسطنطنیہ تھا نہ صرف شہنشاہ بلکہ دینی پیشوا بھی سمجھا جاتا تھا۔ باوجود ان مادی اور علمی ترقیات کے چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں روم اور یونان اس قدر ذلت اور پستی کی حالت کو پہنچ چکے تھے کہ ایران کی تاریکی روم و یونان کی تاریکی سے ہرگز زیادہ نہ تھی۔ جس طرح ایران میں ہر مقروض اپنے آپ کو غلام بیچ ڈالتا تھا اسی طرح یونان میں غلاموں کی کئی قسمیں تھیں۔ ایک

غلام کی ایسی تھی کہ وہ یونان سے باہر دوسرے ملکوں میں لے کر نہیں بیچی جاتی تھی لیکن عام طور اکثر غلام غیر ملکوں میں لے جا کر اسی طرح فروخت کئے جاتے تھے۔ آقا اپنے غلام کو اسی طرح قتل کر دینے کا حق رکھتا تھا جس طرح کوئی شخص مویشی کو ذبح کرنے کا حق رکھتا تھا۔ ماں باپ اپنی اولاد کو بیچ ڈالتے اور دوسروں کو غلام بنا ڈالتے تھے۔ روم و یونان میں غلاموں کو شادی کرنے کا اختیار نہ تھا۔ ان میں اور ان کی اولاد میں کوئی قانونی رشتہ نہ سمجھا جاتا تھا۔

یونان کے سیاسی حالات

کرین برنٹن ''تاریخ تہذیب'' میں یونان کے سیاسی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ہومر سے قبل ایک مطلق العنان بادشاہ حکمران ہوا کرتا۔ ہومر کے دور کے بعد امراء کے طبقہ نے تدریجاً بادشاہوں کے اختیارات حاصل کر لئے۔ بادشاہ یا تو ناپید ہو گئے یا برائے نام رہ گئے۔ اس لئے پرانی بادشاہی کی جگہ حکومت عدیدہ (Oligarchy) (عالی گارچی) نے لے لی یعنی چند افراد کا مجموعہ حکمران بن گیا۔ ساتویں صدی قبل مسیح تک امراء کے خلاف قرضہ سے دبے کسانوں اور نئے تجارتی طبقوں نے حملے شروع کر دیئے۔ حکومت عدیدہ کے ذمہ دار ارکان عموماً عسکری اہلیت سے بے بہرہ ہوا کرتے تھے۔ وہ جنگوں میں شہروں کی حفاظت سے قاصر رہے۔ اس طرح ہر شہری ریاست میں عدیدی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا پھر زمام اختیار فرد واحد کے ہاتھ میں آ گئی ان حکومتوں کو استبدادی حکومت کہا جاتا۔

یونان کی دو مشہور ریاستوں ایتھنز اور سپارٹا نے سراسر مختلف نظام ہائے حکومت کی نشوونما اور ارتقاء دیا۔

سپارٹا کا نظام

اس کا دستور ذات پات کے سخت اور شدید نظام پر مبنی تھا۔ وہاں کے باشندوں کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

(۱) شہری:- سپارٹا کے اصلی باشندے جو پوری آبادی کا پانچ سے دس فیصد تک تھے یہی طبقہ حکمران تھا۔ فوج انہیں کے جوانوں پر مشتمل تھی وہ کوئی اور کام نہ کرتے تھے۔

(۲) غلام:- ان کا تناسب سپارٹا کے اصلی باشندوں کے مقابلے میں دس اور ایک تھا۔ اکثریت ان کی تھی۔ کھیتی باڑی وہی کرتے' انہیں زمینوں سے وابستہ کر دیا گیا تھا۔ کچھ لوگ بطور مزدور کھیتوں میں کام کرتے یا ان کے شخصی ملازم ہوتے۔

(۳) تیسرا طبقہ:- کسانوں' کان کنوں' تاجروں اور دیگر شہری سرگرمیاں انجام دینے والوں کا تھا اگرچہ یہ آزاد تھا لیکن ان کو کوئی سیاسی حق حاصل نہ تھا۔ یہ اہل سپارٹا میں نہ شامل ہو سکتے تھے اور نہ ان میں شادی کر سکتے تھے۔

سپارٹا کے شہریوں کو عسکری تربیت سختی سے دی جاتی تھی۔ جو لوگ صحت کے لحاظ سے کمزور یا جسمانی لحاظ سے عیب دار ہوتے تھے۔ انہیں ایک غار یا پہاڑ کے ویرانے میں چھوڑ آتے تھے تاکہ سردی سے مر جائیں' درندہ انہیں پھاڑ ڈالے یا کوئی رحم دل غلام انہیں اپنا بچہ بنا لے۔ سات سال کی عمر میں بچے کی تربیت شروع ہوتی۔ ان بچوں کو والدین سے الگ

ہونا پڑتا۔ جسمانی ورزشوں کے ایک سخت امتحان سے انہیں گزرنا پڑتا۔ حب الوطنی کے درس کے ساتھ ساتھ انہیں پڑھنا گانا بھی سکھایا جاتا۔ زیادہ زور کشتی' دوڑ' اسلحہ جنگ کے استعمال پر دیا جاتا۔ انہیں چوری کے طریقے سکھائے جاتے اور انہیں تربیت دی جاتی کہ وہ چوری کرتے وقت گرفتاری سے اپنے آپ کو کس طرح بچائیں۔ انہیں یہ تعلیم دی جاتی کہ اگر کوئی بچہ گرفتار ہو جائے تو وہ اقبال جرم نہ کرے۔"۲۴۲؎

"لڑکیوں کے لئے بھی حکومت کی نگرانی میں نہایت سخت ورزشوں کا انتظام تھا کہ وہ زیادہ صحت مند مائیں بن سکیں۔ وہ بھی فولادی اعصاب پیدا کر لیتی تھیں اپنے بچوں کو جنگ کے لئے بھیجتیں تو نصیحت کرتیں کہ دیکھو اپنی ڈھال لے کر لوٹنا یا اس پر تمہاری لاش آنی چاہیے۔

اہل سپارٹا نے زندگی کے عسکری پہلو پر ضرورت سے زیادہ زور دیا لیکن زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ وسائل کے باوجود اقتصادی طور پر وہ لوگ پسماندگی کا شکار رہے۔ حالانکہ وہاں کی زمین زرخیز تھی۔ کچے لوہے کے معدنی ذخائر بھی موجود تھے۔"۲۴۳؎

یونان کے معاشرتی حالات

قدیم یونان کا معاشرہ تین طبقوں میں منقسم تھا۔

کرین برنٹن "تاریخ تہذیب" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

۱۔ بادشاہ۔ سیاسی اختیارات کے ساتھ ساتھ اسے سب سے بڑا مذہبی پیشوا بھی مانا جاتا تھا اور وہ اپنے امراء کی مدد اور مشوروں سے اپنی حکومت کا کاروبار چلاتا۔ بادشاہ اور اس کی ملکہ عام لوگوں کی طرح خود بھی کام کرتے تھے۔ اوڈیسوس نامی بادشاہ کو بھی اس بات پر فخر تھا کہ وہ اپنے کھیتوں میں کام کرتا ہے اور اس نے اپنا پلنگ خود بنایا ہے اور اسکی ملکہ پینی لوپی سوت کاتتی اور کپڑا بنتی ہے۔

۲۔ امراء۔ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ دیویوں اور دیوتاؤں سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کا نسب زیوس دیوتا سے ملتا ہے جو کوہ اولمپس کے دیوتاؤں کے خاندان کا حاکم اعلیٰ ہے۔ اسی دعویٰ کی بناء پر انہوں نے اپنے معاشرہ میں دیگر طبقات اور قبائل پر فوقیت حاصل تھی۔

۳۔ عوام۔ جنہیں جنگ سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ ان کا معاشی نظام غارت گری اور بحری قزاقی کے علاوہ تجارت اور کاشتکاری پر مبنی تھا۔ وہ مویشی پالتے اور غلہ اگاتے۔ خاص چیزوں کی کاشت کرتے مثلاً زیتون اور انگور۔ ان کے کاریگر جنگی رتھ اور رزم وپیکار کے لئے اسلحہ تیار کرنے میں ماہر تھے۔

آبادکاری

کھیتی باڑی کے لئے یہاں اراضی بہت محدود تھی۔ جو دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں پائی جاتی تھی۔ نیز باہمی جنگوں کا طویل سلسلہ داخلی طور پر فتنہ و فساد کی آگ ہر وقت بھڑکاتا رہتا۔ ان امور نے اہل یونان کو اپنے ملک سے باہر آبادیاں قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ غیر مطلوب بچوں کی پیدائش روکنے کے لئے ہر ممکن طبی وسائل کام میں لاتے اور کثرت اولاد سے بچنے کے لئے لوگوں کو ترغیب دی جاتی کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے عورتوں کے بجائے ہم جنسوں کو ترجیح دیں ان غیر فطری کوششوں کے باوجود وہاں کی آبادی بڑھتی رہی۔ یہاں تک ان کے وطن کی سرزمین ان کے لئے تنگ ہو گئی اور وہ بیرون ممالک میں نو آبادیاں قائم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ۲۴۴؎

یونان کے معاشی حالات

کرین برنٹن "تاریخ تہذیب" میں یونان کے معاشی حالات کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"وہاں زمینوں کی مقدار بہت کم تھی۔ اس لئے خوشحالی کسانوں کیلئے تو یہ ممکن تھا کہ وہ اپنے محدود قطعات اراضی میں زیتون کے پودوں کی کاشت کریں اور طویل عرصہ تک ان پودوں کی نگہداشت کے اخراجات برداشت کریں۔ لیکن غریب کسانوں کے لئے یہ طریقہ کار قابل عمل نہ تھا۔ وہ دولت مند ہمسایوں سے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے۔ قرض خواہ گراں شرح سود پر انہیں قرض دیتے۔ مقروضوں کے لئے قرضوں کی ادائیگی ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ اس محدود آمدنی سے اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالیں یا قرضہ ادا کریں۔ اس سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ جب وہ مقررہ میعاد پر قرض نہ ادا کر سکتے تو ان کی جائیداد ان سے چھین لی جاتی۔ بعض اوقات شخصی آزادی سے بھی انہیں محروم ہونا پڑتا۔ ایسے شخص کو مجبور کیا جاتا کہ قرض خواہ کے انگوروں کے باغوں میں بسلسلہ ادائیگی قرض مزدوری کرتا رہے۔" ۲۴۵؎

غریب لوگ بڑی بے اطمینانی کا شکار تھے۔ غیر ملکی تجارت نے دو نئے طبقے بھی پیدا کر دیئے۔ ایک تاجروں' جہازوں کے مالکوں' بافندوں' کمہاروں اور لوہاروں کا گروہ تھا۔ دوسرا جہازوں پر قلیوں اور ملاحوں کا گروہ۔ دونوں گروہ بڑے باہمت اور پرجوش تھے وہ اس بات کو ماننے کیلئے تیار نہ تھے کہ سیاسی اختیارات صرف امراء اور بڑے بڑے مالکان اراضی کے ہاتھ میں ہی رہیں۔"

یونانی فلسفہ

سید علی بلگرامی "تمدن عرب" میں یونانی تصنیفات اور انکی افادیت پر رقمطراز ہیں:

"جس وقت عرب تمدن کے میدان میں آئے ہیں۔ ان کا فلسفہ محض ایسے عملی علم روحانیت پر مشتمل تھا جو تجربہ سے بہت قریب ہیں اور کتابوں میں نہیں پائے جاتے۔ اگرچہ روزمرہ کی زندگی میں ہمیں انہیں تصورات سے کام پڑتا ہے۔ یونانی جس طرح اور علوم میں ان کے استاد تھے۔ اسی طرح فلسفہ میں بھی تھے۔ ارسطو' تھلیز' ایپے کلیز' ہرقل' سقراط' ایپی

کیورس اور کل فلاسفہ اسکندریہ کی تصنیفات عربی میں ترجمہ ہو گی تھیں۔

کل ان علوم میں جن تجربہ کے ذریعہ سے نتائج کی تصدیق ہو سکتی تھی۔ عرب اپنے اساتذہ سے بہت جلد بڑھ گئے۔ مگر فلسفہ میں جہاں اس طرح کی تصدیق ممکن نہ تھی۔ انہوں نے زیادہ ترقی نہ کی۔ فلاسفہ عرب کی قدر دار العلوموں میں تو بہت کچھ تھی۔ لیکن عوام انہیں بری نظروں سے دیکھتے تھے اور بعض وقت ان کی تعلیم کے مخالف جو عام جوش پیدا ہو تا اس کو فرو کرنے کی غرض سے انہیں چند روز کے لئے ملک سے نکال دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔"۲۴۶

علم طب بمقابل اور علوم کے یونانیوں میں بہت ترقی کر چکا تھا۔

"علم طب بمقابل اور علوم کے یونانیوں میں بہت ترقی کر چکا تھا اور عربوں کو ان کی تصنیفات میں بہت کچھ مصالح ملا۔ پہلا ترجمہ یونانی کتابوں کا ہارون نامی ایک عالم نے ۶۸۵ء میں کیا۔ اس کا خلاصہ جو مجموعہ کے نام سے شائع ہوا۔ پرانے اطباء اور علی الخصوص جالینوس کی تصنیفات کا انتخاب ہے۔ اس کے بعد ہپوکراٹیز ڈے ژین وغیرہ کی کتابوں کا ترجمہ ہوا۔"۲۴۷

یونان کے حکماء اور فلاسفر

"یونان کی سر زمین جہاں فلسفہ پیدا ہوا اور جس کی فضاؤں میں پروان چڑھا۔ اس کے نامور فرزندوں کی عظیم کوششوں کے باعث فلسفہ کی روشنی سے نہ صرف یورپ بلکہ ایشیاء اور شمالی افریقہ کے دور افتادہ ممالک کے در و دیوار بھی جگمگانے لگے۔ جسے جا طور پر یہ ناز ہے کہ اس نے سقراط 'افلاطون 'ارسطو جیسے نابغہ روزگار فلاسفر پیدا کئے۔ لیکن جب ہم دقیق نظر سے ان عظیم دانشوروں کی تعلیمات کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی اچھی باتوں کے ساتھ ساتھ ہمیں ایسے خرافات بھی ملتے ہیں جنہیں پڑھ کر عقل انسانی کی نارسائی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔"۲۴۸

ابو نصر فارابی جو یونانی فلسفہ کا بہترین ترجمان اور قابل اعتماد مفسر ہے اس نے اپنے رسالہ میں افلاطون اور ارسطو کی آراء و نظریات میں تضاد دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

ابو نصر فارابی اپنے رسالہ "کتاب الجمع بین رای الحکیمین" میں رقمطراز ہیں:

"افلاطون سے جب پوچھا گیا کہ ہم اپنے شہر کا نظم و نسق کس طرح چلائیں تاکہ وہ آبادی اور خوشحالی میں بام عروج تک پہنچ جائے اور اس میں عدل و انصاف کے تمام قواعد پر عمل ہو سکے۔ اس کے جواب میں افلاطون کہتا ہے کہ کہ اس کے لئے اس شہر کے باشندوں کو تین طبقوں میں تقسیم کرنا چاہیے۔

حکام 'لشکر اور عوام الناس۔ پہلے دو طبقے اس مثالی شہر کے نگہبان ہیں۔ داخلی انتشار اور بیرونی حملوں سے بچانا ان کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے ان دو طبقوں کی طرف خصوصی توجہ دی جائے اور ان کی خصوصی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔

افلاطون پھر تاکید کرتا ہے کہ ان طبقوں کو ہر قسم کی مالی پریشانیوں سے بچانا حکومت کا فرض ہے۔ اس طرح

حکومت پر لازم ہے کہ ان کے دلوں سے خاندانی جذبات کی بیخ کنی کر دے اور انہیں اپنا علیحدہ خاندان بنانے سے قانونی طور پر روک دے۔ حکومت کو خوشگوار اوقات میں ایسے مذہبی تہوار منعقد کرنے چاہیں جن میں یہ چنے ہوئے مرد صحت و جمال میں ہر طرح ممتاز عورتوں کے ساتھ وقتی طور پر رشتہ ازدواج قائم کر سکیں اور اس کا مقصد صرف حکومت کے لئے بہترین بچوں کا پیدا کرنا ہو۔ جب وہ عورتیں بچے جنیں تو ان بچوں کو ان سے لے لیا جائے اور تمام بچوں کو ایک مکان میں رکھا جائے۔ وہ عورتیں آکر انہیں دودھ پلائیں اور کوئی عورت یہ امتیاز نہ کرے کہ یہ کس کا بچہ ہے اور ان کو پہچان سکے۔ اس طرح اس طبقہ میں کوئی مخصوص رشتہ داری نہیں پائی جائے گی وہ سب ایک خاندان کے افراد شمار ہوں گے۔ سب کے ساتھ یکساں نوعیت کی قرابت ہو گی۔

آخر میں افلاطون جیسا فیلسوف کہتا ہے کہ آزادانہ اختلاط کرنے والے مرد اور عورتیں ممتاز صلاحیتوں کے مالک ہوں گے اور ان کی اولاد بھی یقیناً دوسرے لوگوں سے اعلیٰ و برتر ہو گی۔" ۲۴۹۔

افلاطون جیسے فلسفی کے یہ خیالات پڑھ کر سر چکرانے لگتا ہے کہ کیا یہ وہ شخص ہے جس کی علمیت اور حکمت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے؟ کیا یہ وہ شخص ہے جسے دنیا حکیم اور فیلسوف کہتی ہے؟ کیا انسانی نفسیات سے اس کی بے خبری کا یہ عالم ہے؟

افلاطون اپنی کتاب **"Republic"** جس کا مطلب ایک جمہوری ریاست ہے کا بنیادی اصول یہ قرار دیا ہے کہ:

ریاست کی حکومت کی باگ دوڑ ایک فلاسفر حکمران کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔ افلاطون کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ ریاست کی حکومت سے سطحی قسم کے امراء جو علم کے صحیح مفہوم سے بھی پوری طرح واقف نہیں ہوتے، لیکن اپنی دولت اور جائیداد کے باعث حاصل شدہ رسوخ اور اہمیت کے باعث 'ریاست کی حکومت پر ناجائز طور پر قابض ہوتے ہیں کو کسی طرح اس عظیم منصب سے علیحدہ کیا جائے اور ان کی جگہ اس عظیم منصب پر ان عظیم لوگوں کو لایا جائے جنہوں نے اپنی زندگیاں فلسفے کے علم کے حصول کے لئے وقف کر رکھی ہوں۔ افلاطون کے نزدیک یہی لوگ ریاست کی حکومت کے عظیم منصب کیلئے حقیقی معنی میں موزوں ہیں۔" ۲۵۰۔

بقول افلاطون

"انسانی زندگی کا حتمی مقصد یا نصب العین، نیکی، دانائی اور علم کا سماجی انصاب کی شناخت یا پہچان ہو سکے اور معاشرے کے افراد کو ایک ریاست کے شہری ہی کی حیثیت سے یہ نصب العین حاصل ہو سکتا ہے لہٰذا ریاست دوسرے لفظوں میں ریاست کی حکومت کے دو بنیادی فرائض ہیں۔

۱۔ ریاست کے شہریوں کی تربیت کرنا اور انہیں دانائی اور علم کے زیور سے آراستہ کرنا۔ تاکہ وہ نیکی یعنی **"Virtue"** کے جذبے اور اس کے مفہوم کو سمجھ سکیں۔ تاکہ سماجی انصاف کا حصول ممکن ہو سکے۔

۲۔ ریاست کے وجود میں آنے کا دوسرا مقصد ہے ریاست کے عوام کی مادی بھلائی یعنی حیثیت انسان' ان کے تمام

بنیادی مادی ضروریات کو پورا کرنا اور ریاست کا یہ دوسرا مقصد یا فرض اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب ریاست یا ریاست کی حکومت اپنے پہلے فرض کی ادائیگی میں پوری طرح کامیاب ہو جائے۔"۲۵۱

افلاطون کا نظریہ تعلیم

"افلاطون اپنی خیالی ریاست کو درست یا عقلی خطوط پر چلانے کے لئے ایک خاص تعلیمی نظام کا تفصیلی ذکر یا خاکہ پیش کرتا ہے۔ اس تعلیمی نظام میں چار چیزوں پر زور دیا گیا ہے۔

۱۔ تعلیمی نصاب ۲۔ اقتصادیات ۳۔ جسمانی ورزش ۴۔ مذہبی رسوم یا تعلیم

ان چاروں میں سے سب سے زیادہ اہمیت تعلیمی نصاب کو دی گئی ہے اور اس تعلیم وتربیت کا سب سے اہم نقطہ یہ ہے کہ چونکہ فلاسفر حکمران اور اس کے معاونین کے سیاسی اختیارات کے ناجائز استعمال کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ اس تعلیم وتربیت کے نصاب کے ابتدائی حصے میں دو قسم کے مضامین ہیں اور ابتدائی تعلیم کا یہ حصہ پانچ سال کی عمر سے شروع ہو کر بیس سال کی عمر تک کے لئے مخصوص ہے۔ تعلیم کے ابتدائی مدارج میں ریاست کے تمام شہریوں کو حصہ لینے کے مساوی حقوق حاصل ہیں۔ چاروں طبقوں کے بچے اور نوجوان اس تعلیمی درجے میں مساوی طور پر حصہ لینے کا حق رکھتے ہیں۔ تعلیم دینے کا انتظام ریاست کی ذمہ داری ہے۔ تعلیم سب طبقات کے بچوں کے لئے مفت ہے۔

تعلیم کے اس ابتدائی مرحلے میں دو مضامین پڑھائے اور سکھائے جاتے ہیں

۱۔ موسیقی اور شاعری ذہنی نشوونما کے لئے مخصوص ہے۔

۲۔ ورزش کا نصاب جسمانی نشوونما کے لئے مخصوص ہے۔

افلاطون کے نزدیک 'ورزش صرف جسمانی صحت ہی کے لئے ضروری نہیں بلکہ اس سے انسان کے اندر بہادری اور اپنے جذبات یا مزاج میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس درجہ کا امتحان ہوگا اور کامیاب نوجوانوں کو تعلیم کے اگلے درجہ میں داخلہ ملے گا۔ یہ دوسرا دور دس سال کے عرصے پر مشتمل ہوگا۔ تعلیم کے اس دوسرے درجے میں طلباء کو حساب' جیومیٹری اور فلکیات کی تعلیم دی جائے گی۔ فلکیات ہی میں جغرافیہ بھی شامل ہے۔ پھر تعلیم کے اس درجہ کا امتحان ہوگا اور کامیاب طلباء کو تعلیم کے تیسرے درجے میں داخل کیا جائے گا۔

اور تعلیم کے اس تیسرے درجے تک پہنچنے والے طلباء جو یقیناً انتہائی ذہین اور دماغی طور پر بہت بلند درجہ کے لوگ ہوں گے ان کو تعلیم کے اس تیسرے درجے میں "خالص فلسفہ" اور "عقلی جدلیات" کی تعلیم دی جائے گی۔

۱۔ **Pure philosophy**

۲۔ **Dialectic**

اور اس طرح طلباء کی اس جماعت کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ دنیا کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے قابل ہو

جائیں۔ "Ultimate Reality"

لیکن تعلیم کا تیسرا درجہ پاس کر لینے والے طلباء کے لئے بھی تعلیم کی ابھی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ تعلیم کے اس تیسرے درجے میں کامیاب ہونے والے طلباء کو پھر اگلے دس یا پندرہ برس کے لئے حکومت کی گارڈین کلاس (Guar-dian Class) کے ماتحت تجربہ حاصل کرنے کیلئے کام کرنا پڑے گا اور اس آخری تربیت کا مقصد یہ ہے کہ ان کے دل و دماغ سے ہر قسم کی برائی یا لالچ کا خیال نکل جائے۔ چونکہ اب وہ دس برس کیلئے براہ راست فلاسفرز کی زیر نگرانی حکومتی فرائض سرانجام دیں گے اس طرح اگر وہ اس آخری اور سب سے مشکل تعلیمی مرحلے سے بھی کامیاب ہو کر نکل آئے تو پھر کامیاب طلباء بذات خود فلاسفر بن چکے ہوں گے اور مستقبل میں وہ خود ریاست کی باگ دوڑ سنبھالنے کے لئے پوری طرح تیار ہوں گے۔" ۲۵۲؎

افلاطون عورتوں کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو مردوں کے برابر تسلیم کرتا ہے۔

"افلاطون اس تعلیمی نظام میں عورتوں یعنی لڑکیوں کو بھی مردوں کے برابر حقوق عطا کرتا ہے۔ افلاطون عورتوں کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو مردوں کے برابر تسلیم کرتا ہے (ماسوائے جسمانی ساخت کے فرق کے) افلاطون پوری فراخدلی سے عورتوں کے سیاسی حقوق کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر ایک عورت بھی تمام تعلیمی مدارج کو کامیابی سے طے کر لے تو وہ بھی ایک مکمل فلاسفر کی حیثیت سے ریاست کی حکمران بننے کی بالکل اسی طرح حقدار ہے جس طرح ایک مرد اس عہدہ یا منصب کا حقدار ہے۔ تعلیم کے پہلے ہی درجے کے امتحان میں ناکام ہو جانے والے طلباء ریاست کی پروڈیوسرز کلاس کی تشکیل کرتے ہیں۔ تعلیم کا پہلا درجہ پاس کرنے لیکن دوسرے درجے میں فیل ہونے والے سول سروس کے چھوٹے درجے کے ملازمین بنتے ہیں اور فوج کے چھوٹے درجے کے ملازمین یعنی سپاہی وغیرہ۔ اس طرح تعلیم کے پہلے اور دوسرے درجے میں کامیاب ہونے والے لیکن تیسرے درجے کے امتحان میں فیل ہونے والے طلباء اپنے ذہنی رجحان کے مطابق سول سروس یا فوج کے افسر بنتے ہیں اور تعلیم کا تیسرا درجہ جس میں خالص فلسفہ اور عقلی جدلیات کی تعلیم دی جاتی ہے اس درجے کے امتحان میں کامیاب طلباء بنیادی طور پر حکمران جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں۔" ۲۵۳؎

افلاطون انفرادی صلاحیتوں کے بارے میں جو نظریہ رکھتے ہیں ملاحظہ کیجئے؟

"ریاست کے وہ شہری جن کی ذہنی و جسمانی صلاحیت بہت کم ہے یا وہ ذہنی طور پر کوئی بڑے درجہ کا کام کرنے کے قابل نہیں ہیں یہ طبقہ کسانوں اور دوسرے کاریگروں پر مشتمل ہو گا۔ مثلاً درکھان، لوہار، جولاہے، کمہار، ملاح، دکاندار اور تاجر بھی اسی طبقے میں شامل ہیں۔ کسانوں کا کام غلہ یا آناج پیدا کرنا ہے۔ لیکن اس طبقے میں اقتصادی کیمونزم کا نظام نہیں ہو گا۔ بلکہ اس طبقہ کے لوگوں کو ذاتی جائیداد اور دولت رکھنے کی اجازت ہو گی۔ ان لوگوں کو اپنے ذاتی مکانوں میں اپنے خاندانوں کے ساتھ رہنے اور اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کام کرنے کی مکمل اجازت ہو گی اور یہ لوگ اپنی روزی اور رہائش کے خود ذمہ دار ہونگے۔ لیکن ریاست کی حکومت ان لوگوں کی بھی پوری سرپرستی کرے گی اور یہ کہ یہ لوگ کسی کے

غلام نہیں۔ بلکہ ریاست کے آزاد شہری ہونگے۔ گو مختلف معتبر مصنفین کے مطابق افلاطون ذاتی جائیداد یا شخصی ملکیت کے سرمایہ دارانہ نظام کو ہر سطح پر بداخیال کرتا ہے بلکہ معاشرے میں فساد کی جڑ اسی نظام کو قرار دیتا ہے۔ وہ کسی طرح اس نظام کو دل سے قبول نہیں کرتا۔ لیکن شاید اس طرح ریاست کے اقتصادی فرائض کے لامحدود حد تک پھیل جانے کے خیال کے پیش نظر اس طبقے کو جسے وہ پیداوار کرنے والا طبقہ یعنی "Producer's class" کا نام دیتا ہے۔ اقتصادی کمیونزم کے نظام سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے اور شاید یہی وجہ تھی کہ کارل مارکس نے افلاطون کے سیاسی اور اقتصادی نظام کو غیر سائنسی نظام خیال کرتے ہوئے رد کر دیا ہے۔" ۲۵۴؎

ارسطو اپنا نظریہ ریاست کے بارے میں بیان کرتا ہے۔

"ریاست کا بنیادی مقصد ریاست کے شہریوں کی اجتماعی اور یکساں فلاح و بہبود ہر شہری کی بلاامتیاز یکساں بہتری۔ جبکہ ارسطو ہر شہری کو ایک فرد کی حیثیت سے بذات خود ایک مقصد قرار دیتا ہے اور فرد کا مقصد اس کی انفرادیت کو قرار دیتا ہے اور اس سے بہتر صلاحیت کے حامل فرد کو کم تر صلاحیت کے حامل فرد کا اقتصادی اور معاشی استحصال کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتا ہے اور ان حالات میں امریکہ جیسی جدید ترقی یافتہ اور طاقتور ترین ریاست بھی اپنا بنیادی مقصد پورا نہیں کرتی۔

اور یہ مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب جدید سوشلسٹ مفکر کارل مارکس کے نظریئے کے مطابق ریاست کے اندر تمام ذرائع پیداوار یعنی زمین' جائیداد' کارخانے فیکٹریاں' ملیں' بنک اور تمام دولت عوام کی اجتماعی ملکیت کے اصول یا قانون کے تحت قومی ملکیت میں لی جائے اور پھر ریاست کی حکومت ریاست کے ہر شہری کو تعلیم دے اور ہنر سکھانے کا انتظام کرے اور پھر ہر شہری کو اس کی تعلیم یا ہنر کے مطابق سرکاری ملازمت دے۔ ریاست کا ہر شہری ریاست کا ملازم ہو اور ہر کام کا معاوضہ برابر ہو۔" ۲۵۵؎

روم کے معاشرتی حالات

ول ڈیوران "دی ایج آف فیتھ" میں روم کے معاشرتی حالات کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"سلطنت روم کی آبادی دو طبقوں میں منقسم تھی۔ ایک طبقہ امراء کا تھا اور دوسرا عوام کا۔

امراء کا طبقہ خوشحال خاندانوں پر مشتمل تھا۔ شہریت کے پورے حقوق انہیں کو حاصل تھے۔ اس طبقہ میں صرف وہ لوگ شامل تھے۔ جو زرعی زمینوں کے وسیع و عریض قطعات کے مالک تھے یا بڑی بڑی جائیدادوں والے کنبوں سے وابستہ تھے۔ اس طبقہ کے تمام افراد عیش و عشرت کی زندگی نہیں بسر کرتے تھے بلکہ کھیتوں میں محنت و مشقت بھی کرتے تھے۔ امراء کے طبقہ میں سے ایک فوجی ہیرو (Cincinnatus) تھا جس نے پانچویں صدی قبل مسیح کے وسط میں دو مرتبہ روم کو دشمن کی یلغار سے بچایا اور اسے فتح کیا۔ جب بھی اسے فوج کا سپہ سالار بننے کی دعوت دی گئی ہر مرتبہ وہ اپنے کھیتوں میں ہل چلا رہا تھا۔

آبادی کی بہت بڑی اکثریت کا تعلق طبقہ عوام سے تھا۔ وہ لوگ صرف جزوی حیثیت سے شہری تھے۔ جمہوریت کے ابتدائی دنوں میں انہیں یہ اجازت نہ تھی کہ وہ فوج میں بھرتی ہوسکیں اور دماغی خدمت بجالائیں۔ لیکن وہ سپارٹا کے غلاموں کی طرح حد درجہ مظلوم بھی نہ تھے۔ انہیں خاص سیاسی حقوق حاصل تھے۔ بادشاہی کا تختہ الٹا تو پہلے پہل امراء کا طبقہ جمہوریت کے تمام سیاسی اداروں پر قابض ہوگیا۔ سینٹ اور اسمبلی کے امکان امراء کے طبقہ سے لئے جاتے تھے۔ قونصل کا عہدہ بھی طبقہ امراء کے لئے مخصوص تھا۔ قونصل دو ہوتے تھے۔ جنہیں ایک سال کے لئے انتظامی معاملات میں کلی اختیارات دے دیئے جاتے تھے۔ البتہ ایک قونص دوسرے قونص کے خلاف ویٹو کا حق (حق تنسیخ) استعمال کرسکتا تھا۔ اس پابندی کی وجہ سے کوئی پالیسی اس وقت تک نافذ نہیں ہوسکتی تھی۔ جب تک دونوں قونصل اس کی حمایت پر متفق نہ ہو جاتے۔

عام حالات میں قونصل سینٹ کے مشورہ کے مطابق حکومت کے فرائض انجام دیتے۔ سینٹ کے ممبروں کی تعداد تقریباً تین صد تھی۔ یہ صرف امراء کے طبقے سے لئے جاتے تھے۔ سینٹ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ اسمبلی کے فیصلوں کو ویٹو سے منسوخ کر دے۔ روم کے شہری خواہ ان کا تعلق امراء سے ہوتا یا عوام سے اسمبلی میں شرکت کا حق رکھتے تھے۔ تاہم تعداد میں قلیل ہونے کے باوجود امراء کا طبقہ ہی اسمبلی میں با اقتدار تھا۔ عوامی طبقوں کو طبقہ امراء کی اجارہ داری پسند نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے بہت جلد حقوق کا مطالبہ شروع کردیا۔ رومیوں نے مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہوئے عوامی نمائندوں کے مطالبے تسلیم کر لیے اور نظام حکومت میں ترمیم کردی۔ عوام کو امراء کے طبقہ میں شادی کرنے کا حق' سینٹ کا رکن بننے کا حق اور قونصل کے عہدہ پر فائز ہونے کا حق دے دیا گیا۔ نیز انہوں نے قرضوں اور مزروعہ اراضی کے متعلق مختلف قوانین بنائے قبل ازیں بہت سے کسان قرضہ نہ ادا کرنے کے باعث اپنی جائیدادیں کھو بیٹھتے اور انہیں غلام بنالیا جاتا۔ جمہوریت نے مقروضوں کے خلاف سخت سزائیں منسوخ کردیں اور جاگیروں کے لئے حد مقرر کردی۔ کوئی آدمی مقررہ حد سے زیادہ جاگیریں حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ نئے مفتوحہ علاقوں میں ان کاشتکاروں کو کھیتی باڑی کے لئے قطعات اراضی دیئے جانے لگے جن کے پاس اپنی زمین نہ تھی۔ ان اصلاحات کے باوجود خاندان اور دولت کو روما میں خاص اہمیت حاصل رہی۔ سینٹ میں بھی اثر ورسوخ کے حامل یہی لوگ تھے۔ دولت مند لوگ غریب عوام کے مقابلہ میں سیاسی اختیارات سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ صوبوں میں بھی جمہوری ادارے قائم تھے۔ ایک کونسل ہوتی تھی جس میں زیادہ اقتدار بڑے بڑے مقامی زمینداروں کو حاصل تھا۔ وہی تمام معاملات کا انتظام چلاتے تھے۔ مقامی معاملات میں انہیں وسیع اختیارات حاصل تھے۔ مرکز کی طرف سے مداخلت بہت کم ہوتی تھی۔ بشرطیکہ وہ مندرجہ ذیل امور کی پابندی کرتی رہیں:

۱۔ حکومت کے مقررہ کردہ محاصل باقاعدگی سے ادا کرتی رہیں۔

۲۔ بوقت ضرورت فوج کے لئے رنگروٹ مہیا کریں۔

۳۔ شہنشاہ کی پرستش کے رسومات بجالائیں۔

حکومت نے جمہوریت اور شہنشاہیت کے زمانہ میں درسگاہوں کی کبھی سرپرستی نہ کی اور سرکاری خزانہ سے ان پر کچھ خرچ نہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس وقت کی درسگاہوں میں تعلیمی اخراجات بہت زیادہ تھے۔ وہی بچے درسگاہوں میں تحصیل علم کے لئے داخل ہوتے تھے جن کے والدین تعلیم کے اخراجات برداشت کرنے کی سکت رکھتے تھے۔

''جسٹینین (Justinian) نے وہ تمام سکول بند کر دیئے جن میں فن خطابت اور فلسفہ کی تعلیم دی جاتی تھی اور ان کے ساتھ جو جائیدادیں وقف تھیں ان کو ضبط کر لیا۔ ہر کافر کو تعلیم دینے سے روک دیا۔ اس نے ایتھنز میں جتنی درسگاہیں تھیں انہیں ۵۲۹ء میں بند کر دیا۔ اس طرح یونانی فلسفہ گیارہ سو سال تک حکمت کی روشنی پھیلانے کے بعد ختم ہو گیا۔'' ۲۵۶۔

مملکت سباء

یمن کے عام باشندے یعرب بن قحطان کی اولاد سے تھے۔ لیکن قبیلہ معین قحطانی النسل نہ تھا۔ بلکہ یہ عراق میں بسنے والے عمالقہ کی نسل سے تھا۔ جب دوسرے قبائل بعض سیاسی حالات کے پیش نظر عراق کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو یہ قبیلہ بھی ایک ایسے وطن کی تلاش میں عراق سے نکلا جہاں وہ امن و عافیت سے اپنی زندگی بسر کر سکے اور اپنی تجارت اور کاروبار کو بام عروج تک پہنچا سکے۔ چنانچہ انہوں نے یمن کے منطقہ جوف کو اپنی رہائش کے لئے پسند کیا۔

حسن ابراہیم' ڈاکٹر ''تاریخ الاسلام'' میں رقم طراز ہیں:

''اہل یمن کے اصلی باشندے یعرب بن قحطان کی اولاد سے تھے۔ اس کی نسل پھیلی اور یمن کے وسیع و عریض علاقہ پر چھا گئے۔ سبا بھی یعرب کی اولاد میں سے تھے۔ اس لئے یہ قحطانی نسل کا قبیلہ ہے۔ ان کو عرب متعربہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان سے قبل جو لوگ وہاں آباد تھے۔ ان کی زبان عربی تھی۔ پھر شامت اعمال کی وجہ سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ انہیں العرب العاربہ یا العرب البائدہ کہا جاتا ہے۔ قبیلہ سبا کے افراد کی مادری زبانی عربی نہ تھی۔ انہوں نے یہ زبان عرب عاربہ سے سیکھی۔ اس لئے ان کو العرب المتعربہ کہا جاتا ہے۔ ان کا علاقہ معین اور قتبان کا درمیانی علاقہ ہے۔ یہ لوگ تجارت پیشہ تھے۔ جنگوں اور فتوحات سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان کی ساری کوششیں اپنی تجارت کو ترقی دینے کے لئے وقف تھیں۔ دور دراز علاقوں تک ان کا جو تسلط تھا وہ فوجی نوعیت کا نہیں تھا بلکہ معاشی بالادستی اور اپنی کاروباری قابلیت کی وجہ سے انہوں نے دور افتادہ علاقوں میں بھی اپنا اثر و نفوذ قائم کر لیا تھا۔'' ۲۵۷۔

فلپ ہٹی' ڈاکٹر ''تاریخ العرب'' میں رقمطراز ہیں:

''یہ علاقہ گنجان آباد تھا اور اس کی زمینیں دنیا کی زرخیز زمینوں میں سے تھیں۔ جہاں باغات کی کثرت تھی جہاں ایسے درخت بکثرت پائے جاتے تھے جن کی گوند سے مختلف خوشبودار بخور تیار ہوتے تھے۔ جیسے لوبان اور کرخہ۔ ہٹی نے ایک پرانے یونانی مورخ ہیروڈیٹس کے حوالہ سے بتایا ہے کہ خوشبودار گوند پیدا کرنے والے ان درختوں کی حفاظت کیلئے

قدرت نے یہاں ایسے سانپ بکثرت پیدا کر دیئے تھے جن کے قد چھوٹے تھے ان کے پر تھے وہ کثیر تعداد میں درختوں کی ٹہنیوں کے ساتھ لٹکتے رہتے تھے۔

یونان کا ایک دوسرا مورخ لکھتا ہے کہ:

ان سانپوں کا طول ایک بالشت کے برابر ہوتا تھا۔ ان کا رنگ زرد تھا وہ زمین سے کود کر انسان کی کمر تک چھلانگ لگا کر اسے ڈستے اور اتنے زہریلے تھے کہ جس کو وہ ڈستے اس کا زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔'' ۵۸؎

ہٹی، یونانی مورخ سترابو کے حوالہ سے ان علاقوں کی دولت وثروت کا ایک حیرت انگیز نقشہ کھینچتا ہے اور رقمطراز ہے:

''وہاں شہر آباد تھے جن کے حسن و جمال میں خوبصورت عبادت گاہیں اور شاندان محلات اضافہ کر رہے تھے۔ یہاں کے بسنے والے دنیا کے تمام قبائل سے زیادہ دولت مند تھے۔ ان کے ہاں کھانے پینے کے ظروف اور چھری کانٹے سونے اور چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ ان کے پلنگ، ان کے میز، ان کے مشروبات کے برتن بھی سونے اور چاندی سے مرصع ہوا کرتے۔ ان کے گھروں کے دروازے اور کھڑکیاں ہاتھی دانت، سونے اور چاندی کی تاروں اور قیمتی موتیوں کے نقش و نگار سے مزین و آراستہ ہوتیں۔ زراعت و تجارت کے علاوہ معدنی ذخائر ان کی دولت مندی کا ایک بڑا سبب تھا۔ خصوصاً یہاں سونا نہایت ہی صاف ستھرا ہوتا تھا۔ اسے صاف کرنے کیلئے مزید گلانے کی صعوبت نہیں کرنی پڑتی تھی۔'' ۵۹؎

اخلاقی حالت

جواد علی، دکتور ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' ان کی اخلاقی اور تجارتی حالت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''سباء کی مملکت کو جنگ و جدل سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان کی ساری مساعی اور کوششیں اپنے کاروبار کو فروغ دینے میں اور اس کے دائرہ کار کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں صرف ہو رہی تھی۔ اگرچہ دکتور جواد علی نے متعدد مقامات پر ان کی جنگی معرکہ آرائیوں کا ذکر کیا ہے، بعض جنگیں تو ایسی تباہ کن نوعیت کی تھیں جن میں مقتولین کی تعداد نصف لاکھ سے بھی بڑھ گئی۔ انہوں نے جا بجا اس امر کی تصدیق کی ہے کہ اہل سبا نے گرد و نواح کی حکومتوں پر حملے کر کے ان کو فتح کیا۔ بہر حال اس میں کلام نہیں کہ ان کا محبوب ترین پیشہ تجارت تھا۔

وہ نہ صرف اپنے ملک کی پیداوار کو مشرق سے مغربی ممالک کی طرف لے جاتے بلکہ ہندوستان کی مصنوعات اور مشرق بعید کے گرم مصالحہ جات کو بھی یمن سے مغربی ممالک میں پہنچانے کا ذریعہ تھے۔ ان کا ایک تجارتی بحری بیڑا بھی تھا۔ جس میں وہ اپنی مصنوعات لاد کر ان مغربی ممالک میں پہنچاتے تھے خصوصاً مصری ہیکلوں میں جلانے کیلئے بخور کی بہت بڑی مقدار یہ لوگ اپنے بحری بیڑہ کے ذریعہ وہاں پہنچایا کرتے اور گراں قیمت پر اس کو وہاں فروخت کرتے۔ بحری سفر

خطرناک تھابسااوقات طوفان کی وجہ سے کئی کشتیاں سامان سمیت غرق ہو جاتی تھیں۔ نیز برسات کے موسم میں بحر احمر میں کشتی رانی ممکن نہ رہتی تو بحری بیڑا کے ذریعے سامان تجارت ادھر سے ادھر لے جانے کا یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا۔ اس لئے انہوں نے خشکی کا ایک راستہ بھی تلاش کر لیا تھا۔ جس کے ذریعے دوبارہ مہینے اپنی تجارت کو جاری رکھتے تھے۔ یہ تجارتی شاہراہ بحر احمر کے مشرقی کنارہ باب المندب سے شروع ہوتی اور مصر کے ساحل کے وسط تک وادی الحمامات تک چلی جاتی۔"

۳۔ یمن کی تہذیب و ثقافت

شبلی نعمانی "سیرۃ النبی ﷺ" تمدن یمن کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"ملک عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے۔ نہایت قدیم زمانہ سے تمدن و تجارت کا مرکز ہے۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتیں یہیں قائم ہوئی تھیں۔ ولادت نبویؐ سے تقریباً پچاس برس پہلے ۵۲۵ء میں حبشی عیسائیوں نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ولادت نبویؐ کے چند سال بعد اہل ایران یہاں کے مالک بن گئے تھے۔ ان کی طرف سے یہاں ایک گورنر ہوتا تھا۔ جو یمن پر حکومت کرتا تھا۔"[۲۶۰]

محمد حسین ہیکل "سیرۃ الرسول ﷺ" میں تمدن یمن کے اسباب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس عہد میں بھی جب متمدن ممالک کی فہرست میں عرب کا نام تک نہ تھا۔ یمن اور خلیج فارس کے قرب وجوار میں کچھ ملک اچھے خاصے مشہور تھے۔ یہ شہرت محض خلیج فارس، بحر ہند اور بحیرہ احمر کے باعث نہ تھی۔ بلکہ اس کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ یمن، عرب کے دیگر نواحی علاقوں کی طرح غیر زرخیز اور بے آب و گیاہ نہ تھا کہ اس کی جانب ہمسایہ ممالک کی نگاہیں نہ اٹھتیں اور پاس پڑوس کے ملک اس سے دوستی کی پینگیں بڑھانے یا اسے اپنے اندر جذب کر لینے کی جدوجہد نہ کرتے۔

۲۔ یمن کا علاقہ زرخیز تھا یہاں بارشیں خوب ہوتی تھیں۔ اسکے شہر بھی آباد تھے۔ شہروں میں عبادت گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ یہاں کے باشندے ہوشیار، ذہین و فہیم تھے اور اس علاقہ میں کچھ ایسی موزونیت تھی کہ کبھی بھی مرکز تمدن نہ بنے۔

۳۔ اہل یمن نے بارش کے پانی سے استفادہ اور ناگہانی سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچاؤ کی خاطر "سد مآرب" کے نام سے ایک بند تعمیر کیا تھا۔ اس بند کی تعمیر سے قبل پہاڑوں پر ہونے والی بارش کا پانی، شہر مآرب کے مشرقی دروں میں دو پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا تھا اور کچھ دور بہہ کر ضائع ہو جاتا تھا۔ اہل یمن نے انہی دونوں پہاڑوں کے مابین پتھروں سے ایک بند تعمیر کیا اور اس میں دروازے بھی رکھے تاکہ زائد پانی ان دروازوں سے نکل کر کھیتوں کو سیراب کرے۔

۴۔ یمن کے قدیم تمدن کے جو آثار موجود ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس خطہ کا تمدن کسی زمانے میں بڑی اہمیت رکھتا تھا اور جو گردش لیل و نہار کے باوجود عرصہ دراز تک قائم رہا۔

یمن میں یہود و نصاریٰ

تمدن یمن جسے ملک کی آبادی اور زمین کی زرخیزی کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ عرب اور اس کے تمام علاقوں کے لئے دار الامن اور بیت اسلام ثابت ہوا ہے۔ یمن کی سلطنت مدتوں تبائعہ حمیر کے ہاتھوں میں رہی۔ یہاں تک کہ ذو نواس حمیری تخت شاہی پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ بت پرستی سے نالاں اور دین موسوی کی جانب مائل تھا۔ اس نے دین موسوی کے اصول ان یہودیوں سے معلوم کئے تھے جو دوسرے مقامات پر ترک وطن کے بعد یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔

''چھٹی صدی عیسوی میں حبش 'نجاشی کے حسن انتظام کی بدولت بڑے عروج پر تھا۔ اس کی بحری تجارت زوروں پر تھی اور اس نے اپنی بحری طاقت کے بل بوتے پر آس پاس کے علاقوں پر اپنے اثرو اقتدار کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ روم کی سلطنت سے حبش کے دوستانہ مراسم تھے اور اس دوستی کا نتیجہ تھا کہ اگر ایک طرف جزیرہ روم کے سواحل پر مسیحیت کا پرچم لہرا رہا تھا تو دوسری طرف حبش نے جزیرہ احمر کے ساحل پر اس دین کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔''۲۶۱ے

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے

مانسیو لیبان فرنسادی ''تمدن عرب'' میں رقمطراز ہیں:

''اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ میں اوج کمال تک پہنچ چکا تھا۔ کیونکہ اصول ارتقاء کے راہ سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعتاً اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔

یہ ایک قیاسی استدلال ہے تاریخ سے بھی اس قدر ضروری ثابت ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہاء درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے۔ یورپ کے محققین آثار قدیمہ جنہوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔

صنعا اور قیس کے ذکر میں یاقوت حموی نے معجم میں قدیم آثارات عجیبہ کا تذکرہ کیا ہے اور گو اس میں بہت کچھ مبالغہ بھی ہے تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہیں۔

اسی طرح عرب کے وہ مقامات جو ایران اور شام سے متصل تھے مثلاً حیرۃ جو آل نعمان کا پایہ تخت تھا اور حوران جو خاندان غسان کا صدر مقام تھا۔ تہذیب و تمدن سے خالی نہ تھے۔''

ہمدانی' علامہ 'اکلیل میں رقمطراز ہیں:

''مورخین عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے تمام ایران کو فتح کر لیا تھا۔ چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا اس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا۔ اس بناء پر ایرانی اس کو شمر کند کہنے لگے۔ پھر معرب ہو کر سمرقندہ ہو گیا۔

عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے آثار جو اب بھی کچھ کچھ باقی ہیں۔ اس بات کی قطعی شہادت ہیں کہ اس ملک

میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا۔۲۶۲؎

"المشہور من معافد الیمن و قصور ھا القدیمة التی ذکرتھا العرب فی الشعروا المثل کثیر ة الذی فیھا من الشعرباب واسع و قد جمع ذلك کله الکتاب الثامن من الاکلیل۔"

یمن کے مشہور قدیم قصر اور ایوان جن کا ذکر اہل عرب نے اشعار اور امثال میں کیا ہے کثرت سے ہیں اور ان کے متعلق اشعار کا ایک دفتر ہے 'اکلیل کے آٹھویں باب نے ان سب کو جمع کر دیا ہے۔"

"غمدان 'تلفم 'ناعط 'مرواح 'سلحین 'ظفار 'ھکر 'ضھر 'شبامہ 'غمسان 'ینیون 'ریاد 'براقش 'بعین 'روثان ارباب 'ھنہ 'ھنیدہ 'عمران 'نخیر۔"

ان میں غمدان اور ناعط کا حال معجم البلدان میں تفصیل سے مذکور ہے اور اس کی عظمت ورفعت کے متعلق ایسی باتیں نقل کی ہیں۔ جن پر ایشیائی مبالغہ کا دھوکہ ہوتا ہے۔

قلعہ ناعط وہب بن منبہ کے زمانہ تک موجود تھا۔ اسکے ایک کتبہ پر پڑھا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو برس کی تعمیر ہے۔ آج کل یورپ کے محققین نے ان مقامات میں جا کر تحقیقات کی ہے اس سے بھی حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہے۔

"تھیاچیر" اپنے ایک آرٹیکل میں لکھتے ہیں:

"جنوبی عربستان میں جہاں حضرت عیسیٰ ؑ سے صدیوں پہلے ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا' قلعوں اور شہر پناہوں کے آثار اب تک موجود ہیں اور ان کا ذکر متعدد سیاحوں نے کیا ہے۔ یمن اور حضرت موت میں یہ آثار کثرت سے ہیں اور اکثروں پر اب تک کتبے موجود ہیں۔ صنعاء کے قریب ایک قلعہ تھا جس کو قزوینی نے آثار البلاد میں دنیا کے عجائب ہفت گانہ میں ایک قرار دیا ہے۔۲۶۳؎

یمن

یہ علاقہ سب سے زرخیز اور مردم خیز ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے یہ تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ یہاں پر عظیم الشان اور فلک بوس عمارات کے آثار یمنی لوگوں کی فنون لطیفہ سے وابستگی پر شاہد ہیں۔

حدود کا تعین یوں کیا جاسکتا ہے۔

مشرق کی جانب	عمان اور بحرین ہیں۔
مغرب کی جانب	بحیرہ قلزم
شمال کی جانب	حجاز اور نجد
جنوب کی جانب	بحیرہ عرب

سید علی بلگرامی، شمس العلماء "تمدن عرب" میں رقمطراز ہیں:

"یمن جزیرہ العرب کا حصہ جنوبی و مشرقی ہے اور عربستان میں اس سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل اور آباد کوئی خطہ نہیں ہے۔ قدمائے فرنگ نے جس ملک کا نام یمن رکھا تھا۔ اس کا بڑا حصہ اس جدید قسمت میں شامل ہے۔"۲۶۴؎

یمن کی سرزمین

نجلاء عزالدین "عرب دنیا" میں یمن کے محل وقوع کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

ملک عرب ایک سطح مرتفع ہے۔ جس کی بلندی مغرب میں زیادہ ہے اور مشرق کی طرف آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئی ہے۔ ایک گرم اور مرطوب نشیبی خطہ ہے۔ جسے "تہامہ" کہا جاتا ہے۔ بحیرہ احمر کے کنارے کنارے چلا گیا ہے۔ اسکے پیچھے ایک سلسلہ کوہ واقع ہے جو ساحل کے برابر ایک ہزار میل تک پھیلا ہوا ہے اور بحیرہ احمر کے اوپر سرے پر خلیج عقبہ سے شروع ہو کر بحر ہند کے باب الداخلہ یعنی ابنائے باب المندب کے عقبی علاقے تک پہنچتا ہے۔ شمال میں حجاز کا پہاڑی سلسلہ تقریباً ۹۰۰۰ فٹ کی بلندی تک پہنچتا ہے۔ عسیر میں اس کا وسطی حصہ تقریباً ۱۰،۰۰۰ فٹ بلند ہے اور یمن میں اس کی بلند ترین چوٹی سطح سمندر سے ۱۲۰۰۰ فٹ اونچی ہے۔

یمن جو اس جزیرہ نما کا بلند ترین حصہ ہے ایک ایسی سطح مرتفع پر واقع ہے جو ایک طرف سے اونچی اور دوسری طرف سے نیچی ہے اور جس کی بلندی مختلف مقامات پر ۷۰۰۰ سے ۱۰۰۰۰ فٹ تک بلند ہے۔ اگرچہ یہ ملک منطقہ حارّہ میں واقع ہے مگر یہاں سردی بہت ہوتی ہے اور بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے گرمی کم ہوتی ہے۔ اس سطح مرتفع پر بارش کا اوسط ۲۰ انچ ہے مگر جو علاقے زیادہ بلند ہیں وہاں بارش کا اوسط دوگنا ہو جاتا ہے۔"۲۶۵؎

خطہ یمن کی زرخیزی

"ساحلی علاقہ بے آب و گیاہ ہے۔ البتہ سطح مرتفع کی زمین بہت زرخیز ہے اور سرسبز شاداب ہے۔ اس کے وسیع مسطح علاقوں اور ہموار ڈھلوانوں پر خوب کاشت ہوتی ہے۔ مختلف قسم کا غلہ گیہوں، جو اور بارے باجرے کے علاوہ یہاں ترکاریوں اور میوے کے وہ درخت بھی ہوتے ہیں جو عام طور پر بحیرہ روم کے ساحلی ملکوں میں ہوا کرتے ہیں۔ پھلوں میں انگور، انجیر، خوبانی، اناز اور اخروٹ یہاں کی خاص پیداوار ہیں۔ اس خطے میں اب بھی قہوہ کی اس مشہور قسم کی کاشت ہوتی ہے جسے موکا (غا) کہتے ہیں۔ لیکن اتنے وسیع پیمانے پر نہیں جتنی زمانہ قدیم میں ہوا کرتی تھی۔ یہاں مویشی بھی پالے جاتے ہیں۔ ان کی کھالیں ملک کی خاص برآمد میں شمار ہوتی ہیں۔

صنعا جو پہاڑوں میں واقع ہے "یمن کا دارالحکومت" ہے۔ اور حدیدہ اور غا بحیرہ احمر پر دو چھوٹی بندرگاہیں ہیں۔"۲۶۶؎

پلینی "نیچرل ہسٹری" میں یمن کی مصنوعات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

""ازمنہ قدیم اور قرون وسطیٰ میں ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے جبکہ دنیا کے ہر بازار میں یمن کی مصنوعات کی ریل پیل تھی۔ قدیم زمانے میں یمن ایک نہایت بلند تہذیب کا گہوارہ تھا۔ جس کی بنیادیں وسیع اور منفعت بخش تجارت پر قائم تھیں۔ یونان و رومہ کی دنیا میں یمن کی دولت ضرب المثل بن گئی اور اس کو عرب لطیف (Arabia Felix) کے قابل رشک نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ رومہ کے باشندے خوشبودار صمغ عربی اور مشرقی ممالک کے گرم مصالحوں اور ریشم پر جو عربوں کے ہاتھ ان تک پہنچتے تھے۔ کثیر دولت صرف کیا کرتے تھے۔

پلینی نے اس دولت کے بے دریغ صرفہ پر آنسو بہائے ہیں۔ جو اہل رومہ اور ان کی عورتوں کی تعیش پسندی کی خاطر عربوں کے ساتھ تجارت کرنے میں لٹائی جاتی تھی۔"۲۶۷۔

یمن میں فی زمانہ ایک بادشاہ کی حکومت ہے جسے امام کہتے ہیں۔ یہ امام شہر صنعاء میں جس کی مردم شماری سات ہزار ہے رہتا ہے۔

ادریسی لکھتا ہے کہ یہ ممالک عرب کا دارالسلطنت اور سلاطین یمن کا پایہ تخت ہے۔ یہاں مشہور معروف اور مستحکم قصور شاہی موجود ہیں۔ علاوہ ان کے اور بہت سی عمارات ہیں جن کے آس پاس بڑے بڑے باغ ہیں۔ معمولی مکانات بھی ترشے ہوئے پتھروں سے بنے ہیں اور دروازوں میں شیشے لگے ہیں۔ شہر میں بیس مساجد ہیں جن کے بروج اکثر طلائی ہیں جن کی وجہ سے شہر کو رونق اور شہرت حاصل ہے۔

صنعاء اس وقت بھی عربستان کے شہروں میں سب سے زیادہ سربر آوردہ ہے۔ "موسیو ہالوی" لکھتے ہیں کہ اس شہر میں ایسی مساجد عالی شان موجود ہیں جن کی وضع تعمیر اسلام کی مشہور ترین عمارات کو یاد دلاتی ہے۔ یمن کے اکثر شہر اور علی الخصوص ردوہ جو بالکل صنعا کے قریب ہے باغات اور مکانات تفریح کے لئے مشہور و معروف ہے۔ ردوہ میں تو انگور کی بیلیں اسی طرح ٹیٹون پر چڑھائی جاتی ہیں جیسے اطالیہ میں صنعاء سے تیرہ میل مشرق کی طرف شہر مآرب یا سباء کا ویرانہ واقع ہے جو زمانہ قدیم میں قوم سباء کا دارالسلطنت تھا۔ اس وقت محض ایک قصبہ ہے۔

ادریسی جس کا زمانہ بارہویں صدی ہے یہ خیال کرتا ہے کہ ان ویرانوں میں دو قصر ہیں ایک تو حضرت سلیمانؑ کا تعمیر کیا ہوا اور دوسرا حضرت داؤدؑ کی ایک بی بی کا' اسی سباء میں وہ ملکہ تھی جو بقول مورخین یہود حضرت سلمانؑ سے ملنے کو آئی تھی۔"۲۶۹۔

عسیر

نجلا عزالدین "عرب دنیا" میں رقمطراز ہیں:

""عسیر بھی جو یمن کے شمال میں واقع ہے ایک سطح مرتفع ہے اور اس کا بیشتر حصہ ۵۰۰۰ فٹ سے زیادہ بلند ہے۔ ان بلند علاقوں میں اوسط مقدار کی بارش ہوتی ہے اور سال کے کئی مہینے تیز رو چشمے گہری گہری وادیوں پر سے بہتے رہتے ہیں۔ وادیوں میں جو ڈھلوان بلندی پر واقع ہیں اور مسطح ہیں۔ جن پر غلہ' قہوہ' کھجور اور انگور کی کاشت ہوتی ہے' گھنے پودے اور

جھاڑیاں مویشیوں کی چراگاہوں کا کام دیتی ہیں۔"۲۷۰

یمن کے جنوب اور مشرق میں عدن کی نوآبادی اور (برطانوی) زیر سایہ حکومتیں ہیں۔اس نوآبادی میں بندرگاہ عدن اور اس سے متصلہ علاقہ اور دوماتحت یعنی پیرم اور جزائر کوریا موریا شامل ہیں۔جو بحیرہ احمر کے دروازے پر واقع ہیں۔زیر سایہ حکومتوں کی حدود ضلع ذوفرتک پھیلی ہوئی ہیں اور بیس پچیس سرداروں کے مقبوضات شامل ہیں جو برطانیہ عظمٰی کے ساتھ معاہدوں کے رشتوں سے منسلک ہیں۔

حضر موت

مشرقی زیر سایہ حکومت میں واقع ہے۔ جہاں کی تاریخ یادگار واقعات سے پر ہے۔زمانہ قدیم میں یمن کی طرح حضر موت اور بحیرہ روم کے ملکوں کے درمیان بھی تجارت ہوا کرتی تھی۔ یہاں کی تہذیب نہایت بلند تھی اور ملک میں خوشحالی کا دور دورہ تھا اور آج بھی پرانے شہروں کے کھنڈر اور نہروں کے وسیع جال کے آثار اس کی گواہی دیتے ہیں۔
حضر موت اس بیش بہا لوبان کا ملک ہے جو قدیم زمانے میں قیمت کے لحاظ سے سونے کا ہم وزن سمجھا جاتا تھا۔

ہرودوٹس لکھتا ہے کہ "عرب کے گرم مصالحوں کے متعلق کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے۔پورا ملک ان کی خوشبوؤں سے مہکا ہوا اور ان کی عطر بیزیوں سے ساری فضاء معطر ہے۔"

علی'شیباڈائرز بیر لڈانگز امز' پولیٹیکل ڈویلپمنٹ ان دی حضر موت"میں حضر موت کی وجہ شہرت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"حضر موت ایک وسیع گھاٹی میں واقع ہے جس میں وادیوں کا جال بچھا ہوا ہے۔یہ وادیاں موسم گرما میں خشک ہو جاتی ہے۔وہاں کے باشندے اس ناقابل کاشت زمین اور وہاں دستیاب ہونے والے تھوڑے بہت پانی سے حتی المقدور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں غلے ترکاریاں اور پھلوں کی کاشت ہوتی ہے۔ تمباکو بھی پیدا ہوتا ہے جو زیادہ تر باہر بھیجدیا جاتا ہے۔شہد بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے مگر یہاں کے بدوؤں کی سب سے بڑی دولت مویشی ہیں۔

"حضر موت کی شہرت کو یہاں کے بلند حوصلہ باشندوں نے بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔ جو ہمیشہ تجارت کے معاملے میں جیوٹ اور فریس مشہور ہیں۔ یہاں کے باشندوں کی کثیر تعداد ممالک غیر مثلاً مشرقی افریقہ' ہندوستان اور انڈونیشیا میں رہتی ہے ان کی سب سے بڑی خوش حال آبادی جاوا میں ہے۔ لیکن ہوتا یہی ہے کہ یہ لوگ بالآخر حضر موت واپس آجاتے ہیں۔جس سے انہیں دلی لگاؤ ہے اور تو اور وہ لوگ جو غیر ممالک میں پیدا ہوتے ہیں آخر میں اپنی زندگی یہیں آ کر گزارتے ہیں۔باہر جا کر واپس آنے والوں نے وادی کے باغوں میں شہر آباد کر لئے ہیں۔ان میں ایسے بنگلے اور محل کھڑے ہیں جو بجلی کی روشنی اور جدید وضع کے غسلخانوں سے آراستہ ہیں اور چمنوں میں تیراکی کے لئے پکے ہوئے تالاب بنے ہوئے ہیں۔"۲۷۱

۴۔ ایرانی تہذیب و ثقافت

ایران

چھٹی صدی عیسوی میں مملکت ایران کا حدود اربعہ وہ نہیں تھا جو آج کے ایران کا ہے۔ موجودہ دور کی بہت سی آزاد مملکتیں اس وقت ایران کا ایک حصہ تھیں۔

(Will Durrant) اپنی مشہور کتاب "The age of faith" میں رقمطراز ہیں:

''تیسری صدی عیسوی کا ایران (چھٹی صدی میں بھی یہی حالات تھے) مندرجہ ذیل ممالک میں مشتمل تھا۔ افغانستان' بلوچستان' سودیانہ (Sogdiana) بلخ اور عراق موجودہ پریشیا جس کو فارس کہتے ہیں یہ اس وقت کی مملکت کا ایک جنوب مشرقی صوبہ تھا۔ اس کو ایران کہنے کی وجہ تھی کہ یہ آریوں کا ملک تھا۔'' ۲۷۲؎

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اسکی مزید وضاحت کی گئی ہے۔

''یہ سلطنت بلوچستان' کچ' مکران' کرمان' نور' بامیان' ہندوکش' سیستان' زابلستان' خراسان' ماوراء النہر' رشت' اصفہان' مازندران' استر آباد' گرگان' فارس' لارستان' خوزستان' افغانستان' کابلستان' پنجاب' کردستان' شیروان' بابل' موصل اور دیار بکر پر مشتمل تھی۔'' ۲۷۳؎

ایران کا لفظ آریانہ سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب ہے آریاؤں کی سرزمین اس کی وضاحت اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں یوں کی گئی ہے:

''مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نویں صدی قبل مسیح میں آریائی نسل کی ایک شاخ جنوبی روس سے چل کر مغربی ایران کے سلسلہ کوہ زاغروس کے وسطی علاقہ میڈیا میں آباد ہوئی اور اسی جغرافیائی نسبت سے یہ لوگ ''ماد'' کہلائے' اسی نسل کی ایک دوسری شاخ مشرقی ایران میں وارد ہوئی یہ لوگ صبہ کرمان سے ہوتے ہوئے پاس (فارس) اور پارسی کہلائے۔'' ۲۷۴؎

اہل ایران کے مذہبی عقائد

''ارتھر کرسٹن' پروفیسر ''ایران بعہد ساسانیاں'' میں رقمطراز ہیں:

''ایران کے جس تاریخی عہد سے ہم بحث کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ساسانی خاندان کی حکمرانی کا عہد ہے۔ اس خاندان کی شہنشاہیت کا موسس اول اردشیر تھا۔ اسنے ۲۸ اپریل ۲۲۴ء میں طیفون کو فتح کیا اور جب وہ اس شہر میں فاتحانہ شان و شوکت سے داخل ہوا تو اس سنے آشکانی خاندان کے جانشین ہونے کا دعویٰ کیا اس طرح ساسانی خاندان کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔'' ۲۷۵؎

اہل ایران کے عقائد کے بارے میں سرپرسی سائیکس (Sir Percy Sykes) بریگیڈیئر جنرل نے اپنی کتاب

"ہسٹری آف پرشیا" میں لکھا ہے:

"آریہ قوم مظاہر پرستی کا شکار تھی۔ روشنی 'شفاف آسمان' آگ' ہوائیں' حیات بخش بارشیں 'ان سب کی مقدس معبودوں کی طرح پرستش کی جاتی تھی۔ جب کہ ظلمت اور قحط سالی کو ملعون دیو تصور کیا جاتا تھا۔

اس مشرکانہ نظام میں آسمانوں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ سورج کو آسمان کی آنکھ کہا جاتا اور روشنی کو آسمان کا فرزند' آسمانی دیوتا وارونا (Varuna) جسے یونانی یورانس (Ouranos) کہتے تھے۔ اس کو سب سے بڑے خدا کی حیثیت سے پوجا جاتا تھا۔ اسکے علاوہ متھرا (Mithere) جو روشنی کا دیوتا تھا۔ اس کی بھی پوجا کی جاتی۔ وارونا اور متھرا کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ وہ انسانوں کے دلوں کے حالات اور ان کے اعمال کا مشاہدہ کرتے اور پھر وہ دونوں سب کچھ دیکھنے والے ہیں۔" ۲۷۶ے

تخلیق کائنات کا تصور

یہ عالم رنگ وبو کس طرح معرض وجود میں آیا اس کے بارے میں عجیب و غریب نظریات اہل ایران کے ہاں رائج تھے۔ جن کو قصے اور کہانیاں تو کہا جاسکتا ہے لیکن عقل و دانش ان کو حقیقت تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔

آرتھر کرسٹن' پروفیسر "ایران بعہد ساسانیاں" میں رقمطراز ہیں:

"خدائے اصلی یعنی زروان ہزار سال تک قربانیاں دیتا رہا تاکہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہو۔ جس کا نام وہ اھورا فرزار رکھے لیکن ہزار سال کے بعد اس کے دل میں شک پیدا ہونا شروع ہوا کہ اس کی قربانیاں کارگر نہیں ہوئیں تب اس کے دو بیٹے موجود ہو گئے ایک اھورا مزدا جو اس کی قربانیوں کا نتیجہ تھا اور دوسرا اھرمن جو اس کی شک کا نتیجہ تھا۔ زروان نے وعدہ کیا کہ میں دنیا کی بادشاہی اس کو دوں گا جو پہلے میرے سامنے آئے گا تب اھرمن۔۔۔ اس کے سامنے آگیا۔ زروان نے پوچھا تو کون ہے اھرمن نے جواب دیا۔ میں تیرا بیٹا ہوں۔ زرواان نے کہا میرا بیٹا تو معطر اور نورانی ہونا چاہئے اور تو متعفن اور ظلمانی ہے۔ تب اھورا مزدا معطر اور نورانی جسم کے ساتھ پیدا ہوا۔ زروان نے اسے بطور اپنے فرزند کے شناخت کیا اور اس سے کہا کہ اب تک تو میں تیرے لئے قربانیاں دیتا رہا اور اب آئندہ چاہئے کہ تو میرے لئے قربانیاں دے۔ اھرمن نے باپ کو اس کا وعدہ یاد دلایا کہ تو نے کہا تھا کہ جو میرے سامنے پہلے آئے گا اس کو بادشاہ بناؤں گا۔ زروان نے کہا کہ میں نو ہزار سال کی بادشاہی تجھے دیتا ہوں لیکن اس کے گزرنے کے بعد اھورا مزدا اکیلا سلطنت کرے گا۔" ۲۷۷ے

اس نظریہ تخلیق کائنات کے مطالعہ سے اس کی لغویت از خود آشکارا ہو جاتی ہے۔ جس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں جو اولاد کا محتاج ہو وہ خدا کیونکر ہو سکتا ہے۔ جو خدا ہزار سال تک قربانیاں دیتا رہے اور اس کی امید بر نہ آئے تو ایسے خدا کی خدائی سے کسی مخلوق کی مشکل کیسے آسان ہو گی۔ ہزار سال کی قربانی کے بعد امید بر بھی آئی تو عجیب انداز سے کہ دو بیٹے پیدا ہوئے ایک سراپا خیر اور دوسرا مجسمہ شر' اس خدا کی مرضی تو یہ تھی کہ میں دنیا کی مملکت سراپا خیر بیٹے کو دوں گا لیکن شر بیٹا اتنا عیار نکلا کہ اپنے آپ کو بھی پچھاڑ دیا اور اس کو مجبور کر دیا کہ وہ کائنات کی زمام حکومت اس کے حوالے کر دے۔ ناچار

اور بے بس زروان کو بادل نخواستہ نو ہزار سال کیلئے اس دنیا کی حکومت اھرمن کے سپرد کرنا پڑی۔ یہ طفلانہ قصہ صرف قصہ ہی نہیں بلکہ عرصہ دراز تک ایک باشوکت و جبروت قوم کا عقیدہ بنا رہا جس پر وہ پختگی سے ڈٹی رہی۔

ایرانیوں کے مذہبی افکار و عقائد

آریاؤں کے قدیم مذہب کی بنیاد عناصر طبعی 'اجسام فلکی اور قدرتی طاقتوں کی پرستش پر ہوتی۔ لیکن ان کے ساتھ جلد ہی نئے خدا بھی شامل ہو گئے۔ لیکن زرتشت کی دعوت کے نتیجے میں انہوں نے تمام دیگر خداؤں کی پرستش کو ترک کر دیا اور خدائے علیم و حکیم (اھورامزدا) کی عبادت شروع کر دی۔ لیکن زرتشت کی وفات کے بعد اس کے پیرو زیادہ دیر تک توحید خالص پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔

Sir Percy Sykes اپنی کتاب "ہسٹری آف پرشیا" میں رقمطراز ہیں:

"زرتشتی جب ترک وطن کر کے غیرۃ قزوین کے مغرب میں پہنچے تو یہاں کی آبادی کو آگ کی از حد تکریم کرتے ہوئے پایا کیونکہ یہاں آگ زمین سے شعلوں کی صورت میں نکل رہی تھی۔ اگرچہ اردگرد کا کوہستانی علاقہ برف کی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ آگ کے شعلوں کا یوں بلند ہونا بڑا دلفریب منظر پیش کرتا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بہت بڑی دلیل سمجھتے لوگوں نے اس کو اپنا معبود بنا لیا اور اس طرح زرتشتیوں کو آگ کا پجاری کہا جانے لگا۔ آج بھی آگ کے تقدس کا قدیم تصور باقی ہے۔ کیونکہ ایرانی پارسی آج بھی نہ موم بتی کو بجھاتے ہیں اور نہ جلتی ہوئی لکڑی کو۔ سگریٹ نوشی ان کے ہاں قطعاً ممنوع ہے۔" ۲۷۸

عقیدہ قیامت

سرپرسی سائیکس اپنی کتاب "ہسٹری آف پرشیا" میں ایرانیوں کے قدیم عقائد پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ہم نے آریوں کی اپنے اصل وطن سے نقل مکانی کر کے ایران پر قابض ہونے کا سراغ لگایا اور ایران کو یہ نام اسی وجہ سے ملا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ پہلے وہ اجڈ' خانہ بدوش قسم کے لوگ تھے۔ عناصر فطرت کی پوجا کرتے تھے۔ جب ان میں زرتشت کی عظیم ہستی ظاہر ہوئی تو اس نے ان کے اساطیری تخیلات کو روحانیت عطا کی اور ایک خداوند اعلیٰ و برتر کی عبادت کی دعوت دی جو خدا ان صفات کمال کا حامل ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کے خدا میں پائی جاتی ہیں۔ زرتشت نے ہی آریوں کو یہ درس دیا کہ روح غیر فانی ہے۔ نیز اس نے امید و رجا کا ایک ایسا پیغام دیا جو ازمنہ قدیمہ سے لے کر آج بیسویں صدی تک اپنے ماننے والوں کے دلوں میں امید کا چراغ روشن رکھے ہوئے ہے۔ اسی نے یہ تعلیم دی کہ خیر و شر میں جو معرکہ برپا ہے۔ انسان آزاد ہے۔ کہ وہ خواہ خیر کے لشکر میں شامل ہو جائے یا شر کے علمبرداروں کے جتھے میں شریک ہو جائے۔ ہر انسان یہ بھی جانتا ہے کہ آخر کار خیر کو شر پر غلبہ نصیب ہو گا۔ جس طرح قحط سالی کو ابر رحمت آکر ختم کر دیتا ہے۔

سر پر سی کہتا ہے کہ میری ناقص رائے میں اس سے بہتر زرتشت کے مذہب کے اصولوں کو بیان کرنا ممکن نہیں جس طرح ان کا ہر عمر رسیدہ شخص نعرہ لگاتا ہے:

HUMATA - HUKHTA - HVARSHTA

جس کا انگریزی میں ترجمہ یہ ہے:

GOD - THOUGHTS, GOOD WORDS GOOD DEEDS.

یعنی پاکیزہ خیالات۔ شائستہ الفاظ اور نیک اعمال۔" ۲۷۹ ؎

ایران کا نظام عدل وانصاف

ایران کی وسیع اور عظیم الشان مملکت کے نظام عدل کے بارے میں آرتھر کرسٹن، پروفیسر نے اس موضوع پر بڑی شرح وبسط سے رقمطراز ہے:

"اوستا اور اس کی تفسیریں اور اجماع فیکاں یعنی فقہاء کے فتاوے۔ قانون کے ماخذ تھے مجموعہ قوانین کی کوئی خاص کتاب موجود نہ تھی۔

علم فقہ کی تمام تفصیلات بیشتر مفسرین کے اقوال پر مبنی تھیں اور عہد ساسانی کے ضابطہ عدالت کے پتہ دیتی تھیں۔ قانون کی کتاب "مادیگان ہزار دادستان" جس کو نرخ مرد نامی نے تالیف کیا اس کے کچھ اجزاء واحد قلمی نسخہ جس میں پچپن (۵۵) ورق ہیں۔ کتاب خانہ مانک جی لم جی ہوشنگ "ہاتریا" میں محفوظ ہے۔ اس کے متن کو جیون جی جمشید مودی نے مع مقدمہ بمبئی سے ۱۹۰۱ء میں شائع کیا اور ابھی انیس ورق اور ہیں جو طبع نہیں ہوئے۔ "مادیگان" میں عہد ساسانی کے چند ایسے قانون دانوں کے نام محفوظ رہ گئے ہیں جن کے فتوے اس میں درج کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے ایک موقع پر ایک کتاب "دستوراں" کا نام لیا ہے۔ معلوم ہے کہ وہ بھی قانون کی کوئی کتاب تھی۔" ۲۸۰ ؎

"قانون امور میں موبدان موبد کی رائے کو فوقیت دی جاتی تھی۔ موبدان موبد کا فیصلہ سوگند سے بھی زیادہ موثر ہوتا اور اسکو بے خطا سمجھا جاتا تھا۔ اس میں ایسی عدالتوں کا بھی ذکر ہے۔ جن میں مختلف درجوں کے جج ملک کر بیٹھتے تھے۔ قانون کی طرف سے ججوں کو گواہی کو بلانے کے لئے مہلت ملتی تھی۔ مقدمہ کی ساری کارروائی کے لئے ایک خاص مدت معین تھی۔ ضابطہ میں ایسے قانون بھی موجود تھے۔ جن کی رو سے جھگڑالو دعویداروں کی لاطائل تقریروں کو روک دیا جاتا تھا۔ کیونکہ ایسی تقریوں سے معاملہ خواہ مخواہ لمبا اور پیچیدہ ہو جاتا تھا۔ ایسے ججوں پر مقدمہ چلانا ممکن ہوتا تھا جو کسی غرض کے تحت ایک مشکوک امر کو یقینی اور یقینی کو مشکوک بنادیں۔" ۲۸۱ ؎

آرتھر کرسٹن، پروفیسر "ایران بعہد ساسانیاں" میں مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"شک کی صورت میں ملزم کے گناہ یا بے گناہی کو بطریق امتحان ثابت کیا جاتا تھا۔ وہ امتحان دو طرح کا ہوتا تھا ایک کو گرم امتحان اور دوسرے کو سرد امتحان کہتے ہیں۔ گرم امتحان کی صورت میں ملزم کو آگ سے گزرنے کے لئے کہا جاتا تھا۔

اس طریقہ امتحان میں جو لکڑی جلائی جاتی تھی۔ اس کے انتخاب کے لئے خاص قواعد مقرر تھے اور دوران امتحان بعض مذہبی رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔ اس کی ایک اور مثال جس کی روایت یہ ہے کہ شاہ پور دوم کے زمانہ میں آذر بذ، پسر مہر سپند نے اپنے مذہبی عقیدہ کی سچائی ثابت کرنے کے لئے اپنے آپ کو اس بات کے لئے پیش کیا کہ پگھلی ہوئی دھات اس کے سینہ پر انڈیل دی جائے۔ امتحان کا ایک طریقہ یہ بھی تھا جو بہت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا۔ کہ جب ایک شخص حلف اٹھاتا تھا تو اسے گندھک ملا پانی پینے کو دیا جاتا تھا۔ قانون میں تین قسم کے افعال کو جرم قرار دیا گیا تھا۔

۱۔ وہ جرم جو خدا کے خلاف ہوں یعنی جب کہ ایک شخص مذہب سے برگشتہ ہو جائے یا عقائد میں بدعت پیدا کرے۔

۲۔ وہ جرم جو بادشاہ کے خلاف ہوں جب کہ ایک شخص بغاوت یا غداری کرے یا لڑائی میں میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔

۳۔ وہ جرم جو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہوں۔

پہلی اور دوسری قسم کے جرائم یعنی اتحاد، بغاوت، غداری اور میدان جنگ سے فرار کی سزا فوری موت تھی اور تیسری قسم کے جرائم مثلاً چوری، راہزنی اور ہتک ناموس کی سزا بعض صورتوں میں جسمانی عقوبت اور بعض میں موت ہوتی تھی۔

یہاں مالینوس لکھتا ہے کہ بعض سزائیں بہت ظالمانہ اور نہایت قابل نفرت تھیں مثلاً یہ کہ ایک شخص کے جرم کے بدلے میں اس کے تمام رشتہ داروں کو قتل کر دیا جاتا۔

''نظام نسک'' کی رو سے مجرموں کو خاص طور پر ناخوشگوار جگہوں پر بند کیا جاتا تھا اور حسب جرم اس جگہ میں موذی جانور چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ تھیوڈورٹ جو شہر صور کا بشپ تھا وہ لکھتا ہے عیسائی قیدیوں کو بعض اوقات تاریک کنوؤں میں بند کر دیا جاتا تھا اور ان میں چوہے چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ قیدیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے جاتے تھے۔ تاکہ وہ ان سے اپنے آپ کو نہ بچا سکیں اور یہ جانور بھوک کے مارے ایک طویل اور ظالمانہ عذاب کے ساتھ ان کو کاٹ کاٹ کر کھاتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ جیل کو بطور ایک ایسی جگہ کے بھی استعمال کیا جاتا تھا جہاں ذی رتبہ اشخاص کو جن کا وجود سلطنت اور بادشاہ کے لئے خطرہ کا باعث ہوتا تھا چپکے سے غائب کر دیا جاتا تھا۔ خوزستان میں ایک مضبوط قلعہ تھا جس کا نام ''گیل گرد'' یا اندمیشن تھا جہاں اس قسم کے سیاسی قیدیوں کو محبوس رکھا جاتا تھا اس کو ''انوش برد'' بھی کہتے تھے۔ جس کے معنی قلعہ فراموش کے ہیں اس لئے کہ جو لوگ وہاں قید ہوئے تھے ان کا نام لینا بلکہ خود قلعہ کا نام لینا بھی ممنوع تھا۔'' [۸۲]

''ایک نہایت عام سزا جو خصوصاً باغی شہزادوں کو دی جاتی تھی۔ یہ تھی کہ آنکھوں میں گرم سلائی پھروا کر یا کھولتا ہوا تیل ڈلوا کر اندھا کر دیئے تھے۔ زندہ آدمیوں کی ساری یا آدھی کھال کھچوا دینے کا دستور تھا۔'' [۸۳]

''عیسائیوں پر جور و تعدی کے زمانہ میں شہداء کو بھی کبھی سنگسار بھی کیا جاتا تھا۔ یزدگرد دوم کے زمانہ میں دو

عیسائی راہبہ عورتوں کو سولی پر چڑھا کر سنگسار کیا گیا اور چند شہداء کو زندہ دیوار میں چنوایا گیا۔ ہاتھیوں کے پاؤں تلے روند ڈالنے کی سزا ساسانیوں کے عہد میں عام طور پر رائج تھی۔"۲۸۴

"ایک آلہ تعذیب جو اکثر استعمال کیا جاتا تھا وہ لوہے کی ایک کنگھی تھی جس سے مجرم کی کھال ادھیڑی جاتی تھی اور درد کی شدت میں اضافہ کرنے کے لئے ہڈیوں پر جو نظر آنے لگتی تھیں۔ نفت ڈال کر آگ لگادی جاتی تھی۔

سب سے زیادہ دہشت ناک عذاب وہ تھا جس کا نام "نو موتیں" تھا۔ جس کی صورت یہ تھی کہ جلاد سب سے پہلے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹتا تھا۔ اس کے بعد پاؤں کی پھر کلائیوں تک ہاتھ کاٹ ڈالتا تھا اور ٹخنوں تک پاؤں۔ اس کے بعد پھر کہنیوں تک بانہیں کاٹتا تھا اور گھٹنوں تک ٹانگیں۔

Will Durrant اپنی مشہور کتاب **The age of faith** میں رقمطراز ہیں:

"بادشاہ اس کے مشیر اور مذہبی علماء قانون مرتب کرتے اور ان کی بنیاد قدیم اوستا پر ہوتی۔ ان کی تشریح اور ان کی تنفیذ مذہبی پروہتوں کے سپرد تھی۔ جرائم کا سراغ لگانے کے لئے جسمانی اذیت سے کام لیا جاتا۔ مشکوک لوگوں کو کہا جاتا کہ وہ آگ میں گرم کئے ہوئے سرخ لوہے پر چلیں 'یا بھڑکتی ہوئی آگ سے چل کر گزریں یا زہریلی خوراک کھائیں۔ اگر اس آزمائش میں وہ بچ گئے تو انہیں بے گناہ قرار دے دیا جاتا اور اگر وہ اس آزمائش میں پورے نہ اترتے تو انہیں مجرم یقین کر لیا جاتا اور انہیں سزا دی جاتی۔"

"خسرو نے زرعی پیداوار پر لگانوں کی جب نئی شرح مقرر کی تو اس نے ایک مجلس مشاورت طلب کی۔ جس میں ایران کے سربرآوردہ آمراء' علماء' فوجی سپہ سالار شریک ہوئے۔ لگان کی نئی شرحوں کا اعلان کرنے کے بعد جب خسرو نے حاضرین سے پوچھا کہ ان شرحوں پر کوئی اعتراض ہے تو محفل میں سناٹا چھایا رہا۔ اس نے پھر یہ سوال دہرایا پھر بھی سکوت طاری رہا۔ تیسری مرتبہ اس نے یہی سوال حاضرین سے پوچھا تو ایک دبیر نے بڑے ادب و احترام کے ساتھ اس پر اعتراض کیا اور جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ اس معترض کا تعلق دبیروں کے حلقہ سے ہے تو حکم دیا کہ ہر دبیر اپنے قلمدان سے اس کو زدو کوب کرے۔ چنانچہ شاہی فرمان شاہی کی تعمیل کرتے ہوئے ہر دبیر نے اپنے بدقسمت ساتھی پر قلمدانوں سے ضربات کی بارش شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اس نے وہیں دم توڑ دیا اور تمام حاضرین نے بآواز بلند یہ کہا ہمیں بادشاہ کے نئے لگانوں کی شرحوں پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں۔"

"نوشیروان جس کا عدل و انصاب ضرب المثل ہے۔ جس نے اپنے محل کے صحن کو ٹیڑھا رکھنا تو گوارا کر لیا لیکن غریب عورت کی جھونپڑی کو اس کی مرضی کے خلاف وہاں سے اٹھانا گوارا نہ کیا۔ عدل و انصاف کے اس پیکر نوشیرواں اپنے تمام سگے بھائیوں کو اس لئے تہ تیغ کر دیا کہ مبادا ان میں سے کوئی اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دے۔۲۸۵

۵۔ ہندی تہذیب و ثقافت

کیا ہندو مت کوئی مذہب ہے؟

ورلڈ سولائزیشن کے دونوں مصنف رقمطراز ہیں:

"اہل مغرب کی اصطلاح کے مطابق ہندوازم کو مذہب نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہر قسم کے عقیدہ کو اپنانے کیلئے تیار ہوتا ہے۔ تمام رسم ورواج کو اختیار کرلیتا ہے خواہ وہ قدیم زمانے کے گھناؤنے رسم ورواج ہوں یا عصر جدید کے اعلیٰ وارفع رسم ورواج۔ ہندو مت کے کوئی مقررہ عقائد واصول نہیں۔ جن کو ماننا اس مذہب کے ہر پیرو پر لازمی اور ناگزیر ہو۔ اسکے ماننے والے کہیں ایک جگہ جمع ہوکر عبادت نہیں کرتے ان کا کوئی مسلمہ کلیسا نہیں ہے البتہ برہموں کے بارے میں ان کے خاص معتقدات ہیں۔ مخصوص طریقہ ہائے کار ہیں جن کی ساری ہند میں پیروی کی جاتی ہے۔ برہمن اپنے ماننے والوں کے لئے ضروری نہیں سمجھتے کہ وہ کسی مخصوص عقیدہ پر ایمان لے آئیں اور نہ کسی نئی بدعت کے خلاف جنگ آزما ہونے کی انہیں دعوت دیتے ہیں۔ وہ صرف اس بات پر اصرار کرتے ہیں اور اس میں وہ کامیاب بھی ہیں کہ ان کا ہر ماننے والا اس بات کو تسلیم کرے کہ دیوتا اور انسان کے درمیان صرف برہمن ہی واسطہ اور ترجمان کا فریضہ ادا کرسکتے ہیں۔ برہمن ازم میں جن نکات پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ برہموں کی تعظیم کی جائے اور ہر معاملے میں ان کی اعانت کی جائے۔

۲۔ حیوانی زندگی کو مجروح نہ کیا جائے (یعنی نہ ان کو ذبح کیا جائے نہ ان کا گوشت کھایا جائے)

۳۔ عورت کا مقام معاشرے میں مرد سے فروتر ہے۔

۴۔ ذات پات کی تقسیم کو قبول کیا جائے۔" ۲۸۶؎

انسائیکلوپیڈیا آف لونگ فیتھ (زبدہ مذاہب کا دائرۃ المعارف) **A.L. Bosham** اپنے مقالے میں ہندوازم کے بارے وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"ہر مذہب کی تعریف کی جاسکتی ہے لیکن ہندو مذہب کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندو وہ ہے جو برہمن اور گائے کی عزت کرتا ہے۔ ذات پات کے نظام کا قائل ہے اور نظریہ تناسخ پر ایمان رکھتا ہے یعنی روح یکے بعد دیگرے کئی جسموں میں داخل ہوتی ہے اور ایک مقررہ مدت پوری کرنے کے بعد موت کا پیالہ پیتی ہے۔ اس جسم کو چھوڑ کر ایک نئے جسم میں داخل ہوتی ہے ضروری نہیں کہ وہ جسم انسان کا ہی ہو۔ بلکہ وہ کسی حیوان کتے' بلے' گدھے وغیرہ اور نباتات کے پیکر میں بھی ورود کرسکتی ہے۔ یہاں تک وہ سفر کرتے کرتے اپنی آخری منزل پر پہنچ جاتی ہے اگر نیک ہے تو سرگباش (جنت) ہوتا ہے ورنہ نرک (دوزخ) کا ایندھن بنتا ہے۔ اگرچہ ویدوں کو ہندوؤں کی مذہبی کتب کہا جاتا ہے لیکن جو ہندو مت کے روپ میں ہمارے سامنے موجود ہے اس کا ویدوں کے پیش کردہ مذہبی نظام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ

بہت سے دیوتا جن کو پوجا کرنے کا حکم ویدوں میں مذکور ہے وہ اب متروک ہو چکے ہیں۔ آریوں کا بڑا جنگی دیوتا ''اندرا'' کا درجہ اب بہت گھٹ کر رہ گیا۔ اب اسے صرف بارش برسانے والا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح وارونا جس کو پہلے سارے عالم کا محافظ یقین کیا جاتا تھا اور بڑی شاہانہ شان و شوکت سے اعلیٰ مسند پر بیٹھا کرتا تھا اب اس کے پجاری شاذ و نادر ہی اس کو یاد کرتے ہیں۔ ان کے دیوتا مونث اور مذکر دونوں قسم کے تھے۔ مونث کو ماتا دیوی (Mother Goddess) کہا جاتا اور اس کی پوجا کی جاتی۔ جس طرح کئی قدیم تہذیبوں میں اس کے پوجنے کا رواج تھا۔ ان کے علاوہ آریہ ایک مذکر دیوتا کی بھی پوجا کیا کرتے تھے۔ جس کا نام شیوا تھا جس کے آلہ تناسل کی پوجا کی جاتی تھی جس کا نشان مرد و عورت اپنے گلے میں لٹکائے رکھتے۔'' ۲۸۷۔

ہندومت کے تین مشہور دیوتا

''مہابھارت میں لکھا ہے کہ برہما' بشن اور مہادیو یہ تینوں پرستش کے دیوتا تسلیم کئے جاتے ہیں۔ مہابھارت میں بھی ان کی کردار کشی یوں کی گئی ہے کہ اتری منی کی جورو بہت نیک تھی۔ یہ تینوں برہما' بشن اور مہادیو اس کی عصمت میں رخنہ ڈالنے کو اس کے دروازے پر بھیک مانگنے گئے وہ پجاری بھیک دینے کو باہر آئی تو یہ تینوں کہنے لگے کہ کیا ہم بھوکے ہیں کہ ایسی بھیک لیں گے ہاں اگر ہم کو اپنے گھر لے جا کر اور ننگی ہو کر ہم کو کھانا کھلاوے تو ہم ٹھہرے رہیں۔ وہ پجاری اپنے خصم سے اجازت لے کر ان تینوں کو اپنے گھر میں لے گئی جب کھانا کھلانے لگی اس عورت نے ان کے جسم پر پانی چھڑ کا یہ تینوں چھوٹے لڑکے بن گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تینوں بدمعاش' دغاباز اور شہوت پرست تھے اور عاجز ایسے تھے کہ ایک عورت کے جادو سے تینوں چھوٹے لڑکے بن گئے کیا بھلا ایسا شخص خدا اور نائب خدا یا دنیا کا مالک ہو سکتا ہے۔'' ۲۸۸۔

ہندوؤں کا نظریہ تخلیق کائنات

کائنات نام ہے گردشوں کے لامتناہی تسلسل کا ہندوؤں کے نزدیک تسلسل وشنو دیوتا کی زندگی سے وابستہ ہے۔ بنیادی گردش کو ''کالپا'' کہتے ہیں جس کا معنی برہما کا دن۔ اس کی مقدار چار ہزار دو سو ملین زمینی سالوں کے برابر ہے ان کی دیومالائی اصطلاح میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہر کائناتی دن کے آغاز میں وشنو 'شیشاناگ جس کے ہزار سر ہیں' کی گود میں سویا رہتا ہے۔ یہ ناگ لامتناہی زمانہ کی علامت ہے وہ کائناتی قدیم سمندر میں جھولا جھولتا رہتا ہے۔ وشنو کی ناف سے کنول کا پھول اُگتا ہے اور اسکی لپٹی ہوئی پتیوں سے برہما دیوتا جنم لیتا ہے جو خالق کائنات ہے۔ یہ جہان کی تخلیق کرتا ہے پھر وشنو جاگتا ہے اور اس پر حکمرانی کرتا ہے۔ کالپا کے اختتام سے پہلے وشنو ایک مرتبہ پھر سو جاتا ہے اور ساری کائنات اس کے جسم میں ضم ہو جاتی ہے۔ اب ہم جس زمانہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس کا آغاز تین ہزار ایک سو دو سال قبل مسیح ہوا۔ جب مہابھارت کی جنگ ختم ہوئی اس زمانہ کی کل میعاد چار لاکھ بتیس ہزار سال ہے اس میعاد کے مکمل ہونے پر ساری دنیا آگ اور طوفان سے تباہ ہو جائے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ وشنو ایک مجسم صورت میں آکر اس تباہی کو پرسکون انقلاب سے تبدیل کر دے گا۔

نیند سے بیدار ہو کر وشنو اپنے آسمان کے تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے پہلو میں اس کی ملکہ دیوی لکشمی بیٹھی ہے لیکن جب کائنات خطرات سے دوچار ہونے لگتی ہے تو وشنو کبھی مکمل اور کبھی نامکمل صورت میں ظاہر ہو کر کائنات کو بربادی سے بچاتا ہے اس کے نامکمل مظاہر تو بے شمار ہیں جواب بھی مختلف رشیوں کی شکل میں موجود ہیں۔ آج تک وہ نو مکمل مظاہر میں جلوہ گر ہوا ہے اس کے پہلے چھ مظاہر یہ ہیں مچھلی، کچھوا، سور، شیر (انسانی شکل میں) پار اسور لما۔" ۲۸۹

ہندی معاشرہ کی طبقاتی تقسیم

ہندی معاشرہ کو جن مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا تھا اس کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے البیرونی لکھتے ہیں:

"پہلے زمانہ میں بادشاہ اپنی رعایا کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیتے تھے اور ہر طبقہ کے ذمہ ایک کام کی تکمیل کا فریضہ ہوتا تھا۔ اس طبقاتی تقسیم میں ردوبدل کا کسی کو اختیار نہ تھا۔ بڑی سے بڑی ملکی یا قومی خدمت یا بھاری بھرکم رشوت سے بھی یہ تبدیلی ممکن نہیں بنائی جاسکتی تھی۔

شہنشاہ ایران اردشیر نے اپنی رعایا کو مندرجہ ذیل طبقات میں تقسیم کر دیا تھا:

۱۔ شاہی خاندان کے افراد کا طبقہ سب سے اعلیٰ تھا۔

۲۔ آتش کدوں کے خدام، عبادت گزار اور مذہبی پروہتوں کو دوسرے طبقہ میں رکھا گیا تھا۔

۳۔ اطباء، منجمین، اصحاب علوم و فنون کو تیسرے طبقہ سے شمار کیا جاتا تھا۔

۴۔ کاشتکاروں اور اہل حرفہ کو چوتھا طبقہ کہا جاتا تھا۔

اسی طریقہ پر اہل ہند نے بھی اپنے معاشرے کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر طبقہ کے لئے ان کے فرائض ذمہ داریاں اور ان کے حقوق متعین کر دیئے تھے۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان میں ردوبدل کر سکے۔ ان چاروں طبقات میں سے اعلیٰ ترین طبقہ برہموں کا تھا۔ کیونکہ ان کے زعم باطل کے مطابق ان کی تخلیق براہم کے سر سے ہوئی تھی۔ دوسرا طبقہ کھشتریوں کا تھا۔ جنہیں براہم کے کندھوں اور ہاتھوں سے پیدا کیا گیا تھا۔

تیسرا طبقہ ویش کا تھا جو براہم کے پاؤں سے تخلیق کئے گئے تھے۔ جن کا کام تجارت اور کھیتی باڑی تھا اور سب سے گھٹیا طبقہ شودروں کا تھا یہ مشہور ہے کہ ان کا باپ شودر تھا اور ان کی ماں برہمن۔ دونوں نے باہمی زنا کیا اس سے یہ طبقہ پیدا ہوا۔ اس لئے یہ حد درجہ گھٹیا لوگ ہیں اور ان کو اجازت نہیں کہ وہ شہروں میں عام بستیوں میں آباد ہوں۔ ان کے لئے یہ بھی پابندی تھی کہ نہ وہ خود اپنی مذہبی کتب ویدوں کو پڑھ سکتے تھے اور نہ ان کو ایسی محفلوں میں شرکت کی اجازت تھی۔ جن میں وید پڑھا جانا ہوتا۔ مبادا کہ وید کے کلمات شودروں کے کانوں کے پردوں سے ٹکرائیں اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ ویش یا شودر نے وید سنا ہے تو برہمن اسے حاکم وقت کے پاس پیش کرتے جو سزا کے طور پر ان کی زبانیں کاٹ دیتا۔

ان طبقات کا ذکر کرتے ہوئے البیرونی لکھتے ہیں:

"اسلام نے تمام انسانوں کو خواہ وہ کسی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں۔ مساوی درجہ دیا ہے صرف تقویٰ اور

پارسائی کی بنا پر کسی کا درجہ دوسرے سے بلند اور برتر ہو سکتا ہے۔

اسلام کا نظریہ مساوات ہندوؤں کے لئے ایک ایسا حجاب ہے۔ جس کے باعث وہ اسلام کو قبول نہیں کرتے اور اس کی تعلیمات سے دور بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔" ۲۹۰؎

جب بھارت میں برہمنی تہذیب اپنے شباب پر تھی اس زمانہ میں ہندی معاشرہ کے لئے ایک دستور مرتب کیا گیا۔ جس میں سیاسی، تمدنی اور اخلاقی قواعد و ضوابط کی وضاحت کر دی گئی۔ ملک بھر کے دانشوروں نے اس بنظر استحسان دیکھا اور اسے ایک آئینی اور قانونی دستاویز کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہندو دھرم کے پرستار اپنے تمام معاملات میں اس سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس دستور کے مصنف "منوجی" ہیں۔ انہیں کے نام پر اس کتاب کو "منوشاستر" کہا جاتا ہے اور یہ دستور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے تین سو سال قبل مرتب کیا گیا۔ اس متفقہ طور پر منظور شدہ قانونی اور آئینی دستاویز نے اہالیان ہند کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا۔

۱۔ برہمن

۲۔ کھشتری

۳۔ ویش

۴۔ شودر

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار برہمن ازم (Brahmanism) کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"منوجی کے مرتب کردہ صحیفہ قانون کو ایک آسمانی تقدس حاصل ہو گیا تھا۔ اس کے قوانین ہر شک و شبہ سے بالاتر اور ہر تنقید سے ماوراء تھے۔ منوشاستر میں تمام طبقات کی درجہ بندی کر دی گئی اور تفصیل سے ہر طبقہ کے فرائض بیان کر دیئے گئے اور اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے سزائیں بھی مقرر کر دی گئیں۔"

مقالہ نگار کے درج ذیل جملے خصوصی توجہ کے مستحق ہیں:

"یعنی جرائم کا ارتکاب اگر برہمن کرے تو ان کی سزا میں غیر معمولی نرمی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اگر نچلے طبقہ کا کوئی فرد اعلیٰ طبقہ کے حکم کو پامال کرے تو اس کے لئے بڑی وحشیانہ اور غیر انسانی سزائیں مقرر ہیں۔ معاشرہ میں مجرم کا درجہ جتنا گھٹیا ہو تا اتنی ہی اسے سزا سخت دی جاتی۔"

"منو کے آئین کے مطابق شودروں کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا بھی حق حاصل نہیں۔ ایسا اجتماع جس میں نچ قوم کا کوئی فرد موجود ہو۔ وہاں برہمن کو بھی اجازت نہیں کہ وہ مقدس کتابوں کی تلاوت کرے۔" ۲۹۱؎

البیرونی "تحقیق ماللہند البیرونی" میں اسکی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"شودر کی حیثیت برہمن کے غلام کی ہے۔ اس کو برہمن کے کام میں مصروف رہنا اور اس کی خدمت کرنا چاہئے۔ ہر وہ کام جو برہمن کے لئے مخصوص ہے۔ مثلاً مالا جپنا، وید پڑھنا، آگ کی قربانی شودر کے لئے منع ہے۔ اگر شودر یا ویش کے

متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے وید پڑھا ہے تو برہمن اس کی اطلاع حاکم کو دے اور حاکم اس کی زبان کاٹ دے۔"۲۹۲؎

عبدالمجید منوسمرتی میں برہمن کی برتری کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''منوجی نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ دنیا میں برہمن سے برتر کوئی نہیں۔وہ دھرم کی صورت' نجات کا حق دار اور دھرم کے خزانہ کا محافظ ہے اور دنیا میں جو کچھ ہے سب برہمن کے لئے ہے۔"۲۹۳؎

معاشرتی کشمکش کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''شودر برہمن کا پس خوردہ کھائے۔ شودر مہینہ میں صرف ایک دفعہ حجامت بنوائے۔ شودر کسی برہمن کو چور کہے تو اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ دینا چاہئے۔ شودر کسی برہمن 'کھشتری اور ویش کے ساتھ سخت کلامی کرے تو اس کی زبان میں سوراخ کر دیا جائے۔ اگر شودر کسی برہمن کا نام لے کر کہے کہ تو فلاں برہمن سے نیچ ہے تو اس شودر کے منہ میں بارہ انگلی کی آہنی میخ آگ میں سرخ کر کے ڈالی جائے۔ اگر چھوٹی ذات کا آدمی بڑی ذات کے آدمی کے ساتھ آسن پر بیٹھے تو اس کا چوتڑ کاٹ ڈالنا چاہئے۔ اس طرح کہ وہ مرے نہیں۔ شودر کسی برہمن کے بال یا پاؤں یا داڑھی پکڑے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ شودر کو کوئی صلاح مشورہ نہ دو۔ دھرم اور بھرت کی تلقین بھی نہ کرو۔ جو شودر کو دھرم کی تلقین کرتا ہے۔ وہ بدترین دوزخ میں جاتا ہے۔"۲۹۴؎

ہندو معاشرے میں مرد اور عورت کا مقام

ایک ہی طبقہ کے مرد وزن کے حقوق بھی یکساں نہیں تھے۔ عورت 'مرد کی ایک تابع مہمل تھی۔ اگر اس کا خاوند عنفوان شباب میں ہی مر جائے تو اس کے لئے باعزت اور بہترین طریقہ یہ تھا کہ وہ مرد کی لاش کے ساتھ ہی جل کر ستی ہو جائے اور اگر وہ اپنے آپ کو جلا دینے کی جرات نہیں کر سکتی تو اسے ساری عمر ایسی زندگی بسر کرنا ہو گی۔ جس میں اسے نہ اچھا لباس پہننے کی اجازت ہو گی نہ وہ زیورات سے اپنی آرائش کرنے کی مجاز ہو گی۔ اسے دوسری شادی کرنے کی بھی اجازت نہیں ہو گی۔ خواہ وہ اس وقت بیوہ ہوئی ہو جب کہ اسے بھی جوانی میں قدم رکھا ہو۔ عورت زیورات کی مالک تو ہو سکتی ہے لیکن کسی غیر منقولہ جائیداد کی مالک نہیں بن سکتی۔ عورت ہر حالت میں غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھی۔ بچی تھی تو باپ کے حکم کی پابند 'بیاہی گئی تو خاوند کے ہر حکم کی پابند 'با اولاد ہو گئی تو بچوں کی ہر حکم ماننا اس پر واجب 'اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ مرد سے پہلے نہ سوئے اور مرد کے بیدار ہونے سے پہلے جاگ اٹھے۔ آریوں کے نزدیک تعداد ازواج کی اجازت تھی۔ چار عورتوں سے بیک وقت وہ شادی کر سکتے تھے۔ اور ان کے راجے مہاراجے ہر قسم کی پابندی سے بالاتر تھے۔ انہیں ان گنت عورتوں کے ساتھ شادیاں رچانے کی کھلی چھٹی تھی۔

مذہبی پوجاپاٹ اور ہندوازم

"اس میں شک نہیں کہ تمام مندروں میں پیشہ ور عورتیں ناچنے کے لئے اپنی زندگی وقف کئے ہوئے تھیں۔ خاص کر شیواجی کے مندروں میں یہ رسم عام تھی اور راجے ان مندروں سے خاص آمدنی حاصل کرتے تھے۔"٢٩٥

"آج بھی ان کے قدیم مندروں کو دیکھا جائے تو ان مندروں کے باہر اور اندر عورتوں کی برہنہ تصویریں اور برہنہ مجسمے جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ مہادیو کے عضو تناسل کی پوجا ان کے ہاں عام ہوتی ہے جس میں مرد و زن پیر و جواں سب شریک ہوتے ہیں اور اس کی شبیہ بنا کر اپنے گلے میں آویزاں رکھتے ہیں۔

سوامی دیانند سرسوتی "ستیارتھ پرکاش" میں رقمطراز ہیں:

حقیقت میں ہندوؤں کی خرابی کے آثار مہابھارت کی جنگ سے ایک ہزار سال پیشتر ہی رونما ہو چکے تھے۔ مہابھارت کی جنگ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جواء دھڑلے سے کھیلا جاتا تھا۔ جس میں بیویاں اور سلطنتیں تک داؤ پر لگادی جاتی تھیں۔ اچھی خاص عالی خاندان کی عورتیں بیک وقت پانچ پانچ خاوند کر لیتی تھیں۔"٢٩٦

سوامی دیانند کے حوالے سے "مسلم ثقافت" میں وضاحت کی گئی ہے:

"اب ان خود غرض مذہبی پیشواؤں نے ایسے باطل مذہبوں کی تلقین شروع کی۔ جس سے کوئی بد اخلاقی گناہ نہ رہی۔ زناکاری کی نہ صرف عام اجازت دے دی گئی تھی۔ بلکہ ایک خاص موقع "بھیرویں چکر" پر شراب خوری اور زناکاری مذہبا فرض قرار دے دی گئی۔

اس موقع پر مرد و عورت سب ایک جگہ جمع ہوتے۔ مرد ایک ایک عورت کو مادر زاد برہنہ کر کے پوجا کرتے اور عورتیں کسی مرد کو ننگا کر کے پوجتیں۔ اس موقع پر شراب پی جاتی اور بدمست ہو کر کوئی کسی کی عورت کو، کوئی اپنی یا کسی دوسرے کی لڑکی کو، کوئی کسی اور کی یا اپنی ماں بہن بہو وغیرہ کو جو وہاں موجود ہوتی پکڑ لیتا اور جس کے ساتھ چاہتا بد فعلی کر سکتا تھا۔

اس مذہبی تقریب کے علاوہ عام طور پر زناکاری کے لئے ایک خاص فقرہ مقرر کیا گیا تھا جس کو پڑھ کر ہر مرد عورت "سماگم" (ہم بستری) کرتے تھے اور ایسی بدکاری میں کسی رشتہ کے لحاظ کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔"٢٩٧

ہندوازم کی مذہبی کتابیں

ہندو مذہب کی مشہور چار کتابیں جن کو وید کیا جاتا ہے۔ "ویدوں کی صحیح تاریخ کا تعین مشکل ہے۔ البتہ یہ پتہ چلتا ہے کہ ٩٠٠ سال قبل مسیح تک یہ مکمل ہو گئے تھے۔ تخلیق کائنات کے بارے میں کسی حتمی نظریہ کا ذکر نہیں حتی کہ ان خداؤں کو بھی تخلیق کائنات کا علم نہ تھا۔ رگ وید کے آخری منتر میں ہے کہ سب سے قدیم آدمی کو دیوتاؤں نے بطور قربانی ذبح کیا اور معجزانہ طور پر اس نے اپنے مقطوعہ اجزاء سے کائنات کی مختلف چیزوں کو پیدا کیا۔ اس سے یہ چار ذاتیں پیدا ہوئیں۔٢٩٨

قربانی پہلے بھی ان کی پوجا کا اہم عنصر تھی لیکن اب اس کی اہمت سو گنا بڑھ گئی۔ ساماوید' یجروید' اتھروید' رگ وید کے بعض منظوم اور بعض نثری حصوں کو الگ کر دیا گیا۔ انہیں قربانی کے وقت پڑھا جاتا۔ اتھروید میں وہ عملیات درج تھے جن سے بیماروں کو صحت' رقیب بیویوں سے نجات' جنگ میں فتح اور مقدمات میں کامیابی حاصل ہوتی۔

دیوتاؤں کی خوشنودی کا انحصار قربانی پر تھا اور قربانی کی مقبولیت کا انحصار برہموں پر۔ کیونکہ صرف وہی لوگ صحیح طور پر قربانی کی رسم ادا کر سکتے تھے ورنہ اگر وہ خود قربانی دیتے اور اس میں ذرا سی غلطی بھی سرزد ہو جاتی اس قربانی سے قربانی دینے والوں کو الٹا نقصان پہنچتا۔ اس نظریہ کے اجاگر ہونے سے برہموں کو بڑی تقویت پہنچی۔ اسی بناء پر تمام ملکی قوانین سے انہیں مستثنٰی قرار دے دیا گیا اور غیر مشروط اطاعت اور بے پایاں تعظیم کے وہ مستحق بن گئے۔ رگ وید میں پنجابی معاشرہ کی عکاسی ہوتی تھی لیکن جب آریہ مشرقی علاقوں کی طرف بڑھتے چلے گئے تو اس وقت کے تصنیف شدہ یا نازل شدہ ویدوں میں دوآبہ گنگا جمنا کے حالات کی عکاسی ہونے لگی۔ دراوڑوں کے عقیدہ میں سے جس عقیدہ کو آریوں نے اپنایا اور اس کو بڑی اہمیت دی وہ تناسخ کا عقیدہ تھا۔" ۲۹۹ ~

اسلامی تعلیم کے بنیادی مقاصد

ماہرین تعلیم کی نظر میں تعلیم کی غرض وغایت و مقاصد

(۱) ابن خلدون

(۲) امام الغزالیؒ

(۳) ابن رشد

(۴) فارابی

(۵) علامہ محمد اقبال

ابن خلدون کے نزدیک مقاصد تعلیم اور اس کا تنقیدی جائزہ

تعلیم کی اہمیت اور افادیت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ تقریباً تمام مفکرین نے تعلیم کی اہمیت پر زور دیا ہے لیکن ابن خلدون چودھویں صدی کا وہ پہلا مسلم مفکر ہے جس نے تعلیم کا ایک انوکھا انداز اور طریقہ پیش کیا۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ علوم و فنون کی طرف راغب ہو۔ فرد کو نہ صرف تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے بلکہ یہ ایک ایسا حق ہے جس سے اسے روکا نہیں جا سکتا۔ انسان فطری طور پر تعلیم حاصل کرنے کی طرف راغب ہوتا ہے۔ لہٰذا جب حصول تعلیم فطری ہے تو تعلیم کے طریقے بھی فطری تقاضوں پر مبنی ہونے چاہئیں۔ انسان دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور غور و فکر کی مدد سے عمرانی زندگی کی بنیاد ڈالتا ہے۔ مقاصد تعلیم کی بنیاد تین حقائق پر رکھی جاتی ہے۔

(ا) بقائے نسل (ب) عمرانی زندگی (ج) غور و فکر

غور و فکر کی مدد سے بقائے نسل کے انتظامات کرتا ہے۔ تعلیم کا اصل مقصد غور و فکر کے ذریعے حقائق سے روشناس ہونا ہے۔ تعلیم کا اصل مطلب وہ علم حقیقت یا علم معرفت ہے جو انسان کو حقیقت سے روشناس کرتا ہے۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ علم حقیقت یا معرفت ہر شخص حاصل نہیں کر سکتا۔ علم معرفت کو حاصل کرنے کے لئے ایک خاص حس کی ضرورت ہے جس کو عقل یا الہام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حس الہام ہر فرد کو حاصل کیا بلکہ یہ صرف چند افراد کو ملتی ہے اور جو حس الہام کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ پیغمبر کہلاتے ہیں۔ ابن خلدون نے تعلیم کو فرد کی زندگی کیلئے ضروری قرار دیا ہے اور کہتا ہے کہ زندہ رہنے کیلئے فرد کو کسی بھی شے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ مصوری، فن جنگ، موسیقی وغیرہ میں بھی کوئی ایک فن سیکھ کر اپنی زندگی کے لئے نئی نئی راہیں ایجاد کر سکتا ہے۔

ابن خلدون صرف تاریخ اور سماجیات کا موسس ہے۔ ابن خلدون نے جو نظریات پیش کئے ہیں وہ کوئی مغربی مفکر پیش نہیں کر سکا۔

علوم کی اقسام

ابن خلدون نے علوم کو دو شعبوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ عقلی علوم ۲۔ غیر عقلی علوم

۱۔ عقلی علوم

ان علوم سے ایسے علوم کلیہ اور فلسفہ مراد ہیں جن کے بارے میں انسان اپنی فکر سے کام لیتا ہے۔ خود اپنے قوائے عقلیہ سے ان کے موضوعات، مسائل، دلائل اور وجوہ تعلیم کی معلومات اکٹھی کرتا ہے اور انسان خالصتاً اپنی ذہنی طاقتوں سے کام لے کر ان علوم میں مہارت پیدا کرتا ہے۔

۲۔ غیر عقلی علوم

اس سے مراد ایسے علوم ہیں جو کسی وسیلہ سے انسان تک پہنچتے ہیں۔ انسان محض اپنی عقل کی رسائی سے ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ ان کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ جن سے ہماری شرح بنتی ہے اور ہمارا مذہب وجود میں آیا ہے۔ ۳۰۰ص۔ ۳۰۱ص

ابن خلدون کے خیال کے مطابق ہر قوم کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں قسم کے علوم میں دسترس بہم پہنچائے۔ اس لئے کہ قوموں کی نشو و نما اور ارتقاء میں ہر دو علوم اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

حصول علم انسان کی فطری ضرورت ہے

ابن خلدون نے نہایت واضح اور جامع الفاظ میں کہا ہے کہ علوم و فنون کی تحصیل انسان کا فطری تقاضا ہے۔ اس سے

بڑھ کر تعلیم کی افادیت اور کیا بیان ہو سکتی ہے کہ یہ عمل کسی غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ فطرت انسانی کا سرچشمہ ہے۔ فضیلت علم کے بارے میں ہر دور میں کچھ نہ کچھ کہا جاتا رہا ہے۔ لیکن تحصیل علم کو بشری تقاضا قرار دینا اور پھر اسے فلسفیانہ دلائل سے ثابت کرنا ابن خلدون ہی کا حصہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کی طرف فرد فطری طور پر راغب ہوتا ہے۔ غرضیکہ تعلیم حاصل کرنا انسان کی فطری ضرورت ہے۔ اس نظریئے کے تحت ابن خلدون نے تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کی ہے۔۳۰۲

نصاب کا تنقیدی جائزہ

ابن خلدون کے زمانے میں بھی تعلیم میں بہت سے نقائص آچکے تھے اور وہ نصاب سے مطمئن نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے ساری توجہ نصاب تعلیم اور طریقہ ہائے تعلیم کی طرف رکھی۔ ابن خلدون اپنے زمانے کے مفکر قاضی ابو بکر سے بہت متاثر نظر آتے ہیں اور ان کے اصولوں کی تعریف کرتے ہیں۔ قاضی ابو بکر نے اس دور کے عام تعلیمی طریق پر اعتراض کیا ہے کہ بچوں کی تعلیم کا آغاز قرآن پاک سے شروع کرایا جائے ان کی رائے میں قرآن پاک کی تعلیم' زبان فصاحت و بلاغت اور تصانی لحاظ سے ایک بڑی عمر کے طالب علم کے لئے موزوں ہے۔۳۰۳

اس کی بجائے وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ حساب اور مادری زبان سے تعلیم شروع کی جائے اس کی رائے میں حساب پڑھانے کا تعلیمی مقصد بچوں کی قوت فکریہ کو تربیت دینا ہے اور حساب کے ذریعے سے ہم ان کی قوت فکر کو ایسی مثالوں سے تحریک دیتے ہیں جو کہ ٹھوس ہوتی ہیں۔ اس لئے بچے ان مثالوں سے استدلال کے طریقے کو آسانی سے اپنا سکتے ہیں۔ ابن خلدون نے کم و بیش ان ہی اصولوں کو اپنایا ہے۔

ابن خلدون کے نزدیک طریقہ تدریس کا تنقیدی جائزہ

ابن خلدون اپنے دور کے معیار تعلیم سے مطمئن نہ تھا اسے شکایت تھی کہ طلبہ برسوں کے بعد بھی ملکہ و مہارت حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ابن خلدون کے خیال کے مطابق علم میں ملکہ حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ طلبہ کو بحث و مباحثہ کا عادی بنایا جائے اور انہیں ایسے مواقع میسر کیے جائیں کہ وہ علمی مسائل پر تحقیقی گفتگو کر سکیں۔ آج جب مغربی مفکرین بحث و مباحثہ کے طریق کو دوسرے طریقوں پر ترجیح دیتے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابن خلدون نے اسی طریق کار کا پرچار چودھویں صدی میں کیا تھا۔

شاہ ولی اللہ نے تعلیم پر اپنی تالیفات میں ابن خلدون کے ان ہی نظریات کی حمایت کی ہے۔ اس لحاظ سے ہم نصاب کو تین ادوار میں تقسیم کر کے ابن خلدون کے طریقہ ہائے تدریس سے بخوبی واقف ہو سکتے ہیں۔

۱۔ پہلے حصے میں علوم کی رفتہ رفتہ اور تھوڑا تھوڑا ذہن نشین کرایا جائے دوسرے مرحلے میں اس فن کے بارے میں نسبتاً اونچی سطح کے مسائل بیان کئے جائیں۔

۲۔ ابن خلدون کے مطابق ایک وقت میں صرف ایک فن پڑھایا جائے اور ہر فن اور ہر علم میں وہی کتابیں رکھی جائیں جن میں صرف ایک ہی علم اور ایک ہی فن پر بحث کی جائے۔

۳۔ تدریس میں آسان سے مشکل کی طرف اقدام کرنا چاہئے نہ کہ مشکل سے آسان کی طرف۔

۴۔ ابن خلدون تعلیم کے اس اصول کا بھی حامی ہے کہ ہمیں تعلیم کا آغاز گردو پیش کی خبروں کو بطور مثال پیش کرنا چاہئے یعنی معلوم سے نامعلوم کی طرف چلنا چاہئے۔ جب تک ہم اس اصول کو مد نظر نہیں رکھیں گے ہم کسی طور پر بھی اپنی تدریس کو موثر نہیں بنا سکتے۔۳۰۴؎

۵۔ مختلف مسائل پڑھاتے وقت بچوں کی علمی استعداد اور آمادگی کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ بچے کا ذہن جس چیز کو سمجھنے سے قاصر ہو اس کی تعلیم سے پرہیز بہتر ہے۔

۶۔ ابن خلدون تعلیم کے میدان میں ایک بہترین معلم مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کی تلقین کی ہے کہ ہمیں تعلیم کا آغاز مادری زبان میں کرنا چاہئے کیونکہ اجنبی زبان میں تعلیم صرف تعلیم کے مترادف ہے۔

۷۔ ابن خلدون حساب کی تدریس پر زور دیتے ہیں کہ یہ مضمون بچوں میں صحیح اور جامع قسم کا طرز فکر پیدا کرتا ہے اور بچوں کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ خود کسی مسئلے کے بارے میں سوچ سکیں۔ لہٰذا حساب کی تدریس ابن خلدون کے خیال میں ہر لحاظ سے ارفع واعلیٰ ہے۔

۸۔ قرآن پاک تیسری منزل پر بچوں کو پڑھانا چاہئے اس لئے کہ ابتداء میں بچوں کے ذہن اسقدر بالغ نظر نہیں ہوتے کہ وہ قرآن پاک کی ان آیات کا درست مفہوم سمجھ سکیں۔ ہمیں اس کی ابتداء تیسری سطح پر کرنی چاہئے تاکہ وہ اس کی صحیح روح کو سمجھ سکیں۔

۹۔ اصول دین اور اصول فقہ کے بعد ابن خلدون حدیث کی تعلیم کا حامی ہے یہ علوم قرآن پاک کی تعلیم کے بعد پڑھائے جائیں۔

۱۰۔ اصول دین اور اصول فقہ کے بعد ابن خلدون حدیث کی تعلیم کا حامی ہے۔ اس لئے کہ بچوں میں ابتداء ہی سے ایمان کی پختگی پیدا ہو جائے اور وہ بڑے ہو کر بہترین افراد ثابت ہوں۔۳۰۵؎

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک مقاصد تعلیم اور اس کا تنقیدی جائزہ

امام غزالی حجۃ الاسلام نے اپنی بہت سی کتابوں میں علم کی بحث چھیڑی ہے۔ لیکن احیاء علوم الدین میں خصوصی تفصیل دی ہے اور دراصل اسے علم کے بارے میں ان جملہ مباحث کی عمومی تنقید کا درجہ حاصل ہے۔ جو امام صاحب کے زمانے تک بڑی بحث وجدال کا موضوع بنے رہے۔ احیاء کی پہلی کتاب علم ہی سے متعلق ہے جسے کتاب العلم کہا گیا ہے۔ اس کے سات ابواب ہیں:

پہلے باب میں علم، تعلیم اور تعلم کی فضیلت کے بارے میں آیات واحادیث ہیں۔۳۰۶؎

دوسرے باب میں علم کی فرضیت کی بحث ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ کون سا علم فرض عین ہے اور کونسا علم فرض کفایہ، کونسا محمود، کونسا مذموم اور کونسا مباح؟ اس کے بعد یہ بحث کی ہے کہ علم فقہ اور علم دنیا وغیرہ کی حد کیا ہے؟ ۳۰۷؎

چوتھے باب میں مناظرہ اور جدل و خلافیات کی آفات کا تذکرہ ہے۔ ۳۰۸؎

پانچویں میں آداب المعلم والمتعلم بیان ہوئے ہیں۔

چھٹے میں آفات العلم والعلماء اور علمائے حق اور علمائے دنیا میں فرق بتایا ہے۔ ۳۰۹؎

ساتویں میں عقل کی اہمیت اور فضیلت بیان ہوئی ہے۔

غزالی کی نظر میں علم کا مقصد انسان کیلئے سعادت ابدیہ کا حصول ہے۔

اور علم اعظم الاشیاء ہے اور اعظم الاشیاء وہ شے ہے جو اس سعادت تک پہنچائے۔ اس عمل تک پہنچنا بھی علم کے بغیر ممکن نہیں، جو سعادت ابدی تک پہنچاتا ہے۔

امام صاحب نے علم کی دو قسمیں قرار دی ہیں:

۱۔ علوم شرعیہ

۲۔ علوم غیر شرعیہ

علم معاملہ اور علم معاشفہ اور صناعتی فنون کو بھی علوم ہی میں شامل کیا ہے۔ یہ بتایا ہے کہ کسی علم کا شرف کن باتوں پر منحصر ہے۔ چنانچہ ذریعہ حصول کا شرف عموم نفع، جنس استعمال اور شرف المعل میں سے کوئی بات بھی ہو گی تو اس بات کا شرف ثابت ہو گا۔

علم کے سلسلے میں محمود، مذموم اور مباح کی بحث کرتے ہوئے علم محمود اس علم کو کہا ہے جو مصالح امور الدنیا کے مطابق ہو اور مذموم علم وہ ہے جو ضعف یقین کا باعث ہو اور توہمات پیدا کر کے قوت حیات یا ذوق حیات کے اضمحلال کا ذریعہ بنے۔ ۳۱۰؎

امام صاحب کے نزدیک علم معاملہ سے مراد وہ علم ہے۔ جو قلب کی اصلاح کیلئے ہوتا ہے۔ علم مکاشفہ وہ علم ہے جس کا منبع الہام و وحی ہے۔

پس جس طرح پھل، شجر اور نور آفتاب سے اور بصارت آنکھ سے وابستہ ہے۔ اسی طرح علم عقل سے وابستہ ہے۔" ۳۱۱؎

آیت قرآن ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ"۔ ۳۱۲؎

امام صاحب اس کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے نور کو علم کا استعارہ قرار دیا ہے۔ اس طرح اور آیات بھی لکھی ہیں اور ان کا سلسلہ عقل سے جوڑا ہے۔

امام غزالی کا مجموعی علمی تصور یہ ہے کہ علم اللہ کا نور ہے جس کی ایک تجلی عقل ہے۔ عقل سے وہ جملہ علوم متعلق ہیں جو مصالح امور الدنیا سے بحث کرتے ہیں۔ لیکن علم کی ایک برتر نوع سے بھی جس کا منبع وحی والہام ہے اور جو براہ راست فیضان الٰہی سے وابستہ ہے۔ یہی علم یقینی اور قطعی ہے۔ ۳۱۳

امام غزالی کے مطابق:

نور علم ہے اور جہالت تاریکی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ ۳۱۴

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے اور وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے۔

مزید ارشاد خداوندی ہے:

اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَه' نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِیْ النَّاسِ۔ ۳۱۵

ترجمہ:۔ بھلا ایک شخص جو مردہ تھا پس ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کو نور (علم) عطا کیا۔ وہ لوگوں میں اس (نور) کے ساتھ چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے علم کو نور قرار دیا ہے۔ یعنی ''**العلم نور**'' یہی نور ہدایت کا مبداء اور منبع ہے اور یہی نور عقل کو جلاء بخشتا ہے۔ جو انسان کو اخروی کامیابی کی طرف لے جاتا ہے اور ظلمت اس اندھیرے کا نام ہے جو انسان کو کفر و شرک اور منکرات و جہالت کی طرف لے جاتا ہے۔ ۳۱۶

صاحب عقل لوگوں ہی سے اعمال حسنہ سرزد ہوں گے

قیامت کے دن لوگ اپنی نیتوں اور عقل کے بموجب مراتب پائیں گے جو شخص خدا تعالیٰ کی طاقت زیادہ کرتا ہے وہی عقل میں بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس طرح صاحب عقل لوگوں ہی سے اعمال حسنہ سرزد ہوں گے۔ جتنی کسی کو عقل ودیعت کی ہوگی اسی کے مطابق وہ نیکی کرے گا اور اس کو اس کی اتنی ہی جزا ملے گی۔ ۳۱۷

''ہر ایک قوم کی ایک غایت ہے اور بندوں کی غایت عقل ہے۔ ہر ایک قوم کا ایک نگہبان ہے۔ عابدین کا نگہبان عقل ہے اور ہر سوداگر کی ایک بضاعت ہوتی ہے اور اجتہاد کرنے والوں کی بضاعت عقل ہے اور ہر اہل بیت کے لئے ایک منتظم ہے اور صدیقین کے گھر کا منتظم عقل ہے۔'' ۳۱۸

''انسان علوم نظری کے ادراک کرنے میں ایک قوت رکھتا ہے جس کو عقل کہتے ہیں اور عقل مثل آئینہ ہے جو دوسری چیزوں سے اس کو ممتاز کرتی ہے۔'' ۳۱۹

امام غزالی کا اصول تعلیم و طریقہ تدریس

تعلیم و تدریس کے سلسلے میں امام غزالی نے طلبہ کے فطری جذبہ تجسس اور ان کی ذہنی استعداد اور دلچسپی کو بڑی اہمیت دی ہے امام غزالی کا سرچشمہ فکر کتاب و سنت پر مشتمل ہے۔ لہٰذا انہوں نے تعلیم و تدریس کے سلسلے میں اختلاف طبع کو ملحوظ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے اور تلقین کی ہے کہ تربیت دہندہ کا فرض ہے کہ وہ زیر تربیت لڑکوں میں سے ہر ایک کے حال اور عمر و مزاج کے مطابق ان کے لئے راستہ تجویز کرے اور ان کے لئے وہی ریاضت تجویز کرے جس کے وہ متحمل ہو سکیں۔

امام غزالی کی رائے ہے کہ طلبہ کی ابتدائے سن تمیز میں ہی بنیادی عقائد یاد کرائے جائیں۔ پھر رفتہ رفتہ ان کے معانی بیان کئے جائیں اور ان میں یقین و تصدیق کو پختہ کیا جائے۔ غزالی نے تدریس کے سلسلہ میں جو اصول بیان کئے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ طلبہ کی ذہنی استعداد کا خیال رکھا جائے۔
۲۔ سبق آسان اور دلچسپ بنایا جائے۔
۳۔ آسان سے مشکل کی طرف بتدریج کا خیال رکھا جائے۔
۴۔ سابقہ معلومات کی مدد سے سبق کو ذہن نشین کیا جائے۔
۵۔ اساتذہ سبق یاد کر کے آئیں۔
۶۔ اساتذہ کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہونا چاہئے۔
۷۔ طالبعلم کی صلاحیتوں کا ٹھیک اندازہ ہونا چاہئے اور وہی معلومات انکو دینی چاہئے جو انکی ذہنی سطح کے مطابق ہوں۔
۸۔ معلم کو تعلیم و تدریس پر کوئی اجر یا صلہ طلب نہیں کرنا چاہئے اور اس معاملہ میں رسول پاک ﷺ کی پیروی کرنی چاہئے کہ انہوں نے محض اللہ کے لئے اور اس کے قرب کی خاطر دین کی تعلیم دی۔
۹۔ بچوں سے شفقت کی جائے کیونکہ جبر و تشدد نہ صرف تعلیم کے منافی ہے بلکہ بچے کے ذہن اور اخلاق پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔۳۲۰

امام غزالی اور تعلیم نسواں

امام غزالی کے نظام تعلیم میں تعلیم نسواں صرف ابتدائی تعلیم تک محدود ہے۔ امام غزالی عورتوں کیلئے اعلیٰ تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتے۔ لیکن ابتدائی تعلیم کی پرزور تاکید کرتے ہیں اور مجوزہ تعلیم میں بچوں کی تعلیم و تربیت اور امور خانہ داری اور جسمانی تعلیم کو شامل نصاب کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں امام غزالی نے قرآن و حدیث کے علاوہ ارکان اسلام کی تعلیم، بزرگان دین کی کہانیوں اور عملی تربیت کو بھی ابتدائی تعلیم کے نصاب میں شامل کرنے کی تاکید کی

ہے۔

نصاب تعلیم پر تنقیدی جائزہ

اس سلسلے میں امام غزالی نے طلبہ کی ذہنی استعداد اور ان کی ضروریات کو پیش نظر رکھا اور بنیادی عقائد کو اولین حیثیت دی ہے۔ پیشہ ورانہ تعلیم کو امام موصوف نے جماعت معلمین کی نسبت سے تو کفائی علوم میں شمار کیا ہے۔ لیکن پیشہ ور افراد کے لئے ان کے متعلقہ پیشے کے علم کا حصول فرض عین قرار دیا ہے۔

امام غزالی نے دینی اور دنیوی علوم میں واضح امتیاز کر کے ان میں امتزاج پیدا کیا۔ غیر ضروری مباحث اور علوم کو نصاب سے خارج اور علم الاخلاق، طب، صنعتی علوم، منطق، فلسفہ اور کلام کو شامل کیا۔ علم الفلسفہ، علم التجارت، علم الاحتساب اور علم التشریح کے متعلق خصوصی آراء کا اظہار کیا ہے۔ علم الفلسفہ کو چھ علوم میں تقسیم کیا ہے۔ ریاضیات، منطق، طبیعات، الٰہیات، سیاسیات اور اخلاقیات۔ ان میں سے ہر ایک کے محاسن اور نتائج کا جائزہ لیا ہے، ریاضی، منطق اور طبیعات کا امور دینیہ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ ان پر حد سے زیادہ اعتماد کو چند آفات کا باعث قرار دیا ہے۔ طبیعات اور الٰہیات کے بعض نظریات کو امام غزالی نے ہدف تنقید بنایا ہے۔ سیاسیات اور اخلاقیات کی انہوں نے فی الجملہ تحسین کی ہے۔

امام مصوف نے علم الاحتساب کو ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور محتسب کے لئے زہد و پرہیزگاری اور خوش طبعی کے اصولوں کی تعلیم ضروری قرار دی ہے۔۳۲۱

علم التشریح جسم انسانی کی ساخت و ترکیب اور اعضائے بدن انسانی کے افعال و فوائد کا علم ہے اور امام موصوف کے نزدیک چونکہ "انسان کی آفرینش کا مطالعہ کرنا معرفت خدا کی سیڑھی ہے" لہٰذا وہ اس کی تحصیل کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں، امام غزالی نے نصاب میں درپیش آنے والی خرابیوں کی اصلاح کیلئے حسب ذیل اقدامات کئے:

۱۔ مذہبی اور غیر مذہبی علوم کی تقسیم کی۔ بعض علوم جو غلطی سے مغربی سمجھے جاتے تھے ان کی تردید کی۔
۲۔ علم فقہ کو جو اس زمانے میں معاش کا ذریعہ بن گیا، دنیوی علوم میں شمار کیا۔
۳۔ علوم شرعیہ کے غلط استعمال سے روکا۔
۴۔ فقہی اور کلامی اختلافات اور مناظروں سے روکا اور صحیح علم کلام حاصل کرنے کی تلقین کی۔
۵۔ علوم شرعیہ کیلئے جن کا حاصل کرنا مسلمانوں کیلئے ضروری ہے ایک مختصر نصاب تعلیم تیار کیا۔
۶۔ نصاب تعلیم میں فقہ و کلام کیساتھ ساتھ منطق اور فلسفہ کو بھی داخل کیا۔۳۲۱

فلسفہ تعلیم میں ابن رشد کا تنقیدی جائزہ

ابن رشد وہ مسلمان فلسفی گزرا ہے جس نے فلسفے کو مذہب سے مربوط کرنے کے لئے تاریخ میں پہلی دفعہ کوشش

کی۔اس ضمن مین اس نے یہ سوال خود ہی اٹھایا کہ کیا فلسفہ شریعت کی رو سے جائز ہے یا نا جائز۔اپنے اس سوال کا وہ خود ہی جواب دیتے ہیں ہوئے کہتا ہے کہ فلسفہ فرض عین کی حیثیت رکھتا ہے۔بنیادی طور پر فلسفہ کائنات اور موجودات پر اس مقصد کے تحت منطقی انداز میں غور و فکر کرتا ہے کہ ہمیں خالق کائنات کے بارے میں صحیح علم حاصل ہو سکے اور بلا شبہ اس قسم کے غور و فکر کے لئے قرآن کریم نے بارہا دعوت دی کہ ان موجودات میں اللہ کی نشانیاں اتم موجود ہیں۔مزید بر اں ابن رشد مذہبی مقاصد کو فلسفیانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مذہب کا مدعا حقیقت کا وقوف اور علم حق کا اکتساب اور آخرت میں جزا و سزا کی حالتوں کا علم ہے اور علم بنیادی طور پر تین طریقوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔اول الذکر عقل اور منطق کے ذریعے' اعتقاد کے ذریعے اور تمثیل کے ذریعے۔حقیقت میں تعلیم و تدریس کے یہ تینوں طریقے قرآن نے استعمال کئے ہیں۔ان کے پیش نظر' ابن رشد انسانوں کو بھی تین گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔

اول وہ گروہ جو حقائق کے تعین کے لئے منطقی استدلال کا سہارا لیتے ہیں وہ فلاسفرز ہیں۔

دوئم گروہ وہ لوگ ہیں جو استدلال کرتے ہیں یعنی فقیہ۔

جب کہ تیسرا گروہ عام عوام کا ہے جنہیں حقیقت تک پہنچنے کیلئے محض تمثیلات کافی ہوتی ہیں۔

ابن رشد افلاطون کی طرح فلاسفرز کو اعلیٰ مقام پر فائز کرتا ہے۔اس لئے اسلامی فکر میں ابن رشد کو فلسفے کو مذہب پر فوقیت دینے کی پاداش میں کوئی اعلیٰ مقام حاصل نہ ہو سکا۔ابن رشد کی فکر کو بالخصوص امام غزالی نے تنقید کا نشانہ بنایا اور اسے افلاطون کا پیروکار قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کیلئے اس کی کتابوں کو پڑھنا گناہ عظیم قرار دیا۔

حقیقت میں دیکھا جائے تو ابن رشد کا نقطہ نظر کندی کے بالکل برعکس ہے۔کندی کی فکر کا خلاصہ یہی ہے کہ الہامی فرمان اور عقل کے مقتضیات میں تناقض نظر آئے تو مقدم الذکر کی یوں تاویل کرنی چاہیئے کہ عقل کے مطابق ہو سکے۔چنانچہ قرآن پاک کی تفسیر و تاویل کرنے کا حق صرف ایک فلسفی کو حاصل ہے۔اس لئے یہ حق صرف اس تک محدود رہنا چاہیے۔۳۲۲

ابن رشد نے غزالی کی تہافۃ الفلاسفہ کے جواب میں تہافۃ التہافۃ لکھ کر ارسطو کی منطق اور استدلال عقلی کے حق میں بڑے جوش و خروش کا اظہار کیا۔اس میں شبہ نہیں کہ بقول شبلی امام غزالی نے بعض موقعوں پر کچھ زبردستی کی ہے اور جو دلائل دیئے ان سے اطمینان نہیں ہوتا۔لیکن یہ بھی غلط نہیں کہ غزالی کے جامع تصور کے مقابلے میں ابن رشد واقع بجھا بجھا سا معلوم ہوتا ہے۔امام غزالی نے عقل کی اہمیت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ وجدان پر جس طرح زور دیا اس سے ہر کوئی متاثر ہوا۔بایں ہمہ ابن رشد ایک دوسرے لحاظ سے فکر انسانی کے لئے بڑا رہنما ثابت ہوا۔ اس کی فکریات نے یورپ کے افکار پر غیر معمولی اثر ڈالا اور ایک مسلمان حکیم کی منطق پسندی نے ایک دوسری اقلیم میں ایک نئی نوع کی علمی تحریک کی بنیاد رکھی۔۳۲۳

ابن رشد کے نزدیک حیوانات کیلئے ادراک کے دو ذرائع ہیں:

ا۔ حاسہ ۲۔ متخیلہ

جب کہ انسان تین ذرائع سے علم حاصل کرتا ہے۔

ا۔ حاسہ ۲۔ متخیلہ ۳۔ عقل

لہٰذا علم یا تو حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے یا عقل کے ذریعے اور اس سے یا تو جزئیات کا علم حاصل ہوتا ہے یا کلیات کا، حقیقی علم کلیات کا ہوتا ہے ورنہ جزئیات کی حد تک تو حیوانوں کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ علم (حسی ادراک) رکھتے ہیں۔ علم کی اصطلاح کا اطلاق مبہم طور ہر حیوانات' انسان اور خدا سب پر ہوتا ہے۔ (لیکن تینوں میں ہر ایک کے علم کی نوعیت جدا جدا ہے) ۳۲۴۔

حیوانی علم حسی علم تک محدود ہوتا ہے جبکہ انسانی علم احساس' تخیل اور عقل تینوں سے متعلق ہے۔ حیوانوں میں جو شعور ہے وہ حفظ ذات کیلئے ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنی سلامتی اور اپنا رزق حاصل کرنے کی خاطر وہ محسوسات سے وابستہ رہتے ہیں۔ ان کے برعکس انسان چونکہ اس سے ارفع ملکات یعنی تخیل اور عقل رکھتا ہے لہٰذا وہ تخیل اور استدلال کے ذریعے بھی تمثلات حاصل کرتا ہے۔ حیوانوں میں تمثلات اکتسابی نہیں ہوتے بلحہ ان میں فطری طور سے موجود ہوتے ہیں۔'' ۳۲۵۔

ابن رشد کا موقف یہ ہے کہ علم انسانی کو علم الٰہی سے خلط ملط نہیں کرنا چاہئے کیونکہ علم الٰہی محیط ہے اور کسی وسیلے کا محتاج نہیں۔ اس کے برعکس ''انسان جز کا ادراک حواس کے ذریعے اور کلی موجودات کا ادراک اپنی عقل کے ذریعے کرتا ہے۔ انسان کے ادراک کی علت اشیائے مدرکہ کے تبدیل ہوجانے سے بدل جاتی ہے اور ادراکات کی کثرت کا مطلب اشیاء کی کثرت ہے۔'' ۳۲۶۔

یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم انسانی علم کے مشابہ ہو کیونکہ ''ہمارا علم موجودات کا معلول ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم ان کی علت ہے۔'' ۳۲۷۔

یہ دو قسم کے علم ایک دوسرے کے کسی طرح بھی مماثل نہیں۔ بلحہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ علم الٰہی قدیم و ابدی ہے۔ جبکہ علم انسانی عارضی و فانی ہے۔

''یہ علم الٰہی ہے جس نے موجودات کو پیدا کیا' موجودات سے اللہ تعالیٰ کا علم پیدا نہیں ہوا۔'' ۳۲۸۔

علم جزئی بھی ہوتا ہے اور کلی بھی۔ پہلا علم حاسہ اور متخیلہ کی پیداوار ہوتا ہے اور دوسرا علم سے حاصل ہوتا ہے۔ عقل کا کام کسی تصور' کلیئے اور جوہر کا ادراک کرنا ہے۔

عقل کے تین بنیادی اعمال ہیں:

(۱) تجرید

(۲) ترکیب

(۳) تصدیق

جب ہم کسی تصور کلی کا ادراک کرتے ہیں تو ہم مادے سے اس کی تجرید کرتے ہیں۔ یہ بات اس چیز میں واضح تر ہوتی ہے جو مادے سے مبرا اور اس سے بہت دور ہوتی ہے۔ جیسا کہ نقطہ اور خط۔"۳۲۹

عقل نہ صرف مفرد اور اور اکات کی مادے سے تجرد کرتی ہے بلکہ ان کی باہم تالیفات اور تصدیق بھی کرتی ہے۔ لہٰذا ہمارے علی الترتیب تین اعمال ہوئے:

اولاً: ہماری عقل میں مفرد تصورات (Notions) آتے ہیں جو مادے سے کلیۃً منزہ اور مبرا ہوتے ہیں اور اس عمل کو تجرید (Obstraction) کہتے ہیں۔

ثانیاً: دو یا تین تصورات کو باہم ترکیب دینے سے ہمیں ایک معنی (Concept) حاصل ہوتا ہے۔

ثالثاً: اس لئے کہ معانی سچے ہوتے ہیں نہ جھوٹے، لیکن جب کسی قضیے میں ان کا اثبات کیا جائے یا نفی کی جائے تو اس سے تصدیق حاصل ہوتی ہے۔"۳۳۰

بہر حال یہ واضح ہے کہ الغزالی" وغیرہ سے ابن رشد کے دوسرے اختلافات کے علاوہ ایک اہم امر متنازع فیہ یہ تھا کہ امام غزالی کے برعکس اس نے یہ ثابت کیا کہ نظری علوم ادراک حقائق کیلئے کافی ہیں اور علوم کشفیہ کی ضرورت نہیں۔"۳۳۱

یورپ میں بڑے زمانے تک ابن رشد کی حکمت کی تدریس اور پیروی ہوتی رہی۔ لیکن (مسلمانوں اور عیسائیوں میں) ان کے مخالفین بھی بہت پیدا ہوئے۔ لیکن Bacon نے ابن رشد کی حمیات کو ارسطاطالیسی معقولات سے ہٹا کر مشاہدہ (Observation) اور تجربے (Experiment) کی طرف متوجہ کیا اور اسی سے نئی حکمت سائنس (Science) نمودار ہوئی۔

فارابی کا علمی فلسفیانہ جائزہ

فارابی جو اسلامی فلسفے کا سب سے پہلا فلسفی ہے۔ نہ صرف مغرب کی علمی دنیا میں بلکہ مشرق میں بھی وہ شہرت نہیں ملی جو اس کے معنوی شاگرد ابن سینا اور ابن رشد کو حاصل ہے۔ علمی تفکر کا سلسلہ الکندی نے شروع کیا تو حقیقی علم کی بنیاد اس ترکی الاصل نابغہ نے ڈالی تھی اور اسلامی مکتب فلسفہ کی اساس رکھنے کا شرف بھی اسی کو حاصل ہوا اور اسکے بعد مابعد الطبیعات پر غور و فکر کرتا ہے۔ فارابی نے ارسطو کی تصانیف کے عربی ترجموں کی جسطرح شرح کی ہے اسکی بدولت فلسفہ طبعی کی بجائے فلسفہ ذہنی کا آغاز ہوا۔ اسے علم طب سے بھی شغف تھا مگر اس حد تک نہیں کہ جتنا ابن سینا اور ابن رشد کو تھا۔

فارابی کو مابعد الطبیعات اور عقلی افکار سے دلچسپی تھی

وہ عربی زبان میں مشرقی مکتب فلسفہ کا بانی اور اسلامی فلسفے کا موجد شمار ہوتا ہے۔ اس نے ایسا ہم آہنگ اور مربوط نظام فلسفہ پیش کیا کہ اس کے مقابلے میں کوئی اور نظام فلسفہ آسانی سے نہیں مل سکتا۔ یہ ہم آہنگی اور ارتباط کا دلدادہ ہونے

ہی کا نتیجہ ہے کہ فارابی نے افلاطون اور ارسطو کا عمیق مطالعہ کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ قدیم یونان کے ان دو فلسفیوں نے دو علیحدہ علیحدہ فلسفیانہ مسلک قائم کئے تھے بلکہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نتیجے کے اعتبار سے وہ ایک ہی فلسفیانہ عقیدے کا التزام کرتے تھے۔

چونکہ فارابی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ دونوں فلسفے ایک ہی ہیں اس لئے مستشرقین نے (Syncretist) کا خطاب دیا ہے جو حق جانب ہے۔ چونکہ فارابی اور دیگر مسلمان فلسفیوں کے نزدیک یہ رابطہ بہت صحیح اور مناسب ہے اس لئے وہ دوسرے مسلمان مفکرین کی طرح اپنی معلومات کو یکجا کر کے ایک دوسرے سے مطابقت دینا اور ان میں ایک ہی ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فارابی کو بھی مختلف نقطہ ہائے نظر یکجا کر کے ایک "کل" پیدا کرنے سے بے حد ذوق وانہماک ہے اور اس ترکیبی ذہنیت کا فکر اس کے تمام اصول اور اسلوب میں بہت نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ مختلف نقطہ ہائے نظر کو ایک جگہ جمع کر کے ایک "کل" پیدا کرنے میں فارابی کے احساس تاریخی نے بھی اسے بہت مدد دی ہے۔ ہمیں خوبی علم ہے کہ فارابی نے اپنے سے پہلے یونانی فلسفیوں بالخصوص افلاطون اور ارسطو کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا تھا اور ترتیب اور تجزیے باہمی آمیزش سے وہ فلسفی مسلک پیدا کیا تھا جسے فارابی کا نظریہ اتحاد عقائد گونا گوں (Synceretism) کہا جاتا ہے۔

فارابی تزکیہ نفس کو تمام فلسفے کی اصل شرط اور ماحاصل سمجھتا ہے۔

ارسطو کے نظریے کے برعکس حقیقت کو عشق کے ذریعے تلاش کرنے کا قائل ہے اس طرح فارابی طبعی اور معنوی علوم کی چھان بین کرتے وقت یہ چاہتا ہے کہ جو بھی حکم لگائے جائیں ان تک سند سے اور منطق کی راہ سے پہنچا جائے۔ مابعد الطبیعات اور طبیعات کا گہرا مطالعہ بھی اسی اصول کے تحت کیا ہے۔ خدا کو سب موجودات کا علم ہے اس لئے اگر ہم اس تک پہنچ سکیں تو ہم ایک حد تک خدا سے مشابہ ہو جائیں گے یہ فلسفہ ہی ہے جو ہر چیز پر حاوی ہے اور جو ہمیں اس عالم کو ایک "کل" اور ایک منظم کائنات کی مانند دکھا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فارابی سب سے پہلے منطق کی اساس پر اپنے فکر کو مستحکم کرنے کے بعد اس راستے کو اختیار کرتا ہے۔ جس سے تمام موجودات کی "علت اولیٰ" کے بارے میں تحقیق کی جا سکتی ہے۔ وہ علم منطق کو دو بڑی اقسام (۱) تصورات (۲) تصدیقات میں تقسیم کرنے کے بعد بتاتا ہے کہ تصورات صدق اور کذب دونوں پر محمول ہو سکتے ہیں۔

فارابی کسی شے معلوم سے شروع کر کے کسی نا معلوم شے کے علم تک پہنچنے کے اصول یعنی "برہان" کو تسلیم کرتا ہے چونکہ وہی اصل منطق ہے۔

فارابی کا نظریہ نبوت

فارابی کا نظریہ نبوت یہ ہے کہ جس طرح علم منطق، علم کے اصولوں کی تدقیق اور تحقیق کرتا ہے اسی طرح علم

اخلاق افعال و حرکات کے بنیادی قاعدوں کی چھان بین کرتا ہے۔ ہر حالت میں عقل اور تجربے کو علم اخلاق میں منطق سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ فارابی اس عقیدے میں متکلمین سے اختلاف رکھتا ہے۔ عقل کے ذریعے علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن صرف حال و حرکت کے قواعد کو (اخلاق) عقل کے ذریعے معین کرنا ممکن نہیں اور صاف طور پر یہ مانتا ہے کہ بسااوقات عقل کسی چیز کے اچھا یا برا ہونے کا حکم لگا سکتی ہے۔ اسی طرح یہ دیکھتے ہوئے کہ علم سب سے بڑی فضیلت ہے وہ لکھتا ہے کہ عقل عالم بالا سے ہم تک آتی ہے اور ہمیں علوم سکھاتی ہے۔ وہ ہمیں ہمارے حال و حرکت کے متعلق قاعدے کیوں نہیں بتائے گی۔

روح اپنی طبیعت اور ماہیت کے تقاضے سے آرزو رکھتی ہے روح اپنی قوت ادراک کی وجہ سے اپنے ارادے کی بھی مالک ہے پاکیزہ فکر صرف آزادی کی فضا ہی میں پایا جاسکتا ہے۔ اس طرح سے وہ حریت جو غور و خوض کے نتیجے کے طور پر حاصل ہوتی ہے نہ صرف یہ کہ ضروری ہے بلکہ آخر میں محض عقلی ماہیت کی وجہ سے حریت حاصل کرتی ہے۔

مسلمانوں میں سب سے پہلے فارابی ہی نے دین اسلام اور فلسفے کی باہمی مناسبت اور دونوں کے درمیان افتراق و اختلاف سے بحث کی اس کا مسلک زیادہ تر یہ تھا کہ ایک خوش فہم درویش کے انداز پر مذہب اور فلسفے کے باہمی تعلقات کا پتہ لگایا جائے۔

فارابی کی اہم علمی تصانیف

ا۔ احصاء العلوم والتعریف باغراضہا: یہ عربی کا اولین انسائیکلوپیڈیا ہے جو علوم کی تقسیم و تعریف اور ان کے موضوعات پر حاوی ہے۔

۲۔ رسالہ "المجموع" جس میں فارابی کی متعدد مقالات جمع کر دیئے گئے ہیں۔

۳۔ فصوص الحکماء (استنبول ۱۲۹۱ھ)

۴۔ السیاست المدنیہ (لائیڈن ۱۹۰۴ء)

۵۔ کتاب تحصیل السعادت

۶۔ رسالہ فی اثبات المنارقات (حیدر آباد ۱۳۴۵ھ) اس کتاب نے ابن سینا کے فلسفے پر گہرا اثر ڈالا ہے۔

۷۔ التعلیقات (حیدر آباد ۱۳۴۶ھ) معقولات کی شکل میں حواشی۔ یہ زیادہ تر اس کی مختلف تصانیف کے باقی ماندہ اجزاء ہیں۔۳۳۳

علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفہ تعلیم کے عملی اطلاقات

علامہ اقبال کے نزدیک تعلیم سے مراد ایک ایسا مکمل ضابطہ اور لائحہ عمل ہے جو ہر تعلیمی سرگرمی میں فکر و عمل کی راہنمائی کا کام کرتا ہے۔ یعنی مقاصد تعلیم کے تعین سے لے کر نصاب کی تشکیل، طریقہ ہائے تدریس کی موزونیت، استاد

کے طرزِ عمل اور انتظام وانصرام تک جملہ تعلیمی سرگرمیوں سے متعلق راہنما اصول فراہم کرتا ہے۔اس کا فلسفہ تعلیم قرآنی تعلیمات کے تابع رہ کر مختلف تعلیمی سرگرمیوں میں اپنے عملی اطلاق کے ذریعے ایک طرف تو فرد کی انفرادی زندگی میں نہایت ذمہ دارانہ رویہ پیدا کرتا نظر آتا ہے تو دوسری طرف فرد کے ذمہ دارانہ رویہ کے ذریعے اس کی اجتماعی زندگی کی تکمیل چاہتا ہے۔اقبال کا فلسفہ تعلیم ایک نہایت ہی منظم اور کامل فلسفہ تعلیم ہے۔جس کی بنیاد قرآنی تعلیمات پر ہے جس کی فکری پرواز دین کے تابع اور جو معاشرے کی نوخیز نسلوں کو حقیقی تصورِ حیات آگاہ کئے ہوئے اسلامی عقائد اور اقدار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے۔۳۳۴۔

مادیت اور روحانیت کے مابین ربط بحیثیت مقصد تعلیم

اقبال وہ واحد فلسفی ہے جس نے فرد کی فردیت یا خودی کی تکمیل کیلئے روحانیت اور مادیت دونوں کو ضروری خیال کیا ہے۔اس کا فلسفہ خودی جس کا اختتام مردِ مومن کے تخیلاتی کردار کی تکمیل کی صورت میں ہوتا ہے۔اس کی نشوونما اور تعمیر کے لئے مادیت اور روحانیت دونوں بتدریج اور مرحلہ وار اہم کردار ادا کرتے ہیں۔علامہ اقبال روح اور مادہ دونوں کی حقیقت اور اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔

اقبال کے نزدیک روحانیت اور مادیت دونوں فرد کی تکمیل اور مردِ مومن کے کردار کی تعمیر کا باعث ہو سکتے ہیں۔تعلیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعہ فرد کائنات کی مادی اشیاء کے بارے میں علم حاصل کر کے ان کو بروئے کار لا کر اپنی خودی اپنی ذات یا اپنی انانیت کی تکمیل کر سکتا ہے۔دوسری طرف تعلیم ہی کے ذریعے فرد اپنی روحانی قوت میں اضافہ کر سکتا ہے۔اقبال تعلیم کا ایک مقصد مادیت اور روحانیت کے درمیان ربط پیدا کرنا قرار دیتا ہے۔۳۳۵۔

فرد اور معاشرے کے درمیان ہم آہنگی

اقبال تعلیم کے ذریعے فرد اور معاشرے کے درمیان ایک صحت مند ربط کو فروغ دینے کی سعی کرتا ہے۔اس کے خیال میں فرد کے اندر خودی اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک معاشرہ اسے قبول نہ کرلے۔یعنی یہ کہ معاشرے کے اندر رہتے ہوئے ہی اپنی خودی کی تکمیل کر سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اقبال فرد اور معاشرے کے مابین ربط کو تعلیم کا ایک اہم مقصد قرار دیتا ہے۔ ۳۳۶۔

تعلیمی طریقہ ہائے تدریس پر اطلاق

اقبال بنیادی طور پر تعلیم کا بنیادی مقصد خودی کی تکمیل قرار دیتا ہے۔اس لئے اس کے نزدیک خودی اس وقت تک نشوونما نہیں پاسکتی جب تک کہ فرد اپنی پوشیدہ صلاحیتوں اور اپنی شخصیت کو مکمل طور پر نہ سمجھے۔اس لئے وہ اس طریقہ تدریس کی حمایت کرتا ہے جو بچے کی فطری صلاحیتوں کو فروغ دے۔تاہم اقبال دو طریقہ ہائے تدریس کو اپنانے کی تاکید کرتا ہے۔مثلاً مشاہداتی طریقہ اور تجزیاتی طریقہ اور ان دونوں طریقہ ہائے تدریس کو قرآن سے اخذ کیا ہے۔ قرآن میں بار

بار یہ تاکید کی گئی ہے کہ کائنات اور موجودات کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مسخر کیا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ کائنات کے بارے میں غور و فکر اور اس کا مشاہدہ کرکے اس کے موجودات کو اپنے لئے کار آمد بنائے۔۳۳۷

تعلیم کا مقصد انسان کی تمام پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے

اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ خالق کائنات نے انسان کے اندر لا محدود صلاحیتیں' بے پایاں طاقتیں اور پر اسرار کیفیتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ ان صلاحیتوں' طاقتوں اور کیفیتوں کو باہم ایک دوسرے سے پیوستہ رکھنے والی چیز ہے۔ خودی! دوسرے الفاظ میں خودی دراصل انسانی "شعور کا مرکزہ" (Nucleus) اور یہ مرکزہ فطرت کی طرف سے ودیعت کردہ انسانی صلاحیتوں' طاقتوں اور کیفیتوں کو اپنی گرفت میں رکھتا ہے اور ان کو منتشر و پراگندہ ہونے سے بچاتا ہے۔ اسی لئے اقبال بار بار مختلف انداز میں "خودی" کی پرورش' تربیت و بیداری اور تعمیر و استحکام کا ذکر کرتے ہیں۔۳۳۸

خودی کی پرورش و تربیت یہ ہے موقوف
کہ مشت خاک میں پیدا ہو' آتش ہمہ سوز
یہی ہے سر کلیمی ہر اک زمانے میں
ہوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز ۳۳۹

تیری زندگی اسی سے' تیری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی' نہ رہی تو روسیاہی ۳۴۰

اقبال کے نزدیک قومی احساسات اور تجربات کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کیا جائے

"آنے والی نسل کے افراد اپنی قوم سے وابستہ اسی طرح ہو سکتے ہیں کہ ان تک ان کے اپنے آباؤ اجداد کا ورثہ' جس کو ہم اجتماعی محسوسات' تجربات اور روایات کہتے ہیں' باضابطہ اور موثر طریقہ پر پہنچایا جائے ورنہ مستقبل میں افراد کا رشتہ اپنے مخصوص اجتماعی گروہ یعنی قوم سے کٹ جائے گا اور اس طرح نہ صرف قوم کا شیرازہ بکھر جائے گا بلکہ فرد کا تشخص بھی ختم ہو جائے گا۔ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ قومی احساسات اور تجربات کو جنہیں اقبال "روایات مجتمع" کا نام دیتے ہیں ایک نسل سے دوسری نسل تک اس طرح پہنچایا جائے کہ وہ ذہن و فکر میں جذب ہو جائیں۔"۳۴۱

قرآنی تعلیمات کے بارے میں اقبال کی نظر میں یہ نقطہ آغاز ہے:

"وہ لوگ جنہوں نے تعلیم کا یہ اصل الاصول قائم کیا تھا کہ ہر مسلمان بچہ کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید کی تعلیم سے ہونا چاہئے وہ ہمارے مقابلہ میں ہماری قوم کی ماہیت و نوعیت سے زیادہ باخبر تھے۔"۳۴۲

"مسلمان کے لئے لازم ہے کہ علم کو یعنی اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے) مسلمان کرے "بو لہب را حیدر کرار کن" اگر یہ بو لہب حیدر کرار بن جائے یا یوں کہیے کہ اگر اس کی قوت دین کے تابع

ہو جائے تو نوع انسان کے لئے رحمت ہے۔"[۳۳۳]

ا۔ حصول علم

قرآن مجید میں لفظ علم مختلف اشتقاقی صورتوں میں ۷۷۸ مرتبہ وارد ہوا ہے۔ ان مواقع پر علم کی دونوں مشکلیں مدنظر ہیں:

اول: وہ علم جو ذات باری کی وہ صفت خاص ہے جو علیم' اور عالم اور علام وغیرہ صورتوں میں موجود ہے۔

دوم: وہ علم جو مخلوق' خصوصاً انسان کو بھی ارزانی ہوا ہے۔

قرآن مجید میں اس مادے کے اشتقاقات جس کثرت سے آئے ہیں ان سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ قرآن مجید کی رو سے علم کو غیر معمولی بلکہ فوق الکل اہمیت حاصل ہے اور جب یہ لفظ جزوی ترادف کے ساتھ دوسرے مرادفات (مثلاً **تَعْقِلُوْنَ**' **تَتَفَكَّرُوْنَ**' **يَشْعُرُوْنَ** وغیرہ) کے ساتھ مل کر یا ان کی جگہ آتا ہے تو ان سے علم کے طریقوں' غایتوں اور جہتوں کا پتہ چلتا ہے۔[۳۳۴]

اسلام میں علم کی بڑی غایت جہاں معرفت ذات وصفات باری ہے۔ وہاں فلاح وخیر انسانی بھی ہے۔ قرآن مجید میں علم سے متعلق جو آیات موجود ہیں۔ ان سے خدائے تعالیٰ کے علم کی صفات خاص کا تعلق ہوتا ہے۔ پہلی وحی جو حضور سرور کائنات ﷺ پر نازل ہوئی۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ٥ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٥ [۳۳۵]

ترجمہ:- اے نبی کریم ﷺ آپ اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھیئے جس نے پیدا کیا' اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا' آپ پڑھیئے اور آپ کا پروردگار بہت مہربان ہے۔ (وہ خدا) جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا' اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

(ا) علم کا مصدر ومنبع (مبدأ) صرف خدا کی ذات ہے اور اس سے زیادہ جاننے والا بھی کوئی نہیں۔ (وہ علیم وعلام ہے) خدا کا علم وسیع ومحیط ہے۔ (**وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ**) [۳۳۶] وہ انفس و آفاق کے علم کا مالک اور "**عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ**"[۳۳۷] ہے وہ دلوں کی وہ باتیں بھی جانتا ہے جنہیں لوگ چھپاتے ہیں:

وَمَا تُخْفِىْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۔ [۳۳۸]

ترجمہ:- اور جو ان کے دلوں میں (دشمنی) پوشیدہ ہے وہ کہیں زیادہ ہے۔

زمینوں اور آسمانوں کے اسرار اور بر و بحر میں چھپی ہوئی جتنی حکمتیں ہیں خدا کا علم ان سب پر محیط ہے اور مفاتح الغیب اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

عِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ ۔ [۳۳۹]

جو کچھ آئندہ آنے والا ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔ یوم الساعۃ کا علم بھی اسی کے پاس ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عِندَہٗ عِلمُ السَّاعَۃِ۔ ۳۵۰

۲۔ انسان جو علم حاصل کرتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے اور اس کی حقیقت اس کے نتائج اور اس کے مضمرات کا صحیح علم بھی اسی کو ہے۔ انسان کو جو علم حاصل ہوا وہ وہبی بھی ہے اور اکتسابی بھی، مگر منبع ہر حال میں خدا کی ذات ہی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انبیاء کے ذریعے علم بھی دیا اور حکمت بھی عطا کی۔ ظاہر ہے کہ یہ حکمت علم کے اوپر (یا اس کے علاوہ) شئے زائد ہے۔

بعض انبیاء کے سلسلے میں خدا کی طرف سے حکمت اور علم کے عطا ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اس طرح علم کا حکمت سے رابطہ پیدا کر کے اسے نظام تمدن یا کسی نظام فائق کی اساس بنا دیا ہے' چنانچہ معاش و سیاست و ریاست کیلئے جہاں علم کا ہونا ضروری ہے وہاں حکمت یا تدبیر کار کا جاننا بھی لازم ہے۔

قرآن مجید میں انبیاء کی ایک صفت "زَادَہٗ بَسطَۃً فِی العِلمِ وَالجِسمِ" ۳۵۱ بیان کی گئی ہے۔ جس سے علم کے ساتھ بدنی صحت کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔ گویا اسے بھی سیاست و ریاست کے بنیادی اصولوں اور تقاضوں میں جگہ حاصل ہے۔

علم کے ساتھ "رحمۃ" کا لفظ بھی آیا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ علم خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے اور رحمت کائنات اور انسان کے جملہ مصالح و معاملات میں نظم و ارتباط پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس میں خدا کی صفت ربوبیت بھی شامل ہے۔ اس میں ایک لحاظ سے انسان کے لئے بھی رہنمائی ہے کہ وہ علم جو انسان کیلئے وسیلہ خیر و فلاح و ارتقاء نہیں بنتا ناقص ہو گا۔

علم کے ساتھ "ھُدًی وَّ رَحمَۃً" ۳۵۲ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اس سے دنیا اور آخرت کی کامل راہنمائی مقصود ہے۔ اسمیں فوز و فلاح اور سعادت انسانی کی ترغیب ہے۔ مگر ہدایت کا لفظ کئی معانی کا حامل ہے۔ کہیں محض رہنمائی ہے۔ کہیں رہنمائی کے ساتھ ذرائع و وسائل کی نشاندہی بھی ہے۔ یہ ہدایت دنیوی بھی ہے اور دینی بھی 'الہامی ووجدانی بھی ہے اور عقلی و تجرباتی بھی۔ غرض صحیح غایتوں اور نتیجوں تک پہنچنے کیلئے جس جس رہنمائی کی ضرورت ہے وہ مد نظر ہے۔ اکثر موقعوں پر یقین اور ادراک حقیقت اور صحیح نتیجے تک پہنچنے اور اس سے سبق حاصل کرنے کو علم و ہدایت بتایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں آیا ہے کہ آدمؑ کو خدا نے اسماء سکھائے۔ ظاہر ہے کہ یہ پوری کائنات کا علم اشیاء ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے مادی حصے کو سائنس کی بنیاد کہا جا سکتا ہے۔ مگر اس میں ذات و صفات کے دوسرے علم بھی شامل ہو سکتے ہیں' جو باطن میں ہیں یا آئندہ سے متعلق ہیں۔ یہ اسرار الٰہی ہیں جو انسان کو خدا کی طرف سے ملتے ہیں یا مل سکتے ہیں۔" ۳۵۳

علم و تعلیم میں قلم و تحریر کے جملہ علوم شامل ہیں:

محمد نعیم الدین' مولانا سورۃ الانشراح کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے علم و حکمت پر استفسار کرتے ہوئے رقمطراز

ہیں:

"یعنی ہم نے آپ کے سینے کو کشادہ کیا اور وسیع کیا' ہدایت و معرفت اور موعظت و نبوت اور علم و حکمت کیلئے' یہاں تک کہ عالم غیب و شہادت اس کی وسعت میں سماگئے اور علائق جسمانیہ انوار روحانیہ کیلئے مانع نہ ہو سکے اور علوم لدنیہ اور حکم الٰہیہ و معارف ربانیہ و حقائق رحمانیہ سینہ پاک میں جلوہ نما ہوئے اور ظاہری شرح صدر بھی بار بار ہوا۔" ۳۵۴؎

خدا تعالیٰ نے نفوس کے اسرار اور ان کے اندر کے مخفی مضمرات خیر و شر کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے علم النفس کی تحقیق کی ترغیب ہوئی۔ جیسے علم احوال النفس یا ماہیۃ النفس یا تشخیص و طب روحانی کہا گیا ہے۔

بہر حال قرآن مجید میں علم کی غایتوں اور وسعتوں کا جو ذکر ہے اس کے زیر اثر علم کی چند بڑی نوعیتیں معین ہوئی ہیں:

۱۔ علم کی وسعت: خدا کی صفت **واسع علیم** ہے۔ اس تصور کی تحریک سے مسلمانوں کے یہاں دائرہ علمی وسعت پذیر ہوا اور انسان بھی اپنے خالق کے سرچشمہ علم سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے پر مائل ہوا۔ ۳۵۵؎

۲۔ یقین کی دولت: مسلمانوں نے یقین اور ظن میں فرق کیا اور ظن و تخمین کی حوصلہ شکنی کی۔

۳۔ مشاہدہ و تجزیہ: آیات الٰہی کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے مشاہدہ و تجزیہ پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ بر و بحر اور ارض و سمٰوات کے حقائق کے مطالعہ و تحقیق کی بار بار تاکید آئی ہے۔ ۳۵۶؎

۴۔ تدبر: تفکر کے ساتھ تدبر پر زور دیا اور ظاہر ہے کہ تدبر تفکر کی تنظیم کا نام ہے۔ اس تنظیم کے بغیر تفکر کی تکمیل نہیں ہوتی۔

۵۔ علم و عمل: علم اور عمل کو لازم و ملزوم قرار دیا اور علم کے ساتھ حکمت کا تذکرہ کر کے علم کی ان منزلوں کی نشاندہی کی۔ جن کا تعلق حقائق عالیہ اور زندگی اور معاشرے کی عملی تنظیم ہے۔

۶۔ علم کو انسان کے ظاہر و باطن اور دنیا و عقبیٰ دونوں کیلئے مفید اور سود مند قرار دیا۔ اس سے اسلام کے نظریہ علم میں کلیت پیدا ہو گئی ہے۔ اسلام کلی حقیقتوں میں یقین رکھتا ہے اور زندگی کو جزوی طور پر دیکھنے کا قائل نہیں۔ ۳۵۷؎

۷۔ علم کا مقصود معرفت الٰہی اور معرفت نفس ٹھہرا: لہٰذا قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا۔ ۳۵۸؎

ترجمہ:۔ اے انسان تو اپنے نفس کی کتاب پڑھ جو تجھے کفایت کرے گی آج کے دن تیرا حساب ہوگا۔

قیامت کے دن جو کچھ انسان نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اپنی نفس کی پہچان اور معرفت خداوندی دنیا میں حاصل کی ہوگی۔ اس کے مطابق اس کا نامہ اعمال اس کے ہاتھوں میں دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ ۳۵۹؎

ترجمہ:۔ میں نے جن وانس کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔

اس کی تفسیر میں لیعبدون کی تفسیر لیعرفون آیا ہے۔ یعنی میں نے اپنی معرفت کے حصول کیلئے جن وانس کو دنیا میں بھیجا ہے۔

۸۔ فوقیت علم: ایک دوسرے پر علم میں فوقیت کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہر عالم کے اوپر اس سے زیادہ علم رکھنے والا عالم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کا علم سب کے علم سے اعلیٰ و ارفع ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْم"۔ ۳۶۰۔

ترجمہ:۔ ہم جس کے چاہیں (علم میں) درجے بلند کریں اور ہر علم والے کو ایک دوسرے پر علم میں فوقیت حاصل ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْم" عَلِيْم"۔ ۳۶۱۔

ترجمہ:۔ ہم جس کے چاہتے ہیں (علم میں) درجات بلند کرتے ہیں بے شک تیرا رب علم و حکمت والا ہے۔

اس کی تفسیر میں ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے علم و عقل اور فہم و فضیلت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درجات بلند فرمائے۔ دنیا میں علم و حکمت اور نبوت کے ساتھ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور اجر و ثواب کیساتھ۔

علم کی فرضیت و تعلیم کا مقام اور عظمت

اسلام نے علم اور دین دونوں کو دامنوں کو ایک دوسرے سے اس طرح باندھا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ قرآن مجید کی سب سے پہلی آیت سورۃ العلق نے اس کی وضاحت کر دی ہے:

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ۔ " ۳۶۲۔

ترجمہ:۔ پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

یہ آیت قرآنیہ اسی حقیقت کو لے کر اتری ہے اور اشارہ سے بتاتی ہے کہ پیدا کرنے والے نے ہم کو پڑھنے اور سیکھنے ہی کے لئے بنایا ہے۔

سید ریاست علی ندوی، مولانا "اسلامی نظام تعلیم" میں رقمطراز ہیں:

"اسلام کی نظر میں تعلیم و تعلم کا مقصد خالص رضائے الٰہی کی طلب ہے اور بس، اس میں کسی دنیاوی غرض کا میل نہیں بلکہ اس کی نظر میں تعلیم کا اصلی مقصد صرف انسانی پیدائش کے منشاء کو پورا کرنا، اچھے اخلاق سے آپ آراستہ ہونا، اور دوسروں کو آراستہ کرنا، اپنے علم کی روشنی سے جہل اور نادانی کے اندھیرے کو دور کرنا، نہ جاننے والوں کو سکھانا، بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا، حق کو پھیلانا اور باطل کو مٹانا ہے۔" ۳۶۳۔

علم و علماء کے فضائل از روئے قرآن

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اہل علم کی خوبیاں اور بڑائیاں گنا کر ان کے مرتبے بڑھائے' چنانچہ اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیتیں ہیں۔ جن میں علم' تعلیم اور علماء کی بزرگی اور بڑائی بیان کی گئی ہے۔

سورۃ مجادلۃ میں ہے:

"یَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰت۔ " ۳۶۴؎

ترجمہ:۔ تم میں سے جو ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا' اللہ ان کے درجے بلند کرے گا۔

امام غزالی "احیاء العلوم الدین" میں وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ علماء کو عام مسلمانوں پر سات سو درجہ زیادہ فضیلت دی گئی ہے اور ان درجوں کے باہمی فرق کے لئے ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کی مدت کا فصل سمجھنا چاہئے۔" ۳۶۵؎

سورۃ آل عمران میں ہے:

"شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّه' لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ " ۳۶۶؎

ترجمہ:۔ اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کسی کو بندگی نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے (گواہی دی) حاکم انصاف کی۔

"اس آیت سے امام غزالی نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنا نام لیا' پھر فرشتوں کا' پھر اپنے سے تیسرا درجہ اہل علم کو عطا کیا' اور یہ اہل علم کے شرف و فضیلت کی ایک نشانی ہے۔"

سورۃ زمر میں ہے:

"قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ " ۳۶۷؎

ترجمہ:۔ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوں گے؟

سورۃ نحل میں ارشاد خداوندی ہے:

"فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ " ۳۶۸؎

ترجمہ:۔ اہل ذکر سے پوچھو۔ اگر تم کوئی بات نہیں جانتے۔

امام غزالی نے اس آیت سے علم والوں سے تعلیم حاصل کرنے کی تلقین دکھائی ہے۔

سورۃ العنکبوت میں فرمایا ہے:

"وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔ " ۳۶۹؎

ترجمہ:۔ یہ مثالیں ہم نے لوگوں کے لئے بیان کیں اور انہیں سوائے علم والوں کے دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔

اس کے بعد اسی سورۃ میں ارشاد ہوا۔

سورۃ البینہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہ'۔'' ۷۰ع

ترجمہ:- بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہی لوگ بہترین خلائق ہیں' ان کا بدلہ ان کے پروردگار کے یہاں رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتیں ہیں وہ ان میں سدا رہیں گے اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اس سے خوش یہ (اجر) اس کے لئے ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔

سورۃ فاطر میں ارشاد خداوندی ہے:

''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ ۷۱ع

ترجمہ:- خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے امام غزالی اور قاضی ابن جماء یہ نکتہ پیدا کرتے ہیں کہ علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں وہ بہترین خلائق ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی شہادت کی رو سے علماء بہترین خلائق ہیں:

نیز مولانا سید محمد نعیم مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''اور (علماء) اس کی صفات کو جانتے اور اس کی عظمت کو پہچانتے ہیں جتنا علم زیادہ اتنا خوف زیادہ''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو جو اللہ تعالیٰ کے جبروت اور اس کی عزت وشان سے باخبر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اللہ عزوجل کی میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔ ۷۲ع

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر''۔ وَ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ ۷۳ع

ترجمہ:- یعنی خدا ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ویسی ہی زمینیں۔ ان میں (خدا کے) حکم اترتے رہتے ہیں تا کہ تم لوگ جان لو کہ خدا ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔

''یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا' وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔'' ۷۴ع

ترجمہ :- یعنی وہ جسے چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی‘ بے شک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ ۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ '' مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ '' ۷۵

ترجمہ :- یعنی حقیقی مراد خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔

تزکیہ نفس و کتاب و حکمت کی تعلیم

تزکیہ کا لغوی مفہوم

''عربی زبان میں تزکیہ کا مفہوم کسی چیز کو صاف ستھرا بنانا‘ اس کو نشو و نما دینا اور اس کو پروان چڑھانا ہے۔'' ۷۶

تزکیہ کا اصلاحی مفہوم

''تزکیہ کا اصطلاحی مفہوم نفس کو غلط رجحانات و میلانات سے موڑ کر نیکی اور خدا ترسی کے راستے پر ڈال دینا اور اس کو درجہ کمال پر پہنچنے کے لائق بنانا ہے۔'' ۷۷

تزکیہ کا یہ اصطلاحی مفہوم خود قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے:

''فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰىO وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰىO فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰىO '' ۷۸

ترجمہ :- پس جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جس نے (راہ خدا میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی بات کو سچ مانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر سید نعیم الدین‘ مولانا بیان کرتے ہیں ہوئے رقمطراز ہیں:

''یعنی اپنا مال راہ حق (خدا) میں دیا اور خدا کے حق کو ادا کیا۔ وہ ممنوعات و محرمات سے بچا اور اچھی بات سے مراد ملت اسلام ہے‘ جس کی تصدیق کی اور جنت کے لئے آسانی کریں گے‘ اور اسے ایسی خصلت کی توفیق دیں گے جو اس کے لئے سبب آسانی و راحت ہو اور وہ ایسے عمل کرے جن سے اس کا رب راضی ہو۔'' ۷۹

سورۃ النجم میں تزکیہ نفس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ ۸۰

ترجمہ :- تو آپ اپنی جانوں کو (ریاکاری کے ساتھ) ستھرا نہ بناؤ وہ خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہیں۔

عماد الدین ابوالفدا اسمٰعیل بن عمر بن کثیر قریشی دمشقی ''تفسیر ابن کثیر'' میں اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں:

''خبردار! تم اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو اپنے نیک اعمال کی تعریفیں کرنے نہ بیٹھ جاؤ۔ اپنے تئیں آپ سراہنے نہ لگو۔ جس کے دل میں رب کا ڈر ہے۔ اسے رب ہی خوب جانتا ہے۔'' ۸۱

اور آیت میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًاO ۸۲

ترجمہ :- کیا تو نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جو اپنے نفس کی پاکیزگی آپ بیان کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہ خدا کے ہاتھ ہے‘ جسے وہ چاہے برتر اعلیٰ اور پاک صاف کر دے‘ کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔

محمد بن عمر بن عطاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی لڑکی کا نام برہ رکھا تو مجھ سے حضرت زینب بنت ابو سلمہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع فرمایا ہے خود میرا نام بھی برہ تھا جس پر آپ نے فرمایا تم خود ہی اپنی برتری پا کی آپ نہ بیان کرو تم میں سے نیکی والوں کا علم پورے طور پر خدا ہی کو ہے۔

امام قرطبیؒ ''الجامع لاحکام القرآن'' میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یعنی نہ تو اپنی مداح خود کرو اور نہ ہی اپنے منہ سے اپنی تعریف کرو اگر تم ایسا کرو گے تو ریا سے بچنے اور خشوع کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوب جانتے ہیں جو اسکے لئے خالص عمل کرتا ہے اور اللہ کے عذاب سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ہر انسان کو خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کر رہا ہے اور کس طرف وہ جا رہا ہے۔ ۳۸۳

سید محمد نعیم الدین' مولانا اس کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''یعنی تفاخراً اپنی نیکیوں کی تعریف نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات جاننے والا ہے' وہ ان کی ابتداء ہستی سے آخر ایام کے جملہ احوال جانتا ہے۔

مسئلہ :-

''اس آیت میں ریا' خود نمائی اور خود سرائی کی ممانعت فرمائی گئی ہے' لیکن اگر نعمت الٰہی کے اعتراف اور طاعت و عبادات پر مسرت اور اس کے ادائے شکر کے لئے نیکیوں کا ذکر کیا جائے تو جائز ہے۔ اس خدا کا جاننا ہی کافی ہے' جبکہ وہی جزا دینے والا ہے' تو دوسروں پر اظہار اور نام و نمود سے کیا فائدہ؟'' ۳۸۴

سورۃ الجمعۃ آیت نمبر ۲ میں قرآن پاک تزکیہ نفس اور کتاب و حکمت کے بارے میں یوں مطلع کرتا ہے:

"هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ۔" ۳۸۵

ترجمہ :- وہی (خدا) ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے ایسا رسول بھیجا جو ان پر آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاکیزہ کرتا ہے (نفس' روح اور دل کا تزکیہ مراد ہے) اور انہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اگر چہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

سید محمد نعیم الدین' مولانا اس کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہی نبیؐ جس کے نسب و شرافت کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں' اور پہنچاتے ہیں۔ ان کا نام پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے' آپ کی صفت نبی اُمّی ہے' اس کے بہت وجوہ ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو امت اُمّیہ کی طرف مبعوث کیا۔

کتاب شعیاء میں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' میں امیوں میں ایک آدمی بھیجوں گا اور اس پر نبوت ختم کردوں گا اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت ام القریٰ یعنی مکہ المکرمہ میں ہوئی اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضور انور ﷺ لکھتے اور کتاب سے کچھ نہ پڑھتے تھے اور یہ آپ کی فضیلت تھی کہ غایت حضور علم سے اس کی حاجت نہ تھی۔

خط ایک صفت ذہنیہ ہے جو آلہ جسمانی سے صادر ہوتی ہے تو وہ جو ذات ایسی ہو کہ قلم اعلیٰ اس کے زیر فرمان ہو اس کو اس کی کتاب کی کیا حاجت' پھر حضورؐ کا کتابت نہ فرمانا اور کتابت کا ماہر ہونا ایک معجزہ عظیمہ ہے' کاتبوں کو علم خط اور رسم کتابت کی تعلیم فرماتے اور اہل حرفت کو حرفتوں کی تعلیم دیتے اور ہر کمال دنیوی و اخروی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام خلق سے اعلم کیا۔ آیات

کی تلاوت سے مراد کلام پاک کو سنا تا ہے' اور تزکیہ نفس میں عقائد باطلہ اور اخلاق رذیلہ و خبائث جاہلیت وقبائح اعمال سے اجتناب اکمل ہے۔قوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل شرک وعقائد باطلہ و خبائث اعمال میں گرفتار تھی اور اسے مرشد کامل کی شدید حاجت تھی۔امیوں سے مراد یا تو عجمی لوگ ہیں اور یا وہ تمام لوگ جو نبی کریمؐ کے بعد روز قیامت تک اسلام میں داخل ہوں گے۔ان کا زمانہ نہ پایا ان کے بعد آئے اور فضل و شرف میں صحابہؓ کے درجہ تک نہ پہنچے کیونکہ صحابہؓ کے بعد کے لوگ خواہ غوث وقطب ہو جائیں مگر فضیلت صحابیت نہیں پا سکتے۔'' ۳۸۶

تزکیہ نفس کے بارے میں محمد بن احمد الانصاری القرطبی ''الجامع لاحکام القرآن'' میں سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ۳۸۷

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کی بعثت کا کا جو احسان مومنوں پر فرمایا ہے اس کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ان ہی کی جنس سے ایک انسان ان کی ہدایت کیلئے مبعوث کیا۔اس میں ان کے لئے یہ شرف ہے کہ یہ رسول (ﷺ) ان ہی میں آیا تا کہ اس کی تعلیمات کو سمجھنے میں اور اس کی سنت پر چلنے میں کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ بعض نے ''مِنْ اَنْفُسِهِمْ'' کو بفتح الفاء یعنی (اَنْفَسِهِمْ) پڑھا ہے۔جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ عرب کے سب سے نفیس اور اعلیٰ لوگوں میں سے تھے۔کیونکہ عرب سب سے افضل ہیں اور عربوں میں قریش اور قریش میں آپ ﷺ کا خاندان بنو ہاشم۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

''**يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ**'' یہاں نبی ﷺ کی صفت ہے یعنی آپ لوگوں کے سامنے قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔''**وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ**'' اس کی تفسیر میں امام قرطبی سورۃ بقرہ آیت ۱۲۹ میں فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور حکمت سے مراد اللہ کے دین کی معرفت اور سمجھ ہے۔

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہے یعنی آپ ﷺ لوگوں کو کتاب اللہ اور اپنی سنت کی تعلیم دیتے ہیں۔

''**وَيُزَكِّيْهِمْ**'' یعنی لوگوں کو شرک کی پلیدگیوں سے پاک کرتے ہیں۔

''**وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ**'' یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے یہ لوگ واضح گمراہی میں تھے۔ ۳۸۸

ابو الاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن'' میں رقمطراز ہیں:

''نفس انسانی کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس حقیقت کا ادراک ہونا چاہئے کہ انسانی وجود کی تین حیثیتیں ہیں۔ایک اس کا اخلاقی وجود ہے۔دوسرا اس کا عقلی وجود ہے اور تیسرا اس کا حیوانی وجود ہے۔

اخلاقی وجود کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خیر و شر کا امتیاز اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس الہامی طور پر عطا کیا ہے۔یہ امتیاز و احساس ایک عالمگیر حقیقت ہے۔جس کی بناء پر دنیا میں کوئی انسانی معاشرہ خیر و شر کے تصورات سے خالی نہیں رہا ہے۔اس چیز کا ہر زمانے' ہر جگہ اور ہر مرحلہ تہذیب و تمدن میں پایا جانا اس کے فطری ہونے کا صریح ثبوت ہے۔یہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ ایک خالق حکیم و دانا نے اسے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔''

''یہ بھی اس دنیا کی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ذی عقل و ذی شعور ہستی کی حیثیت سے پیدا کیا۔اس کے

اندر اپنی روح پھونکی ہے۔ روح وہ خاص جوہر ہے جو فکر و شعور اور عقل و تمیز اور فیصلہ و اختیار کا حاصل ہوتا ہے۔ جس کی بدولت انسان دوسری تمام مخلوقات ارضی سے ممتاز ایک صاحب شخصیت ہستی' صاحب انا ہستی اور حامل خلافت ہستی بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر علم' فکر و شعور' ارادہ' فیصلہ' اختیار اور ایسے ہی دوسرے اوصاف پیدا کئے ہیں یہ اللہ کی صفات کا پرتو ہیں۔ ان کا سرچشمہ مادے کی کوئی ترکیب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ کے علم سے اس کو علم ملا ہے۔ اللہ کی حکمت سے اس کو دانائی ملی ہے۔ اللہ کے اختیار سے اس کو اختیار ملا ہے یہ اوصاف کسی بے علم' بے دانش اور بے اختیار ماخذ سے انسان کے اندر نہیں آئے ہیں۔''

حیوانی وجود کی حیثیت سے انسان کی ضروریات اور خواہشات ہیں بطن و فرج کے مطالبات ہیں۔ اس دنیا میں اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے ان خواہشات و مطالبات کی تکمیل ناگزیر ہے۔''[٨٩]

ابوصباح صلاح الدین ''قرآنی نظریات علم و تعلیم'' میں رقمطراز ہیں:

''نفس انسانی ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ جس کو پست جذبات سے روک کر وہ اللہ کی خوشنودی اور انعامات حاصل کر سکتا ہے۔ نفس کی اس کیفیت کو جبکہ وہ اچھائی' خوبی اور نیکی کی طرف مائل ہو اور برائی اور بدی سے بچے تزکیہ نفس کہتے ہیں۔ انسان کا تزکیہ نفس اللہ تعالیٰ کی عطا بھی ہے اور اس کی زندگی کا اہم مقصد بھی ہے۔''[٩٠]

بنت الاسلام ''نفس کا تزکیہ' میں رقمطراز ہیں:

''انسان کے اندر نیکی اور برائی دونوں کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ جس نے کوشش کی کہ برائیوں کو اپنے آپ سے دور کر دوں اور نیکیوں کو زیادہ سے زیادہ اختیار کروں وہ کامیاب ہو گیا' مگر جس نے برائیوں کو تو کھلے بندوں پلنے بڑھنے دیا اور نیکیوں سے ایسی غفلت برتی کہ وہ اس کی کثیر برائیوں کے نیچے کہیں دب کر رہ گئیں اس نے گھاٹے کا سودا کیا۔''[٩١]

حکمت کی تعلیم

قرآن پاک میں کتاب و حکمت کی تعلیم سورہ ص میں یوں بیان کی گئی ہے:

''وَ شَدَدْنَا مُلْكَه' وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ۔ ''[٩٢]

ترجمہ:۔ اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت اور قول فیصل دیا۔

امام قرطبی ''الجامع الاحکام القرآن'' میں حکمۃ و دانائی و قوت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یعنی ہم نے اس کی بادشاہت کو مضبوط کر دیا۔ بعض نے کہا کہ ہم نے ان کا رعب اور ہیبت دلوں میں بٹھا دیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کثرت لشکر کی وجہ سے ہم نے ان کے ملک کو مضبوط کیا۔

امام لابن الالعربی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید و نصرت سے ان کے ملک کو مضبوط بنا دیا۔

واتینه الحکمة یعنی ہم نے ان کو نبوت عطا کی امام مجاہد کہتے ہیں کہ حکمت سے یہاں مراد عدل ہے۔ ابوالعالیہ کے نزدیک حکمت سے مراد کتاب اللہ کا علم ہے۔ امام قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہے۔ امام قاضی شریح حکمت سے مراد یہاں علم اور فقہ لیتے ہیں۔

وَفَصْلَ الْخِطَابَ

حضرت ابن مسعودؓ اور دیگر علماء کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے یعنی فیصلہ کرتے وقت عمدہ فیصلہ کرنا اور بعض کے نزدیک فصل الخطاب سے مراد حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کن بات کرنا ہے کہ فصل الخطاب سے مراد ہے کہ تھوڑے کلام اور مختصر بات

سے کثیر معنی اور مطالب کو ادا کر لینا ہے۔ امام القرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب معنی آپس میں قریب قریب ہیں۔ ۹۳؎

ابن کثیر ''تفسیر ابن کثیر'' میں ان آیات مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔

اس سے مراد علمی اور عملی قوت والا ہے۔ اور صرف قوۃ والے کے معنی بھی ہوتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد اطاعت کی طاقت ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو عبادت کی قدرت اور اسلام کی فقہ عطا فرمائی گئی تھی۔ آپ ہر رات تہائی رات تک تہجد میں کھڑے رہتے تھے۔ اور ایک دن بعد ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ حضرت داؤد علیہ السلام کی رات کی نماز اور انہی کے روزے تھے۔ آپ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے۔ دشمنانِ دین سے جہاد کرنے میں پیٹھ نہ دکھاتے اور اپنے ہر حال میں خدا کی طرف رغبت ور جوع رکھتے۔ پہاڑوں کو ان کے ساتھ مسخر کر دیا تھا وہ آپ کے ساتھ سورج کے چمکنے کے وقت اور دن کے آخری وقت تسبیح بیان کرتے یعنی خدا نے پہاڑوں کو ان کے ساتھ رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح پرندے بھی آپ کی آواز سن کر آپ کے ساتھ خدا کی پاکی بیان کرنے میں لگ جاتے۔

ایک اور جگہ یوں مفسر نے بیان کیا ہے:

''ہم نے اسے حکمت دی تھی یعنی فہم وعقل زیرکی اور دانائی، عدل وفراست کتاب اللہ اور اس کی اتباع نبوت ورسالت وغیرہ اور جھگڑوں کی چکوتی کا صحیح طریقہ یعنی گواہ لینا۔ قسم کھلوانا، مدعی کے ذمہ بار ثبوت ڈالنا، مدعیٰ علیہ سے قسم لینا، یہی طریقہ فیصلوں کا انبیاء کا اور نیک لوگوں کا رہا اور یہی طریقہ اس امت میں رائج ہے۔ غرض حضرت داؤد علیہ السلام معاملے کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے اور حق و باطل سچ جھوٹ میں صحیح اور کھرا امتیاز کر لیتے تھے۔ کلام بھی آپ کا صاف ہوتا تھا اور حکم بھی عدل کا ہوتا تھا۔ آپ ہی نے اما بعد کا کہنا ایجاد کیا ہے اور فصل الخطاب سے اس کی طرف بھی اشارہ ہے۔

تفسیر:۔ فوج ولشکر کی کثرت عطا فرما کر' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ''روئے زمین کے بادشاہوں میں حضرت داؤدؑ کی سلطنت بڑی مضبوط اور قوی سلطنت تھی۔ چھتیس ہزار مرد آپ کے محراب کے پہرے پر مقرر تھے۔

حکمت سے مراد نبوت اور بعض مفسرین نے حکمت کی تفسیر عدل کی ہے۔ بعض نے کتاب اللہ کا علم' بعض نے فقہ اور بعض سنت (جمل) قول فیصل سے علم قضاء مراد ہے جو حق و باطل میں فرق وتمیز کرے۔ ۹۴؎

سورۃ علق میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنیادی تعلیم اور کتاب وحکمت کی طرف اس کی توجہ کو مرکوز کیا ہے اور فرمایا ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ O الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ O ۹۵؎

ترجمہ:۔ اے نبی کریم (ﷺ) آپ اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھیئے' جس نے پیدا کیا' اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا' آپ پڑھئے اور آپ کا پروردگار بہت مہربان ہے (وہ خدا) جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا' اس نے انسان کو وہ علم سکھایا ہے جو وہ نہیں جانتا تھا۔

سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' مولانا سورۃ علق کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے علم وحکمت پر استفسار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''یعنی ہم نے آپ کے سینے کو کشادہ کیا اور وسیع کیا' ہدایت ومعرفت اور موعظت ونبوت اور علم وحکمت کیلئے' یہاں تک کہ عالم غیب وشہادت اس کی وسعت میں سما گئے' اور علائق جسمانیہ انوار روحانیہ کے لئے مانع نہ ہو سکے اور علوم الدنیہ اور حکم الٰہیہ و معارف ربانیہ وحقائق رحمانیہ سینہ پاک میں جلوہ نما ہوئے اور ظاہری شرح صدر بھی بار بار ہوا۔ ابتدائے عمر شریف میں' اور ابتدائے نزول وحی کے وقت اور شب معراج' جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اس کی شکل یہ تھی کہ جبرائیل امین نے سینہ پاک کو چاک کر کے قلب مبارک نکالا اور زریں طشت میں آب زمزم سے غسل دیا اور نور وحکمت سے بھر کر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا۔''

بوجھ سے مراد یا وہ غم ہے جو آپ کو کفار کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے رہتا تھا یا امت کے گناہوں کا غم جس میں قلب مبارک مشغول رہتا تھا۔ مراد یہ ہے کہ ہم نے آپ کو مقبول الشفاعۃ کر کے وہ غم دور کر دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ سید عالم نے حضرت جبرئیلؑ سے اس آیت کو دریافت فرمایا' تو انہوں نے کہا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اذان میں' تکبیر میں' تشہد میں' منبروں پر' خطبوں میں تو اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے' ہر بات میں اس کی تصدیق کرے اور سید عالمؐ کی رسالت کی گواہی نہ دے تو یہ سب بیکار اور وہ کافر ہی رہ گیا۔

قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر دنیا و آخرت میں بلند کیا'' بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپؐ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے آپؐ پر ایمان لانے کا عہد لیا اور نبوت کو نبیؐ کے غالب ہونے سے ختم کیا۔ ۹۶؎

تزکیہ نفس اور کتاب وحکمت

سورۃ بقرہ میں تزکیہ نفس اور کتاب وحکمت کے بارے میں یوں روشنی ڈالی گئی ہے' چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

''اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰھُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ۔'' ۹۷؎

ترجمہ :- وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا کی وہ اسے ایسے تلاوت کرتے ہیں جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے۔ ایسے ہی لوگ اس پر ایمان لانے والے ہیں اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے تو ایسے ہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔''

محمد بن احمد الانصاری' القرطبی'' الجامع لاحکام القرآن'' میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰھُمُ الۡکِتٰبَ'' حضرت قتادہ کے نزدیک ان لوگوں سے مراد اصحاب رسول ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ امام ابن زیدؒ کے نزدیک ان لوگوں سے مراد اہل کتاب سے ہونے والے مسلمان ہیں اور کتاب سے مراد تورات ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ آیت کا عموم ان سب کو شامل ہے۔

''یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ'' کے معنی میں بھی علماء کے مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

بعض کے نزدیک اس کے امر و نواہی کو مکمل طور پر تسلیم کرنا ہے۔ اس کے حلال کو حلال جاننا اور حرام کو حرام جاننا اور بعض کے نزدیک اس کی کماحقہ تلاوت کرنے سے مراد قرآن مجید کی محکم آیات پر عمل کرنا اور متشابہات پر ایمان لانا ہے اور بعض کے نزدیک اس کی تلاوت مراد ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس قول میں بُعد ہے۔ اِلاَّ یہ کہ اس قول والوں کی مراد یہ ہو کہ الفاظ کو بھی تلاوت کرنا اور اس کے معنی کو سمجھنا مراد ہو۔ ۹۸؎

ابن کثیر'' تفسیر ابن کثیر'' میں ان ہی آیات مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یعنی ہم نے کتاب دی ہے وہ حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں:

اس سے مراد یہود و نصریٰ ہیں اور روایت میں ہے کہ اس سے مراد اصحاب رسول ﷺ ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

'' حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت سوال ہو اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں حلال وحرام کو جاننا کلمات کو ان کی جگہ رکھنا ہیر پھیر نہ کرنا وغیرہ یہی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کھلی آیتوں پر عمل کرنا متشابہ آیتوں پر ایمان لانا مشکلات کو علماء کے سامنے پیش کرنا حقِ تلاوت کے ساتھ پڑھنا ہے۔ ابن عباسؓ سے اس کا مطلب حق اتباع لانا بھی مروی ہے۔ پس تلاوت بمعنی اتباع ہے۔ ۹۹؎

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ ''
ترجمہ :-اے ہمارے پروردگار! تو ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات کو پڑھ کر (سنائے) اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم سکھادے اور ان کو پاک نہ کرے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ رسولاً سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت میں آپ سے کہا ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتلایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے بعض اہم فرائض کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان پر آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور ان کو شرک سے بداخلاقی سے اور دیگر برائیوں سے پاک کرتے ہیں اور ان کا تذکیہ نفس کرتے ہیں۔ اھ

ابن کثیر ''تفسیر ابن کثیر'' میں ان ہی آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں:

''اہل حرم کے لئے یہ دعا ہے کہ آپ کی اولاد میں سے ہی رسول آئے چنانچہ یہ دعا پوری ہوئی''۔

کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت وحدیث ہے۔ حسنؒ اور قتادیؒ اور مقاتل بن حیانؒ اور ابو مالکؒ وغیرہ کا یہی فرمان ہے اور حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ بھی ہے۔ پاک کرنا یعنی اطاعت واخلاص سکھانا، بھلائیاں کرانا، برائیوں سے بچانا اطاعت الٰہی کر کے رضائے الٰہی حاصل کرنا، نافرمانی سے بچ کر ناراضگی سے محفوظ رہنا۔ اھ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام معصوم ہیں۔ آپ کی طرف سے تو یہ تواضع ہے اور اللہ والوں کے لئے تعلیم ہے، یہ مقام قبول دعا کا ہے اور یہاں دعا تو یہ سنت ابراہیمی ہے، علاوہ ازیں یہ دعا نبی کریم ﷺ کے ظہور کے لئے تھی۔ جو کہ حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی نسل میں سے تھے۔ باقی انبیاء علیہم السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔

مسئلہ :- سید عالم ﷺ نے اپنا میلاد شریف خود بیان فرمایا۔ امام بغویؒ نے ایک حدیث روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا بحالیکہ حضرت آدمؑ کے پتلے کا خمیر ہو رہا تھا۔ تمہیں اپنے ابتدائے حال کی خبر دوں۔

۱۔ میں دعائے ابراہیم علیہ السلام ہوں۔

۲۔ بشارت عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔

۳۔ اپنی والدہ کی اس خواب کی تعبیر ہوں جو انہوں نے ولادت کے وقت دیکھی اور ان کے لئے ایک نور ساطع ظاہر ہوا۔ جس سے ملک شام کے ایوان وقصوران کے لئے روشن ہو گئے۔''

اس حدیث میں دعائے ابراہیم علیہ السلام سے یہی دعا مراد ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور آخری زمانے میں حضور علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى اِحْسَانِهٖ ۔ (جمل و خازن)

اس کتاب سے مراد قرآن پاک اور اس کی تعلیم سے اس کے حقائق ومعانی کا سکھانا مراد ہے۔

حکمت کے معنی میں بہت اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک حکمت سے فقہ مراد ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ حکمت سنت کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حکمت علم احکام کو کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حکمت علم اسرار ہے۔

ستھرا کرنے کے معنی ہیں کہ لوح نفوس وارواح کو کدورات سے پاک کر کے حجاب اٹھادیں اور آئینہ استعداد کی جلاء فرما

کر انہیں اس قابل کر دیں کہ انہیں حقائق کی جلوہ گری ہو سکے۔'' ۲۰۲

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ ۲۰۳

ترجمہ :۔اسی طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے رسول بھیجا (جو) تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ علم سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

سید محمد نعیم الدین مراد آبادی تفسیر خزائن العرفان میں لکھتے ہیں کہ ''رَسُوْلًا'' سے حضرت سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے اور آیات تلاوت کرنے اور پاک کرنے سے مراد نجاست شرک وذنوب (گناہوں) سے پاک کرنا ہے۔اور حکمت سے مراد مفسرین نے فقہ لی ہے۔'' ۲۰۴

سید محمود آلوسی علامہ روح المعانی فی تفسیر العظیم والسبع الثانی میں اس آیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

(كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ) مُتَّصِل'' بِمَا قَبْلَه' فَالْكَافُ لِتَشْبِيْهِ ' وَهِيَ فِيْ مَوْضِعِ نَصَب'' عَلٰى أَنَّه' نَعت'' لِمَصْدَرِ مَحْذُوْفٍ وَلِتَقْدِيْرِ۔ لَاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ فِيْ أَمْرِ الْقِبْلَةِ فِيْ اْلآخِرَةِ اِتْمَامًا مِثْلَ اِتْمَامِ اِرْسَالِ الرَّسُوْلِ' وَ ذِكْرِ اْلاِرْسَالِ وَ اِرَادَةِ اْلاِتْمَامِ مِنْ اِقَامَةِ السَّبَبِ مَقَامَ الْمُسَبَّبِ ' وَ (فِيْكُمْ) مُتَعَلِّق'' وَ قِيْلَ مُتَّصِل'' بِمَا بَعْدَه' اَيْ اُذْكُرُوْنِيْ ذِكْرًا مِثْلَ ذِكْرِيْ لَكُمْ بِاْلاِرْسَالِ' أَوِاذْكُرُوْنِيْ بَدَلَ اِرْسَالِنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا۔ (يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا) صِفَةُ رَسُوْلًا وَ فِيْهِ اِشَارَة'' اِلٰى طَرِيْقِ اِثْبَاتِ نُبُوَّتِهٖ لأَنَّ تِلَاوَةِ اْلاُمِّيِ اْلآيَاتِ الْخَارِجَةِ عَنْ طَوْقِ الْبَشَرِ ' بِاِعْتِبَارِ بَلَاغَتِهَا وَاِشْتِمَالِهَا عَلَى اْلأَخْبَارِ بِالْمُغِيْبَاتِ وَالْمَصَالِحِ الَّتِيْ يَنْتَظِمُ بِهَا' اَمْرَالْمَعَادِ وَالْمَعَاشِ أَقْوَى دَلِيْلِ على نبوَّتِهٖ۔ (وَيُزَكِّيْكُمْ) أَيْ يُطَهِّرُكُمْ مِنَ الشِّرْكِ وَهِيَ صِفَة'' أُخْرٰى لِلرَّسُوْلِ وَ اُوْتِيَ بِهَا عَقِبَ التِّلَاوَةِ ' لِأَنَّ التَّطْهِيْرَ عَنْ ذٰلِكَ نَاشِئ'' عَنْ اَظْهَارِ الْمُعْجِزَةِ لِمَنْ اَرَادَ اللّٰهُ تَوْفِيْقَه'۔ (وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ) صِفَةُ اِثْرَ صِفَةٍ وَأُخِّرَتْ لِأَنَّ تَعْلِيْمُ (الْكِتَابِ) وَ تَفْهِيْمَ مَا انْطَوٰى عَلَيْهِ مِنَ الْحِكْمَةِ الاِ لٰهِيَّةِ وَاْلأَسْرَارِ الرَّبَانِيَّةِ اِنَّمَا يَكُوْنُ بَعْدَ التَّخَلِّيْ عَنْ دَنَسِ الشِّرْكِ وَ نَجَسِ الشَّكِ بِا اْلِاتْبَاعِ' وَأَمَا قبل ذٰلِكَ فَالْكُفْرُ حِجَاب'' وَ قَدَّمُ التَّزْكِيَّةِ عَلَى التَّعْلِيْمِ فِيْ هٰذِهِ اْلأيَة۔ وَ أَخِرَهَا عَنْه فِيْ دَعْوَةِ اِبْرَاهِيْمَ لِاِخْتِلَافِ' اَلْمُرَادُبِهَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ' وِلِكُلِّ مَقَامِ مَّقَالُ' وَ قِيْلَ اْلتَّزْكِيَّةُ عِبَارَة'' عَنْ تَكْمِيْلِ النَّفْسِ بِحَسْبِ الْقُوَّةِ الْعِلْمِيَّةِ وَ تَهْذِيْبِهَا الْمُتَفَرِّعِ عَنْ تَكْمِيْلِهَا بَحَسْبِ الْقُوَّةِ النَّظَرِيَّةِ الْحَاصِلِ بِالتَّعْلِيْمُ الْمُتَرَتِّبَ عَلَى التَّلَاوَةِ اِلَّا أَنَّهَا وَ سَطَتْ بَيْنَ التِّلَاوَةِ وَالتَّعْلِيْمُ الْمُتَرَتِّبَ عَلَيْهَا لِاَنَّه' يَعْمَلُ بِعِلْمِهٖ اْلاَكْمَلِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّهٖ' (وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ) مِمَّا لَا طَرِيْقَ اِلٰى مَعْرِفَتِهٖ سِوَى الْوَحْيِ وَ كَانَ الظَّاهِرُ۔'' ۲۰۵

قرآن مجید سورۃ الاعلیٰ میں باری تعالیٰ کا تزکیہ کیلئے ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى O وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى O ۲۰۶

ترجمہ :۔بے شک اس شخص نے فلاح پائی جس نے پاکیزگی (تزکیہ) اختیار کی۔اور اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی۔

اس آیت میں تزکیہ سے مراد تزکیہ نفس، تزکیہ روح، تزکیہ قلب ہے یعنی جس شخص نے شیطانی وسوسوں اور برے خیالات اور بدعقائد سے اپنے نفس، اپنی روح اور اپنے دل کو پاک وصاف کرلیا اس نے عذاب دوزخ سے نجات حاصل کرلی اور وہ اپنے مقصد زندگی میں کامیاب ہوکر جنت کا حقدار بن گیا اور اللہ تعالیٰ کے انعام وکرام کا مستحق قرار پایا۔

دوسری آیت میں تزکیہ کے حصول کا طریقہ بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ ذکر الٰہی کرے اور قرآن مجید کی تلاوت کی پابندی کرے اور اس کے احکامات کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کرے۔ قرآن مجید کا گھر میں ہونا باعث رحمت ہے اور اس کو تلاوت کرنا باعث اجروثواب ہے۔ اس پر عمل کرنا باعث نجات وفلاح ہے۔ قرآن مجید کا ایک نام ذکر بھی ہے۔ جیسے:

نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ۔

تزکیہ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان پنج وقتہ نماز پڑھے یہ بھی نفس، روح اور قلب کے تزکیہ اور پاکیزگی کا بہترین عمل ہے۔ جو باعث فلاح ونجات ہے۔

تزکیہ نفس کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ قوتیں جو انسان کو حاصل رہی

قرآن پاک میں ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ۝ وَ ذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝

ترجمہ:- کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے خداوند کا نام یاد کیا اور نماز پڑھی۔

محمد بن احمد الانصاری ''القرطبی'' جامع الاحکام القرآن میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں جس نے اپنے نفس کو ایمان کی بدولت شرک سے پاک کرلیا۔ وہ جنت میں ہمیشہ رہنے کی کامیابی حاصل کر گیا۔ یہی قول حضرت ابن عباسؓ عطاء اور عکرمہؓ کا ہے۔ حضرت معمرؒ قتادہ سے نقل کرتے ہیں۔ جس نے اپنے آپ کا تزکیہ کرلیا۔ عمل صالح کے ساتھ یعنی وہ کامیاب ہوگیا۔ بعد میں ''تزکّیٰ'' سے مراد صدقۃ الفطر ادا کرنا ہے۔ بعض نے اسے عام زکوٰۃ ادا کرنا لیا ہے۔ ''فصلّیٰ'' سے مراد نماز عید ادا کرنا لیا ہے بعض نے اسے عام زکوٰۃ ادا کرنا لیا ہے۔ اور بعض نے دیگر اور تفاسیر بھی کی ہیں۔ ۲۰۷

حافظ عماد الدین ابو الفدا اسمٰعیل بن عمر بن کثیر ''تفسیر ابن کثیر'' میں **قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ۝ وَ ذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝** کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے رذیل اخلاق سے اپنے تئیں پاک کر لیا۔ احکام اسلام کی تابعداری کی۔ نماز کو ٹھیک وقت پر قائم رکھا۔ صرف خدائے تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی کے طلب کرنے کے لئے اس نے نجات اور فلاح پالی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے کی گواہی دے اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور میری رسالت کو مان لے اور پانچوں وقت کی نمازوں کو پوری طرح حفاظت سے ادا کرے وہ نجات پا گیا۔

حضرت ابوالاحوص فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کرے اور کوئی سائل آجائے تو اسے خیرات دو۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں اس نے اپنے مال کو پاک کرلیا اور اپنے رب کو راضی کرلیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو۔ اور دراصل تمہاری مصلحت تمہارا نفع اخروی زندگی کو دینوی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے۔ دنیا ذلیل ہے، فانی ہے، آخرت شریف ہے باقی ہے۔ ایک عاقل ایسا نہیں کرسکتا کہ فانی کو باقی پر اختیار کرے اور اس کے انتظام میں پڑ کر اس کے اہتمام کو چھوڑ دے۔ ۲۰۸

تفسیر :۔امین احسن اصلاحی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اب یہ ان لوگوں کا انعام بیان ہو رہا ہے۔جس کا ذکر ''سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی'' کے الفاظ سے ہوا ہے۔فرمایا کہ بے شک ان لوگوں نے فلاح پائی۔جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تذکیر سے فائدہ اٹھایا اور فلاح کے دروازے کھلیں گے اور آخرت میں بھی اپنے رب کی رحمت و رضوان سے نوازے جائیں گے۔

وَذَکَرَاسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی۔

یہ اس تزکیہ کی اولین علامت بھی ہے اور اس کا اصلی طریقہ بھی۔تمام علم کا سرچشمہ درحقیقت اسمائے الٰہی ہیں۔انہی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔کہ ہمارے رب کی صفات کیا ہیں۔اور پھر انہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صفات کی روشنی میں ہمارے عقائد کیا ہونے چاہیں اور وہ عقائد ہمارے اوپر ہمارے رب اور اس کے بندوں سے متعلق کیا حقوق و فرائض عائد کرتے ہیں۔گویا نماز کا ذکر یہاں ایمان باللہ کے اولین مظہر کی حیثیت سے ہوا ہے اور پھر یہی چیز تمام شریعت کی اساس بھی ہے اور اس کی محافظ بھی۔'' ۱۰۹

ﹰالَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ۔ ۱۱۰

ترجمہ :۔جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے' وہ بڑا زبردست بہت بخشنے والا ہے۔

بہترین عمل وہ ہے جو قرآن وسنت کے مطابق ہے۔

تفسیر :۔بہترین وہ عمل ہے جو قرآن وسنت کے مطابق ہو۔یعنی کہ ہمیں بہترین عمل کا حضور پاک ﷺ کے اسوہ حسنہ سے پتہ چلتا ہے۔جس نے موت وزندگی کو پیدا کیا اور جس نے مرنا جینا بنایا تاکہ وہ تمہاری آزمائش کرے اور تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے اعتبار سے کون بہتر اور اچھا ہے۔وہ بڑا زبردست بہت بخشنے والا ہے۔اور حضرت شاہ صاحب یعنی مرنا نہ ہوتا تو بھلے برے کام کا بدلہ کہاں ملتا۔ ۱۱۰(الف)

یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ O ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃًO فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْO ۱۱۰(ب)

ترجمہ وتفسیر :۔تو اس شان سے اپنے پروردگار کی طرف چل کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔تو پھر میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں جا داخل ہو۔

یہ خطاب خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں یا فرشتے حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ نفس امارہ اور لوامہ کا ذکر سورۃ یوسف اور سورۃ قیامۃ میں گزر چکا ہے۔یہاں نفس مطمئن سے مراد وہ شخص ہے جس کو امر حق پر پختہ یقین تھا اور جس کی گردن اللہ کی اطاعت اور اس کے امر کے سامنے جھکی رہتی تھی یا ذکر الٰہی سے اس کا قلب مطمئن تھا اور ایمان پر ثابت تھا اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا تھا۔بحرحال اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کے قرب اور اس کے جوار رحمت میں چل اور اگر یہ خطاب مرتے وقت ہو جیسے کہ علماء نے فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔دراں حالیکہ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔ ۱۱۰(ج)

پاکیزہ نفس ہی نفس مطمئنہ ہوگا۔

امین احسن اصلاحی ''تدبر قرآن'' میں نفس مطمئنہ کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس دن مستحقین جنت کو جو بشارت براہ راست رب کریم کی طرف سے ملے گی یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں توجہ کی چیز ''یَاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ'' کا خطاب ہے جس سے جنت کے مستحقین کو نوازہ جائے گا۔ اس خطاب سے ان کے نفس کی اس خاص صفت پر روشنی پڑ رہی ہے۔ جس کی بناء پر وہ جنت کے حقدار قرار پائیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے قدم تنگی اور فراخی دونوں طرح کے حالات میں جادہ حق پر استوار رہتے ہیں۔ نعمت ملتی ہے تو وہ اس کو اپنے شکر کا امتحان سمجھتے ہیں اور طیفان وفساد میں مبتلا ہونے کے بجائے کوشش کرتے ہیں کہ اپنے رب کے امتحان میں پورے اتریں اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا ہے وہ بھی اللہ کے بندوں پر احسان کریں۔ اس طرح اگر ان کو تنگی رزق سے سابقہ پیش آتا ہے تو بے حوصلہ اور اپنے رب سے مایوس ہونے کی بجائے اس کو وہ اپنے صبر کا امتحان سمجھتے ہیں اور جان کی بازی لگا کر کوشش کرتے ہیں کہ اس امتحان سے سرخرو نکلیں۔ ان لوگوں کا دل چونکہ عسر و یسر اور نرمی و سختی دونوں کی طرح کے حالات میں اپنے رب سے راضی و مطمئن اور ڈانواں ڈول ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو نفس مطمئنہ سے تعبیر فرمایا ہے اور یہی لوگ ہیں جو جنت کے وارث ہوں گے۔

اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔

ترجمہ:۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحسین وآفرین کا کلمہ ہے۔ ان لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوگا کہ شاباش! تمہارے رب نے جس میدان امتحان میں تمہیں اتارا ہے اس میں تمہاری بازی نہایت کامیاب رہی۔ اب تم اپنے رب کی طرف اس سرخروئی کے ساتھ لوٹو کہ تم نے ثابت کر دیا کہ تم ہر طرح کے نرم و گرم حالات میں اپنے رب سے راضی و مطمئن رہے اور ساتھ ہی تمہیں یہ سرفرازی بھی حاصل ہوئی کہ تم اپنے رب کی نظروں میں بھی پسندیدہ ٹھہرے جس طرح تم اپنے رب سے کسی مرحلے میں گلہ مند نہیں ہوئے اسی طرح تمہارے رب نے تم کو بھی کسی مرحلے میں اپنے معیار سے فروتر نہیں پایا۔ تم اس سے راضی وہ تم سے راضی۔[۱۰]

''فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ O''[۱۱]

یعنی تم امتحان پاس کر کے جنت کے مستحق ٹھہرے تو اب میرے خاص بندوں کے زمرے میں اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔

صلاحیتوں کی نشوونما

اس صفحہ ارضی پر انسان اللہ تعالیٰ کی وہ شاہکار مخلوق ہے۔ جس کا کوئی ثانی نہیں۔ اس نے اسے احسن تقویم پر پیدا کیا' اور ایسی ایسی صلاحیتوں سے مالا مال کیا کہ خود انسان اپنے کارنامے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ (حتیٰ کہ سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے اور بندگی رب سے منہ موڑنے پر اتر آتا ہے) ہر انسان میں خواہ وہ مرد ہو یا عورت صلاحیتوں کے ایسے ایسے خزانے ودیعت کئے گئے ہیں۔ جن سے وہ خود بھی آگاہ نہیں ہوتا ہے۔ آج ہمارے چاروں طرف دنیا میں جو بوقلمونی اور رنگا رنگی ہے اور انسانی تاریخ سے ماضی میں جن کارناموں کا پتہ چلتا ہے وہ سب انسان کی صلاحیتوں کا پرتو ہی تو ہیں۔

اسلامی مفکر مسلم سجاد ''اسلامی ریاست میں نظام تعلیم'' میں رقمطراز ہیں:

''تعلیم کا یہ مقصد تسلیم شدہ ہے کہ اس کے ذریعے ایک فرد کی صلاحیتوں کو نشوونما ملے۔ اسلامی تعلیم کا بھی یہ مقصد ہے لیکن اس نظام میں محض صلاحیتوں کا نشوونما مقصود نہیں بلکہ صلاحیتوں کی صحیح رخ پر نشوونما مطلوب ہے اور اس صحیح رخ کا تعین اس کائنات میں انسان کے حقیقی مقام کی بنیاد پر ہوتا ہے جو اسلامی فلسفہ تعلیم کا اولین نکتہ ہے۔''[۱۲]

ارشادباری تعالیٰ ہے:

''وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ۔ '' ۳۱۲؎

ترجمہ:۔ اور تم کو کان دیئے اور آنکھیں دیں اور دل دیئے۔

ابو الاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن'' میں اس کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''کان اور آنکھوں سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے انسان علم حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ حصول علم کے ذرائع ذائقہ' لامسہ اور شامہ بھی ہیں۔ لیکن سماعت و بینائی دوسرے تمام حواس سے (زیادہ) بڑے اور اہم ذرائع ہیں۔ اسی لئے قرآن جگہ جگہ ان کے خدا کے نمایاں عطیوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔'' ۳۱۳؎

ان حواس کی حیثیت انسان کے لئے ان بنیادی آلات کی ہے۔ جن کی مدد سے وہ اپنی زندگی گزارنے کے قابل ہوتا ہے اور اس کی تمام صلاحیتوں کی کارفرمائی کا انحصار انہی حواس پر ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا احساس کہ یہ اس کے عطیات ہیں ایک مسلمان میں جذبہ شکر پیدا کرتا ہے۔ وہی تعلیم کامیاب ہے جو بندہ کو ان عطیات کا بھرپور استعمال سکھائے اور احساس شکر پیدا کرے۔

ابو الاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن'' میں انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کے بارے رقمطراز ہیں:

''دل سے مراد وہ ذہن ہے جو حواس کے ذریعے سے حاصل شدہ معلومات کو مرتب کرکے ان سے نتائج نکالتا ہے۔''

انسان میں غور و فکر کی تمام صلاحیتوں کا منبع یہی ہے۔ یہی وہ قوت ہے جو انسان کو اشرف المخلوقات بناتی ہے' زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسے مسخر کرنے کے رستے سجھاتی ہے' اسی لئے قرآن نے انسان کی اس صلاحیت کو نشوونما دینے اور جلا دینے پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اگر اس صلاحیت کی صحیح رخ پر نشوونما ہو تو انسان کبھی راہ راست سے نہ بھٹکے گا اور تہذیب و ترقی کی منزلیں بھی طے کرے گا اور ایجاد و اکتشافات کے میدان میں بھی کارنامے کرے گا۔

۱۔ غور و فکر' تعقل و تفکر' تدبر' تجزیہ' استنباط' استقراء' نتائج کی ترتیب ان سب کی حیثیت انسانی صلاحیتوں کی ہے جب کوئی مسلمان طالب علم' اسلامی نظام تعلیم میں زیر تعلیم و تربیت آتا ہے تو توقع کی جاتی ہے کہ پورا نظام' اس کی ان صلاحیتوں کی اس طور پر پرورش کرے کہ وہ ذہنی بے راہ روی کا شکار نہ ہو۔ بلکہ سلامت روی پر نشوونما سے عمل کی راہیں متعین ہوتی ہیں۔ ۳۱۴؎

۲۔ ذہنی صلاحیتوں کی تربیت

''ذہنی صلاحیتوں کی تربیت کے ساتھ ساتھ' جسمانی صلاحیتوں کی اہمیت بھی کم اہم نہیں ہے۔ متوازن شخصیت کی تعمیر اچھی صحت کے بغیر ممکن نہیں۔ قرآن نے طالوت کو مقابلہ کے لئے منتخب کرنے کا جہاں ذکر کیا ہے وہاں ان کے

بارے میں فرمایا ہے:

"وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔" ۳۱۵؎

ترجمہ:- اور اس کو دماغی و جسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہے۔

۳۔ صلاحیتوں کا پہلو' ان کے اظہار کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنا سکھایا'

"وَ عَلَّمَهُ الْبَيَان" بولنا وہ امتیازی وصف ہے جو انسان کو حیوانات اور دوسری ارضی مخلوقات سے ممیز کرتا ہے۔ یہ محض قوت گویائی نہیں بلکہ اس کے پیچھے عقل و شعور' فہم و ادراک تمیز و ارادہ اور دوسری ذہنی قوتیں کار فرما ہوتی ہیں۔ جن کے بغیر انسان کی قوت ناطقہ کام نہیں کر سکتی۔ اس لئے بولنا دراصل انسان کے ذہنی شعور اور ذی اختیار مخلوق ہونے کی صریح علامت ہے۔"

اس صلاحیت کی مناسب نشوونما کے لئے راہنما خطوط نہ صرف آیات قرآنی میں بلکہ بڑی وضاحت سے احادیث رسول میں بھی ملتے ہیں۔ صلاحیتوں کے اظہار کا ایک دوسرا طریقہ لکھنا ہے۔ "عَلَّمَ بِالْقَلَم" اور قلم سے سکھایا یعنی صرف صاحب علم ہی نہیں بنایا بلکہ اس کو قلم کے استعمال سے لکھنے کا فن سکھایا جو بڑے پیمانے پر علم کی اشاعت' ترقی اور نسلاً بعد نسل اس کے بقاء و تحفظ کا ذریعہ بنا۔ اگر وہ الہامی طور پر انسان کو قلم اور کتابت کے فن کا یہ علم نہ دیتا تو اس کی علمی قابلیت ٹھٹھر کر رہ جاتی اور اسے نشوونما پانے' پھیلنے اور ایک نسل کے علوم دوسری نسل تک پہنچانے اور آگے مزید ترقی کرتے چلے جانے کا موقع بھی نہ ملتا۔" ۳۱۶؎

۴۔ زبان و قلم کے ذریعے علمی صلاحیتوں کے اظہار کے ساتھ ایک پورا میدان ہاتھوں کے ذریعے ہنر سیکھنے اور مہارت حاصل کرنے کا ہے۔ فنی تعلم کی اہمیت سے کسے انکار ہے۔ ہاتھ سے کام کرنا مسلمانوں کے لئے اتباع رسولؐ کی حیثیت رکھتا ہے۔ معاش کے حصول کا تصور اس کے ساتھ نسبتاً زیادہ وابستہ ہے۔ اس کی اہمیت اور تقدس بھی محتاج بیان نہیں۔ اسلامی نظام تعلیم کو زیر تربیت طلبہ و طالبات کی صلاحیتوں کی مکمل نشوونما کا مقصد حاصل کرنے کے لئے متنوع عملی تدابیر اختیار کرنا چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ جس انسان کو بھی اس دنیا میں پیدا فرماتا ہے۔ اس کا جواز اس کے ساتھ ہوتا ہے یہ خود اس کے اوپر اور اس کے معاشرہ اور اس کے نظام تعلیم پر منحصر ہوتا ہے کہ اس کی خداداد صلاحیتیں اتنی صیقل ہو جائیں کہ کسی کو بھی (بشمول خود اس کے) دنیا میں اس کا وجود زائد نہ محسوس ہو۔ ۳۱۷؎

محمد رفیع الدین' ڈاکٹر "نظریاتی اساس اور پاکستانی تعلیمی پالیسی" میں انسانی صلاحیتوں کی نشوونما میں ذکر خداوندی اور تصور الٰہی کو رقمطراز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"انسان کی شخصیت حسن کی طلب گار ہوتی ہے۔ اللہ کا تصور انسان کے لئے اللہ کے اوصاف حسن و کمال کی صورت میں اس کے ذوق حسن کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے۔ انسان کی شخصیت عبادت اور ذکر کے ذریعے نشوونما پاتی

اور طاقت اور قوت حاصل کرتی ہے۔ اسی عمل کو "تعلیم" کہتے ہیں۔ تعلیم انسان کو شخصیت کی نشوونما کا دوسرا نام ہے اور اس نشوونما میں علم کے ساتھ عبادتی بھی اپنا کام کرتی ہے۔"[۲۱۸]

صلاحیتوں کی نشوونما کے حصول میں سائنسی علوم کی اہمیت

"گویا سائنسی علوم کے حصول' ان کی تخلیق اور ان پر کامل دسترس ہی میں کسی قوم کی بقاء' سلامتی' ارتقاء اور نشوونما' عسکری اور اقتصادی تقدم کی ضمانت ہے۔ بے علم قومیں آج پس ماندگی' ضعف' غربت' انتشار' بیماری اور بے عزتی کے جہنم میں رہ رہی ہیں۔ لہٰذا باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے مصمم ارادے کے ساتھ اپنے آپ کو وقف کر دیں اور جدید ٹیکنالوجی کی بنیاد صرف اور صرف سائنسی علوم پر ہے۔"[۲۱۹]

تعلیم اور انسانی صلاحیتوں کی نشوونما

تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی کامل اور متوازن نشوونما ہے۔

"پہلی عالمی کانفرنس برائے تعلیم" میں کمیٹی نے طے کیا ہے کہ:

1- تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی کامل اور متوازن نشوونما ہے۔ اس کا حصول انسان کی روحانی' فکری اور حسی تربیت اور آبیاری کے ذریعہ ممکن ہے۔ اس تربیت کے نتیجے میں ایمان اس کی شخصیت کے ہر پہلو سے جلوہ گر ہو اور اس کے شعور میں اسلام کی محبت' قرآن و سنت کا اتباع اور اسلامی اقدار حیات کی تکمیل کا جذبہ پروان چڑھے' وہ صدق دل سے اس کی روح میں جاگزیں ہو جائے۔ اس طرح اس کی ذات اس منصب عالیہ کی اہل بن جائے' جس کو اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ اللہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور جس کے لئے دنیا میں بھی کامرانی اور غلبے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

2- تعلیم کی منصوبہ بندی' علوم کی درجہ بندی پر قائم ہونی چاہئے۔ جو دو عنوان کے تحت کی جاتی ہے:

الف۔ دائمی علوم۔ قرآن و سنت سے اخذ کردہ ہوں اور پھر وہ تمام شرعی علوم' جو ان دو ماخذ سے مستنبط ہوں۔

ب۔ اکتسابی علوم۔ وہ علوم جن میں نشوونما اور ترقی ہوتی رہتی ہے اور کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے اضافے کا امکان رہتا ہے۔ اسی طرح جن میں مختلف ثقافتی اثرات کے زیر اثر تغیر و تبدل اور اثر پزیری کا امکان رہتا ہے۔ (یہ سب قابل قبول ہیں) بس ایک شرط ہے کہ یہ شریعت کے ساتھ' جو اقدار اور معیار کا واحد سرچشمہ ہے ہم آہنگ رہیں۔

3- تعلیم کا فرض یہ ہے کہ انسانی نفوس کے اندر تقویٰ کا بیج بوئے اس کی آبیاری کرے لئے اصول اور نمونہ دونوں پیش کرے۔ نیز یہ فریضہ ہے کہ پاکیزگی اور پاک دامنی کی ترغیب دے۔ یہ پھر سے مسلمانوں کے لئے ہتھیار بن جائے' جس سے وہ کائنات کے اسرار سے پردہ کشائی کرے اور جس کے سبب اس کے دل کے دریچے اللہ کی محبت اور اللہ کے خوف کے لئے وا ہو جائیں۔

4- تعلیم کا یہ تقاضا ہے کہ وہ انسان کے اندر ایسے جذبات اور محرکات پیدا کرے کہ انسان پہلے اپنے نفس میں اور پھر

کائنات میں خود کو اللہ تعالیٰ کا ایک حقیقی بندہ تصور کرے۔ فطرت کے ساتھ زور آزمائی نہ کرے' بلکہ مشیت الٰہی کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ جو اللہ تعالیٰ نے طبعی مظاہرات میں ودیعت کر دی ہیں تاکہ اس تسخیری عمل کے دوران انسانی شخصیت کی نشوونما فطرت کے ساتھ موافقت کے عالم میں ہو۔

5- بنیادی معلومات کا ایک ایسا حصہ ضرور ہونا چاہئے' جس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے فرض ہو' جس کو سارے تدریجی درجات میں پڑھایا جانا چاہئے۔ اونچے درجے لے کر نچلے درجے تک۔ اس کی تقسیم تدریجی انداز پر درجوں کی مناسبت سے ہونا چاہئے۔

6- سب سے اول بنیادی معلومات کا ذخیرہ یونیورسٹی کی سطح پر تشکیل دینا چاہئے۔ یہ درج ذیل عناصر پر مشتمل ہونا چاہئے:

اول:- انسان کی فطرت' دین کی حقیقت اور انسان کا اس سے مطابقت اختیار کرنا۔

دوم:- علوم' سائنس' حکمت' عدل' آداب و اعمال۔

سوم:- توحید' قرآن اور اس کی تفسیر' سنت اور اس کی شاخیں' سیرت صحابہؓ' سیرۃ الانبیاء۔

چہارم:- ارکان اسلام' ارکان ایمان' علوم شریعت' علم اخلاق اسلامی' ادب اسلامی' عربی زبان کا علم' عالم اسلام کے حالات۔

7- سابقہ قراردادوں کی روشنی میں ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کی جائے۔

8- ماہرین کی ایک ٹیم مقرر کی جائے' جو بنیادی معلومات کے ذخیرے کو تفصیل کے ساتھ مرتب کرے۔ نیز دوسرے علوم کی بھی تفصیل تیار کرے۔

9- بنیادی معلومات تمام مسلمانوں کو دی جائیں۔ اس غرض کے لئے ابتدائی تعلیم مفت فراہم کی جائے اور عالم اسلام سے ناخواندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

10- طلبہ کو تعلیم کے ذریعے تمام درجات میں سائنس اور معاشرتی علوم سے متعلق جدید معلومات فراہم کی جائیں۔

11- عالم اسلام میں تعلیمی نظام اس طرح تشکیل دیا جائے کہ اس میں تحرک آسان ہو۔ تمام مشکلات سے نمٹا اور رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔ تاکہ معاشرہ میں ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق اعلیٰ مقام حاصل کر سکے۔ مسلمانوں کے لئے حصول تعلیم کے وافر مواقع موجود ہونے چاہئیں۔

دوسری کمیٹی: تعلیم اور معاشرہ

1-1 کانفرنس کی دوسری کمیٹی متعلق "تعلیم اور معاشرہ" کے اجلاس ۴'۵'۶ اپریل ۱۹۷۷ء کو ہوئے۔ مندرجہ ذیل اصحاب نے اپنے مقالات پڑھے:

(1) ڈاکٹر بشیر التوم (2) ڈاکٹر مجاہد الصواف

(3) الطاف گوہر　　　(4) ڈاکٹر عمر شیبانی

(5) پروفیسر اے۔ ایم خسرو　　　(6) ڈاکٹر الیاس بایونس

(7) ڈاکٹر محمد انور　　　(8) ڈاکٹر غلام نبی ثاقب

مباحث میں ان کے علاوہ بعض دوسرے اصحاب نے بھی حصہ لیا۔

(1) پروفیسر محمد العمیل　　　(2) پروفیسر اے۔ کے۔ ایم ایوب علی

(3) جسٹس الحاج بشیر　　　(4) ڈاکٹر اے۔ ایف۔ اے سید

(5) محمد ہاشر فاروقی　　　(6) معظم علی

(7) پروفیسر خورشید احمد　　　(8) ڈاکٹر یوسف علی اراج

(9) ڈاکٹر ایم وصی اللہ خاں (صدر)

1-2　کمیٹی نے معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی اداروں کے نظام تعلیم کے ساتھ روابط پر اثر پذیری اور اثر اندازی کے نقطہ نظر سے غور کیا۔ ان اداروں میں جو سرگرمیاں ہوتی رہتی ہیں وہ بڑی حد تک نظام تعلیم کی ہیت اور مشاغل کو متعین کرتی ہیں اور اگر نظام تعلیم کی صحیح خطوط پر تشکیل ہو، تو وہ ان اداروں کی کارکردگی کو مزید بہتر بنا سکتی ہے۔ کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ نظام تعلیم کو اس وقت تک صحیح معنوں میں اسلامی نہیں بنایا جا سکتا جب تک معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی اداروں میں مناسب اصلاح نہ کی جائے اور اسلامی نظام تعلیم کے نفاذ کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں ہے جب تک کہ اسلامی ریاست کی ضرورت کا شعور پہلے سے موجود نہ ہو۔

2-1　کمیٹی کی رائے میں اسلامی تعلیم ایسا عمل ہے جو ساری زندگی جاری رہتا ہے، افراد کی تربیت اس انداز پر کی جائے کہ وہ اپنی زندگی اسلامی احکام کی اطاعت پر استوار کریں اور اسلامی معاشرے کے قیام اور اس کی آبیاری میں پوری طرح اپنا کردار ادا کریں۔ تعلیم کا عمل وسیع تر مفہوم پر مشتمل ہے۔ رسمی تعلیم پر اسکول اور کالج کی تعلیم کے مختلف انداز اور طریقے اور غیر رسمی تعلیم پر معاشرتی ادارے (خاندان، اعزہ واقرباء، ہمسایہ، معاصرین، مساجد، ذرائع ابلاغ عام، ریڈیو، ٹیلی ویژن، علمی مجالس، نوجوانوں کے معاشرتی مراکز، تفریحی سرگرمیاں، پیشہ ورانہ انجمنیں، کارخانے) اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ ان معاشرتی اداروں کے اثرات رسمی تعلیمی اداروں کے مقابلے میں، خصوصاً زندگی کے خاص ادوار میں افراد کی زندگی پر بہت زیادہ گہرے ہوتے ہیں۔ اب اگر مدرسے کی تدریس اسلامی اقدار حیات کی تعلیم دے رہی ہو اور معاشرتی اداروں (خاندان، اعزہ واقارب، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ) میں ان اقدار کو رد کیا جاتا ہو، تو اس کا واحد نتیجہ یہ نکلے گا کہ طالب علم فکری اور علمی انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ اس وجہ سے ان اداروں کے طرز عمل اور طریق کار کو اس طور پر متعین کرنا ہوگا، جو فی الحقیقت تعلیم و تدریس کا مقصد ہے۔ معاشرتی ماحول کو ان تعلیمی اداروں کے مقاصد کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ کرنا ضروری ہے۔

2-2 کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ خاندان وہ سب سے اہم ادارہ ہے' جو بچے کی طبعی' ذہنی' معاشرتی' جذباتی اور روحانی تربیت میں غالب حصہ ادا کرتا ہے۔ اس لئے کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ اسلامی بنیادوں پر طالبات کی فکری تربیت اور ان کے علمی افق وسیع کرنے کی خصوصی کوشش کی جائے اور تعلیم کے عام نصاب میں اسلامی اقدار اور خاندانی زندگی کے متعلق اسلامی احکام پر زور دیا جائے۔

2-3 نوجوانوں کی انجمنوں کو تقویت اور ترقی دینا چاہئے تاکہ وہ صحیح انداز پر تفریحی سرگرمیاں پروان چڑھا سکیں۔ وہ ایسے کیمپ قائم کریں' جہاں نوجوان مثالی اسلامی زندگی کا مظاہرہ کریں۔ ایسی انجمنیں محتاجوں کی امداد کریں۔ معاشرہ میں اصلاحی امور سرانجام دیں اور عسکری تربیت حاصل کریں۔ وہ کتب خانے' دارالمطالعے' مطالعاتی مراکز قائم کریں۔ وہ ایسے مواقع فراہم کریں جہاں شرکاء تخلیقی افکار کا اظہار کریں' تقریریں کریں' بحث و مباحثہ میں حصہ لیں۔ ایسے موضوعات سے متعلق کانفرنس اور مذاکرات منعقد کریں' جو مقامی معاشرہ یا اسلامی معاشرہ سے متعلق ہوں۔ ان کو قریبی تاریخی مقامات پر سفر کرنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ ان انجمنوں کے پروگرام میں ان کے والدین اور عزیز و اقارب بھی شریک ہوں۔ یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ جو لوگ ان انجمنوں کی منتظمین ہوں وہ پکے صاحب ایمان اور باعمل مسلمان ہوں۔

موجودہ دور کے نوجوانوں کی انجمنیں مثلاً اسکاوٹ اور گرل گائیڈ وغیرہ کی تنظیم نو کی شدید ضرورت ہے۔ ان میں غیر اسلامی افعال و حرکات ساقط کر دینے چاہئیں۔ ان کو اسلامی طرز پر ڈھالنا چاہئے۔

3-1 وہ کیا امور ہیں' جن کے سبب ایک تعلیمی نظام 'اسلامی یا غیر اسلامی قرار پاتا ہے؟ وہ بات یہ ہے کہ وہ عقائد و احکام جو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں بیان کئے گئے ہیں۔ دیکھا جائے کہ وہ تعلیمی سرگرمیوں کا محور اور مرکز ہیں یا نہیں؟ یہ وہ واحد کسوٹی ہے' جس کے ذریعے ہم جانچ سکتے ہیں کہ مقاصد 'اہداف' نصابات اور دوسرے تعلیمی مواد میں کس حد تک اسلامی تعلیمات سے مطابقت پیدا ہو چکی ہے۔

3-2 کمیٹی کو اس امر کا شعور ہے کہ وہ تمام علوم جو مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی احکام اسلامی کے مطابق استوار کرتے ہیں' وہ پسندیدہ اور ضروری ہیں۔

جب تک تمام تعلیمی درجات کے نصابات اسلامی عقائد اور احکام پر مرکوز نہیں ہوتے صرف ایک مضمون دینیات یا اسلامیات کا اضافہ کر دینے سے نصاب تعلیم کسی طور پر اسلامی نہیں بن جاتا۔ کمیٹی کے علم کی حد تک کسی جگہ بھی نصابات تعلیم کو منظم طریقہ پر اسلامی بنانے کا کام نہیں کیا جا رہا ہے۔ اسلامی عقائد اور احکام کی روشنی میں تعلیم کی غایات اور اہداف کو نئے قالب میں ڈھالنے' نصابات کی تشکیل نو اور تدریسی کتب کی تیاری کے کام ہنوز تشنہ تکمیل ہیں۔

3-3 کمیٹی سفارش کرتی ہے کہ قواعد و ضوابط کے تحت کام کرنے والے ادارے قائم کئے جائیں۔ ان کو موزوں افراد اور مناسب ذرائع مہیا کئے جائیں۔ وہ ایک منصوبہ بندی اور حکمت کے ساتھ کام کریں تاکہ تعلیمی اغراض و مقاصد کی تشکیل

جدید ہو اور نصاب اور تدریسی کتب کی بلا تاخیر مزید تیاری کی جائے۔

3-4 اغراض و مقاصد اور نصابات ہی نظام تعلیم کے بنیادی عناصر نہیں ہیں۔ بلکہ تعلیم کا مرکزی کردار استاد ہے۔ ایک مسلمان استاد کی تیاری کے پروگرام کو اولین اہمیت دینی چاہیئے۔ شعبہ تعلیم کے مالی اور تنظیمی منصوبہ کاروں کو چاہیئے کہ وہ تنظیم کو اسلامی بنیاد پر استوار کریں تاکہ اعلیٰ معیار کے مطابق سرگرمیوں سے اغراض و مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے۔ کمیٹی سفارش کرتی ہے کہ مجموعی قومی آمدنی کا زیادہ سے زیادہ حصہ ہر اسلامی ملک اپنے یہاں تعلیمی سرگرمیوں کے لئے مخصوص کردے۔

4-1 مغربی نظام تعلیم جس کو استعماری حکمرانوں اور ان کے کارندوں نے اسلامی مملک میں پھیلایا' اس نے ہمارے معاشرے کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا اور انتشار کی نذر کردیا۔ ایک چھوٹے سے طبقے نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ پھر اعلیٰ مناصب' اختیار و اقتدار پر قابض ہو گیا اور اجارہ دار بن گیا۔ اس قسم کی تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مخصوص طبقہ قوم اور ملت کی تمناؤں' آرزوؤں اور مشکلات سے بیگانہ ہو گیا۔ دوسری طرف غیر معمولی اکثریت کا طبقہ بنیادی تعلیم سے محروم رہ گیا۔ حالانکہ یہ انسان کا بنیادی حق ہے اور جوہر انسانیت ہے۔ اسلام جس نے آغاز میں علم کی روشنی دنیا میں پھیلانے کی کوشش کی تھی' کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس سے تعلق اور انتساب رکھنے والے مسلمان طلبہ کا تناسب اکثر مسلمان ملکوں میں بہت کم ہے۔ بلکہ صفر کے قریب ہے۔ اس میں کوئی بھی تعجب نہیں کہ اس قدر ناخواندگی کی موجودگی نے عالم اسلام کو ایک قسم کی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے اور امت اسلامیہ پر مظالم اور مصائب کو دائمی بنانے کے مواقع فراہم کر رکھے ہیں۔

4-2 تمام مسلمان ممالک منصوبہ بندی کے ساتھ شدت سے اس امر کی کوشش کریں کہ تمام طلبہ کو لازمی' عمومی اور مفت تعلیم فراہم کی جائے۔ تاکہ وہ لکھ سکیں' پڑھ سکیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کو بیان کر سکیں' وہ سائنس اور آرٹ کو سمجھیں' تخلیق کائنات کا مقصد سمجھیں اور اس کے اندر انسان کی حیثیت خلیفۃ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو سمجھیں اس کام کو سب سے زیادہ اہمیت اور ترجیح دینا چاہیئے۔

کمیٹی اس امر کی بھی سفارش کرتی ہے کہ اس مرحلے کے بعد' حصول تعلیم کے مواقع ان تمام افراد کے لئے مہیا ہوں' جو اس کے خواہش مند ہوں' بلا لحاظ رنگ و نسل اور معاشرتی طبقہ کے' اس غرض کے لئے کثیر تعداد میں وظائف اور انعامات کا اجراء عمل میں لایا جائے۔

کمیٹی اس امر کی بھی سفارش کرتی ہے کہ بالغوں کے لئے مناسب انتظام کرنا چاہیئے۔

4-3 مسلمان ملکوں کی بہت بڑی اکثریت افلاس' ناداری' امراض اور ناخواندگی جیسی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ جب ایک طرف ہم اپنے درخشاں ماضی کو دیکھتے ہیں اور دوسری طرف اس روشن مستقبل کی طرف نظر ڈالتے ہیں' جہاں اسلام ہمیں پہنچانا چاہتا ہے' تو پھر ہمیں شرم آتی ہے۔ اس لئے یہ بات ناگزیر ہے کہ جدید فنی اور تکنیکی ذرائع کام میں لاکر' ان ممالک کی معاشی پیداوار میں اضافہ کیا جائے۔ معاشی منصوبہ کاری کا کام بظاہر رسمی تعلیم کے دائرہ کار سے خارج ہے۔ اس کے لئے

مسلمان حکومتوں کو بھرپور جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ تاہم افرادی قوت کی فراہمی' تاکہ معاشی ترقی میں عامل کارکن کا اضافہ ہو' تعلیم کا ایک بنیادی مقصد ہے۔ اس لئے ثانوی' فنی' پیشہ ورانہ تعلیم اور اعلیٰ حرفتی تعلیم کی منصوبہ کاری اس انداز پر کی جائے کہ افرادی قوت فراہم ہوسکے اور ملازمت کے مواقع میں اضافہ ہو۔

4-4 امیر اور غریب کے درمیان افتراق کی ہر دم بڑھتی ہوئی طبقاتی خلیج' فریضہ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی' اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا معاشرتی فساد اور انسانی انحطاط' یہ اسلام کے تصور عدل اجتماعی کے قطعاً منافی ہے۔ اگرچہ آمدنی کی تقسیم کا مسئلہ رسمی تعلیم کے دائرہ کار سے خارج ہے۔ تاہم ابتدائی اور ثانوی تعلیم کو عمومی بنیاد دینے سے اور تعلیم کے مواقع عام کردینے سے' نظام تعلیم اس قابل ہوسکتا ہے کہ وہ معاشرے میں تغیرات لانے والا اہم عامل بن جائے۔

5-1 اسلامی امت مختلف براعظموں پر واقع ہے۔ نسلی' لسانی اور قومی اختلافات کے باوجود ایک غیر منقسم وحدت ہے۔ ہمارے نظام ہائے تعلیم' امت اسلامی کی وحدت او تقویت میں اپنا اپنا کردار ادا کریں۔ یہ ایک قلعہ ہے جس کا ہر گروہ دفاع کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مختلف درجات کی تدریسی کتب میں اور مختلف نظام ہائے تعلیم میں وحدت امت پر زور دیا جائے' مسلمان ملکوں کے درمیان اساتذہ اور طلبہ کا تبادلہ کیا جائے۔ لیکن حقیقی وحدت صرف اس طرح ہوسکتی ہے کہ مسلمان حکومتیں باہم تعاون کریں۔

5-2 عالم اسلام میں سیاسی اداروں اور سیاسی فیصلہ سازی کے عمل کی تنظیم جدید کی جائے۔ جو لوگ اعلیٰ ذمہ داری کے مناسب پر فائز ہیں خواہ وہ سیاسی ہوں' انتظامی ہوں یا اداراتی ہوں' ان کی کارکردگی کے معروضی معیار کو سامنے رکھ کر جانچ پڑتال کی جائے' حصول اہداف کے نقطہ نظر سے بھی اور معاوضہ جات اور مصارف کے اعتبار سے بھی۔ نظام تعلیم کے لئے یہ بات ممکن ہے کہ وہ اس مثالی کردار کے حصول کے لئے اہم کردار ادا کرے اور مختلف درجات کی تدریسی کتابوں میں' مختلف طریقہ ہائے تعلیم میں اس مثالی کردار پر توجہ مرکوز کرے۔ ایسی سرگرمیاں اور پروگرام بنائے جائیں' جو طلبہ کو مواقع فراہم کریں کہ وہ مثالی کردار پر عمل پیرا ہوں۔ یہ صرف اس طریقے سے ممکن ہے کہ عمل تعلیم نئی نسل کو تیار کرے اور وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلامی احکام کی اطاعت میں استوار کریں۔

5-3 ان سفارشات کی موثر تنفیذ اور عالم اسلام میں بحیثیت کل' تعلیم کے مجوزہ اہداف اور مقاصد کا حصول' نہایت سہل ہو جائے' اگر کوئی مسلمان ریاست جو فیصلہ ساز قوت کی حامل ہو' اسلامی نظام قائم کرے اور اس کو اسلامی ادارے اور نظام تعلیم تقویت پہنچائیں تاکہ دنیا میں اسلامی ریاست ایک قابل عمل نمونہ قرار پائے۔ ۳۲۰ے

ملی ضروریات کی تکمیل

اسلامی نظام تعلیم میں خواہ وہ کسی بھی ملک یا جغرافیائی خطے میں رائج ہو' امت مسلمہ کے ایک فرد کی حیثیت سے مسلمان طلبہ کی ضروریات کی تکمیل کا لحاظ رکھا جانا چاہئے۔ ہر مسلمان خوہ ہو کسی بھی ملک یا خطہ کا باشندہ ہو' امت مسلمہ کا

ایک جزو ہے۔ قومیت کے حقیقی اور وسیع تصور کے مطابق اس کی قومیت اسلام ہے۔ اس نقطہ نظر سے نظام تعلیم پر ملی ضروریات کی تکمیل بھی لازم آتی ہے۔ اس کے بارے چند اہم نکات درج ذیل پیش کئے جارہے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد ۶ میں اہم نکات پیش کئے جارہے ہیں:

۱۔ ''تعلیمی ادارے اپنی اولین حیثیت میں تہذیب و ثقافت کی منتقلی کے حامل ہیں۔ اگر تہذیب کو ورثہ میں دینے یا وسیع تر کرنے کے ذرائع نہ ہوں تو ہر سلسلہ تحریک کا از سر نو آغاز کرنا ہوگا۔ ثقافت تسلسل پر منحصر ہے اور تعلیمی ادارے عقائد' اقدار' مہارت اور معلومات کے مجموعہ کو منتقل کر کے یہ تسلسل فراہم کرتے ہیں۔'' ۲۲۱؎

ابو الاعلیٰ مودودی ''تعلیمات اور تصریحات'' میں رقمطراز ہیں:

''عقائد اور ان کے مطابق تہذیبی اقدار کی منتقلی اسلامی نظام تعلیم کا بالخصوص اولین مقصد ہوگا۔ خیر کی بعض اقدار کا مثلاً بہادری' دیانتداری یا محنت وغیرہ تو دنیا کے تمام تعلیمی ادارے پرچار کرتے ہیں۔ مسئلہ اجتماعی زندگی اور ایک فرد کی روزمرہ زندگی کے لئے تہذیبی اقدار کا ہے۔ جو لازماً نظریہ حیات پر مبنی ہونا چاہئے۔ لادینی نظام میں بھی کچھ نہ کچھ نظریاتی اور سیاسی اور معاشرتی اقدار زیر تعلیم نسل کو ضرور منتقل کی جاتی ہیں۔ ایسی مجرد تعلیم جو ہر رنگ اور صورت سے خالی ہو نہ آج تک دنیا کی کسی درسگاہ تک دی گئی ہے اور نہ آج دی جارہی ہے۔ تعلیم کلچر کی خادم ہوتی ہے اور جو کچھ بھی کہا جائے عملاً اس کا یہی کردار رہتا ہے۔

تہذیبی اقدار کی منتقلی میں نظام تعلیم کا کردار مثبت بھی ہوگا اور منفی بھی۔ اسلامی تعلیم کے ماہرین کے قرآن و سنت سے استفادہ کرتے ہوئے خیر اور شر کی اقدار پیش کی ہیں۔ ہمارا مقصد ان کا احاطہ کرنا نہیں ہے بلکہ اس مرحلے پر صرف یہ واضح کرنا ہے کہ اسلامی نظام تعلیم کا اسلامی تہذیبی اقدار کو منتقل کرنا ملی ضروریات کی تکمیل کی تعریف میں آتا ہے۔''

۲۔ آج کے دور میں جب کہ مسلمان ملکوں اور قوموں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہمارے دشمنوں کی صدیوں کی سازشوں کے نتیجے میں امت مسلمہ جاہلی عصبیتوں کا شکار ہے اور گروہوں میں تقسیم ہے' نظام تعلیم کے اس کردار کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے کہ وہ ہر طالب علم میں امت مسلمہ کا ایک فرزند ہونے کا جیتا جاگتا شعور پیدا کرے جو اس کی فکر اور اس کے عمل میں رچ بس جائے۔ اگر نظام تعلیم طلبہ میں یہ شعور بیدار کرنے میں کامیاب ہو جائے تو امت کے بہت سے بظاہر لاینحل انفرادی اور اجتماعی مسائل حل ہو جائیں۔ ایک مسلمان کا امت کا ایک جزو ہونے کا تصور قرآن کی آیات اور متعدد احادیث میں ملتا ہے۔ ۲۲۲؎

ارشاد خداوندی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ ۲۲۳؎

ترجمہ:۔ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقہ بازی سے بچو۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ"۔ ۴۲۴

ترجمہ:۔بے شک تمام مومن آپس میں بھائی ہیں۔

ارشاد نبویؐ ہے:

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ۔ ۴۲۵

ترجمہ:۔ ابی موسیٰؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن دوسرے مومن کے لئے ایک عمارت کی مانند ہے اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا ہے پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال دیں۔

امت مسلمہ کی وحدت کا تصور آج کے خصوصی حالات میں مسلمانوں کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن عام حالات میں بھی' یہ ایک مثبت قدر ہے۔ جس کے حصول کے لئے منصوبہ بندی کی جانا چاہئے۔ طلبہ کی بلاد اسلامی کی تاریخ اور جغرافیہ کے بارے میں مثبت نقطہ نظر سے معلومات ملنا چاہیں اور باہمی سفر کے ذریعے فاصلے قرب میں بدلنا چاہیں۔ یہ نہ صرف اتحاد اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والی طاقت و قوت کا سبب ہوگا۔ بلکہ غیر اسلامی نظام اور باطل کے مقابلے میں جہاد کا جذبہ بھی پروان چڑھائے گا اور ریاست کی خارجہ پالیسی پر بھی اثر انداز ہوگا۔

۳۔ امت مسلمہ میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے جہاں مختلف ممالک کے باہمی اختلافات حائل ہیں۔ اس مسئلہ کا ایک دوسرا پہلو بھی کم اہم نہیں یہ امت میں افتراق و انتشار کی وہ سطح ہے۔ جس نے مسلک اور فرقہ کی بنیاد پر مسلمانوں کو بالکل پھاڑ کر رکھ دیا ہے اور ان کی متحدہ قوت کو راکھ بنا دیا ہے۔ ایک ملک تو کجا' ایک شہر اور ایک محلّہ کے مسلمان بھی قومی مسائل پر دینی نقطہ نظر سے باہم دست و گریبان نظر آتے ہیں۔ اسلامی نظام تعلیم جس کی اساس' نقطہ نظر تفصیلات سب کچھ اسلامی نظریہ سے ماخوذ ہے۔ اتحاد کا ذریعہ بننا چاہے اور یہ افسوسناک صورت نہ پیدا ہونا چاہئے کہ لادینی طرز فکر کو تو سب ٹھنڈے پیٹوں برداشت کریں لیکن دوسرے مسلک کا معاملہ آتے ہی میدان میں نکل آئیں۔ نظام تعلیم کو شعوری کوششوں اور اقدامات کے ذریعے نئی نسل اور بالغوں میں دین کی بنیاد پر یکسانی فکر اور ہم آہنگی خیال پیدا کرنا چاہئے اور فرقوں کے بارے میں ایسا ذہنی و عملی رویہ تشکیل دینا چاہئے کہ اختلافات اپنے دائرہ میں رہیں اور امت کے متحدہ طاقت بنے کے عمل میں رکاوٹ نہ بنیں۔

۴۔ ملی نقطہ نظر سے معاشرہ کی ضروریات کا ایک دائرہ اس کی دینی راہنمائی اور دینی ضروریات پورا کرنے کا ہے۔ علماء فقہاء' قراء اور آئمہ مساجد کی تعلیم و تربیت اور محلوں میں تدریس قرآن کا نظم صرف مردوں کے لئے ہی نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی اسلامی معاشرہ کی ضرورت ہے۔ جسے نظام تعلیم کو پورا کرنا چاہئے۔ تعلیم و تربیت کے اس نظام میں یہ

امر خصوصاً ملحوظ رکھنا چاہئے کہ دین کی صحیح تعلیم دی جائے تاکہ دین وجہ اتحاد بنے، وجہ انتشار نہیں۔

۵۔ ملی ضروریات کی تکمیل کا ایک پہلو مختلف اسلامی ملکوں کی وہ ضروریات ہیں۔ جو دفاع، معیشت، مالیات، تجارت، زراعت، صنعت، تعلیم، ٹیکنالوجی اور دیگر دائروں میں ایک دوسرے کے تعاون سے پورا کرسکتے ہیں۔ زمین و آسمان کے خزانے اس امت کے لئے ہی ہیں۔ بشرطیکہ وہ انہیں حاصل کرے۔ ہماری زمین اندر اور باہر، پہاڑ اور سمندر سب خدا کے انعامات سے بھرے ہوئے ہیں۔ کچھ ظاہر ہوگئے اور کچھ ابھی منتظر ہیں۔ دوسری طرف انسانی وسائل کا جو سرمایہ ہے وہ بھی امت کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ اس سوچ کو سامنے رکھ کر ہر ملک اپنے نظام تعلیم کو اسلامی خطوط پر تشکیل دینے کے لئے اقدامات کرے تو اس کا مقصد یہ بھی ہونا چاہئے کہ باہمی تعاون سے اپنے وسائل کو مفید ترین مصرف میں لائے۔ اسی طرح امت کے اجتماعی مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ نظام تعلیم اس نقطہ نظر سے منصوبہ بندی کرکے تعلیم و تربیت کے لئے سہولت فراہم کرنا چاہئے۔"۲۲۶

تعلیم کا بنیادی مقصد انسانیت کی فلاح و بہبود کے راستہ کا تعین

تعلیم کا یہ بنیادی مقصد ہے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے راستے کا تعین کرے جس سے ایک صحت مندانہ بین الاقوامی معاشرہ قائم ہوسکے اور دنیا کے ایک کونے میں اگر افراد افلاس اور مصیبت کا شکار ہو جائیں تو دنیا کے دوسرے کونے میں رہنے والے افراد میں اس کا احساس پیدا ہو۔

تعلیم یہ شعور پیدا کرتی ہے کہ ہر کام اور ہنر باعث عزت ہے بشرطیکہ معاشرہ کی بہبود اس میں مضمر ہو۔ کسی فرد کو اس کے پیشے کی وجہ سے حقیر سمجھنا تعلیم کے بنیادی مقاصد کے خلاف ہے اور معاشرہ میں صحت مندانہ اقدار کے پیدا ہونے کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ پسماندہ ممالک میں اس عنصر کا منفی کردار ہم سے کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

تعلیم کے یہ بنیادی مقاصد میں سے ہے کہ ہر مرد اور عورت کا اپنی استطاعت کے مطابق تعلیم حاصل کرنا پیدائشی حق ہے۔ جنس کی تمیز کا کوئی جواز نہیں اور عورتوں کی تعلیم کو مخصوص شعبوں تک محدود کرنا اس کے پیدائشی حق کے خلاف ہے۔

تعلیم کے یہ بنیادی مقاصد میں سے ہے کہ انسانی جان کو تحفظ مہیا ہو۔ تعلیم کے اس بنیادی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ابھی ہم نے بہت سی منزلیں طے کرنی ہیں اور اس وقت کا انتظار کرنا ہے کہ جب تعلیم ہمارے شعور کو اتنا پختہ کر دے گی کہ ہم اپنے معاملات راست استدلال سے حل کرسکیں اور مہلک ہتھیاروں کو بنانے میں جو سرمایہ کا زیاں ہوتا ہے اسے انسان کی بہبودی کے کام میں لایا جانا ممکن ہو۔۲۲۷

۱۹۵۹ء کے ماہرین تعلیمی پالیسی رقمطراز ہیں:

آزادی کی زبردست جدوجہد اب ماضی کا حصہ بن چکی ہے اگر اساتذہ اور طالبعلم سیاسی سرگرمیوں، احتجاجی تحریکوں اور جتھوں میں حصہ لیں گے تو پاکستان کے مستقبل کو خطرہ ہے۔ اس لئے اب ہمارے تعلیمی اداروں کو چاہئے کہ وہ اعلیٰ تعلیم

سے لبریز عورتیں اور مرد معاشرے کو دیں تاکہ وہ اپنے علم اور اپنی صلاحیت کو ایک فلاحی ریاست بنانے کے لئے استعمال کریں یہ مقصد سیاسی سرگرمیوں سے نہیں حاصل کیا جاسکتا۔۴۲۸

۱۹۷۹ء کے ماہرین تعلیمی پالیسی رقمطراز ہیں:

سب سے زیادہ ترجیح نصاب میں تبدیلیوں کے دی جائے تاکہ نصاب کا سارا مواد اسلامی سوچ کے دائرے میں آ جائے اس طرح تعلیم کو نظریاتی رخ دیا جائے گا اور اسلامی نظریات نوجوانوں کی سوچ میں سرایت کر جائیں گے۔ اس طرح ان کا عقیدہ مضبوط ہوگا اور ان میں صلاحیت پیدا ہو گی کہ معاشرے کو اسلامی بنیادوں پر استوار کریں۔۴۲۹

ایس ایم زمان' ڈاکٹر رقمطراز ہیں:

جہاں تک اسلامی نظام تعلیم کے مقاصد کا تعلق ہے۔ اس ضمن میں امام غزالی نے نہایت خوبصورت بات کی ہے جو ان مقاصد کو اپنے اندر سمو دیتی ہے۔ فرماتے ہیں "تعلیم کا پہلا اور آخری مقصد یہ ہونا چاہئے کہ انسان کو خالق اور مخلوق کے رشتے کی شناخت کرائی جائے اور اس شعور کو بطریق احسن مستحکم کیا جائے۔ امام صاحب کے اس قول میں دینی اور معاشرتی علوم بھی آجاتے ہیں اور کائنات کا مطالعہ و تحقیق بھی اگر ہم مقاصد کی بحث میں یہ مرکزی نقطہ پیش نظر رکھیں تو اپنی تعلیمی پالیسی کے شاید بہت سے معاملات و مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔"۴۳۰

محمد رفیع الدین' ڈاکٹر "نظریاتی اساس اور پاکستانی تعلیمی پالیسی" پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اگر ہم نے اسلامی تعلیم کو ملک کے اتحاد کا ایک ذریعہ بنانا ہے تو یہ ضروری ہے کہ ہم لفظ تعلیم کے مفہوم کو وسعت دے کر اس میں نہ صرف یونیورسٹی' کالج اور سکول کی تعلیم کو' بلکہ اس تعلیم کو بھی شامل کریں جو اور ذرائع سے انسان اور کائنات کے متعلق پاکستانی فرد کے نقطہ نظر پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ ان ذرائع میں مطبوعات (اخبارات' رسائل اور کتابیں) خواہ وہ ملک کے اندر تیار کی گئی ہوں یا باہر سے آئی ہوں اور پبلک جلسوں میں ہونے والی تقریریں اور ریڈیو اور ٹیلیویژن کے پروگرام اور غیر ملکی یا ملکی فلمیں شامل ہیں اگر ہم ان تعلیمی ذرائع کو اسلام کی واقفیت اور محبت پیدا کرنے کے لئے استعمال نہ کریں گے تو وہ کسی نہ کسی رنگ میں لازماً اس مقصد کے خلاف معرض عمل میں آئیں گے اور قومی اتحاد پیدا کرنے کی اس کوشش کو بہت حد تک کالعدم کر دیں گے جو یونیورسٹی' کالج اور سکول کی طرف سے ہو رہی ہو گی۔"۴۳۱

قومی ضروریات کی تکمیل

اسلامی نظام تعلیم جس ملک میں رائج ہو گا اس ملک کے اندر رہنے والے تمام باشندوں کو اجتماعی ضروریات اور ملک کی خصوصی صورت حال کے تحت درپیش مسائل سے بحث کرنا چاہئے۔ قومی ضروریات کا تعین ہر ملک کی اپنی صورت حال میں ہو گا۔ یہاں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ پاکستان کے پس منظر میں ہے۔ لیکن پاکستان جیسے دوسرے تمام مسلمان ممالک پر جو آج کل کی اصطلاح کے مطابق تیسری یا چوتھی دنیا میں آتے ہیں اور جنہوں نے دور غلامی گزار کر آزادی حاصل کی ہے اور اس کا

بڑی حد تک اطلاق ہوتا ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کی منصوبہ بندی اس طرح کی جائے کہ وہ ملک و قوم کے درج ذیل تقاضوں کی تکمیل کرے۔"۴۳۲۔

اس میں قومی وحدت کے عامل کی حیثیت سے بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"بلاشبہ وحدت کی اصل بنیاد کو اسلامی نظریہ و عقیدہ ہی ہے لیکن متعدد ایسے مظاہر ہیں جن کا ملک کے لحاظ سے فرق ہو سکتا ہے۔ لیکن کسی ایک ملک کی حد تک ان میں وحدت پیدا کر کے ایسا نظام تشکیل دیا جا سکتا ہے کہ فارغ التحصیل فرد قومی تشخص کی علامت ہو اور ایک ہی ملک میں طرح طرح کے تعلیمی ادارے بنیادی طور پر مختلف یا ایک دوسرے سے متضاد شخصیتیں تیار نہ کر رہے ہوں چونکہ موجودہ صورتحال میں دورِ غلامی کے ورثہ کو سینہ سے لگائے رکھنے کی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ربع صدی گزرنے کے باوجود نظام تعلیم آزاد اسلامی ذہن سے تشکیل نہیں دیا گیا ہے اس لئے ایک ہی ملک میں کئی کئی طرح کے نظام تعلیم اور مختلف دھارے ملتے ہیں۔ نظام تعلیم قومی وحدت حاصل کرنے کے لئے جہاں انقلابی انتظامی تبدیلیاں عمل میں لائے وہاں ان بنیادی امور کی طرف توجہ مبذول کرے۔"۴۳۳۔

جمیل جالبی' ڈاکٹر "ذریعہ تعلیم کا مسئلہ اور قومی تعلیمی پالیسی" میں رقمطراز ہیں:

"یہ بات واضح رہے کہ کوئی غیر ملکی زبان سیکھنا' اس پر عبور حاصل کرنا ایک اچھی اور مستحسن بات ہے لیکن اسے ذریعہ تعلیم بنانا ایک تباہ کن اور منفی عمل ہے۔ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنا کر ہم اپنے اس منفی عمل سے معاشرے کی نشوونما روکے ہوئے ہیں اور معاشرے کو ایسے رستوں پر لے جا رہے ہیں جس کے نتیجے میں طبقاتی کشمکش بڑھے گی' اپنی تہذیبی جڑوں سے رشتہ بے معنی ہو جائے گا اور ہمارے معاشرے کا نوجوان اپنے معاشرے میں خود کو اجنبی محسوس کرنے لگے گا۔"۴۳۴۔

یونیسکو نے ذریعہ تعلیم کے سلسلے میں جو رپورٹ دنیا بھر کے ماہرین تعلیم سے مرتب کرائی تھی' ان کی بھی متفقہ رائے یہی ہے کہ:

"اگر کوئی غیر ملکی زبان کسی ایسے کلچر سے تعلق رکھتی ہے جو اسکی اپنی زبان کے کلچر سے مماثل ہو (جیسے ایک انگریز بچے کے لئے فرانسیسی زبان) تو اس زبان کو سیکھنے کے لئے بچے کی اصل مشکل صرف لسانی ہو گی لیکن غیر ملکی زبان ایسے کلچر سے تعلق رکھتی ہے جو اس کے کلچر سے بہت مختلف ہو (جیسا کہ نائجیریا کے بچے کے لئے انگریزی زبان) تو زبان سیکھنے کی دشواریاں بھی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔۔۔ جب بچے کو ایسے مشکل کام سے سابقہ پڑے تو عین ممکن ہے کہ بچہ مناسب و معقول طور پر کبھی اپنی بات کے اظہار کے قابل نہ ہو۔"۴۳۵۔

جمیل جالبی' ڈاکٹر "ذریعہ تعلیم کا مسئلہ اور قومی تعلیمی پالیسی" میں قومی تشخص اجاگر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ہمارے ہاں انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنا کر یہی عمل ہو رہا ہے اور ہر طالب علم کم و بیش اس صورت حال سے دوچار

ہے اور یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جسے ذریعہ تعلیم کے تعلق سے ہمیں پاکستان میں پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس پر عمل درآمد کر کے ہم نہ صرف تعلیم کو حقیقی معنی میں تعلیم بنا سکیں گے بلکہ اپنے معاشی، سیاسی وثقافتی مسائل کے بحران پر بھی قابو پا سکیں گے۔''

(۳۵)

ماہر تعلیم مسلم سجاد، پروفیسر ''اسلامی ریاست میں نظام تعلیم'' میں اسلامی قومی تشخص کو اجاگر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''الف۔ مشترکہ تاریخی ورثہ اور آزادی کی جدوجہد کی بنیاد پر جو قومی ہیروز ہیں ان کا تعین اور انکی شخصیت و کارناموں کی بطور خاص تدریس، ان کی پیدائش وغیرہ کے دن منانے کے لئے ثقافتی تقریبات وغیرہ کا انعقاد کیا جائے۔ یہ خیال رکھتے ہوئے کہ ان شخصیات کی ملی حیثیت بھی ہو اور ان کی عظمت ان کی اسلام کی خدمت کے حوالے سے ہو۔

ب۔ ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے کسی اجنبی یا سابق حاکم کی غیر قومی زبان کے استعمال سے نجات حاصل کرنا اور یکسو ہو کر قومی زبان کو رائج کرنا۔

ج۔ قومی لباس کی ترویج کرنا۔

د۔ نصابیات اور تعلیم سے متعلق منصوبہ سازی میں قومی اقدار کا لحاظ۔

ہ۔ باہمی ربط کے لئے نظریہ اسلامی کے حوالے سے اہم مواقع پر ثقافتی تقریبات منعقد کرنا۔

و۔ ایسے تمام عوامل کی تلاش میں دقتِ نظر سے کام لینا اور پھر ان عوامل کو نظام تعلیم سے خارج کرنا جو وحدت قومی کے خلاف ہوں۔'' (۳۶)

۲۔ معاشرتی عدل کے وسیلے کی حیثیت سے

''اسلامی دنیا کے بیشتر ممالک کا ایک سنگین مسئلہ طبقاتی تفاوت ہے جو بدقسمتی سے سنگین سے سنگین تر ہوتا جا رہا ہے۔ اقتصادی ترقی کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود ترقی کے پھل ایک محدود مراعات یافتہ طبقہ کے حصے میں آ رہے ہیں۔ اس سے اجتماعی زندگی میں جو زہر گھل رہا ہے اس صورت حال کے علاج کے لئے زندگی کے مختلف میدانوں میں تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ لیکن تعلیم بھی اس میں اسلامی نقطہ نظر سے اہم کردار ادا کر سکتی ہے اور یہ اسے ادا کرنا چاہئے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے اسلامی نظام تعلیم کو قوم کے تمام افراد کے لئے یکساں مواقع فراہم کرنے کے مقصد کے تحت سب کے لئے یکساں نوعیت کے تعلیمی ادارے قائم کرنا چاہئے۔ جہاں مختلف طبقاتی پس منظر سے آنے والے طالب علم یکساں ماحول میں یکساں معیار کی تعلیم حاصل کریں۔ بلاشبہ قومی ضروریات کے لحاظ سے اداروں میں تنوع ضرور ہوگا لیکن یہ ضرورت کے لحاظ سے ہوگا۔ طبقات کی بنیاد پر نہیں۔ اسلامی نظام تعلیم کو یہ ضمانت دینا چاہئے کہ ماسوائے صلاحیت کے کسی کو کسی دوسری بنیاد پر معاشرہ میں آگے بڑھنے کے مواقع نہیں ملیں گے۔ نیز نہ تو کسی کے پاس وسائل کی زیادتی بہتر اور اعلیٰ تعلیم کی ضمانت ہوگی اور نہ کسی کے پاس وسائل کی کمی کا ہونا عام تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم کے حصول

تک کسی مرحلہ میں رکاوٹ بن سکے گا۔ یہ بدی کا چکر ہے جس میں کہ محروم ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں اور اچھی خاصی صلاحیتوں کے باوجود بھی محرومی کا چکر توڑنے کے لئے تعلیم کی خدمت کو استعمال نہیں کرسکتے۔ اس حالت کے ختم ہوئے بغیر کوئی نظام تعلیم اسلامی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ نظام تعلیم کی منصوبہ بندی اگر راست فکری سے کی جائے تو اس میں طبقات کو توڑنے کی بڑی امکانی قوت موجود ہے۔ لیکن اس کا مکمل طور پر نتیجہ خیز ہونا خلوص سے اسے استعمال کرنے کے ساتھ مشروط ہے۔ محض دکھاوے کے اقدامات سے نتائج حاصل نہیں ہوسکتے۔

ایک ایسا معاشرہ جس میں عدل کی کارفرمائی ہو' اسلام کا نصب العین ہے۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے اس کلیہ کی مدد سے تعلیمی پالیسی کا رخ بھی متعین کیا جاسکتا ہے۔ مزید برآں اگر مسلمانوں کی تعلیمی روایت دیکھی جائے تو ہم دنیا کی وہ قوم ہیں جس نے تمام معاشرے کے لئے یکساں مواقع کا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس پر صدیوں تک عمل بھی کیا۔ مسلمانوں کی تعلیم کے مقاصد میں یکساں تعلیمی مواقع کا تصور اور اس کی عمومی ترویج کا اصول شامل تھا۔ برصغیر میں مسلمانوں کی تعلیمی روایت کی اولین خصوصیت یہ تھی کہ تعلیم کو جمہوری کردیا گیا تھا۔ مسجد کی طرح "مدرسہ میں بھی سب برابر ہوتے تھے اور یہ اصول قائم کردیا گیا تھا کہ غریبوں کو بھی تعلیم دی جائے۔"[۴۳۷]

جاوید ہاشمی' وفاقی وزیر برائے خصوصی تعلیم "نظریاتی پہلو سے تعلیم" اسلامی تعلیمی تشخص کو اجاگر کرتے ہوئے ایک تقریر میں بیان کرتے ہیں:

"ہمیں علم وحی اور علم دنیا یا سائنسی علم کے درمیان غیر فطری خلیج کو پاٹنا ہے۔ محض سیکولر تعلیم ہمارے کسی کام کی نہیں کہ جب تک اس علم کا ناطہ اپنے رحمان' رحیم' خالق اور مالک سے نہ جوڑ دیا جائے۔ بے شک اس موضوع پر آپ حضرات نے بہت کام کیا ہے اس جز کو اس مثال سے بھی سمجھئے کہ اگر جدید علم ہی انسانیت کی معراج ہوتا تو آج تہذیب حاضر کے روشن چوراہے میں بوسنیا کے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہورہا ہے وہ نہ ہوتا۔ ظاہر سی بات ہے کہ دنیا کے اس جدید علم میں اخلاقی قدروں کی پامالی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جس میں طاقت ہی حق ہے اور اس غیر انسانی بلکہ ظالمانہ مسئلے کا حل صرف قرآن وسنت ہی میں ہے۔"[۴۳۸]

ابوالاعلیٰ مودودی "تحریک آزادی ہند اور مسلمان" میں رقمطراز ہیں:

"ایک قوم کی زبان اور اس کا رسم الخط' اس کی تہذیب اور اس کی قومیت کے بقاوفنا میں فیصلہ کن اہمیت رکھتا ہے' کسی قوم کو اگر آپ دوسری قوم میں تبدیل کرنا چاہیں تو اس کی زبان اور رسم الخط بدل دیجئے۔ رفتہ رفتہ وہ خود بخود دوسرے سانچے میں ڈھلتی جائے گی۔ اس کے بعد آنے والی نسلوں کا تعلق اپنے اسلاف سے منقطع ہو جائے گا اور وہ بالکل نئی ذہنیت' نئے افکار اور نئی قومی صورت لے کر اٹھیں گی۔ جن جن لوگوں نے قومیتوں کے بنانے اور بگاڑنے کا کھیل کھیلا ہے ان سب نے یہ ہتھیار ضرور استعمال کیا ہے۔ زار روس کی حکومت نے اپنی استعماریت کی بنیاد مستحکم کرنے کے لئے روسی زبان اور رسم الخط کو تمام غیر روسی قوموں پر مسلط کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ یہ سب قومیں روسی بن جائیں اور اس کی مملکت میں کوئی

قوم ایسی نہ رہ جائے جو اپنی زبان بولنے والی اور اپنے مذہب کا اتباع کرنے والی اور اپنی رسوم پر چلنے والی ہو۔ اصطلاح میں اس کو **Russification** یعنی روسی بنانے کی پالیسی کہا جاتا ہے۔ بعد میں اس پالیسی کی پیروی اشتراکی جماعت نے بھی کی۔ لینن نے انقلاب کے بعد ہی مشرقی قوموں کو نئے سانچے میں ڈھالنے کے لئے ان کے رسم الخط کو لاطینی رسم الخط سے بدل دیا اور بعد میں روس کی ۲۹ قوموں کا رسم الخط لاطینی کی بجائے روسی کر دیا' تاکہ اس علیحدگی کے احساس کو بالکل مٹادیا جائے۔ جو ان کے روسی بن جانے میں مزاحم ہوتا ہے۔ ازبک' ترکمان' تاجک' کرغیز اور داغستانی مسلمان' جن کو عربی رسم الخط نے اسلامی روایات سے وابستہ کر رکھا تھا۔ اس ضرب کاری کے اثرات کو تاحال محسوس کر رہے ہیں۔ ان تمام کی قومیت تحلیل ہو کر اشتراکی سوسائٹی میں تبدیل ہوتی گئی۔ یہی پالیسی فرانس نے شمالی افریقہ میں اختیار کی وہاں عربوں اور بربروں کو فرانسیسی قومیت میں ڈھالنے کے لئے ساری طاقت اس پر صرف کی گئی کہ عربی زبان اور رسم الخط کو مٹادیا جائے۔"۴۳۹

۳۔ ہر شہری تک رسائی

اسلامی تصور کے مطابق تعلیم ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ یہ تصور اور اس کے مطابق عمل کی روایت اسلام کے ماننے والوں نے اس وقت قائم کی جب دنیا اس سے ناآشنا تھی۔ آج کی دنیا کے بعض فلسفے محض روٹی' کپڑے اور مکان کو انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیتے ہیں جبکہ اسلام تعلیم کو بھی ایک بنیادی ضرورت قرار دیتا ہے اور ریاست پر لازم کرتا ہے کہ وہ ہر شہری کے لئے خواہ وہ فرد ہو یا عورت بنیادی ضروری تعلیم کی سہولت فراہم کرے اور اس امر کو یقینی بنائے کہ ہر شہری اتنا تعلیم یافتہ ضرور ہو کہ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق بسر کر کے اور آخرت میں کامیاب ہو سکے۔

موجودہ صورتحال میں مسلم ممالک میں مثالی سو فیصد خواندگی کا ہدف بظاہر خواب و خیال کی بات معلوم ہوتا ہے لیکن اسی ہدف کو نظر سے او جھل نہیں ہونے دینا چاہئے اور اس کو وہ اہمیت حقیقتاً دینی چاہیئے۔ جو ایک اسلامی ریاست میں مطلوب ہے۔ اگر قومی ترقی پر اخراجات کی ترجیحات کا تعین اسلامی نقطہ نظر سے کیا جائے تو نہ صرف شان و شوکت کے اظہار پر اور دیگر غیر ضروری مدات پر بے شمار اخراجات بچا کر بلکہ بعض کم ضروری مدات سے بھی رقم بچا کر اس قومی ضرورت پر صرف کی جا سکتی ہے۔ اس مقصد کے لئے مسلم معاشرہ کو نہ صرف نئے ٹیکس خوشی قبول کرنا چاہئیں بلکہ مناسب حالات فراہم ہوں تو تعاون کے جذبے کے ساتھ اس کا بار رضاکارانہ طور پر اٹھانا چاہئے۔ تعلیم بہترین سرمایہ کاری کے دائرہ میں شمار ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ طب' صنعت' زراعت' مہارت فنون وغیرہ تمام پہلوؤں سے معاشرہ کے لئے مفید نتائج کا ذریعہ بنتی ہے۔ بہر حال اسلامی حکومت کو علم کے فروغ کو قومی و دینی ضرورت قرار دے کر اس کے لئے منصوبہ بندی کرنا چاہئے اور اسے اس طرح روبہ عمل لانا چاہئے کہ اس کے مقاصد اسلامی ریاست کے مقاصد سے اس کا طریق کار اسلامی معاشرہ کی اقدار کی مناسبت سے اور اس کا انصاب دینی و قومی ضروریات سے مطابقت رکھتا ہو۔ ہر شہری تک علم پہنچانا معمولی کام نہیں۔ اس کے لئے مناسب حکمت عملی بنانا چاہئے اور اس کے لئے عوام کے رجحانات کے لحاظ سے مطالعہ و تحقیق کا انتظام کرنا چاہئے لیکن ایک اسلامی مملکت میں یہ سب کام خصوصی ترجیح و اہمیت سے کیا جائے گا۔ اس لئے کہ حقیقی علم کے

عام ہو جانے سے ہی ایک حقیقی اسلامی معاشرہ کی بنیاد پڑے گی۔

اس مرحلہ پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلامی مملکت اپنے غیر مسلم شہریوں کے لئے تعلیم کا اس طرح انتظام کرے کہ انہیں اپنے عقائد و رسوم پر عمل کی آزادی رہے اور انہیں زبردستی اسلام کے دائرہ میں نہ لایا جائے۔ جہاں کسی خاص فرقہ کے اقلیتی طلبہ مناسب تعداد میں ہوں وہاں ان کے بزرگ اپنے خرچ پر ایک مذہبی پیریڈ کے لئے استاد کا انتظام کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی درسی کتاب استعمال ہو تو وہ منظور شدہ ہو۔ یہ اسلام ہے جو اپنے حلقہ اثر میں رہنے والے غیر مسلموں کو تہذیبی اور معاشرتی آزادی دیتا ہے حالانکہ آج کی دنیا میں اقلیتوں کو ملکی تہذیب میں مدغم کرنے کی کوشش عام ہیں۔" ۴۴۰

تعلیم کا اعلیٰ معیار و اعلیٰ سائنسی تعلیم

مسلم سجاد، مفکر دین "اسلامی ریاست میں نظام تعلیم" میں رقمطراز ہیں:

"معیار کی بلندی اور قومی ضروریات کا مقام دیا جائے۔ اس لئے کہ اس کے بغیر کیسی بھی تعلیم ہو، ناکارہ انسان تیار کرتی ہے۔ اسلامی مملکت کے شہریوں کو تو ساری دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا ہے۔ اگر ان کی تعلیم کے معیار پست ہو تو وہ دنیا کی امامت و قیادت کا منصب جوان کے لئے کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جدید ترین سہولت فراہم کرنے کے لئے جو اخراجات ناگزیر ہیں۔ ان کے لئے وسائل فراہم کئے جائیں۔ انتظامیہ کو مثالی بنایا جائے، اساتذہ کے انتخاب، نگرانی، احتساب کے نظام کا خیال رکھا جائے۔ امتحانات کے نظام دیانتدارانہ ہو اور قواعد و ضوابط میں تعلیمی معیار بلند رکھنے کے رجحان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو۔ ان سب تدابیر سے یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔"

مجاہد کامران، ڈاکٹر، پروفیسر "اعلیٰ تعلیم میں سائنس کا مسئلہ" میں قومی ضروریات کی تکمیل میں سائنسی تعلیم اور اس کی بنیادی ضرورت سے متعلق رقمطراز ہیں:

"پاکستان کی تعلیم پالیسیاں سائنس کی تعلیم کے بارے میں ہمیشہ ایک انتہائی بنیادی کنفیوژن کا شکار رہی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عملاً پاکستان میں سائنس کی تعلیم کا کوئی وجود نہیں۔ اگر انجینئرنگ کی تعلیم کا مقصد انجینئر پیدا کرنا ہے، اگر ڈاکٹری کی تعلیم کا مقصد ڈاکٹر پیدا کرنا ہے تو سائنس کی تعلیم کا مقصد سائنس دان پیدا کرنا ہے۔ وہ تعلیم جسے پاکستان میں سائنس کی تعلیم کہا جاتا ہے فی الحقیقت انجینئر اور ڈاکٹر پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ کالج میں داخلہ لینے کے بعد طلبہ کو پری انجینئرنگ اور پری میڈیکل کے گروہوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ گویا ہم سائنس دان پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ سائنس، انجینئرنگ اور ڈاکٹری سے بالکل مختلف شے ہے۔ یہ بات پالیسی سازوں کے ذہن میں ہے نہ عوام کے۔ ایک اسلامی معاشرے میں علم فطرت کے بارے میں یہ رویہ عجیب و غریب اور ناقابل فہم ہے۔ قرآن پاک کی قریباً ۷۵۰ آیات (یعنی آٹھویں حصے) میں انسان کو بار بار یہ ہدایت کی گئی ہے کہ فطرت اور اس کے مظاہر کا بغور مشاہدہ کرو کہ اس میں سوچنے والوں کے اشارات موجود ہیں۔ گویا قرآن کی رو سے مسلمانوں پر فطرت کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ عملاً

صورت حال یہ ہے کہ سائنسی علوم کی تخلیق اور امتیازات کے حصول میں مسلمانوں کا تعطل ضرب المثل بن چکے ہیں۔

سائنس کی تدریس اور تخلیق کے بارے میں ہماری پالیسیوں کا جائزہ لینے کے بعد ایک اور بنیادی بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ پالیسی سازوں کو اس پیمانے کا اندازہ نہیں جس پیمانے پر پلاننگ 'اخراجات اور تگ ودو کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ان اقوام کی کاوشوں کا جائزہ لیا جائے جنہوں نے اس صدی میں مختصر مدت میں انتہائی تیزی سے ترقی کی ہے تو اس سکیل یا پیمانے کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ۱۹۷۸ء میں چین کی حکومت نے ۱۹۸۵ء تک دس لاکھ سائنس دان پیدا کرنے کا ہدف مقرر کیا تھا۔ آج ایک اندازے کے مطابق چین کے پاس ۱۶ لاکھ سائنس دان ہیں۔ اگر چین اور پاکستان کی آبادی کا موازنہ کیا جائے تو ہمیں آئندہ دس برسوں میں ایک لاکھ سائنس دان پیدا کرنا چاہیں۔ پالیسی سازوں کا جو رویہ ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسی بات کو غیر حقیقت پسندانہ کہہ کر ٹال دیا جائے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر آپ اقوام عالم میں باعزت مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اسی سطح اور پیمانے پر اقدامات کرنے ہوں گے۔ اس بات کو جتنی جلد سمجھ لیا جائے اسی قدر ہماری بہتری ہے۔ سائنسی تعلیم و تحقیق کے معاملے میں عقل سے کام لینے والوں کے لئے نوبل انعام یافتہ ماہر تجربات Leon Lederman لکھتا ہے:

"Judged by the economic rate of return, expendiutre or basic scientific research has, so far, been enormously more profitable than any other major form of investment with the exception of universal education."

موجودہ تعلیمی پالیسی کے حوالے سے ایک اور بات ذہن میں رکھنی چاہیے جن غیر مغربی قوموں نے بھی اس صدی میں سائنس کے میدان میں سرعت کے ساتھ ترقی کی ہے انہوں نے یہ کامیابی سائنس کے لئے کامل حکومتی سرپرستی سے ہی حاصل کی ہے اور نجی شعبے کا اس میں کوئی خاص رول نہیں رہا۔ لہٰذا پاکستان میں سائنسی علوم کی تدریس و تخلیص کے حوالے سے نجی شعبے سے کوئی خاص توقع نہیں کی جا سکتی۔

موجودہ تعلیمی پالیسی سائنسی علوم میں تربیت یافتہ افراد کی پیداوار کے بارے میں کوئی اہداف نہیں۔ بلکہ صفحہ ۳۵ پر درج ہے:

A Separat higher education resarch policy will be formulated.

اس ضمن میں حکومت اور پالیسی ساز اداروں کو چند باتیں پیش نظر رکھنی چاہیں:

۱۔ اعلیٰ سائنسی تعلم کا سب سے پہلا ہدف وسیع تعداد میں سائنس دان پیدا کرنا ہے۔ ہمیں اگلے موجودہ نہیں دس برسوں میں سائنسی محققین کی تعداد چند ہزار سے بڑھا کر کم از کم ایک لاکھ کرنا ہو گی۔ پالیسی میں اس سلسلے میں کوئی ہدف موجود نہیں۔

۲۔ مطلوبہ ہدف کو حاصل کرنے کے لئے جامعات اور سائنسی تحقیقی اداروں میں وسیع پیمانے پر گریڈ ۷ اور اس سے

اوپر کی اسامیاں تخلیق کی جانی چاہئیں تاکہ اچھے طالب علموں کو Ph.D کا موقع ملے۔ سائنسی تحقیق ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اس کے لئے خاص ذہنی صلاحیتیں درکار ہیں۔ سائنس کے اچھے طالب علموں کو آج بھی ملک میں اور بیرون ملک فوراً مستقل ملازمت مل جاتی ہے اور کوئی اچھا طالب علم مستقل نوکری چھوڑ کر ۵۰۰ روپے ماہانہ یا مشاہرے پر یا جیب سے پیسے خرچ کر کے Ph.D کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔

۳۔ مندرجہ بالا مقاصد کے لئے سائنسی مضامین اور غیر سائنسی مضامین پڑھنے والے طلبہ کا تناسب اگلے دس برسوں میں برابر کیا جائے۔ اس وقت طلبہ کی اکثریت غیر سائنسی مضامین پڑھتی ہے۔

۴۔ جامعات کے موجودہ بجٹ دگنے کئے جائیں اور بجٹ کا ۱۵۔۲۰ فیصد حصہ سائنسی ریسرچ کے اخراجات اور ۳۔۵ فیصد حصہ لائبریریوں کے لئے مختص کیا جائے۔ بغیر تحقیقی جرائد کے، سائنسی تحقیق ناممکن ہے۔ لہٰذا تحقیق کے لئے لائبریریوں کی وہی اہمیت ہے جو لیبارٹریوں کی ہے۔ تعلیمی پالیسی میں ریسرچ (جس میں غیر سائنسی مضامین بھی شامل ہیں) کے لئے جامعات کے بجٹ میں صرف ۵ فیصد رکھا گیا ہے۔ یہ رقم انتہائی کم ہے۔

۵۔ سائنسی تحقیق اور اعلیٰ سائنسی تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لئے اقراء، فنڈز استعمال کئے جائیں۔ چونکہ قرآن کا آٹھواں حصہ انسان کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ مظاہر فطرت کا بغور مطالعہ کرے 'لہٰذا اقراء سرچارج کا آٹھواں حصہ صرف سائنسی تحقیق کے لئے مختص ہونا چاہئے۔ باقی رقم سے سائنسی تعلیم اور دیگر تعلیم کے اخراجات پورے کئے جائیں۔

۶۔ جامعات کو عملاً نوکر شاہی اور سیاست دانوں کو دخل اندازی سے آزاد کیا جائے۔ پالیسی میں غیر ممالک میں کانفرنسوں وغیرہ میں شرکت کے لئے NOC وغیرہ کو ہٹائے جانے کا ذکر ہے۔ یہ بات ہمیشہ کی جاتی ہے لیکن فیصلہ نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو عملدرآمد نہیں ہوتا۔ جامعات خود مختار ادارے ہیں' انہیں تعلیمی اور تحقیقی مقاصد کے لئے اپنے فنڈز استعمال کرنے کی مکمل آزادی ہونی چاہئے اور نوکر شاہی کے کسی کارندے کو یہ کہنے کا اختیار نہیں ہونا چاہئے کہ چونکہ پیسے حکومت دیتی ہے لہٰذا اخراجات پر کنٹرول بھی حکومت کا ہوگا۔ حکومت کے کنٹرول کا عملاً مطلب نوکر شاہی کا کنٹرول ہے۔

۷۔ وائس چانسلر کو اس کی ٹرم کے دوران اپنے منصب سے ہٹانے کا اختیار کسی کے پاس نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے جامعات کو استحکام دینے میں مدد ملے گی۔" ۴۴۲؎

مذکورہ مقاصد کے حصول کے ادارے اور وسائل

۱۔ مسجد و مکتب کا کردار

دنیا کا سب سے پہلا گھر' دنیا کی سب سے پہلی مسجد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گھر کی اولیت کا ذکر خود فرماتے ہیں:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ ۴۴۳؎

ترجمہ:- بلاشبہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کیلئے مقرر کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا ہے اور جہاں بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔

ابن کثیر میں عظمت و کبریائی مسجد کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"سیدنا آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو تخلیق آدم کی منشاء کے ظہور کا وقت آگیا اور ان کی خواہش ہوئی کہ کوئی ایسا گھر وجود میں آئے جس سے تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تقدیس کی آوازیں بلند ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس پاک خواہش کو شرف قبولیت بخشا اور حضرت جبرئیل آمین کی رہنمائی میں مسجد حرام کی بنیاد سب سے پہلے زمین پر ڈالی گئی۔" ۴۴۴

"عَنْ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ هذا حديث صحيح۔" ۴۴۵

ترجمہ:- فرمایا آپؐ نے میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنی بہتر ہزار نمازوں سے جو اس کے سوا اور مسجدوں میں پڑھی جائیں، سوائے مسجد حرام کے۔ ۴۴۶ "یہ حدیث صحیح ہے"

"مسجد حرام کے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کہے جاتے ہیں اور مسجد اقصیٰ کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان دونوں بزرگوں کے درمیان ہزار سال کا بعد ہے۔

"مسجد حرام کے بانی اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ طوفان نوح میں گھر اٹھالیا گیا تھا اور پھر اسی حالت میں پڑا رہا۔ تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی اپنے زمانے میں اس کی دیواریں اٹھائیں۔ جس میں آپ کے شریک کار آپ کے لاڈلے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام رہے۔ قرآن پاک نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔"

"وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ۔" ۴۴۷

ترجمہ:- اور جب اٹھارہے تھے ابراہیم و اسمٰعیل خانہ کعبہ کی دیواریں۔"

"وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا۔" ۴۴۸

ترجمہ:- اور جب ہم نے بتلا دیا ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ کو میرے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا۔

مسجد اقصیٰ کے بانی اول بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں۔ محققین کا بیان ہے کہ تعمیر کعبہ کے بعد آپ کو بیت المقدس جانے کا حکم ہوا تھا۔ غالباً اسی زمانہ میں آپ نے مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی ہوگی۔ حضرت سلیمان بانی ثانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دونوں کے موسس حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں اور حضرت آدم و سلیمان علیہما السلام مجدد ہیں۔ ۴۴۹

تعمیر کعبہ کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے مختلف کتابوں کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے، یوں ہے:

"یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس محترم گھر (بیت اللہ) کی بنیاد ابتداءً حضرت آدم علیہ السلام میں پڑی، اس کے بعد برابر

یہ مقدس مقام انبیاء و صلحا کا معبد اور قبولیت دعا کا مرکز رہا اور جب جنت سے زمین پر ڈالے گئے تو التجا کی خدایا آسمان کی طرح یہاں بھی کوئی گھر ہو، جہاں تسبیح و تہلیل کی گونج رہے۔ یہ درخواست مقبول بارگاہ ہوئی اور نشان دہی فرمادی گئی اور اسی نشان پر بنیاد رکھی گئی۔ جو طوفان نوح علیہ السلام تک موجود رہا۔ طوفان میں اٹھالیا گیا مگر اس کے نشانات باقی تھے۔ اسی کی طرف لوگ قبولیت دعا کیلئے رجوع کرتے رہے۔ تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنانے کا حکم ہوا۔ آپ نے بنانے کا ارادہ کیا تو ایک سکینہ سایہ فگن ہوا۔ حضرت جبرئیل آمین نے اس کی مدد سے خطوط کھینچے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کھود کر بنائے آدم نکالی اور اسی پر مقدس گھر تعمیر پایا۔" ۴۵۰ ؎

مکہ میں مسلمانوں کی پہلی درسگاہ

"مکہ حضور کریم ﷺ کا وطن مولود تھا اور آپؐ نے یہیں سے تبلیغ اسلام کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا درس دار الارقم میں دیا گیا۔" ۴۵۱ ؎

"اسی مناسبت سے دار الارقم کو تعلیمات اسلامی کا سب سے پہلا مرکز ہونے کا اعزاز ہے۔ یہ مکان مکے کے نواحی علاقے میں کوہ صفا پر واقع تھا۔ انہی سے منسوب ہونے کی وجہ سے اسے دار الارقم کہا جاتا تھا۔ درس و تدریس کا سلسلہ اس مکان میں تین سال تک جاری رہا۔" ۴۵۲ ؎

مسلمانوں کا پہلا باقاعدہ تعلیمی ادارہ

مسلمانوں کے پہلے باقاعدہ تعلیمی ادارے کا قیام مسجد نبوی کی تعمیر سے ہوا۔ یہ مسجد حضورؐ کی نگرانی میں سن ہجری کے آغاز میں تعمیر ہوئی تھی اور آج بھی مدینے میں موجود ہے۔ اس مسجد سے کیونکہ تعلیمی اعتبار سے مسجد نبوی کو پہلی باقاعدہ درسگاہ اور اصحاب صفہ پر مشتمل طالبان علم صحابہ کرام کو مسلمان طلباء کی پہلی جماعت تصور کیا جاتا ہے۔ ابتداء میں اصحاب صفہ کی تعداد کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ ہوتا یوں تھا کہ جن لوگوں کو وقت ملتا یا جو لوگ کچھ جاننا چاہتے تھے وہ وہاں سیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ اکثر لوگ وہاں ایک مجمع کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ جن کی تعداد بعض اوقات سو تک پہنچ جاتی تھی۔" ۴۵۳ ؎

تعمیر مسجد کی ضرورت

ظفیر الدین، مولانا "اسلام کا نظام مساجد" میں تعمیر مسجد کی ضرورت پر رقمطراز ہیں:

"اسلام کا قانون عام مقتضی تھا کہ نظم و ضبط اور مسلمانوں کی قوت اجتماعی برقرار رکھنے کیلئے کوئی ایسا نظام قائم کیا جائے جو بکھری ہوئی بھیڑ اور منتشر افراد کی شیرازہ بندی کردے اور انتشار و تشتت کی راہ پر آہنی پھاٹک لگادے تاکہ نفرت و عداوت اور پھوٹ کی لعنت ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے جو کسی قوم کی مٹی پلید کرنے کے لئے کافی ہے۔" ۴۵۴ ؎

تعلیم میں دینی مدارس کا کردار

اسلامی نظام تعلیم کے ان مختلف دوروں میں اسلامی ممالک کے مختلف شہر تعلیم کے اہم مرکز بنے رہے۔ جہاں تعلیم کے سلسلہ کے تمام وسائل میسار ہے تھے اور طلبہ دور دور سے پہنچ کر وہاں علم کی تحصیل کیلئے آتے تھے۔ یہ تعلیمی مرکز مختلف زمانوں میں بدلتے رہے۔

ابن خلدون نے اس کی یہ صحیح توجیح کی ہے۔ کہ جس ملک کا تمدن جس قدر ترقی یافتہ رہا اسی قدر وہاں اعلیٰ تعلیم کے موقعے اور وسیلے پیدا ہوئے۔

ابن خلدون رقمطراز ہیں:

''اس کا سبب یہ ہے کہ جیساکہ ہم دکھا چکے ہیں کہ علوم کی تعلیم بھی منجملہ پیشوں کے ایک پیشہ ہے اور ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ پیشے شہروں ہی میں زیادہ ہوتے ہیں اور شہروں کی تمدنی ترقی اور تنزل کے اعتبار سے ان میں بھی بیشی اور کمی ہوتی ہے۔ جس قدر تمدنی لطافتیں بڑھتی ہیں ان پیشوں میں بھی باریکیاں اور ندرتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ انسانی خاصہ ہے کہ جب معاشی فارغ البالی حاصل ہوتی ہے تو انسان کی زندگی میں مزید لطافت پیدا ہوتی ہے اور ان میں علوم و صنائع کا شغف پیدا ہوتا ہے۔'' ۴۵۵

اسی اصول کے بموجب اسلامی عہد میں جو شہر تمدنی حیثیت سے کمال کے درجہ پر پہنچے وہ تعلیم کے مرکز بھی قرار پائے۔ چنانچہ صحابہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ کو قدرتاً ''مدینۃ العلم'' کا لقب حاصل تھا۔ پھر کوفہ و بصرہ کو یہ امتیاز حاصل رہا۔ اس کے بعد بغداد اور نیشاپور، مشرق میں قیروان اور قرطبہ مغرب میں علم کے شہر قرار پائے اور اسلام کے ابتدائی زمانہ میں انہی شہروں کو تعلیمی مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔

ابن خلدون رقمطراز ہیں:

''بغداد، قرطبہ، بصرہ اور کوفہ کو دیکھو کہ جب یہاں اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تمدن پھیلا اور عمرانی ترقی کمال کے درجہ پر پہنچ گئی تو یہاں علم کے سمندر جوش مارنے لگے اور یہاں کے باشندے تعلیمی اصطلاحات اور مسائل کے استنباط میں تفنن طبع دکھانے لگے لیکن جب یہاں کے تمدن کو زوال آیا تو یہاں کے باشندوں میں ابتری پیدا ہوئی تو وہ بساط الٹ گئی۔ علم اور تعلیم مفقود ہو کر یہاں سے دوسرے شہروں میں منتقل ہو گیا۔'' ۴۵۶

اس کے بعد جن اسلامی شہروں کو سیاسی حیثیت سے بلندی حاصل ہوئی اور ان کی تمدنی ترقی کا دور آیا۔ وہی شہر تعلیم کے مرکز بھی قرار پائے۔

''جب بغداد، بصرہ اور کوفہ جیسی علم کی کانیں مٹ گئیں تو ان سے بڑے بڑے شہر پیدا ہو گئے اور علم کا مرکز وہاں سے عراق عجم میں منتقل ہو کر خراسان و ماوراء النہر میں قائم ہو گیا اور پھر قاہرہ میں منتقل ہوا اور چونکہ قاہرہ کی تمدنی حیثیت مسلسل قائم رہی۔ اس لئے یہاں علم کا مرکز بھی ہر زمانہ میں موجود رہا۔ یہاں تک کہ جو لڑکے علم حاصل کرنے کیلئے مغرب

سے مشرق جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اہل مشرق عقل وذہانت میں اہل مغرب سے زیادہ ہوتے ہیں اور وہ فطری طور پر ان سے زیادہ عقلمند اور تیز ہوتے ہیں۔"

"اس طریقہ سے وہ مغرب اور مشرق کے باشندوں کی انسانی خصوصیتوں میں فرق سمجھنے لگے۔ حالانکہ یہ واقعہ صحیح نہیں ہے۔ مشرق اور مغرب کی اقلیموں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ اہل مشرق تمدن کی ترقیوں کی وجہ سے اور مسلسل مشق جاری رہنے سے اہل مغرب سے بڑھ گئے ہیں اور ان کی تمام عقلی ترقیوں کا حقیقی سبب صرف اسی قدر ہے۔"۴۵۷

ابن خلدون اپنے عہد کے تعلیمی مرکزوں پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس زمانہ میں مغرب کے تمدن میں اختلال اور یہاں کی حکومتوں میں ابتری پیدا ہونے کی وجہ سے یہاں سے تعلیمی اعتماد اور مرکزیت فنا ہوئی۔ قیروان اور قرطبہ 'مغرب اور اندلس سب سے بڑے متمدن شہر تھے۔ انہیں پوری تمدنی ترقی حاصل ہوئی۔ اس لئے یہاں ہر قسم کے علوم اور پیشوں کے بازار گرم تھے اور ان کے سمندر جوش مار رہے تھے اور ایک زمانہ گزرنے سے یہاں تعلیم لوگوں کی طبیعتوں میں راسخ ہو گئی تھی۔ جب یہ دونوں مرکز برباد ہوئے تو مغرب سے تعلیم بھی رخصت ہو گئی۔ صرف کسی قدر نام ونشان باقی رہ گیا' چنانچہ مراکش میں دولت موحدیہ کے عہد میں یہاں کے پچھلے تعلیمی زمانہ کے ہونے اور اسکے جلد ختم ہو جانے کی وجہ سے یہاں حضارت راسخ نہ ہو سکی تھی۔ البتہ مشرق سے چند اہل علم علوم حاصل کر کے لوٹے اور ان کے ذریعہ سے تونس 'تلمسان اور بجایہ میں علم کی روشنی پہنچی۔ لیکن مغرب کے دوسرے حصے جیسے فارس وغیرہ تعلیم کی خوبی سے اس وقت خالی ہو گئے۔ جب سے قرطبہ اور قیروان کے تمدن کو زوال آیا اور ان باشندوں کی ذہنی ترقی کا موقع باقی نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب کے مدرسوں میں جو علوم ۱۶ سال میں لڑکوں کو ختم کرائے جاتے ہیں وہ تیونس میں صرف پانچ برس کی مدت میں پڑھا دیئے جاتے ہیں۔"۴۵۸

مختلف علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی

"یہ پہلی اقامتی درس گاہ جو علم کا گہوارہ بن چکی تھی۔ مسجد نبویؐ کے صحن میں قائم ہونے والی اس اولین درسگاہ کے سب سے بڑے معلم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تھے۔ یہاں لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے علاوہ علوم وفنون کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اکثر وبیشتر دور ودراز مقامات سے آنے والے افراد یہیں قیام کرتے اور مختلف مسائل کے بارے میں حضور ﷺ اور دوسرے اساتذہ سے معلومات حاصل کرتے تھے۔ مسجد نبویؐ کے اساتذہ میں ایک معتبر نام حضرت عبداللہ بن سعید بن العاص کا تھا جو طالب علموں کو لکھنا پڑھنا سکھاتے تھے۔ آپ کا اصل نام الحکم تھا اور عبداللہ حضور ﷺ نے تجویز کیا تھا۔"۴۵۹

اسلامی معاشرے میں مسجد کا کردار

نظم جماعت اور اس کی اہمیت

"مسجد کے اندر نماز جماعت کی جو حیثیت ہے اور مسجد کو نماز سے جو گہرا تعلق ہے اس کے ثابت ہو جانے کے بعد

بتلانا ہے کہ جماعت کی نماز کو شریعت میں کیا خصوصیت و مرکزیت حاصل ہے اور اس کی تاکید قرآن و حدیث میں کس اہمیت کے ساتھ آئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔" ۴۶۰؎

ترجمہ:- اور نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ۔

مدارس کا قیام

قوموں کے عروج اور ترقی میں ان کے مدرسے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ قومیں افراد سے بنتی ہیں اور افراد کی ان کے بچپن ہی سے ذہنی، اخلاقی و روحانی تعلیم و تربیت مدرسوں ہی کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔

سید ریاست علی ندوی، مولانا "اسلامی نظام تعلیم" میں رقمطراز ہیں:

"مسلمانوں نے مدرسوں کے قائم کرنے میں یہ اولین نقطہ سامنے رکھا کہ وہ افراد انسانیت کیلئے صحیح اور پاکیزہ اخلاق و روحانیت کی تربیت گاہ ہوں اور اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے بڑی بلند نظری سے خود ان مدرسوں کے لئے یہ شرط قرار دی کہ وہ پاکیزہ اخلاقی و روحانی مقاصد، حسن نیت اور اخلاص عمل کے ساتھ قائم کئے گئے ہوں اور ان کا سرمایہ معقول اور جائز ذرائع اور پاک روزی سے حاصل کیا ہوا ہو۔" ۴۶۱؎

قاضی ابن جماعہ "تذكرة السامع والمتكلم في ادب العالم والمتعلم" میں رقمطراز ہیں:

"حتی الامکان تعلیم کے لئے ایسے مدرسوں کو منتخب کرنا چاہئے جن کے بانی زہد و تقویٰ سے قریب اور بدعتوں سے دور رہے ہوں اور یہ گمان غالب ہو کہ وہ مدرسہ اور اس کا وقف جائز پہلوؤں سے قائم کیا گیا ہے اور اس میں پاک روزی کی کمائی لگائی گئی ہے۔ کیونکہ جس طرح کھانے اور کپڑوں میں جائز اور ناجائز کی احتیاط ضروری ہے اسی طرح قیام کی جگہ میں بھی اسے دیکھنا ضروری ہے۔" ۴۶۲؎

مقریزی نے مصر کے بہت سے مدرسوں کا ذکر کیا ہے۔ اس نے اس سلسلہ میں اسی نقطہ نظر سے ان کے بانیوں کے صلاح و تقویٰ اور خصوصاً مدرسہ کی تعمیر جس نوعیت سے عمل میں آئی ہو۔ اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً مدرسہ صاحبیہ بہائیہ کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

"اس مدرسہ کو الوزیر الصاحب بہاالدین علی بن محمد بن سلیم بن حنا نے ۶۵۴ھ میں تعمیر کرایا۔ اس کی داد و دہش بہت ہے وہ فقراء سے فراخ دلی سے حسن سلوک کرنے، نیکوں اور پرہیزگاروں کے ساتھ حسن عقیدت رکھنے اور ان کی اطاعت کرنے، ان کی حالتوں اور ضرورتوں سے باخبر رہنے اور ان کے پورا کرنے اور بہ کثرت خفیہ اور علانیہ صدقات کرنے میں اپنی حد سے بڑھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی وزارت کے زمانے میں کسی سے کوئی ہدیہ قبول نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ کسی فقیر یا شیخ سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے کچھ لیا ہو۔" ۴۶۳؎

اس مدرسہ کے بانی کی دینداری اور تقویٰ کا یہ اثر تھا کہ مقریزی لکھتا ہے:

"یہ دنیا کے بڑے مدارس میں سے اور مصر کا سب سے بڑا مدرسہ ہے۔ لڑکے اس میں داخل ہونے اور اس کے دار الاقامہ میں رہنے کے لئے دوسرے پر سبقت کرتے ہیں۔"۴۶۴

اسی طرح مدرسہ قطبیہ کی بناؤ تعمیر کے متعلق لکھتا ہے:

"یہ مدرسہ مونسہ خاتون متوفی ۶۷۳ھ کی طرف منسوب ہے۔ وہ محدثہ تھیں۔ حافظ ابو العباس احمد بن محمد ظاہری ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ وہ عاملہ' دیندار اور بہت خیرات و صدقات کرنے والی تھیں۔ انہوں نے وفات کے وقت بہت دولت چھوڑی اور ایک مدرسہ کے تعمیر کی وصیت کی۔ جس میں فقیہ اور قاری درس دیں اور نیز اس دولت سے جائیداد خرید کر وقف کرنے کی وصیت کی۔ چنانچہ اس مدرسہ کی تعمیر ہوئی اور اس میں مذہب شافعی اور حنفی کے درس قائم کئے گئے۔ یہ مدرسہ آج تک موجود ہے۔"۴۶۵

اسی طرح امیر علاؤ الدین طیرس متوفی ۷۱۹ھ میں جامعہ ازہر کے پہلو میں ایک مدرسہ تعمیر کروایا۔ جو مدرسہ طیرسیہ کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کی عمارت ایسی حسین اور نادر تیار کروائی تھی کہ مقریزی کے بقول اس عمارت کی تعمیری صنعتوں کی نقل اتارنی ممکن نہ تھی۔ ۷۰۹ھ میں یہ عمارت مکمل ہوئی۔ اس مدرسہ کے بانی کی حسن نیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ عمارت کی تکمیل کے بعد اس کے کثیر اخراجات کی فرد حساب اس کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے پانی سے بھرا ہوا طشت منگوایا اور حساب دیکھے بغیر حساب کے تمام کاغذات اس طشت میں یہ کہہ کر ڈال دیئے کہ جو چیز اللہ کے لئے نکال چکے ہم اس کا حساب نہیں کریں گے۔"۴۶۶

مدرسوں اور تعلیم گاہوں کی مختلف قسمیں

اسلامی عہد میں مختلف قسم کے مدرسے اور تعلیم گاہیں تھیں:

۱۔ مکاتب: جن میں ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔

۲۔ مدارس عامہ: جن میں شرعی علوم' ادب اور عقلی علوم پڑھائے جاتے تھے۔

۳۔ مدارس قرآن: جو قرآن مجید کے درس کیلئے خاص تھے۔ سسلی اور واسط میں قائم تھے۔۴۶۷

۴۔ دار الحدیث: دار الحدیث کے نام سے علم حدیث کی تعلیم کیلئے عمارتیں بنائی گئی تھیں جن میں صرف حدیث کی روایت و سمع اور قراءت ہوتی تھی۔ جیسے نور الدین محمود بن زنگی نے دمشق میں اور الکامل ناصر الدین نے قاہرہ سے بنوائے تھے۔۴۶۸

دمشق کا دار الحدیث صاحب الجواہر الخیہ کے بقول روئے زمین کا سب سے پہلا دار الحدیث تھا۔۴۶۹

۵۔ مدارس فقہ: فقہ حنفی اور شافعی کی تعلیم کیلئے علیحدہ علیحدہ مدرسے قائم کئے جاتے تھے۔ دمشق' حلب اور مصر وغیرہ کے حالات میں ایسے بہت سے مدرسوں کا تذکرہ خطط مقریزی اور حسن المحاضرۃ سیوطی میں آیا ہے۔ نیز بعض مدرسوں میں

فقہ حنفی اور شافعی دونوں کی تعلیم کے لئے درس کے حلقے ہوتے ہیں۔۷۰؎

۶۔ مدارس طبیہ: علم طب کیلئے علیحدہ مدرسے قائم ہوئے تھے۔ جیسے سانو' بغداد اور قاہرہ میں طبی مدرسے کھولے گئے تھے۔ نیز طب کی تعلیم عام مدرسوں میں بھی دی جاتی تھی اور ہسپتالوں میں عملی تجربے سکھائے جاتے تھے۔

۷۔ مستقل مدرسوں کے قائم ہونے کے باوجود اسلامی دنیا کی مسجدوں میں علماء کے درس کے حلقے قائم رہے۔ جن میں کوئی فن تفسیر پڑھاتا' کوئی حدیث کی روایت کرتا اور کوئی فقہ کا درس دیتا تھا۔ اسی طرح ادب' شعر اور عقلی علوم کے درس کے حلقے بھی قائم ہوتے تھے۔

۸۔ بعض اساتذہ ہفتہ میں ایک دفعہ اپنا حلقہ منعقد کرتے تھے وہ دن ان کے درس اور خطبہ کیلئے مقرر ہوتا تھا۔ جس میں بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ خطیب شیخ ابو بکر سجاد کے متعلق لکھتا ہے :

''جامع منصور میں ان کا حلقہ جمعہ کے دن قائم ہوتا تھا۔ جمعہ کی نماز کے پہلے فتوئی کے لئے نماز کے بعد املاء اور خطبہ کیلئے ان حلقوں میں بلا امتیاز بڑے بڑے علماء شریک ہوتے تھے اور اپنے معاصرین کے علم سے استفادہ کرتے تھے۔''۷۱؎

ابن خلکان حضرت ربیعہ کے متعلق لکھتا ہے:

''پھر ربیعہ مسجد کو روانہ ہوئے اور اپنے حلقہ میں بیٹھے مالک' حسن اور دیگر معززین شہر مدینہ اس حلقہ میں شریک ہوئے اور دوسرے لوگوں کا اس میں اژدحام ہو گیا۔''۷۲؎

''ان حلقوں میں شاگردوں اور عام سننے والوں کی بڑی جماعت شریک ہوتی تھی۔ مثلاً ابو الحسن علی بن عاصم واسطی جو عراق کے امام وقت تھے۔ درس کے حلقہ میں تیس ہزار سے زیادہ مجمع ہوتا تھا۔''۷۳؎

''اور یزید بن ہارون متوفی ۲۰۶ء کی مجلس میں ۷۰ ہزار سے زیادہ آدمی اُمڈ آتے تھے۔''۷۴؎

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''علامہ ذہبی طبقات میں ابو التقی متوفی ۲۵۱ھ کے ترجمہ کے بعد لکھتے ہیں کہ اس زمانہ کے بعض حلقہ درس ایسے ہوتے تھے جن میں دس ہزار سے زائد دواتیں رکھی جاتی تھیں اور لوگ احادیث نبویؐ لکھتے تھے اس بڑے مجمع میں دو سو (۲۰۰) امام حاضر ہوتے تھے۔ جو اجتہاد و فتوئی دینے کی پوری قابلیت رکھتے تھے۔''

''خطیب مورخ بغداد علامہ ابو حامد اسفرائنی کے حلقہ میں خود شریک تھا۔ اس کا بیان ہے کہ سات سو (۷۰۰) طلبہ درس میں حاضر تھے۔ فراء نحوی نے کتاب المعانی کا جب لیکچر دیا تو حاضرین میں صرف اسی (۸۰) قاضی تھے۔ رضی الدین نیشاپوری کے حلقہ درس میں چار سو (۴۰۰) فارغ التحصیل اہل علم حاضر تھے۔ بصرہ کی جامع مسجد میں امام بخاری نے جب مجلس املاء منعقد کی تو ہزار (۱۰۰۰) کے قریب محدثین' فقہاء' حفاظ اور اہل مناظرہ شامل ہوئے۔ خود امام بخاری جن سے لوگوں نے صحیح بخاری کی سند حاصل کی ان کی تعداد قریباً ہزار (۱۰۰۰) ہے۔''۷۵؎

”سلیمان بن حرب بصری قاضی مکہ سے بغداد آئے تو خلیفہ مامون نے ان کی حدیث کی مجلس کا اہتمام کیا۔ قصر خلافت کے پاس منبر کی طرح ایک اونچی جگہ بنائی گئی اور میدان میں حدیث سننے والے جمع ہوئے۔ تخمینہ کیا گیا کہ اس میں چالیس ہزار (۴۰،۰۰۰) اشخاص شریک ہوئے۔ خود خلیفہ مامون بھی مجلس میں حاضر تھا اور شیخ کی حدیثیں اپنے قلم سے لکھتا جاتا تھا۔“ ۴۷۶ے

”محدث عاصم بن علی جب بغداد آئے اور شہر کے باہر نخلستان میں درس حدیث کا حلقہ قائم کیا گیا، اس میں ایک خلقت امڈ آئی۔ خلیفہ ہارون الرشید بھی اس مجلس میں آیا۔ شیخ ایک اونچے چبوترے پر بیٹھے تھے اور خلیفہ ایک خمار کھجور کے تنا پر بیٹھ کر حدیثیں لکھتا تھا، اس مجلس کا اندازہ تو ایک لاکھ بیس ہزار نفوس نکلے۔“ ۴۷۷ے

”ابو مسلم صاحب سنن بغداد آئے تو ان کے حلقہ میں سات مستملی اس طریقہ سے کھڑے کئے گئے کہ ایک اپنی آواز دوسرے تک پہنچاتے، اس میدان کی پیائش کی گئی اور دواتیں شمار کی گئی تو ۴۰ ہزار سے زیادہ نکلیں اور جو لوگ کاغذ اور دوات کے بغیر صرف سننے کے لئے شریک ہوتے وہ ان کے علاوہ تھے۔“ ۴۷۸ے

”شیخ ابو بکر جعفر فریابی کی مجلس میں ۳۱۶ مستملی اور حاضرین ۳۰ ہزار کے قریب تھے۔“ ۴۷۹ے

”امام بخاری کے صرف ایک شاگرد سے ۹۰ ہزار طلبہ نے صحیح بخاری کی سند حاصل کی تھی۔“ ۴۸۰ے

اوقاف

شبلی نعمانی، مولانا ”مدرسوں کی تعمیر کے ساتھ ان کے مصارف کے لئے بڑے بڑے اوقاف کئے گئے۔ جن سے معلموں اور طالب علموں کے وظیفے جاری کئے جاتے اور مدرسوں کی دوسری ضرورتیں پوری ہوتی تھیں۔ نظام الملک طوسی کے اوقاف جو اس نے مدرسوں کے لئے اپنی جاگیروں کا دسواں حصہ کیا اور دو لاکھ دینار مدرسہ نظامیہ بغداد پر کئے۔ وہ عام شہر رکھتے ہیں۔ اس طرح مستنصر نے مدرسہ مستنصریہ کے لئے جو مواضع وقف کئے تھے، ان کی آمدنی ستر ہزار مثقال سونا تھی۔ جو آج کل کے حساب سے بقول مولانا شبلی مرحوم ساڑھے چار لاکھ سالانہ ہوتی تھی۔“ ۴۸۱ے

”یہاں ۳۰ مدرسے ہیں اور یہ سب مشرقی جانب ہیں ان میں سے کوئی مدرسہ ایسا نہیں جو عظیم الشان قصر سے کم ہو۔ ان میں سب سے بڑا اور مشہور نظامیہ ہے۔ اس نظام الملک نے قائم کیا تھا اور ۵۰۴ھ میں اس کی تجدید ہوئی، ان مدرسوں کے لئے بڑے اوقاف ہیں۔ جن کی آمدنی یہاں کے استادوں اور طالب علموں کو وظیفے دیئے جاتے ہیں۔“ ۴۸۲ے

اوقاف کا سلسلہ اس کے بعد جاری رہا، بلکہ مشکل سے کوئی ایسا مدرسہ ہوگا، جس کے اخراجات کے لئے کوئی آمدنی وقف نہ کی گئی ہو، ان کے ذریعے امراء اور ارباب خیر خدا کی راہ میں اپنی دولت صرف کر کے اپنی آخرت کے لئے ذخیرہ جمع کرتے تھے۔ خصوصاً پانچویں سے آٹھویں نویں صدی تک اس کا بہت رواج تھا۔

ابن خلدون رقمطراز ہیں:

”ابن خلدون نے مصر میں اوقاف کی کثرت کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ دولت صلامیہ کے زمانہ سے مصر

کے امراء جو زیادہ تر غلاموں اور موالیوں میں سے تھے۔ حکومت کے روز روز کے انقلاب سے خائف تھے' اس لئے وہ بڑے بڑے اوقاف کر کے اپنے لڑکے کے حقوق ان سے متعلق کر دیتے تھے' تاکہ حکومت کے انقلاب کا اثر ان کی جائیداد کی ضبطی کی صورت میں ظاہر نہ ہو۔ چنانچہ ان اوقاف کی مدد سے مصر میں بہت سے مدرسے' زاویے اور رباط تیار ہو گئے اور علماء اور طلبہ کے معقول وظیفے جاری ہو گئے۔ اس کے ساتھ ابن خلدون نے تصریح کے ساتھ یہ بھی اقرار کیا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں میں جائیدادیں وقف کر کے کار خیر انجام دینے کا حوصلہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔" ۴۸۳؎

"بعض وقف کرنے والے اپنے اوقاف کے ساتھ مختلف شرطیں لگا دیتے تھے۔ جیسے ان کے وقف سے صرف حنفی طلبہ کو وظیفے دیئے جائیں۔ خاص طور پر مصر میں حنفیوں اور شافعیوں نے اپنے اپنے مذہبوں کیلئے بڑے بڑے وقف کئے تھے۔ مصر میں ان اوقاف کا یکجا انتظام تھا' پہلے شافعیوں اور حنفیوں دونوں کے اوقاف کا متولی شافعی قاضی القضاۃ ہوتا تھا۔ اس رسم میں ایک ہندوستانی عالم سراج ہندی نے جو مصر میں حنفیوں کے قاضی القضاۃ تھے' تبدیلی کرائی۔ چنانچہ اس کے بعد شافعی مذہب کے اوقاف شافعی قاضی القضاۃ کی نگرانی میں اور حنفی مذہب کے اوقاف حنفی قاضی القضاۃ کی تولیت میں آگئے۔" ۴۸۴؎

بعض وقف کرنے والے اپنے اوقاف کیلئے بعض دوسری شرطیں لگا دیتے تھے۔ جیسے مصر کے مدرسہ خروبیہ کے بانی بدرالدین محمد بن محمد خروبی نے اس مدرسہ کے وقف میں یہ شرط لگائی تھی کہ اس سے کوئی وظیفہ بجز عرب کے کسی عجمی کو نہ دیا جائے۔" ۴۸۵؎

اسلامی حکومتیں واقف کے شرائط کی پابندی' بڑی احتیاط کے ساتھ کرتی تھیں۔ بعض اوقاف صرف کار خیر کے نام سے کئے جاتے تھے۔ ان سے بھی علماء کے وظیفے جاری کئے جاتے تھے کہ وہ شہروں اور دیہاتوں میں رہ کر شرعی علوم کی اشاعت کی خدمت فراغ بالی سے انجام دیں۔ اسی طرح "زوایا" "خانات" "گرباط" اور "خوانک" وغیرہ کے ناموں سے عمارتیں بنا کر ان پر وقف کئے جاتے تھے اور ان میں مذہبی جماعتیں مقیم رہ کر علم دین کی خدمت میں مصروف رہتی تھیں۔" ۴۸۶؎

دارالاقامہ

جس زمانہ تک مدرسوں کے لئے مستقل عمارتیں تعمیر نہیں ہوئی تھیں۔ نادار طلباء انہی مسجدوں کے حجروں اور استادوں کے مکانوں میں رہتے تھے۔ جب درس گاہ کے لئے عمارتیں تیار ہوئیں تو ان کے پہلو بہ پہلو دوسری عمارتیں بنائی گئیں۔ جن میں طلبہ ٹھہرائے گئے۔ نیز بعض اوقات "خوانیت" "روایا" "رباط" "خانات" "بیوت" اور "رواق" وغیرہ سے موسوم عمارتیں بھی طالب علموں کے قیام گاہ کے کام آتی تھیں اور بعض جگہ تعلیم گاہ کی عمارت اس طرز سے بنائی جاتی تھی کہ اس میں طالب علموں کے قیام کیلئے بھی جگہیں نکل سکیں۔ ان اقامت گاہوں میں طالب علموں کے کھانے پینے' پہننے اور زندگی اور تعلیم کی دوسری ضرورتوں کی کفایت کی جاتی تھی' مدرسہ مستنصریہ بغداد کے دارالاقامہ کے

حالات شبلی نعمانی، مولانا رقمطراز ہیں:

''مدرسہ ہی کے احاطہ میں ایک ہسپتال اور مزبلہ بھی تھا۔ (جس سے گرمیوں میں پانی ٹھنڈا کرتے تھے) دو سو اڑتالیس مستعد طلبہ مدرسہ کھلنے کے ساتھ بورڈنگ میں داخل ہوئے۔ جن کو مکان، فرش، خوراک، روغن، کاغذ، قلم وغیرہ مدرسہ کی طرف سے ملتا تھا، ان کے دستر خوان پر معمولی کھانے کے علاوہ شیرنی اور میوے بھی چنے جاتے تھے ان سب کے علاوہ ایک اشرفی ماہوار الگ وظیفہ کے طور پر مقرر تھی۔'' ۴۸۷؎

''ابن بطوطہ نے واسط کے ایک مدرسہ کا حال لکھا ہے، جسے ایک عالم دین شیخ تقی الدین نے اپنے ذاتی مصارف سے قائم کیا تھا اور اس میں وہ اور ان کے بھائی اور ان کے شاگرد علماء درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے۔

''یہاں (واسط میں) ایک پررونق عظیم الشان مدرسہ ہے، جس میں تقریباً تین سو حجرے ہیں۔ جن میں پردیسی لڑکے قرآن مجید کی تعلیم کے لئے آکر ٹھہرتے ہیں اور انہیں روزانہ کے اخراجات خورد و نوش اور سالانہ پوشاک دی جاتی ہے۔'' ۴۸۸؎

اسی طرح ابن بطوطہ نے ایک دوسرے شہر تمستر کے عالم دین شیخ شرف الدین موسیٰ بن صدر الدین سلیمان کے اوصاف بیان کر کے ایک مدرسہ کا حال یہ لکھا ہے:

''اور ان کا ایک مدرسہ اور زاویہ ہے، جس میں چار نوجوان خدام سنبل، کافور، جوہر اور مسرور انتظام کے لئے مقرر ہیں۔ ان میں سے ایک زاویہ کے اوقاف کا نگہبان ہے۔ دوسرا روزانہ کے اخراجات کو دیکھتا ہے، تیسرا یہاں کے آنے والوں کی مہمان نوازی کی خدمت انجام دیتا ہے اور چوتھا اور چیوں، بہشتیوں اور جاروب کشوں کے کاموں کی نگرانی کرتا ہے۔

میں یہاں سولہ دن تک مقیم رہا اور یہ دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہاں کے روزانہ کے کھانے نہایت نفیس اور قیمتی ہوتے ہیں۔ روزانہ چار قسم کے کھانے دستر خوان پر رکھے جاتے ہیں۔ مرغ، پلاؤ اور قورمہ اور پھر مٹھائی کی تشتری علیحدہ چنی جاتی ہے۔'' ۴۸۹؎

تعلیم کے عناصر چہار گانہ ''طالب علم''

امام غزالی ''احیائے علوم الدین'' میں استاد اور شاگرد کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

امام غزالی نے شاگرد کے لئے درج ذیل آداب ضروری قرار دیئے ہیں:

۱۔ دنیا میں اصلاح باطن اور آخرت میں قرب خداوندی کو علم کا مقصد سمجھے۔

۲۔ علوم کے شرف کے اسباب معلوم کرے اور ایسے علوم منتخب کرے جو مقصد سے قریب تر اور فکر کو انگیز کرنے والے ہوں۔

۳۔ شروع شروع میں اختلاف مسائل کے متعلق معلومات سے احتراز کرے۔

۴۔ کسی فن میں اس وقت تک قدم نہ رکھے جب تک اس سے پیشتر کی تحصیل مکمل نہ کرے۔

۵۔ ہر فن سے اہم امور کا انتخاب کر کے ان کی تحصیل کرے۔

۶۔ عمدہ علوم میں کوئی فن اور قسم بغیر دیکھے نہ چھوڑے۔

۷۔ دنیوی تعلقات محدود کرے اور اپنے وطن اور رشتہ داروں سے دوری اختیار کرے۔

۸۔ اپنے دل کو رذائل اخلاق سے پاک کرے۔

۹۔ علم پر تکبر نہ کرے اور استاد کے ساتھ انکسار سے پیش آئے۔

۱۰۔ ساتھی طلبہ کے ساتھ سگے بھائیوں کی طرح محبت اور تعاون سے پیش آئے۔

۱۱۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ حقائق اشیاء اور دریافت طلب نکات کیلئے سوال معلم کی اجازت سے کرے۔

۱۲۔ طالب علم کو اختلافات سے بچنا چاہئے اور اس طریق کو اختیار کرنا چاہئے جو استاد کے نزدیک صحیح اور عمدہ ہو۔ اس کے بعد اختلافات کا مرتبہ ہے۔

۱۳۔ طالب علم کو چاہئے کہ وہ علوم وفنون کے بحر ناپیدا کنار میں کودنے سے پہلے یہ دیکھ لے کہ جس علم میں وہ مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کی غرض وغایت کیا ہے؟

۱۴۔ علوم وفنون میں جو ترتیب ہے اسے قائم رکھنا چاہئے اور پہلے انہی علوم کو شروع کرنا چاہئے جو بہتر 'اشرف اور آسان ہو۔ مختلف علوم پر دفعتاً بلہ نہیں بول دینا چاہئے۔

۱۵۔ طالب علم کو چاہئے کہ جب کسی فن کی طرف متوجہ ہو تو پہلے اس فن میں پوری دسترس حاصل کرے 'جو رتبہ اور درجہ اعتبار سے اس سے پہلے کا ہے۔

۱۶۔ علوم وفنون کے شرف اور فضیلت معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں۔ یا تو ان کا ثمرہ دیکھ کر رائے زنی کی جائے یا پھر اس کی علمی استواری سے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جائے۔ ۴۹۰

طالب علم

ایک ذہین طالب علم استاد سے اختلافات کرے گا اس سے بحث کرے گا اور زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہے گا۔ اساتذہ کو ایسے بچوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔

برٹرنڈ رسل اپنے مضمون "مدرسین کا تجزیہ (Educators Examined)" میں رقمطراز ہے:

"رواجی تعلیم کا دوسرا نقص یہ ہے کہ اس نظام تعلیم میں طلباء کو تفکر و تدبر کا موقع ہی نہیں دیا جاتا اور غالباً اس کا سب سے بڑا نقصان یہی ہے کہ طلباء میں سوچ وچار ڈالنے کی کوشش بھی نہیں کی جاتی۔ سوچنا ایک انفرادی مشغلہ ہے اور تعلیم کو موثر بنانے کے لئے اس سے زیادہ کارگر اور کوئی طریقہ میری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس کے علاوہ یہی طریق عمل مدرس کے لئے ناخوشگوار ہوتا ہے 'وہ جھنجھلا جاتا ہے اور طلباء کی آزادی فکر کو آئین نظم وضبط کی خلاف ورزی سمجھتا ہے۔ اس لئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کثیر تعداد میں جماعت کے مدرس ذہنی اپج اور انفرادی سوچ بچار کے سلسلہ میں طلباء کی حوصلہ

افزائی نہیں کر سکتے۔"۴۹۱ے

طلباء کی ذہانت کو مد نظر رکھنا بے حد ضروری ہے۔

وہائٹ ہیڈ "تعلیم کے مقاصد" میں رقمطراز ہیں:

"قدما کا نصب العین ملکوتی حکمت کی تعلیم تھا۔ اس بلند نصب العین سے گر کر تنزل کے اس درجہ تک پہنچ جانا کہ کالجوں میں نصابی کتب کا عبور ہی منتہائ کر رہ گیا ہے اس تعلیمی ناکامی کی نشاندہی کرتا ہے جو قرن یا قرن تک جاری رہی۔"۴۹۲ے

طلباء کے سوالات کے جوابات نہ دیئے جائیں انہیں اچھا انقلابی نہیں بنایا جاسکتا۔

کم ال سنگ "سوشلسٹ تعلیم" پر مقالہ میں رقمطراز ہیں:

طلباء کی فکر کے یقینی فروغ کے لئے تقریر اور بحث کی جانی چاہئے خصوصاً سوال و جواب کے طریقے پر باقاعدگی سے عمل ہونا چاہئے۔ سوال و جواب کا طریقہ ہماری پارٹی کا روائتی طریقہ مطالعہ ہے جس کی برتری واضح طور پر عملاً ثابت ہو چکی ہے۔ اس طریقہ مطالعہ کو فعال انداز میں واضح کرنا طلباء کو تدریسی مشتملات کے مکمل اور گہرے ادراک کے قابل بنانے کا ضامن ثابت ہوگا۔"۴۹۳ے

طلباء کی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے مسلمانوں نے ہمیشہ بحث و مباحثہ پر ہی تعلیم کو بنیاد بنایا۔ تاکہ ان میں تحقیقی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آسکیں۔

ابن خلدون "مقدمہ" میں اپنے نظریات کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"علم میں ملکہ حاصل کرنے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ طلباء کو بحث و مناظرہ کا عادی بنایا جائے۔ مسائل علمیہ پر تحقیقی بحثیں ہوں۔ مختلف مضامین پر گفتگو چھڑے اور طلباء اس میں سرگرمی سے حصہ لیں۔ اس طریق تعلیم اور اسلوب درس سے ملکہ بہت جلد پیدا ہو جاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے طالب علم علم میں طاق و مشتاق ہو جاتے ہیں۔ مگر آج ہمارے زمانے میں تعلیم کا رنگ ہی دوسرا ہے۔ شاگرد برسوں اور سالوں مجالس علمیہ میں بیٹھتے ہیں مگر گم سم نہ بولتے ہیں نہ بحثیں کرتے ہیں۔ نہ مناظروں میں حصہ لیتے ہیں۔ ان کی تمام تر توجہ مسائل علمیہ کو یاد کرنے پر لگی رہتی ہے۔ لہٰذا ان کی غلط فہمی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ علم میں ان کو ملکہ نصیب نہیں ہوتا اور علم میں تحقیقی نظر پیدا نہیں ہوتی۔ یہ سطحی کے سطحی رہتے ہیں اور یہ صرف اسی لئے کہ طریق تعلیم ان کا غلط تھا اور کامل استاد ان کو نہیں ملے ورنہ مسائل علمیہ کو یاد کرنے اور رٹنے میں تو یہ سب سے آگے ہوتے ہیں۔"۴۹۴ے

ملک حسن اختر، ڈاکٹر "تعلیم کا فن" میں طلباء کی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کیلئے رقمطراز ہیں:

"طلباء کو چند قوانین بتا دیئے جاتے ہیں اور وہ انہیں یاد کر لیتے ہیں یہ طریقہ فرسودہ اور بے کار ہے اور اس سے طلباء میں غور و فکر کی عادت پختہ نہیں ہوتی اور وہ استاد کے سہارے چلنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اگر طالب علم کوشش سے

نتائج اخذ کرے گا تو وہ کبھی انہیں نہیں بھولے گا۔ لہٰذا استاد کو چاہئے کہ وہ کسی چیز کے متعلق خود نہ بتائے بلکہ طالب علم کو راغب کرے کہ وہ خود نتائج اخذ کرے۔"۴۹۵

T. Raymount رقمطراز ہیں:

"طالب علم کو اس بات کی کبھی اجازت نہیں دینی چاہئے کہ وہ ایسی چیز زبانی یاد کرے جس کو وہ اچھی طرح نہ سمجھتا ہو۔"۴۹۶

امام غزالی "احیاء علوم الدین" میں رقمطراز ہیں:

"استاد کو چاہئے کہ شاگرد کے سامنے حقیقت کسی امر کی اس وقت ظاہر کرے کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ شاگرد اس کو اچھی طرح سمجھ جاوے گا۔"۴۹۷

تعلیمی نفسیات و طالب علم

جس کے بغیر تعلیم و تدریس کے عمل میں خاطر خواہ فوائد حاصل ہونے مشکل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تربیت اساتذہ کے دوران اس کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے تاکہ ہر معلم اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں اس سے رہنمائی حاصل کر کے اپنے کام کو بہتر طور پر انجام دے سکے۔

تعلیمی نفسیات کو ہم موجودہ ترقی یافتہ دور میں دریافت شدہ ایک علم قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ آج سے چودہ سو سال پہلے معلم اعظم ﷺ سے یہ پہلو کسی قدر مخفی نہ تھا۔ کہ تعلیم دیتے وقت مبتدیوں کی ذہنی استعداد کو ملحوظ خاطر رکھنا کس قدر ضروری ہے۔ اس امر کی تصدیق عربی کے اس مشہور مقولے سے بھی ہوتی ہے:

"كَلِمُوا النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔"۴۹۸

ترجمہ:- لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو۔

غلام عابد خان، پروفیسر "عہد نبوی کا نظام تعلیم" میں اس نظریئے پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ خوبصورت آسان اور خوش کن بات کو پسند کیا جاتا ہے۔ اس لئے معلم کا فرض ہے کہ وہ اپنے مبتدی کی عمر، ضرورت، مزاج، انفرادی خصوصیات اور نفسی کیفیات کے مطابق تعلیم دے۔ تعلیم و تربیت میں طلباء کو آسانی بہم پہنچانا، شدائد اور مشکلات سے بچانا، بددلی اور مایوسی سے دور رکھنا جیسے نفسیاتی تقاضے معلم کو پیش نظر رہنے چاہئے۔"۴۹۹

اس ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کتنے واضح الفاظ میں اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

"لِيَسِرُوْا وَلَا تُحَسِرُوْا وَ بَشِرُوْا وَلَا تُنَفِرُوْا۔"۵۰۰

ترجمہ:- آسانیاں بہم پہنچاؤ، شدائد میں مبتلا نہ کرو۔ خوشخبری دو متنفر نہ کرو۔

اس قول کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ آپؐ انسان کے فطری تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے اور ان تقاضوں کو

مد نظر رکھ کر تعلیم دیتے تھے جیسا کہ اقتباس سے ظاہر ہے۔

"پندونصائح کتنے ہی موثر طریقے سے بیان کئے جائیں لیکن ہمیشہ سنتے سنتے اکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہیں۔اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ ونصائح کی مجالس ناغہ دے کر فرمایا کرتے تھے۔"۵۰۱

امام ابو یوسف "کتاب الخراج" میں اس طرح رقمطراز ہیں:

"دلوں کی کچھ خواہش اور میلانات ہوتے ہیں اور کسی وقت وہ بات سننے کے لئے تیار رہتے ہیں اور کسی وقت اس کے لئے تیار نہیں رہتے۔ تو لوگوں کے اندر میلانات جب ان کے اندر سے داخل ہوں تو اس وقت اپنی بات کہو جب وہ سننے کے لئے تیار ہوں۔اس لئے کہ دل کا حال یہ ہے کہ جب اس کو کسی بات پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ (بات قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے)

طالب علم

محمد رضی الدین صدیقی' ڈاکٹر "تعلیم کا مسئلہ میں نوجوان نسل کی ضروریات" کو مد نظر رکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ایک نوجوان کو جسمانی' ذہنی' روحانی اور جماعتی ہر قسم کی زندگی کیلئے بڑی حد تک تیاری کرنی ہوتی ہے۔ایسے صورت میں کیا لازم نہیں کہ نوجوان طالب علم اپنے وقت کے ہر لمحے کا محاسبہ کریں اور اپنی باشعور زندگی کی ہر گھڑی کو ان مختلف تیاریوں کے لئے وقف کر دیں۔"۵۰۲

"جب تک افراد قوم میں تعلیم کے مسئلہ کو اجتماعی نقطہ نظر سے دیکھنے کا رجحان پیدا نہ ہو۔ حکومت یا جماعت کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ قانون سازی یا رائے عامہ کے ذریعے نوجوانوں کو ان علوم وفنون یعنی سائنس' ٹیکنالوجی' زراعت' صنعت و حرفت وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی طرف راغب یا مجبور کرے۔ جن کی اس وقت شدید ضرورت ہے۔"۵۰۳

"غرض نئی تنظیم میں بقائے حیات اور بقائے تمدن کی ضروریات پر سب سے پہلے توجہ کرنی پڑے گی اور ان ضروریات کو مہیا کرنے کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے ماہرین اور ماہر عاملین کی ایک کثیر تعداد تیار کی جائے ان ماہرین اور ماہر عاملین کی تیاری کیلئے ضروری ہے کہ ہمارے ہاں سائنس اور ہر فن کے چند ایسے اساتذہ اور ماہرین موجود ہوں جو نہایت اعلیٰ قابلیت رکھتے ہوں اور جو اپنے شاگردوں کو کامل تعلیم اور تربیت دے سکیں۔۵۰۴

استاد اور فنی تعلیم

"معلمی ایک فن اور اس فن میں مہارت حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ تربیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی فن کو اپنانے کے لئے لگن اور اس سے وابستگی کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اساتذہ کی پیشہ وارانہ تعلیم سے مراد تعلیم کا وہ فنی اور

سائنسی پہلو ہے جس میں اساتذہ کو ان کے آئندہ پیشے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔"۵۰۶۔

خواجہ غلام السیدین "Problems of Education Reconstruction" میں موزوں اساتذہ کو تیار کرنے کیلئے تربیتی پروگرام دینے کیلئے رقمطراز ہیں:

"تعلیم بنی نوع انسان کی بنیادی ضروری ہے اور اس ضرورت کی تکمیل ایسے افراد کا مطالبہ کرتی ہے جو تعلیم دینے کیلئے موزوں ہوں۔ موزوں اساتذہ کو تیار کرنے کے لئے ایک ایسے تربیتی پروگرام کی ضرورت ہے جو ان کی دلچسپیوں کے دائرے کو وسیع کرے۔ انہیں صحیح اقدار اپنانے کے قابل بنائے اور ان کی شخصیت کو ایسی مجمع الصفات بنا دے کہ وہ اپنے شاگردوں پر صحت مند اثر ڈال سکیں۔"۵۰۷۔

متین الرحمٰن مرتضٰی "پاکستان میں نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل کی حکمت عملی" میں رقمطراز ہیں:

"اساتذہ کی تربیت کا مقصد طلبہ میں ان کے مذہب اور نظریہ حیات کی تفہیم و آگہی پیدا کی جائے۔ تعلیم کو ایسے افراد پیدا کرنے چاہئے جو انفرادی و اجتماع زندگی کے بارے میں اسلامی نظریات پر بھرپور تعین کے حامل ہوں اور ان کے اندر ایک ایسا اسلامی نقطہ نظر پیدا کرنا چاہئے کہ زندگی کے ہر میدان میں اسلامی تعلیم کی روشنی میں اپنا راستہ خود بنا سکیں۔

تعلیم کا مقصد اللہ کا صالح بندہ بنانا ہے یعنی زیر تربیت اساتذہ کی نظری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ان کے طبعی رجحانات کو صحیح رخ پر ڈالنا اور انہیں ذہنی جسمانی اور اخلاقی اعتبار سے بتدریج اس لائق بنانا کہ وہ اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں۔"۵۰۸۔

قومی تعلیمی کمیشن ۱۹۵۹ء نے تربیت اساتذہ کی اہمیت پر ایک مستقل باب لکھا ہے، جس میں معلمین کی تربیت کے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد بیان کئے ہیں:

۱۔ خاص مضمون پر مہارت حاصل کرنے کا اہتمام کرنا۔
۲۔ زندگی کے مختلف مدارج میں بچوں کی نفسیاتی کیفیت سے مکمل واقفیت دلانا۔
۳۔ عام طریقہ ہائے تدریس سے روشناس کرانے کے بعد انہیں استعمال کی مشق "بہم" پہنچانا۔
۴۔ پیشہ ورانہ اخلاق کا اعلیٰ ترین نمونہ بننے کا جذبہ ابھارنا۔۵۰۹۔

افضل حسین "فن تعلیم و تربیت" میں استاد کے اہم کردار پر رقمطراز ہیں:

"بچے قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں اور قومی ترقی کا راز بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت ہی میں مضمر ہے اور چونکہ تعلیم کا معیاری سرمایہ ہیں اور قومی ترقی کا راز بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت ہی میں مضمر ہے اور چونکہ تعلیم کا معیار بلند کرنے میں سب سے اہم کردار استاد کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے استاد کی تربیت کا پروگرام بھی بہتر ہوگا۔ عام تعلیم کا معیار اتنا ہی بلند ہو سکے گا اور معاشرہ اسی تناسب سے ترقی کرنے کے قابل ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی تمام تعلیمی اداروں کے مقابلے میں اساتذہ کے تربیتی ادارے سب سے زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔"۵۱۰۔

سعید اللہ قاضی، ڈاکٹر ''پاکستان میں نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل کی حکمت عملی'' میں معلم کے اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ماہرین تعلیم نے معلم میں مندرجہ ذیل اوصاف ضروری قرار دیئے ہیں:

۱۔ اعلیٰ سیرت و کردار

۲۔ علمی لیاقت اور تدریسی صلاحیت

۳۔ بچوں کی نفسیات اور طریق سے واقفیت

۴۔ صحت و توانائی

۵۔ صبر و تحمل، معاملہ فہمی اور قوت فیصلہ

۶۔ بچوں سے فطری لگاؤ۔

۷۔ پیشہ معلمی سے طبعی مناسبت

۸۔ معلمانہ ذوق مطالعہ

۹۔ نظم و ضبط قائم کرنے کی صلاحیت

۱۰۔ خوش کلامی اور موثر انداز بیان

۱۱۔ اخلاق اور لگن

۱۲۔ ہمدردی و دلسوزی اور اصلاح کا جذبہ

طلبہ کی تعلیم و تربیت میں معلم کی اپنی شخصیت اور اس کے ذاتی اوصاف کا رول سب سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ طلبہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان سے برابر متاثر ہوتے رہتے ہیں اور یہ تاثر اتنا گہرا ہوتا ہے کہ زندگی پر نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ تعلیم کا مقصد افراد معاشرہ کی ذہنی و جذباتی تربیت ہے۔ تمام مملکتوں میں اس بات کا بدرجہ اتم خیال رکھا جاتا ہے۔ تعلیم کی عام ترویج اس نظریہ حیات کو پروان چڑھانے والی ہو جو اس مملکت کے افراد نے اپنایا ہے۔ اسلام تعلیم کا ایسا تصور پیش کرتا ہے جس سے کائنات کی سچی قدریں اور اصول ایک روشن طرق کی طرح طالب علم کے سامنے وا ہو جاتے ہیں۔

نظام تعلیم میں تربیت اساتذہ کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ نصاب تعلیم جس نوعیت کا بھی ہو اگر پڑھانے والا مسلمان ہو اور خوبیوں کا مالک ہو تو وہ اس کو صحیح سمت میں ڈال سکتا ہے۔ استاد کی ذات اور اس کا کردار کسی بھی نظام تعلیم میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اسلامی تربیت کا پہلا وسیلہ معلم کا کردار ہے اور تصحیح کا عمل کردار کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یعنی بچوں کو جن امور کی تربیت دینی مقصود ہو معلم ان کا عملی نمونہ پیش کرے۔ پرائمری سے یونیورسٹی تک تمام تعلیمی اداروں میں اسلامی روح

جاری و ساری کرنے کے لئے اساتذہ کرام کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اسلام کو اپنی زندگی میں نافذ کریں۔ طلبہ کے دل از خود ان کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

مدرسوں اور کالجوں کے لئے معلمین و معلمات کے انتخاب ان کی سیرت و کردار اور دینی حالت کو ان کی قابلیت سے زیادہ اہمیت دینی چاہئے ان کے انتخاب کے لئے (آئی۔ ایس۔ ایس۔ بی) کی طرز پر دیندار ماہرین کا ایک بورڈ ہونا چاہئے جو امیدواروں کو ہفتہ عشرہ اپنے پاس رکھے۔ ان کی نشست و برخاست' کھانے پینے کے انداز و دیانتداری اور تدریسی قابلیت پر کڑی نظر رکھنے کے ساتھ یہ بھی دیکھے کہ تعلیم کے ساتھ ان کا دلی لگاؤ ہے یا نہیں اور اس کو ایک مقدس پیشہ سمجھتے ہیں یا نہیں۔''[511]

ایک حقیقی استاد کا مشن

مشاق الرحمٰن صدیقی' ڈاکٹر ''اسلامی حکمت تعلیم چند بنیادی نکات'' میں استاد کے حقیقی نصب العین پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ایک حقیقی استاد ایک مشنری ہوتا ہے۔ محض روزی کمانے کیلئے دوسرے کاموں کی طرح استادی کا کام نہیں کرتا۔ حقیقی استاد کی زندگی کا یہ مشن ہوتا ہے کہ جو تہذیب عقائد و افکار عبادات اور فضائل اس کو اپنے اسلاف سے ملے ہیں ان کو آئندہ نسل تک صحیح شکل میں پوری دیانتداری کے ساتھ منتقل کرے۔ تاکہ نئی نسل اس راستے پر آگے بڑھے۔ جس پر اس امت کے آگے بڑھنے کو خدا تعالیٰ پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ معلمی ایک مشن ہے۔

اسلامی حکمت تعلیم کے حوالے سے استاد ایک واجب الاحترام شخصیت ہے۔ اس کے لئے یہ بہت اعزاز ہے کہ وہ وارث پیغمبر ہے۔ اسلامی نظام تعلیم میں اساتذہ کی تعلیم و تربیت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ تربیت اس بنیادی اصول سے تشکیل پاتی ہے کہ استاد کا کام صرف معلومات فراہم کرنا ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کو نافذ کرنے کی دعوت دینا بھی ہے۔

علم اور تربیت و تزکیہ کے امتزاج سے تشکیل پایا ہوا نظام ہی اعلیٰ نظام ہے۔ تربیتی نقطہ نظر سے استاد کی شخصیت بڑی اہم ہے۔ جس سے اچھائی کے معاملے میں بھی اور برائی کے معاملہ میں بھی طلبہ اثر قبول کرتے ہیں۔ اس لئے استاد محض داعی' مزکی' اور مصلح بھی ہوتا ہے۔ حقیقت میں حصول علم میں معلم اور متعلم دونوں کا مقصود رضائے الٰہی حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کہ محض روزگار کا حصول۔ ہر سطح کے اساتذہ کی تعلیم و تربیت سے متعلق نصاب کی تدوین اور درسگاہوں کا سارا ماحول ایسی نہج پر مرتب کیا جاتا ہے کہ مطلوب مقصد کی تکمیل ممکن ہو۔ یعنی تربیت اساتذہ کے ادارے ایسے افراد تیار کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں جو بیک وقت پختہ اسلامی کردار کے مالک ہوں۔ اسلامی ریاست سے محبت رکھتے ہوں۔ اپنے مضمون اور اس کی تدریس میں بھی مہارت رکھتے ہوں۔ ہر سطح کے اداروں میں اساتذہ کے انتخاب میں علمی اور فنی مہارت کے ساتھ اسلامی نظریہ حیات سے وابستگی سیرت و کردار کی پختگی کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے بلکہ ثانی الذکر پر فوقیت دی

جاتی ہے۔" ۵۱۲ے

قومی ہم آہنگی اور استاد کی ذمہ داریاں

محمد ابراہیم خالد' ڈاکٹر "تربیت اساتذہ" قومی ہم آہنگی اور استاد کی ذمہ داریاں" میں اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"استاد کی اصل ذمہ داری نصاب تعلیم کے مطابق تدریس کا اہتمام کرنا ہے۔ ہم نصابی سرگرمیوں کے ذریعے طلبہ کی شخصیت کی تعمیر کرے اس کی کوشش ہو کہ اس کے طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد نہ صرف علم' مشاہدات' تجربات اور سرگرمیوں کی بنیاد پر معاشرہ کے اچھے شہری بنیں بلکہ یہ ایسی لڑی میں پروئے جائیں جو قومی ہم آہنگی' قومی استحکام' قومی یکجہتی اور قومی تعمیر کی طرف لے جائے۔ استاد کے لئے ضروری ہے کہ قومی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے طلبہ کے اندر اعلیٰ اقدار کی ترویج کرے۔

(۱) مساوات:-

استاد اپنے طلبہ کو مساوات کا درس دے۔ کلاس روم میں خود بھی اس کا عملی مظاہرہ کرے۔ ہر طالب علم سے بلا امتیاز رنگ و نسل' عقیدہ' دولت یکساں سلوک کرے اور وہ ہر طالب علم کو دوسرے ساتھی طالب علم کے ساتھ مساوی سلوک کرنے کی ترغیب دے۔

(۲) احترام آدمیت :-

ہر انسان واجب الاحترام ہے۔ وہ عزت اور احترام کا خواہاں بھی ہوتا ہے۔ ہر انسان کی عزت کی جائے اور اس کی رائے کا احترام کیا جائے۔ استاد کلاس روم میں مختلف سرگرمیوں کی ترویج سے طلبہ کو ایک دوسرے کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آنے اور خلق و محبت کا اظہار کرنے کا موقع فراہم کریں۔

(۳) اتحاد و تعاون:-

ہر انسان دوسرے کی ضرورت ہے۔ کامیاب زندگی کی دوڑ میں اسے ایک دوسرے پر انحصار کرنا ہوتا ہے۔ اس دوڑ میں وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضرورت کا خیال رکھتے ہیں بلکہ ضرورت کی تکمیل میں ایک دوسرے کے ساتھ عملاً تعاون کرتے ہیں۔ استاد طلبہ کو مختلف پراجیکٹ دے کر طلبہ کو گروپوں میں تقسیم کرکے مل جل کر کام کرنے کا موقع دے۔ خاص طور پر گروپوں کو بہتر کارکردگی دکھانے کے لئے سابقت کا جذبہ پیدا کرے۔ پھر ہر گروپ کا ممبر اپنے گروپ کی اچھی پیشکش کے لئے بہترین تعاون دے گا۔ طلبہ کو دی گئی یہ تربیت آئندہ زندگی میں یقیناً کارآمد ثابت ہوگی۔

(۴) صبر و تحمل و بردباری:-

زندگی میں خامیاں کجیاں اور خرابیاں پیش آتی رہتی ہیں۔ ایسے لمحات میں انسان ایسے وقت ان ناروا جذبات پر قابو پا

لے اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے تو ماحول میں بد مزگی پیدا نہیں ہوتی۔ اب اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو اس وصف سے متصف کریں تو وہ اپنے مسائل کو جذباتی پن کی بجائے ان پر غور کر کے موزوں طور پر حل کر سکیں گے۔ اساتذہ کرام اپنے طلبہ میں صبر و تحمل اور بردباری جیسے اوصاف پیدا کریں۔ اس سے متعدد متنازعہ مسائل پر امن طور پر حل ہو جائیں گے۔

۵۔ حب الوطنی :۔

یہ جذبہ قومی استحکام کی اہم بنیاد ہے۔ ہر طالب علم کو یہ احساس دلایا جائے کہ ملک ان کا گھر ہے' پناہ گاہ ہے' یہ قائم و دائم ہے۔ تو وہ بھی پر سکون رہیں گے۔ اگر اسے نقصان ہوا تو وہ خود (افراد) بھی پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور اس کا ازالہ کافی مشکل سے ہو سکے گا۔ چنانچہ ہر فرد کو اپنے گھر کی حفاظت کرنی چاہئے۔ اس قسم کے جذبات مشکل سے ہو سکے گا۔ چنانچہ ہر فرد کو اپنے گھر کی حفاظت کرنی چاہئے۔ اس قسم کے جذبات طلبہ کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے بعد ان کے اندر قومی ہم آہنگی کا احساس پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اس طرح اور بھی اعلیٰ قدریں ہیں استاد جن کی تدریس کر کے طلبہ کو بہتر معاشرتی زندگی گزارنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ استاد ہی وہ کردار ہے جو معاشرتی اور قومی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے اہم اقدامات کر سکتا ہے۔ نظریہ پاکستان کی ترویج ہو یا اعلیٰ اقدار کی تدریس یا فروغ' اس کے لئے استاد موثر کردار ادا کر سکتا ہے۔ ۵۱۳ے

استاد کا قائدانہ کردار

''مسلم قائدانہ کردار یہ تقاضا کرتا ہے۔ کہ وہ تعلیم و تربیت کے مختلف شعبوں اور اس دائرے میں کی گئی۔ تحقیقات اور فن کے تجربات سے بھرپور طریقے سے فائدہ اٹھائے تا کہ وہ ایک غالب ذہن کے ساتھ طلبہ کی عملی قیادت اس طرح کرے کہ وہ تمام علوم و نظریات کو اسلام کے نقطہ نظر سے چھانٹ پرکھ سکیں۔ معلم درحقیقت بیک وقت دائمی اسلامی اقدار کا امین بھی ہوتا ہے' معاشرہ میں موجودہ افکار و نظریات کا ناقد بھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نظریاتی معیار کی روشنی میں حال اور مستقبل کے مسائل کے حل کے لئے اجتہاد' تحقیق اور تخلیق سے بھی کام لیتا ہے۔'' ۵۱۴ے

اسی نکتہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے سید محمد سلیم' پروفیسر ''ہمارا نظام تربیت'' میں رقمطراز ہیں:

''مقصد حیات اور مقصد تعلیم متعین ہو جانے کے بعد سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ طالب علموں کے اذہان کی آبیاری کی جائے۔ ان کے اندر فکر و فہم' شعور و ادراک کا ملکہ اور استعداد پیدا کی جائے' ان کے اندر تحقیق و تنقید کا ملکہ پیدا کیا جائے۔ ہر چیز کو وہ بلا سوچے سمجھے آمنا و صدقنا نہ کہہ دیں بلکہ اس کو اپنی عقل کے اور اپنے علم کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اس کا غلط اور صحیح ہونا معلوم کریں۔ تنقید سے یہ معلوم کریں' فکر و فہم کی ان صلاحیتوں کو پیدا کرنے میں مضامین سے زیادہ طریق تدریس کو دخل حاصل ہے۔'' ۵۱۵ے

مشتاق الرحمٰن صدیقی 'ڈاکٹر "معلم کا قائدانہ کردار" میں استاد کا تفہیم دین سے مکمل واقفیت ضروری ہے۔

"حقیقت میں ایک مسلم استاد قیادت کے منصب پر اس وقت فائز ہوتا ہے جب اس کا تخصص علمی (Special-ization) تفقہ فی الدین ہوتا ہے اور اس کے لئے اس کے پاس وہ بنیادی اور ضروری علم ہوتا ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ حوانیت سے درجہ بلند کرتا ہے۔ بنیادی اخلاق سکھاتا ہے جو اسلامی اقدار کو فروغ دیتا ہے اور پھر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حوالے سے انسان کو جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہے۔ یہی فی الحقیقت ہماری تعلیم کی اصل غایت ہے اور اس کی تکمیل منصب معلمی کا بنیادی تقاضا ہے۔" ۵۱۶ ؎

عالم اسلام کے مفکر سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی ایک وقیع تحریر معلم مطلوب سے متعلق ایک اقتباس' جو موضوع کو بڑی خوبصورتی سے واضح کرتا ہے:

"اگر آپ ایک ایمان دار اور باضمیر قوم تیار کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو یہ تمام نظام بدلنا ہوگا۔ یہ مخلوط تعلیم 'یہ فرنگی طرز زندگی سب چھوڑنا ہوگا۔ اس کے لئے ایسے معلمین اور معلمات کی ضرورت ہے جو سیرت و اخلاق اور اعلیٰ قابلیت کے حامل ہوں۔ یاد رکھیئے! فاسد العقیدہ اور فاسد الاخلاق استاد اپنے شاگردوں کو ہرگز وہ ذہنی 'اخلاقی اور عملی تربیت نہیں دے سکتے۔ جن کی ہمیں نئے دور کے لئے ضرورت ہے۔ تعلیم اگر بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہو تو وہ آئندہ نسل کا ستیاناس کر دے گی۔ اس لئے اگر ہم اپنی قومی زندگی کو خرابیوں سے پاک کرنا چاہتے ہیں ؟ تو سب سے پہلے ہمیں اپنے سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماحول کی تطہیر سے اس کا آغاز کرنا ہوگا۔" ۵۱۷ ؎

سید ابو الاعلیٰ مودودی کی ایک اور گراں قدر تحریر "مسلمانوں کیلئے جدید تعلیمی پالیسی اور لائحہ عمل" سے ایک فکر انگیز اقتباس:

"اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کا انحصار بڑی حد تک معلمین کے علم و عمل پر ہے۔ جو معلم خود اس روح سے خالی ہیں بلکہ خیال اور عمل دونوں میں اس کے مخالف ہیں 'ان کے زیر اثر رہ کر متعلمین میں اسلامی اسپرٹ کیسے پیدا ہو سکتی ہے ؟ کسی شخص کا محض ماہر فن ہونا کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پورا اور پکا مسلمان ہو۔" ۵۱۸ ؎

"ابو الاعلیٰ مودودیؒ' عالم اسلام کے عظیم مفکر تربیت اساتذہ کیلئے چند اہم نکات پیش کرتے ہیں:

"تعلیم و تعلم کا اساسی مسلمہ قانون یہ ہے کہ مناسب اور تربیت سے انسانی رویوں میں مثبت تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے اساتذہ کی تربیت سے متعلق سارے علمی ماحول اور دیگر نصابی سرگرمیوں کو نظریاتی رخ پر ڈھالنا انتہائی ضروری ہے۔" ۵۱۹ ؎

- اساتذہ کی تعلیم و تربیت بڑی اہمیت کی حامل ہے یہ تربیت اس بنیادی اصول پر تشکیل پاتی ہے کہ استاد کا کام صرف معلومات فراہم کرنا ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کو نافذ کرنے کی دعوت دینا بھی ہے۔
- استاد تعلیمی عمل کا مرکز و محور ہے۔ وہ ایک واجب الاحترام شخصیت ہے۔ اس کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ وہ

وارث پیغمبر ﷺ ہے۔

- علم اور تربیت کے امتزاج سے تشکیل پایا ہوا نظام ہی اعلیٰ نظام ہے۔ تربیتی نقطہ نظر سے استاد کی شخصیت بڑی اہم ہے۔ جس سے اچھائی اور برائی کے معاملے میں طلبہ پر اثر قبول کرتے ہیں۔ جس سے اچھائی اور برائی کے معاملے میں طلبہ اثر قبول کرتے ہیں۔

- استاد محض نفس مضمون اور طریقہ ہائے تدریس کا ماہر ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مربی' مزکی اور مصلح بھی ہوتا ہے۔ یعنی فکر و عمل اور سیرت و کردار میں پختہ 'اپنے مضمون میں ماہر اور طریقہ ہائے تدریس پر عبور رکھنے والا' استاد ہی طلبہ کی متوازن تربیت کر سکتا ہے۔

- مسلم معاشرہ حیثیت مجموعی عالم بے عملی کو تسلیم نہیں کرتا۔ کردار کی اہمیت ہمیشہ بنیادی رہی ہے۔

- ہر سطح کے استاد میں درج ذیل چند صفات کا ہونا ضروری ہے:

(ا) قرآن و سنت سے آگہی' بندگی رب اور اتباع رسول ﷺ' (حقیقت میں جس تہذیب و ثقافت سے روشناس کرانے کیلئے کوئی استاد مقرر کیا جائے' اس کے بنیادی نظریئے پر اس کا ایمان شرط اول ہے) حیثیت مجموعی جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ نصابی سرگرمیوں کا اصل نصب العین ہے۔

(ب) دیانت' عدل' حق گوئی' خدمت خلق' ایثار' قربانی' اخوت' عفو در گزر' اختلاف رائے کا احترام اور فریضہ اقامت دین ان صفات کا کے حوالے سے دعوت و تربیت کے اسالیب میں خصوصی تربیت۔

(ج) علمی و فنی مہارت' یعنی اپنے مضمون میں بھرپور صلاحیت اور اسے پڑھانے کی حکمت پر کامل عبور۔

(د) قرآن حکیم کے تین خطوط یعنی نفس امارہ' نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کی روشنی میں انسانی نفسیات کا مطالعہ اور تعلیمی دائرہ میں تبدیلی لانے کیلئے مناسب حکمت عملی کا شعور۔

(ھ) علمی ذوق و شوق' دل جمعی اور پابندی وقت کی پاسداری۔

(و) طلبہ کا احترام' ان کی قدر و منزلت اور ان سے شفقت کا مظاہرہ کیا جائے۔ استاد طلبہ کو سزا دینے میں محتاط ہو۔ غیض و غضب' طعن و تشنیع سے کام نہ لے۔ استاد' طلبہ کی تلخ باتوں کو بھی گوارا کرے۔ طلبہ کے مسائل میں دلچسپی لے۔ طالب علم یہ محسوس کرے کہ اس کے استاد کو اس کی فکر ہے (کیمپ سکولوں کے تناظر میں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ اکثر بچے یتیم ہیں۔ وہ اپنے گھر کی فطری تربیت گاہ سے محروم ہیں۔ انہیں یاس اور افسردگی سے نکالنا اور انہیں والدین جیسی محبت دینا بھی مجاہد اساتذہ کی ذمہ داری ہے۔)

(ز) اپنے ملک کے نظریاتی اور جغرافیائی نیز ملی مفادات کے تحفظ اور تعمیر کا بھرپور جذبہ۔

- استاد در حقیقت قائد ہوتا ہے۔ وہ انسانی فطرت کو سمجھتا ہے اور وہ طلبہ کو ایک متعین مقصد کی طرف موڑنے کی

کوشش اس انداز سے کرتا ہے کہ جس سے اس کا اعتماد اور احترام طلبہ کے دلوں میں بیٹھ جاتا ہے۔ استاد کو یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ محض معلومات یا تقریری صلاحیت کافی نہیں۔ اس کے لئے علم و عمل کی یکسانیت اور مقصدیت کا گہرا شعور بھی ضروری ہے۔

تربیت اساتذہ کے نظام کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ مستقبل کے اساتذہ میں اسلامی تعلیم کے نصب العین کا واضح شعور اور اس سے گہری وابستگی پیدا کی جائے اور ان میں وہ اخلاق و کردار اور مشنری جذبہ پروان چڑھایا جائے 'جو انہیں اس منصب کے صحیح تقاضے ادا کرنے کے لئے تیار کرے۔ اس عمل میں تربیت اساتذہ کے اداروں کے لئے درج ذیل اصول بڑے اہم ہیں:

(الف) نصاب تربیت ایسا ہو کہ استاد بیک وقت پختہ مسلمان بھی تیار ہو اور اپنے مضمون میں بھی ماہر ہو۔

(ب) تربیت اساتذہ کے نصاب میں مرکزیت قرآن و سنت کو دی جائے۔

(ج) اساتذہ کو یہ تربیت دی جائے کہ وہ اپنے اپنے مضامین خواہ وہ طبعی علوم ہوں یا عمرانی 'اسلامی نظام فکر کی روشنی میں پڑھائیں۔

(د) اساتذہ کو اپنے ملک اور بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کے مسائل کے بارے میں آگہی فراہم کی جائے تاکہ وہ بعد میں زیر تعلیم طلبہ تک اسے منتقل کر سکیں۔

(ھ) اساتذہ کو اسلام کے فلسفہ تعلیم 'مقاصد تعلیم اور مفکرین تعلیم کے خیالات سے آگاہ کیا جائے۔

(و) اساتذہ کو مغربی تعلیمی فکر اور طریقہ ہائے تدریس کا مطالعہ تنقیدی نقطہ نظر سے کرایا جائے۔

(ز) اساتذہ کے تربیت کورس میں ایسا لٹریچر نہ ہو جو اجتماعی نصب العین کے بارے میں ایمان کو کمزور کرنے والا ہو۔

(ح) تدریس کو موثر بنانے کے لئے اساتذہ کو جدید سمعی و بصری آلات کے استعمال سے واقف کرایا جائے اور انہیں تعلیمی تحقیق کے طریقوں میں بھی ٹریننگ دی جائے تاکہ مقاصد کی بہتر طور پر تکمیل ہو سکے۔"۵۲۰

علامہ اقبال نے شیخ مکتب کو ایسے عمارت گر سے تشبیہ دی 'جس کی صنعت اینٹ 'پتھر گارا اور لوہا نہیں بلکہ روح انسانی ہے اور جس کا اہم مقصد الہی ہدایت کی روشنی میں انسان کے اخلاقی اور روحانی وجود کی تربیت ہے۔ علامہ اقبال "شیخ مکتب" سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شیخ مکتب ہے اک عمارت گر
جس کی صنعت ہے روح انسانی
نکتہ دل پذیر تیرے لئے

کہہ گیا ہے حکیم قاآنی

پیش خورشید بر مکش دیوار

خواہی از صحن خانہ نورانی"

شیخ سید ابوالحسن علی ہجویریؒ کے تعلیمی نظریات

شیخ سید ابوالحسن علی ہجویریؒ ایک باا ثر عالم اور صاحب تحقیق بزرگ شخصیت تھے۔ آپ نے بہت کچھ لکھا' لیکن جس کتاب کو عالمی شہرت حاصل ہوئی وہ ان کی شہرہ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" ہے۔ یہ کتاب برصغیر میں فارسی زبان میں اسلامی تصوف پر پہلی اہم کتاب ہے اور علم تصوف پر سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب کا انداز معلمانہ اور محققانہ ہے اور اس کا اہم مقصد جیسا کہ سید صاحب نے خود فرمایا ہے یہ تھا "یہ ان لوگوں کے دلوں کو صیقل کرے گی جو ہر چند تاریکی کے پردے میں گرفتار ہیں لیکن نور حق کا سرمایہ ان کے دلوں میں موجود ہے۔"[۵۲۱]

شیخ سید ابوالحسن علی ہجویریؒ کے نزدیک تعلیم کے اہم مقاصد درج ذیل ہیں:

(۱) عرفان الٰہی

(۲) احکام الٰہی اور سنت نبوی ﷺ کی پیروی

(۳) حق تعالیٰ کی رضا کا حصول

(۴) تعمیر سیرت اور کردار سازی

(۵) اکتفاء' ارتقاء' رزق حلال (روح اور جسم کی اصلاح کے لئے)

(۶) حق و صداقت اور عدل و مساوات

(۷) اسلامی تصور آخرت پر کامل عقیدہ

(۸) تدبر و تحقیق

(۹) سیادت عالم

ابوالحسن علی ہجویری "معلم مطلوب" کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"طلبہ کی تعلیم و تربیت میں معلم کی اپنی شخصیت اور اس کے ذاتی اوصاف کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے۔ طلبہ شعوری یا لاشعوری طور پر ان سے برابر متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ سید صاحب اپنے اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ "کشف والمحجوب" میں انہوں نے اپنے کئی اساتذہ کا ذکر انتہائی فخر کے ساتھ کیا ہے۔ چنانچہ ان کے اپنے اساتذہ کے بارے میں بیان کردہ خوبیوں کو اگر سامنے رکھا جائے تو سید صاحب کے نزدیک ایک اچھے استاد میں درج ذیل خصوصیات کا ہونا قابل تعریف ہے:

(۱) عالم باعمل ہو۔

(۲) علوم وفنون میں ماہر ہو۔

(۳) شریعت اسلامی کا پابند ہو۔

(۴) علم سیکھنے کا عمل جاری رکھے اور اس میں کمال حاصل کرے۔

(۵) فصیح البیان ہو۔

(۶) محققانہ تصنیفی کام کرتا ہو۔

(۷) طالبان حق کا اس پر اعتماد ہو۔

(۸) شاگردوں سے محبت اور شفقت رکھتا ہو۔

(۹) طلبہ کی بات بہت توجہ سے سنتا ہو اور طلبہ بھی اس کی بات توجہ سے سنتے ہوں۔

(۱۰) بیکار بحث و گفتگو اور لغو باتوں سے اجتناب کرتا ہو۔

(۱۱) نیک' خوش اخلاق اور ملنسار ہو۔

(۱۲) اس کا کلام مہذب ہو اور اشارات لطیف دیتا ہو۔

ان کے علاوہ اگر معلم میں مزید اوصاف ہوں یا ان کے لئے کوشاں ہو تو وہ اہل علم و فضل کے حلقے میں انتہائی افضل استاد شمار ہوگا۔

(۱) جود و سخا۔

(۲) صدق و وفا۔

(۳) کشف و مجاہدہ۔

(۴) فراست و اصابت۔

(۵) حق کی بے باک ترجمانی۔

(۶) تسلیم و رضا۔

سید صاحب نے حارث بن اسدؒ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ:

''زندہ رہنا ہے تو حق کے لئے رہ' ورنہ معدوم ہو جا'' اور یہی ایک اچھے معلم اور ایک اچھے مسلمان کی خصوصیت ہے۔ اسی طرح ایک جگہ معروف بن فیروز کرخیؒ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ جواں مردی کی تین قسمیں ہیں:

- ایک یہ کہ وفا جس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔
- دوسرے یہ کہ کسی طمع و لالچ کے بغیر مستحق تعریف کی جائے۔
- اور تیسرے غریب اور مستحق افراد کی ان کے سوال کے بغیر اعانت۔

سید صاحب کے نزدیک ان اوصاف کے مالک استاد کا مقام یقیناً دین و دنیا میں بہت ہی اعلیٰ و ارفع ہوگا۔۵۲۲

حکمت تدریس (تدریسی ماحول) ہم نصابی سرگرمیاں

تربیت اساتذہ کے اداروں میں جدید طریقہ ہائے تدریس، سمعی و بصری معلومات کا استعمال بلکہ آج کل کے دور کے حوالے سے تدریس بذریعہ کمپیوٹر انتہائی ضروری ہے۔ البتہ موثر تعلیم کے لئے حکمت تدریس کے مجموعی اسلوب کو لازماً اقدار و روایات کے تحت مرتب ہونا چاہئے۔ حکمت تدریس دراصل نفس مضمون پر مہارت، موثر فنی طریقہ ہائے تدریس پر عبور اور استاد کے مفرد شخصی کردار کے امتزاج کا نام ہے۔ فن تدریس تو میکانکی ہو سکتا ہے۔ لیکن معلم کا تو اپنا نظریہ حیات ہوتا ہے اور فن تدریس کو اسی نظریئے کی روشنی میں تشکیل دیتا ہے۔ اسلامی حوالے سے حکمت تدریس کا اساسی نکتہ یہ ہے کہ معلم تعلیم و تدریس، وسائل مباحث میں ایسا اسلوب اپنائے جس کی رو سے وہ اپنے طلبہ میں اسلامی افکار و خیالات کا بیج بوئے اور ان کے جذبات و میلانات کو ایک خاص اسلامی رخ پر ڈھالے۔ اس تناظر میں تربیت اساتذہ کے نصاب میں درج ذیل نکات اہمیت کے حامل ہیں۔

(۱) ہر مضمون کی موثر تدریس کے لئے ضروری ہے کہ استاد کا ذہن جہاں مضمون سے متعلق معلومات کا خزانہ ہو۔ وہاں فکری اور عملی لحاظ سے ایک راسخ مسلمان بھی ہو۔ مسلم استاد عصری تحقیق کے نتائج سے بھی استفادہ کرتا ہے۔ لیکن اصل چیز یہ ہے کہ سے اسلام کی فطرت اور مزاج کا ادراک ہو، تاکہ وہ اس کی روشنی میں معروف کو اخذ کر سکے اور منکرات سے اجتناب کرے بہر حال اصل مقصود یہ ہے کہ استاد کو جس حقیقت کا فہم مطلوب ہو وہ اس بارے میں واضح ہو اور طلبہ کی ذہنی سطح کے پیش نظر اس کو اپنے متنوع اسالیب سے قابل قبول بنا کر طلبہ کے اذہان و قلوب میں اتار دینے کی تمام ضروری تدابیر عمل میں لائے۔

(۲) اسلامی تناظر میں حکمت تدریس کا مطلب یہ ہے کہ استاد دلچسپ پیرائے میں اپنے لیکچر تیار کرے۔ اس کے لیکچر میں نہ اجمال و ابہام ہو نہ غیر ضروری طوالت، غصہ کے بجائے دلسوزی اور سختی کے بجائے نرم خوئی، اچھے لیکچرز کا خاصا ہوتا ہے۔ اس حوالے سے موثر استاد کے لئے ضروری ہے کہ زبان و ادب پر بھی اس کی نظر ہو۔ وہ جس زبان کو بھی اپنے اظہار کا ذریعہ بنائے اس کی مذف شعری سے بر محل اشعار اسے یاد ہوں۔ اچھے نثر نگاروں کے اچھے جملے، عمدہ محاورے اور اچھی تشبیہات، یہ سبھی چیزیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانَ لَسِحْرًا۔ ۵۲۴

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو آدمی مشرق سے آئے ان دونوں نے گفتگو کی ان کے بیان سے لوگوں نے تعجب کیا حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک بعض بیان جادو ہیں۔

عَنْ اُبِیِّ بِنْ کَعْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ

حِكْمَة"۔

ترجمہ:- حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک بعض شعر (سراپا) حکمت ہوتے ہیں۔

عَنْ صَخْرِ بْنِ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلَ اِنَّ مِنَ الْبِيَانِ سِحْرًا وَّ اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا وَّ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكَمًا وَّ اِنَّ مِنَ الْقَوْلِ عِيَالًا۔ ۵۲۵؎

ترجمہ:- حضرت صخر بن عبداللہ بن بریدۃ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا کی روایت کی ہے کہا کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بے شک بعض بیان جادو ہیں اور بے شک بعض علم جہالت ہے اور بے شک بعض شعر حکمتوں سے پر ہے اور بے شک بعض قول وبال جان ہے۔

عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَام" فَحَسَنُه، حَسَن" وَّ قَبِيْحُه، قَبِيْح"۔

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس شعر کے متعلق ذکر کیا گیا پس حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ایک کلام ہے پس اگر وہ اچھا کلام ہے تو اچھا ہے اور اگر وہ برا کلام ہے تو برا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے کہ:

"اپنے بچوں کو تیراکی، تیر اندازی اور گھڑ سواری کا فن سکھاؤ اور انہیں عمدہ اشعار یاد کراؤ۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"اپنے بچوں کو عمدہ اشعار یاد کراؤ ان کی زبان میں مٹھاس آجائے گی۔" ۵۲۶؎

(۳) استاد اپنے اخلاق، ولولہ تدریس، علم کی یقین آفرینی، ایمان کی پختگی اور اپنے مدعا کو سمجھانے کی شدید خواہش سے اپنا ایک مخصوص تدریسی اسلوب بنالیتا ہے۔ جو بالآخر خود ایک مثال کا کام دیتا ہے۔ بہر حال چند رہنما خطوط ایسے ہیں جو استاد کو پیش نظر رکھنے چاہیں۔ مثلاً:

- ☆ قرآن وحدیث کی روشنی میں مقاصد تعلیم اور انسانی نفسیات کا گہرا شعور۔
- ☆ نظریاتی، علمی اور پیشہ ورانہ امور سے متعلق مطالعہ و تحقیق اور عملی تربیت۔
- ☆ نفس مضمون کی مناسبت سے استعارات اور تمثیلات پر عبور۔
- ☆ اخلاق وکردار کے حوالے سے مثالی تشخص۔
- ☆ ذوق مزاج اور شگفتہ مزاجی۔

☆ ظاہری وضع قطع میں نفاست اور وقار

☆ اسلامی اقدار کے دائرہ میں منعقد علمی' ادبی' اور معاشرتی تقریبات میں شرکت۔

☆ تعلیمی ماحصل اور تعلیمی عمل کے دیگر پہلوؤں پر گہری نظر۔۵۲۷؂

(۴) ہر مضمون کی تدریس میں اساسی فکر' قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ سے لی جائے۔ اس حوالے سے موثر تدریس کے لئے استاد کا نمونہ عمل' اس کی اسلامی عقیدے سے کمال وابستگی اور اس کے اظہار پر مہارت تامہ اہم لازمی خصوصیات ہیں۔

(۵) ہر مضمون کے اہم تصورات سے متعلق قرآن و حدیث سے موزوں مواد منتخب کرنے کا سلیقہ ہونا چاہئے۔ تاکہ استاد تدریس کے دوران موضوع کی مناسبت سے اس سے مدد لے۔

(۶) ہر مضمون کی اسلامی حوالے سے تدریس کے لئے ضروری رہنمائے اساتذہ (Teachers Guides) تیار کی جائیں۔ ان میں ہر اہم موضوع یا سبق کے بارے میں بتایا جائے کہ وہ سبق' اسلامی تناظر میں کیسے پڑھایا جائے۔

(۷) قرآن حکیم کی حکمت ابلاغ' رسول اکرم ﷺ کی معلمانہ حکمت عملی اسلامی تعلیمی روایات اور مسلمان مثالی اساتذہ اور مثالی طلبہ کی سوانح عمریوں کو تربیت اساتذہ کے نصابات میں شامل کیا جائے کیونکہ اسلامی حوالے سے موثر تدریس کے لئے یہ اہم ماخذ ہیں۔

(۸) قدیم اسلامی مدارس میں بالعموم درج ذیل تدریسی طریقے اور اسالیب رائج تھے۔ آج کے دور میں ان کے موثر ہونے سے متعلق مزید تحقیق کی جاسکتی ہے۔ البتہ مسلمانوں کی تعلیمی روایات سے تو بہر حال واضح ہے کہ موثر تعلیم و تعلم کے لئے یہ انتہائی اہم تھے۔"۵۲۸؂

چوتھی عالمی اسلامی تعلیمی کانفرنس منعقدہ جکارتہ کی سفارشات

☆ محاضرہ — **Lecture / Presentation**

☆ محادثہ — **Narration**

☆ استماع' تحفظ' تفہیم — **Listening / Retention / Under standing**

☆ تفکر — **Reflective Thinking**

☆ تجزیہ' تنقید' تبصرہ — **Annalysis / Critique / Comments**

☆ تخلیق و انکشافات — **Creativity & Discovery**

☆ استخراجیہ — **Deductive Reasoning**

☆ استقرائیہ — **Inductive Reasoning**

☆ تفویض' منصوبہ' استحار — **Assignment / Project / Presentation**

☆	الکتابہ	Note taking
☆	حوار ومناقشہ	Discussion / Interaction / Dialogue
☆	محاکاۃ	Immitation
☆	شخصی مثال	Teacher as a Model
☆	تفہیم بذریعہ مثال	Logical Proving
☆	قصص	Teaching through stories
☆	سوال وجواب	Question Answer
☆	مطالعہ، تجزیہ، تحقیق	Study / Experimentation / Research
☆	تعبیر، توضیح، تفسیر	Innterpretation / Commentary
☆	بحث ومذاکرہ	Seminar
☆	قراۃ واطلاع	Reading and Communication
☆	مشق، اعادہ	Prill / Recaptulation
☆	اشراط	Conditioning
☆	سعی وخطا	Trial & Error
☆	حلقہ ودائرہ	Circle & Halaqa
☆	زیارۃ ورحلات	Education Visits / Field trips
☆	تقریر وتحریر کی مشقیں	Speach & writing practices
☆	انفرادی توجہ	Individual Attention
☆	ہم نصابی سرگرمیاں	Co- curricular Attention
☆	الریاضۃ البدنیہ	Physical Training
☆	جامع جانچ پرکھ	Process - Product Evaluation

(۹) مسلم اساتذہ نے اس الٰہی ضابطہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھا کہ وہ اپنی تدریس کا آغاز "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے کریں۔ انہوں نے اس نکتہ کو بھی اہمیت دی کہ طلبہ کی تربیت صرف لفظوں سے نہیں بلکہ در حقیقت وہ کردار ہے جو استاد کے پورے وجود سے ہر ادا کی شکل میں جھلکتا ہے۔ اسی کو اقبال فیضان نظر کہتے ہیں۔ مسلم اساتذہ اپنے دینی علمی اور اخلاقی تشخص کے ساتھ سارے تدریسی عمل میں بالعموم درج ذیل ترتیب کو پیش نظر رکھتے تھے۔

☆	تکریم وتنظیم	Mutual Respect and Esteem

☆ تعلیم، تفہیم، تفکر — Educating / Understanding / Reflecting

☆ تزکیہ وتربیت — Purification / Tazkihah / Tarbiyah

☆ تعمیل — Doing / obeying

☆ تبلیغ ودعوت — Imparting / Dawah

☆ تنبیہ وتقریر — Warning / Punishment

اسلامی نفسیات کے تناظر میں یہ نکتہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ استاد کے ساتھ ساتھ طالب علم بھی مکرم و محترم ہے۔ استاد اور طالب علم کے درمیان احترام وتکریم کی فضا حال کئے بغیر تعلیم وتربیت نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ اس ترتیب میں سزا بالکل آخر میں ہے۔ یعنی بغیر ابتدائی مراحل سے گزرے۔ ابتداء میں ہی سزا کا اطلاق، تعلیمی عمل کو ناکام بنادے گا۔

(۱۰) بحیثیت مجموعی ہر مضمون زندگی کے ہمہ گیر اسلامی تصور کو پیش نظر رکھا جائے بالخصوص طلبہ کی جامع صحت مند نشوونما کے لئے صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ استاد اپنے مضمون میں ماہر ہو۔ بلکہ اس کی پوری شخصیت ایسی ہو جو سیرت و کردار میں مثالی ہو اور جس میں قول و فعل کے حوالے سے کوئی تضاد نہ ہو۔۵۲۹ ؎

تدریسی مواد (نصاب)

نصاب، تعلیمی نظام کا ایک اہم عنصر ہے اور طالب علم کے ذہنی اور عملی رویئے کی تشکیل میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نصاب کسی بھی تعلیمی نظام کا عکس ہوتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ اس نظام کو تشکیل دینے والے اور اسے نفاذ کرنے والے اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ نصاب حقیقت میں ان تمام سرگرمیوں کا نام ہے جو تعلیمی اداروں کی کوشش سے وجود میں آتا ہے۔ چاہے یہ سرگرمیاں کمرہ جماعت کے اندر ہوں یا کمرہ جماعت کے باہر۔

یہ دراصل ایک جامع تعلیمی منصوبہ یا پروگرام ہوتا ہے جس کی روشنی میں اساتذہ طلبہ کو تعلیم دیتے ہیں۔ اس پروگرام سے مراد محض نصابی خاکہ اور درسی کتب ہی نہیں، بلکہ وہ سارا ماحول ہے جو تعلیم کو متاثر کرتا ہے۔ طلبہ کو اسی ماحول سے گزرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ ضروری تجربات کے حصول کے لئے باقاعدہ تدریسی لوازمہ کی تیاری، تشکیل نصاب میں ایک اہم قدم ہوتا ہے۔۵۳۰ ؎

محمد ابراہیم خالد، ڈاکٹر "کلاس ورک ایک اہم تدریسی تکنیک" میں تدریسی مواد کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"کامیاب موثر اور مفید تدریس کے لئے یوں تو اساتذہ بہت سے اقدامات کرتے ہیں تدریسی مواد پر عبور بہتر سے بہترین طریقہ ہائے تدریس کا استعمال اور سمعی وبصری معاونات کا استعمال کرنا ان اقدامات میں شامل ہوتا ہے لیکن اس مختص مضمون میں عمل تدریس و تعلیم کے ایک ہی اہم پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جس سے اکثر اساتذہ نتیجہ خیز تدریس کے طریق سے ناواقف ہیں یا اس کو غیر اہم سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ ہے کلاس ورک، تعلیم کی منزل

تک پہنچنے کے لئے تکنیک نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ایک استاد کمرہ جماعت میں ہی طلبہ کی درسی ضروریات کی موثرانداز میں تشفی کردے تو وہ طالب علم کبھی بھی ٹیوشن ورک' درس گائیڈ' خلاصہ اور کسی دوسرے شخص کی معاونت کے طلب گار نہیں ہوں گے۔"۵۳۱

نصاب تعلیم ایسا ہونا چاہئے جو طالب علم کی ہمہ جہت ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

ثمر فاطمہ مسعود' ڈاکٹر "مکتب بطور تربیتی ادارہ" میں نصاب کی افادیت پر رقمطراز ہیں:

"نصاب وہ منصوبہ ہوتا ہے کہ جس کی مدد سے طالب علم کو تعلیم وتربیت کے مراحل سے گزارا جاتا ہے۔ اگر نصاب انسان کی روحانی' اخلاقی' معاشی' معاشرتی' سیاسی اور قانونی ضروریات یعنی اس کے جملہ افکار اور اعمال زندگی کو مدنظر رکھ کر بنایا جائے تو یقیناً اس کے مثبت نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔ مکتب کے ذریعہ جو نصاب تعلیم طلباء کو کرایا جاتا ہے۔ اس میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے کہ وہ ملک وملت کے اجتماعی مفاد میں ہو اور کسی بھی ملک کے مذہبی' اخلاقی' معاشی' معاشرتی اور سیاسی تقاضوں کے مطابق ہو۔ صرف ایسا ہی نصاب تعلیم مکتب کے بنیادی مقصد یعنی انسان کی انفرادیت کی نشوونما اور اس کی تربیت وشخصیت سازی کو پورا کر سکتا ہے۔"۵۳۲

نصاب تعلیم اسلامی نظریات سے ہم آہنگ ہونا چاہئے

نصاب تعلیم ایسا ہو جو اسلامی نظریات کی عکاسی کرے۔

"اسلامی معاشرہ میں مکتب کا یہ بنیادی مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک نصاب تعلیم کو پوری طرح اسلامی نظریات سے ہم آہنگ نہ کیا جائے۔ جیسا کہ پہلے کیا گیا یہ ضروری نہیں کہ معاشرہ کا پہلا ادارہ یعنی خاندان انسان کی تربیت اور اس کی شخصیت سازی کماحقہ کرے یا اس کو مذہب وعقیدہ سے پوری طرح آگاہ کرے۔ اس لئے یہ مکاتب کا ہی فرض ہے کہ وہ چھ کی ہر اس کمی کو جو تعلیم وتربیت کے حوالے سے رہ گئی ہے پورا کرے اور اس مقصد کے لئے ایک ایسا نصاب تعلیم بنائے جو اسلامی عقائد وافکار اور اس کے نظام حیات کا آئینہ دار ہو۔"۵۳۳

تمام طلبہ کیلئے ایک ہی معیار خوانی کا مواد تدریس

تدریسی نصاب ایسا ہونا چاہئے جو طالب علموں کی صلاحیتوں کو جلا بخشے۔

منور سلطانہ مرزا' ڈاکٹر "پرائمری درجات میں مسائل خوانی کی وجوہات" میں تدریسی نصاب کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ہر کلاس میں مختلف استعداد اور سابقہ حاصلات کے طلبہ ہوتے ہیں لیکن ایک ہی کتاب سے پڑھاتے ہوئے ہم اس حقیقت سے منکر ہو جاتے ہیں۔ ضروری یہ ہے کہ طلبہ کو جو مواد پڑھنے کے لئے دیا جائے وہ یا تو اس کے آزاد معیار خوانی کا ہو یا تدریسی معیار خوانی کا۔ یہ مواد کسی صورت بھی مایوسانہ معیار خوانی کا نہیں ہونا چاہئے۔

آزاد معیار خوانی سے مراد وہ معیار ہے جس کے مطابق طالب علم کسی مدد کے بغیر نئے مواد کو آسانی اور اچھی رفتار سے پڑھ سکتا ہو۔"۵۳۴؎

تدریسی اسباق منظم ہونے چاہیئے۔

"ابتدائی جماعتوں میں اسباق کا دورانیہ مختصر ہونا چاہیے۔ تدریسی اسباق زیادہ منظم ہوں۔ درسی کتابوں میں اسباق شروع شروع میں مختصر ہونے چاہئیں۔ مشکل تصورات کی وضاحت عام فہم اور روزمرہ مثالوں سے کی جائے۔ سائنسی اور ریاضی کے تصورات مثلاً اعداد' مقدار' وزن' لمبائی' رقبہ' احاطہ' حجم وغیرہ کی تدریس کے دوران بچوں کو براہ راست تجربات اور پیمائش کا موقع دیا جائے۔ خاکوں' تشبیہات اور درجہ بندیوں (Hierarchies) کے ذریعے نئی معلومات کا تعلق طلبہ کی سابق معلومات سے پیدا کیا جائے۔ طلبہ کو ایسے مسائل دیئے جائیں جن میں منطقی اور تجزیاتی سوچ کی ضرورت پڑے اور ان میں سوچنے کی عادت کو فروغ ملے۔"۵۳۵؎

قومی مقاصد کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے طالب علموں کو تدریسی نصاب مہیا کرنا چاہیے۔

محمد ابراہیم' خالد' ڈاکٹر "قومی ہم آہنگی کے لئے اساتذہ کی تربیت" میں تدریسی نصاب اور طالب علموں کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اساتذہ کرام قومی تقاضوں' قومی مقاصد' قومی مسائل اور قومی وسائل کے لئے طلبہ کو عملی تربیت حاصل کرنے کا موقع دیں اور اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ وہ علاقائی' نسلی' مذہبی' زبان اور دیگر تعصبات کسی حالت میں طلبہ کے اندر پیدا نہ ہونے دیں۔ اس کے لئے ایسا تدریسی مواد فراہم کریں جو اس قسم کے تعصبات سے پیدا شدہ نقصانات سے آگاہ کرے اور اس سے بچنے کے لئے تجاویز دے اساتذہ ایسا تدریسی مواد مطالعہ کے لئے تجویز کرے جس سے طلبہ کے اندر قومی سالمیت اور اتحاد کا جذبہ پیدا ہو۔"۵۳۶؎

مشتاق الرحمٰن صدیقی' ڈاکٹر "تعلیم و تدریس مباحث و مسائل" میں طلبہ کے فکر و عمل نصاب کی اسلامی تشکیل' اسلامی تہذیب کے احیاء پر مدلل بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اسلامی حوالے سے طلبہ کے فکر و عمل کو واضح رخ دینے میں نصاب تعلیم کچھ زیادہ ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اسلامی فلسفہ حیات کے حوالے سے تشکیل و تدوین میں اہم ترین سوال یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو کس طرح کے انسان اور ان میں کون سے لازمی اوصاف مطلوب ہیں؟ اس تناظر میں نصاب کی اسلامی تشکیل میں 'اسلامی تہذیب کے احیاء کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی سارے تعلیمی عمل کا رشتہ اس رب سے جوڑا جائے جو پوری کائنات کا خالق ہے۔ چنانچہ نصاب تعلیم چاہے سائنسی علوم سے متعلق ہو یا عمرانی علوم سے اور چاہے وہ کسی بھی درجے میں پڑھایا جا رہا ہوں یا کسی بھی زمانے یا علاقے میں ہو' وہ اس نظریہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جس کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے۔ اس سرچشمہ کے ذریعے اللہ نے اپنے بندوں کی تربیت اور خلافت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے آسمانی کتابوں کی صورت میں نصاب تعلیم عطا کیا۔ انسانیت کی فلاح کیلئے

آخری کتاب قرآن حکیم ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی۔ لہٰذا نصاب کی اہم علمیاتی بنیاد (Epistemological Base) قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ اور یہی نصاب کا مرکز و محور ہے۔ اسلام کے نزدیک عقل و حواس کے ذریعے علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ لیکن اسے یقین کا درجہ حاصل نہیں۔ لہٰذا یہ ذرائع لازماً بالاتر اور یقینی ذریعہ علم یعنی وحی الٰہی کے تابع ہوں گے۔ حقیقت میں انسان کے لازمی اوصاف کے حوالے سے تمام تعلیمی اور تربیتی سرگرمیوں کا اساسی رہنما اصول دراصل وہ مشن ہے۔"۵۳۷

"جس کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث کیے گئے ہیں۔ یہ ایک ایسا مشن ہے۔ جو اصحاب علم کو مقام نبوت سے قریب کرتا ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق یہ مشن اسلام کے پیغام کی اشاعت و تبلیغ اور ایک عادلانہ اور صحت مند اجتماعی نظام کا قیام ہے۔ پس اسلامی تہذیب و ثقافت کے پس منظر میں تعلیم کا بنیادی مقصد پیغمبرانہ فرائض کی بجا آوری اور انسانوں کو اس مشن میں مقصد کی تعلیم دینا' ان میں اس مذہب کی سچی روح پیدا کرنا اور انہیں ایک مکمل اور صحت مند زندگی کے لئے تیار کرنا ہے۔"۵۳۸

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ ۵۳۹

ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا' جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

ابوالاعلیٰ مودودی "تفہیم القرآن جلد پنجم" میں ان نکات کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس آیت کی روشنی میں جو نظریہ زندگی فلاح انسانیت کیلئے ضروری قرار دیا گیا اس کی بنیاد پر ہر تعلیمی سطح اور ہر قسم کی درسگاہ کے نصاب کو تشکیل میں تلاوت آیات' تزکیہ نفس' تعلیم و کتاب اور تعلیم حکمت کو اساسی حیثیت حاصل ہوگی۔ ان بنیادی مقاصد کے حوالے سے نصاب تعلیم کی اسلامی تشکیل سے متعلق چند اہم نکات یہ ہیں:

(۱) اسلام جس "العلم" کے حصول کو فرض قرار دیتا ہے وہ علم دین ہی ہے۔ جو در حقیقت ایک وحدت یا اکائی ہے۔ ہر چند کہ بعض مفکرین تعلیم نے علم کو مختلف شاخوں اور شعبوں کے حوالے سے مختلف اقسام کی صورت میں پیش کیا ہے۔ لیکن اسلام اصول وحدت کے تناظر میں علم ایک ہی ہے۔ البتہ مروجہ علوم کی ترتیب یا درجہ بندی (Knowledge Taxonomy) کی اصطلاح میں' پہلی عالمی اسلامی تعلیمی کانفرنس منعقدہ مکہ المکرمہ نے اپنی سفارشات میں علوم کی درج ذیل دو اقسام کی صورت میں واضح کیا ہے:

(الف) یقینی' ہدایتی یا الہامی علم (Revealed Knowledge)

وہ علوم جو قرآن و سنت کے حوالے سے عطا کئے گئے۔ مثلاً اعتقادات' عبادات' انسانی معاملات کے اصول' حق و

باطل، معروف و منکر، خیر و شر اور فلاح و خسارہ کے معیارات جو انسان کی ذات کے تزکیہ اور اس کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے حوالے سے ہیں۔ یہ علوم یقینی ہیں اور ان پر انسانی فوز و فلاح کا دارومدار ہے۔ یعنی وحی الٰہی کے ذریعے حاصل شدہ علم جو قرآن و سنت پر مبنی ہے وہی قطعی معتبر اور بالاتر ہے۔

(ب) امکانی، حسی یا عقلی علم (Acquired Knowledge)

وہ علوم جن کے حاصل کرنے کا ذریعہ انسان کے حسی اور عقلی محرکات ہیں مثلاً طبیعات، کیمیا، حیاتیات، ریاضی، شماریات، حیوانیات، ارضیات، فارمیسی، انجینئرنگ، ٹیکنالوجی، میڈیکل سائنس، زرعی سائنس، کامرس، مینجمنٹ ایڈمنسٹریشن، کمپیوٹر سائنس، فلسفہ، نفسیات، تعلیمات، سیاسیات، معاشیات، عمرانیات، نباتیات، فلکیات، تاریخ، جغرافیہ، قانون، ابلاغ عامہ، لسانیات، ادبیات و فنون اور دیگر سوشل، فزیکل، نیچرل سائنسز وغیرہ یہ امکانی علوم ہیں اور دنیاوی زندگی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ بلاشبہ حصول علم کے معاملے میں حس و تجربہ، مشاہدہ، قیاس و استدلال اور وجدان بڑے اہم ذرائع ہیں۔ لیکن یہ یقینی نہیں۔ ان کو پرکھنے کی کسوٹی قطعی سرچشمہ علم وحی الٰہی ہی ہے۔

ان دونوں علوم کا حصول ضروری ہے، لیکن نصاب تعلیم میں اولین اور لازمی حیثیت دینی تعلیم کی ہے۔ اسلامی نصاب تعلیم کا مزاج وحدت کا تصور پیش کرتا ہے۔ وہ دین و دنیا اور مادہ و روح کے تناقض کو دور کرتا ہے اور اس طرح دنیوی اور آخروی حسنات کو پیش نظر رکھتا ہے۔ یعنی نصاب بیک وقت دینی بھی ہوتا ہے اور دنیوی بھی، تاکہ انسان دنیا کو دین ہی کے حوالے سے سمجھے اور اللہ ہی کی ہدایت کے مطابق زندگی کے کام چلائے۔ اس طرح اسلامی نصاب تعلیم، سیکولر اور ملحدانہ نظریات کی نفی کرتا ہے۔ چنانچہ آج مسلم دنیا میں مروجہ نصاب چاہے دینی اداروں کا ہو یا دنیوی اداروں کا انکی اسلامی تعبیر و تدوین کی ضرورت ہے۔٥۴٠

سید محمد سلیم کے نزدیک اسلامی نصاب تعلیم میں ترجیحات کے لحاظ سے درج ذیل ترتیب و ترجیح کو اہمیت حاصل ہے:

(الف) مغیبات (قرآن و حدیث کی تعلیم)

(ب) معقولات (عمرانی و معاشرتی تعلیم)

(ج) محسوسات (طبعی و فطری تعلیم)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسلامی حوالے سے معقولات اور محسوسات سے متعلق نصابات الگ جزو کے طور پر نہیں بلکہ ان کی تشکیل و تنقید لازماً مغیبات یعنی قرآن و حدیث کے تحت مرتب ہوں گے۔ اس طرح حیثیت مجموعی وحی الٰہی تمام نصاب کا مرکز و محور ہو گی۔

(۲) اسلامی نصابات تعلیم کی اصل فکری بنیاد (Philosophical Base) اس وقت تک متعین نہیں کی جا سکتی۔ جب تک اسلامی تناظر میں درج ذیل سوالات کے جوابات کی روشنی میں کوئی واضح نقطہ نظر ترتیب نہیں پاتا۔ اسی فکری نقطہ نظر

کی بنیاد پر ہی نصاب تعلیم استوار ہو گا۔ نیز مضمون کے تدریسی مواد اور تمام نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں کی ترتیب میں بھی مرکزو محور یہی زاویہ ہو گا۔۵۴۱؎

ابو الاعلیٰ مودودی ''اسلامی تہذیب اور اس کی اصول و مبادی'' میں ان نظریات کو تفصیلاً بیان کرتے ہیں:

(الف) دنیوی زندگی کا تصور

(ب) زندگی کا نصب العین

(ج) اساسی عقائد و افکار

(د) تربیت افراد

(ھ) نظام اجتماعی ۵۴۲؎

(۳) اسلامی نصاب تعلیم کی اہم نفسیاتی بنیاد (Psychological Base) یہ ہے کہ ساری دنیا دین کا موضوع ہے اور دین در حقیقت انسان کی بنیادی فطری ضرورت ہے۔ اسلام کا پورا فلسفہ نصاب اسی نکتہ میں پنہاں ہے۔ یہ نہ ترک دنیا کی تعلیم دیتا ہے اور نہ غلوفی الدنیا کی۔ چنانچہ متوازن اسلامی نصاب کی تشکیل کا مقصد اعلیٰ ایسے متوازن اور صحت مند افراد کی تیاری ہے جو صرف قرآن حکیم اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کی طرف متوجہ ہوں اور ہر دور اور ہر شعبہ زندگی میں صراط مستقیم یا دین فطرت کے مطابق چلنے اور دوسروں کی رہنمائی کے قابل ہوں۔ وہ تہذیبی اور تمدنی لحاظ سے اتنے مستحکم ہوں کہ وہ کسی باطل نظام سے مرعوب نہ ہوں اور ہمیشہ تنقیدی صلاحیتوں سے کام لے کر اسے اسلام کی کسوٹی پر پرکھیں۔ وہ دوسروں کے علوم و فنون کو حاصل بھی کریں۔ لیکن مرعوب و مغلوب ذہن سے نہیں بلکہ غالب اور ناقدانہ ذہن سے۔ اس رہنما نکتہ کے تناظر میں تعلیم کی ہر سطح اور شاخ میں نفسیاتی اصولوں کے حوالے سے نصاب میں ایسا لوازمہ شامل کیا جائے۔۵۴۳؎

نعیم صدیقی ''اشارات'' ماہنامہ ترجمان القرآن میں رقمطراز ہیں:

''نفسیاتی تناظر میں نصابی سرگرمیوں کا اصل مقصود ایسی متوازن شخصیت(Balanced Personality) کی تیاری ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل بجا لائے اور جو اللہ کی رضا کے سامنے بلا چوں و چرا سر تسلیم خم کرے اور ہر اس قول و فعل سے اجتناب کرے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ اس کے برعکس جو شخص نفس امارہ کے تابع ہو گا وہ نفسیات کی اصطلاح میں عدم تسویہ (Mal Adjustment) کا شکار ہو گا۔''۵۴۴؎

(۴) نصاب کی تشکیل اور درسی کتب کی تدوین میں معاشرتی اساس (Sociological Base) کے حوالے سے درج ذیل وظائف یا کردار (Roles) اہمیت کے حامل ہیں:

(الف) حفاظتی:- یعنی نصاب 'اسلامی معاشرہ کی دائمی 'اخلاقی اقدار' تہذیبی روایات اور تاریخی و ادبی ورثے کا تحفظ کرے اور انہیں صحیح صورت میں طلبہ تک منتقل کرے۔

(ب) ناقدانہ:۔ یعنی نصاب' معاشرہ میں موجود تجربات وافکار کو الل ٹپ منتقل نہ کرے بلکہ انہیں تنقیدی نظر سے دیکھے اور تطہیر کے عمل کے بعد مطلوب اور مفید لوازمہ کو طلبہ تک منتقل کرے۔

(ج) تخلیقی:۔ یعنی معاشرہ کی دائمی اقدار اور ماضی کی مثبت روایات کی روشنی میں حال اور مستقبل کے مسائل کو حل کرنے کے لئے تحقیق واجتہاد سے کام لے۔۵۰۴ ~

اسلامی نظریہ علم کے تناظر میں نصاب کی تشکیل کا بنیادی رہنما نکتہ یہ ہے کہ وہ ثبات و تغیر کے درمیان کامل توازن قائم کرے۔ یعنی ابدی اور قطعی معاشرتی اقدار کا بھی لحاظ رکھے اور انسانی معاشرہ کی بدلتی ہوئی جائز ضرورتوں کو بھی پورا کرے۔ یہ نظریہ علم نصابات میں نہ علوم طبعی کے مسائل سے تعرض کرتا ہے اور نہ انسان کو تعقل' مشاہدہ اور تجربہ سے روکتا ہے۔ البتہ جو ضابطے' قوانین اور تجربات' دائمی اسلامی معیارات سے ٹکراتے ہوں' انہیں رد کر دیتا ہے۔ یہ ابدی معیار' جس کا خالق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ماضی' حال اور مستقبل سب زمانوں پر محیط ہے۔

(۵) ملی اور قومی یکجہتی کیلئے ہر سطح پر تعلیمی اداروں میں یکساں مقاصد

یکساں نصاب' یکساں تعلیمی سہولیات' یکساں معیارات اور یکساں طریق امتحان کا انتظام ہونا چاہئے۔ اس طرح تعلیم میں طبقہ ورایت اور کئی نظاموں کو ختم کر کے ایک ہی نظام تعلیم رائج کرنا امت واحدہ کے مقصد کی تکمیل کا باعث ہو گا۔

(٦) مسلم قوم کو جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کے لئے جسمانی صحت اور عسکری تربیت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ نصابات میں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا طلبہ اور طالبات دونوں کے لئے اس تربیت کی ضرورت ہے لیکن یہ تربیت اخلاقی قیود اور تہذیبی حدود کے اندر ہی ہونی چاہئے۔

(٧) اسلام عورت کو معاشرہ میں باوقار مقام دیتا ہے اور اس کے لئے تحصیل علم کو ضروری قرار دیتا ہے۔ لیکن وہ اس نظریہ کو ضرر رساں سمجھتا ہے کہ عورت کو مرد کے "شانہ بشانہ" کردار ادا کرنے پر مجبور کیا جائے۔ عورت کے اصل مقام کا تعین اس بنیادی کردار سے ہوتا ہے جس کے بغیر خاندان اور معاشرے کی متوازن اور صحت مند نشوونما کا تصور ہی ناممکن ہے۔ اسلامی نظام تعلیم' مسلم خواتین کو حالت جمود میں نہیں رکھتا بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ خواتین تحریک اقامت دین کے ضمن میں انتہائی متحرک ہوں اور پردہ حیا کے دائرہ کے اندر نئی نسل کے اس طرح تربیت کریں کہ وہ اسلامی تحریک کا ایک عظیم سرمایہ بنیں۔ البتہ مرد اور عورت کے درمیان حیاتیاتی اور نفسیاتی حوالے سے جو فرق ہے یعنی دونوں کے طبعی اور جذبات رجحانات و میلانات میں جو فطری تفاوت پایا جاتا ہے۔ اس تناظر میں عورتوں کے لئے بعض امور میں جداگانہ نصاب کی ضرورت ہے۔ نصاب میں ایسے تمام موضوعات جن میں عورت کو نسوانیت اور اخلاقی قدروں سے محروم کر دینے کا میلان پایا جائے مروجہ نصابات سے خارج کر دینے چاہئیں۔

(۸) ہر سطح کے نصاب میں عربی زبان کو لازمی حیثیت دینا ضروری ہے

اس لئے کہ طلبہ اسلام کی اصل روح کو پوری طرح سمجھ سکیں۔ مجموعی طور پر ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ سطح کے نصابات میں اسلامی تعلیمات کی ترویج کے حوالے سے ابوالاعلیٰ مودودی "تعلیمات" میں رقمطراز ہیں:

(الف) ابتدائی تعلیم کی سطح پر سارا زور تعلیم کے لئے جذبہ پیدا کرنا ہے۔ اسلام ایک خود کار نظام تعلیم تشکیل دیتا ہے۔ جس کی نصابی سرگرمیاں صرف مساجد تک محدود نہ تھیں بلکہ گھر، خاندان، معاشرہ اور اس کے ہر ادارے تک وسیع تھیں۔ اسلامی نصاب میں بچے کی تعلیم کا آغاز قرآن و حکیم کی تدریس سے ہوتا ہے۔ قرآن حکیم سے قلبی تعلق قائم کرنے کے لئے سب سے پہلے اس کی ناظرہ تعلیم ضروری ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر ابتداء ہی سے زور دیا جانا چاہئے۔ کیونکہ مسلمانوں کی تاریخ کا کوئی سا بھی دور ہو ان کی ترقی کا راز اس میں ہے کہ وہ اس بنیادی سرچشمہ علم کو نصاب کا مرکز و محور بنائیں۔

(ب) ثانوی تعلیم تک جدید علوم کے ساتھ ہر مسلمان طالب علم کو اسلامی عقائد اور اسلامی زندگی کے ضروری احکام سے واقف کرایا جائے۔ نیز ہر مسلمان طالب علم کو قرآن پڑھنے اور بہت حد تک قرآن کو سمجھنے کے قابل بنادیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ سیرت نبوی ﷺ کی تعلیم اور اس حوالے سے تفہیم حدیث کو بھی نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

(ج) اعلیٰ تعلیم کی سطح پر اسلامی تعلیمات کے لئے ایک عام نصاب ہو جو تمام طلبہ کو لازمی پڑھایا جائے۔ خواہ وہ کسی شعبہ علم کی تعلیم حاصل کر رہے ہوں۔ اس کے علاوہ ایک خاص نصاب ہو جو ہر شعبہ علم کے طلبہ و طالبات کو ان کے مخصوص شعبے کی مناسبت سے پڑھایا جائے۔ حقیقت میں اعلیٰ تعلیم کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ ایسے صالح علماء تیار ہوں جو ہر دور میں دین حق کے مطابق رہنمائی کرنے کے قابل ہوں۔" ۵۴۶

(۹) تعلّم (Learning) کے مستند اصولوں کے پیش نظر، تعلیم کی تمام سطحوں پر نصاب میں عصر حاضر کے مسائل زیر بحث آنے چاہئیں۔ تاکہ طلبہ ان مسائل و مباحث کو اسلامی تعلیمات کے مطابق حل کرنے کے قابل ہوں۔ نصاب کا اہم مقصد مسائل کے ادراک اور ان کے حل کے لئے طلبہ میں سمع، بصر اور فواد کی صلاحیتوں کی نشوونما کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے موجودہ نصابات اور درسی کتب کو ان نظریات سے جو اسلامی عقیدہ سے براہ راست متصادم ہوں۔ یکسر پاک و صاف ہونا چاہئے۔ نیز اس میدان میں یہ تحقیق بھی ہونی چاہئے کہ مسلمانوں کے دور عروج میں سائنس کی ترقی اور بعد میں اس کے زوال کے کیا اسباب ہیں؟ اس کے ساتھ ساتھ ہر سطح کے نصاب تعلیم کی تشکیل سے متعلق درسی کتب کی تیاری کے بارے میں عالمی سطح پر جو تعلیمی تحقیقات اب تک ہوئی ہیں یا آئندہ کی جائیں ان کے نتائج سے استفادہ کیا جائے۔

(۱۰) نصاب تعلیم اور درسی کتب کے ذریعے طلبہ کو تنقیدی شعور اور غالب ذہن سے آراستہ کیا جائے تاکہ وہ امت مسلمہ کی اجتماعی پسماندگی کو ایک فطری امر سمجھ کر قبول نہ کریں۔ اس مقصد کے لئے تشکیل نصاب اور درسی کتب کی

تیاری میں ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے جو نہ صرف اپنے مضمون میں اعلیٰ مہارت رکھتے ہوں بلکہ علوم کی اسلامی تشکیل نصاب سازی اور درسی کتب کی تیاری میں بھی کامل ادراک رکھتے ہوں۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو موزوں افراد کی تربیت کے لئے خصوصی پروگرام منعقد ہونے چاہئیں۔

حکومت اور تعلیمی انتظامیہ

نظام تعلیم کے تشکیلی عناصر میں حکومت اور اسکی تعلیمی انتظامیہ کو ایک مقام حاصل ہے۔ حکومت کسی ریاست کا منظم اور طاقت ور ترین ادارہ ہے۔ جسے معاشرہ کی زندگی کے تمام گوشوں کو متاثر کرنے کے سب سے زیادہ مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ نظریاتی مملکت میں یہ اختیارات ان تمام گوشوں کی نظریہ کے مطابق صورت گری کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ تعلیم ایک اہم دائرہ ہے اور نظریہ کے نقطہ نظر سے خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔اس لئے نظریاتی مملکت اس پر غیر معمولی توجہ دیتی ہے۔اسلامی ریاست میں حکومت عوام کی مرضی سے برسر اقتدار رہتی ہے۔ تعلیم کے بارے میں عوام کی امنگیں اور آرزوئیں حکومت کی پالیسی کے ذریعے ہی تکمیل پا سکتی ہیں۔

یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ آج کے دور میں کسی ملک کا نظام تعلیم حکومت کے بغیر بھی بن سکے نہ صرف اس لئے کہ عمل تعلیم پیچیدہ اور گراں ہو گیا ہے اور حکومت کے وسائل کے بغیر کسی آبادی کی تعلیم کا مکمل انتظام عملاً ناممکن ہے بلکہ اس لئے بھی کوئی حکومت قومی منصوبہ بندی اس کے بغیر نہیں کر سکتی کہ نظام تعلیم میں اس کا عمل دخل ہو۔ اس لئے شرکت ناگزیر ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں اسلام کے اجتماعی مزاج اور مقاصد تعلیم کے حصول کے نقطہ نظر سے اس کے لئے بہترین عملی صورت کیا ہو سکتی ہے؟

اسلامی حکومت کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اسلامی معاشرہ میں تعلیم محض سرکاری کارروائی نہیں بلکہ ایک معاشرتی عمل ہے۔ حکومت کی اس میں شرکت معاشرے کے نمائندہ کی حیثیت سے ہے۔۷۔ ۵۴

حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ کھلے ذہن سے قومی سطح کے ایسے افراد کو راہنمائی اور مشورہ کے عمل میں شریک کرے جو حقیقی معنوں میں ماہر تعلیم ہوں۔

حقیقی معنوں میں ماہر تعلیم وہ ہے جو اسلام اور اس کے مقصود و منہاج پر گہری نظر رکھتا ہو۔اسلامی تاریخ کے نشیب و فراز سے واقف ہو' عالم اسلامی کی جدید تحریکات اور اس کے رجحانات سے باخبر ہو۔ جدید علوم بالخصوص فلسفہ' نفسیات اور تعلیم میں جدید ترقیات کو خوبی جانتا ہو' معاشیات اور دیگر معاشرتی علوم سے بہرہ ور ہو' غور و فکر کی غیر معمولی تخلیقی صلاحیت کا مالک ہو' اپنے عہد کی ضرورتوں کو ملحوظ رکھ کر تعلیم کی تکنیک کے ذریعے ملی و قومی ورثہ کو نئی پود تک بطریق احسن پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہو' اس کا علم محدود اور نظر کوتاہ نہیں ہوتی۔ علم، تعلیم اور تعلم سے اس کا ناطہ اور شغف زندگی بھر کا ہوتا ہے۔اس کا فکر وسیع تجربے اور پختہ مشاہدے کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔۸۔ ۵۴

ا۔ تعلیمی حکمت عملی

مقاصد تعلیم، ملک کی ضروریات اور مخصوص حالات کو سامنے رکھ کر تعلیمی پالیسی تیار کی جائے۔ ہر دائرہ کے لئے واضح راہنما خطوط طے کئے جائیں۔

۲۔ تعلیمی منصوبہ بندی

تعلیمی پالیسی کی روشنی میں منصوبہ بندی حکومت کا اولین فریضہ ہونا چاہئے۔ اس کی بنیاد پر تعلیم کے مختلف ادوائر میں ہدف طے ہوں اور ان کے حصول کے لئے حکمت عملی وضع کی جائے۔ یہ منصوبہ بندی 'آزاد اسلامی ذہن سے ملک کی متنوع حقیقی ضروریات کو سامنے رکھ کر کی جائے۔ آج کی مسلم مملکتوں کی طرح نہیں جو غیر ملکی ماہرین پر انحصار کر کے ایسے رستے پر چل پڑتی ہیں جو ملی و قومی مقاصد کے خلاف ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی میں اسلامی و ملکی نقطہ نظر سے ترجیحات قائم کی جائیں۔

۳۔ وسائل کی فراہمی

تعلیم کی اسلامی معاشرہ میں اہمیت کے مطابق اس کیلئے وسائل فراہم کئے جائیں۔ حکومت اور معاشرہ دونوں مختلف طریقوں سے اس میں شریک رہے۔ اسلامی مملکت کیلئے کسی غیر ملکی ادارہ کے دیئے ہوئے معیار کی کوئی حیثیت نہیں ؟اس لئے کہ وہ اسلامی نظریاتی مملکت میں تعلیم کی اہمیت اور اس کے کردار کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اسلامی مملکت کو تعلیم کیلئے (Maximum) بجٹ فراہم کرنا چاہئے اور ایسی تدابیر اختیار کرنا چاہئے کہ معاشرہ اس کے لئے اپنے وسائل خود وقف کرے۔

۴۔ جائزہ اور احتساب

حکومت کو مذکورہ اعلیٰ ادارہ کے توسط سے ایسے ادارے و تنظیمیں بنانا ہوں گی جو ملک کے ہر حصے میں تعلیمی پالیسی پر عملدرآمد' منصوبہ بندی کی مکمل تنفیذ اور بجٹ کے صحیح استعمال کا جائزہ لیں گے۔ حکومت کی اپنی انتظامیہ 'اساتذہ اور تعلیم سے متعلق تمام ادارے اور سرگرمیاں ان کے دائرہ میں ہوں گی۔ یہ نظریہ مملکت کے واضح شعور کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیں۔ احتساب بھی کریں اور دادرسی بھی' تعلیمی دائرہ میں ظلم و بے انصافی کو کسی قیمت پر روا نہ رکھا جائے۔۵۴۹؎

تعلیمی انتظامیہ

اسلامی ملک کی تعلیمی انتظامیہ میں یہ خصوصیات ہونی چاہئیں:

ا۔ انتظامیہ میں گہرا نظریاتی شعور ہونا چاہئے۔

''اسلامی نظریاتی ریاست کی اہم ضرورت یہ ہے کہ ملک کے نظام تعلیم کو اللہ کے تصور پر قائم کرے تاکہ یہ تصور

پوری قوم کا موثر اور طاقتور سیاسی اور علمی واخلاقی عقیدہ بن جائے۔ اس کے بالمقابل تمام دوسرے تصورات اور نظریات کمزور اور بے اثر ہو جائیں۔" ۵۵۰ ے

۲۔ انتظامیہ کے ارکان کو پیشہ ورانہ مہارت سے متصف ہونا چاہیئے۔

نظریاتی شعور بھی مقاصد کو شکست دینے کا سبب بن سکتا ہے۔ آمرانہ تعلیمی رویئے کو ختم کرتے ہوئے تعلیم میں مرکزی حیثیت استاد کی ہونی چاہئے ؟ اس سلسلے میں ہمارا نظام تعلیم کا مرکز طالب علم ہے۔ شعبہ تعلیم کا مقصد محض بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا نہیں ہوتا ہے۔ اس کا مقصد طلبہ میں علمی وجدان سے ان کی بصیرت اور ان کی تہذیب کا معیار بلند کرنا ہوتا ہے۔ تعلیم میں حاکمانہ رویوں سے طلبہ میں انسانی احترام کی حس کند ہو جاتی ہے۔ تعلیم کا مقصد مہذب 'باوقار' صحیح الدماغ اور روشن خیال شہری پیدا کرنا ہوتا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب بچے کو تعلیم کا مرکز قرار دیا جائے۔" ۵۵۱ ے

۳۔ پیشہ وارانہ خود مختاری

پاکستان میں اساتذہ کو ملازم کی حیثیت حاصل ہے اور اس حیثیت کی وجہ سے انہیں پیشہ وارانہ خود مختاری حاصل نہیں ہے۔ حکومت و تعلیمی انتظامیہ اس طرف بھرپور توجہ دے 'پاکستان میں یہ سہولت میڈیکل 'انجینئرنگ اور قانون سے وابستہ لوگوں کو حاصل ہے۔ ان کے پیشہ وارانہ امور پر فیصلے کے لئے انہی کے ووٹوں سے منتخب شدہ پاکستان میڈیکل کونسل 'انجینئرنگ کونسل اور پاکستان بار کونسل جیسے ادارے موجود ہیں اور ان اداروں کی تنظیم ہر سطح پر موجود ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اساتذہ کی بھی ایسی کونسلیں پاکستان 'صوبہ اور ضلع کی سطح پر وجود میں لائیں جائیں اور تعلیمی پالیسی ۱۹۹۲۔ ۲۰۰۲ء میں ایسی کونسلوں کی تشکیل کا نہ صرف اظہار کیا جائے بلکہ اس کی عملی شکل کی ضمانت بھی دی جائے۔ تاکہ اس ملک کے اساتذہ کو بھی پیشہ وارانہ خود مختاری حاصل ہو سکے اور یوں معاشرے میں وہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکیں۔ ۵۵۲ ے

۴۔ تعلیمی انتظامیہ میں انتخاب' تقرر اور ترقی کے معیاری ضابطے

الف۔ اہل افراد کی ہمت افزائی کی جائے۔

ب۔ صحیح معیار کا تعین کرتے ہوئے سچی قابلیت اور صلاحیت کے انسان سامنے آنے چاہئیں۔

ج۔ اسلامی نظریہ سے وابستگی 'وطن سے محبت 'ناجائز آمدنی سے پرہیز' شائستہ طرز عمل 'نرم برتاؤ اور اپنے کام کی بروقت صحیح انجام دہی 'ان اقدار کو مد نظر رکھا جائے۔

د۔ اہل تربیت یافتہ افراد کو اعلیٰ مناصب پر براہ راست انتظامیہ میں لیا جائے۔ محض سنیارٹی ہی بنیاد نہ ہو۔ نظریاتی مملکت کیلئے یہ ایک موثر تجویز ہے۔ جس کے استعمال میں احتیاط کرنا ہوگی۔ تاکہ تعلیمی قیادت میں اہلیت وصلاحیت کی بناء پر ہی انتخاب' تقرر اور ترقی کے معیاری ضابطے کار فرما رہیں۔ ۵۵۳ ے

۵۔ انتظامیہ کے افراد اسلامی کردار کے حامل ہونا چاہئیں۔

تعلیم کا مقصد اعلیٰ فرد کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل ہے اور جیسے کسی عمارت کی تعمیر لازمی طور پر کسی نہ کسی ڈیزائن یا نقشے کے مطابق ہوتی ہے۔ اس طرح تعمیر و تشکیل شخصیت بھی کسی نہ کسی معیار کے مطابق ہوتی ہے۔ انتظامیہ کے افراد اسلامی کردار کے حامل ہونے چاہئیں۔ تاکہ وہ اپنے افراد کو غلط راہوں پر چلنے سے باز رہ سکیں۔ اساتذہ کے تقرر و انتخاب، تعلیمی اشیاء کی خرید و فروخت میں اور بجٹ کے دوسرے استعمالات میں بد دیانتی کو ختم کیا جاسکے اور اس کے باوجود پھر بھی جو افراد بد دیانتی میں ملوث ہوں تو ان کا فوری محاسبہ کیا جاسکے۔۵۵۴؎

۶۔ تعلیمی انتظامیہ تعلیمی اداروں میں امن کے قیام کیلئے بنیادی کردار ادا کرے۔

انتظامیہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ تعلیم کیلئے سازگار ماحول پیدا کرنے میں ان کی بروقت مدد کرے۔ نصاب کی تکمیل، امتحانی شیڈول کا تحفظ اور نتائج کے بروقت اعلان کو اپنا مشن بنائے اور تعلیمی اداروں میں بد عنوان عناصر کا محاسبہ کرکے انہیں سخت سزائیں دینے کا بندوبست کرے۔ اسی طرح طلبہ سے اس بات کا عہد لیا جائے کہ وہ اسلام اور نظریہ پاکستان کے خلاف نہ خود کام کریں گے اور نہ کسی ایسی تحریک یا تنظیم میں شمولیت اختیار کریں گے جس کا مقصد پاکستان کی سالمیت و استحکام کو کمزور کرنا ملک میں فرقہ واریت، علاقائیت، ذات اور برادری ازم کو فروغ دینا ہو۔ انہیں اس بات کا بھی پابند کیا جائے کہ وہ اساتذہ کرام کا پورا پورا احترام کریں اور اس عہد کی خلاف ورزی کرنے والوں کو جرم ثابت ہو جانے پر مسلمہ اصولوں کے مطابق سزا کا مستحق قرار دیا جائے۔۵۵۵؎

حکومت اور تعلیمی انتظامیہ تعلیمی معیار کو بلند کرے، جمہوری اقدار کو فروغ دینے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ملکی ترقی اور استحکام کیلئے مندرجہ ذیل تجاویز کو مدنظر رکھتے ہوئے ان پر عملدرآمد کرائے۔۵۵۶؎

۱۔ تمام تعلیمی اداروں میں طلبہ کا داخلہ صرف میرٹ یعنی قابلیت کی بنیاد پر ہو۔

۲۔ گاؤں اور دیہاتوں میں زیادہ مدارس کھولے جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ طلبہ کو داخلہ مل سکے۔

۳۔ داخلے اور امتحانات میں کامیابی پر سفارش قطعی طور پر ممنوع قرار دی جائے اور اسے نااہلیت کی بنیاد قرار دیا جائے۔

۴۔ اساتذہ کا تقرر خالصتاً میرٹ (قابلیت) کی بنیاد پر ہو۔

۵۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ تجربہ کار اساتذہ کا خیر مقدم کیا جائے اور ان کو مزید مراعات دی جائیں۔

۶۔ قومی بجٹ میں تعلیم کے لئے مختص کی جانے والی رقم میں اضافہ کیا جائے۔

۷۔ تعلیمی درسگاہوں کی لائبریری میں کتب، رسائل، تحقیقی جرائد اور ملکی و غیر ملکی اخبارات میں اضافہ کیا جائے۔

۸۔ تعلیمی اداروں میں اسٹوڈنٹس یونین بحال کی جائے۔

۹۔ باقاعدگی سے ہر سال اسٹوڈنٹس یونین کے انتخابات کرائے جائیں اور ان کو جمہوری انداز میں جلسے اور جلوس کرنے، تقاریر اور اپنے امیدوار کے حق میں مہم چلانے کی آزادی ہو۔

۱۰۔ اسٹوڈنٹس یونین کے اجلاسوں میں جمہوری قدروں کے فروغ کیلئے اور انتخابات کے موقع پر یونیورسٹی یا کالج کی انتظامیہ کی نگرانی زیادہ سخت ہو۔

۱۱۔ قانون شکن طلبہ کے خلاف فوراً تادیبی کارروائی کی جائے اور کسی کے خلاف امتیازی کارروائی نہ کی جائے۔

۱۲۔ علاقائی، لسانی قوم پرست اور فرقہ وارانہ تنظیموں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

۱۳۔ تمام تعلیمی اداروں میں طلبہ تنظیموں کی رجسٹریشن کی جائے اور صرف رجسٹرڈ تنظیموں کو یونین کے انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت ہو۔ ایسی تنظیموں کو رجسٹرڈ کیا جائے، جن کی صفوں میں ملک کے ہر حصہ کی نمائندگی ہو۔ ان تنظیموں کو رجسٹرڈ نہ کیا جائے جو کسی خاص حصہ یا نسل یا قوم یا فرقے کیلئے مخصوص ہو۔

۱۴۔ اختلافات رائے ظاہر کرنے اور اس کے احترام کی خاطر یونیورسٹی یا کالج کی انتظامیہ کی نگرانی میں مختلف تنظیموں کو جلسہ کرنے، جلوس نکالنے اور مہم چلانے کی اجازت ہو۔

۱۵۔ اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لئے ضابطہ اخلاق مرتب کیا جائے۔

۱۶۔ جب کبھی جامعہ یا کالج کا کوئی ادارہ طلبہ سرگرمیوں سے متعلق کوئی ضابطہ بنا رہا ہو تو اس وقت طلبہ کی نمائندگی کیلئے طالب علم لیڈر یعنی یونین کا صدر یا سیکرٹری یا دونوں اس اجلاس میں موجود ہوں یا طلب کئے جائیں تاکہ وہ یونین کی پالیسی اور طلبہ کے رد عمل کا اظہار کر سکیں۔ اس طرح جمہوریت کا پودا پروان چڑھ سکے گا۔

۱۷۔ درسگاہوں یا طلبہ کے معاملات میں سیاسی لیڈروں کا عمل دخل قطعی طور پر بند ہونا چاہئے۔

۱۸۔ جمہوریت کے پھلنے پھولنے کیلئے وہ جگہ زیادہ سازگار ہوتی ہے جہاں شرح خواندگی بہت زیادہ ہو۔ جتنی شرح خواندگی زیادہ ہوگی اتنی ہی جمہوریت کی جڑیں مضبوط ہوں گی۔

سرکاری اعلان کے مطابق پاکستان میں شرح خواندگی ۱۹۹۲ء میں ۳۴ فیصد ہو گئی ہے اگر ہمیں اپنے ملک میں جمہوریت کو اور تعلیمی درسگاہوں میں جمہوری قدروں کو فروغ دینا ہے تو پورے ملک میں شرح خواندگی میں اضافہ کرنا ہوگا۔ ۵۵۷

باب اول

اس باب کی فصول حسب ذیل ہیں:

فصل ۱۔ اس فصل میں تعلیم کے لغوی معنیٰ، کسی چیز کو جاننے اور محسوس کرنے کے ہیں۔ جب کہ اصطلاح میں تعلیم سے مراد وہ معاشرتی عمل ہے جس کے تحت افراد سوجھ بوجھ اور عقلی نشو ونما سے متعلق اپنی معلومات کا اضافہ کرتے ہیں۔

فصل ۲۔ اس فصل میں تعلیم کے مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن حکیم کی رو سے تعلیم کے مقاصد یہ ہیں: کہ انسان اپنے علم کو محدود سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس میں اضافے کی کوشش کرے۔ اپنے علم کو وحی الٰہیہ کے تابع رکھے۔ اس علم کی بنیاد پر وہ اللہ کا شکر گزار اور فرمانبردار بندہ بنے اور اس علم سے اپنا تزکیہ کرتے ہوئے اپنے اخلاق و کردار کو سنوارے۔ سنت رسول ﷺ کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل علم انبیاء کے وارث ہیں۔ علم حاصل کرنے والوں کو اللہ کے ہاں خاص مقام حاصل ہوگا۔ علم حاصل کرنا جنت کے راستے پر سفر کرنے کے مترادف ہے۔ علم کا اجر اللہ کے ہاں انعامات کی صورت میں ملے گا۔ صحابہ کرام کے ہاں بھی علم کی بہت بڑی فضیلت تھی اور وہ علم کو تمام چیزوں پر فوقیت دیتے تھے۔

تعلیم کے اسلامی اصولوں کے مطابق علم کا مصدر و منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ انسانی فطرت میں علم حاصل کرنے کی خواہش موجود ہے۔ علم کے مقاصد میں معرفت اور رضائے الٰہی کا حصول منصب خلافت کی بجا آوری کے لیے اہلیت، تعمیر انسانیت، انفرادی اور اجتماعی توازن شامل ہیں۔ اس فصل میں درج ذیل مقاصد علوم کو تحقیقی انداز میں مرتب کیا گیا ہے:

(۱)۔ تصور علم　　(۲)۔ مقصد تعلیم　　(۳)۔ انفرادیت اور اجتماعیت میں توازن

(۴)۔ علم کی وحدت اور ہم آہنگی　　(۵)۔ تعمیر کردار　　(۶)۔ تکمیل حیات

(۷)۔ فلسفہ تعلیم　　(۸)۔ انسان کی حیثیت خلیفۃ اللہ فی الارض

(۹)۔ راہ علم　　(۱۰)۔ وحی الٰہیہ

ان تمام مذکورہ بالا ذیلی عنوانات کو قرآن و سنت، تعلیمی نظریات و تناظر کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی تحقیق کی گئی ہے۔

فصل ۳۔ مختلف وحدات کے تناظر میں تعلیم کے اثرات کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے۔ جس میں دنیا کی معروف تہذیبوں کا تقابلی و تہذیبی و تمدنی و علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

اسلام سے پہلے مختلف قوموں کے ہاں علم کا تصور موجود تھا۔ یونانی، رومی، یمنی، ہندی اور چینی تہذیبوں کے ہاں مختلف نظام ہائے تعلیم کی بنیادیں ملتی ہیں۔ تاہم اسلام کا تصور تعلیم ان سب سے مختلف اور اعلیٰ و ارفع ہے۔

فصل ۴۔ اسلامی تعلیم کے بنیادی مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس میں (۱)۔ حصول علم کی اہمیت (۲)۔ علم کی فرضیت (۳)۔ تعلیم کا مقام و مرتبہ (۴)۔ تزکیہ نفس (۵)۔ تلاوت آیات (۶)۔ کتاب و حکمت کی تعلیم (۷)۔ صلاحیتوں کی نشو ونما (۸)۔ ملی ضروریات کی تکمیل (۹)۔ قومی ضروریات کی تکمیل، (۱۰)۔ مذکورہ مقاصد کے حصول کے ادارے اور وسائل۔ (الف)۔ مسجد و مکتب (ب)۔ تعلیم کے عناصر چہارگانہ (۱)۔ طالب علم (۲)۔ استاد (۳)۔ تدریسی مواد (نصاب)

اور (۴)۔ حکومت اور تعلیمی انتظامیہ۔
اس فصل میں مذکورہ بالا عنوانات کو تحقیقی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
فصل ۵۔ اس فصل میں تعلیمی مقاصد کے حصول کے ادارے اور وسائل کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز مسلمانوں کے درخشاں تعلیمی ادارے، ان کی تعلیمی کارکردگی کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ اس طرح پیش کیا گیا ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہو سکے کہ مسلمانوں نے تعلیمی میدان میں جو بیش بہا اور گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں وہ کسی مذہب وملت کے نصیب کا حصہ نہیں بن سکیں۔

باب نمبرا

حوالہ جات

۱۔ فیروز اللغات، اردو جامع، ص/۳۶۵

۲۔ نور اللغات، حصہ دوم، ص/۲۰۶

۳۔ قومی، انگریزی، اردو لغات

۴۔ اردو انسائیکلوپیڈیا، بار اول، ص/۴۶۶

۴۔ آلوسی، محمود شکری، علامہ، "بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب" ج/۳، ص/۸۰

۵۔ Joseph T Shipley " Dictionay of World Origions" 1957, P:114

۶۔ John Stuart Mill "Inagural Address as Rector of St. Andrew's vide W, O Lessess Smith "Education" P:9

۷۔ John Milton "Areopagition and Other Prose Works" P:46

۸۔ John Dewey "Democracy of Education" vide - A,G, Hughes

۸۔ Bertrand Russell " The Place of Science in Liberal Education" P:37-38

۹۔ E.H. Hughes " Education Some Fundamental Problems" P:81

۱۰۔ Joe Park " Introdiction Selected Reading in the Philosophy of Education" P:31

۱۱۔ ڈکشنری آف ایجوکیشن، تھرڈ ایڈیشن، میک گرا ہلز بک کمپنی، لندن

۱۲۔ خورشید احمد، "اسلام کا نظریہ تعلیم" ص/۱۷

۱۳۔ المنجد فی لغت الاعلام، ص/۵۶۷، طبع بیروت

۱۴۔ پرویز "لغت القرآن" باب العلم، ج/۳، ص/۱۱۸۶، ۱۹۶۱ء

۱۵۔ خورشید، پروفیسر، "نظام تعلیم" ص/۱۶

۱۶۔ برہان احمد، فاروقی، ڈاکٹر "قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل" ص/۵۹

۱۷۔ الانعام:۵۹

۱۸۔ البقرة:۳۱

۱۹۔ بنی اسرائیل:۸۰

۲۰۔ البقرة:۲٦۹

۲۱۔ فاطر:۲۸

۲۲۔ البقرة:۱۲۱

۲۳۔ المجادلہ:۱۱

۲۴۔ الزمر:۹

۲۵۔ فاطر:۲۸

۲۶۔ البقرة:۳۱

۲۷۔ الرحمٰن:۲

۲۸۔ علق:۱۔۵

۲۹۔ المائدة:۱۱۰

۳۰۔ الحشر:۲۲

۳۱۔ الحج:٤

۳۲۔ المائدة:۹۲

۳۳۔ البقرة:۱۵۱

۳۴۔ یٰسٓ:۶۹

۳۵۔ یوسف:۶۸

۳۶۔ الانبیاء:۵۱

۳۷۔ الرعد:۹

۳۸۔ العنکبوت:٤۳

۳۹۔ الجمعة:۲

۴۰۔ البقرة:۱۲۱

۴۱۔ النجم:۳۲

۴۲۔ الترمذی، محمد بن عیسٰی ترمذی، الامام "جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی" ابواب العلم، باب اذا ارادالله بعبده خیرًا فقه فی الدین، ج/۳، ص/۳۶۹

۴۳۔ الترمذی، محمد بن عیسٰی ترمذی، الامام "جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی" ابواب العلم، باب فضل طلب العلم، ج/۳، ص/۳۶۹

۴۴۔ الترمذی، محمد بن عیسٰی ترمذی، الامام "جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی" ابواب العلم، باب فضل طلب العلم، ج/۳، ص/۳۶۹

۴۵۔ الترمذی، محمد بن عیسٰی ترمذی، الامام "جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی" ابواب العلم، باب فضل الفقة علی العباد، ج/۳، ص/۳۸۱

۴۶۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی "سنن ابوداؤد" کتاب العلم، باب فی فضل العلم، ج/۳، ص/۳۵۵

۴۷۔ ابوداو،د، سلیمان بن اشعث السجستانی "سنن ابوداو،د "کتاب العلم ، باب فی لغیراللّٰہ ، ج/۳ ، ص / ۳٦۱

۴۸۔ ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه " باب ثواب معلم الناس الخیر،ج /۱،ص/ ۱۲

۴۹۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری " الصحیح البخاری "کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ج/۱،ص/ ۲۱

۵۰۔ الترمذی، محمد بن عیسٰی ترمذی، الامام " جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی " باب ما جاء فی کتمان العلم ، ج /۳، ص / ۳۷۰

۵۱۔ ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه " باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ، ج /۱،ص/۹۵

۵۲۔ ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه " باب فضل من تعلم القرآن وعلّمه ، ج /۱،ص/۱۹

۵۳۔ ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه " مقدمه باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ، ج /۱،ص/ ۲۰

۵۴۔ ابوداو،د، سلیمان بن اشعث السجستانی "سنن ابوداو،د "کتاب العلم ، باب فی فضل العلم، ج/ ۳ ، ص / ۳۵۵

۵۵۔ ابوداو،د، سلیمان بن اشعث السجستانی "سنن ابوداو،د " باب التشدید فی الکذب علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہعلیه وسلم ، ج/ ۳ ، ص / ۳۷۵

۵٦۔ ابوداو،د، سلیمان بن اشعث السجستانی "سنن ابوداو،د " باب الکلام فی کتاب اللّٰہ بلا علم ، ج/ ۳ ، ص / ۳۵۸

۵۷۔ ابوداو،د، سلیمان بن اشعث السجستانی "سنن ابوداو،د " باب فی طلب العلم لغیراللّٰہ ، ج/ ۳ ، ص / ۳٦۱

۵۸۔ الترمذی، محمد بن عیسٰی ترمذی، الامام " جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی " باب ماجاء فی کتمان العلم ، ج / ۳ ، ص / ۳۷۵

۵۹۔ الترمذی، محمد بن عیسٰی ترمذی، الامام " جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی " باب فضل طلب العلم ، ج / ۳ ، ص / ۳٦۹

٦۰۔ الترمذی، محمد بن عیسٰی ترمذی، الامام " جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی " باب فضل طلب العلم ، ج / ۳ ، ص / ۳٦۹

٦۱۔ ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه " مقدمه باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ، ج /۱،ص/ ۲۰

٦۲۔ ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه " مقدمه باب فضل العلماء ، ج /۱،ص/ ۲۱

٦٣ـ ابن ماجه، محمد بن يزيد القزوينى "سنن ابن ماجه" مقدمه باب ثواب معلم الناس الخير، ج /١، ص /٢١

٦٤ـ ابن ماجه، محمد بن يزيد القزوينى "سنن ابن ماجه" مقدمه باب ثواب معلم الناس الخير، ج /١، ص /٢١

٦٥ـ ابن ماجه، محمد بن يزيد القزوينى "سنن ابن ماجه" باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ج /١، ص /٢٠

٦٦ـ ابن ماجه، محمد بن يزيد القزوينى "سنن ابن ماجه" باب فضل من تعلم القرآن و علّمه، ج /١، ص /١٩

٦٧ـ ابن ماجه، محمد بن يزيد القزوينى "سنن ابن ماجه" مقدمه باب من بلغ علمًا، ج /١، ص /٢١

٦٨ـ البخارى، محمد بن اسماعيل بخارى "الصحيح البخارى "كتاب العلم، باب فضل العلم، الجز اول ،ص /١٤

٦٩ـ البخارى، محمد بن اسماعيل بخارى "الصحيح البخارى "كتاب العلم، باب الانقباط فى العلم والحكمة الجزء اول، ص /١٧

٧٠ـ البخارى، محمد بن اسماعيل بخارى "الصحيح البخارى "كتاب العلم، باب تحريض النبى صلى الله عليه وسلم وف عبدالقيس على ان يحفظوا الايمان والعلم و يخبروا من ورآء هم وقال مالك بن الحويرث قال لنا النبى ارجعوا الى اهليكم فكلموهم، ج /١،ص /١٩

٧١ـ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيرى "الصحيح المسلم "كتاب العلم، باب رفع العلم فى أخر الزمان، ج /٥ـ ٦، ص /٢٧٢

٧٢ـ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيرى "الصحيح لمسلم "كتاب العلم، باب رفع العلم فى أخر الزمان، ج /٥ـ ٦، ص /٢٧٣

٧٣ـ البخارى، محمد بن اسماعيل بخارى "الصحيح البخارى "كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم، ج/ ١ ،ص /٢٠

٧٤ـ البخارى، محمد بن اسماعيل بخارى "الصحيح البخارى "كتاب العلم، باب الحياء فى العلم ج/ ١، ص /١٤٢

٧٥ـ الترمذى، محمد بن عيسىٰ ترمذى، الامام "جامع الترمذى مع شرح تحفة الاحوذى" ابواب العلم، باب ما جاء فى فضل الفقة على العبادة، ج /١، ص /٣٨٢

٧٦ـ ابن ماجه، محمد بن يزيد القزوينى "سنن ابن ماجه" باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ج /١، ص /٢٠

٧٧ـ الترمذى، محمد بن عيسىٰ ترمذى، الامام "جامع الترمذى مع شرح تحفة الاحوذى" ابواب العلم، باب ما جاء فى الاستيماء بمن يطلب العلم، ج /٣، ص /٣٧٠

۷۸۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی، الامام "جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی" ابواب العلم، باب ما جاء فی ذهاب العلم، ج /۳، ص /۳۸۱

۷۹۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی، الامام "جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی" ابواب العلم، باب فی کراهیة کتابة العلم، ج /۳، ص /۳۸۵

۸۰۔ ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه" باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ج /۱، ص /۲۰

۸۱۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام "احیاء العلوم الدین" ج /۱ ،ص /۱۵ تا ۱٤۹

۸۲۔ آل عمران : ۱۱۸

۸۳۔ الانعام:٥۹

۸۴۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام "احیاء العلوم الدین" ج /۱ ،ص /۲٦

۸۵۔ ابن خلدون، عبدالرحمن، ابن خلدون "مقدمہ ابن خلدون" ص /۴۷۰۔۴۷۱

۸۶۔ ابن خلدون، عبدالرحمن، ابن خلدون "مقدمہ ابن خلدون" ص /۴۷۱۔۴۷۲

۸۷۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام "احیاءالعلوم الدین" کتاب العلم ج /۱، ص /۴۸۔۴۷، ص /۶۸۔۶۹ میں زیادہ تفصیل ہے۔

۸۸۔ ابن خلدون، عبدالرحمن، ابن خلدون "مقدمہ ابن خلدون" ص /۴۷۶۔۴۷۷

۸۹۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام "احیاءالعلوم الدین" ج /۱ ،ص /۸۔۹

۹۰۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام "احیاءِعلوم الدین" ج /۱ ،ص /۴۰

۹۱۔ سید ہاشم، مولانا، ندوی "تذکرة السامع و المتکلم فی ادب العالم و المتعلم" ص /۴۷۔۴۸، ۶۸، ۶۹
الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام "احیاءالعلوم الدین" کتاب العلم ج /۱ میں زیادہ تفصیل دی گئی ہے

۹۲۔ سید ریاست علی، ندوی "اسلامی نظام تعلیم" ص /۲۱

۹۲۔ ملک حسن اختر "تعلیم کا فن" ص /۷

۹۳۔ غلام عابد خان "عہد نبوی کا نظام تعلیم" ص /۵۳ مزید حوالہ کے لیے دیکھیے:
الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام "احیاءالعلوم الدین" ج /۱ ،ص /۶۷

۹۴۔ الانعام:۱٦۳

۹۵۔ البقرة :۲۱۳ مزید حوالہ کے لیے دیکھیے: ال عمران :۱۰٤۔۱۱۰

۹۶۔ محمد شفیع، مرزا "علم التعلیم" ص /۱۷

۹۷۔ محمد رفیع الدین، ڈاکٹر "اسلام کا نظریہ حیات" ص /۴۱۔۴۲

۹۸۔ سید محمد سلیم "اسلامی تعلیم: بنیادی تصورات و افکار" ص /۶۷

۹۹۔ غلام عابد خان "عہد نبوی کا نظام تعلیم" ص /٦۰

۱۰۰۔ الحج :٤۱

۱۰۱۔ الفریڈ نارتھ وہایٹ ہیڈ "تعلیم کے مقاصد" مترجم سید عبداللہ، ص /۲۲

۱۰۲۔ Herbert Read "Education for Peace Routledge and Knganpane", 1950, P:59

۱۰۳۔ Herbert Read "Education for Peace Routledge and Knganpane", 1950, P:26

۱۰۴۔ مشتاق احمد گورایہ، ڈاکٹر ''علم التعلیم'' ص/۱۹

۱۰۵۔ غلام عابد خان ''عہد نبوی کا نظام تعلیم'' ص/۶۱۔۶۳

۱۰۶۔ ابوالاعلیٰ، مودودی ''اسلام تہذیب اور اس کے اصول و مبادی'' ص/۳۳۷

۱۰۷۔ الاعراف :۱۷

۱۰۸۔ الانعام :٤

۱۰۹۔ ابوالاعلیٰ، مودودی ''تفہیم القرآن'' ج/۴، ص/۱۹۵

۱۱۰۔ غلام عابد خان ''عہد نبوی کا نظام تعلیم'' ص/۶۴

۱۱۱۔ برٹ رینڈ رسل ''نظام معاشرہ اور تعلیم'' فرد اور شہری کا موازنہ ، مترجم جی۔ آر۔ جی، ص/۲

۱۱۲۔ برٹ رینڈ رسل ''نظام معاشرہ اور تعلیم'' فرد اور شہری کا موازنہ ، مترجم جی۔ آر۔ جی، ص/۸

۱۱۳۔ سید محمد سلیم، ''اسلامی تعلیم'' بنیادی تصورات و افکار، ص/۲۶

۱۱۴۔ خورشید احمد، پروفیسر ''نظام تعلیم'' نظریہ روایت مسائل، ص/۳۸

۱۱۵۔ محمد رفیع الدین، ڈاکٹر ''اسلام کا نظریہ تعلیم'' ص/۳۱

۱۱۶۔ محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۱۲

۱۱۷۔ محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۴۶

۱۱۸۔ محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۴۷

۱۱۹۔ محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۵۰

۱۲۰۔ محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۵۵

۱۲۱۔ محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۴۲

۱۲۲۔ محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۴۳۔۴۴

۱۲۳۔ الجمعة :۲

۱۲۴۔ الشمس :۱۰

۱۲۵۔ اے، این وائٹ ہیڈ، مترجم سید محمد تقی، ص/۱۰۱

۱۲۶۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر ''تعلیم کا فن'' ص/۹

۱۲۷۔ Dr. M. Mohammad Husain, " Education and Culture" 1976, P:12

۱۲۸۔ الفریڈ نارتھ وہایٹ ہیڈ ''تعلیم کے مقاصد'' مترجم سید عبداللہ، ص/۲۲

۱۲۹۔ Herbert Read "Education for Peace "Routledge and Knganpane", 1950, P:59

۱۳۰۔ Herbert Read "Education for Peace "Routledge and Knganpane", 1950, P:26

۱۳۱۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر ''تعلیم کا فن'' ص/۲۱

۱۳۲۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر ''تعلیم کا فن'' ص/۲۳

۱۳۳۔ عبدالحق، مولوی ''چند ہم عصر'' ص/۳۲

۱۳۴۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر ''تعلیم کا فن'' ص/۲۹

۱۳۵۔ البقرة :۲۱۳

۱۳۶۔ الحج :٤١

۱۳۷۔ ابوالاعلیٰ، مودودی ''تفہیمات'' اسلام ایک علمی و عقلی مذہب، ص/۲۹۔۳۰

۱۳۸۔ محمد رفیع الدین، ڈاکٹر ''اسلام کا نظریہ تعلیم'' ص/۳۵

۱۳۹۔ محمد رفیع الدین، ڈاکٹر ''اسلام کا نظریہ تعلیم'' ص/۴۰

۱۴۰۔ غلام عابد خان ''عہد نبوی کا نظام تعلیم'' ص/۶۲۔۶۳

۱۴۱۔ برٹ رینڈ رسل، ترجمہ: ''نظام معاشرہ اور تعلیم'' (فلسفہ تعلیم)، مترجم: جی۔ آر۔ جی ص/۴

۱۴۲۔ محمد رفیع الدین، ڈاکٹر ''اسلام کا نظریہ تعلیم'' ص/۴۰

۱۴۳۔ محمد رضی الدین، صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۳۲

۱۴۴۔ البقرة :۳۰

۱۴۵۔ الانعام :٦٦

۱۴۶۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی'' ص/۲۹

۱۴۷۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی'' ص/۳۰۔۳۱

۱۴۸۔ عبدالحق، مولوی ''چند ہم عصر'' ص/۲۳۱۔۲۳۲

۱۴۹۔ الذاريات :٥٦

۱۵۰۔ النساء :٦٤

۱۵۲۔ الجمعة :١

۱۵۳۔ النور :٥

۱۵۴۔ بنی اسرائیل :٥

۱۵۵۔ الروم :٣

۱۵۶۔ الرحمٰن :١

۱۵۷۔ ابوالاعلیٰ، مودودی ''تفہیمات'' اسلام میں عبادت کا تصور، ص/۵۳۔۵۴

۱۵۸۔ الحشر :١٨

۱۵۹۔ غلام عابد خان، پروفیسر ''عہد نبوی کا نظام تعلیم'' ص/۵۶۔۵۷

۱۶۰۔ النحل :٥١۔٥٢

۱۶۱۔ البقرة :١٥٢

۱۶۲۔ غلام عابد خان، پروفیسر ''عہد نبوی کا نظام تعلیم'' ص/۵۸

۱۶۳۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی'' ص ۲۸/

۱۶۴۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی'' ص ۲۸/

۱۶۵۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی'' ص ۲۹/۔۳۰

۱۶۶۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی'' ص ۳۰/

۱۶۷۔ الانعام :۱٦٦

۱۶۸۔ الاعراف :۱۲۹

۱۶۹۔ صٓ :۲٦

۱۷۰۔ التین :۷

۱۷۱۔ الانعام :۵۷. آل عمران :۲۸

۱۷۱۔ الاعراف :۳

۱۷۱۔ الانعام :۱٦۳

۱۷۲۔ العنکبوت :۵۲

۱۷۳۔ البقرة :۲۱۷ مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے المائدة :۵

۱۷۴۔ الاعراف :۳۲ مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے البقرة :۱٦۸،۱۹۹۔ المائدة :۸۷.۸۸

۱۷۵۔ الحدید :۲۷ مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے الاعراف :۱۵۷

۱۷۵۔ عبدالرشید، رضا ''اسلام اور تعمیر شخصیت'' بہترین عمل، ص ۱۳۶/۔۱۴۳

۱۷۶۔ ابوالاعلیٰ، مودودی ''تفہیمات'' اسلام ایک علمی اور عملی مذہب، ص ۳۰/

۱۷۷۔ سید رشید رضا ''الوحی المحمدی'' ص ۳۱/

۱۷۸۔ النجم :۳.٤

۱۷۹۔ یونس :۱۰

۱۸۰۔ الاعراف :۷

۱۸۱۔ صبحی صالح، ڈاکٹر ''علوم القرآن'' مترجم: غلام احمد حریری، ص ۳۳/

۱۸۲۔ صبحی صالح، ڈاکٹر ''علوم القرآن'' مترجم: غلام احمد حریری، ص ۳۳/

۱۸۳۔ القصص :۷

۱۸۴۔ صبحی صالح، ڈاکٹر ''علوم القرآن'' مترجم: غلام احمد حریری، ص ۲۵/

۱۸۵۔ جارج پوسٹ، ڈاکٹر ''ڈکشنری قرآن کریم''

۱۸۶۔ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر ''فتح الباری شرح الصحیح البخاری لابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری '' ج ۱/ ص ۱۸/ مزید حوالہ کے لیے دیکھیے جلال الدین سیوطی، ''الاتقان فی علوم القرآن'' ج ۱/، ص ۱۷/

۱۸۷۔ سیوطی، جلال الدین "الاتقان فی علوم القرآن" ج ۱/ ، ص ٤٦/

۱۸۸۔ ابن قیم ، ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر ابن قیم الجوزیہ "زاد المعاد فی ھدی خیر العباد" ج/۱ ، ص/۱۸۔۱۹

۱۸۹۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری "کتاب الوحی ، باب کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ صلی اللہعلیہ وسلم ، پارہ اول ، ج/۱، ص/۸۱

۱۹۰۔ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "فتح الباری" ج/۱ ، ص/۱۹۔۲۰

۱۹۱۔ سیوطی،جلال الدین "الاتقان فی علوم القرآن" ج/۱ ، ص/۴۶

۱۹۲۔ ابن قیم ، ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر ابن قیم الجوزیہ "زاد المعاد فی ھدی خیر العباد" ج/۱ ، ص/۱۸۔۱۹

۱۹۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری "کتاب الوحی ، باب کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ صلی اللہعلیہ وسلم ، پارہ اول ، ج/۱، ص/۸۱

۱۹۴۔ سیوطی،جلال الدین "الاتقان فی علوم القرآن" ج/۱ ، ص/۴۶

۱۹۵۔ الانشراح :۱

۱۹۶۔ النساء:۱۱۳

۱۹۷۔ یٰسٓ :۲۱

۱۹۸۔ ابراھیم :۱

۱۹۹۔ النحل :۴۴

۲۰۰۔ الاحزاب :۴۵۔۴۶

۲۰۱۔ بنی اسرائیل :۹

۲۰۲۔ البقرۃ :۴

۲۰۳۔ البقرۃ :۲۸۵

۲۰۴۔ القیٰمۃ :۱۷۔۱۹

۲۰۵۔ الاعلیٰ :۶۔۷

۲۰۶۔ الحجر:۹

۲۰۷۔ الکھف :۲۷

۲۰۸۔ الکھف :۱

۲۰۹۔ البقرۃ :۲

۲۱۰۔ النجم :۳۔۴

۲۱۱۔ النساء:۱۰۵

۲۱۲۔ الاعراف :۱۵۷

۲۱۳۔ النساء :۴۷

۲۱۴۔ المائدة :۱۰۔۱٦

۲۱۵۔ البقرة : ۹۹

۲۱٦۔ حم السجدة :٤۱۔٤۲

۲۱۷۔ سباء :٥۔٦

۲۱۸۔ الحاقة :٥۱

۲۱۹۔ الفرقان :٦

۲۲۰۔ بنی اسرائیل :۹

۲۲۱۔ الاعراف :۳

۲۲۲۔ خورشید احمد، پروفیسر ''اسلام کا نظریہ تعلیم'' ص/۶

۲۲۳۔ سعید عبدالواحد، معینی ''کتاب اور مسئلہ تعلیم'' ص/۹

۲۲۴۔ محمد احمد خان ''کتاب اور مسئلہ تعلیم'' ص/۹۸

۲۲۵۔ محمد احمد خان ''اقبال اور مسئلہ تعلیم'' ص/۱۰۱

۲۲۶۔ سید عبدالواحد، معینی ''مقالات اقبال'' ص/۱۹۱۔۱۹۲

۲۲۶۔ **Robert L. Gulick, Jr, "Muhammad The Educator" P:46**

۲۲۷۔ ویل ڈیورانٹ ''دی ایج آف فیتھ'' ص/۱۱۸۔۱۱۹

۲۲۸۔ ''انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا'' ج/۱۹، ص/۴۴۲۔۴۴۳

۲۲۹۔ ''انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا'' ج/۱۹، ص/۴۴۲۔۴۴۳

۲۳۰۔ محمد کرد علی ''خطط شام'' ج/۵، ص/۴۷

''نقوش رسول نمبر'' ج/۳، ص/۱۲۴۔۱۲۵

۲۳۱۔ ''نقوش رسول نمبر'' ج/۳، ص/۱۲۳

۲۳۲۔ ویل ڈیورانٹ ''دی ایج آف فیتھ'' ص/۱۲۰

۲۳۳۔ کرین برنٹن ''تاریخ تہذیب'' ج/۱، ص/۱۵۴

۲۳۴۔ کرین برنٹن ''تاریخ تہذیب'' ج/۱، ص/۱۸۲

۲۳۵۔ ویل ڈیورانٹ ''تاریخ تہذیب'' ج/۱، ص/۱۸۲

۲۳٦۔ ویل ڈیورانٹ ''تاریخ تہذیب'' ج/۱، ص/۱۸۹

۲۳۷۔ ''انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا'' ج/۱۹، ص/۴۳۸۔۴۳۹

۲۳۸۔ محمد کرم شاہ، پیر، الازہری ''ضیاء القرآن'' ص/۴۲۷

النساء :۱۷۱

۲۳۹۔ ''انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا'' ج/۵، ص/۶۳۲

۲۴۰۔ ''انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا'' ج/۵، ص/۶۷۷۔۶۷۸

۲۴۱ اکبر شاہ خان، نجیب آبادی ''تاریخ اسلام'' ص/ ۶۸۔۸۹

۲۴۲۔ کرین برنٹن ''تاریخ تہذیب'' ص/ ۱۰۸، حصہ اول، مترجم: غلام رسول مہر

۲۴۳۔ کرین برنٹن ''تاریخ تہذیب'' ص/ ۱۰۹، حصہ اول، مترجم: غلام رسول مہر

۲۴۴۔ کرین برنٹن ''تاریخ تہذیب'' ص/ ۹۳۔۹۴

۲۴۵۔ کرین برنٹن ''تاریخ تہذیب'' ج/ ۱ ، ص/ ۷۷

۲۴۶۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' علوم فلسفہ ، ص/ ۴۹۱

۲۴۷۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' علوم طبیہ، ص/ ۵۳۴

۲۴۸۔ محمد کرم شاہ، پیر، الازہری ''ضیاء النبیؐ '' ج/ ۱، ص/ ۱۱۱

۲۴۹۔ ابونصر فارابی ''کتاب الجمع بین رای الحکیمین '' ص/ ۱۷۔۱۸

۲۵۰۔ ڈبلیو، ٹی، سیٹس ''یونانی فلسفہ'' افلاطون، ص/ ۲۳۸۔۲۳۹

۲۵۱۔ ڈبلیو، ٹی، سیٹس ''یونانی فلسفہ'' افلاطون اور یونانی فلسفہ، ص/ ۲۴۲

۲۵۲۔ ڈبلیو، ٹی، سیٹس ''یونانی فلسفہ'' افلاطون اور ریاست، ص/ ۲۴۷۔۲۴۸

۲۵۳۔ ڈبلیو، ٹی، سیٹس ''یونانی فلسفہ'' افلاطون اور ریاست، ص/ ۲۴۹

۲۵۴۔ ڈبلیو، ٹی، سیٹس ''یونانی فلسفہ'' افلاطون اور ریاست، ص/ ۲۴۶

۲۵۵۔ ڈبلیو، ٹی، سیٹس ''یونانی فلسفہ'' ارسطو اور ریاست، ص/ ۳۱۹

۲۵۶۔ ویل ڈیورانٹ ''دی ایج آف فیتھ'' ص/ ۱۲۲۔۱۲۳

۲۵۷۔ حسن ابراہیم، حسن، ڈاکٹر ''تاریخ اسلام'' ج/ ۱، ص ۲۲۔۲۸

۲۵۸۔ ہٹی ''تاریخ العرب'' ج/ ۱، ص/ ۵۹

۲۵۹۔ ہٹی ''تاریخ العرب'' ج/ ۱، ص/ ۶۱

۲۶۰۔ شبلی نعمانی، مولانا ''سیرۃ النبیؐ '' ج/ ۲، ص/ ۴۲

۲۶۱۔ محمد حسین ہیکل ''سیرۃ النبیؐ '' عرب کا تاریخی پس منظر، ص/ ۹۶۔۹۸

۲۶۲۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ج/ ۱، ص/ ۲۰۳

۲۶۳۔ انسائیکلوپیڈیا ''مضمون عرب''

۲۶۴۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/ ۱۲۳

۲۶۵۔ نجلاء، عزالدین ''عرب دنیا'' مترجم: ڈاکٹر محمود حسین، ص/ ۱۱

۲۶۶۔ نجلاء، عزالدین ''عرب دنیا'' مترجم: ڈاکٹر محمود حسین، ص/ ۱۱

۲۶۷۔ پلینی ''نیچرل ہسٹری'' ص/ ۱۲

۲۶۸۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/ ۱۲۳

۲۶۹۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/ ۱۲۴۔۱۲۵

۲۷۰۔ نجلاء، عزالدین ''عرب دنیا'' مترجم: ڈاکٹر محمود حسین، ص/ ۱۲

۲۷۱۔ ہیرلڈ انگز امز ''پولیٹیکل ڈویلپمنٹ ان دی حضرت موت'' ص/۲۳۸۔۲۵۲

۲۷۲۔ ویل ڈیورانٹ ''دی ایج آف فیتھ'' ص/۱۲۶

۲۷۳۔ ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' ج/۳، ص/۶۲۷

۲۷۴۔ ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' ج/۳، ص/۶۳۵

۲۷۵۔ سر پرس سائیکس ''ہسٹری آف پرشیا'' ج/۱، ص/۱۰۰

۲۷۶۔ ارتھر کرسٹن، پروفیسر ''ایران بعہد ساسانیاں'' ص/۱۱۲

۲۷۷۔ ارتھر کرسٹن، پروفیسر ''ایران بعہد ساسانیاں'' ص/۱۹۷۔۱۹۸

۲۷۸۔ Sir Percy Sykes, '' History of Persia'' P:110

۲۷۹۔ Sir Percy Sykes, '' History of Persia'' P:114

۲۸۰۔ ارتھر کرسٹن، پروفیسر ''ایران بعہد ساسانیاں'' ص/۶۶۔۶۷، ۳۹۸

۲۸۱۔ ارتھر کرسٹن، پروفیسر ''ایران بعہد ساسانیاں'' ص/۳۹۹

۲۸۲۔ ارتھر کرسٹن، پروفیسر ''ایران بعہد ساسانیاں'' ص/۴۰۲

۲۸۳۔ ارتھر کرسٹن، پروفیسر ''ایران بعہد ساسانیاں'' ص/۴۰۶

۲۸۴۔ ارتھر کرسٹن، پروفیسر ''ایران بعہد ساسانیاں'' ص/۴۰۷

۲۸۵۔ ویل ڈیورانٹ ''دی ایج آف فیتھ'' ص/۱۴۱

۲۸۶۔ ازرالف اینڈبرگ ''ورلڈ سویلائزیشن'' ص/۸۸

۲۸۷۔ جیمز ہسٹینگس ''انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھس'' ص/۲۱۸

۲۸۸۔ انت رام (اسلامی نام محمد عبداللہ) ''تحفۃ الہند المعروف کتھاسلونی'' ص/۹

۲۸۹۔ جیمز ہسٹینگس ''انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھس'' ص/۲۲۵

۲۹۰۔ البیرونی ''تحقیق ماللھند'' ص/۶۷

۲۹۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا ''برہمن ازم'' ج/۳، ص/۱۰۱۱

۲۹۲۔ البیرونی ''تحقیق ماللھند'' ص/۴۵۷

۲۹۳۔ عبدالمجید سالک ''مسلم ثقافت'' ص/۹۲۔۱۰۱

۲۹۴۔ عبدالمجید سالک ''مسلم ثقافت'' ص/۳۸۔۳۹

۲۹۵۔ عبدالمجید سالک ''مسلم ثقافت'' ص/۳۶

۲۹۶۔ عبدالمجید سالک ''مسلم ثقافت'' ص/۴۰

۲۹۷۔ عبدالمجید سالک ''مسلم ثقافت'' ص/۴۱

۲۹۸۔ جیمز ہسٹینگس ''انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھس'' ص/۲۱۹

۲۹۹۔ جیمز ہسٹینگس ''انسائیکلوپیڈیا آف لیونگ فیتھس'' ص/۲۱۹

۳۰۰۔ ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ج/۲، ص/۳۲۸۔۳۲۹

٣٠١۔ محمد اشرف خرم ''تعلیم کی فلسفیانہ اور عمرانیاتی بنیادیں، فلسفہ تعلیم میں ابن خلدون کا حصہ'' ص/٣٧٢۔٣٨٠

٣٠٢۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن ، ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' حصہ دوم، ص/٣٢٢

٣٠٣۔ محمد حنیف ندوی، مولانا ''افکار ابن خلدون'' ص/١٧٦۔١٧٧

٣٠٤۔ محمد اشرف خرم ''فلسفہ تعلیم میں ابن خلدون کا حصہ'' ص/٣٦٦۔٣٧٦

٣٠٥۔ محمد حنیف ندوی، مولانا ''افکار ابن خلدون'' ص/١٧٦۔١٧٩

٣٠٦۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/٩

٣٠٧۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/٢٠۔٢٣

٣٠٨۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/٦١

٣٠٩۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/٧٩

٣١٠۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/٢٠

٣١١۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/٦٩

٣١٢۔ النور :٣٠

٣١٣۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/١١٠

٣١٤۔ البقرة :٢٥٧

٣١٥۔ الانعام :١٢٣

٣١٦۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/١١٠

٣١٧۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/١١٠

٣١٨۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/١١١

٣١٩۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/١١٢۔١١٣

٣٢٠۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/١١٦۔١٢٠
امام غزالی کے فلسفہ کی تعلیم کے عام اصول ص/٣٣٥۔٣٣٧

٣٢١۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/١، ص/٨٤۔٨٧

٣٢٢۔ محمد اشرف خرم ''تعلیم کی فلسفیانہ اور عمرانیاتی بنیادیں'' ص/٣١٢۔٣١٣

٣٢٣۔ شبلی نعمانی ''مقالات'' ج/٢، ص/١٩۔٢٤

٣٢٤۔ ابن رشد "كتاب النفس" ص/ ٦٩

٣٢٥۔ ابن رشد "كتاب النفس" ص/ ٦٩

٣٢٦۔ ابن رشد "تهافة التهافة" ص/ ٢٧٩

٣٢٧۔ ابن رشد "تهافة التهافة" ص/ ٢٨٠

٣٢٨۔ ابن رشد "تهافة التهافة" ص/ ٢٨٠

۳۲۹۔ ابن رشد "کتاب النفس" ص/ ٦٧

۳۳۰۔ ابن رشد "کتاب النفس" ص/ ٦٨

۳۳۱۔ شبلی نعمانی ''مقالات'' حصہ اول، ص/

۳۳۲۔ فارابی ''اسلامی انسائیکلو پیڈیا'' ص ۱۱۳۲

۳۳۳۔ محمد اشرف خرم ''تعلیم کی فلسفیانہ اور عمرانیاتی بنیادیں'' فلسفہ تعلیم میں ابونصر فارابی کا حصہ، ص/ ۳۱۰۔۳۱۱

۳۳۴۔ محمد اشرف خرم ''تعلیم کی فلسفیانہ اور عمرانیاتی بنیادیں'' اقبال کا فلسفہ تعلیم ص/ ۴۱۴۔۴۱۵

۳۳۵۔ محمد اشرف خرم ''تعلیم کی فلسفیانہ اور عمرانیاتی بنیادیں'' اقبال کا فلسفہ تعلیم ص/ ۴۴۳۔۴۴۴

۳۳٦۔ محمد اشرف خرم ''تعلیم کی فلسفیانہ اور عمرانیاتی بنیادیں'' اقبال کا فلسفہ تعلیم ص/ ۴٦۳

۳۳۷۔ محمد اشرف خرم ''تعلیم کی فلسفیانہ اور عمرانیاتی بنیادیں'' اقبال کا فلسفہ تعلیم ص/ ۴٦٦

۳۳۸۔ محمد احمد خان ''اقبال اور مسئلہ تعلیم'' مقاصد تعلیم اقبال کے نقطہ نظر سے، ص/ ۹۸

۳۳۹۔ محمد اقبال، علامہ ''ضرب کلیم'' ص/

۳۴۰۔ محمد اقبال، علامہ ''بالِ جبریل'' ص/

۳۴۱۔ محمد احمد خان ''اقبال اور مسئلہ تعلیم'' ص/ ۱۰٦

۳۴۲۔ عبدالواحد معینی، سید ''مقالات'' ص/ ۱۳۳

۳۴۳۔ Ghulam Alsyedain Khawaja " Iqbal's Educational Philosophy" P:99

۳۴۴۔ البقرة :٤٤،٢٦٦،٩

۳۴۵۔ العلق :١۔٥

۳۴٦۔ البقرة :٢٤٧

۳۴۷۔ الحشر:٢٢

۳۴۸۔ آل عمران:١١٨

۳۴۹۔ الانعام:٥٩

۳۵۰۔ لقمان:٣٤

۳۵۱۔ البقرة:٢٤٧

۳۵۲۔ الاعراف:٢٠٣

۳۵۳۔ البقرة:٣١

۳۵۴۔ الانشراح ، مفسر سید محمد نعیم مراد آبادی ص/ ٧٠٩

۳۵۵۔ البقرة:٢٤٧

۳۵٦۔ البقرة:١٦٤

۳۵۷۔ العصر:١۔٤

۳۵۸۔ بنی اسرائیل :١٤

۳۵۹۔ الذاریات:٥٦

۳۶۰۔ یوسف:٧٦ مفسر مولانا محمد نعیم مراد آبادی، ص ر۲۹۲

۳۶۱۔ الانعام:٨٣ مفسر مولانا محمد نعیم مراد آبادی، ص ر۱۶۴

۳۶۲۔ العلق:١

۳۶۳۔ سید ریاست علی ندوی، مولانا ''اسلامی نظام تعلیم''، ص ر۲۱

۳۶۴۔ مجادله :١١

۳۶۵۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج ر۱، ص ر۴

۳۶۵۔ ابن جماعه، بدرالدین بن جماعه "تذکرة السامع المتکلم فی ادب العالم والمتعلم" ص ر ٦٢٥

۳۶۶۔ آل عمران :١٨

۳۶۷۔ زمر :٣۔٤

۳۶۸۔ النحل :

۳۶۹۔ العنکبوت :٤٣

۳۷۰۔ البینة :٨

۳۷۱۔ فاطر :٢٨

۳۷۲۔ فاطر :٢٨، تفسیر مولانا سید محمد نعیم مراد آبادی ص ر ٥٢٠

۳۷۳۔ الطلاق:١٢

۳۷۴۔ البقرة :٢٦٩

۳۷۵۔ آل عمران :٧

۳۷۶۔ امین احسن اصلاحی، مولانا ''تزکیہ نفس'' ج ر۱، ص ر۳۳

۳۷۷۔ امین احسن اصلاحی، مولانا ''تزکیہ نفس'' ج ر۱، ص ر۳۴

۳۷۸۔ اللیل :٥ تا ٧

۳۷۹۔ سید نعیم الدین، مولانا ''تفسیر خزائن العرفان''، ص ر۸۶۸

۳۸۰۔ النجم :٣٢

۳۸۱۔ عماد الدین، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر قریشی دمشقی ''تفسیر ابن کثیر'' ج ر۳، ص ر۲۴

۳۸۲۔ النساء :٤٩

۳۸۳۔ محمد بن احمد الانصاری القرطبی "الجامع لاحکام القرآن" آیت ر ٣٢، ج ر١٧، ص ر ١١٠

۳۸۴۔ سید نعیم الدین، مولانا ''تفسیر خزائن العرفان''، ص ر۷۶۴

۳۸۵۔ الجمعة:٢

۳۸۶۔ سید نعیم الدین، مولانا ''تفسیر خزائن العرفان'' ص/۸۰۲

۳۸۷۔ آل عمران:١٦٤

۳۸۸۔ محمد بن احمد الانصاری القرطبی "الجامع لاحکام القرآن" ج/٢، ص/١٣١، ج/٤، ص/٢٦٣۔٢٦٤

۳۸۹۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن'' ج/۶، ص/۳۵۳

۳۹۰۔ ابوصباح صلاح الدین ''قرآنی نظریات علم و تعلیم'' ج/۲، ص/۱۰۸

۳۹۱۔ بنت الاسلام ''نفس کا تزکیہ'' ج/۴، ص/۵۰

۳۹۲۔ صٓ:٢٠

۳۹۳۔ محمد بن احمد الانصاری القرطبی "الجامع لاحکام القرآن" ج/١٥، ص/١٦١۔١٦٢

۳۹۴۔ عمادالدین، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر قریشی دمشقی ''تفسیر ابن کثیر'' ج/۳، ص/۴۲

۳۹۵۔ علق:١۔٥

۳۹۶۔ سید نعیم الدین، مولانا ''تفسیر خزائن العرفان'' ص/۸۷۰۔۸۷۱

۳۹۷۔ البقرۃ:١٢١

۳۹۸۔ محمد بن احمد الانصاری القرطبی "الجامع لاحکام القرآن" ج/٢، ص/٩٥۔٩٦

۳۹۹۔ عمادالدین، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر قریشی دمشقی ''تفسیر ابن کثیر'' ج/۱، ص/۱۴۲۔۱۴۳

۴۰۰۔ البقرۃ:١٢٩

۴۰۱۔ محمد بن احمد الانصاری القرطبی "الجامع لاحکام القرآن" ج/٢، ص/١٣١

۴۰۲۔ عمادالدین، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر قریشی دمشقی ''تفسیر ابن کثیر'' ج/۱، ص/۱۵۵۔۱۵۶

۴۰۳۔ البقرۃ:١٥١

۴۰۴۔ سید نعیم الدین، مولانا ''تفسیر خزائن العرفان'' ص/۲۷

۴۰۵۔ آلوسی، ابوالفضل، شہاب الدین محمود بن عبداللہ ''روح المعانی فی تفسیر العظیم والسبع المثانی'' ج/۱، ص/۱۸۔۱۹

۴۰۶۔ الاعلیٰ:٧۔٨

۴۰۷۔ محمد بن احمد الانصاری القرطبی "الجامع لاحکام القرآن" ج/٢، ص/٢١۔٢٢

۴۰۸۔ عمادالدین، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر قریشی دمشقی ''تفسیر ابن کثیر'' ج/۳، ص/۳۸

۴۰۹۔ امین احسن اصلاحی، مولانا ''تدبر القرآن'' ج/۹، ص/۳۱۹۔۳۲۰

۴۱۰۔ الملك:٢

۴۱۰۔ (الف) احمد سعید، مولانا، مفسر ''کشف الرحمٰن'' ص/۸۹۹

۴۱۰۔ (ب) الفجر:٢٨۔٢٩

۴۱۰۔ (ج)احمد سعید، مولانا، مفسر ''کشف الرحمٰن'' ص/۹۵۳

۴۱۰۔ (د) امین احسن اصلاحی، مولانا ''تدبر القرآن'' ج/۹، ص/۳۶۱۔۳۶۲

۴۱۱۔ مسلم سجاد ''اسلامی ریاست میں نظام تعلیم'' ص/۴۱

۴۱۲۔ السجدہ : ۹

۴۱۳۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن'' ج/۴، ص/۸۲

۴۱۴۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن'' ج/۵، ص/۱۴۹

۴۱۵۔ البقرہ:۲٤۷

۴۱۵۔ الرحمٰن :۲

۴۱۵۔ اقراء:٤

۴۱۶۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن'' ج/۶ ،ص/۳۹۶۔۳۹۷

۴۱۷۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن'' ج/۶ ،ص/۳۹۶۔۳۹۷

۴۱۸۔ محمد رفیع، ڈاکٹر ''نظریاتی اساس اور پاکستانی تعلیمی پالیسی'' ص/۸۳۔۸۴

۴۱۹۔ مجاہد کامران، ڈاکٹر ''اعلیٰ تعلیم میں سائنس کا مسئلہ'' ص/۳۲۵۔۳۲۶

۴۲۰۔ ''تعلیمی سفارشات شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ مکہ مکرمہ'' ص/۲۰۰۔۲۰۷،

(۱۲تا۲۰ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ/۳۱مارچ تا۱۸اپریل ۱۹۷۷)

۴۲۱۔ ''انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا'' ج/۶، ص/۳۳۲

۴۲۲۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تعلیمات اور تصریحات''

۴۲۳۔ آل عمران:۱۰۳

۴۲۴۔ الحجرات:۱۰

۴۲۵۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی، الامام "جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی" ابواب البر والصلة ، باب فی النصیحة ، ج/۳، ص/۱۲۳

۴۲۶۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تعلیمات اور تصریحات''

۴۲۷۔ منیر احمد خان، پروفیسر ''قومی تعلیمی بحران'' ص/۱۳۸۔۱۳۹

۴۲۸۔ روبینہ سہگل ''قومیت تعلیم اور شناخت'' ص/۱۲۱ ،۱۹۵۹ء کی تعلیمی رپورٹ ص/۴۰

۴۲۹۔ روبینہ سہگل ''قومیت تعلیم اور شناخت'' ص/۱۲۱ ،۱۹۷۹ء کی تعلیمی رپورٹ ص/۲

۴۳۰۔ ایس ایم زمان، ڈاکٹر ''تعلیم کا مقصد اور قومی تعلیمی پالیسی'' ص/۱۷

۴۳۱۔ محمد رفیع، ڈاکٹر ''نظریاتی اساس اور پاکستانی تعلیمی پالیسی'' ص/۹۲۔۹۳

۴۳۲۔ "Encyclopedia Britannica" Vol. 6, P:332

۴۳۳۔ "Encyclopedia Britannica" Vol. 6, P:332

۴۳۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر ''ذریعہ تعلیم کا مسئلہ اور قومی تعلیمی پالیسی'' ص/۱۴۸

۴۳۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر ''ذریعہ تعلیم کا مسئلہ اور قومی تعلیمی پالیسی'' ص/۱۴۸

۴۳۶۔ مسلم سجاد ''اسلامی ریاست میں نظام تعلیم'' ص/۴۷

۴۳۷۔ ''انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا'' ج/۶، ص/۳۳۲۔۳۴۰

۴۳۸۔ جاوید ہاشمی وفاقی وزیر برائے خصوصی تعلیم ''نظریاتی پہلو سے تعلیم'' ص/۱۲۷

۴۳۹۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تحریک آزادی ہند اور مسلمان'' حصہ اول ص/۴۴۶

۴۴۰۔ "Encyclopedia Britannica" Vol. 6, P:413

۴۴۱۔ مسلم سجاد ''اسلامی ریاست میں نظام تعلیم'' ص/۵۰

۴۴۲۔ مجاہد کامران، ڈاکٹر ''اعلیٰ تعلیم میں سائنس کا مسئلہ'' ص/۲۲۸۔۲۳۱

۴۴۳۔ آل عمران: ۹۰

۴۴۴۔ عماد الدین، ابوالفداء، اسماعیل بن عمر بن کثیر، قریشی، دمشقی ''تفسیر ابن کثیر'' ج/۱، ص/۲۳

۴۴۵۔ ''المشکوٰۃ المصابیح" باب المساجد، مواضع الصلوٰۃ، الفصل الاول، ص/ ۱۵۰

۴۴۶۔ احمد الارزقی، ابوولید محمد بن عبداللہ بن احمد الارزقی، "اخبار مکہ و ما جاء فیھا من الآثار ج/ ۱، ص/ ۶۵

۴۴۷۔ البقرۃ: ۱٤

۴۴۸۔ الحج: ۳

۴۴۹۔ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر ''فتح الباری'' ج/۱ ص/

۴۵۰۔ عبدالعزیز، شاہ ''تفسیر عزیزی'' البقرۃ: ۲۶۱

۴۵۱۔ حسن ابراہیم حسن، ''تاریخ اعلام الاسلام'' ص/۸۱

۴۵۲۔ احمد الازرقی، ابوولید محمد بن عبداللہ بن احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/

۴۵۳۔ ''احمد سمہودی، نور الدین علی بن احمد سمہودی "وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ" ج/۱ ص/ ۳۲۱

۴۵۴۔ ظفیر الدین، مولانا ''اسلام کا نظام مساجد'' ص/۱۳۶

۴۵۵۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ص/۴۷۶

۴۵۶۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ص/۴۷۴

۴۵۷۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ص/۴۷۴

۴۵۸۔ ابن خلدون، عبدالرحمن، ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ص/۲ ۴۷۔۴۷۳

۴۵۹۔ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین محمد الذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' تذکرہ حضرت عبداللہ بن سعید بن العاص ج/۱۔۲

۴۶۰۔ البقرة: ٤٢

۴۶۱۔ سید ریاست علی ندوی، مولانا ''اسلامی نظام تعلیم'' ص/۶۰۔۶۱

۴۶۲۔ ابن جماعه، بدرالدين بن جماعه "تذكرة السامع المتكلم فى ادب العالم والمتعلم" ص/١٩٣۔١٩٦

۴۶۳۔ المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر بن محمد المقريزى "كتاب خطط مصر" ج/٢، ص/٣٧٠

۴۶۴۔ المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر بن محمد المقريزى "كتاب خطط مصر" ج/٢، ص/٣٦٨

۴۶۵۔ المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر بن محمد المقريزى "كتاب خطط مصر" ج/٢، ص/٣٦٨

۴۶۶۔ المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر بن محمد المقريزى "كتاب خطط مصر" ج/٢، ص/٣٨٣

۴۶۷۔ ابن جبير "رحلة ابن جبير"، ص/ ٣٢۔٣٣، رحلة ابن بطوطه ج/١ ص/١٣٥

۴۶۸۔ المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر بن محمد المقريزى "كتاب خطط مقريزى" ج/٢، ص/٣٧٥

۴۶۹۔ الجواهر المضيعه، ج/ ٢، ص/١٥٧

۴۷۰۔ المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر بن محمد المقريزى "كتاب خطط مقريزى" ج/٢، ص/٣٦٣۔ ٣٦٨، ٣٩٢۔٤٠١

۴۷۱۔ الذهبى، ابوعبدالله شمس الدين، محمد الذهبى "تذكرة الحفاظ" ج/١، ص/٨٠

۴۷۲۔ ابن خلكان، ابى عباس شمس الدين أحمد بن محمد بن ابى بكر، "وفيات الأعيان وانباء ابناء الزمان" ص/٢٢٩

۴۷۳۔ الذهبى، ابوعبدالله شمس الدين، محمد الذهبى "تذكرة الحفاظ" ج/١، ص/٢٩١

۴۷۴۔ الذهبى، ابوعبدالله شمس الدين، محمد الذهبى "تذكرة الحفاظ" ج/١، ص/٢٩٢

۴۷۵۔ شبلی نعمانی، مولانا ''مقالات شبلی'' ج/۳، ص/۸۰

۴۷۶۔ الذهبى، ابوعبدالله شمس الدين، محمد الذهبى "تذكرة الحفاظ" ج/١، ص/٢٦٠

۴۷۷۔ الذهبى، ابوعبدالله شمس الدين، محمد الذهبى "تذكرة الحفاظ" ج/١، ص/٣٦٣۔٣٦٤

۴۷۸۔ الذهبى، ابوعبدالله شمس الدين، محمد الذهبى "تذكرة الحفاظ" ج/٢، ص/١٩٦

۴۷۹۔ الذهبى، ابوعبدالله شمس الدين، محمد الذهبى "تذكرة الحفاظ" ج/٢، ص/٢٦٢

۴۸۰۔ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر ''مقدمہ فتح الباری'' ص/۵۸۰

۴۸۱۔ شبلی نعمانی، مولانا ''مقالات شبلی'' ج/۳، ص/۴۷

۴۸۲۔ ابن جبیر ''رحلۃ ابن جبیر'' ص/۲۲۹

۴۸۳۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ص/۴۷۶

۴۸۴۔ الدرالکامنہ، مترجم: سراج ہندی، ج/۳، ص/۱۵۵

۴۸۵۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد المقریزی "کتاب خطط مصر" ج/۲، ص/۷۹

۴۸۶۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد المقریزی "کتاب خطط مصر" ج/۲، ص/۳۷۹

۴۸۷۔ شبلی نعمانی، مولانا ''مقالات شبلی'' ج/۳، ص/۴۶

۴۸۸۔ ابن بطوطہ، ''رحلۃ ابن بطوطہ'' ج/۱ ، ص/۱۳۵

۴۸۹۔ ابن بطوطہ، ''رحلۃ ابن بطوطہ'' ج/۱، ص/۱۴۱

۴۹۰۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ج/۱، ص/۱۴۔۱۶

۴۹۱۔ محمد عبدالعزیز ''ہمارے تعلیمی مسائل'' ص/۱۷۳۔۱۷۴

۴۹۲۔ وہایٹ ہیڈ ''تعلیم کے مقاصد'' مترجم: سید محمد عبداللہ، ص/۶۷

۴۹۳۔ کم آل سنگ ''سوشلسٹ تعلیم'' مقالہ، ص/۲۹۔۳۰

۴۹۴۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ص/۴۱۶۔۴۱۷

۴۹۵۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر ''تعلیم کا فن'' ص/۶۹

۴۹۶۔ T. Raymont "Modern Education, its Aims and Methods" P:158

۴۹۷۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام ''احیائے علوم الدین'' ص/۱۴۵

۴۹۸۔ افضل حسین خان ''فن تعلیم و تربیت'' ص/۸۷

۴۹۹۔ غلام عابد خان، پروفیسر ''عہد نبوی کا نظام تعلیم'' ص/۹۴

۵۰۰۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری" فیوض الباری ص/۲۰۱

۵۰۱۔ سید سلیمان ندوی ''سیرۃ النبیؐ'' ج/۲، ص/۲۳۰

۵۰۲۔ محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۱۰۵۔۱۰۶

۵۰۳۔ محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۱۱۳

۵۰۴۔ محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۱۱۴

۵۰۵۔ محمد رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم کا مسئلہ'' ص/۱۱۴۔۱۱۵

۵۰۶۔ Unesco, "World Survey of Education" Part II , Parts, 1958, P:11

۵۰۷۔ Khawaja Ghulam Sayydain " Problems of Education Reconstruction Asia Publishing

House, Bombay, P:44

۵۰۸۔ متین الرحمٰن مرتضیٰ ''پاکستان میں نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل کی حکمت عملی'' ص/۸۱۔۸۲

۵۰۹۔ ''قومی تعلیمی کمیشن کی رپورٹ'' ۱۹۵۹ء ، ص/۲۶۷

۵۱۰۔ افضل حسین ''فن تعلیم وتربیت'' ص/۲۸۳

۵۱۱۔ سعید اللہ قاضی، ڈاکٹر ''پاکستان میں نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل کی حکمت عملی'' ص/

۵۱۲۔ مشتاق الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر ''اسلامی حکمت تعلیم چند بنیادی نکات'' شمارہ نمبر ۴۔۵ (۱۵/اپریل مئی ۱۹۸۸ء)

۵۱۳۔ محمد ابراہیم، ڈاکٹر ''تربیت اساتذہ'' قومی ہم آہنگی اور استاد کی ذمہ داریاں'' ص/۱۳۵۔۱۳۶

۵۱۴۔ مشتاق الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر ''معلم کا قائدانہ کردار'' ص/۲۶۸

۵۱۵۔ سید محمد سلیم، پروفیسر ''ہمارا نظام تعلیم، تاثرات وتجاویز'' ص/۱۴۔۱۵

۵۱۶۔ مشتاق الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر '' تعلیم وتدریس مباحث ومسائل، معلم کا قائدانہ کردار'' ص/۲۶۹

۵۱۷۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''ماہنامہ تعلیمات لاہور'' سید مودودی نمبر، ۱۹۷۹ء

۵۱۸۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تنقیحات'' ص/۲۸۰۔۲۸۱

۵۱۹۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تعلیمات'' مجلّہ تعلیمات لاہور، ج/۱۵، شمارہ/۲، جون ۱۹۹۲ء

۵۲۰۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تعلیمات'' مجلّہ تعلیمات لاہور، ج/۱۵، شمارہ/۲، جون ۱۹۹۲ء

۵۲۱۔ ابوالحسن علی ہجویری، شیخ، سید'' کشف المحجوب'' ص/

۵۲۲۔ ''ماہنامہ مجلّہ تعلیمات'' لاہور، ج/۲، شمارہ/۲

۵۲۳۔ مشتاق الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم وتدریس مباحث ومسائل'' ص/۷۱۔۷۲

۵۲۴۔ ''المشکٰوۃ المصابیح " باب البیان والشعر ،الفصل الاول ،ص/ ۴۰۹

''المشکٰوۃ المصابیح " باب البیان والشعر ،الفصل الاول ،ص/ ۴۰۹

۵۲۵۔ ''المشکٰوۃ المصابیح " باب البیان والشعر ،الفصل الاول ،ص/ ۴۱۰

''المشکٰوۃ المصابیح " باب البیان والشعر ،الفصل الاول ،ص/ ۴۱۰۔۴۱۱

۵۲۶۔ یوسف القرضاوی ''دعوت دین اور اس کے علمی تقاضے'' ص/۲۶۴

۵۲۷۔ مشتاق الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم وتدریس مباحث ومسائل'' ص/۷۲

۵۲۸۔ مشتاق الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم وتدریس مباحث ومسائل'' ص/۷۳۔۷۵

(الف)۔ افضل حسین ''فن تعلیم وتربیت''

(ب)۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''ماہنامہ تعلیمات'' خصوصی اشاعت، ج/۴، شمارہ/۴۔۵، ادارہ تعلیم وتحقیق، لاہور، ۱۹۸۱ء

(ج)۔ احمد شبلی، ڈاکٹر ''تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ'' مترجم محمد حسین زبیری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۳ء

(د)۔ سید قطب ''اسلام میں عدل اجتماعی'' مترجم: عنایت اللہ صدیقی ڈاکٹر

(س)۔ نعیم صدیقی ''تعمیر سیرت کے لوازم''

۵۲۹۔ تعلیمی زاویے، اسلام آباد، ج/۸، شمارہ/۲، سہ ماہی، ۱۹۹۷ء

۵۳۰۔ مشتاق الرحمن صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم وتدریس مباحث ومسائل'' ص/۶۰

۵۳۱۔ محمد ابراہیم، ڈاکٹر ''تربیت اساتذہ'' کلاس ورک: ایک اہم تدریسی تکنیک، ص/۳۱۸

۵۳۲۔ ثمر فاطمہ مسعود، ڈاکٹر ''مکتب بطور تربیتی ادارہ'' ص/۴۷۰

۵۳۳۔ ثمر فاطمہ مسعود، ڈاکٹر ''مکتب بطور تربیتی ادارہ'' ص/۴۷۱

۵۳۴۔ منور سلطانہ مرزا، ڈاکٹر ''پرائمری درجات میں مسائل خواندگی کی وجوہات'' ص/۴۹۷

۵۳۵۔ میجر منظور عارف، ڈاکٹر ''ابتدائی مدارس کے طلباء کی تعلیم وتربیت، نفسیات کے آئینہ میں'' ص/۵۱۹

۵۳۵۔ میجر منظور عارف، ڈاکٹر ''ابتدائی مدارس کے طلباء کی تعلیم وتربیت، نفسیات کے آئینہ میں'' ص/۵۱۹

۵۳۶۔ محمد ابراہیم خالد، ڈاکٹر ''قومی ہم آہنگی کے لیے اساتذہ کی تربیت'' ص/۱۴۲۔۱۴۳

۵۳۷۔ مشتاق الرحمن صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم وتدریس مباحث ومسائل'' ص/۶۰۔۶۱

۵۳۸۔ خورشید احمد، پروفیسر ''نظام تعلیم: نظریہ روایت، مسائل'' ص/۲۳۔۲۴

۵۳۹۔ الجمعة: ۲

۵۴۰۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن'' ج/۵، ص/۴۸۵۔۴۸۷

۵۴۱۔ سید محمد سلیم، پروفیسر

۵۴۲۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی'' ص/۱۰۔۱۱

۵۴۳۔ مشتاق الرحمن صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم وتدریس مباحث ومسائل'' ص/۶۳

۵۴۴۔ نعیم صدیقی ''اشارات، ماہنامہ ترجمان القرآن'' ص/۳، نومبر ۱۹۸۰ء

۵۴۵۔ مشتاق الرحمن صدیقی، ڈاکٹر ''تعلیم وتدریس مباحث ومسائل'' ص/۶۴۔۶۵

۵۴۶۔ ابوالاعلیٰ مودودی ''تعلیمات''

۵۴۷۔ محمد عثمان، پروفیسر ''نئے تعلیمی تقاضے'' ص/۲۹۔۳۱

۵۴۸۔ مسلم سجاد ''اسلامی ریاست میں نظام تعلیم'' ص/۱۵۷۔۱۵۸

۵۴۹۔ اشفاق ایچ قادری، ڈاکٹر ''وسائل کی فراہمی اورقومی تعلیمی پالیسی'' ص/۴۱۴

۵۵۰۔ محمد رفیع الدین، ڈاکٹر ''نظریاتی اساس اور پاکستانی تعلیمی پالیسی'' ص/۸۳

۵۵۱۔ اکبر علی، ڈاکٹر ''ہماری تعلیمی ابتری اور تعلیمی پالیسی'' ص/۱۰۶۔۱۰۷

۵۵۲۔ محمد ظفر اقبال، ڈاکٹر ''استاد، تربیت اور تعلیمی کیڈر'' ص/۲۸۰۔۲۸۱

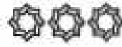
۵۵۳۔ محمد عثمان، پروفیسر ''نئے تعلیمی تقاضے'' ص/۲۹۔۳۱

۵۵۴۔ نیاز عرفان، پروفیسر ''قومی تعلیمی پالیسیوں کا تقابلی جائزہ، مقاصد تعلیم اور اسلامی نظریہ حیات'' ص/۵۲

۵۵۵۔ عبدالرحمن صدیقی ایڈووکیٹ ''تعلیمی اداروں میں امن وامان کا مسئلہ'' ص/۳۷۸

۵۵۶۔ سید صلاح الدین، ڈاکٹر ''جمہوری اقدار، امن وامان اور تعلیمی ادارے'' ص/۳۶۷
قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۹۲۔۲۰۰۰ء ایک جائزہ

۵۵۷۔ ''سندھ بلوچستان، تعلیمی تربیتی کانفرنس ورکشاپ کی سفارشات'' (رپورٹ پروفیسر مسلم سجاد)
ماہنامہ ''افکار معلم'' لاہور، ستمبر ۱۹۹۲ء ص/۲۳ تا ۲۶



عہد نبوی ﷺ کے تعلیمی ادارے اور ان کے مقاصد

باب دوم

فصل اول:۱۔ عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم

(الف) یمن اور روم کا تمدن

(ب) مخصوص رسم الخط

(ج) دور جاہلیت

(د) مکہ معظمہ کی مرکزیت

(ھ) تعلیمی اداروں کی ابتدا

فصل دوم: مدینہ منورہ میں تدریسی سرگرمیاں

عام اور لازمی تعلیم

۲۔ صفہ بطور پہلی درسگاہ

(الف) اصحاب صفہ طلبہ کی تعداد

فصل سوم:۳۔ تبلیغ

(الف) تبلیغی وفود

(ب) مختلف تبلیغی وفود اور ان کے اثرات

(ج) تبلیغی خطوط اور فرامین

فصل چہارم:۴۔ عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم

عہد نبوی ﷺ میں تعلیمی نصاب

عہد نبوی ﷺ میں تعلیمی نصاب (قرآن وحدیث)

تعلیمی محرکات اور عصری تقاضے

عہد نبوی ﷺ کے تعلیمی اداروں کی تفصیل و جائزہ

۵۔ حوالہ جات کتب

یمن کا تہذیب و تمدن

ایشیاو عرب کے جنوب مغرب کی ایک سابق مسلمان سلطنت' ایک زمانے میں ان کی تہذیب و تمدن عروج پر تھی۔ یہاں کی قدیم حکومت معینی تھی۔ جنوبی عربستان میں تھی۔ اس کے صدر مقام قرن اور معین تھے۔ قبائل آفتاب کو پوجتے تھے۔ یہاں پے در پے مسلمان آئے اور اسلام پھیلتا رہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی زوجہ ملکہ سبا یہیں حکمران تھیں۔ جن کا ذکر قرآن مجید اور انجیل میں آیا ہے۔ بعد میں یہ ملک دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک جنوبی یمن جس کا سرکاری نام "یمن عوامی جمہوریہ" ہے اور دوسرا شمالی یمن جس کا سرکاری نام "یمن عرب جمہوریہ" ہے۔

<u>یمن جنوبی:</u> اس کا رقبہ (۱۱۱۳۰۰۰۰) مربع میل اور آبادی ۱۲۳۰۰۰۰ نفوس ہے۔ مرکزی دارالحکومت مدینتہ الشعب و عدن اور سرکاری زبان عربی ہے۔ کپاس' مچھلی' کافی' چمڑا' تمباکو یہاں کی خاص پیداوار ہیں۔

<u>یمن شمالی:</u>۔ اس کا سرکاری نام "یمن عرب جمہوریہ" ہے اور یہاں کی ۵۰۰۰۰۰ ہزار میں ۹۹٪ مسلمان ہیں۔ صنعا (آبادی ایک لاکھ) یہاں کا مرکزی دارالحکومت ہے۔ یہاں کا کل رقبہ ۷۵۳۰۰ مربع میل ہے۔ سرکاری زبان عربی اور خاص برآمدات کافی ہے۔ اس کا یوم آزادی ۲۸ ستمبر ۱۹۶۲ ہے۔ پورے عرب میں اس کا آب و ہوا بہترین ہے۔ سالانہ مجموعی درجہ حرارت F۸۵ ہے۔ گرمیوں میں عموماً F۱۰۰ پر رہتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد حکومت میں یہاں کا گورنر باذان اسلام لایا حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں یہاں جنگ یمامہ لڑی گئی۔ حضرت عمر کے عہد میں یہاں فتوحات ہوئیں' امویوں و عباسیوں وغیرہ کی یہاں عمل داری رہی۔ ۱۵۳۸ تا ۱۶۳۰ اور ۱۸۴۹ تا ۱۹۱۸ یہ ترکوں کی عثمانی حکومت میں شامل رہا۔ تاکہ جنگ عظیم کے بعد یہاں زیدیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۶۷ء کو فوجی انقلاب کے ذریعے کرنل عبداللہ نے بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔ ایک دوسرا فوجی انقلاب نومبر ۱۹۶۷ء میں آیا۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۶۷ میں آیا جس کے ذریعے جنرل حسن العامری نے اقتدار لیا موجودہ صدر عبدالرحمان الاربانی ہیں۔ یہاں جموری طرز حکومت ہے اور ملک کا سربراہ ریپبلکن کونسل کا چیئرمین ہوتا ہے۔ خاص برآمدات کے بعد یہاں شلجم' پھل' کھالیں' کھجوریں وغیرہ بھی اہم پیداوار ہیں۔[۱]

یمن کی شادابی

یمن بڑا شاداب ملک ہے۔ جزیرہ نما میں سب سے زیادہ یہاں بارش ہوتی ہے۔ جس کی مقدار بیس انچ تک بتائی جاتی ہے۔ اور جزیرہ نما کے سب سے بلند پہاڑ ہیں۔ جن کی آخری بلندی ۱۳۔۱۴ ہزار فٹ بتائی جاتی ہے۔ ان میں مشہور جبل النبی شعیب ہے۔ یمن کے پہاڑوں کے درمیان گہری وادیاں گزری ہیں۔ جن کی وجہ سے یہاں آبادیوں کے درمیان

سڑکوں کی تعمیر دشوار ہونے کے باعث ایک جگہ سے دوسری جگہ آمدورفت میں زیادہ سہولت نہیں ہے۔ یہاں سفر کرنے والے کو نشیب و فراز سے گزرنا پڑتا ہے۔ یمن کا پورا علاقہ اس کے تہامہ کو چھوڑ کر گل و گلزار خطہ ہے اور غالباً اس کے مادی یمن و برکت کی وجہ سے ہی اس کو یمن کہا گیا۔ قوم سباء کے زمانہ میں جب یہاں ان کی ترقی یافتہ اور زبردست حکومت قائم تھی۔ یمن میں ایک زبردست بند بنایا گیا تھا۔ جس سے پانی روک کر بیسیوں میل تک کے علاقے کو شاداب کیا جاتا تھا۔ وہ بند بڑی زرخیزی کا باعث تھا۔ یہ بند قوم سباء کے صدر مقام مارب میں بنایا گیا تھا اور اس کو سد مارب کہتے تھے۔ سباء کی نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ بند ٹوٹ گیا اور اس سے قوم کو زبردست خسارہ ہوا اور اس کی ترقی و خوشحالی کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس بند کے ٹوٹنے کا ذکر سورہ سباء میں کیا گیا ہے۔ ۲-

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ○ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ ۔ ۳-

کہ جب انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے زبردست سیلاب بھیج دیا۔ یمن کا ساحل دوسرے ساحلوں کی طرح کم مفید اور شاداب ہے۔ اس کا بھی موسم گرم مرطوب رہتا ہے البتہ یمن کے پہاڑوں سے بکثرت بہہ بہہ کر آنے والا پانی یہاں کی وادیوں سے گزرتا رہتا ہے۔ جس سے کچھ تھوڑی بہت شادابی ہے۔ اسکے مشہور مقامات میں حُدَیدَہ ، مُخا اور عدن ہیں جو کہ ساحل پر واقع ہیں اور بڑی بندرگاہیں ہیں اور اندرونی علاقے کے مقامات میں صنعا (پایہ تخت) تعز ملک کے بڑے شہر اور ان کے بعد سعدہ، مارب زبید ذمار اور ظفار ہیں۔ ان میں مارب مدیم سے ہے اور قوم سباء کا مشہور مرکز رہا ہے۔ اس طرح ظفار بھی قدیم تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ عدن اب حضر موت کے ساتھ شامل ہے اور اس کا سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ ہے۔

<u>حضر موت:</u>۔ یمن سے گزر کر جبل السراۃ کا سلسلہ جزیرۃ العرب کے جنوب مغربی گوشے سے مشرق کی طرف مڑ گیا ہے۔ پھر جنوبی ساحل کے قریب قریب دور تک چلا گیا ہے۔ جبل السراۃ کے اس حصے کو حضر موت کہتے ہیں۔ حضر موت کے پہاڑ عموماً بنجر اور غیر شاداب ہیں اور یہ زیادہ بلند بھی نہیں ہیں اور ان پر بارش بھی کم ہوتی ہے۔ ان کے دامنوں میں کچھ آبادیاں ہیں لیکن بہت معمولی، اس کے باشندوں کی تعداد بھی کم ہے۔ اس کے پہاڑوں اور سمندروں کے درمیان ایک تنگ ساحل ہے جو تہامہ حضر موت کہلاتا ہے۔ یہ تنگ ہونے کی وجہ سے اور شادابی کے اچھے ذرائع سے محروم ہونے کی وجہ سے عام طور پر ناقابل زراعت ہے۔ یہاں کا تہامہ اپنی تنگی میں عسر و یمن کے تہامہ سے مشابہ اور شادابی کی کمی میں حجاز کے تہامہ سے ملتا جلتا ہے۔ لہٰذا یہ ملک شادابی اور دولت کے لحاظ سے حجاز سے زیادہ غریب ہے۔ لیکن یہاں متعدد اچھی روایات ہیں جن میں سے وادی حضر موت ایک بڑی اور مشہور وادی ہے۔ جو حضر موت کے سلسلہ کوہ کو درمیان سے قطع کرتی ہوئی سینکڑوں میل تک چلی گئی ہے اور اس میں حضر موت کی بہت سی بستیاں ہیں۔ حضر موت میں رہنے والے یہاں کی وادیوں اور شادابی کے تھوڑے بہت ذرائع سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں زیادہ تر آبادیاں، وادیوں میں یا پھر

ساحلوں پر ہیں۔ یہ ملک قدیم اور تاریخی ملک ہے۔ قدیم زمانہ سے یہاں کے لوگ تجارت کے عادی رہے ہیں۔ یہاں کا اہم شہر تریم ہے جو وادی حضر موت میں واقع ہے اور قدیم سے اس علاقہ کی علمی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ملک کی مشہور بندرگاہ جو بڑا شہر بھی ہے۔ المکلا ہے اس کے علاوہ عدن کے قریب لحج نامی شہر بھی قابل ذکر ہے۔ حضر موت کو جدید نظام میں یمن جنوبی کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا پایۂ تخت عدن ہے جو اس پورے علاقہ کا سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ ہے۔ حضرت موت کے اندرونی علاقے کے مقامات میں تریم کے علاوہ شیون' شبام' شبوہ اور ساحلی علاقے کے مقامات میں المکلا کے علاوہ شحر قابل ذکر ہیں۔ شحر قدیم تاریخی حیثیت بھی رکھتا ہے۔[۲]

اہل یمن اور علم وادب کی روایات

عرب اپنے وجود کے ہر دور میں امیت اور جہالت کے مظہر اتم تھے۔ جہاں تک کہ اسلام آیابلکہ حقیقت یہ ہے کہ تہذیب وشائستگی اور عمران ومدنیت کا ایک بینظیر دور بھی ان پر گزر چکا ہے۔

علامہ آلوسی "بلوغ الادب" میں رقمطراز ہیں:

جاہلیت میں عرب کے پاس کیا علوم ومعارف تھے وہاں وہ کہتے ہیں عرب جو "بائدہ" نہ تھے۔ عدنان وقحطان کی دو شاخوں میں منقسم تھے۔

<u>بنو قحطان:</u> قحطان یمن کے وہ عرب تھے جو بہترین تمدن کے حامل تھے۔ ان کی اکثریت آباد شہروں میں رہتی تھی۔ جہاں انہوں نے عالیشان قصر وایوان اور مستحکم قلعے تعمیر کر رکھے تھے اور اس طرح کے ان کے متعدد بڑے بڑے شہر آباد تھے اور ان تمام باتوں کی تفصیلات بہترین طریق پر تاریخ لکھنے والوں نے بیان کی ہیں۔ یہی وہ قوم "سبا" تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ [۳]

ترجمہ:۔ اہل سباء کیلئے ان کے مقام بود وباش میں ایک نشانی تھی یعنی دو باغ ایک داہنی طرف دوسرا بائیں جانب اپنے رب کا عطا کردہ رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) خدائے غفار۔

ان کے بادشاہوں اور فرمانرواؤں کو بہت سے شہروں پر غلبہ حاصل تھا اور زمین کے اکثر حصے پر انہوں نے اپنا اقتدار قائم کر رکھا تھا یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ ان علوم سے پوری طرح واقف تھے جو نظام سلطنت کی حفاظت کیلئے ضروری ہیں اور جن پر معاشی استحکام کارکردگی میں چستی' سیاست مدن اور تدبیر منزل کا دارومدار ہے اور فوجی طاقت' شہروں کی تاسیس' زراعت کیلئے نہروں کے بندوبست وغیرہ امور کیلئے جن علوم میں مہارت شرط ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے معاملات جہالت اور عدم معرفت کے ساتھ ممکن نہیں ہیں۔

انہوں نے اس کام کو بڑی قابلیت اور مہارت کے ساتھ انجام دیا۔'' [6]

عوام الناس میں علم پھیلانے کیلئے با قاعدہ درس کا انعقاد

''آپ نے تعلیم کے لئے با قاعدہ جماعتیں بنا دیں اور تقریباً معین نظام الاوقات کے مطابق ہفتے کے مختلف دنوں میں مختلف موضوعات مثلاً تفسیر قرآن، فقہی مسائل، غزوات نبی ﷺ، تاریخ از منہ قبل از اسلام اور قدیم شاعری کا با قاعدہ درس دینے لگے۔ قرآن مجید کے الفاظ و محاورات کی تشریح کرتے وقت ان کی عادت تھی کہ وہ اپنے بیان کی تائید میں قدیم عرب شعراء کے اشعار پیش کیا کرتے تھے۔ ان کے اس طریق کار کی وجہ سے مسلمان علمائے دین کے ہاں قدیم عرب شاعری کی اہمیت تسلیم کی گئی چونکہ انہیں ایک مستند عالم دین سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا لوگ ان سے فتویٰ لیا کرتے تھے۔'' [7]

ان کے راویات حدیث اور شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے چند اسماء گرامی یہ ہیں:

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت سورؓ بن مخزمہ، حضرت ابو الطفیلؓ حضرت کثیر بن عباسؓ (بھائی) محمد بن عبداللہ (بیٹے)، علی بن عبداللہ (بیٹے)، محمد بن علی (پوتے) عبداللہ بن عبید اللہ (بھتیجے)، حضرت سعید بن میتبؒ حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰنؒ حضرت قاسم بن محمدؒ، حضرت عطاءؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عکرمہؒ حضرت طاؤس، حضرت سلیمان بن یسارؒ حضرت عامر الشعبیؒ حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہؒ حضرت عمرو بن میمونؒ حضرت نافعہ بن جبیرؒ حضرت محمد بن سرین، حضرت یزید بن اصم، حضرت مجاہد، حضرت ابو العالیہؒ حضرت عمرو بن دینار، حضرت عمار بن ابی عمارؒ حضرت یحیٰ بن تعمیر، حضرت عبداللہ بن شداد، حضرت کریب، حضرت ابو رجاء عطاردیؒ۔ [8]

اہل مدینہ کا فقیہ

ربیعۃ الرائے وہ امام حافظ، فقیہہ، مجتہد اور رائے کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اسی بناء پر انکو ربیعۃ الرائے کہا جاتا تھا۔

انکی علمی قدر و منزلت وائمہ کرام کی ان کے بارے آراء

یحیٰ بن سعد کا قول ہے کہ:

''میں نے ربیعۃ الرای سے زیادہ کسی کو ذہین نہیں دیکھا۔''

قاضی سوار بن عبداللہ فرماتے ہیں:

''میں نے ربیعۃ الرای سے زیادہ رائے کا عالم نہیں دیکھا۔'' [9]

ربیعۃ الرائے حافظ، فقیہہ اور مجتہد تھے اور اپنی رائے میں بڑی بصیرت رکھتے تھے۔ اہل حدیث کے نزدیک ایک عمدہ رائے والے اور صاحب قیاس ہیں۔ [10]

وہ صاحب فتویٰ تھے اہل مدینہ کے نزدیک اور امام مالک نے ان سے اخذ واستفادہ کیا۔'' [11]

ابن ماجشون کے نزدیک:

''میں نے ربیعۃ الرای سے زیادہ زبان پر عبور رکھنے والا نہیں دیکھا۔'' [12]

اس طرح ان علمی درسگاہوں میں دینی علوم پھیلتے رہے اور عوام الناس اس سے فیض یاب ہوتے رہے۔

"عرب عزت و عظمت اور اقبال و شرف پر قائم رہے تا آنکہ ان میں سے علم کا فقدان ہو تا گیا اور ان پر معارف و فضائل کا سایہ ہٹ گیا اور یہ اسلام سے کم و بیش تین سو سال پہلے ہوا تھا۔ ۴؎

روم کا تہذیب و تمدن

انساب روم میں اختلاف آراء

رومیوں کی صحیح نسل اور ان کے انساب کے متعلق مورخین اور دوسرے واقعہ نگاروں میں کثرت سے اختلاف آرا پایا جاتا ہے اسی طرح لفظ روم کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ان میں باہم اختلاف موجود ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ روم کا ماٰخذ رومیہ ہے جو ایک شہر کا نام جسے عربی میں روما کہا جاتا ہے۔ لیکن روم کو اہل روم یا اہل روما اپنی زبان میں "رومانیس" کہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ لفظ یعنی روم رومیوں کے پہلے نسلی بزرگ روم بن سماطلین بن ہریان بن عقلان عیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام سے ماخوذ ہے۔ جبکہ کچھ دوسرے لوگوں کے خیال میں یہ نام رومیوں کے جدِّ اعلیٰ یعنی رومی بن لیطن بن یونان بن یافث بن برید بن سرحون بن رومیہ بن مربط بن رومین بن اصغر بن یغز بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام سے لیا گیا ہے۔ ۵؎

کرین برنٹن "تاریخ تہذیب" میں رقمطراز ہیں:

"مذہبی رسوم میں یونان میں اولمپیائی کھیلوں اور ایتھنز کے ڈرامائی جشنوں کی صورت میں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھیں۔ روم میں ان مذہبی رسومات کا کوئی دستور نہ تھا۔ رومیوں کو عبادات میں زیادہ حصہ لینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ دیوتاؤں کو مقررہ مقامات پر پہنچانے کی ذمہ داری حکومت نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی اور دیوتاؤں کے بارے میں جو مذہبی رسومات تھیں وہ پروہتوں کی ایک جماعت ادا کرتی تھی۔ جن کا رئیس خود بادشاہ ہوتا تھا۔ سیزر نے جس طرح اپنی رعایا کو پرستش کرنے کا حکم دے دیا تھا اور یہ ان کے باطل معبودوں میں ایک نئے فانی معبود کا اضافہ تھا۔ وہ حیات بعد الموت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے۔

"نوکریش" ایک قدیم رومی شاعر کہتا ہے کہ انسان کو موت سے نہیں ڈرنا چاہئے نہ یہ سمجھنا چاہئے کہ موت کے بعد تکلیف و اذیت کا کوئی امکان ہے۔ اس کے نزدیک انسانی جسم اور انسانی روح کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح عناصر کے وقتی اور عارضی اجتماع کا نتیجہ ہے۔ جب موت آتی ہے تو ذرات الگ الگ ہو کر بکھر جاتے ہیں۔ جسم و روح بھی الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ موت ایک ایسی نیند سے مشابہ ہے جو نہ کبھی ختم ہو گی اور نہ اس میں کوئی خواب نظر آئے گا۔" ۶؎

محمد کرد علی "خطط الشام" میں رومی حکومت کے طرز عمل کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"شامی رعایا پر لازم تھا کہ وہ حکومت کا ٹیکس ادا کرے اور اپنی رعایا اور اپنی تمام پیداوار اور آمدنی کا دسواں حصہ اور راس المال کا ٹیکس داخل کرے فی کس ایک رقم مقرر تھی جس کا ادا کرنا لازم تھا۔ اس کے علاوہ رومی قوم کے کچھ دوسرے

اہم ذرائع آمدنی تھے۔ مثلاً چونگی' کانیں' محاصل اس کے علاوہ جو قطعات گندم کی کاشت کے قابل ہوتے اور چراگاہیں ٹھیکہ پر دے دی جاتیں ان ٹھیکیداروں کو عشارین کہتے تھے۔ یہ لوگ حکومت سے تحصیل وصولی کے اختیارات خرید لیتے اور رعایا سے مطالبات وصول کرتے۔ ہر صوبہ میں ان ٹھیکیداروں کی متعدد کمپنیاں قائم تھیں۔ ہر کمپنی کے پاس کچھ منشی اور محصل ملازم تھے جو اپنے افسروں کو مالکوں کے انداز میں پیش کرتے اور جس قدر ان کو لینے کا حق تھا اس سے زیادہ وصول کرتے۔ وہ لوگوں کو فراغت وراحت کے وسائل سے محروم کرتے اور اکثر ان کو غلاموں کی طرح فروخت کر دیتے۔"۸

روم کی ثقافت اور تہذیب وتمدن

عوام کی خستہ حالی کا تو یہ عالم تھا۔ لیکن شاہی خاندانوں اور حکومت کے افسران اور رؤسا کی عیش کوش داستانیں پڑھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ ان کے عالیشان محل' دیوان خانے' ناؤنوش کی مجلسیں' عیش وعشرت کے سازوسامان کی انتہا نہ تھی۔

حضرت حسان بن ثابت نے جبلہ بن الایہم غسانی کی مجلس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

"میں نے دس باندیاں دیکھیں جن میں پانچ رومی کی جو بربط پر گا رہی تھیں اور پانچ وہ تھی جو اہل حیرہ کی دھن میں گا رہی تھیں۔ جنہیں عرب سردار ایاس بن قبیصہ نے تحفہ بھیجا تھا۔ اس کے علاوہ عرب کے علاقہ مکہ وغیرہ سے بھی گویوں کی ٹولیاں جاتی تھیں۔ جبلہ جب شراب نوشی کے لئے بیٹھتا تو اس کے نیچے فرش پر قسم قسم کے پھول چنبیلی' جوہی وغیرہ بچھا دیئے جاتے اور سونے چاندی کے ظروف میں مشک وعنبر لگائے جاتے۔ چاندی کی طشتریوں میں مشک خالص لایا جاتا۔ اگر جاڑوں کا زمانہ ہوتا تو عود جلایا جاتا۔ اگر گرمیوں کا موسم ہوتا تو برف چھائی جاتی اور اس کے ہم نشینوں کے لئے گرمیوں کا لباس آتا۔ جس کو وہ اپنے اوپر ڈال لیتے۔ جاڑوں میں سمور' قیمتی کھالیں اور دوسرے گرم لباس حاضر کئے جاتے۔"۹

"روم میں علم وحکمت اور فلسفے کیساتھ موسیقی وغیرہ اور حد سے زیادہ محافل طرب کا رواج یونان سے آیا تھا۔"۱۰

روم کی اخلاقی حالت

ول ڈیوران اپنی مشہور کتاب "دی ایج آف فیتھ" میں روم کی اخلاقی حالت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اخلاقی، جنسی اور کاروباری لحاظ سے رومی سلطنت کے مکینوں کی اخلاقی حالت قابل رشک نہ تھی۔ ایک طرف تو رقص کی مذمت کی جاتی تھی لیکن قسطنطنیہ میں رقص گاہیں اور ناچ گھر آباد تھے۔ کلیسا نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ ایکٹروں کو بپتسمہ نہیں دیں گے یعنی وہ ایکٹروں کو عیسائی مذہب قبول کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس کے باوجود بزنطینی سٹیج پر ایکٹروں اور ان کے کھیلوں کو بڑی پذیرائی بخشی جاتی تھی۔ قانونی طور پر ان پر یہ پابندی تھی کہ وہ ایک سے زیادہ شادی نہیں کر سکتے لیکن دوسری طرف ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سامان کر دیا گیا تھا۔"

پروکوپیس (Procopius) اپنی کتاب "سیکرٹ ہسٹری" میں لکھتا ہے:

''اس کے زمانے میں عملی طور پر تمام عورتیں بدکار تھیں۔ ضبط تولید کے وسائل پر بڑی مستقل مزاجی سے تحقیق جاری رہتی تھی۔ اس زمانہ کے اطباء اپنی قرابادینوں میں اس موضوع کو بڑی اہمیت سے ذکر کرتے تھے۔ چوتھی صدی کے ایک مشہور اور قابل طبیب ''اوریباسئیس'' (Oribasius) نے اپنے قرابادین میں ضبط تولید کے موضوع پر اور اس کے وسائل پورا ایک باب قلمبند کیا ہے۔ قحبہ خانے عام تھے۔ عصمت فروشی کا دھندا بر سر عام کیا جاتا تھا۔ جٹینین اور اس کی ملکہ نے عصمت فروشی کو ختم کرنا چاہا اور انہوں نے عصمت فروشی کا دھندا کرنے والے مرد و زن کو قسطنطنیہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ لیکن ان کو کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔''[۷]

ظہور اسلام کے بعد سلطنت روم پر طائرانہ نظر

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت روم کے بادشاہ یوسطیوس اول کے زمانے میں ہوئی تھی۔ جس نے وہاں انتیس سال حکومت کی۔ یوسطیوس اول کے بعد یوسطیوس ثانی روم کا بادشاہ ہوا اور اس نے دس سال حکومت کی اس کے بعد ''ہرقل'' بن یوسطیوس حکمران ہوا۔

''ہرقل بن یوسطیوس کے عہد میں دینار و درہم کے سکے رائج ہوئے''

ہرقل کے عہد حکومت میں سلطنت کے نظم و نسق میں بتدریج ترقی ہوئی اور اس کے عہد میں دینار و درہم کے سکے رائج ہوئے اس نے پندرہ سال بڑی شان و شوکت سے حکومت کی اس کے بعد اس کا بیٹا مورق بن ہرقل بادشاہ ہوا۔

علم نجوم کی کتب زیجات میں جن پر اہل ریاضی یقین کر کے حساب لگاتے ہیں اور روم کی کتب تواریخ میں بھی یہی لکھا ہے کہ ظہور اسلام سے لے کر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ادوار خلافت تک روم میں ہرقل کی حکومت رہی۔ لیکن تاریخ کی دوسری کتابوں میں یہ ترتیب نہیں پائی جاتی بلکہ اہل اخبار و سیر بھی کہتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت روم میں قیصر بن مورق کی حکومت تھی۔

خلفائے اسلام کے عہد میں

اہل اخبار و سیر کے مطابق جن کا ہم نے سطور بالا میں حوالہ دیا ہے۔ قیصر بن مورق کے بعد روم کا بادشاہ ''قیصر'' بن قیصر ہوا تھا اور یہ زمانہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔

قیصر بن قیصر کے بعد ''ہرقل'' بن قیصر روم کا حکمران ہوا اور یہ زمانہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔ وہ ہرقل ہی تھا جس سے شام کی کئی لڑائیوں میں خالد بن ولید' ابو عبیدہ بن جراح اور یزید بن ابی سفیان وغیرہ کا مقابلہ ہوا تھا اور انہوں نے شام کو فتح کر کے اسے وہاں سے نکال دیا تھا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کے زمانہ خلافت میں ''مورق'' بن ہرقل روم کا حکمران تھا۔

''مورق'' بن ہرقل کے بعد ''مورق'' بن مورق روم کا حکمران ہوا۔ یہ زمانہ علیؓ بن ابی طالب کی خلافت اور

معاویہ بن ابو سفیان کی حکومت کا تھا۔

مورق بن مورق کے بعد "قلفط" بن مورق روم کا حکمران ہوا۔ اس وقت معاویہ بن ابی سفیان کی حکومت کا آخری زمانہ تھا۔ قلفط اور معاویہ کے درمیان بنائے اختلاف قلفط کا بیٹا فناق رومی تھا جسے معاویہ نے ایک لڑائی میں گرفتار کر کے غلام بنالیا تھا۔ لیکن جب معاویہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ ہو رہی تھی تو معاویہ نے قلفط سے مراسلات اور صلح ناموں کے ذریعہ جھوٹ موٹ صلح کرلی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معاویہ کی جنگ کی وجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت تھی جس کا ذمہ دار وہ حضرت علیؓ کو ٹھہراتا تھا اسے یقین تھا کہ عامتہ المسلمین اس کے اس دعوے کو برحق سمجھ رہے ہیں اور یہ کہ حضرت عثمانؓ کے بعد جن کی طرف سے وہ اس وقت شام کا گورنر تھا مرکزی حکومت اسی کو ملے گی۔ اس وقت روم میں قلفط بن مورق کی حکومت تھی جو شام اور عرب کے دیگر علاقوں میں حکومت معاویہ کے آخری ایام سے لے کر یزید بن معاویہ، معاویہ بن یزید، مروان بن حکم اور عبد الملک بن مروان کے زمانے تک قائم رہی۔ ۱۱؎

ب۔ مخصوص رسم الخط

قرآن کا رسم الخط عربی سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس خط کو حضرت اسماعیلؑ نے ایجاد کیا تھا۔ نبطی، حمیری، حِیری اور کوفی وغیرہ اس خط کی مختلف شاخیں اور اصلاح یافتہ شکلیں ہیں۔ حضرت اسماعیل کے پڑپوتے نبطابن حمل نے خط عربی میں اصلاح کر کے جس خط کو باقی رکھا۔ اس کا نام نبطی ہوا۔ اہل سین نے اصلاح کی تو وہ جزم کہلایا۔ جزم کو اہل سبا نے مزید ترقی دی تو وہ مسند حمیری بنا۔ حمیری میں بنی ہاشم کے قیر ابن موز نے اصلاح کی تو "قیر اموز" مشہور ہوا۔ اہل عراق نے اس میں اصلاح کر کے خط کوفی بنالیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق عربی خط کا سلسلہ نسب فینقی خط سے جاملتا ہے۔ جب فینقی خط کو زوال ہوا تو آرامی خط کو غلبہ حاصل ہوا۔ غالباً سب سے پہلے آرامی خط میں حروف کو ملا کر لکھنے کی کوشش کی گئی۔ عبرانی، نبطی، سریانی، ستیائی اور عربی یہ سب آرامی خط کی شاخیں ہیں۔

عربوں نے تیسری صدی عیسوی میں نبطی خط کو اختیار کر لیا تھا۔ چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی میں اس میں تبدیلی کر کے انفرادیت پیدا کرلی تھی۔

ظہور اسلام کے وقت عرب میں خط حمیری (خط انباری) رائج تھا۔ جسے اہل مکہ نے اہل حِیرہ اور انبار (عراق کے دو مقامات) سے سیکھا تھا۔ غالباً اسی کو بعد میں خط کوفی کہا گیا۔ ۷ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تبلیغی خطوط مختلف حکمرانوں کو ارسال فرمائے تھے۔ ان میں سے بعض کو جو عکس دستیاب ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خطوط خط کوفی میں لکھے گئے تھے۔ مورخین کا اس بات پر اجماع ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے خط کا تعارف "حرب بن امیہ" کے ذریعے ہوا۔ مدینہ میں ماسکہ کے یہودیوں میں سے ایک یہودی تھا جو بچوں کو پڑھنا سکھایا کرتا تھا۔ چنانچہ جب وہاں آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم پہنچے جو اس سے کچھ اور لوگ اس فن سے متعارف تھے۔ ان ہی میں حضرت زید بن ثابت بھی تھے۔ جو عربی اور سریانی دونوں زبانوں میں لکھ پڑھ سکتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریص و ترغیب پر مدینہ میں کثرت سے لوگوں نے فن کتابت سیکھ لیا۔ غالب گمان یہی ہے کہ رسول اللہ نے قرآن مجید کی کتابت بھی اسی خط میں کرائی ہو گی۔ جسے بعد میں خط کوفی کا نام دیا گیا۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ وغیرہ کے لکھے ہوئے مصاحف کے جو عکس ملتے ہیں وہ خط کوفی میں ہیں۔

مصحف عثمانی

حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن کو لغت قریش (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا) کے مطابق تحریر کرایا تھا۔ اسی رسم الخط کی پیروی آج بھی جاری ہے۔ سواد اعظم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن کا رسم الخط توقیفی ہے یعنی وہی ہے جس کے مطابق حضرت عثمانؓ نے تدوین کرائی اور جس میں رسول اللہ نے بھی تدوین کرایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کو مدون کیا گیا۔ حضرت عمر کے دور میں اس سلسلے میں کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قرآن مجید لغت قریش کے مطابق لکھا گیا اور اس کی نقول تمام قلمروئے سلطنت میں ارسال کی گئیں۔

ابن اثیر کے بقول یہ نسخہ ۳۰ھ ہجری میں تیار ہوا اور بلاشبہ وہ خط کوفی میں تھا یہ نسخہ مصحف امام کہلاتا ہے۔ مصحف امام اور حضرت عثمانؓ کے عہد کے دوسرے مصاحف بلا نقطہ تھے اس پر تقریباً تمام علماء کا اجماع ہے۔ آج کل معربی حروف کے علاوہ جو زیادات دکھائی دیتے ہیں وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ صحابہ ہی تھے جنہوں نے مصاحف میں نقاط کا اضافہ کیا۔ تخمیس (ہر پانچ آیتوں کے بعد نشان) اور تعشیر (ہر دس آیتوں کے بعد نشان) البتہ باقاعدہ نظام کی تشکیل نہیں ہوئی تھی جس کے تحت نقاط الفاظ قرآنی پر لگائے جاتے۔ صحابہ کے بعد تابعین نے آکر اس کا اہتمام کیا اور نقاط و اعراب لگانے کے اصول و قواعد وضع کیے۔ ۱۲؎

عربی رسم الخط کی اصلاح

ظہور اسلام کے وقت علاقہ حجاز میں تحریر و کتابت کا رواج تو پڑ چکا تھا۔ مگر یہ فن زیادہ اشاعت پذیر نہ ہوا تھا۔ اس وقت بہت ہی کم لوگ اس سے آشنا تھے اور جو لوگ اس سے آشنا تھے۔ ان میں اکثریت ان حضرات کی تھی جن کا شمار آگے چل کر کبائر صحابہ کرامؓ میں ہونے لگا۔ ان کے نام یہ ہیں:

علیؓ بن ابی طالب، عمرؓ ابن الخطاب، طلحہؓ بن عبید اللہ، عثمانؓ بن سعید بن خالد بن حذیفہ، ابانؓ بن سعید بن خالد بن حذیفہ، یزید بن ابی سفیانؓ، حاطب بن عمرو بن عبد شمس، العلاؓ بن الحضرمی، ابو سلمہؓ بن عبد الاشہل، عبد اللہ ابن سعد بن ابی سرح، حویطبؓ بن عبد العزیٰ، ابو سفیانؓ بن حرب، معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اور جہم بن صلت بن مخرمہ بعد ازاں ان کے علاوہ دیگر

صحابہ کرامؓ نے بھی علم کتابت سیکھا۔ جن میں سے کچھ کاتبین قرآن مجید مقرر ہوئے۔
کچھ لوگوں کو رسائل و مکتوبات لکھنے پر مامور کیا گیا اور کچھ حضرات سے خلفائے راشدینؓ کے احکام اور فیصلے ضبط تحریر میں لانے کی خدمات لی گئیں۔[13]

جرجی زیدان ''تاریخ التمدن اسلامی'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس زمانے میں کتابت کا انداز کچھ اس قسم کا تھا کہ مثلاً اگر وسط کلمہ میں الف (ا) آ جاتا تو الف کو معرض تحریر میں نہیں لاتے تھے۔ بالخصوص کتابت قرآن مجید میں ان کا طریق یہی تھا جیسا کہ ''الکتاب'' کے بجائے ''الکتٰب'' اور ''الظالمین'' کے بجائے ''الظٰلمین'' لکھتے تھے۔[14]

عصر نبوت اور عہد صحابہ کرامؓ میں ایک متعین رسم الخط رواج پذیر ہوگیا۔ جس میں وہ قرآن مجید کی کتابت بھی کرتے تھے وثیقے اور معاہدے بھی لکھتے تھے۔ آپس کے معاملات بھی ضبط تحریر میں لاتے تھے۔ عام لوگوں سے خط و کتابت بھی کرتے تھے اور مختلف ملکوں کے حکمرانوں اور بادشاہوں کے مکاتبت کرتے تھے۔ یہ رسم الخط اور اسلوب تحریر نہ صرف مکہ و مدینہ یا ملک عرب میں متعارف اور رائج تھا بلکہ عرب سے باہر کے ملکوں میں مثلاً ایران کے تعلیم یافتہ طبقے میں بھی مروج و متعارف ہوگیا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ملکوں اور علاقوں کے بادشاہوں کو دعوت اسلام دی اور ان کو تبلیغی خطوط لکھے تو اسی رسم الخط میں لکھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایران و عجم کے لوگ بھی اس سے آشنا تھے۔[15]

''الزرکشی'' ''البرھان فی علوم القرآن'' میں وضاحت کرتے ہوئے مزید روشنی ڈالتے ہیں۔

قرآن مجید کا رسم الخط میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

قرآن مجید کا رسم الخط بدستور وہی رہا جو عہد رسالت اور دور صحابہؓ میں تھا اور جس میں کاتبین وحی نے آنحضرتؐ کی موجودگی میں اس کی کتابت کی تھی۔ سوال یہ ہے کہ عربی رسم الخط میں جو ارتقا اور تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس سے قرآن مجید کو کیوں مستثنیٰ رکھا گیا؟ یہ اس لئے کہ قرآن مجید ادنیٰ سے ادنیٰ صورت میں بھی اندیشہ تحریف سے محفوظ رہے اور اس کے الفاظ' ہجے' نقطے' شوشے اور رسم الخط بالکل وہی رہیں جو زمانہ رسالت ﷺ میں تھے۔

امم سابقہ کی آسمانی کتابوں میں ''تحریف'' کا دروازہ اسی قسم کی تبدیلیوں سے کھلا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ہر قسم کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور تحریف و تبدل کی ہر صورت سے اس کو محفوظ رکھا ہے' خواہ وہ رسم الخط کی صورت میں ہو یا الفاظ کی صورت میں۔[16]

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ۔[17]

ترجمہ:- یقیناً ہم نے یہ قرآن مجید اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

نیز فرمایا:

وَ اِنَّه' لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ O لاَّ یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلاَ مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ۔ ۱۸؎

ترجمہ :- اور بلاشبہ یہ عزت والی کتاب ہے۔ باطل اس کی طرف راہ نہیں پا سکتا' نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ نازل شدہ ہے حکمت والے ستودہ صفات کی طرف سے۔

رسم الخط کے قوعد ستہ:-

قرآن مجید کا رسم الخط چھے مشہور قاعدوں پر مشتمل ہے۔ جو اس فن کے ماہرین کے نزدیک قواعد ستہ کے نام سے موسوم ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ حذف ۲۔ زیادۃ ۳۔ ھمزہ ۴۔ بدل

۵۔ وصل ۶۔ فصل۔ جو قاعدے وصل اور فصل کی صورت میں ہیں۔

وہ لفظ اور اصل کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کے کئی الفاظ وہ ہیں جن کی قرأت دو طریقوں سے ہوتی ہے اور بعض الفاظ دو اسالیب کتابت کے حامل ہیں۔ ان الفاظ کو دونوں میں سے کسی ایک طریق کے مطابق کر لینا کافی ہو گا۔ ان قواعد ستہ کی مثالیں درج ذیل ہیں:-

حذف :- اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے رسم الخط میں کوئی حرف حذف کر دیا گیا ہے۔ جہاں حروف حذف ہوئے ہیں اس کی چند مثالیں یہ ہیں: ۱۹؎

فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَکْرَمَنِ۔ ۲۰؎

فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَهَانَنِ۔ ۲۱؎

اور **اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔** ۲۲؎

اَکْرَمَنِ ' اَهَانَنِ اور **دَعَانِ** میں آخری ی محذوف ہے۔ لفظ داوٗد میں د'الیل میں ایک لام اور بسم اللہ میں ب کے بعد الف محذوف ہے۔

اسی طرح "**یَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِل**"۔ ۲۳؎ اور "**یوم یدع الداع۔**" ۲۴؎ میں "**یمح**" اور "**یدع**" کے آخر میں واؤ کو کتابت میں حذف کر دیا گیا۔ حذوف کی مزید مثالوں میں "**فَارْهَبُوْنِ ' فَاتَّقُوْنِ ' وَلاَ تَکْفُرُوْنِ ' وَاخْشَوْنِ**" ۲۵؎ '**فَلاَ تَنْظِرُوْنِ** ۲۶؎ ان اور دیگر ایسے مقامات پر "نی" کے بجائے "ن" پر اکتفا کیا گیا ہے اور ہر جگہ "ی" کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ۲۷؎

زیادۃ الف :- زیادۃ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے رسم الخط میں بعض مقامات پر بعض حروف عام رسم الخط کی رو سے

زائد ہیں۔اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

زیادت الف:-اَوْلَا اذ بَعَثَّه‘۔ ۲۷النمل:۲۱

وَلَا اَوْضَعُوا خِلٰلَكُمْ۔ ۹التوبہ:۴۷

لَا اِلَى الْجَحِيْمِ۔ ۳۷الصٰفٰت ۲۸

قَوَارِيْرَاه مِنْ فِضَّةٍ۔ ۷۶الدھر ۱۶

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْىءٍ اِنِّى فَاعِل" ذٰلِكَ غَدًا۔ ۱۸الکھف:۲۳

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ۔۱۱ھود:۹۷

زائد الف کے اوپر دائرہ بنا دیا گیا ہے۔

زیادت واؤ:سَاُوْرِيْكُمْ دَارَالْفٰسِقِيْنَ۔ ۷الاعراف ۱۴۵

سَاُوْرِيْكُمْ اٰيٰتِى۔ ۲۱الانبیآ:۳۷

سَاُوْرِيْكُمْ میں واؤ زائد ہے۔۲۸

زیادت یاء:مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِىْ۔ یونس۱۰:۱۵

وَمِنْ اٰنَآئٍ الَّيْلِ۔ طہٰ۲۰:۵۱

مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ۔ الشوریٰ:۴۲:۵۱

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ۔ الذریت۵۱:۴۷

ہمزے کے نیچے ی زائد ہے اور اسی طرح باید کے بجائے یاد قرآنی رسم الخط ہے اور اس میں بھی ایک ی زائد ہے۔ان ساری زیادات کے پیچھے ایک حکمت کارفرما ہے۔۲۹

<u>بدل:-</u> بدل کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا رسم الخط کچھ اس نوعیت کا ہے کہ اس میں بعض مقامات پر بعض حروف کو بعض حروف سے بدل دیا گیا ہے:

مثلاً عام قاعدہ کتابت کی رو سے ''الصلوۃ‘الربوٰ‘الزکوۃ وغیرہ الفاظ کا تلفظ ''الصلاۃ‘الربا اور الزکاۃ'' ہوتا ہے مگر قرآنی رسم الخط میں ان کو الصلوٰۃ‘الربوٰ‘الزکوٰۃ'' ہی لکھا جائے گا اور الف کو حرف و سے بدلا جائے گا اور اس سے ان الفاظ کی عظمت اور اہمیت بیان کرنا مقصود ہے۔۳۰

<u>وصل اور فصل:</u> قرآن مجید کے رسم الخط میں کہیں دو لفظوں کو ملا دیا جاتا ہے جسے وصل کہتے ہیں اور وہ الفاظ موصول کہلاتے ہیں اور کہیں انہیں دو لفظوں کو الگ الگ لکھا جاتا ہے۔ جسے فصل کہتے ہیں اور ان کو مفصول یا مقطوع بھی کہتے ہیں۔ بِئْسَ اور مَاکو قرآن مجید میں تین مقامات پر موصول یعنی ملا کر لکھا جاتا ہے:

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۔ البقرہ۲:۹۰

بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ۔ البقرہ۲:۹۳

بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ ۔ الاعراف:۷:۱۵۰

اس کے علاوہ چھے مقامات پر الگ الگ لبِئْسَ مَا آیا ہے۔

اس وصل اور فصل کے پیچھے ہر جگہ کچھ معنی اور صوری حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

اسی طرح ''اِنَّ'' اور ''مَا'' کو صرف ایک جگہ مفعول لکھا جاتا ہے:

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ۔ انعام:۶:۱۳۴

اس کے علاوہ سارے قرآن مجید میں انما موصول لکھا جاتا ہے۔

''ان'' اور ''ما'' صرف دو جگہ مفصول ہے:

وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ۔ لقمٰن۳۱:۳۰

اس کے علاوہ سارے قرآن مجید میں ''اِنَّمَا'' موصول لکھا جاتا ہے۔

''کُلِّ'' اور ''مَا'' تین جگہ مفصول ہے۔ دو جگہ کُلَّ مَا '' النساء۴:۹۱ المومنون: ۲۳:۴۴)

ایک جگہ: مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۔ ابراہیم: ۱۴: ۳۴ ہے۔ باقی سارے قرآن مجید میں پندرہ مرتبہ کلما موصول مرقوم ہے۔

''فِيْ'' اور ''مَا'' گیارہ مقامات پر مفصول آیا ہے۔

مثلاً: فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ۔ البقرہ۲:۲۴۰

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ۔ الانبیاء۲۱:۱۰۲۰

وغیرہ باقی مقامات پر موصول مرقوم ہے۔ جیسے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ البقرہ ۲: ۲۳۴ یَوْمَ اور هم مقطوع اور موصول دونوں طرح قرآن مجید میں مرقوم ہے۔ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ۔ المومن۴۰:۱۶

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ۔ الذریت۵۱:۱۳

ان دو آیتوں میں تو مفصول و مقطوع ہے لیکن مندرجہ ذیل دو آیات (بوجہ مرکب اضافی ہونے کے) موصول ہے۔

يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ۔ الزخرف۴۳:۸۳

يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ۔ الطور:۵۲:۴۵

ایک جگہ قرآن مجید میں ''اِبْنَ'' اور ''اُمَّ'' مفعول مرقوم ہے۔

قَالَ ابْنَ اُمَّ ۔ الاعراف۷:۱۵۰

دوسری جگہ موصول: يَبْنَؤُمَّ ۔ طٰہٰ:۲۰:۹۴

جہاں یا اور ابن اور ام کو یکجا ملا کر موصول لکھا گیا ہے۔

قرآنی رسم الخط میں ایک صورت ادغام کی ہے۔ بعض اوقات دو حروف الگ الگ (مفعول) مرقوم ہوتے ہیں۔ جیسے

''عَنْ مَّا، مِنْ مَّا، اَمْ مَّنْ، عَنْ مَّنْ، اِنَّ مَّا، اِنْ لَّمْ، اِنْ لَّنْ، اَنْ لَّا ۔''

دوسرے مقامات پر یہی حروف موصول مرقوم ہیں۔ جیسے ''عَمَّا، مِمَّا، اَمَّنْ، عَمَّنْ، اِمَّا، اِلَّمْ، اِلَّنْ، اَلَّا ۔''

قرانی رسم الخط کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی کہ بعض اوقات ایک لفظ لمبی ''ت'' سے لکھا جاتا ہے اور بعض اوقات گول

''ۃ'' سے:

نِعْمَتْ اور نِعْمَۃَ، رحمت اور رحمۃ، جَنَّتْ اور جَنَّۃ، شَجَرَتْ اور شَجَرَۃَ، سُنَّت اور سُنَّۃَ۔

قرآنی رسم الخط کے بارے میں یہ بات قطعی اور حتمی ہے کہ مصحف عثمانی کا تتبع کیا جائے۔ اس قدیم رسم الخط میں کسی قسم کی تبدیلی اور کسی قسم کا تغیر جائز نہیں ہے۔ خواہ نیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ بعض الفاظ کے لکھنے میں جو اختلاف ہے۔ جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔ اس میں معنوی اسرار و حکم کارفرما ہیں۔ ۳۲

عثمانی رسم الخط

زرقانی نے مناہل العرفان میں عثمانی رسم الخط کی یہ خوبی بیان کی ہے کہ وہ پوشیدہ اور دقیق معانی پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً آیت قرآنی ''وَالسَّمَآءَ بَنَيْنَاهَا بِاَيْدٍ'' میں ''اَيْدٍ'' کو جب ایک یاء کا اضافہ کر کے ''بِاَيْيد'' لکھا جائے تو اس سے خدا کی عظیم قوت و شوکت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے جس کے ساتھ اس نے آسمان بنایا۔ نیز یہ کہ وہ طاقت و قوت میں یکتا اور منفرد ہے۔ اس لئے کہ مشہور قاعدہ کے مطابق ''لفظ کی زیادتی معانی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے اس میں شبہ نہیں کہ مذکورہ صدر بیان عثمانی رسم الخط کی مدح و ستائش میں غلو و مبالغہ پر مبنی ہے۔ یہ ایسا تکلف ہے جس سے بڑھ کر تکلف کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ یہ بات عقل و منطق سے لگا نہیں کھاتی کہ رسم الخط کے معاملہ کو توقیفی یعنی بامرِ ربانی قرار دیا جائے۔ یہ بات درست نہیں کہ رسم الخط انہی اسرار پر مشتمل ہے۔ جو سورتوں کے فواتح میں مضمر ہیں۔ رسم الخط کا توقیفی ہونا کسی حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے۔ اس کو حروفِ مقطعات کے مماثل بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے کہ حروفِ مقطعات کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہوتا ہے۔ بات صرف اتنی تھی کہ خلافتِ عثمانی میں کاتبین وحی اس رسم الخط پر متفق ہو گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ بھی اس میں ان کے ہمنوا بن گئے۔ آپؓ نے کاتبین قرآن کے لئے ایک ضابطہ مقرر کر دیا تھا۔ آپؓ نے تینوں قریشی کاتبین وحی کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ''جب قرآن کی کتابت کے بارے میں تمہارے اور زید بن ثابت انصاری مدنی کے درمیان اختلاف پیدا ہو تو قرآن کو قریش کی زبان میں لکھو۔ اس لئے کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے''۔

عثمانی رسم الخط کی عظمت و فضیلت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ اسے توقیفی قرار دیا جائے۔ اس ضمن میں علماء کے بکثرت اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ کہ اس رسم الخط کا التزام ضروری ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں

''واؤ ہو یا الف ہو یا یاء کسی حرف کے لکھنے میں بھی عثمانی رسم الخط کی خلاف ورزی جائز نہیں۔

امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا

''یہ فرمایئے کہ آج کل اگر کوئی شخص قرآن کریم لکھنا چاہئے تو آیا لوگوں کے ایجاد کردہ جدید حروفِ ہجاء کے مطابق لکھ سکتا ہے؟ آپؒ نے فرمایا میں اس کو درست تصور نہیں کرتا۔ اسے اس طرح لکھنا چاہئے جیسے پہلے کاتبوں نے لکھا تھا۔ ۳۲

مخصوص رسم الخط

عربوں میں شاعری اور علم الانساب کے ساتھ کتابت کا فن بھی موجود تھا۔ انھوں نے ابتدأ دوسری قوموں اور مذاہب کے ماننے والوں سے استفادہ کیا اور رفتہ رفتہ اس فن میں ماہر ہوتے گئے۔ عربی خط لکھنے والوں میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابوسفیانؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت یزید بن ابوسفیانؓ کے نام شامل تھے۔ ۳۳

البلاذری'' فتوح البلدان'' میں کتابت کی تعلیم کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''عرب میں نوشت وخواند کا رواج بہت کم تھا۔ وہ اپنی خداداد قوت حافظہ کی وجہ سے بڑی حد تک اس سے بے نیاز تھے۔ حتی کہ عرب کے سب سے معزز و مشہور قبیلہ قریش میں بعثت نبویؐ کے وقت صرف سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔ وہ کعبہ کے متولی تھے۔ ان کی تجارت بین الاقوامی حیثیت رکھتی تھی۔ روم، فارس کے حکمرانوں سے ان کے تعلقات تھے۔ پورے ملک عرب کے مذہبی پیشوا تھے۔ اس کے باوجود لکھنا پڑھنا بہت کم جانتے تھے۔ کیوں کہ وہ اپنی قوت حافظہ سے لکھنے کا کام لیتے تھے۔ اسی طرح مدینہ منورہ کے قبیلہ انصار میں اس کا رواج بہت کم تھا۔ اوس اور خزرج میں چند لوگ لکھنا جانتے تھے۔ جن میں سعد بن عبادہؓ بن ولیم، منذر بن عمرو، ابی بن کعب، زید بن ثابت، رافع بن مالک، اسید بن حضیر، معن بن عدی بلوی حلیف انصار، بشیر بن سعد، سعد بن ربیع، اوس بن خولی مشہور ہیں۔ زید بن ثابت عربی اور عبرانی دونوں زبانوں میں لکھتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے تعلیم کے ساتھ کتابت کا انتظام فرمایا۔ زید بن ثابت کو حکم دیا کہ عبرانی زبان میں لکھنا پڑھنا سیکھیں، کیوں کہ یہودیوں سے معاہدہ اور خط و کتابت میں اس کی شدید ضرورت تھی۔ ہجرت کے دوسرے سال غزوہ بدر میں کفار مکہ قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے۔ ان میں سے بہت سے فدیہ دے کر رہا ہو گئے، اور جو فدیہ نہیں دے سکتے تھے اور لکھنا جانتے تھے ان کے لیے طے ہوا کہ بطور فدیہ دس لڑکوں کو لکھنا سکھائیں۔ ۳۴

ابن سعد طبقات ابن سعد میں وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

'' كان فداء سارىٰ بدر اَربعة آلاف الٰى ما دون ذٰلك فمن لم يكن عنده شيء اُمر ان يُعلّم غلمان الانصار الكتابة ''

غزوہ بدر کے قیدیوں کا فدیہ چار ہزار درہم اور اس سے کم تھا۔ جس قیدی کے پاس کچھ نہیں تھا، اس کو حکم دیا گیا کہ انصار کے لڑکوں کو کتابت سکھائیں۔

دوسری جگہ تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''من لم يكن عنده علّم عشرة من المسلمين كتابة'' ۳۵

جس کے پاس فدیہ کی رقم نہیں تھی اس نے دس مسلمانوں کو لکھنا سکھایا۔

ایک روایت کے مطابق ساٹھ قیدی ایسے تھے جنھوں نے انصار کے دس لڑکوں کو کتابت کی تعلیم دی۔ اس طرح چھ سو انصاری

لڑکوں نے لکھنا سیکھ لیا۔ صحابہ بھی کتابت کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عبادہ بن الصامت اصحاب صُفّہ کو قرآن کی تعلیم کے ساتھ کتابت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے ایک شاگرد نے کمان دی تو اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"علمت ناسًا من اهل الصفة القراٰن والكتاب فأهدى الىّ رجل منهم قوسًا"

میں نے اہل صفہ میں سے کچھ لوگوں کو قرآن اور کتابت کی تعلیم دی۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھے کمان ہدیہ میں دی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے قبول کرنے سے شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی۔ ۳۶

عہد رسالتؐ میں بچوں، نوجوانوں اور بوڑھوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عورتوں کے لیے بھی تعلیم کا خاص اہتمام تھا۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود کبھی کبھار عورتوں کو تعلیم دیتے تھے اور ان میں حصول علم کا اتنا شوق تھا کہ ایک دن یہ عورتیں کہنے لگیں : اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے لیے ایک دن خاص مقرر کردیں۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے ایک دن مقرر فرمایا۔ اس طرح فقیہۃ الامت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، جو علم و فضل میں امتیازی حیثیت رکھتی تھیں، ان کے پاس کثیر تعداد میں عورتیں، علوم وفنون سیکھنے آتی تھیں۔ علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ دنیوی اور عصری علوم بھی سکھائے جاتے تھے۔ حضرت شفاء بنت عبداللہ طب میں حد درجہ مہارت رکھتی تھیں۔ فرماتی ہیں کہ ایک دن میں ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے:

"الا تَعَلِّمِيْنِ هذه رقية النملة كَمَا عَلَّمْتُهَا الْكِتَابَةَ"

اے شفاء تم حضرت حفصہؓ کو پھوڑے کا دم کیوں نہیں سکھاتی جس طرح کے تم نے اس کو لکھنے کا طریقہ اور کتابت وتحریر کا سلیقہ سکھایا ہے؟ ۳۷

البلاذری "فتوح البلدان" میں رقم طراز ہیں: قریش کے چودہ پڑھے لکھے مردوں کے علاوہ عورتیں بھی شامل تھیں۔

(۱)۔ حضرت عمرؓ (۲)۔ حضرت علیؓ (۳)۔ حضرت عثمان (۴)۔ حضرت ابوعبیدہؓ (۵)۔ حضرت طلحہؓ (۶)۔ یزید بن ابی سفیان (۷)۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہؓ (۸)۔ حاطب بن عمرو (۹)۔ ابوسلمہؓ بن عبدالاسدؓ (۱۰) ابان بن سعیدؓ (۱۱) خالد بن سعیدؓ (۱۲)۔ عبداللہ بن سعدؓ (۱۳)۔ ابوسفیان بن حربؓ (۱۴)۔ حضرت معاویہؓ۔

دو خواتین، حضرت حفصہ بنت حضرت عمرؓ اور حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ بھی اس فہرست میں شامل تھیں۔ جب کہ ایک اور خاتون کریمہؓ بنت المقداد۔ صرف لکھنا جانتی تھیں۔ یہ خاتون حضرت ام سلمہؓ تھیں۔ خواتین کی فہرست سے الگ دو خواتین کے نام اور بھی ملتے ہیں۔ یہ خواتین حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ اور عائشہؓ بنت سعد تھیں جنھیں دور جاہلیت ہی سے لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل تھی۔ اگر چہ اس فہرست میں حضرت ابوبکرؓ یا ان کے غلام عامر بن فہیرہ کا نام بھی شامل نہیں ہے حالانکہ یہ تصدیق ہوئی ہے کہ انھوں نے سراقہ بن مالک بن جعشم کو معافی نامہ لکھ کر دیا تھا اور ظہور اسلام کے وقت قریش میں پڑھے لکھے افراد کی تعداد سترہ یا بیس دونوں صورتوں میں اسے حوصلہ افزا قرار نہیں دیا جاسکتا اور ہر آدمی اس بات کو تسلیم کرے گا کہ اسلام سے پہلے قریش جیسے معزز قبیلہ میں بھی پڑھنے لکھنے پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ ۳۸

سید سلیمان ندوی "سیرت النبی ﷺ" میں رقم طراز ہیں:

زمانہ جاہلیت کی کئی تحریروں کا سراغ بھی ملتا ہے: ''ورقہ بن نوفل نے اس عہد میں تورات اور انجیل مقدس کو عربی میں منتقل کیا۔ بعض یہود اور نصرانی علماء اور شعراء کے دیوان بھی ضبط تحریر میں آچکے تھے۔ عکاظ کی تعلیقات کو خانہ کعبہ میں لٹکایا جاتا تھا۔ حضور اکرمؐ کے ساتھ قریش کے سوشل بائیکاٹ کا معاہدہ بھی لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا۔ اس طرح کئی تحریرات کا سراغ ملتا ہے۔ بعث نبوی ﷺ کے وقت مکے میں پڑھے لکھے موجود تھے جن میں سے بعض مسلمان ہو گئے۔ اسلامی ریاست مدینہ کے آغاز کے وقت ہی حضور اکرم ﷺ نے تعلیم کی طرف توجہ فرمائی۔ اس میں تحریر کو خصوصیت حاصل تھی۔ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔ جب اسلام آیا تو گویا تحریر یا کتابت کا فن بھی ساتھ لے کر آیا۔ سب سے بڑی ضرورت قرآن کے ضبط و تدوین کی تھی۔ اسی بناء پر اور آنحضرت ﷺ نے شروع ہی سے کتابت کی طرف توجہ فرمائی۔ جنگ بدر کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ اس پر ان میں سے جو فدیہ ادا نہ کر سکے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔'' ۳۹

استاذ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''کتابت تمدن و تہذیب کے مظاہر میں سے ایک مظہر اور اجتماعی و تجارتی آثار میں سے ایک اثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فینیقی اور مصری قومیں اس فن میں سب سے زیادہ پیش پیش ہیں اور غیر متمدن خانہ بدوش اس فن میں سب سے زیادہ پیچھے ہیں۔ عرب میں صرف وہی علاقہ اس فن سے واقف تھا جہاں تمدن پھیل چکا تھا اور آبادی ترقی پر تھی۔ جیسے ملک یمن یمنی اپنی تحریروں میں ایک رسم الخط استعمال کرتے تھے جسے وہ اپنی زبان میں ''مسند'' کہتے تھے۔ وہ اس کے حروف جدا جدا لکھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ رسم الخط ''ہودؑ'' کے کاتب پر بذریعہ وحی نازل ہوا ہے۔ ۴۰

لیکن آثار قدیمہ کی تحقیقات اور زبانوں کے باہمی تعلقات دریافت کرنے کے علم نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تمام سامی خطوط فینیقی رسم الخط سے نکلتے ہیں، نیز یہ کہ آرامی اور مسند رسوم الخط اپنی تمام اقسام کے ساتھ اسی فینیقی رسم الخط سے مشتق ہیں۔ یہ خط آرامی سے ''ہوران'' میں خط ''نبطی'' اور عراق میں ''سطرنجیلی، سریانی نکلا، اور یہی دونوں خط عربی رسم الخط کی جڑ ہیں۔ ۴۱

اول الذکر رسم الخط سے خط نسخ پیدا ہوا اور ثانی الذکر خط کوفی جو اسلام کے قبل حیرہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ''حیری'' کہلاتا تھا۔ اول الذکر رسم الخط عرب والوں نے انبار سے لکھا۔ یہ رسم الخط بشر بن عبدالمالک کندی برادر اکیدر بن عبدالمالک کندی دومۃ الجندل والے نے سیکھا تھا۔ جب وہ مکہ گیا تو معاویہ کے دادا حرب بن امیہ کا داماد بن گیا اور وہاں قریش کی ایک جماعت کو یہ رسم الخط سکھایا۔ وہاں اس رسم الخط میں لکھنے والوں کی خاصی تعداد ہو گئی۔ جب کوفہ بسایا گیا۔ ۴۲

اور یہ رسم الخط مساجد و محلات پر لکھی جانے والی تحریروں کے لیے ہونے لگا۔ اس خط میں ایک خاص حسن و ترتیب پیدا ہو گئی اور اسے خط کوفی کہا جانے لگا۔ ۴۳

''حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ مدائن و دجلہ کے آب و ہوا مجاہدوں کو موافق نہیں آتی اور وہ لاغر اور کمزور ہوتے جا رہے ہیں تو سعد بن ابی وقاص کو حکم دیا کہ وہ ایسی ساحلی جگہ تلاش کریں جہاں سے ان کے اور عربوں کے درمیان کوئی پل یا دریا حائل نہ ہو۔ چنانچہ انھوں نے کوفے کے علاقے کو پسند کیا۔ سترہ ہجری میں وہاں عرب آ کر جمع ہو گئے۔ پھر خلیفہ کے ارشاد کے مطابق بانسوں کے گھر بنائے گئے۔ بعد میں ان کو جلا کر ان جگہ اینٹوں کی پختہ عمارتیں بنا دی گئیں۔ اسی سال بصرہ میں بھی عمارتیں بنائی گئیں۔ جہاں چودہ ہجری میں مسلمان آباد ہو چکے تھے۔ اسی وقت سے یہ دونوں شہر تجارتی اور جنگی مرکز بن گئے اور تاریخ و ادب میں ان کو نمایاں مقام حاصل ہو گیا۔ ۴۴

(ج) دور جاہلیت

دورِ جاہلیت کی تعلیم

''عربوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے اور ان کی معاشرت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ عجیب بات سامنے آتی ہے کہ جہالت اور ظلمت کے اس دور میں بھی عربوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی خصوصیت کا خیال رہتا تھا۔ وہ اپنی نسل، زبان اور قوم کے حوالے سے خود کو دوسروں سے برتر تصور کرتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دوسری قومیں (غیر عرب) ان کے خیال میں عجمی تھیں۔

زبان اور اس کی فصاحت و بلاغت اور پھر جسمانی صحت اور تنومندی نے عربوں کو دور جاہلیت میں بھی کچھ ایسے مواقع فراہم کردیے تھے کہ وہ اپنی تمام تر برائیوں کے باوجود بہت سے اوصاف میں دوسروں سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ظہور اسلام سے پہلے عرب میں تعلیم وتدریس کا جائزہ لیا جائے تو کوئی محقق بھی اس دور میں تعلیمی اداروں کی موجودگی یا عدم موجودگی کے بارے میں واضح معلومات فراہم نہیں کرتا۔ اگر تعلیمی اداروں کے وجود کے حوالے مل بھی جائیں تب بھی ان تعلیمی اور تبلیغی اداروں کی شکل و صورت واضح ہو کر سامنے نہیں آتی۔ دور جاہلیت کے لوگوں میں علم و ادب سے لگاؤ اور اس شعبے میں مہارت کی نفی کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کی ایک واضح مثال تو اس دور کا بظاہر عکاظ ہے، جس کی علمی اور ادبی حیثیت کی وجہ سے اسے بین العرب مجلس Pan-Arab Literary Congress کا نام دیا جاتا ہے۔

عکاظ مدینہ سے کئی میل کے فاصلے پر ایک ایسا مقام تھا جہاں ہر سال میلہ لگا کرتا تھا۔ اس عہد کی روایت کے مطابق اس میلے کو ایک معاشرتی اجتماع کی حیثیت حاصل تھی۔ اس میلے میں عرب کے دور دراز علاقوں سے لوگ شریک ہوتے تھے، کھیل کود اور جواں مردی کے مظاہروں کے ساتھ ساتھ ادبی تقاریب بھی منعقد ہوتی تھی۔ ان ادبی مجالس میں شعری وشاعری سرفہرست تھی۔ اس میلے کے بارے میں مشہور تھا کہ ''یہاں پڑھے جانے والے اہم قصائد کو سونے کے پانی سے لکھ کر (جسے اس دور بتوں کا مسکن بنادیا گیا تھا) میں آویزاں کر دیا جاتا تھا۔ ظہور اسلام سے پہلے بھی لوگ خانہ کعبہ کا احترام کرتے تھے۔ اس لیے کہ وہاں ان کے بت رکھے ہوئے تھے۔ جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ ایسی قابل احترام اور نمایاں جگہ پر قصائد آویزاں کرنے کا مطلب یقیناً یہ بھی رہا ہوگا کہ دوسرے لوگ انھیں پڑھ سکیں۔ یعنی اس دور میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو لکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اور یقیناً جو کچھ لکھا جاتا تھا اسے پڑھنے کی صلاحیت رکھنے والے بھی موجود تھے۔ ان ہی لوگوں کی وجہ سے قصائد تحریر کرنے اور انھیں آویزاں کرنے کا سلسلہ رائج رہا۔ یہاں آویزاں ہونے والے سات قصائد سبع المعلقات کے نام سے مشہور ہوئے۔'' ۴۵

یہودیوں اور نصرانیوں کے ادارے

محمد بن ہشام سیرت ابن ہشام میں یہودیوں اور نصرانیوں کے مذہبی اور تبلیغی اداروں کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''دور جاہلیت کے عرب میں یہودی اور نصرانی بھی خاصی تعداد میں آباد تھے۔ بعض تاریخوں میں یہودیوں کے چند پڑھے لکھے حضرات کا تذکرہ ملتا ہے، جن میں بیشتر مذہبی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ تاریخ کے ان ہی واقعات سے یہودیوں کے ایک

ادارے بیت المدارس کا سراغ بھی ملتا ہے۔ یہ ادارہ بتایا جاتا ہے کہ مدینہ کے نواح میں واقع تھا۔ یہیں ایک بار تبلیغ اسلام کے
حضرت ابوبکرؓ کا جانا ہوا۔ وہاں کئی یہودی اپنے ایک مذہبی پیشوا فخاص کے گرد جمع تھے۔ اسے اس دور میں یہودیوں کا بڑا عالم سمجھا
جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس یہودی کو دعوت اسلام دی اور کہا: فخاص خدا کا خوف کر اور مسلمان ہو جا، خدا کی قسم تو جا
ہے کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں اور ان کا ذکر تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پایا جاتا ہے۔ آپ کے جواب میں فخاص نے بدتمیز
شروع کر دی اور کہا خدا (نعوذ باللہ!) ہمارا محتاج ہے، ہم اس کے محتاج نہیں۔ ابوبکر صدیقؓ نے اسے زدوکوب کیا۔ جس کی اس
آنحضور ﷺ سے شکایت بھی کی۔ ۴۶

اس واقعہ سے جہاں مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ سے والہانہ محبت اور عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں اس بات کا بھی پتا چ
ہے کہ ظہور اسلام سے قبل یہودیوں کے اپنے ادارے موجود تھے جہاں وہ لوگوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دیتے تھے۔

''یثرب میں یہودیوں کی ایک درس گاہ جس کا نام ''بیت المدارس'' تھا، رسول خدا کی ہجرت کے وقت بھی موجود تھی۔ ا
دانش گاہ سے حضور نے مسلمانوں کو عبرانی اور دیگر علوم سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ ۴۷

اسی طرح درس گاہ دار ارقم کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا شمار متبرک مقامات میں ہے۔ اس
دار الاسلام اور مختبی سے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۵ نبوت میں ضعفائے اسلام نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور مکہ میں رہ جا
والے حضرات سخت حالات کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ ۶ نبوت میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ نے دار ارقم میں پناہ لی ا
یہیں سے دعوت اسلام کا فریضہ ادا کرتے رہے اور اسی میں دین اور قرآن کی تعلیم و تعلم کا شغل بھی جاری رہا۔

''طبقات ابن سعد اور مستدرک حاکم میں ہے''**كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُنَ فِيهَا فِيْ أَوَّل**
الْإِسْلَامِ وَفِيهَا يَدْعُو النَّاسَ إِلَى الْإِسْلَامِ فَأَسْلَمَ فِيهَا قَوْمٌ كَثِيرٌ ''یعنی رسول اللہ ﷺ ابتدائے اسلام میں اسی مکا
میں رہتے تھے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ ۴۶

امام ابوالولید الازرقی اپنی کتاب ''اخبار مکہ'' میں لکھتے ہیں: ''**يجتمع هو و اصحابه عند الارقم بن ابی الارق**
و يقرء هم القرآن ويعلمهم فيه '' یعنی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ دار ارقم میں جمع ہوتے تھے اور آپ لوگوں کو قرآن پڑھا
اور دین کی تعلیم دیتے تھے۔ ۴۷

احمد شلبی، ڈاکٹر ''تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ'' میں یہودیوں کے تعلیمی اداروں پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''مدینہ میں واقع یہودیوں کے بیت المدارس اور مکے میں واقع ادارہ (جہاں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم حاصل کرنے کے حوالے مل
ہیں) کے علاوہ بعض لوگوں نے کچھ عیسائی اساتذہ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ان میں ایک بشر بن عبدالمالک کا ہے۔ اس نے ظہور اسلام سے پہ
ہی مکے کے ابوسفیان بن امیہ اور ابوقیس بن مناف کو لکھنا پڑھنا سکھایا تھا۔ خیال ہے کہ ان ہی دو افراد کو مکے میں سب سے زیادہ لکھنے پڑھ
کی مہارت حاصل ہوئی۔ عرب کے سب سے بڑے مدرس کا تعلق بھی وادی القراء ہی سے تھا۔ دورِ جاہلیت کے مکے میں ایک بڑے عالم کی

حیثیت سے ورقہ بن نوفل کا نام بہت مشہور ہے۔"۴۸؎

محمد حمید اللہ "عہد نبوی کا نظام حکمرانی" میں مکہ کے عالم ورقہ بن نوفل کے بارے میں رقمطراز ہیں جو ظہور اسلام سے قبل توریت اور انجیل کے علوم میں مہارت رکھتے تھے:

"مکے میں ایک بڑے عالم کی حیثیت سے ورقہ بن نوفل کا نام بھی بہت مشہور ہے۔ یہ وہی صاحب ہیں جو ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے اور نزول وحی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے انہی سے مشورہ کیا تھا۔ ورقہ بن نوفل کئی زبانوں کے ماہر تھے اور انہوں نے توریت اور انجیل کا عربی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ ان کا شمار عبرانی خط کے بڑے ماہرین میں ہوتا تھا اور انہیں الہامی کتابوں میں بھی بڑا ادراک حاصل تھا۔ تاریخ میں ان کے علم و کمال کے بہت سے حوالے ملتے ہیں۔ لیکن اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ انہوں نے لوگوں کو باقاعدہ درس دیا ہو۔ یا کسی کو لکھنے پڑھنے کی تربیت دی ہو۔ حالانکہ وہ خود اس دور کے پڑھے لکھے ہی نہیں بلکہ بڑے اہل علم میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی یہ خصوصیت البتہ اس امر کی غمازی ضرور کرتی ہے کہ انہوں نے خود کہیں نہ کہیں سے تعلیم ضرور حاصل کی ہو گی۔"۴۹؎

شمس بریلوی، علامہ "سرور کونین کی فصاحت" میں رقمطراز ہیں:

"آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے پہلے بھی وہاں ایک یہودی صاحب علم کا پتہ ملتا ہے۔ یہ یہودی مدینے میں لکھنا پڑھنا سکھاتے تھے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں مقیم ہوئے تو وہاں اٹھارہ یا انیس افراد ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان افراد میں سعید بن منذر بن عمرؓ، ابی وہیبؓ، واقع بن مالکؓ، اور اوس بن خولی بھی شامل تھے۔ یہ لوگ ظہور اسلام کے وقت لکھنے کی صلاحیت حاصل کر چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد مدینے میں علم کو اور بھی فروغ حاصل ہوا اور بعد میں وہاں تحریر کے لئے عربی خط بھی رائج کیا گیا۔"۵۰؎

عربوں میں تعلیم کا رواج

شاہ معین الدین ندوی "تاریخ اسلام" میں رقمطراز ہیں:

"عربوں میں تعلیم کا جائزہ لینے سے پہلے عرب کی اصطلاح کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو اہم آراء کو دیکھا جائے تو وہاں کی معاشرت کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ ایک رائے کے مطابق عرب کا لفظ عربہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی دشت و صحرا ہیں۔ چونکہ یہ خطہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے۔ اس لئے اسے عرب کہا جاتا ہے۔ دوسری رائے کے مطابق عرب کے لغوی معنی فصیح اللسان اور زبان آور ہیں۔ چونکہ عرب میں رہنے والے اپنی زبان کی فصاحت کے مقابلے میں ساری دنیا کو کمتر سمجھتے تھے اس لئے خود کو عرب اور دوسروں عجمی (ژولیدہ بیان) کہا کرتے تھے۔"

"معین الدین ندوی "تاریخ اسلام میں عربوں کی علمی و ادبی اور فن خطابت کے بارے میں رقمطراز ہیں:"

"عرب قوم دنیا میں سب سے زیادہ فصیح اللسان قوم رہی ہے۔ ان میں یہ خصوصیت اس دور میں بھی موجود تھی جب وہاں اسلام کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ بلکہ پورا عرب کفر اور شرک کی جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اپنی اس نمایاں ترین

خصوصیت کے باوجود انہیں علمی و ادبی اعتبار سے زبان جیسا موثر وسیلہ فراہم کرتی ہے۔ عرب رسمی تعلیم سے بہت دور تھے۔ گو عربوں کو ظہور اسلام سے پہلے بھی خطابت میں کمال حاصل تھا۔ وہ علم الانساب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

داستان گوئی (تاریخ کی ابتدائی شکل) ان کا محبوب ترین موضوع تھی۔ انہیں علم بیطار (علم الحیوان) سے بھی شغف تھا اور قیافہ شناسی اور نجوم جیسے علوم تک انہیں رسائی حاصل تھی۔ لیکن یہ سب صلاحیتیں اور مہارتیں ان کی روایات کا لازمی جزو بن کر نسل در نسل منتقل ہو رہی تھیں۔ اس میں ان کی شعوری کوششوں اور درس و تدریس یا منتقلی کے کسی باقاعدہ نظام کو کوئی دخل نہیں تھا۔ مجموعی طور پر عربوں میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت (جو حصول علم اور اشاعت علم کے لئے بنیادی مہارت کا درجہ رکھتی ہے) نہ ہونے کے برابر تھی۔ ظہور اسلام کے وقت عرب کے سب سے مقتدر اور متمول قبیلے قریش میں بھی پڑھے لکھے افراد کی کل تعداد ہمشکل تمام سترہ تھی۔ ان سترہ افراد میں ایسے چار افراد بھی شامل تھے جنہیں انہی روایات کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ چاروں حضرات عمرؓ عثمانؓ علیؓ اور معاویہؓ تھے۔۵۱

شبلی نعمانی، مولانا (الفاروق) میں عربوں کی تعلیم اور علمی حیثیت کو اجاگر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"رسمی تعلیم میں عربوں کی یہ معمولی حیثیت ان کی اس خصوصیت کے باوجود برقرار تھی کہ وہ ادب اور شاعری کے شعبے میں بہت نمایاں تھے۔ وہ اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ شاید یہ اس دور کے معاشرہ کا تقاضا تھا کہ انہیں اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کے لوگوں سے میل جول اور انہیں سمجھنے کیلئے ان زبانوں کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی۔ پڑھنے اور لکھنے کا رجحان ان میں نہ ہونے کے برابر تھا اور ایسا کوئی طریقہ کار یا سسٹم بھی موجود نہیں تھا جس سے وہ لوگ استفادہ کرتے۔ اس دور کے کچھ لوگوں نے اپنی انفرادی کوششوں سے تھوڑی بہت تعلیم حاصل کرلی تھی۔ ایسے لوگوں میں سب سے نمایاں حضرت عمرؓ تھے جو ظہور اسلام سے پہلے ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آپؓ کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ یہاں تک کہ توریت بڑی روانی سے پڑھ لیتے تھے۔ آپ کا مختلف زبانیں سیکھنے کا یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا اور آپ نے مدینے ہجرت کرنے کے بعد وہاں جاکر عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ حضرت عمرؓ ان چند لوگوں میں شامل تھے جو ظہور اسلام سے پہلے عربی خط لکھنے سے واقف تھے۔۵۲

حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر "کتاب اعلام الاسلام" میں عربوں کی صلاحیتوں پر رقمطراز ہیں:

"مختلف زبانوں کے علاوہ عربوں کو علم الانساب میں بھی بڑا کمال حاصل تھا۔ انسانوں کے نسب کے علاوہ عرب گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب بھی محفوظ رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ علم الانساب کے بہت بڑے ماہر تصور کئے جاتے تھے۔ انہیں انساب کے ساتھ ساتھ عربوں کے مختلف واقعات اور حالات کا بھی علم تھا۔ آپ میں یہ ساری صلاحیتیں ظہور اسلام سے پہلے بھی موجود تھیں۔" ۵۳

عبدالرزاق کانپوری "علم الکتابت یا ابجد کی تاریخ" میں رقمطراز ہیں:

"عربوں میں چند افراد کے پڑھے لکھے ہونے کی واضح شہادتوں کے ساتھ ساتھ اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ وہ علم اور اہل علم کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔ اس سلسلے کی ایک مثال بشر بن مالک کی ہے۔ ان کا تعلق عراق سے تھا اور وہ سند حمیری (خطاطی کے بڑے ماہرین) میں شمار ہوتے تھے۔ ظہور اسلام سے پہلے مکے کے ایک تاجر حرب بن امیہ بن عبد الشمس کاروبار کے سلسلے میں عراق گئے تو بشر بن مالک سے ملاقات ہوئی انہوں وہیں بشر کی شاگردی اختیار کرلی۔ انہوں نے اس حد تک ان کی خدمت کی کہ جب مکے واپس آئے تو انہیں بھی اپنے ہمراہ لے آئے۔ کچھ دنوں بعد حرب بن امیہ نے اپنی بیٹی کی شادی انہی استاد سے کردی۔

خطاطی کے شعبے میں نمایاں حیثیت حاصل کرنے والے کئی مسلمان صحابہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ ' ابو عبیدہؓ ' معاویہؓ اور یزید بن ابو سفیان کا سلسلہ شاگردی انہی بشر بن مالک سے ملتا ہے۔" ۵۴ ؎

عصر جاہلی میں جزیرہ کے سکول

عصر جاہلی خالی نہ تھا۔ چند مساکن سے جس میں تعلیم کے پیشے کی مشق کی جاتی تھی اور اگر دائرہ تنگ تھا۔ تو مکہ میں ' طائف ' مدینہ ' انبار ' حریرہ ' دوما ' جنبل ان میں چھوٹی کتابیں پڑھائی کے لئے ہوتی تھیں۔ لیکن ان کا معیار بہت سادہ تھا اور جہاں تک بنی ھذیل کے قبیلے کا تعلق ہے انکی کتابوں میں سے ایک کتاب بچوں کی تعلیم و تربیت پر مشتمل ہے۔ جس کو ظلمہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان میں بچوں کی مثالیں دی گئی ہیں۔ ۵۵ ؎

جاہلیت میں اشعار کا لکھا جانا

عصر جاہلی ثقافتی سرگرمیوں سے بالکل خالی نہیں ہے اور قبیلے کبھی کبھی نہ کہ ہمیشہ اپنے شاعروں کے اشعار کو لکھتے۔ بلکہ انہوں نے اس سے زیادہ پالیا۔ پس وہ چند قبائل تھے جن میں سے ہر ایک قبیلہ اپنی جنگوں کی خبریں اور ان کے دن اور ان کے مفاخر اور معاصر کا تذکرہ اور ان کے شعرائیا شاعروں کے اشعار کی شاعری اور بلاغت و حکمت کی باتیں ان میں سے ہر ایک لکھی جاتی تھی۔ ۵۶ ؎

دوسرے کتابت کے موضوعات

وہ اپنے دیوان صحائف کی شکل میں لکھتے تھے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب میں آیا ہے۔ ثقیف کی طرف اور ثقیف کیلئے ان کے صحائف میں دین کے متعلق ہے۔ آج جو اس پر ایمان لائے لوگوں میں سے بے شک یہ ان کیلئے ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے تھے عہد ' وعدے ' قسمیں اور اسی طرح وہ لکھتے تھے بعض دینی کتابیں اور فیصلے اور انصاب اور ذاتی خطوط لکھا کرتے تھے۔ ۵۷ ؎

کیا انجیل کا عربی ترجمہ ہوا" جاہلیت میں یا صدر اسلام میں"

روث نقل کرتے ہوئے کہتی ہے برھیبروس سے کہ یوحنا اوّل جس کو 631ء میں جمع کیا اور وہ 648ء میں

مفقود ہو گیا۔ اس نے انجیل کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ امیر امرو بن سعد کیا یہ عمر بن سعد الاشدق تھا؟ 670ء میں قتل ہو گیا۔ ۵۸

برھیبروس اس کو غیر مقبول کہتا ہے جو اس نے ذکر کیا[۵۹] اور اسی طرح جو کچھ روث نے کہا کیونکہ امرو کا ولد تقریباً 3 ہجری مطابق 624ء میں پیدا ہوا اور جب سعد الاشدق اپنی عمر کے اوائل میں شادی شدہ ہوا۔[۶۰] جیسا کہ شائع اس وقت فولادہ عمرو تھا۔ شاید کہ یہ 640ء کی بات ہے۔ اگر اس سے متاخر نہیں ہے۔[۶۱] عمرو بن سعد الاشدق کی عمر یوحنا اول کی وفات کے وقت آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی[۶۲] اور یہ بعید نہیں ہے کہ آدمی کھڑا ہو یوحنا اول کے مرتبے پر انجیل کی کتاب کے ترجمے کے ساتھ جو کہ عمر میں آٹھ سال کا بچہ ہے اور حقیقتاً وہاں دوسری اشکال بھی ہیں جس کی اس کے لئے بہت اہمیت ہے[۶۳] کیونکہ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دور ہے جو کہ یوحنا اول کے دور کے مطابق ہے اور قریب تر ہے کہ یہ ممکن ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں واقع ہونے کا جس کو اس نے پہچان لیا۔ ۶۴

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ تھے جنہوں نے اہل کتاب میں سے کتاب کو منسوخ کر دیا۔[۶۵] وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ پس وہ سخت غصے میں تھے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدمی کو مارا جو دانیال کی کتاب کو منسوخ کر بیٹھا تھا اور انہوں نے اسے طلب کیا کہ وہ مٹا دے تاکہ لوگوں میں سے کوئی اسے نہ پڑھے۔[۶۶] عمر بن معمون نے کہا ہم کوفہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی آیا اور اس کے پاس ایک کتاب تھی اور ہم نے کہا یہ کونسی کتاب ہے اس آدمی نے کہا کہ کتاب دانیال۔ پس لوگ اس آدمی کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ قرآن کے علاوہ بھی کوئی کتاب ہے؟ ۶۷

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اہل کتاب کو تکلیف دیتے اور انکی کتاب کا مذاق اڑاتے تھے اور جو کچھ بھی بیان ہے یہ انکی کتابت پر دلالت کا نام ہے۔ ۶۸

اور اس پر دلائل یہ ہے کہ عشعریؓ نے تشتر کا افتتاح کیا ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا جو کچھ میرے پاس ہے۔ کیا تم مجھ سے ۲۰ درہم میں لے سکتے ہو اور اس کے پاس اس کی چادر کے نیچے ایک چیز تھی۔[۶۹] اس نے کہا ہاں اگر یہ سونا چاندی یا اللہ کی کتاب میں سے نہیں ہے۔[۷۰] اس نے کہا بے شک یہ اللہ کی کتاب ہے اور تم اسے نہیں پڑھتے اور میں اسے پڑھتا ہوں اور اس نے یوحنا میں سے تورات کی کتاب نکال لی ہم نے اس سے یوحنا لے لیا۔ ۷۱

پس بعض صحیح روایات میں آیا ہے کہ ورقہ بن نوفل عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے۔ جیسا کہ بعض دوسری روایات میں آیا ہے کہ وہ انجیل عربی زبان میں لکھا کرتے تھے اور یہ پرانی تصحیف ہے کیونکہ وہ دونوں زبانیں جانتے تھے اور انہوں نے اس کو دونوں زبانوں میں لکھا۔[۷۲] لیکن یہ کتابت ذاتی نوعیت کی تھی اور اس کو صرف اپنی ذاتی استعمال کیلئے لکھا گیا۔ ۷۳

جو انجیل کے تراجم کی تاریخ کے جاننے کا ارادہ رکھتا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ پڑھے۔ (Kilgour) نے لکھا ہے اور وہ کہتا ہے کہ انجیل کا پہلا ترجمہ عربی زبان میں ہے۔ جو کہ آٹھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ ۷۴

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور خلفائے راشدین کے دور میں انجیل کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوا۔ اسی لئے

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اہل جزیرہ میں سے لوگوں کی اکثریت جاہل تھی اور وہاں کوئی آدمی نہیں تھا جو ان کو تعلیم کی طرف دھکیل سکے اور کتابت کے سیکھنے کی ترغیب دے سکے۔

مکہ معظّمہ کی مرکزیت

المکة المکرمة:-

جزیرہ نمائے عرب کے صوبہ حجاز کا مرکزی شہر اور عالم اسلام کا دینی و روحانی مرکز، مشہور یونانی جغرافیہ نویس بطلیموس نے دوسری صدی عیسوی میں اپنے جغرافیہ میں مکہ کو Macorba لکھا ہے۔ یہ عربی لفظ مقربہ کی تعریب ہے۔ جس کے معنی لوگوں کو معبودوں کے قریب لانے والا ہے۔ بعض محققین نے اس کے معنی معبد (عبادت گاہ) کے بھی لئے ہیں۔ بڑے قدیم زمانے سے لوگ اطراف و جوانب سے یہاں حج کرنے آتے تھے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ حج کا اعلان کریں۔ کتب تاریخ و سیرت میں مکہ مکرمہ کے پچاس کے قریب نام مذکور ہیں۔ جن میں مشہور ترین مکہ "ام القریٰ" "بیت العتیق" اور "البلد الامین" ہیں۔ ۷۶ –

مکہ مکرمہ:- ۲۱ درجے، ۲۸ دقیقے عرض بلد شمالی اور ۳۷ درجے ۵۴ دقیقے طول بلد مشرقی پر واقع ہے۔ یہ جدہ سے ۴۵ میل جانب مغرب واقع ہے اور سطح سمندر سے ۹۰۹ فٹ بلند ہے۔ مکہ ایک تنگ وادی میں واقع ہے جس کے دونوں طرف خشک اور پانی اور سبزے سے محروم پہاڑوں کا دوہرا سلسلہ ہے۔ یہ جبل عرفات، جبل ثور، جبل ابی قیس اور جبل ثبیر وغیرہ ہیں۔ شہر کے اردگرد بہت سی وادیاں واقع ہیں۔ جن میں وادی فاطمہ اور وادی نعمان قابل ذکر ہیں۔ وادی نعمان کو نہر زبیدہ سیراب کرتی ہے۔ شروع میں مکہ مکرمہ کا دار و مدار زمزم کے پانی پر تھا۔ اس کے علاوہ اور کنویں بھی تھے اس کے باوجود پانی کی قلت رہتی تھی۔ عین زبیدہ اور عین عزیزہ کی تعمیر سے یہ مشکل کسی قدر دور ہو گئی تھی۔ ۷۷ –

قدیم تاریخ:- مشہور ولندیزی مستشرق ڈوزی کی رائے میں مکہ کی تاریخ کا آغاز حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے سے ہوتا ہے۔ اس کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی آیا ہے۔ بعض مورخین بیان کرتے ہیں کہ عمالقہ مصر سے حجاز آکر آباد ہوئے۔ جب عمالقہ کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی سرکوبی کے لئے فوج بھیجی عمالقہ کے بعد بنو جرہم یمن چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور اقتدار پر قابض ہو گئے۔ جرہم قحطانی تھے اور ان کی زبان عربی تھی۔ ۷۸ –

اس وقت دنیا میں ہر طرف شرک و بت پرستی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے فلسطین آئے تو انہیں مکہ کی طرف جانے کا حکم ہوا۔ وہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ چلے آئے۔ حضرت اسماعیل جوان ہوئے تو انہوں نے بنو جرہم میں شادی کرلی اور ان سے عربی زبان سیکھی۔ ۷۹ –

علمائے محققین کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی بے نشان عمارت کی دوبارہ بنیاد اٹھا کر بلند کی۔

احمد الازرقی رقمطراز ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ نے زمین آسمان کو پیدا کیا تو اس میں جو اولین شے بنائی وہ "بیت اللہ" کی تھی۔ یہ سرخ رنگ کے کھلے یاقوت سے بنا ہوا اور بیت المعمور کے بالمقابل مقام تھا۔ اس کے اٹھائے جانے کے بعد اولاد آدم نے اس جگہ ایک مکان پتھروں اور مٹی سے بنا دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں یہ جگہ طوفان سے بے نشان ہوگئی اور وہاں سرخ رنگ کی مٹی کا ایک ٹیلہ سا رہ گیا۔ جہاں اطراف عالم سے حاجت مند اور ستم رسیدہ آتے اور منہ مانگی مرادیں پاتے تھے۔ حج کے لئے لوگ بھی یہیں آتے تھے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ حضرت ابراہیم کو خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا۔[۸۰]

خانہ کعبہ کی تعمیر شروع ہوئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ان پتھروں کو نصب کرتے جاتے تھے۔ خدا کا یہ گھر سادہ سا تھا اس کی نہ چھت تھی نہ کواڑ۔[۸۱]

مکہ کی مرکزیت

مکہ اور بکہ کسے کہتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرماتا ہے۔ زمین میں سے ایک حصہ میرے لئے منتخب کر۔ نہ اس میں زیادہ ہو نہ کم ہو۔ پس آپؑ نے ایک خط کھینچا پس یہ مکہ ہے (خط کا اندرونی حصہ بکہ ہے) اور اس کا گرد و نواح مکہ ہے۔[۸۲]

تعمیر خانہ کعبہ:

سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی۔ اسی وجہ سے یہ بیت اول کہلایا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی بنیاد پر اسکی عمارت بنائی اور قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّ هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ○[۸۳]

ترجمہ:۔ بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کیلئے بنایا گیا وہ بکہ ہے برکت والا ہے اور جہانوں کیلئے اس میں ہدایت ہے اور اس میں روشن نشانیاں جیسا کہ مقام ابراہیم جو کوئی اسمیں داخل ہوا وہ امن میں آ گیا۔

روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمائی تھی۔

"لیکن طوفان نوح سے خانہ کعبہ کی عمارت مٹی کے تلے دب گئی جس کی وجہ سے وحی الٰہی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مٹی کھود کر خانہ کعبہ کی بنیادیں نکالیں اور اس کے اوپر عمارت تعمیر کی۔"[۸۵]

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○[۸۶]

ترجمہ:- اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ گھر (بیت اللہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ اے ہمارے رب ہم سے قبول کر بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

نصب حجر اسود

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ یہاں کوئی ایسا پتھر لگایا جائے جو تا قیامت یادگار رہے۔ حجر اسود طوفان نوح میں جبل ابو قبیس میں محفوظ ہو گیا تھا۔ وحی الٰہی کے مطابق حضرت جبرائیل امین نے اس کی نشاندہی کی اور وہاں سے پتھر لے کر مقررہ مقام پر نصب کر دیا۔ اس میں سے نور کے شعلے نکلے جو شرقاً غرباً جنوباً شمالاً پھیل گئے۔ یہیں سے حرم کی حد مقرر ہو گئی۔ حاجی لوگ اسی حد کے اندر آنے سے پہلے احرام باندھتے ہیں۔۸۷

تعمیر کعبہ (درجہ بہ درجہ)

بقول الازرقی تعمیر کعبہ دس مرتبہ ہوئی:

پہلی مرتبہ:- اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے اس کی تعمیر کی اور مختلف پہاڑوں سے پتھر لا کر اس کی بنیاد میں رکھے گئے۔

دوسری مرتبہ:- حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی۔

تیسری مرتبہ:- حضرت شعیب علیہ السلام نے تعمیر کی۔

چوتھی مرتبہ:- اسکی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کی۔

پانچویں مرتبہ:- اسکی تعمیر العمالقہ نے کی۔

چھٹی مرتبہ:- اس کی تعمیر قبیلہ جرھم نے کی۔

ساتویں مرتبہ:- اس کی تعمیر قصی نے کی۔

آٹھویں مرتبہ:- خانہ کعبہ کی تعمیر قریش نے کی۔

نویں مرتبہ:- اس کی تعمیر عبداللہ بن زبیر نے کی۔

دسویں مرتبہ:- اسکی تعمیر حجاج بن یوسف نے کی۔ ۸۸

خانہ کعبہ کا دوسرا نام بیت عتیق بھی ہے۔

اس لئے کہ یہ سب سے قدیمی گھر ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اس کا طواف و حج کیا ہے۔۸۹

رکن اسود:-

جنوب مشرقی کونے میں نصب ہے۔ رکن عراقی شمال مشرقی کونے کا نام ہے۔ رکن شامی شمال مغربی کونے کا نام ہے۔ رکن یمانی جنوب مغربی کونے کا نام ہے۔

خانہ کعبہ کے شمال کی طرف کچھ حصہ کمان کی طرح خالی ہے جس کو حطیم کہتے ہیں۔حج کے دوران طواف میں اس کو شامل کیا جاتا ہے۔اس لئے کہ حطیم خانہ کعبہ کا حصہ ہے۔اسی طرف میزاب رحمت ہے جو خانہ کعبہ کا پرنالا ہے۔۹۰؎

خانہ کعبہ کا دروازہ

''خانہ کعبہ کا دروازہ جس کو باب کرم کہتے ہیں یہ مشرق کی جانب چار پانچ فٹ اونچا ہے۔باب کرم سے رکن اسود تک کی جگہ کو ملتزم کہتے ہیں۔جس سے حاجی لوگ لپٹ کر دعائیں مانگتے ہیں۔باب کرم کے سامنے مقام ابراہیم ہے۔حاجی لوگ خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد اس مقام پر (یعنی مقام ابراہیم) پر دو رکعت واجب الطواف پڑھتے ہیں۔مقام ابراہیم یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی عمارت بنائی تھی۔اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان نقش ہیں۔۹۱؎

بیر زمزم:-

یہ وہ کنواں ہے جس جگہ پر ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ گئے تھے۔جب کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا تو حضرت حاجرا ں صفا و مروہ پہاڑیوں پر کھڑی ہو کر پانی کی تلاش میں تھیں یہاں تک کہ ایک گرج دار آواز سنائی دی آپ بھاگی ہوئی آئیں دیکھا کہ بیٹا ایڑھیاں رگڑ رہا ہے اور اس کے پاؤں کے نیچے پانی کا چشمہ موجود ہے۔یہ حضرت جبرائیل امین نے پر مار کر تحت الثریٰ سے پانی کا چشمہ نکال دیا۔

مناسک حج میں حضرت حاجراں کی پیروی میں حاجی صفا و مروہ کے سات چکر لگاتے ہیں۔۹۲؎

دیگر مناسک حج:-

حرم پاک میں منیٰ، مزدلفہ اور مقام عرفات ہیں۔حج کے دنوں میں منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔۹ ذوالحجہ کو مقام عرفات میں زوال کے بعد وقوف فرض ہے۔وہاں امام حج کا خطبہ دیتا ہے۔اور ظہر کے وقت ایک اذان اور دو اقامت سے ظہر و عصر کی نماز اکٹھی پڑھاتا ہے۔عرفات کے پہاڑ کا نام جبل رحمت ہے، مزدلفہ میں دسویں رات کو ایک اذان اور ایک اقامت سے پہلے مغرب کے فرض پھر عشاء کے فرض۔۹۳؎

اور بعد ازاں سنتیں ترتیب سے پڑھی جاتی ہیں۔صبح کی نماز اول وقت میں پڑھ کر مزدلفہ کے میدان سے ۴۹ کنکریاں اٹھائی جاتی ہیں۔مزدلفہ کے میدان میں ایک پہاڑی ہے جس کو مشعر الحرام کہتے ہیں۔حاجی لوگ ۱۰ تاریخ کو مقام منیٰ میں واپس آکر عقبیٰ (یعنی بڑا شیطان) کو سات کنکریاں مارتے ہیں پھر قربانی کر کے سر منڈوا کر احرام کھول دیتے ہیں۔

۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو تینوں جمرات کو کنکریاں مارتے ہیں۔اس کے بعد خانہ کعبہ آکر طواف زیارت کرتے ہیں۔جس کو عربی اصطلاح میں افاضہ کہتے ہیں۔خانہ کعبہ میں عبادت کرنے سے ایک ایک نیکی کا ثواب لاکھ گنا ملتا ہے۔

قبولیت دعائے ابراہیمی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کیلئے یہ دعا مانگی:

"رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۝ ۹۴؎

ترجمہ:- اے میرے رب اس شہر کو (مکہ) امن والا بنا اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق عطا کر۔ جو شخص ان میں سے ایمان لایا اللہ اور آخرت کے دن پر۔

پس اللہ تعالیٰ عزوجل نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اس شہر کو امن والا بنادیا اور جو ایمان لایا وہ بے خوف ہو گیا اور اس کو پھلوں سے رزق دیا گیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۝ ۹۵؎

ترجمہ:- اور جس شخص نے کفر کیا پس اس کو تھوڑا فائدہ پہنچے گا پھر وہ مضطرب ہو کر دوزخ کے عذاب کی طرف چلا جائے گا۔

پس دعائے ابراہیم کی برکت سے یہ وادی غیر ذی زرع ارض ذرع بن گئی یعنی اسمیں پھل دار درخت 'باغات اور مختلف اجناس پیدا ہونے لگیں۔

دعائے ابراہیمی کی برکت سے اہل مکہ کو تین قسم کا رزق دیا گیا:

۱۔ فی اللحم:- ان کے اہل کو بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے گوشت سے رزق دیا گیا۔

۲۔ والماء:- اور ان کے اہل کو مقدس آب زمزم اور باران رحمت اور دریاؤں کے پانی سے سیراب کیا گیا۔ جس سے بنجر زمین زرخیز ہو گئی۔

۳۔ واللبن:- ان کے رہنے والوں کو بھیڑ بکریوں اور اونٹوں سے رزق دیا گیا۔ ۹۶؎

مکہ میں جرہم قبیلے کی آباد کاری

جس وقت آب زمزم کا کنواں ظہور میں آیا تو اس کے پانی کے ارد گرد کا حصہ سیراب ہوا اور وہاں گھاس و بیل بوٹے اور درخت پیدا ہو گئے۔ جو قافلے یمن اور شام کے تجارت کیلئے اس راستے سے گزرتے تھے۔ جب انہوں نے ادھر پرندوں کے جھنڈ دیکھے تو انہیں خیال آیا کہ ادھر پانی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے چند آدمی بھیجے اور حضرت ہاجرہ سے اس معاہدے پر کہ ہم چاہ زمزم پر قبضہ نہیں کریں گے۔ یہ آپ کے اور آپ کے بیٹے کی ملکیت رہے گا۔ لہٰذا انہوں نے اس وادی میں آباد ہونا شروع کر دیا۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو قبیلہ بنی جرہم میں انکی شادی ہوئی اور ان کے بارہ بیٹے

پیدا ہوئے۔۹۷ے

خانہ کعبہ کی تولیت

ایک عرصے تک کعبہ کی تولیت جرہم کے خاندان میں رہی۔ لیکن پھر بنو خزاعہ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا اور عمرو بن لحی کو اپنا فرمانروا بنا لیا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت ابراہیم کے دین کو بگاڑا۔ بت پرستی کو رواج دیا اور خانہ کعبہ میں بت نصب کیے اور حلال و حرام کے نئے قانون بنائے۔ جن کا شریعت ابراہیمی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ حرم کعبہ پر پردہ چڑھانے کا رواج اسی زمانہ میں ہوا۔۹۸ے

بنو خزاعہ تین سو برس تک مکہ کے حاکم اور کعبہ کے متولی رہے۔ تا آنکہ قصی بن کلاب کا ستارہ اقبال طلوع ہوا۔ جو قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ قصی نے حلیل خزاعی کی بیٹی سے شادی کی۔ حلیل نے مرتے وقت حرم کی خدمت قصی کے سپرد کر دی۔ قصی نے رفاہ عامہ کے بہت سے کام کیے انہوں نے اپنے خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے ارد گرد بسایا۔ سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا) رفادہ (حاجیوں کی ضیافت کرنا) جیسے مناصب قائم کیے۔ دار الندوہ (دار المشورہ) کا قیام بھی انکی مساعی کا نتیجہ تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے چرمی حوض بنوائے۔ جن میں موسم حج میں حاجیوں کے لئے پانی بھر کر رکھا جاتا تھا۔ ان خدمات کی وجہ سے قریش اول کا لقب ان ہی کو ملا۔ ان کی وجہ سے قبیلہ قریش کا نام روشن ہوا۔ قریش کی اعلیٰ نسبی' خوش بیانی' صبر و حلم' مظلوموں کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کی سارے عرب میں دھوم تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اکابر قریش کے سامنے شعرا اپنا کلام بغرض اصلاح پیش کیا کرتے تھے۔۹۹ے

قصی کے چھ بیٹے تھے ان میں سب سے زیادہ باصلاحیت عبد مناف تھے۔ لہٰذا قصی کے بعد قریش کی ریاست عبد مناف کو ملی۔ عبد مناف کے بھی چھ بیٹے تھے۔ ان میں ہاشم نہایت بااثر اور بارسوخ تھے۔ یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا تھے۔ ہاشم نہایت سیر چشم تھے اور حاجیوں کی بڑی خدمت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ قحط کے زمانے میں ہاشم نے شوربا میں روٹیاں چورا کر اہل مکہ کو کھلائیں۔ اس زمانے میں ان کا نام ہاشم مشہور ہو گیا۔ انہوں نے قیصر روم اور شاہ حبش نجاشی سے فرمان حاصل کیے تھے کہ قریش کے مال تجارت پر کوئی محصول نہ لیا جائے۔ چنانچہ عرب جاڑوں میں اور گرمیوں میں شام اور انگورہ (انقرہ) تک بے خوف و خطر جایا کرتے تھے۔ اندرون ملک میں بھی قریش کا قافلہ تجارت پر ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رہا کرتا تھا۔۱۰۰ے

ہاشم تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے کہ انہوں نے غزہ میں انتقال کیا۔ ان کے انتقال کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ تھا۔ ہاشم کے بھائی مطلب شیبہ کو مکہ معظمہ لے آئے اور ان کی پرورش کی۔ اس وجہ سے ان کا نام عبد المطلب (مطلب کا غلام) پڑ گیا۔

عبد المطلب نے چاہ زمزم کو ڈھونڈھ نکالا اور اس کو کھدوا کر نئے سرے سے درست کر لیا۔ یہ ایک مدت سے بے نشان اور گم چلا آ رہا تھا۔ ان کے زمانے کا اہم واقعہ ابرہہ حاکم یمن کی مکہ پر چڑھائی ہے (۵۷۰ء) وہ ہاتھیوں کا ایک بڑا لشکر

لے کر کعبہ کے انہدام کے لئے چلا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے چڑیوں کے جھنڈ بھیج کر ابرھہ کے لشکر کو برباد کر دیا۔ یہ واقعہ قرآن مجید میں سورہ فیل میں مذکور ہے۔ ۱۰۱ے

''واقعہ فیل کے بعد عربوں کے دلوں میں قریش کی عظمت بیٹھ گئی اور کعبہ کی عزت و حرمت پر ان کا ایمان اور بھی بڑھ گیا۔ اس واقعہ کی عربوں میں بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔

انہوں نے اس واقعہ سے نئی تاریخ کا آغاز کیا اور وہ لکھنے لگے کہ یہ عام الفیل میں پیش آئی یا فلاں شخص عام الفیل میں پیدا ہوا۔ ۱۰۲ے

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے۔ جن میں ابو لہب' ابو طالب' حضرت حمزہ اور حضرت عباسؓ زیادہ مشہور ہیں۔ عبداللہ تجارت کی غرض سے شام جا رہے تھے کہ انہوں نے راستہ میں انتقال کیا۔ یہ عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد تھے۔

مکہ ولادت نبوی ﷺ کے وقت

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے مکہ تجارت کا بڑا مرکز بن چکا تھا۔ قریش کے تجارتی قافلے یمن سے لے کر شام بلکہ ایشیائے کوچک تک جایا کرتے تھے اور مختلف ممالک کی مشہور چیزیں لاتے تھے۔ اس تجارتی کاروبار میں مالدار خواتین بھی شریک ہوتی تھیں۔ بعض اکابر مکہ کے قیصر روم اور حکام یمن سے دوستانہ تعلقات تھے اور وہ ان احکام کو تحفے بھیجا کرتے تھے۔ اس بیرونی آمد و رفت نے ان کو مہذب و متمدن اور معاملہ فہم و زمانہ شناس بنا دیا تھا۔ اہل مکہ یوں بھی صحت و تندرستی' اعتدال مزاج' جوانمردی اور عالی ظرفی میں دوسرے علاقوں کے باشندوں سے ممتاز تھے۔ ان کے دولت مند افراد گرمیاں طائف میں گزارتے تھے۔ اہل مکہ کے بازار بیت اللہ کے پاس لگتے تھے۔ ان بازاروں میں گیہوں' گھی' شہد اور دوسری ضروریات زندگی موجود رہتی تھیں۔ عطر فروشوں' بزازوں شراب بیچنے والوں اور زیتون کے تیل کا کاروبار کرنے والوں کی دکانیں تھیں۔ بڑھئی' لوہار' معمار' حجام' درزی اور ظروف فروش بھی موجود تھے۔ صاع' مد' رطل' اوقیہ اور مثقال جیسے ناپ اور تول کے پیمانے رائج تھے۔ مکہ میں رومی و ایرانی و سامانی سکوں کا چلن تھا اور یہ سکے درھم اور دینار کہلاتے تھے۔ درھم پر فارس کا نقش و مہر اور دینار پر بادشاہ روم کی تصویر ہوتی تھی۔'' ۱۰۳ے

طبقہ غلاماں

مکہ میں حبشی (افریقی) غلاموں کی بھی بڑی تعداد تھی جو کھاتے پیتے گھرانوں میں ادنیٰ خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ یہ معاشرہ کا مظلوم ترین طبقہ تھا۔ بعض اہل خیر ان غلاموں کو ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد بھی کر دیا کرتے تھے۔ سفید فام غلام عراق' شام اور بلاد یورپ سے لائے جاتے تھے اور بڑی قیمت پاتے تھے۔ یہ حبشی غلاموں کی نسبت زیادہ سمجھدار' سلیقہ شعار اور ہنر مند ہوتے تھے اور جلد ہی عربی زبان سیکھ جاتے تھے۔ کتب سیرت اور تراجم صحابہ میں بہت سی

یونانی باندیوں کے نام مذکور ہیں جو اشراف مکہ کے نکاح میں تھیں اور ان سے اولادیں بھی تھیں۔ ۱۰۴

مہمان نوازی

''اہل مکہ کی مہمان نوازی مشہور تھی۔ وہ حاجیوں کو بیت اللہ کا مہمان سمجھ کر ان کی ہر ممکن خدمت کیا کرتے تھے اور اہل عرب بھی ان کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ مکہ والے اپنے حسب و نسب اور زباندانی پر فخر کیا کرتے تھے۔ انہیں اخبارِ عرب' ایام عرب اور اشعار عرب سے بڑی دلچسپی تھی۔ سربر آوردہ افراد کی محفلیں زیادہ تر بیت اللہ کے سامنے جمتی تھیں۔ جہاں شعر شاعری کا تذکرہ ہوتا تھا۔'' ۱۰۵

محمود شکری آلوسی رقمطراز ہیں:

''عہد ابراہیمی سے دوری کے باوجود حضرت ابراہیمؑ کی بعض سنتیں باقی تھیں۔ مثلاً حج و طواف کرنا' داڑھی بڑھانا' مونچھیں کترانا' ناکن کٹوانا' مسواک اور استنجاء کرنا' زیر بغل اور زیر ناف بال صاف کرنا' ختنے' غسل جنابت کرنا اور مردوں کو کفن پہنا کر دفن کرنا وغیرہ' ولیمے کا بھی رواج تھا۔ اسلام نے بھی ان سنتوں کو بر قرار رکھا۔''۔ ۱۰۶

(ھ) تعلیمی اداروں کی ابتداء

مکے میں مسلمانوں کی پہلی درس گاہ

مکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن مولود تھا اور آپؐ نے یہیں سے تبلیغ اسلام کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا درس ''دارالارقم'' میں دیا گیا۔ ۱۰۷

اسی مناسبت سے دارارقم کو تعلیمات اسلامی کا سب سے پہلا مرکز ہونے کا اعزاز ہے۔ یہ مکان مکے کے نواحی علاقے میں کوہ صنعا پر واقع ہے اور ابتدائی دور کے ایک مسلمان صحابی ابن ارقم کی ملکیت تھا۔ انہی سے منسوب ہونے کی وجہ سے اسے ''دارالارقم'' کہا جاتا تھا۔ درس و تدریس کا سلسلہ اس مکان میں تین سال تک جاری رہا۔ ۱۰۸

انبثاق الرسالہ کے دور میں حجاز میں قراۃ اور کتابت:۔

مکہ المکرمہ:۔ کہا جاتا ہے کہ قریش میں اسلام آیا' اس وقت صرف ۱۷ افراد قریش کے لکھنا جانتے تھے۔ لیکن اس پر مکمل اعتماد ممکن نہ تھا۔ خاص طور پر جب ہم مکہ کے جغرافیائی و تجارتی مواقع کو دیکھتے ہیں اور اس کے دینی مرکز کو۔'' ۱۰۹

اور دوسری طرف کاتبین کے ناموں کی فہرست جس کا ذکر بلاذری نے کیا وہ چند اشخاص پر مشتمل نہیں ہے جو مکہ میں کتابت جانتے تھے۔ مثلاً ابو بکر صدیقؓ عبداللہ بن عمرو بن العاص اور سفیان بن حرب اور اس کے علاوہ دوسرے۔

یہ فہرست اس بات کی دلیل ہے کہ مکہ کے معاشرے میں چند لوگ قرأت و کتابت جانتے تھے۔ یہاں ایک اور نقطہ جو توجہ مبذول کرواتا ہے وہ یہ کہ عورتوں کی ایک خاص تعداد بھی لکھنا جانتی تھی۔ ان مین ام المومنین حفصہؓ ام کلثوم بنت عقبہ اور شفا بنت عبداللہ و عائشہ بنت سعد اور کریمہ بنت مقداد یہ فہرست ان افراد سے مزید بڑھ جاتی ہے۔ ان میں ام

المومنین حضرت عائشہؓ وام سلمہؓ ہیں وہ دونوں پڑھنا جانتی تھیں لیکن وہ دونوں بہت زیادہ نہ لکھتی تھیں۔۱۱۰؎

کتابت وحی سے متعلق صحابہؓ کا عمل

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو لکھا کرتے تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں حضرت ابی بن کعبؓ کاتب وحی تھی اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ امام قضاعیؒ نے فرمایا کہ اگر ان کاتبین وحی میں سے بوقت کتابت کوئی حاضر نہ ہوتا تو حاضرین میں سے کوئی بھی کتابت کر دیتا تھا۔ مثلاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ' جابر بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ 'ابان بن سعید رضی اللہ عنہ 'علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ' حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ عبداللہ بن سعد بن صراح (ابن سرح) بھی کاتب وحی تھے۔ لیکن وہ مرتد ہو گئے تھے جن کو دوبارہ اسلام لانے تک پناہ دی گئی تھی۔

ابن عساکر نے کاتبین وحی کی تعداد ۲۳ بتائی ہے اور بہجۃ المحافل میں پچیس لکھی ہے۔ جن میں سے:

حضرت علیؓ، ابوبکرؓ، عثمانؓ، عمرؓ، عامر بن فہیرہؓ، عبداللہ بن ارقمؓ، ابی بن کعبؓ، ثابت بن قیس بن شماس، خالد بن سعید بن العاص اور ان کے بھائی حبان، حنظلہ بن ابی عامر الاسدی، زید بن ثابتؓ، معاویہ بن ابی سفیان، شرجیل بن حسنہ، عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول، زبیر بن العوام، معیقب بن ابی فاطمہ الدوسی، مغیرہ بن شعبہ، خالد بن ولید، علاء بن حضرمی، عمرو بن عاص، جھم بن الصلت، عبداللہ بن رواحہ، محمد بن سلمہ، عبداللہ بن سعید بن ابی سرح رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

امام قرطبی نے ان کی تعداد ۲۶ تک پہنچائی ہے۔ شبر املسی نے المنہج کے حاشیہ میں ان کی تعداد چالیس تک بتائی ہے اور امام عراقی نے بیالیس تک شمار کیا ہے اور ابرھان الحلبی نے کاتبین وحی کا شمار ۴۳ تک کیا ہے۔

المطالعۃ النصریہ میں الھوینی نے کہا ہے کہ وہ تمام حضرات کاتبین وحی میں سے نہیں ہیں۔ حافظ عبدالبر نے لکھا ہے کہ ان مین اکثر خطوط اور اس کے جوابات بھی لکھا کرتے تھے۔ جس نے پوری وحی لکھنے میں مدد کی وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو امانت دار اور صاحب عقل تھے۔۱۱۱؎

مدینہ منورہ میں تعمیر مسجد نبویؐ و تدریسی سرگرمیاں

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کو اپنے قیام سے رونق بخشی۔ دعوت اسلام کی مصروفیت اور وفود کی ملاقاتوں کا سلسلہ اور جان نثار مسلمانوں کے دوسرے مسائل کے باوجود آپ نے ایک مضبوط مرکز کی اہمیت کے پیش نظر تعمیر مسجد کا منصوبہ فوری طور پر بنالیا۔ حضور اقدس ﷺ کا ورود مسعود قبا بستی میں بروز شنبہ ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوت مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو ہوا۔۱۱۲؎

صحیح بخاری اور دوسری کتب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قبا میں ۱۴ دن قیام فرمایا۔۱۱۳؎ اور پھر قبا سے مدینہ منورہ کو بروز جمعہ روانگی ہوئی۔۱۱۴؎ اس اعتبار سے مدینہ کی روانگی کی تاریخ حسب ذیل ہے بروز جمعۃ المبارک

۲۲ ربیع الاول ۱۳ نبوت مطابق ۴ اکتوبر ۶۲۲ء مدینہ منورہ پہنچ کر آپ کچھ دن مختلف مقامات پر نماز پڑھتے رہے کبھی حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی مسجد میں اور کبھی کسی دوسری جگہ نماز پڑھ لیتے۔ حتیٰ کہ آپ نے مسجد کی تعمیر کا پروگرام بنالیا۔ چنانچہ امام نور الدین علی بن سید ابو المحاسن عبداللہ بن شہاب الدین عباس السمہودی اور امام عماد الدین ابن کثیر کی روایت کے مطابق " وَ ثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ الْعَرِيْشِ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ لَيْلَةً حَتّٰى بَنٰى الْمَسْجِدَ۔ " ۱۱۵؎

یہ سنگ بنیاد اس مسجد کا رکھا جارہا تھا جسے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدہ گاہ ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ جسے تبلیغ و تعلیم کا مرکز۔ دینی سطوت کا نشان اور اسلام کی سربلندی کا سرچشمہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

مدینہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

جب اونٹنی بیٹھ گئی تو فخر کون و مکاں سرور زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری آل میں سے کس کا مکان قریب ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میرا مکان قریب تر ہے یہ میرا مکان اور یہ اس کا دروازہ ہے۔

مسجد نبوی کا قطعہ اراضی حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی زیر کفالت دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دینار میں خرید ا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ رقم ادا کر دیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مسجد نبوی کا سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو پہلا پتھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے رکھا پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پتھر لائے اور اس کے ساتھ رکھ دیا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ پتھر رکھا' پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ان کے نصب شدہ پتھر کے ساتھ پتھر لگادیا۔

میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ یہ لوگ کس لگن کے ساتھ کام میں مصروف ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے عائشہ! یہ لوگ میرے بعد خلعت خلافت سے نوازے جائیں گے۔ ۱۱۶؎

سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا جبکہ آپ اپنے جان نثار صحابہ کے ساتھ تعمیر مسجد نبوی میں مصروف تھے۔ آپ کو گارا پسند نہ آیا تو میں پھاوڑہ لے کر گارا بنانے لگا جب اسے اچھی طرح گوندھ کر تیار کیا تو آپ نے بہت پسند فرمایا تو آپ نے فرمایا کہ یمامی گارا بنانے میں خوب مہارت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس سے یہی خدمت لی جائے۔ ۱۱۷؎

امام ابن نجار بیان کرتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیادیں پتھروں سے اٹھوائیں اور دیواریں کچی اینٹوں سے بنوائیں اور مسجد کے تین دروازے رکھے ایک جنوب میں دوسرا مغرب کی طرف عاتکتہ جسے باب رحمت بھی کہا جاتا تھااور تیسرا مشرق کی جانب، باب عثمان جس سے آپ مسجد میں تشریف لاتے تھے پھر جب بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ قبلہ مقرر ہو گیا تو آپ نے جنوب والا دروازہ بند کر کے اس کے برابر میں شمال کی طرف دروازہ بنادیا۔ دوسرے دونوں دروازے اپنی جگہ قائم رہے۔ مسجد مربع شکل تھی جس کا طول و عرض ۷۰x۷۰ ذراع تھا۔ ۱۱۸

پہلی تعمیر کے وقت دیواروں کی بلندی قد آدم سے کچھ زیادہ تھی۔ ۱۱۹

مسجد نبوی کی پہلی تعمیر کا حدود اربعہ ۱۰۵ مربعہ فٹ تھا۔ ۱۲۰

مسجد کے تین دروازے تھے اور چھت نہ تھی۔ ۱۲۱

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے جنوب مغرب میں سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تعمیر ہوا۔ مسجد کے شمال مشرقی کونے میں اصحاب صفہ کا چبوترہ تعمیر کیا گیا۔ ابتداء میں چھت کے بغیر صرف دیواروں پر مشتمل مسجد بنائی تھی پھر جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین گرمی کی شدت سے دوچار ہوئے تو چھت بنانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ صحابہ نے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھجور کے ستون کھڑے کیئے ان کے اوپر کھجور کی لکڑی، شاخیں اور اذخر وغیرہ گھاس ڈال دیا۔ جبکہ دیواریں قد آدم کے برابر بلند تھیں۔ ۱۲۲

In "MUHAMMAD"

HIS LIFE BASED ON THE EARLIEST SOURCES

According to Martin Lings:

The People of the Bench;

"Part of one of the long colonnades in the Mosque was now reserved for those newcomers who had nowhere to live and no means of sustenance. They were known as "the People of the Bench", Ahl-as-Suffah, on account of a stone bench which had been placed there for their benefit; and since the Mosque was a prolongation of the Prophet's own dwelling, he and his household felt especially responsible for this growing number of impoverished refugees who lived at their very door, whose plight they witnessed daily and who came in ones and twos from all directions, drawn by the message of Islam and the reports of him and his community which had by now reached the tribes all over Arabi. The news of Badr was not without its effect in this way. Consequently it was seldom that those who lived in the dwellings adjoining the Mosque could eat their fill at any meal. The Prophet used to say: "The food of one is enough for two, the food of two enough for four, and the food of four enough for eight."

"A. GUILLAUME"
in "The Life of Muhammad" (peace be upon him)

تعمیرِ مسجد نبویؐ میں نبی کریم ﷺ اور اصحابِ رسولؐ کے جذبہ شوق کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

Sahl and Suhayl the sons of Amr who were orphans in his care and that he could take it their land for a mosque and he would pay the young men for it,

The apostle ordered that a mosque should be build, and he stayed with Abu Ayyub until the mosque and his houses were completed.

The apostle joined in the work to encourage the muslim to work and the Muhajirin and the Ansar laboured hard. one of the muslim rhymed:

If we sat down while the prophet worked
It could be said that we had shirked.
As they built, the muslims sang a rajaj verse:
There's no life but the life of the next world.
O God, have mercy on the Ansar and the Muhajira
The apostle used to Sing it in the form
There's no life but the life of the next world.
O God, have mercy one the Muhajirin and the Ansar.

Ammar b. Yasir came in when they had overloaded him with bricks, saying, They are killing me they load me with burdens they cannot carry themselves, Umm Salma the Prophet's wife said: I saw the apostle run his hand through his hair for he was a curly - haired man and said, "Alas! Ibn Sumayya! it is not they who will kill you but a wicked band of men"

Ali composed a rajaj verse on that day
There's one that labours night and day
To build us mosques of brick and clay
And one who turns from dust away.

مسجد نبویؐ میں تعلیم

صُفّہ' سائبان اور سایہ دار جگہ کو کہا جاتا ہے اور اس سے مراد مسجد نبوی میں واقع وہ سایہ دار جگہ ہے یہاں فقراء' مہاجرین اقامت پزیر تھے جن کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ "وَالصُّفَّةُ الظُّلَّةُ۔ ۱۲۳؎

اصحاب صفہ زہدو تقویٰ کے پیکر غریب وفادار ہونے کی وجہ سے مسجد نبوی میں اقامت گزیں تھے۔ مسجد کے آخر میں مسجد سے علیحدہ ایک سایہ دار جگہ بنی ہوئی تھی جس میں وہ رہتے تھے۔ ۱۲۴؎

مسجد نبویؐ مسلمانوں کی اولین درس گاہ

یہاں سب سے پہلے تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ جب ابتداء میں غریب لوگ مسلمان ہوئے جن میں کچھ بدو اور کچھ دیہاتی جنہیں اعرابی کہا جاتا تھا وہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو ان میں سے اکثر لوگ نادار' غریب 'مسکین اور ضعیف تھے۔ بعض لوگوں کے گھر بار بھی نہ تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جن کے بیوی بچے واولاد نہ تھی اور ان کا کوئی رہائشی ٹھکانہ بھی نہ تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بہتر سمجھا کہ اگر ان لوگوں کو دینی و اسلامی تعلیم کیلئے مسجد میں جگہ دے دی جائے تو ان کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ اسلام کے بہترین مبلغ بن جائیں گے اور پھر انہیں یہاں گردونواح کے علاقوں میں اسلام کی نشرواشاعت کیلئے بھیجا جائے۔ لہٰذا اس اہم مقصد کے لئے مسجد کی شمالی جانب ایک چبوترا بنایا گیا۔ جس کا بالائی حصہ مسقف تھا تاکہ تعلیم حاصل کرنے والے ان مساکین طلباء کیلئے دھوپ سے بچنے کا بھی انتظام ہو جائے۔ ۱۲۵؎

صفہ میں حصول تعلیم کا طریق کار

جو صحابہ دین علوم میں ماہر تھے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ وغیر ھم ان کو صحابہ صفہ کی تعلیم کیلئے مقرر کیا گیا۔ جن میں سے بعض صحابہ صرف عربی کتابوں کی تعلیم دیتے اور انہیں دینی مسائل واحکامات سے روشناس کراتے۔ بعض صحابہؓ انہیں لکھنا پڑھنا سکھاتے۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام مختلف صحابہؓ کے سپرد تھا۔ اسی طرح ان کے لباس کا انتظام بھی صحابہ ہی کیا کرتے تھے۔ جن میں چادریں اور پاجامے، قمیضیں کمبل وغیرہ شامل تھے۔ ۱۲۶؎

ان کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اصحاب صفہ کو مختلف شہروں، دیہاتوں اور دیگر علاقوں میں شرعی احکامات کی تبلیغ کیلئے بھیجا جاتا۔ ان کے سفر کے اخراجات بیت المال سے ادا کئے جاتے۔ ان کی تعداد ابتداء میں ستر تھی ۱۲۷؎، جو کچھ عرصہ بعد بڑھ کر ستر سے متجاوز کر گئی۔

سعد بن عبادہؓ نے اسی (۸۰) افراد کی ضیافت فرمائی تھی۔ علاوہ اس سے جن بعض حضرات کو صحابہ کرام الگ الگ اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ ۱۲۸؎

سمھودی نے کہا کہ ابو نعیم نے حلیہ میں ان کی تفصیل ذکر کی ہے جو کہ سو (۱۰۰) سے متجاوز ہے۔ ۱۲۹؎

''مسجد نبوی کے صحن میں قائم ہونے والی اس اولین درسگاہ کے سب سے بڑے معلم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تھے۔

یہاں لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اکثر وبیشتر دور دراز مقامات سے آنے والے افراد یہیں قیام کرتے اور مختلف مسائل کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اساتذہ سے معلومات حاصل کرتے۔ مسجد نبویؐ کے اساتذہ میں ایک معتبر نام حضرت عبداللہ بن سعیدؓ بن العاص کا تھا۔ جو طالب علموں کو لکھنا اور پڑھنا سکھاتے تھے۔ آپؓ کا اصل نام ''الحکم'' تھا اور عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز کیا۔ ۱۳۰؎

محمد حمید اللہ ڈاکٹر ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' میں مزید وضاحت کرتے ہیں۔

''ان کے علاوہ مسجد نبویؐ میں حضرت عبادہ بن صامت بھی درس دیتے تھے۔ آپؓ کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا اور آپ لوگوں کو تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ لکھنے کی تربیت بھی دیتے تھے۔ ۱۳۱؎

مسجد نبویؐ میں قرآن مجید سکھانے والوں کا ذکر

کتانی ''التراتیب الادارية'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ الاصابہ نے واقدی سے

نقل کیا ہے کہ فرات بن یزید بن ورد ان کے دادا اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابان بن سعید کے سپرد فرمایا تھا تاکہ وہ ان کے اخراجات برداشت کرے اور ان کو قرآن کی تعلیم دے اسی طرح حضرت ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے پاس بھیجا تو فرمایا کہ میں تم کو ایسے آدمی کی طرف بھیج رہا ہوں جو تم کو اچھی طرح تعلیم دیں گے اور ادب سکھلائیں گے۔"۱۳۲

محمد حمید اللہ، ڈاکٹر "عہد نبوی کا نظام حکمرانی" میں مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مسجد نبوی کی اس پہلی باقاعدہ درسگاہ سے وابستہ اساتذہ میں حضرت ام مکتوم کا نام بھی شامل ہے۔ آپؓ نابینا تھے اور مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مسجد نبویؐ میں لوگوں کو قرات سکھایا کرتے تھے۔ آپؓ نے زندگی میں تیرہ بار حضور ﷺ کی نیابت کے فرائض سرانجام دیئے۔ جن مسجد نبویؐ میں امامت کا فریضہ بھی شامل ہے۔ آپؓ نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا اور حیثیت معلم آپؓ کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے سرفراز ہوئے۔ مدینہ میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعید بن العاصؓ کو بھی تدریسی فرائض سونپے تھے۔ یہ بہت بڑے خوشنویس تھے۔ اس لئے ان کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ لوگوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں۔ ۱۳۳

ان صحابہؓ کا ذکر جن سے قرأت کے طرق منقول ہیں

وہ آئمہ جن سے قراءت کے طرق منقول ہیں بے شمار ہیں۔ مہاجرین صحابہ میں سے حضرات ابو بکرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علیؓ، طلحہؓ، سعدؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، سالم مولیؓ ابو حذیفہؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عمرو بن العاصؓ، عبداللہؓ، معاویہؓ، ابن زبیرؓ، عبداللہ بن السائبؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، ام المومنین حفصہؓ، ابو سلمیٰؓ اور سات حضرات انصار میں سے ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، ابو درداءؓ، ابو زیدؓ اور مجمع بن حارثہؓ، انس بن مالک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ ۱۳۴

ان صحابہؓ کا ذکر جو لوگوں کو کتابت سکھاتے تھے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن سعید رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو کتابت سکھائیں وہ بہترین کاتب تھے۔ اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اہل صفہ کے کچھ لوگوں کو کتابت اور قرآن سکھایا۔ حکیم بن سعید بن عاص بن امیہ رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ ۱۳۴

کافر قیدیوں سے کتابت سیکھنے کا ذکر

غزوہ بدر کے کافر قیدیوں سے یہ فدیہ قبول کیا گیا کہ وہ مسلمانوں میں سے دس لڑکوں کو کتابت سکھائیں اور اس کے بدلے میں ان کو رہا کر دیا جائے۔

انصاری بچوں میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کتابت سیکھی۔ اس طریقے سے ان حضرات میں فن

کتابت کی کثرت ہوئی پس جوں جوں اسلام پھیلتا گیا۔ کتابت بھی عام ہوتی گئی۔ اس وقت فدیہ کی رقم چار ہزار درہم تھی لیکن کتابت سیکھنے کو مال پر ترجیح دیتے تھے۔ قلم کی عظمت اور نفع ان حضرات کے قلوب پر ظاہر تھا۔ ۱۳۴ ؎

حضرت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جن حضرات نے قرآن مجید حفظ کیا۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دس حضرات نے قرآن مجید حفظ کیا:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۳) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۴) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۵) ابو درداء رضی اللہ عنہ (۶) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۷) ابو زید الانصاری رضی اللہ عنہ (۸) تمیم الدارمی رضی اللہ عنہ (۹) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (۱۰) ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔

یہ حضرات مسجد نبوی میں قرآن سکھانے کی تعلیم و تربیت دیتے تھے۔

نبی پاک ﷺ کے فیضان علم سے تربیت یافتہ مفتی حضرات کا بیان

مختلف اسناد اور روایات کے جمع کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتویٰ اور فیصلہ دیا کرتے تھے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت ابو بکرؓ (۲) حضرت عمر فاروقؓ (۳) حضرت عثمان غنیؓ (۴) حضرت علی المرتضیٰؓ (۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۶) حضرت ابن مسعودؓ (۷) حضرت معاذ بن جبلؓ (۸) حضرت حذیفہؓ (۹) حضرت زید بن ثابتؓ (۱۰) حضرت ابو درداءؓ (۱۱) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (۱۲) حضرت سلمان فارسیؓ (۱۳) حضرت ابن عباسؓ (۱۴) حضرت انسؓ (۱۵) حضرت عائشہ صدیقہؓ (۱۶) حضرت ابی بن کعبؓ (۱۷) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۱۸) حضرت ابو ہریرہؓ (۱۹) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ (۲۰) حضرت جابرؓ (۲۱) حضرت زبیرؓ (۲۲) حضرت عمران بن حصینؓ (۲۳) حضرت عبادہ بن صامتؓ (۲۴) حضرت معاویہؓ (۲۵) حضرت ابن زبیرؓ (۲۶) حضرت ام سلمہؓ۔ یہ ایسی علمی ہستیاں ہیں جنہوں نے شب و روز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارے اور آپ کی تعلیم و تربیت سے فیضیاب ہو کر اس مقام ارفع پر فائز ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی دینی تعلیم و تربیت پر مقرر کر دیا۔" ۱۳۵ ؎

صحابہ مذاکرہ کرتے تھے عام نشستوں میں بھی احادیث بیان کی جاتی تھیں

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرنے کی فرمائش کی تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کے موجود ہوتے ہوئے میں حدیث بیان کروں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا یہ اللہ کی نعمت نہیں ہے کہ میں حاضر ہوں اور تم حدیث سناؤ تاکہ اگر کوئی غلطی ہو تو درست کر دوں اور سکھا دوں۔ ۱۳۶ ؎

مدینہ منورہ میں اصحاب صفہ کی پہلی اسلامی درسگاہ

تنگ دست مہاجرین

مسلمانوں کی مکہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت نے ایسی مشکلات پیدا کر دی تھیں جن کا تعلق ان لوگوں کی معیشت سے تھا، جنہوں نے اپنے گھر، مال واسباب مکہ میں اپنے دین کی خاطر اور مشرکین کی زیادتیوں سے بچنے کیلئے ترک کر دیئے تھے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ مہاجرین مدینہ منورہ میں اپنی آمد کے وقت کاروبار کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ اس لئے کہ مدینہ کی اقتصادی حالت میں زرعی طبیعت غالب تھی اور مہاجرین کا زرعی تجربہ نہ تھا جبکہ مکہ ایک تجارتی معاشرہ تھا اور یوں بھی ان کی مدینہ میں کوئی زرعی زمین نہ تھی اور ان کے پاس رأس المال بھی معدوم تھا جسے وہ مکہ چھوڑ آئے تھے اور انصار نے مہاجرین کی حسب الامکان خدمت تو کی لیکن پھر بھی کچھ مہاجرین ضرور تمندباقی تھے۔

مہاجرین کی مدینہ آمد تیزی سے جاری رہی خصوصاً غزوہ خندق سے کچھ دیر قبل تو سلسلہ بڑھ گیا تھا کیونکہ ان کی بڑی تعداد مدینہ میں آباد ہو چکی تھی اور بہت سے وفود بھی باہر سے آتے تھے اور بعض ایسے بھی تھے جن کی مدینہ میں کوئی جان پہچان نہ تھی تو ان اجنبیوں کے لئے کسی مستقل ٹھکانہ یا مستقل رہائش کی ضرورت تھی۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مقیم تنگ دستوں اور دیگر آنے والوں کے لئے کسی مستقل رہائش گاہ سے متعلق فکر دامن گیر ہوئی۔ ۱۳۷ے

صفہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے سولہ ماہ بعد جب بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی جانب قبلہ کی تحویل ہو چکی تو مسجد نبویؐ کے پچھلی طرف قبلہ اول کی جانب ایک دیوار باقی رہ گئی تھی۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس جگہ سایہ کر دیا گیا یا چھت ڈال دی گئی تھی اور اسی کو "صفہ" یا "ظلہ" ۱۳۸ے سے موسوم کر دیا گیا اور اس کے اردگرد کوئی پردہ نہ تھا۔ ۱۳۹ے

ابن جبیر نے اپنے سفر نامہ میں ذکر کیا ہے کہ صفہ قباء کے اخیر میں ایک گھر تھا جس میں اصحاب صفہ رہائش پذیر تھے۔ سمہودی نے اس کی تاویل کی ہے کہ جس نے اصحاب صفہ کا تذکرہ کیا ہے انہوں نے اس کے بعد اس گھر کو حاصل کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ مشہور ہو گیا۔ یعنی وہ جگہ جس کو ابن جبیر نے ذکر کیا ہے اسے اصحاب صفہ کی طرف منسوب کر دیا گیا نہ کہ انہیں اس کی طرف منسوب کیا گیا اس لئے کہ ان کی نسبت مدینہ میں مسجد نبوی کے صفہ کی جانب تھی۔

ہم صفہ کی وسعت کے متعلق تو نہیں جانتے لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت سے افراد کے لئے وسیع ہوتا تھا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک مرتبہ دعوت ولیمہ کے لئے استعمال کیا تھا۔ جس میں تین سو (۳۰۰) افراد

شریک ہوئے تھے' اگر چہ ان میں سے بعض لوگ امہات المومنین (رضی اللہ عنھن) میں سے کسی ایک کے کمرہ میں بیٹھے تھے جو کہ مسجد سے ملحق تھا۔۱۳۹؎

صفہ کے رہائشی

صفہ میں سب سے پہلے مہاجرین کی آمد ہوئی۔۱۴۰؎ اس لئے ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے (صفۃ المھاجرین ۱۴۱؎) کہا گیا اور اس میں ایسے غریب الدیار لوگ بھی آکر ٹھہر لیا کرتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ۱۴۲؎۔ یہاں آنے والے کی اگر کسی سے جان پہچان ہوتی تو وہ اس کے ہاں ٹھہر لیتا ورنہ اصحاب صفہ کے ساتھ ہی ٹھکانہ کر لیتا ۱۴۳؎۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں کے باسیوں اور باہر کے آنے والوں کے نگہبان ہوا کرتے تھے اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے کسی کو بلانا مقصود ہوتا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے ہی پیغام دے کر بلا بھجا کرتے کیونکہ وہ عبادت و جہاد میں ان کے مرتبہ و منزلت سے واقف تھے ۱۴۴؎۔ اور ادھر مہاجرین و اجنبیوں کے علاوہ کچھ انصار بھی صفہ کی زاہدانہ و فقیرانہ زندگی سے محبت کرتے ہوئے ان سے جا ملے تھے اگر چہ وہ رہائش و ثروت میں بڑے تونگر ہوتے۔ چنانچہ حضرت کعب بن مالک انصاری ۱۴۵؎' حنظلہ بن ابو عامر انصاری (غسیل الملائکۃ) اور حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنھم ایسے ہی حضرات میں شمار ہوتے تھے۔

اور چونکہ اہل الصفہ مختلف قبائل پر مشتمل تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام (اوفاض) رکھا تھا اور دوسری رائے کے مطابق اوفاض کے نام سے انہیں اس لئے موسوم کیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس "وفضہ" یعنی ترکش دان کی طرح کا چمڑے کا تھیلا جس میں وہ کھانا ڈال لیا کرتے تھے ہوا کرتا تھا' لیکن یہ رائے زیادہ بہتر ہے۔۱۴۶؎

اصحاب صفہ کی تعداد اور ان کے اسمائے گرامی

ان کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہی ہے۔ سو جب مدینہ منورہ میں باہر سے وفود کی آمد ہوتی تو انکی تعداد میں اضافہ ہو جاتا اور جب ان کی تعداد کم ہوتی تو ان کی تعداد میں بھی کمی واقع ہو جاتی۔ تاہم ان کی تعداد عام حالت سے ستر (۷۰) کے قریب رہا کرتی ۱۴۷؎ اور بعض اوقات ان کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا' چنانچہ حضرت سعد بن عبادہؓ ہی نے اسی (۸۰) افراد کی ضیافت فرمائی تھی۔ علاوہ ازیں اس سے جن بعض حضرات کو صحابہ کرام الگ الگ اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔۱۴۸؎

سمہودی نے کہا کہ ابو نعیم نے حلیہ میں انکی تفصیل ذکر کی ہے جو کہ سو سے متجاوز ہے۔۱۴۹؎

لیکن ابو نعیم نے ان کے نامون کی تعداد صرف پچپن (۵۵) شمار کی ہے' ان میں سے پانچ کو اصحاب صفہ سے شمار نہیں کیا اور ابو نعیم ہی وہ منفرد ہیں جنھوں نے ہم تک مشہور اصحاب صفہ کی فہرست پہنچائی ہے۔ جنہیں کسی ایسے گذشتہ حوالہ سے نقل کرتے ہیں جس کے نام کی تصریح نہیں کرتے۔ ممکن ہے ان کی مراد ابو عبد الرحمٰن السلمی (ت ۴۱۲ھ) کی

اہل صفہ کی متعلق تصنیف ہو۔[150]

ابو نعیم نے اصحاب صفہ کی جو فہرست ذکر کی ہے[151] وہ حسب ذیل ہے' اس کے علاوہ ان ناموں کا اضافہ بمعہ حوالہ جات کر دیا ہے جنہیں ابو نعیم نے ذکر نہیں کیا:

۱۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ جنھوں نے خود کو ان کی طرف منسوب کر لیا تھا۔[152]

۲۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جنھوں نے خود ان کی طرف منسوب کر لیا تھا۔[153]

۳۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ [154]

۴۔ حضرت قیس بن طھفہ غفاری رضی اللہ عنہ جنھوں نے خود کو ان کی طرف منسوب کر لیا تھا۔ [155]

۵۔ کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ [156]

۶۔ سعید بن عامر بن حذیم جمحی رضی اللہ عنہ

۷۔ سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ

۸۔ اسماء بن حارثہ بن سعید اسلمی رضی اللہ عنہ

۹۔ حنظلہ بن ابی عامر انصاری (غسیل الملائکۃ) رضی اللہ عنہ

۱۰۔ حازم بن حرملہ رضی اللہ عنہ

۱۱۔ حارثہ بن نعمان انصاری نجاری رضی اللہ عنہ

۱۲۔ حذیفہ بن اسید ابو سریحہ انصاری رضی اللہ عنہ

۱۳۔ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے ہیں انصار کے حلیف تھے انہیں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

۱۴۔ جاریہ بن جمیل بن شعبہ بن قرط رضی اللہ عنہ

۱۵۔ جعیل بن سراقہ ضمری رضی اللہ عنہ

۱۶۔ جرھد بن خویلد (اور کہا گیا ابن رزاخ) اسلمی رضی اللہ عنہ [157]

۱۷۔ رفاعہ ابو لبابہ انصاری اور کہا گیا ان کا نام بشیر بن عبد المنذر ہے جو کہ بنو عمرو بن عوف سے ہیں۔

۱۸۔ عبد اللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ

۱۹۔ دکین بن سعید المزنی اور کہا گیا خثعمی۔[158]

۲۰۔ خبیب بن یساف بن عنبہ رضی اللہ عنہ

۲۱۔ خریم بن اوس طائی رضی اللہ عنہ

۲۲۔ خریم بن فاتک اسری رضی اللہ عنہ

۲۳۔ خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ

۲۴۔ خباب بن ارث رضی اللہ عنہ

۲۵۔ حکم بن عمیر ثمالی رضی اللہ عنہ

۲۶۔ حرملہ بن آیاس رضی اللہ عنہ اور کہا گیا حرملہ بن عبد اللہ عنبری

۲۷۔ زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ

۲۸۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۲۹۔ الطفاوی الدرسی رضی اللہ عنہ

۳۰۔ طلحہ بن عمرو نضری رضی اللہ عنہ

۳۱۔ صفوان بن بیضاء فہری رضی اللہ عنہ

۳۲۔ صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ

۳۳۔ شداد بن اسید رضی اللہ عنہ

۳۴۔ شقران رضی اللہ عنہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام"

۳۵۔ سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ

۳۶۔ سلام بن عمیر اَوس کی شاخ بنو ثعلبہ بن عمرو بن عوف سے۔

۳۷۔ سالم بن عبید اشجعی رضی اللہ عنہ

۳۸۔ سفینہ رضی اللہ عنہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام"

۳۹۔ سالم حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام"

۴۰۔ ابو رزین رضی اللہ عنہ

۴۱۔ اَثمر بن مزنی رضی اللہ عنہ

۴۲۔ بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

۴۳۔ براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ

۴۴۔ ثوبان رضی اللہ عنہ "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام"

۴۵۔ ثابت بن ودیعہ انصاری رضی اللہ عنہ

۴۶۔ ثقیف بن عمرو بن عمرو بن شمیط اسدی رضی اللہ عنہ

۴۷۔ سعد بن مالک ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

۴۸۔ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ [۱۵۹]

۴۹۔ غرفہ اَزدی رضی اللہ عنہ [۱۶۰]

۵۰۔ عبدالرحمٰن بن قرط رضی اللہ عنہ [۱۶۱]

۵۱۔ عباد بن خالد غفاری رضی اللہ عنہ [۱۶۲]

ابو نعیم نے چند ایسی شخصیات کا ذکر کیا ہے جنہیں اصحاب صفہ میں شمار کیا گیا ہے لیکن انہوں نے اس کی نفی کی ہے جو کہ درج ذیل ہیں: [۱۶۳]

۱۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جس نے ان کو اصحاب صفہ کی جانب منسوب کیا ہے انہوں حضرت سعد کے اس قول پر اعتماد کیا ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوتی ہے:

''وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ''۔

ترجمہ:۔اور مت دور کیجئے ان لوگوں کو جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔

کہ یہ آیت مکی ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے اور یہ اصحاب صفہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔

۲۔ حبیب بن زید بن عاصم انصاری بخاری: جو کہ اصحاب ''عقبہ'' میں ہیں جو کہ غلطی سے ''صفہ'' ہو گیا۔

۳۔ ابوایوب انصاری: یہ اصحاب ''عقبہ'' میں سے ہیں اس میں بھی غلطی ہوگئی ہے۔ حجاج بن عمرو مازنی انصاری

۵۔ ثابت بن ضحاک انصاری

ان کی علم و عبادت اور جہاد میں مشغولیت

اصحاب صفہ علم میں مشغول رہتے اور عبادت کے لئے مسجد ہی میں رہنے کے ساتھ ساتھ فقیرانہ و زاہدانہ زندگی کو پسند کرتے۔ چنانچہ وہ خلوت میں نماز پڑھتے۔ قرآن کی تلاوت کرتے' اس کی آیات ایک دوسرے کو سناتے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں محو رہتے اور بعض ان میں سے لکھنا بھی سیکھتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک صاحب نے حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کو اپنی قوس دے دی تھی اس لئے کہ وہ ان کو قرآن کریم اور کتابت سکھاتے تھے [۱۶۴]۔ اور بعض ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حفظ حدیث اور علم سیکھنے میں مشہور تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کثرت روایت حدیث کے متعلق مشہور تھے اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ احادیث فتن کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

تاہم اصحاب صفہ کی علم و عبادت میں مشغولیت ان کو سماجی تعلقات اور جہاد میں مشارکت سے مانع نہ تھی بلکہ ان میں سے صفوان بن بیضاء' زید بن الخطاب' خریم بن فاتک اسدی' خبیب بن یساف' سالم بن عمیر اور حارثہ بن نعمان انصاری [۱۶۵] رضی اللہ عنہم جیسی شخصیات بدر میں جام شہادت نوش فرما گئی تھیں۔ اسی طرح حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ [۱۶۶] احد میں شہید ہوئے اور جرہد بن خویلد' ابو سریحہ غفاری [۱۶۷] رضی اللہ عنہما حدیبیہ میں شریک رہے۔ اسی طرح ثقف بن عمرو خیبر [۱۶۸] میں' عبداللہ ذوالبجادین تبوک [۱۶۹] میں اور سالم مولی ابوحذیفہ' زید بن الخطاب رضی اللہ عنہم یمامہ [۱۷۰] میں شہید ہوئے تھے۔ جی ہاں! یہ حضرات رات کو اگر گوشہ نشین ہوتے تو دن میں گھوڑے کی پشت پر سوار ہوتے۔

اصحاب صفہ کا لباس

اصحاب صفہ کے پاس اس قدر لباس نہ ہوتا تھا جو ان کو سردی سے بچائے یا ان کے مکمل پردے کا باعث ہو۔ بعض کے پاس صرف چادر ۱۷۱ تو در کنار بلکہ ایک مکمل کپڑا ۱۷۲ بھی نہ ہوتا تھا۔۱۷۳۔ سو وہ اپنے کندھوں پر تہہ بند یا چادریں ہی اوڑھ لیا کرتے یا صرف تہہ بند ۱۷۴ یا صرف چادر ہی سے گزر بسر کر لیتے' چنانچہ وہ کبھی ان کی نصف پنڈلی تک آیا کرتی اور کبھی گھٹنوں تک ہی پہنچتی اور مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "حوتکیہ 'پگڑی" ۱۷۵ پہنا کرتے تھے۔۱۷۶

اور "خصف" یعنی چادر سے مشابہ ہوتی ہے جو کہ ردی قسم کے موٹے سوت سے بنائی جاتی ہے۔ بعض اوقات تو اپنا لباس زیب تن کر کے شرم محسوس کرتے ہوئے سامنے نہیں آیا کرتے تھے کیونکہ وہ مکمل سائز ۱۷۸ نہیں ہوتا تھا۔ جبکہ ان کے لباس جلد ہی میلے بھی ہو جایا کرتے تھے اور صفہ کی چار دیواری کھلی ہوا کرتی تھی۔ جہاں ہوا و مٹی آیا کرتی تا آنکہ پسینہ ان کی جلد پر گرد و غبار کی ایک تہہ چڑھا دیا کرتا تھا۔۱۷۹

ان کی خوراک

اصحاب صفہ کی زیادہ تر خوراک کھجور ہوا کرتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو ایک مد (۶۰۰ گرام تقریباً) روزانہ عطا کیا کرتے تھے۔ بلکہ انہوں نے شکایت کی کہ کھجوریں ان کے پیٹوں میں جلن پیدا کر دی ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے اس سے بہتر کھانا فراہم کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوئے انہیں صبر کی تلقین کرتے اور ہمدردی فرماتے۔۱۸۰ چنانچہ بسا اوقات ان کو گھر میں کھانے پر بلا لیا کرتے تھے لیکن ان کو عمدہ کھانا دینے پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ اس لئے کہ وہ تو اپنی ذات اور اپنے اہل خانہ پر وسعتِ طعام کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ سو بعض اوقات ان کو دودھ پلایا کرتے اور کبھی جشیشہ (گوندھا ہوا آٹا و گوشت یا پکی ہوئی کھجور) کبھی حیسہ (کھجور' آٹا اور گھی کا مرکب) اور کبھی بھنے ہوئے جو کھلایا کرتے اور بعض اوقات ثرید عطا فرماتے۔۱۸۱ اور کبھی کبھار ان سے عمدہ کھانا نہ ہونے کی بنا پر معذرت ہی کر لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے جو سے تیار کردہ ایک تھال انہیں بھیجا اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے آل محمد نے جس کھانے سے شام گزاری ہے تمہارے نزدیک وہ بے وقعت ہے۔۱۸۲

اس میں شک نہیں کہ وہ عمدہ کھانا بھی تناول کر لیا کرتے تھے ۱۸۳۔ جب صاحب ثروت صحابہ کرام میں سے کوئی انہیں اپنے گھروں میں مدعو کر لیا کرتے اور ایسا بیشتر ہوتا رہتا تھا' اس کے باوجود کبھی ان کو اتنی خوراک بھی میسر نہ ہوتی جس سے زندگی بچائی جا سکے۔ جس کے باعث وہ نمازوں میں بھوک کے سبب کھڑے کھڑے گر جایا کرتے اور گنوار لوگ انہیں دیوانہ تصور کرتے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے مابین گر جایا کرتے۔۱۸۴

لیکن اس کے باوجود وہ کھانے پر حریص و جھپٹنے والے نہ ہوا کرتے بلکہ آپس میں آداب واخوت کے حقوق ہی غالب

رہتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: جب کبھی وہ کھجوریں کھانے کے لئے اکٹھے ہوتے اور یہ ان میں سے کوئی دو کھجوریں اکٹھی کھالیتا تو اپنے دوسرے ساتھیوں سے بھی کہہ دیتا (کہ میں نے جڑواں کھجوریں اکٹھی کھالی ہیں تم بھی ایسا کرو) مبادا یہ کہ وہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ کھالے۔۱۸۵

وہ معمولی خوراک اور کھردرے لباس پر ہی قناعت کرنے والے تھے اور اپنے نفوس کو علم وعبادت اور محنت کی خاطر سستی سے دور رکھتے تھے جس لئے یہ حضرات حیات زاہدانہ اور رفعت میں ضرب المثال ہو گئے تھے۔

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا اہل صفہ کی خبر گیری کرنا

نبی اکرم ﷺ بذات خود اصحاب صفہ کی دیکھ بھال فرمایا کرتے تھے ان سے ملاقات فرماتے' ان کے حالات دریافت کرتے اور ان میں سے مریضوں کی عیادت کرتے تھے۔۱۸۶

چنانچہ ان سے مجلس فرماتے تو ان کی راہنمائی کرتے' ان کو وعظ وارشاد کرتے' واقعات سناتے اور انہیں قرات قرآن' تعلیم قرآن' ذکر الٰہی' آخرت پر نظر کی تلقین فرماتے۔ انہیں دنیا اس کے اسباب وفوائد سے بے رغبتی پر ابھارتے۔۱۸۷۔ نیز جب آپ کے پاس صدقہ آتا تو انہیں بھیج دیا کرتے اور اس میں سے خود کچھ نہ کھاتے اور جب کبھی کوئی ہدیہ آتا تو خود بھی کھالیتے اور ان میں بھی شرکت فرمایا کرتے تھے ۱۸۸۔ اور بیشتر مرتبہ انہیں ازواج مطہرات کے حجرات شریفہ میں کھانے پر مدعو فرمالیا کرتے تھے ۱۸۹ اور ان سے کبھی بھی بے خبر نہ رہتے تھے۔ بلکہ ان کی حالت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے تھے۔

آپؐ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جب حضرت حسنؓ کی ولادت ہوئی تو ان سے فرمایا کہ بچے کے بالوں کے برابر چاندی تول کر ان کو بطور صدقہ دے دو ۱۹۰۔ نیز جب آپ کے پاس ایک مرتبہ غلام آئے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ایک خادم انہیں بھی عنایت فرمادیں کیونکہ وہ کام کاج سے تھک جاتی ہیں تو آپؐ نے فرمایا: ''میں تمہیں خادم دے دوں اور اصحاب صفہ کو بھوکا چھوڑ دوں'' اور انہیں وضاحت بھی فرمادی کہ ان غلاموں کو بیچ کر ان کی قیمت اصحاب صفہ پر خرچ کر دوں گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ نے آپ سے مال بھی طلب کیا ہوگا اور آپ حضرت علیؓ کے پاس گئے تو دیکھا کہ ان کا بستر چھوٹا ہے جو انہیں اوڑھنے کے لئے ناکافی ہے تو انہیں چند دعائیہ کلمات سکھادیئے اور ان (اصحاب صفہ) کو ان پر ترجیح دی تھی اور فرمایا: ''میں تمہیں کیسے دے دوں جبکہ صفہ والے بھوک سے لوٹ پوٹ ہو رہے ہیں'' ۱۹۱ اور آپ صحابہ کرام کو اصحاب صفہ پر خرچ کرنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔۱۹۲ سو وہ ان کے ساتھ حتی المقدور صلہ رحمی کیا کرتے ۱۹۳۔ چنانچہ اصحاب ثروت انہیں کھانا بھیج دیا کرتے' ۱۹۴ اور آپؐ انہیں عشاء کے بعد ان میں تقسیم فرمادیا کرتے تاکہ وہ شام کا کھانا کھاسکیں اور فرماتے ''جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہے تو وہ تیسرے کو ساتھ لے جائے اور اگر چار کا ہو تو پانچویں اور چھٹے کو ساتھ کرلے ۱۹۵۔ سو صحابہ انہیں لے جاتے جو باقی رہتے انہیں خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے جاتے اور شام کا کھانا اپنے ساتھ کھلاتے۔۱۹۶

معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ابتدائے ہجرت کا ہے جب اللہ تعالیٰ نے خوشحالی عطا کر دی تو پھر انہیں صحابہؓ کے گھروں تک بھیجنے کی نوبت نہیں آیا کرتی تھی۔۱۹۷

اور انصار کے ستر (۷۰) اصحاب صفہ کی حالت تو بہت ارفع تھی جنہیں قراء کرام کہا جاتا تھا۔ جو کہ بئر معونہ کے روز شہید کر دیئے تھے۔ سو وہ قرآن پڑھا کرتے تھے رات کو وہ باہم پڑھتے اور ایک دوسرے کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ جو دن کے وقت پانی لا کر مسجد میں رکھا کرتے تھے' لکڑیاں جمع کر کے بیچا کرتے تھے اور اس سے اصحاب صفہ کے لئے غلہ خریدا کرتے تھے ۱۹۸ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے انصاری صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے دی کہ جب کھجوروں کے پکنے کا موسم ہو تو ہر شخص اپنے باغ سے کھجوروں کا ایک گچھہ توڑ کر اصحاب صفہ اور تنگ دستوں کے لئے لے آئے ۱۹۹۔ تو آپ نے اس پر موافقت فرمائی۔ سو مسجد کے دو ستونوں کے مابین ایک رسی باندھ دی گئی تھی جس کے ساتھ لوگ گچھے لٹکا جاتے چنانچہ نتیجتاً بیس بیس (۲۰۔ ۲۰) گچھے یا اس سے زیادہ جمع ہو جایا کرتے تھے۔

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان گچھوں کی نگہداشت فرمایا کرتے تھے۔ نیز ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باغات سے گچھوں کے صدقہ کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے باغات سے آفت کو دور کر دے چنانچہ صحابہ کرام اسی حکم پر عمل پیرا ہوئے تھے۔۲۰۰

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص جس نے ردی قسم کی کھجوریں لٹکائی تھیں اس کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ جو صدقہ کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ عمدہ مال دے۔۲۰۱

اور سمہودی نے یہ عندہ ظاہر کیا ہے کہ مسجد نبوی میں گچھوں کے لٹکانے کا سلسلہ کم از کم دوسری صدی ہجری تک جاری رہا۔ ۲۰۲

وہ آیات کریمہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اصحاب صفہ کے متعلق نازل ہوئیں

۱۔ فرمان باری تعالیٰ

ولو بسط الله الرزق لعباده لبغوا فى الارض ولكن ينزل بقدر ما يشاء انه بعباده خبير بصير۔ ۲۰۳

اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے وہ اپنے بندوں سے پورا خبردار' دیکھنے والا ہے۔

طبری اور ابو نعیم نے اپنے سلسلہ اسناد سے ذکر کیا ہے جو کہ عمرو بن حریث وغیرہ تک پہنچتی ہے کہ: مذکورہ بالا آیت اصحاب صفہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے' لیکن یہ آیت مکی ہے چنانچہ یہ ان کے متعلق درست نہ ہوئی۔۲۰۴

۲۔ فرمان باری تعالیٰ

ترجمہ :- صدقات کے مستحق صرف وہ غرباء ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے' نادان

لوگ ان کو بے سوالی کی وجہ سے انہیں مالدار خیال کرتے تھے' آپ ان کے چہرے دیکھ کر قیافہ سے انہیں پہچان لیں گے وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے' تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے۔ ۲۰۵

ابن سعد نے سنداً ابن کعب القرظی سے ذکر کیا ہے اور کہا: وہ اصحاب صفہ ہیں ۲۰۶ طبری نے اپنی اسانید سے مجاہد و سدی سے نقل کیا ہے کہ یہ ''تنگدست مہاجرین کے بارے میں ہے۔'' ۲۰۷

۳۔ فرمان باری تعالیٰ

ترجمہ :- اور ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں' خاص اسی کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں ۔۔۔۔۔ ۲۰۸

ابن کثیر نے کہا کہ یہ مکی سورت ہے اس کا نزول اصحاب صفہ کے متعلق ناممکن ہے اور طبری کی بعض روایات بھی اس کا عندیہ ظاہر کرتی ہیں۔ ۲۱۰

۴۔ فرمان الٰہی ہے

ترجمہ :- اور اپنے آپ کو انہیں کے ساتھ رکھا کرو جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اسی کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں ۔۔۔۔ ۲۱۱

یہ مکی سورت ہے اس کا نزول اصحاب صفہ کے لئے ناممکن ہے۔

۵۔ فرمان ربانی ہے

ترجمہ :- ہاں! ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انہیں سواری مہیا کر دیں تو آپ جواب دیتے ہیں کہ میں تو تمہاری سواری کے لئے کچھ بھی نہیں پاتا تو وہ رنج و غم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں ۔۔۔۔ ۲۱۲

ابو نعیم نے کہا کہ یہ اصحاب صفہ سے متعلق ہے ۲۱۳۔ لیکن ابن کثیر اور طبری کی تمام تر روایات اس کو ظاہر نہیں کرتی ہیں اور ان میں سے زیادہ تر یہ واضح کرتی ہیں کہ یہ آیت بنو مزینہ کے ساتھ رونے والوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ۲۱۴

اصحاب صفہ کے مورخین

متقدمین میں سے اصحاب صفہ کے متعلق محمد بن سعد (ت ۲۳۰ھ) نے باب قائم کیا ہے اور اس میں تمام تر مذکور واقدی سے مأخوذ ہے باوجود اس کے میں نے ان نصوص کو واقدی کی کتاب (مطبوعہ مارسدن) میں نہیں پایا' شائد ان کی دوسری کتاب (الطبقات) سے ماخوذ ہو لیکن وہ نایاب ہے ۲۱۵ اور ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں ان سے کثرت سے نقل کیا ہے۔ ۲۱۶

تاہم اپنے علم کے مطابق متقدمین میں سے اصحاب صفہ کے متعلق ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین السلمی نیشاپوری (ت ۴۱۲ھ) ہیں جنہوں نے اپنی کتاب (تاریخ اہل الصفۃ) ۲۱۷ میں ایک مستقل جز قائم کیا ہے' وہ بھی نایاب ہے اور ممکن ہے ابو نعیم نے اصحاب صفہ کے متعلق جو مستقل فصل قائم کی ہے وہ اپنی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' سے ہی لی ہو اگرچہ اس کے نام کی تصریح نہیں کی

ہے' لیکن ایک دوسری جگہ اپنی اس کتاب کی وضاحت کی ہے۔[218]

اور انہوں نے بیان کیا ہے کہ وہ معجم کے حروف کے مطابق مرتب ہے اور اس میں ایک جماعت ''اہل قبلہ'' کے نام سے مشہور ہے انہیں ''اصحاب صفہ'' کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے جو کہ ناقلین کی غلطی ہے۔[219]

اور متأخرین میں سے تقی الدین السبکی (ت۔۷۵۶ھ) نے ان کے متعلق کتاب تالیف کی ہے جس کا نام (**التحفة في الكلام على اهل الصفة**) ہے۔[220] جیسا کہ کھودی نے اصحاب صفہ کے بارے میں ایک مقالہ تالیف کیا ہے جس میں کتب حدیث' تاریخ' جغرافیہ اور معاجم اللغہ میں سے مختلف روایات جمع کی ہیں۔۔

اللہ تعالیٰ ان روزے دار' مجاہدین و زاہدین اصحاب صفہ پر رحم فرمائے۔ اللہ کریم نے سچ فرمایا ہے:

ترجمہ:۔ نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے مالدار خیال کرتے ہیں آپ ان کے چہرے دیکھ کر قیافہ سے انہیں پہچان لیں گے وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔[221]

کہاں یہ نمونہ۔۔۔ اور کہاں جاہل معاشرہ کے محتاج و ذلیل فقراء جو ایسے ایسے گروہ تشکیل دیتے ہیں جو کہ چوری' قتل جیسے گھناؤنے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں جو کہ حقیقی احساس امن اور مستقل مزاج معاشرہ کا جز نہیں بن سکتے۔ خبردار! تربیت محمدیؐ اور تربیت جاہل کا فرق ہے۔۔۔۔ اور نظام الٰہی اور نظام بشری کا فرق واضح ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت انقلاب

تعلیم و تربیت اور تنظیم افراد

اسلامی انقلاب کے متعین مقاصد ہوتے ہیں یہ انقلاب بعض انقلاب پسند افراد کی اغراض کا آلہ کار اور ان کی ذہنی اختراع کا نتیجہ نہیں ہوتا جو خلق خدا اور ان کے وسائل کو داؤ پر لگا کر اپنی بڑائی کا سکہ چلانا چاہتے ہیں بلکہ یہ انقلاب اپنے پیش نظر کچھ مقاصد رکھتا ہے یہ مقاصد نا قابل تغیر ہیں یہ مقاصد بدل جائیں تو ان کی تبدیلی سے انقلاب کا رخ ہی بدل جاتا ہے وہ مقاصد یہ ہیں:

۱۔ انسانی زندگی کے ہر شعبے اور گوشے میں بندگی رب کا آزادانہ اہتمام اور اللہ کا حق سب پر فائق۔

۲۔ نظام حق کا نفاذ۔

۳۔ خدا کے باغیوں کا زور توڑنا۔

۴۔ اخلاقی اور جسمانی پاکیزگی اور طہارت نفس کا اہتمام۔

یہ انقلاب بلاشبہ فکر و عمل کا ایک زوردار دھارا ہوتا ہے جس کے اندر طاقتور عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا

طریقہ تبلیغ واصلاح، انسانی ضمیر کی آزادی اور حسن خلق پر مبنی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ [۲۲۱]

اسلامی انقلاب کی تبلیغ کی حقیقی بنیاد قول صالح سے زیادہ عمل صالح پر قائم ہے صحابہ کرام نے اس کا عملی نمونہ اپنے کردار سے پیش کیا اور اسلام عرب کی سرزمین سے نکل کر باہر کی دنیا میں پھیلا تو لوگ مسلمانوں کے کردار کا جمال ورعنائی دیکھ کر اسلام کی حقانیت کے معترف ہوتے چلے گئے۔ پہلے وہ مسلمانوں کو دیکھ کر ان کے عمل واخلاق سے مرعوب ہوتے پھر اسلام سے متاثر ہو کر بالآخر اسلام ہی کو اس اخلاق کا حقیقی سبب سمجھتے اور اسے محبوب ومطلوب جان کر اس کے معتقد ہو جاتے۔ [۲۲۱]

تبلیغ اور جہاد کی حقیقت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ [۲۲۱]

ترجمہ:۔ فتنہ پردازی قتل سے بھی سخت ترین ہے۔

اسلام میں جہاد کی حقیقت مذکورہ بالا معجزانہ جملے میں ادا کر دی گئی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مفسد اور فتنہ پرداز جماعت کے مقابلہ میں مذہب اور دین حق کی حفاظت از بس ضروری اور مقتضائے عقل کے مطابق ہے اور جہاد کی مشروعیت اسی حمایت کا حق ادا کرتی ہے۔ تبلیغ واشاعت مذہب کا نہ اس سے کوئی سروکار ہے، اور نہ تاریخ اسلام میں اس کی کوئی نظیر، اشاعت اسلام کا سب سے بڑا حربہ وہ ہے جس کی تعلیم خود قرآن کریم نے اس طرح دی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔

ترجمہ:۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو اپنے رب کے راستے کی طرف بلایئے ساتھ حکمت اور اچھے طریقے کے ساتھ اور ان سے مجادلہ کیجئے بطریق احسن۔

ایک صاحب عقل ودماغ کے نزدیک حمایت حق وحفاظت دین کیلئے کسی مفسد کے مقابلے میں تلوار اٹھانا نہ صرف درست بلکہ فتوائے عقل کے مطابق ضروری ہے۔ [۲۲۱]

فریضہ تبلیغ

اسلام کی تاریخ میں فریضہ تبلیغ ایسی چیز نہیں کہ اس کا خیال بعد کے زمانے میں پیدا ہوا ہو۔ یہ وہ فرض ہے جو مسلمانوں پر ابتدا ہی سے عائد کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہے جن کو ان کے اوقات

نزول کے اعتبار سے یہاں ترتیب دیا گیا ہے:

اُدعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ ۲۲۲؎

ترجمہ:۔ یعنی اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان کے ساتھ ایسے طریق پر مباحثہ کرو، جو بہت اچھا ہو۔

وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْ م بَعْدِھِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِنْہُ، مُرِیْبٍ O فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآئَھُمْ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتَابٍ وَّ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ۔ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا وَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ۔ ۲۲۳؎

ترجمہ:۔ یعنی جن لوگوں نے انبیاء کے بعد ورثے میں کتاب پائی ہے وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں اس لئے ان کو بلائیے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہیے۔ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور کہہ دیجئے کہ میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر جو خدا نے اتاری ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں اللہ ہمارا پروردگار ہے ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے عمل۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے اللہ ہمیں اکٹھا کرے گا اور ہمیں اسی کے پاس لوٹنا ہے۔

ایسے ہی احکام ان مدنی سورتوں میں پائے جاتے ہیں جو ایسے زمانے میں نازل ہوئیں جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان ایک بڑی فوج تھی اور ان کی قوت اپنے اوج کمال پر تھی:

قُلْ لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَ اَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلَاغُ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ، بِالْعِبَادِ۔ ۲۲۴؎

ترجمہ:۔ یعنی وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے اور (عرب کے وہ لوگ) جو ان پڑھ ہیں ان سے پوچھئے کہ تم خدا کے سامنے جھکتے ہو؟ اگر انہوں نے بات مان لی اور وہ بے شک ہدایت پر ہیں اور اگر انہوں نے نہ مانی تو تیرا کام محض پیغام پہنچانا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب پہچانتا ہے۔

کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ، یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ ۲۲۵؎

ترجمہ:۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں۔ جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے منع کریں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تبلیغ میں جبر واکراہ کی ممانعت

اسلام ابتدا ہی سے نظریہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے ایک تبلیغی مذہب رہا ہے۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس امر کی روشن مثال ہے اور آپ خود مبلغین اسلام اس طویل سلسلے کے سرخیل ہیں۔ جنہوں نے کفار کے دلوں میں اپنے دین کیلئے راہ پیدا کر لی ہے۔ اگر اسلام کے تبلیغی جوش کا ثبوت تلاش کرنا ہو تو اسے کسی جابر شخص کی ایذا رسانی یا متعصب آدمی کے غیظ و غضب میں ڈھونڈنا عبث ہے اسی طرح مسلم مجاہد کی وہ خیالی تصویر بھی حقیقت سے بہت دور ہے جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن دکھایا گیا ہے۔ اسلام کی صحیح روح کا مظہر وہ مسلمان مبلغ اور تاجر ہیں جنہوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے دین کو روئے زمین کے ہر خطے پر پہنچایا ہے۔ تبلیغ دین کے یہ پرامن طریقے صرف اس زمانے میں اختیار نہیں کئے گئے جبکہ سیاسی حالات نے جبر واکراہ کے استعمال کو ناممکن یا خلاف مصلحت بنا دیا تھا بلکہ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ایسے پرامن طریقوں کی سخت تاکید آئی ہے۔[۲۲۶]

پرامن تبلیغ کی تاکید

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا وَ ذَرْنِىْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِى النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۔[۲۲۷]

یعنی صبر کر اس بات پر جو وہ کہتے ہیں اور ان سے اچھے طریق پر الگ تھلگ ہو جا۔

قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا o قُلْ اِنِّىْ لَنْ يُّجِيْرَنِىْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا o اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ۔[۲۲۸]

ترجمہ:- کہہ دیجئے تحقیق میں تمہارے لئے ضرر اور بھلائی کا اختیار نہیں رکھتا۔ کہہ دیجئے تحقیق مجھ کو خدا سے کوئی ہرگز پناہ نہ دیگا اور میں ہرگز سوائے اس کے پناہ کی جگہ نہ پاؤں گا مگر اللہ کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغام لانا۔

''اسلامی فتوحات کی یہ غلط توجیہ و تاویل اس مفروضے پر مبنی ہے کہ وہ جنگیں جو در اصل کفار کے ملکوں میں اسلامی حکومت و سطوت قائم کرنے کے لئے لڑی گئی تھیں ان سے غیر مسلموں کا تبدیل مذہب مقصود تھا۔ گولڈ سیئر (Gold Ziher) نے سلطنت اسلام کی توسیع اور مذہب اسلام کی تبلیغ کے درمیان بہت خوبی سے تمیز کر دی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیار عرب میں کفار کے ساتھ جو محاربہ کیا اور اپنے پیروؤں کو بھی اس کی وصیت کی اس میں انہوں نے کفار کو مسلمان بنانے پر اتنا زور نہیں دیا جتنا اس بات پر کہ ان کو اپنے دائرہ حکومت میں داخل کیا جائے جو بالفاظ دیگر حکومت الٰہیہ تھی۔ لہٰذا صدر اسلام کی اسلامی فتوحات کے دوران بھی مسلمان مجاہدین کا مقصد اولین یہ نہیں تھا کہ غیر مذاہب کے لوگوں کو مسلمان بنایا جائے بلکہ ان کی غرض و غایت یہ تھی کہ ان کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا جائے۔[۲۲۹]

ان صحابہؓ کا ذکر جن کو دعوت اسلام دے کر بھیجا گیا

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ صحابہ کو مختلف بادشاہوں کی طرف دعوت اسلام کیلئے ایک ہی دن بھیجا:

۱۔ حضرت دحیہ بن خلیف کلبی رضی اللہ عنہ کو حاکم بصرہ کی طرف بھیجا۔ ان کے ساتھ تین صحابہ اور بھی تھے جو ہر کل اور قیصر کے پاس دعوت اسلام لے کر گئے تھے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کی طرف بھیجا جو فارس کا بادشاہ تھا۔

۳۔ حضرت عمرو بن ابو امیہ رضی اللہ عنہ کو نجاشی شاہ حبشہ کی طرف بھیجا۔

۴۔ حضرت حاطب بن ابو بلتعہ رضی اللہ عنہ کو مقوقش شاہ اسکندریہ کی طرف بھیجا۔

۵۔ حضرت سلط بن عمرو اور عامر بن لوی رضی اللہ عنہما کو ثمامہ بن اثال کی طرف بھیجا۔

۶۔ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو شاہ بحرین منذر بن ساوی کی طرف بھیجا۔

۷۔ حضرت شجاع بن وھب اسدی رضی اللہ عنہ کو حارث بن ابی شمر الغسانی کی طرف بھیجا۔

۸۔ حضرت مہاجر بن ابو امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو شاہ یمن حارث کی طرف بھیجا۔

۹۔ حضرت جراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں بھیجا اور اپنے اونٹ پر سوار کروایا اور حکم فرمایا کہ وہ جا کر مکہ کے شرفاء سے ملیں اور انہوں نے اس اونٹ کے کونچے کاٹ دیئے اور ان کے قتل کا ارادہ کیا پھر کئی واقعات کی وجہ سے قتل سے رک گئے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اشارہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا پس اس سے نجات پائی۔ ۲۳۰

طالب الہاشمی ''وفود عرب بارگاہ نبویؐ میں'' وفود کی اہمیت و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

عہد رسالت میں عرب کے مختلف قبائل کے وفود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری اور آپ کا ان کے ساتھ حسن سلوک سیرت طیبہ کا ایک اہم باب ہے۔ وفد (الوفد) وافد کی جمع ہے اور وفود اس کی جمع الجمع ہے۔ اردو زبان میں ''وفد'' صیغہ واحد میں استعمال ہوتا ہے۔

وفد کے لغوی معنی ہیں ''مشترکہ مقصد کے لئے بھیجے جانے والے لوگوں کی جماعت ڈیپوٹیشن (Deputation) یا سفارت یا وہ لوگ جو اکٹھے کسی شہر میں جائیں یا ایسے لوگ جو کسی مشترکہ غرض کیلئے کسی حاکم یا سربراہ مملکت کے پاس جائیں۔

ارباب سیَر نے اصطلاحی طور پر خاص موقعوں پر کسی خاص مقصد کیلئے فرد واحد کی بارگاہ رسالت میں حاضری کو بھی وفد کا عنوان دیا ہے۔

عہد رسالت میں عرب کے کونے کونے سے مختلف قبائل اور علاقوں کے وفود بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ کچھ اسلام قبول کرنے کیلئے' کچھ دعوت اسلام قبول کرنے کے بعد احکام دین سیکھنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و بیعت سے مشرف ہونے کے لئے اور کچھ صلح وامن کے معاہدے کرنے کے لئے' کچھ وفود ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مکے میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ہجرت کے بعد وفود کی آمد کا سلسلہ ۵ھ میں شروع ہوا اور آپ کی وفات سے باختلاف روایت چار ماہ یا چالیس دن قبل تک دن رات جاری رہا۔ ۹ھ میں تو اس کثرت سے وفود آئے کہ اس سال کا نام "عام الوفود" پڑ گیا۔

اگرچہ ارباب سیر نے فتح مکہ ۸ھ کے بعد آنے والے وفود کو زیادہ اہمیت دی ہے لیکن راقم الحروف کے خیال میں ہجرت نبویؐ کے بعد آنے والے وفود کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہے۔ بالخصوص ۱۳ بعد بعثت میں یثرب (مدینہ منورہ) سے آنے والے وفد انصار کی اہمیت عہد رسالت کے تمام وفود سے زیادہ ہے۔ اس وفد میں شامل نفوس قدسی نے نہایت نامساعد حالات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دی اور اس بات کی مطلق پروانہ کی کہ مکہ کے در یتیم ﷺ کی حمایت ونصرت کا مطلب سارے عرب کو دعوت جنگ دینا ہے۔ انہوں نے لیلۃ العقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو پیمان وفا باندھا' اسے اپنی جانوں' مال اور آل اولاد کے ساتھ نبھایا اور اپنی بے مثال قربانیوں سے تاریخ کا رخ موڑ کر رکھ دیا۔

تبلیغی نظام میں وفود کا کردار واہمیت

اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی کو فرزندان توحید کے لئے ایک بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔[۲۳۱]

ترجمہ:۔ درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

بشیر احمد صدیقی' علامہ' ڈاکٹر "وفود عرب بارگاہ نبوی ﷺ میں" میں تبلیغی نظام میں وفود کا کردار واہمیت کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شمع اسلام کی نورانی شعاعوں کو اطراف واکناف عالم میں پھیلانے کیلئے تلاوت آیات' تزکیہ نفوس' تعلیم کتاب وحکمت کے سنہری طریق کار کو اپنایا۔ چونکہ حضورؐ کی پوری حیات طیبہ ہمارے لئے دائمی نمونہ عمل ہے۔ اس لئے آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ مسلمانوں کیلئے ایک ناگزیر ضرورت ہے دوسرے لفظوں میں سیرت

طیبہ کا مطالعہ مسلمانوں کی حیات روحانی کیلئے روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔[۴۳۲]

تاریخ اس امر پر شاہد عادل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جب اسلامی ریاست کی تاسیس وتشکیل فرمائی تو اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم سے حضور کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں آپ کی حیات مبارکہ میں صرف دس برس کے قلیل عرصے میں سلطنت اسلامی کا رقبہ دس لاکھ مربع میل اور ایک رائے کے مطابق بارہ لاکھ مربع میل تک وسیع ہو گیا (جو ہماری مملکت خداداد پاکستان سے تین گنا سے بھی زیادہ تھا) اتنی تھوڑی سی مدت میں اتنی عظیم کامیابی کا راز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تبلیغی نظام تھا جو رب کائنات نے آپ کو سمجھایا تھا۔

اس وسیع تبلیغی نظام میں وفود کا کردار بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے اپنے قبائل میں تبلیغ کا فریضہ بڑی سرگرمی سے انجام دیا۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ وفود کا تذکرہ سیرت طیبہ کا ایک اہم باب ہے۔

عام طور پر تاثر یہ ہے کہ یہ وفود جوق در جوق حضور کی بارگاہ میں نعمت اسلام سے مشرف ہونے کے لئے آئے لیکن اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ ان وفود کی آمد کے مقاصد مختلف تھے۔

بعض لوگ تلاش حق میں نکلے اور جستجو کرتے ہوئے بارگاہ رسالتمآبؐ میں آپہنچے۔ (جیسے کہ وفد عمروؓ بن عبسہ)

۱۔ بعض وفود تفقہ فی الدین کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (مثلاً وفد اشعریین) ان کے بارے میں بڑا دلچسپ واقعہ بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کائنات کے آغاز کے بارے میں دریافت کیا اور ''لسان رسالتؐ سے تکوین عالم کی تشریح سن کر اہل وفد اتنے خوش ہوئے کہ ان کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔[۴۳۳]

۲۔ بنوتمیم کا وفد مفاخرت کیلئے آیا۔ اس وفد میں شعلہ بیان خطیب اور بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ سورۃ الحجرات میں ان لوگوں کے اکھڑ پن کا ذکر ہے اور مفسرین نے اسے بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے یہ لوگ اگرچہ ان کا رویہ بڑا ناروا تھا لیکن ایک طرف تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور آپؐ کی شان عفو وکرم سے بے حد متاثر ہوئے تو دوسری طرف آپؐ کے خطیب ثابت بن قیس انصاری اور بارگاہ رسالت کے شاعر حضرت حسانؓ نے ان سے اپنی عظمت اور اسلام کی عظمت کا لوہا منوایا حتی کہ وفد کے ایک رئیس اقرع بن حابس کو بایں الفاظ اعتراف کرنا پڑا کہ ''محمدؐ کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر ہے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے افضل ہے' ان کا کلام ہمارے کلام سے زیادہ فصیح اور ان کی زبان ہماری زبان سے زیادہ شیریں ہے۔''[۴۳۴]

۳۔ کسی وفد نے خوابوں کی تعبیر پوچھی آپؐ نے نہ صرف انتہائی تشفی بخش طریق سے ان کی تعبیر بیان فرمائی بلکہ سائل کے بعض مخفی جسمانی معائب کی نشاندہی بھی فرما دی جسے سن کر وہ حیران وششدر رہ گیا۔

بعض وفود معاہدہ' صلح وامن کیلئے حاضر ہوئے اور واضح طور پر یہ کہا کہ وہ اسلام قبول کرنے نہیں آئے لیکن حضور کے حسن اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ''دولت اسلام سے بہرہ یاب ہو کر اپنے گھروں کو لوٹے۔''

۴۔ بعض لوگ کسی وفد میں شامل ہو کر حضور کو اچانک شہید کرنے کا ناپاک عزم لے کر آئے۔ لیکن جس کی حفاظت رب کائنات فرما رہا ہو اسے کون ضرر پہنچا سکتا ہے۔ یہ لوگ عبرتناک انجام کو پہنچے جبکہ وفد کے باقی لوگ مشرف باسلام ہو گئے۔ (دیکھئے وفد بنی عامر بن صعصعہ) ۲۳۵۔

ان وفود کے حالات کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے حسن اخلاق سے انہیں متاثر کرنے کے علاوہ بعض سے علمی گفتگو فرمائی بعض کے برے ناموں کو اچھے ناموں کے ساتھ بدلا۔ بعض کی مشکلات کے ازالے کیلئے دعا فرمائی، بعض کے خوابوں کی تعبیر بتائی، بعض دین عیسوی کے پیروکاروں سے احسن طریقے سے مناظرہ فرما کر انہیں اسلام کی عظمت کا قائل فرمایا۔ (مثلاً وفد عدی بن حاتم)

بعض وفود کے حالات میں قرآنی آیات کا شان نزول بیان ہوا ہے تو بعض کے حالات میں آپؐ کے کچھ عظیم الشان معجزات کا ذکر ہے۔ ۲۳۶۔

المختصر وفود آتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کی مختلف النوع نعمتوں سے مالا مال ہو کر واپس لوٹتے۔ کوئی نقد انعام پاتا تو کوئی پند و نصائح سے سرفراز ہو کر لوٹتا۔ کوئی بیش بہا علمی زریں معلومات سے بہرہ یاب ہوتا تو کوئی حضورؐ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر ہمیشہ کیلئے گرویدہ بن جاتا۔ وفود کے بارے میں یہ بات کاشانہ ذہن میں محفوظ رہے کہ یہ تاریخی واقعات کا خشک بیان نہیں بلکہ اس میں حکمت و بصیرت کے وہ سچے اور تابدار موتی بھی ہیں جو حیات انسانی میں رہنما زریں اصولوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔" ۲۳۷۔

سفیران وفود کی تعلیم و تربیت

حافظ محمد یونس، ڈاکٹر "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفارتی نظام" میں تشریح و توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"یہ وفود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دین سیکھتے، دینی معلومات اور دین کی سمجھ حاصل کرتے، مسائل معلوم کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا مشاہدہ کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ کی صحبت و معیت ان کو نصیب ہوتی۔ اکثر مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں ان کیلئے خیمہ لگا دیا جاتا۔ وہ وہاں رہتے، قرآن مجید سنتے، مسلمانوں کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے اور ان کے دل میں جو کچھ آتا وہ بڑی سادگی اور صفائی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی بلاغت اور حکمت کے ساتھ اس کا جواب عنائت فرماتے اور قرآن مجید سے استشہاد کرتے۔

اس سے ان کا ایمان پختہ ہوتا اور قلبی اطمینان نصیب ہوتا، وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور نورانی گفتگو سے بہت متاثر ہوتے۔ ۲۳۸۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفود کو رخصت کرتے وقت ان کے ساتھ نہایت عمدہ معاملت کا مظاہرہ فرماتے تھے۔

انہیں ہدایہ و تحائف سے بھی نوازتے تھے' تحائف سے محبت بڑھتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"تَهَادُوْا تَحَابُوْا۔" ۲۳۹؎

ترجمہ:۔ تحفے دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔

اور اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا کہ جس قسم کا آدمی آیا اسکے مرتبے اور حیثیت کے مطابق اس کو تحائف سے ضرور نوازا۔ تحائف سے آدمی کی عظمت و شخصیت اجاگر ہوتی ہے اور انسان تالیف قلوب سے **"الاحسان یقطع اللسان"** (نیکی زبان کاٹ دیتی ہے) کا مصداق بن جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان ملکی و مذہبی اور سفارتی وفود کی خاطر مدارت کرتے تھے اور ان کے حسب حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرماتے تھے۔ قبائل پر اور مختلف اقوام پر اس کا بہت اثر پڑتا تھا۔

وفود کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی وصیت

حافظ محمد یونس' ڈاکٹر "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفارتی نظام" میں مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان وفود کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے کہ وصال شریف کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیتیں فرمائی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی: ۲۴۰؎

"اجیزوا الوفود بنحو ما کنت اجیزھم۔ ۲۴۱؎

ترجمہ:۔ جس طرح میں وفود کو تحائف اور عطیات دیا کرتا ہوں تم بھی اسی طرح دیا کرو۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں سفیروں' وفود اور معززین اقوام کا کیا مقام تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار فرماتے تھے اور ان کے ادب و احترام اور مراتب کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔"

مدینہ میں وفود کی آمد اور عرب پر اس کے اثرات

پہلے اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے مکہ فتح فرمایا۔ پھر غزوہ تبوک سے آپ مظفر و منصور واپس ہوئے۔ اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سلاطین و امراء کے نام اپنے مکاتیب ارسال فرما چکے تھے۔ جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ ان مکاتیب کا بعض بادشاہوں نے خوش دلی اور احترام و تعظیم کے ساتھ استقبال کیا۔ بعض نے نرمی اور معقولیت کے ساتھ اس کا جواب دیا بعض لوگ تردد اور خوف کی حالت میں رہے اور کچھ نے گستاخی کے ساتھ رد کر دیا اور اس کے ساتھ اہانت اور تکبر کا معاملہ کیا اور اس کی پاداش میں بلا کسی تاخیر کے اس کو اپنے ملک اور جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یہ وہ واقعات تھے جن کا چرچا سارے عرب میں تھا اور ہر جگہ اس کا تذکرہ کیا جاتا تھا۔

ابن ہشام ''السیرۃ النبویہ'' میں رقمطراز ہیں:

''مکہ کی فتح، سرداران قریش کے قبول اسلام اور دین کے سامنے مزاحمت و سرکشی کے سب سے بڑے قلعہ کے انہدام کا ان لوگوں پر گہرا اثر پڑا جو گومگو کی کیفیت میں تھے یا اسلام کی ناکامی کا خواب دیکھ رہے تھے۔ ان واقعات نے ان کے اور اسلام کے درمیان وہ قدیم رکاوٹ دور کر دی اور ان کے اور قبول اسلام کے درمیان جو فاصلہ تھا وہ بہت کم رہ گیا۔ ۲۴۲۔

مشہور محدث علامہ محمد طاہر پٹنی (متوفی ۹۸۶ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب ''مجمع بحار الانوار'' میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ سال آمد وفود کا سال تھا' عرب نے اسلام کے ساتھ قریش کے معاملہ کا انتظار کیا تھا۔ اس لئے کہ وہی لوگ سب کے پیشوا تھے اور بیت اللہ کے ذمہ دار تھے جب انہوں نے اسلام کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا۔ مکہ فتح ہو گیا اور قبیلہ ثقیف نے بھی اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے محسوس کر لیا کہ اب ان کے اندر ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں اور نہ ہی دشمنی زیادہ دیر تک چل سکتی ہے۔ اس وقت ہر طرف سے وفود کی کثرت ہوئی اور لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔'' ۲۴۳۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ''جب نبی کریم ﷺ نے مکہ فتح کیا اور غزوہ تبوک سے فارغ ہو گئے ثقیف نے اسلام قبول کر کے بیعت کر لی تو ہر سمت سے عرب کے وفود حاضر ہوئے اور گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوئے۔ یہ وفد ہر طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔'' ۲۴۴۔

حافظ محمد یونس' ڈاکٹر ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفارتی نظام'' میں تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ان سب باتوں کا عرب کے دل ودماغ پر (جو بہر حال انسان تھے) قدرتی طور پر اثر پڑا اور اس کی وجہ سے اسلام میں داخل ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی حاضری کا ایک دروازہ کھل گیا اور تلاش حق میں مختلف وفود مرکز اسلام میں اس کثرت سے آنے لگے۔ جس طرح کوئی موتی کی لڑی ٹوٹ جائے اور اس کے سارے دانے اسلام کی آغوش میں آ جائیں۔ خدا کی قدرت دیکھئے! ایک وہ دور تھا جب اسلامی تحریک خود عوام کے قریب جا جا کر ان کو پکارتی تھی۔ اب دوسرا یہ دور ہے کہ جب عوام کے وفود آگے بڑھنے لگے اور اسلام کے دروازے پر خود دستک دینے لگے کہ ہم اندر آنا چاہتے ہیں۔

یہ وہ دور تھا جب تمام مزاحمتیں ختم ہو گئیں اور منفی رجحانات میدان چھوڑ گئے مگر اس دور تک پہنچنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے بڑے بڑے جتن کئے اور خون پسینہ ایک کر دیا۔

۱۔ ایک طرف فکری دعوت کے میدان میں یہ ثابت کر دیا کہ دلیل کی قوت ہمارے ساتھ ہے۔

۲۔ دوسری طرف اخلاقی دائرے میں دھاک بٹھا دی کہ اسلام کا بنایا ہوا انسان بہترین نمونہ انسانیت ہے۔

۳۔ تیسری طرف سیاسی بصیرت کے لحاظ سے اپنا سکہ جمادیا کہ ہم لوگ معاملات کی گرہوں کو کھولنا باندھنا جانتے ہیں

۴۔ چھوتھی طرف میدان کارزار میں اپنا لوہا منوالیا کہ ہم مزاحمتوں سے نمٹ سکتے ہیں۔ دماغوں کو متاثر کیا گیا اور سعادت مند روحوں کو متفق بنا کر گلے لگایا گیا۔ غیر جنگ پسند قبائل کو معاہداتی نظام میں منسلک کر کے جنگجو مخالفین کا جنگی زور توڑا گیا۔ تب کہیں جا کر وہ وقت آیا کہ عوام ہر چہار جانب سے نئے مرکز امید ''مدینہ'' کی طرف گامزن ہوئے۔

یہ دور اس سال سے شروع ہوتا ہے جسے ''عام الوفود'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ یعنی وہ سال جس میں عرب کے گوشے گوشے سے قبائل نے اپنے وفود مدینہ بھیجے۔ یہ وہ وفود اپنے اپنے علاقوں اور مرکزوں میں نئی روح سے سرشار ہو کر ایمان کا نیا نشہ دعوت اسلام کا نیا جذبہ 'شرک وبت پرستی اور اس کے نشانات وعلامات اور جاہلیت اور اس کے اثرات سے شدید نفرت لے کر واپس جاتے۔ اس کے نتیجے میں تمام عرب میں اسلام کی اشاعت ہو گئی اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہا جہاں اسلام کا نام نہ پہنچ گیا ہو اور جہاں کے لوگوں نے خوشی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر نہ جھکا دیا ہو۔ اس حالت کا نقشہ قران کریم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے: ۲۴۵۔

''اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا۔'' ۲۴۶۔

ترجمہ:۔ جب اللہ کی مدد اور نصرت آگئی اور مکہ فتح ہو گیا تو آپؐ نے دیکھ لیا کہ لوگ کس طرح جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

یہ دور فتح مکہ کے بعد تین سال سنہ ۸'۹'۱۰ ہجری پر پھیلا ہوا ہے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے ''عام الوفود سنہ ۹ ہجری ہے''۔ ۲۴۷۔

وفود کی تعداد

سیرت کی مختلف قدیم کتابوں میں مدینہ آنے والے وفود کی تعداد کم سے کم ۱۵ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰۴ ملتی ہے۔ ابن اسحاق نے صرف پندرہ (۱۵) وفود کا حال بیان کیا ہے۔ ۲۴۸۔

حافظ ابن قیمؒ نے ۳۴ وفود کا تذکرہ کیا ہے۔ ۲۴۹۔

ابن سعدؒ نے ستر (۷۰) وفود کا ذکر کیا ہے۔ سب سے بڑھ کر تعداد مصنف سیرت شامی نے ۱۰۴ تک بیان کی ہے۔ ۲۵۰۔

ہم ان میں سے صرف اہم اور نمایاں ۱۷ وفود کا تذکرہ کریں گے ان مین سے بھی تفصیل صرف دو چار وفود کے متعلق دی جارہی ہے۔ عام الوفود سے قبل سنہ ۵ ہجری میں ہی اکادکا وفود آنے لگے تھے۔ لہٰذا وہیں سے آغاز کرتے ہیں۔

مدینہ میں وفود کی آمد اور سفیران وفود سے سلوک

نمبر ا۔ وفد قبیلہ مزینہ

یہ بہت بڑا قبیلہ تھا اور اس کا سلسلہ نسب قریش سے مل جاتا تھا۔ نعمان بن مقرن مشہور صحابی اسی قبیلے سے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ قبیلہ مضر کا سب سے پہلا وفد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مزینہ کے ۴۰۰ افراد پر مشتمل تھا یہ وفد جب ۵ھ میں حاضر ہوا تو یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہو کر اپنے وطن واپس چلے گئے۔ فتح مکہ کے وقت نعمان بن مقرن مزینہ کے علمبر دار تھے۔۲۵۱؎

۲۔ وفد بنو تمیم

بنو تمیم کا وفد بڑی شان و شوکت کے ساتھ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا۔ یہ وفد قبیلہ کے بڑے بڑے امراء اور روساء پر مشتمل تھا اور سارے وفد میں اسی نوے کے قریب افراد تھے۔ ۲۵۲؎

مثلاً عطارد بن حاجب، نعیم بن یزید، قیس بن حارث، قیس بن عاصم، اقرع بن حابس، حتات بن یزید، زبر قان بن بدر اور عینیہ بن حصن وغیرہ۔ جب یہ لوگ مسجد نبویؐ میں آئے تو نہ انہوں نے اس امر کا لحاظ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس درجہ اور شان کے انسان ہیں اور نہ اس بات کا خیال کیا کہ اس وقت آپ مکہ کے فاتح اور ملک عرب کے مالک ہیں بلکہ بے تحاشا آوازیں دینی اور چیخنا شروع کیا کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلئے اور ہماری بات سنئے'' اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے اگر کوئی دنیوی حکمران ہوتا تو سب اراکین وفد کو نہایت سخت سزائیں دیتا اور دربار سے نکلوا دیتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی خاکساری کے ساتھ مکان سے باہر تشریف لائے اور ان سے نرمی اور ملائمت کے ساتھ پیش آئے۔ ان بے وقوفوں کے نزدیک صداقت اور سچائی کا معیار شعر و شاعری اور خطابت تھی۔ جس پر ان کو بڑا ناز تھا۔ حضور علیہ السلام کے باہر آتے ہی کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس لئے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں۔ اگر تمہارے خطیب اور شاعر ہمارے خطیب اور شاعر سے جیت گئے تو ہم تمہارے پیش کردہ مذہب کو قبول کرلیں گے ورنہ نہیں اگر مسلمان ہونے اور اسلام قبول کرنے کیلئے یہ نہایت نامعقول شرط تھی۔ حقانیت اور صداقت اور وحدانیت ورسالت کے مفاخرت اور شعرو شاعری سے کیا تعلق! مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی بڑی تڑپ تھی کہ کسی بھی ڈھب سے کسی کوئی شخص سمجھ جائے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان لوگوں کی ایسی اوندھی سمجھ دیکھی تو محض اس خیال سے کہ ممکن ہے اسی رنگ سے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ ان کی درخواست کو قبول فرمالیا۔ ۲۵۳؎

جس کے بعد ان کا فصیح البیان خطیب عطارد بن حاجب کھڑا ہوا اور اپنے قبیلے کی تعریف و توصیف اور ان کے فضائل اور محامد میں ایک بڑی زبردست تقریر کی۔ جس کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت بن قیس نے دیا۔

تقریروں کے بعد اشعار کا مقابلہ شروع ہوا۔ بنو تمیم کا قادر الکلام شاعر زبرقان بن بدر اٹھا اور اپنی قوم کی شان میں ایک نہایت پرزور قصیدہ سنایا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے درباری شاعر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ حسان! تم اس بات کا جواب دو" حسانؓ نے نہایت فصیح وبلیغ اشعار میں اس کا جواب دیا۔ جب فریقین کی طرف سے نثر و نظم میں داد فصاحت وبلاغت دی جا چکی تو معاملہ اقرع بن حابس کے سامنے پیش ہوا۔ جس کو اسی غرض سے بنو تمیم اپنے ساتھ لائے تھے اور جو اعلیٰ درجے کا خطیب بڑا مشہور شاعر تھا اور جس کے فیصلے پر ساری قوم سر تسلیم خم کر دیتی تھی اور کسی کو اس کے فیصلے پر نکتہ چینی اور حرف گیری کی جرات نہیں ہو سکتی تھی۔ اپنی خطابت اور شاعری پر اس کو اس درجہ گھمنڈ اور غرور تھا کہ اس نے مقابلہ شروع ہونے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا "اِنَّ حَمْدِیْ لَزَیْن اِنَّ ذَمِّیْ لَشَیْن"" ۲۵۴۔

ترجمہ:۔ جس کی میں تعریف کر دوں اس کی عزت بڑھ جاتی ہے اور جس کی مذمت کر دوں اسے داغ لگ جاتا ہے۔

اقرع بن حابس نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سنایا:

"میں اپنے باپ کی قسم کھا کر یہ فیصلہ دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خطیب اس مقابلے میں ہمارے خطیب سے بڑھ کر رہا اور مسلمانوں کا شاعر ہمارے شاعر سے افضل ثابت ہوا' ان کا کلام ہمارے کلام سے زیادہ فصیح اور ان کی زبانیں ہمارے لوگوں کی زبانوں سے زیادہ شیریں ہیں۔"

اس مفاخرہ اور مشاعرہ کے بعد بنی تمیم کے جس قدر لوگ وفد میں آئے تھے' سب کے سب مسلمان ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت انعام واکرام دے کر ان کو مدینہ سے رخصت کیا۔ ۲۵۵۔

۳۔ وفد بنی عبدالقیس

عبدالقیس قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ تھا۔ اس وفد کے اراکین کی تعداد ۲۰ تھی۔ ان کی آمد فتح مکہ والے سال ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوش آمدید کہا۔ وفد کی طرف سے درخواست کی گئی کہ چونکہ ہمارا علاقہ دور ہے اور راستے میں کفار مضر کی آبادیاں ہیں اس لئے چار مہینوں کے علاوہ سفر نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہم کو چند متعین باتیں بتا دیجئے۔ جن پر ہم کاربند رہیں اور اپنے لوگوں کو بتائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید' نماز' روزہ اور ادائے خمس کی تلقین فرمائی اور شراب سازی سے بچنے کیلئے چار قسم کے مروج شراب کے برتن' دباء' حنتم' نقیر' مزفت کا استعمال ممنوع فرمایا۔

وفد کے لوگ بحرین کی جاہلی ثقافت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معلومات سن کر بڑے حیران ہوئے۔ آخر نظام حیات کو زیر وزبر کر دینے والی تحریک کا سربراہ کار' زیر دعوت علاقوں کے حالات سے بے خبر رہ کر کام کیسے چلا سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معلومات تو ذاتی سفیروں سے ماخوذ تھیں اور پھر مکہ اور مدینہ کے مرکزی مقامات پر گوشے گوشے کے لوگ آتے تھے اور ان سے بہت کچھ حالات علم میں آئے تھے۔ ۲۵۶۔

اس وفد میں جارود بن بشر بھی تھے۔ جارود مسیحی تھا۔ اس نے عرض کیا میں ایک مذہب پر چل رہا ہوں اسے چھوڑ

کر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر آؤں تو کیا آپ ضامن بنتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں میں ضامن بنتا ہوں" کیونکہ جس مذہب کی طرف میں دعوت دیتا ہوں یہ تمہارے مذہب سے افضل ہے۔ جارود فوراً مسلمان ہو گیا اور اس کے ہم مذہب ساتھی بھی حلقہ اسلامی میں داخل ہو گئے۔ ۲۵۷

جس شب یہ لوگ آئے تھے اس کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افق کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا کہ ضرور ضرور مشرکین کی ایک جماعت آئے گی جن کو اسلام پر مجبور نہیں کیا گیا ہے۔ جنہوں نے اونٹوں کو چلاتے چلاتے تھکا کر دبلا کر دیا ہے اور زادِ راہ کو ختم کر دیا ہے۔ اے اللہ! عبد القیس کی مغفرت فرما وہ میرے پاس مال مانگنے نہیں آئے۔ وہ اہل مشرق میں سب سے بہتر ہیں" ۲۵۸

غور فرمائیں! اسلام کی صداقت کے سامنے کس طرح لوگ جھک رہے ہیں اور جوق در جوق اسلام کے دائرہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلعم کے ساتھیوں کی سچائی کس قدر غالب ہے۔

وفد عبد القیس کو خطاب کرتے ہوئے رئیس وفد عبد اللہ بن عوف الاشج سے رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا:

"اے عبد اللہ! تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ نے پسند کیا ہے' عبد اللہ نے کہا کہ وہ کون سی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلم اور وقار۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ چیز پیدا ہو گئی ہے یا میری خلقت اسی پر ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری خلقت اسی پر ہوئی ہے۔" ۲۵۹

اس سے معلوم ہوا کہ وفد کے ساتھ خوب گھل مل کر باتیں کرنی چاہیں تاکہ انہیں اس بات کا احساس ہو کہ انہیں اہمیت دی جا رہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کے لوگوں کے لئے انعامات کا حکم دیا۔ رئیس وفد عبد اللہ الاشج کو سب سے زیادہ دلایا۔ انہیں ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی اور منقذ بن عیان کے چہرے پر دست مبارک پھیرا۔" ۲۶۰

نمائندہ بنو سعد بن بکر

بنو سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ ۲۶۱

یہ شتر سوار عجیب سادہ دیہاتی انداز میں مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا اور صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تم میں سے عبد المطلب کا فرزند کون ہے؟ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا کہ وہ رسول خدا ہیں۔ پاس پہنچا اور کہا "اے عبد المطلب کے بیٹے کچھ باتیں سختی سے پوچھوں گا' برا نہ منانا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ پھر اس نے قسم دلا کر دین کی چند بنیادی باتوں (توحید' رسالت' نماز' حج و زکوٰۃ وغیرہ) کے بارے میں پوچھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسل ایسا کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرماتے گئے۔ سارے جواب لے کر کہا میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے۔ میں جاتا ہوں اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے اس میں "لَآ اَزِیْدَ وَلَآ اَنْقَصَ" (نہ میں ذرہ بھر اضافہ کروں گا اور نہ کمی) اور اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ اسکے جانے کے بعد حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "اِنۡ صَدَقَ ذُوالۡعَقِیۡصَتَیۡنِ دَخَلَ الۡجَنَّةَ"

ترجمہ:- اگر اس دراز گیسووالے نے سچ کہا ہے تو جنت میں داخل ہوگا۔

واپس جاکر اس نے قوم میں طوفانی انداز میں دعوت دی کہ لوگو! میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں' لات وعزیٰ وغیرہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے لوگوں نے ڈرایا کہ تم پر ایسی باتوں کی وجہ سے ان بتوں کی مار نہ پڑ جائے اور جنون اور جذام نہ ہو جائے۔ ضمام نے کہا خدا کی قسم! یہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر'' شام ہونے سے قبل سارا قبیلہ سفارتی وتبلیغی مشن میں شامل ہو گیا۔'' ۲۶۲؎

۵۔ وفد اشعر یین

اشعر یین کا وفد پچاس آدمیوں پر مشتمل تھا جن میں مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی تھے اور ان کے ہمراہ قبیلہ عک کے بھی دو آدمی بطور وفد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر کے سفر میں تھے۔ یہ لوگ خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے بیعت کی اور اسلام لائے۔

۶۔ وفد دوس

قبیلہ دوس کے ۷۰ یا ۸۰ آدمی حضرت طفیل بن عمرو الدوسی کی تبلیغ سے مسلمان ہو کر غزوہ خیبر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت مشہور صحابی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ روایت کرنے والے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بھی اس وفد میں شامل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے مال غنیمت میں سے ان لوگوں کو بھی حصہ عطا فرمایا۔ ۲۶۴؎

۷۔ وفد بنی ہمدان

فتح مکہ کے بعد ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہیں مقیم تھے کہ بنی ہمدان کا ایک شخص قیس بن مالک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو اسی کی قوم کی طرف تبلیغ کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اس کی کوشش سے تھوڑے ہی دنوں میں سارا قبیلہ اسلام لے آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیس کی تبلیغی خدمت سے نہایت خوش ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین سو فرق (یمن کا ایک پیمانہ) ہمیشہ کے لئے مرحمت فرمادیئے۔ جو ان کو باقاعدہ ملتے رہے۔ اس طرح کہ ایک سو فرق گیہوں' ایک سو فرق جوار اور ایک سو فرق کشمش۔ بعد میں ایک وفد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنی ہمدان کا آیا تھا۔ جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمدان کیا ہی اچھا قبیلہ ہے۔ مدد پر سبقت کرنے والا اور مصیبت پر صبر کرنے والا۔ ۲۶۵؎

۸۔ وفد ثمالہ والحدان

عبداللہ بن انس الثمالی اور مسلیۃ بن ہزان الحدانی اپنی اپنی قوم کے ساتھ فتح مکہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کی۔

خطوط و فرامین (تبلیغی خطوط اور ان کی سفارتی اہمیت)

سفارتی و تبلیغی مشن کو عالمگیر بنانے کی کوششوں کا آغاز

"حدیبیہ کی صلح سے اشاعت اسلام کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے نتیجے میں اندرون ملک کے تصادموں اور ان جنگوں اور لڑائیوں سے ذرا سی فرصت پائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آئے دن قریش مکہ برپا کرتے رہتے تھے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قلیل فرصت سے کثیر فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ایک نئی تبلیغ اور سفارتی مہم کا آغاز کیا۔

الاحمدی علی بن حسین علی "مکاتیب الرسول" میں رقمطراز ہیں:

"وہ مہم تھی اسود واحمد کے نام اسلام کے پیغام کی۔ تبلیغی خطوط کے ذریعہ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض تھی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے تمام دنیا میں اسلامی مشن کو کامیاب کیا جائے اور یہی آپ کے لقب "رحمۃ اللعالمین" کا منشا تھا کہ اس نعمت کو جو خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائی تھی۔ تمام عالم اسلام میں تقسیم کر دیں۔ بلا شبہ اسلامی مشن کی سفارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جدید اقدام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت شاندار اشاعتی اور سفارتی کارنامہ تھا۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حسن و ذوق اور کمال مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔" ۲۶۶؎

آپ ﷺ نے اسی پہلی فرصت میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی اور دوسرے سلاطین کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو خطوط لکھے۔

مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"اِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی کِسْرٰی وَ اِلٰی قَیْصَرَ وَ اِلَی النَّجَاشِیِّ وَاِلٰی کُلِّ جَبَّارٍ یَّدْعُوْھُمْ اِلَی اللّٰہِ۔"

ترجمہ:۔بے شک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور نجاشی اور تمام حکمرانوں کو خط لکھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ ۲۶۷؎

سفارتی خطوط کی ترسیل سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشاورت

ابن ہشام "السیرۃ النبویہ" میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"حدیبیہ کے سفر سے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام عالم کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس تم مجھ سے ایسا اختلاف نہ کرنا جیسا حواریوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم سے کیا۔

صحابہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اسی بات کی طرف بلایا تھا۔ جس کی طرف میں تم کو بلانا چاہتا ہوں۔ یعنی بادشاہوں اور والیوں اور سرداروں کے پاس تبلیغ اسلام کے واسطے ایلچی بنا کر بھیجنے کیلئے۔ جن لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قریب کے ملکوں میں بھیجا تھا وہ ست ہو گئے اور وہاں جانا ان کو ناگوار گزرا پس تم اس کام میں ان کی پیروی نہ کرنا۔"

تبلیغی خطوط کے لئے مہر کی تیاری

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشورہ سے ایک چاندی کی مہر ہوائی جس پر یہ الفاظ کندہ تھے۔ "محمد رسول اللہ" گویا اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اس کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں۔

مہر کی شکل اور نمونہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط میں آپ کے اسم مبارک کی جو مہر ثبت ہے وہ ہر مسودہ میں ایک ہی طرح ہے۔ خدا کے اس عاشق نے ادب واحترام کے لحاظ سے اپنے محبوب کا نام "اللہ" سب سے اوپر رکھا تھا۔ درمیان میں "رسول" کا لفظ ہے اور خود اپنا اسم گرامی سب سے نیچے کی سطر میں کندہ کروایا تھا۔ یعنی مہر کی شکل یہ تھی:

اللہ

رسول

محمدؐ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کل کی عام مہروں کی طرز پر تینوں لفظ انگوٹھی پر الٹے کندہ کرائے تھے تاکہ کاغذ پر مہر لگاتے وقت سیدھے پڑھے جائیں۔۲۶۹

عرب میں خطوط پر مہر لگانے کا رواج

"عرب میں خطوط پر مہر لگانے کا رواج سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی شروع ہوا۔۲۷۰

سفارتی خطوط کی تعداد اور تاریخ ترسیل

"عمرۃ القضاء ادا کرنے کے فوراً بعد یعنی یکم محرم سنہ ۷ ہجری کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملحقہ سلطنتوں کے حکمرانوں کو اسلامی نظام کا پیغام خصوصی قاصدوں کے ذریعے بھجوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط لکھے ان کی تعداد اب سوا دو سو (۲۲۵) تک ہو گئی ہے۔۲۷۱

مورخین نے اس بات میں شدید اختلاف کیا ہے کہ آیا سفراء نے ہجرت کے چھٹے سال سفر کیا یا ساتویں' یا یہ صلح حدیبیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے درمیان بھیجے گئے۔

ابن سعد نے رقم کیا ہے کہ:

"ایک ہی دن چھ سفیر روانہ ہوئے اور یہ یکم محرم سنہ ۷ ہجری تھا۔ ان میں سے ہر شخص اس قوم کی زبان سے خوبی واقف تھا۔ جس کی طرف اس کو روانہ کیا گیا۔"[۲۷۲]

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی دن چھ حکمرانوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط لکھوا کر سفیروں کے ذریعے بھجوائے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔	حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی	قیصر روم
۲۔	حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری	نجاشی بادشاہ حبشہ
۳۔	حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی	خسرو پرویز شہنشاہ ایران
۴۔	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ	عزیز مصر مقوقس
۵۔	حضرت سلیط بن عمرو عامری	روسائے یمامہ
۶۔	حضرت شجاعؓ بن وہب الاسدی	حارث غسانی رئیس حدود شام

یہ چھ سفیر آٹھ مکتوب کے حامل تھے۔ حضرت دحیہ کلبیؓ جو قیصر روم کے پاس خط لے کر گئے تھے۔ پاپائے روم ضفاطر کے خط کے بھی وہی سفیر تھے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی جو ایرانی حکومت کے بادشاہ خسرو پرویز کے پس بھیجے گئے تھے وہی ہرمزان کے نام خط بھی لے کر گئے تھے۔ علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلامی کے سلسلے میں دیگر ذمہ دار لوگوں کو بھی خطوط ارسال فرمائے تھے۔[۲۷۳]

رسول اللہ ﷺ کے سفارتی مشن کی نوعیت

جو تبلیغی اور سفارتی خطوط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفیروں کے حکمرانوں، بادشاہوں اور گورنروں اور قبائل کے سرداروں کو روانہ فرمائے وہ جزیرہ نمائے عرب کے چاروں طرف حکمرانوں کے نام تھے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ شمال میں روما کی نہایت مشہور سلطنت کے شہنشاہ قیصر روم کے نام۔

۲۔ شمال مشرق میں ملک فارس کے عظیم الشان شہنشاہ کسریٰ کے نام

۳۔ شمال مغرب میں حاکم مصر شاہ مقوقس کے نام جو رومی سلطنت کا باجگزار اور محکوم تھا۔

۴۔ شمال میں عرب کی حدود کے ساتھ ریاست غسان کے حاکم حارث بن ابی شمر غسانی کے نام ایک خط بھیجا۔

۵۔ مشرق میں رئیس یمامہ حوزہ بن علی الحنفی کے نام ارسال کیا۔

۶۔ عرب کے جنوب مشرق میں ایک خط بحرین کے والی منذر بن ساویٰ کو بھیجا۔

۷۔ مغرب میں نجاشی شاہ حبشہ کے نام خط لکھا۔

۸۔ عرب کے جنوب میں یمن کے رئیس جلندی کے دونوں بیٹوں جیفر اور عبداللہ جو کہ عمان کے حاکم تھے ان کی طرف بھی ایک خط بھجوایا۔۲۷۴

اس سفارتی مشن کی ترتیب میں جس طرح احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے چاروں طرف اسلام کا تحریری پیغام بھجوا کر دعوت وارشاد کا فریضہ ادا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

خطوط میں بادشاہوں کو خطاب کرنے کی وجوہات

یہ بات آج کے دور میں قابل غور معلوم ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے ملکوں کے عوام تک اپنے سفارتی مشن کی تکمیل کے لئے آخر شاہی درباروں کے کیوں مخاطب فرمایا اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ:

۱۔ عوام کو بادشاہوں کے مقابلے میں کوئی شہری حقوق حاصل نہ تھے اور انہیں وہ اساسی آزادی ہی میسر نہ تھی جس سے کام لے کر وہ اپنے بارے میں خود کوئی فیصلہ کر سکیں۔۲۷۵

۲۔ یہ بادشاہتیں اس امر کا موقع دینے پر بھی قطعاً تیار نہ تھیں کہ دوسرے ملک کے اجنبی لوگ آکر ان کی رعیت سے میل جول رکھیں اور ان کو موجودہ مذہب سے برگشتہ کریں۔ جیسا کہ طائف کے سرداروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر خالی کر دینے کے لئے کہا تھا۔۲۷۶

۳۔ ان کے سیاسی اقتدار وہاں کے مروجہ مذاہب کے بل پر ہی چل رہے تھے اور وہ مذہبی پیشواؤں کے طبقوں کا تعاون حاصل کر کے حکمرانی کر رہے تھے۔

۴۔ جہاں صرف تبدیلی مذہب کا معاملہ نہ ہوبلکہ انسان کو سر تاپا بدلا جاتا ہو۔ اسکے پیمانے اور اقدار کے ذوق اور معیارات ہی یکسر تبدیل کئے جاتے ہوں اور جہاں دعوت حق قبول کرنے والوں میں مروجہ نظام کے خلاف باغیانہ رجحان پیدا کر کے نئے نظام کی اقامت کا انقلابی داعیہ ابھارا جاتا ہو۔ وہاں کیسے ممکن تھا کہ بادشاہتیں اپنے عوام میں اسلامی دعوت کو چپ چاپ پھیلنے کا موقع دیتیں۔

۵۔ اس دور کی بادشاہی قیادت تو گویا خداوندبنی بیٹھی تھی اور نیچے ایک پتہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہل سکتا تھا۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کی بناء پر نہ صرف یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی دعوت کا مخاطب خود فرماں رواؤں کو بنایا۔ بلکہ اپنے نامہ مبارک میں صراحت سے ان کو پوری قوم کا نمائندہ قرار دے کر عوام کے برے اور بھلے کی ذمہ داری ان پر ڈالی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف تاجداروں کو "عظیم الروم، عظیم فارس اور عظیم القبط "یعنی فلاں اور فلاں قوم کے سربراہ کار کہہ کر مخاطب فرمایا۔ پھر کسریٰ اور مقوقس کو وضاحت کے ساتھ لکھا:

"فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ ' "" فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ اِثْمُ الْقِبْطِ "

"فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ اِثْمُ الْاَرِیْسِیْنَ"۔ ۲۷۷

ترجمہ :- اے شاہان روم وایران و مصر! اگر تم نے خدا کی دعوت حق کا انکار کر دیا تو تمہاری رعایا کی گمراہی کا وبال بھی تمہاری گردن پر رہے گا۔

"یہ آپ ﷺ نے کیوں ارشاد فرمایا "صرف اس لئے کہ قدیم شخصی حکومتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ" (ان کی قوی حکومتوں میں جو مذہب بادشاہ کا ہوتا تھا پوری قوم کا مذہب بن جاتا تھا) اور بعض اقوام میں تو بادشاہ "خدا کا مظہر" سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا کسی بات کو اس کا قبول کر لینا گویا رعایا کے لئے خدا کے حکم کے برابر تھا۔

ابن حجر العسقلانی نے بھی تحریر کیا ہے کہ "لِاَنَّ الْاَصَاغِرَ اِتِّبَاعَ الْاَکَابِرِ۔" ۲۷۸

ترجمہ :- چھوٹے بڑوں کے تابع ہوتے ہیں۔

تبلیغی مشن اور سفارتی مشن کے لئے رسول اللہ ﷺ کی حکیمانہ پالیسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی خطوط اور ہدایت کا یہ مہتم بالشان کام بغیر سوچے سمجھے یونہی شروع نہیں کر دیا تھا بلکہ منشائے ایزدی کے مطابق اس میں نہایت احتیاط اور دور اندیشی سے کام لیا گیا تھا اور معاملے کے ہر پہلو پر کافی غور کرنے کے بعد نہایت منظم اور باقاعدہ طور پر بڑی آہستگی کے ساتھ تمام خطرات اور خدشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس ضروری فریضہ کی ابتداء کی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکیمانہ پالیسی کا تذکرہ مصر کے نامور فاضل علامہ عبدالمتعال الصعیدی پروفیسر جامع ازہر قاہرہ نے اپنی کتاب میں یوں کہا ہے کہ :

"لوگوں کو وحدانیت کی تعلیم دینے اور ان تک پیغام حق پہنچانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بے نظیر حکمت عملی اور احتیاطی تدابیر سے کام لیا اس کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی قلیل عرصے میں کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس مقصد کے حصول کی خاطر قوت' جبر اور تشدد سے قطعاً کام نہیں لیا۔ جس کے نتیجے میں نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم متبعین کی جانیں بہت حد تک بچی رہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ اخلاق اور بے نظیر صبر واستقلال دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین جانثار بن گئے۔ قوت اور طاقت کا استعمال تو الگ بات رہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ تبلیغ میں کبھی درشتی اور تند خوئی سے بھی کام نہ لیا بلکہ آغاز کار ہی سے بڑی نرمی اور شفقت کے ساتھ تبلیغ حق کا فریضہ انجام دیتے اور تدریجی طور پر اس سلسلے کو آگے بڑھاتے رہے۔ ایسا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ایک زبردست مشیت کام کر رہی تھی۔ ۲۷۹

رسول اللہ ﷺ کے سفارتی و تبلیغی خطوط حکمرانوں کے نام

ا۔ ہرقل' قیصر روم کے نام خط

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بادشاہ کو خط لکھا جو اس وقت دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے

زیادہ طاقتور شہنشاہ تھا۔ اس کی عظیم سلطنت ایشیاء یورپ اور افریقہ تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ جن پر وہ بڑی شان وشوکت اور دبدبے کے ساتھ حکومت کر رہا تھا۔ اس کا لقب "قیصر روم" تھا اور نام "ہریکلی اس" جسے عرب "ہرقل" کہتے تھے۔ اس نے قسطنطنیہ کے تخت پر ۶۱۰ء سے ۶۴۱ء تک ۳۱ برس حکمرانی کی ہے۔ یہ خود اور اس کی ساری رعایا عیسائی تھی۔" ۲۸۰؂

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوتی وسفارتی خط اپنے ایک نہایت ہوشیار اور عقلمند صحابی حضرت دحیہؓ بن خلیفہ کلبی کے ہاتھ روانہ فرمایا:

"میرا یہ خط لے کر ہرقل کے پاس کون جاتا ہے کہ اس کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔ الکلبی نے اس کو لے لیا۔ ۲۸۱؂

سفارت کا شاہی طریق

آنحضرت ﷺ نے محض اس خیال سے کہ کسی نہ کسی طرح قیصر تک پیغام حق پہنچ جائے اس بات کو گوارہ کیا اور حضرت دحیہؓ کلبی سے ارشاد فرمایا کہ:

"اس تبلیغی خط کو لے جا کر عظیم بصریٰ (غسان کے بادشاہ حارث بن ابی شمر) کے حوالے کر دیں۔ تاکہ وہ اسے قیصر کو بھیج دے۔" ۲۸۲؂

رسول اللہ ﷺ کے خط بنا قیصر کا مضمون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدُاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِلٰی هِرَقْلِ عَظِيْمِ الرُّوْمِ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِدُعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرُكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمُ الْاَرِيْسِيِّيْنَ۔ وَ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالُوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ" بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لاَّ نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰهُ وَلَانُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اَشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ " ۲۸۳؂

ترجمہ:- اس اللہ کے نام سے اس خط کو شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے روم کے شہنشاہ ہرقل کے نام بھیجا جا رہا ہے۔ اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور نیک راہ پر چلے۔ اس کے بعد میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لے تمام آفتوں سے محفوظ رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دہرا اجر دے گا۔ (اپنے اسلام لانے اور رعیت کے مسلمان ہونے کا) اور اگر روگردانی کی تو تیری پوری رعایا کا وبال تجھ پر ہوگا۔"

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قیصر روم کا جواب

ہر قل نے پوری کوشش کی کہ امرائے سلطنت اسلام قبول کرلیں لیکن نہ تو انھوں نے اسلام قبول کیا اور نہ ہی شہنشاہ کی اسلام پسند باتوں کو تسلیم کیا۔ چنانچہ ایک خط کے ذریعے وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت و محبت کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:

''اِلٰی اَحْمَدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ الَّذِیْ بَشَّرَ بِہٖ عِیْسٰی ' مِنْ قَیْصِرٍ مَّلِکِ الرُّوْمِ اِنَّہٗ' جَآءَنِیْ کِتَابُکَ مَعَ رَسُوْلِکَ ' وَ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ نَجِدُکَ عِنْدَنَا فِی الْاِنْجِیْلِ ' بَشَّرَنَا بِکَ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ وَ اِنِّیْ دَعَوْتُ الرُّوْمِ اَنْ یُّوْمِنُوْا بِکَ فَاَبُوْ وَلَوْ اَطَاعَنِیْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَلَوْ وَدَّتْ اِنِّیْ عِنْدَکَ فَاَخْدِمُکَ وَ اَغْسِلُ قَدَمَیْکَ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَبْقِیْ مُلْکُھُمْ مَا بَقِیَ کِتَابِیْ عِنْدَھُمْ۔'' ۲۸۴

ترجمہ:- اللہ کے رسول احمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے کہ خدمت میں روم کے بادشاہ قیصر کی جانب سے آپ ﷺ کا گرامی نامہ آپ ﷺ کے قاصد سمیت پہنچا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ہم آپ ﷺ کا ذکر انجیل میں پاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام بن مریم نے ہمیں بشارت دی ہے۔ میں نے رومیوں کو دعوت دی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرلیں لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ اگر وہ میری بات مان لیتے تو ان کیلئے بہتر تھا۔ کاش میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم دھوتا۔

اس پر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تک یہ میرا خط ان کے پاس رہے گا ان کا ملک باقی رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا خط ضغاطر اسقف پاپائے روم کے نام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرا خط حضرت دحیہؓ کلبی کے ذریعے پاپائے روم کو بھی بھیجا تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

اِلٰی اَسْقَفِ الرُّوْمِ اَلٰی ضَغَاطِرِ اْلاَسْقَفِ:-

''سَلَامٌ'' عَلٰی مَنْ اٰمَنَ اِمَّا عَلٰی اَثَرِ ذٰلِکَ فَاِنَّ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ رُوْحُ اللّٰہِ وَکَلِمَتِہٖ اَلْقَاھَا اِلٰی مَرْیَمَ الزَّکِیَّۃَ: وَاِنِّیْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ مَا اُنْزِلَ اِلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَ اِسْمَاعِیْلَ وَ اِسْحَاقِ وَ یَعْقُوْبَ وَ اْلاَسْبَاطَ: وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَمَا اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِنْھُمْ وَ نَحْنُ لَہٗ' مُسْلِمُوْنَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ۔'' ۲۸۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضغاطر اسقف کے نام تحریر فرمایا کہ : اس شخص پر سلام ہے جو ایمان لائے اس کے بعد یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم روح اللہ و کلمۃ اللہ ہیں جس کو اللہ نے پاکدامن مریم القا کیا۔ میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں جو ابراہیم ' اسماعیل ' اسحاق ' یعقوب اور اولاد یعقوب پر نازل کیا گیا ہے اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا ہے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے لئے اسلام لانے والے ہیں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

پاپائے روم نے خط پڑھتے ہی کہا:

"صَاحِبُكَ وَاللّٰهِ نَبِيٌ" مُّرسَلَ نَعْرِفُه' بِصِنْعَتِهٖ وَ نَجِدُهٗ فِيْ كُتُبِنَا بِاِسْمِهٖ"

ترجمہ :- خدا کی قسم تمہارا آقا نبی مرسل ہے۔ ہم انہیں ان کی صفات سے پہچانتے ہیں اور ان کا اسم گرامی انہی کتابوں میں پاتے ہیں۔

پھر وہ گھر میں داخل ہوا اور سفید کپڑے پہنے اور عصا ہاتھ میں لے کر رومیوں کے پاس گرجا میں چلا گیا اور پکار کے کہا اے رومیوں!

"اِنَّه' جَآءَنَا كِتَاب" مِنْ اَحْمَدَ يَدْعُوْنَا فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّ اَحْمَدَ عَبْدَه' وَرَسُوْلَه'۔" ۲۸۵ـ

ہمارے پاس احمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب آیا ہے۔ جس میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے دین حق کی دعوت دی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

یہ سنتے ہی لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو قتل کر ڈالا۔

اس سلسلے میں اور باتیں بھی کہی ہوں گی جو کسی کتاب میں محفوظ نہ ہو سکیں اور ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ سامعین یکا یک جوش میں آگئے اور ضغاطر کو مار مار کر شہید کر ڈالا۔ ۲۸۷ـ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی خبر سنی تو فرمایا:

"اس "مقتول" کو اللہ تعالیٰ امت واحدہ مبعوث کرے گا۔" ۲۸۸ـ

رسول اللہ ﷺ کا قیصر روم کو دوسرا خط

ایک دوسرا خط بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کے پاس روانہ فرمایا۔ جس میں اسے اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں جزیہ دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى صَاحِبِ الرُّوْمِ"

اِنِّيْ اَدْعُوْكَ اِلَى الْاِسْلَامِ' فَاِنْ اَسْلَمْتَ فَلَكَ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَ عَلَيْكَ مَا عَلَيْهِمْ فَاِنْ لَّمْ تَدْخُلْ فِي الْاِسْلَامِ فَاعْطِ الْجِزْيَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى يَقُوْلُ (قَاتِلُوْا الَّذِيْنَ لَا

يُؤمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلَه‘ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْ الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍوَّهُمْ صَاغِرُوْنَ) وَ اِلَّا فَلَا تَحِلُّ بَيْنَ الْفَلَاحِيْنَ وَ بَيْنَ الْاِسْلَامِ اَنْ يَّدْخُلُوْا فِيْهِ اَوْ يُعْطُوْا الْجِزْيَةَ۔" ۲۸۹ے

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ جب حضرت دحیہ کلبی یہ خط لے کر قیصر کے دربار میں پہنچے تو اس نے اپنے تخت کے اوپر ہی اس خط کو رکھ دیا اور اعیان سلطنت اور امرائے دربار کو بلا کر کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سفیر تمہارے پاس بھیجا ہے اور ایک خط بھی دیا ہے جس میں اس نے تین باتوں میں ایک بات کو قبول کرنے کی ہدایت کی ہے:

۱۔ تم اسلام قبول کر کے اس کے دین میں شامل ہو جاؤ۔

۲۔ جزیہ دینا قبول کرو' جو خراج کی صورت میں اس کو ادا کرو اور تم اپنے علاقے میں امن سے رہو گے۔

۳۔ پھر اس کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔

اس کے جواب میں درباریوں نے کہا کہ نہ تو اس کے دین میں شامل ہوں گے اور نہ جزیہ ادا کریں گے ہاں ہم جنگ کریں گے۔ ۲۹۰ے

خطوط کے اثرات و نتائج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو دو خط لکھے تھے۔ خط پڑھنے کے بعد اس نے کہا تھا کہ یہ ایسے خطوط ہیں جن کی نظیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد میری نظر سے نہیں گزری۔ جس کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوئی ہو اور اس نے ابو سفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو جو شام میں تجارت کیلئے آئے ہوئے تھے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوالات کئے اور بعد ازاں اس نے کہا:

"میرا باپ آپ ﷺ پر قربان اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں دھوتا' یقیناً میرے قدموں کے نیچے کی زمین کے ضرور مالک بن جائیں گے۔"

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کے بارے میں فرمایا:

"بالیقین اسے ایک مدت ملے گی۔" ۲۹۱ے

"اگرچہ ہرقل ایمان نہیں لایا مگر اس باب میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ باوجود مسلمان نہ ہونے کے اس دل میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے انتہاء عزت' عقیدت اور عظمت تھی۔ اس دعوے کا تاریخی ثبوت یہ ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کے اس نامہ مبارک کو نہایت حفاظت اور احتیاط کے ساتھ بطور تبرک اپنے خزانے میں رکھا اور ایک قیمتی اور متبرک یادگار کے طور پر اپنے پیچھے آنے والے قیاصرہ کیلئے چھوڑ گیا۔

شرح زرقانی میں ہے:

"ثُمَّ اَخَذَ كِتَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَوَضَعَه‘ عَلٰى رَأْسِهٖ ثُمَّ قَبَّلَه‘ وَ طَوَاهُ فِيْ الدِّيْبَاجِ

وَالْحَرِيْرِ وَ جَعَلَه' فِیْ سَفُطٍ۔ ''

پھراس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی لے کر اپنے سر پر رکھا' اسے چوما اور مخمل اور ریشم میں لپیٹ کر ایک ڈبے میں رکھا) چنانچہ یہ مقدس تحفہ کئی صدیوں تک قسطنطنیہ کے شاہی خزانے میں محفوظ رہا۔'' ۲۹۲

جب شاہ قلاورن کا سفیر قیصر روم کے پاس قسطنطنیہ گیا تو اس نے سفیر کو دکھانے کیلئے شاہی خزانے سے ایک طلائی ڈبہ منگوایا۔ اس میں ریشمی رومال میں لپٹا ہوا یہی خط رکھا تھا۔ قیصر نے کہا کہ یہ تاریخی خط تمہارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ایک بزرگ ہرقل کو تبلیغی طور پر لکھا تھا۔ جو ہم نے آج تک بڑی حفاظت کے ساتھ اپنے خزانے میں رکھا ہوا ہے اور آباؤ اجداد کی وصیت ہے کہ جب تک یہ خط ہمارے پاس ہے ہمارا ملک ہمارے پاس رہے گا۔ اس لئے ہم اس کی بہت زیادہ حفاظت اور احترام کرتے ہیں اور اس کو عیسائیوں سے چھپا کر رکھتے ہیں تاکہ ہمارا ملک ہمارے پاس رہے۔'' ۲۹۳

۲۔ نجاشی شاہ حبش کے نام خط

افریقہ کے ملک حبش (ابی سینیا) کا بادشاہ عیسائی تھا اور عیسائیوں کے نسطوری فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا نام اصحم بن الجبر تھا اور لقب نجاشی تھا۔

''یہ لقب بالکل اسی طرح تھا جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر اور ایران کے ہر فرمان رواہ کو کسریٰ کہتے تھے۔'' ۲۹۴

رسول اللہ ﷺ کے دو خط بنام نجاشی

رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کو دو فرمان تحریر فرمائے تھے ایک میں اسے دعوت اسلام دی تھی اور قرآن کی آیات تحریر فرمائی تھیں۔ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لے لیا اور شہادت پڑھا اور کہا کہ اگر مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی گنجائش ہوتی تو ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اس نے حضور ﷺ کو اپنی فرمانبرداری' تصدیق اور اللہ رب العلمین کے لئے جعفرؓ بن ابی طالب کے ہاتھوں پر اسلام لانا لکھ دیا۔'' ۲۹۵

پہلا خط بنا نجاشی شاہ حبشہ کا مضمون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلَی النَّجَاشِیْ اَلْاَصْعَمِ مَلِكَ الْحَبْشَهِ:- سَلْمٌ اَنْتَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْكَ اللّٰهُ (اَلَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ رُوْحُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُه' اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْیَمَ الْبَتُوْلِ الطَّیِّبَةِ الْحَصِیْنَةِ فَحَمَلَتْ بِعِیْسٰی فَخَلَقَهُ اللّٰهُ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ نَفْخِهٖ كَمَا خَلَقَ آدَمَ بِیَدِهٖ وَ نَفْخِهٖ وَ اِنِّیْ اَدْعُوْكَ اِلَی اللّٰهِ وَحْدَه' لَا شَرِیْكَ لَه' وَالْمَوَالَاةُ عَلٰی طَاعَتِهٖ وَ اِنْ تَتَّبِعْنِیْ وَ تُوْمِنْ

بِالَّذِیْ جَآءَنِیْ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَاِنِّیْٓ اَدْعُوْکَ وَ جُنُوْدَکَ اِلَی اللّٰہِ قَدْ بَلَغْتُ وَ نَصَحْتُ فَاقْبَلُوْا نَصِیْحَتِیْ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔" ۲۹۶؎

خدا کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یہ خط اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہ حبش کے نام ہے۔ تجھے سلامتی ہو میں پہلے اللہ کی تعریف کرتا ہوں۔ اس اللہ کے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حقیقی بادشاہی اسی کو سزاوار ہے۔ جو تمام خوبیوں کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ وہ امن دینے والا نگہبان ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی مخلوق اور اس کا حکم ہیں۔ جو مریم بتول طیبہ عفیفہ کی جانب بھیجا گیا اور انہیں عیسیٰ کا اس سے حمل ٹھہر گیا۔ خدا نے عیسیٰ کو روح اور نفخ سے اس طرح پیدا کیا جیسا کہ آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ اور نفخ سے پیدا کیا تھا۔ اب میری دعوت یہ ہے کہ تو خدا پر' جو اکیلا اور لاشریک ہے ایمان لے آ اور ہمیشہ اس کی فرماں برداری میں رہا کر اور میرا اتباع کر۔ اور میری تعلیم کا سچے دل سے اقرار کر۔ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں میں تم کو اور تمہارے لشکر کو خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ دیکھو میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا ہے اور تمہیں خوبی سمجھا دیا ہے۔ اب مناسب ہے کہ میری نصیحت مان لو۔ سلام اس پر جو سیدھی راہ چلتا ہے۔

طبری اور قلقشندی نے اس خط میں حسب ذیل عبارت کا اضافہ کیا ہے:

"وَ قَدْ بَعَثْتُ اِلَیْکَ اِبْنَ عَمِّیْ جَعْفَرًا ' وَ نَفَرًا مَّعَہ' مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَاِذَا جَآءَکَ فَاَقْرِھِمْ وَدَعِ التَّجَبُّرَ۔" ۲۹۷؎

ترجمہ:- میں تمہارے پاس اپنے چچیرے بھائی جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیج رہا ہوں تم اسے بہ آرام ٹھہرالینا اور ان کے شایان شان سلوک کرنا اور جبر کو روکنا۔"

جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت عمرو بن امیہ الضمری حضور ﷺ کا والا نامہ لے کر نجاشی کے پاس آئے اور اس یہ خط دیا:

"فَاَخَذَ کِتَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَوَضَعَہ' عَلٰی عَیْنَیْہِ وَ نَزَلَ مِنْ سَرِیْرِہٖ فَجَلَسَ عَلَی الْاَرْضِ تَوَاضِعًا ثُمَّ اَسْلَمَ وَ شَھِدَ شَھَادَۃَ الْحَقِّ۔"

تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر آنکھوں کو لگایا اور منہ سے چوما اور خط کے ادب و احترام میں تخت سے زمین پر اتر آیا اور باآواز بلند کہا کہ بے شک اس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسولؐ ہیں اور ان پر پورے طور پر ایمان لاتا ہوں۔

اس اعلان اور تصدیق کے بعد نجاشی نے ہاتھی دانت کی ایک نفیس اور قیمتی ڈبیہ منگوائی اور اس ڈبیہ میں اس نامہ مبارک کو نہایت احتیاط سے بطور تبرک رکھ کر اسے شاہی خزانے میں بھجوا دیا تاکہ وہاں محفوظ رہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اس کے ساتھ اس نے یہ بھی کہا کہ چونکہ یہ ایک نبی کا خط ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ: **"لن تزال الحبشہ بغیر**

مَا کَانَ هٰذَانِ اَلْکِتَابَانِ بَیْنَ اَظْهُرِهَا۔" ۲۹۸

جتنا عرصہ یہ خطوط ہمارے درمیان محفوظ رہیں گے اتنا عرصہ حبشہ کی سرزمین ان کی برکت سے بلاؤں اور مصیبتوں سے امن میں رہے گی اور اہل حبشہ برابر اس خط سے خیر اور بھلائی پاتے رہیں گے۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نجاشی کا جواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِلٰی مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مِنَ النَّجَاشِیِّ اَلْاَصْحَمِ بْنِ اَبْجَر سَلَام" عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ وَرَحْمَةِ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُه، مِنَ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الَّذِیْ هَدَانِیْ اِلَی الْاِسْلَامِ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ بَلَغَنِیْ کِتَابُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِیْمَا ذَکَرْتَ مِنْ اَمْرِ عِیْسٰی فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ عِیْسٰی مَا یَزِیْدُ عَلٰی مَا ذَکَرْتَ ثُفْرُوْقًا اِنَّه، کَمَا قُلْتَ وَ قَدْ عَرَفْنَا مَا بَعَثْتَ بِه اِلَیْنَا وَ قَدْ قَرِیْنَا ابْنِ عَمِّکَ وَ صَحَابِه : فَاَشْهَدُ فَاِنَّکَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَادِقًا مُصَدِّقًا: وَقَدْ بَعَثَ اِلَیْکَ بِاِبْنِیْ اَرْهَابِنِ اَلْاَصْحَمِ بْنِ اَبْجَرِ: فَاِنِّیْ لَا اَمْلِکُ اَلْاَنْفُسِ وَ اِنْ شِئْتَ اِنَّ اٰتِیَکَ فَعَلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنِّیْ اَشْهَدُ اِنَّ مَا تَقُوْلُ حَقٌّ" وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔" ۲۹۸

نجاشی شاہ حبش کے نام دوسرا مکتوب نبوی ﷺ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خط کے متعلق طبقات ابن سعد میں حسب ذیل صراحت موجود ہے:

"دوسرے مکتوب گرامی میں حضور ﷺ نے نجاشی کو حکم فرمایا تھا کہ میرا نکاح ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان بن حرب سے کر دے۔ جنہوں نے اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش الاسدی کے ہمراہ ملک حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ وہاں پہنچ کر عبید اللہ بن جحش نصرانی ہو گیا اور مر گیا۔

حضرت ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں، لیکن انتہائی پریشانی کے عالم میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلدہی کی خاطر انہیں پیغام نکاح بھجوا دیا تھا۔

"رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ جو اصحاب وہاں ہیں انہیں سوار کر کے میرے پاس بھیج دیں۔"

یہ دونوں خط بارگاہ رسالت ﷺ کے سفیر حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری شاہ حبش کے پاس لے کر گئے۔" ۳۰۰

نجاشی نے خالد بن سعید بن العاص کو مقرر کیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایجاب وقبول ادا کیا۔ نجاشی نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو اشرفیاں مہر ادا کیا۔" ۳۰۱

مَا كَانَ هٰذَانِ الْكِتَابَيْنِ بَيْنَ اَظْهَرِهَا۔" ۲۹۸؎

جتنا عرصہ یہ خطوط ہمارے درمیان محفوظ رہیں گے اتنا عرصہ حبشہ کی سرزمین ان کی برکت سے بلاؤں اور مصیبتوں سے امن میں رہے گی اور اہل حبشہ برابر اس خط سے خیر اور بھلائی پاتے رہیں گے۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نجاشی کا جواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

اِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مِنَ النَّجَاشِيِّ الْاَصْعَمِ بْنِ اَبْجَر سَلَام" عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُه، مِنَ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الَّذِيْ هَدَانِيْ اِلَى الْاِسْلَام اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ بَلَغَنِيْ كِتَابُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْمَا ذَكَرْتَ مِنْ اَمْرِ عِيْسٰى فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ عِيْسٰى مَا يَزِيْدُ عَلٰى مَا ذَكَرْتَ ثُفْرُوْقًا اِنَّه، كَمَا قُلْتَ وَ قَدْ عَرَفْنَا مَا بَعَثْتَ بِهٖ اِلَيْنَا وَ قَدْ قَرَيْنَا ابْنَ عَمِّكَ وَ صَحَابِه : فَاَشْهَدُ فَاِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَادِقًا مُصَدِّقًا: وَقَدْ بَعَثْتُ اِلَيْكَ بِاِبْنِيْ اَرْهَابْنِ الْاَصْعَمِ بْنِ اَبْجَرِ: فَاِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اِنْ شِئْتَ اَنْ اٰتِيَكَ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّ مَا تَقُوْلُ حَقٌّ" وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ " ۲۹۸؎

نجاشی شاہ حبش کے نام دوسرا مکتوب نبوی ﷺ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خط کے متعلق طبقات ابن سعد میں حسب ذیل صراحت موجود ہے:

"دوسرے مکتوب گرامی میں حضور ﷺ نے نجاشی کو حکم فرمایا تھا کہ میرا نکاح ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان بن حرب سے کردے۔ جنھوں نے اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش الاسدی کے ہمراہ ملک حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ وہاں پہنچ کر عبید اللہ بن جحش نصرانی ہو گیا اور مر گیا۔

حضرت ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں، لیکن انتہائی پریشانی کے عالم میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلدہی کی خاطر انہیں پیغام نکاح بھجوادیا تھا۔

"رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ جو اصحاب وہاں ہیں انہیں سوار کر کے میرے پاس بھیج دیں۔"

یہ دونوں خط بارگاہ رسالت ﷺ کے سفیر حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری شاہ حبش کے پاس لے کر گئے۔" ۳۰۰؎

نجاشی نے خالد بن سعید بن العاص کو مقرر کیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایجاب و قبول ادا کیا۔ نجاشی نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو اشرفیاں مہر ادا کیا۔" ۳۰۱؎

نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ اور دوسرے مسلمانوں کو نجاشی نے مع سازو سامان عمرو بن امیہ الضمری کے ہمراہ دو کشتیوں میں سوار کرادیا۔"۳۰۲

اور حسب ذیل مکتوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کیا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

اِلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ مِنَ النَّجَاشِيِّ الْاَصْعَمِ: سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةِ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُه، اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ قَدْ زَوَّجْتُكَ اِمْرَأَةً مِّنْ قَوْمِكَ وَ عَلٰى دِيْنِكَ وَ هِيَ السَّيِّدَةُ اُمِّ حَبِيْبَه بِنْتِ اَبِيْ سُفْيَانَ وَاهْدَيْتُكَ هَدِيَّةً جَامِعَةً قَمِيْصًا وَ سَرَاوِيْلَ وَ عَطَافًا وَ خُضَيْنَ سَاذِجَيْنِ۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُه، ۔"۳۰۳

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں:

"لَمَّا قَدِمَ جَعْفَرُ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ مِّنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ تِلْقَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَلَمَّا نَظَرَ جَعْفَرٌؓ اِلَيْهِ جَعَلَ (قَالَ مَكِّيٌّ" يَعْنِيْ مَشٰى عَلٰى رِجْلٍ وَاحِدَةٍ اِعْظَامًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ) فَقَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَيْنَ عَيْنَيْهِ۔"۳۰۴

ترجمہ:۔ جب حضرت جعفرؓ بن ابی طالب حبشہ کی سرزمین سے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنے کے لئے نکلے۔ حضرت جعفرؓ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو رسول اللہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و اکرام کی وجہ سے ایک پاؤں پر چلنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان انہیں بوسہ دیا۔

آج بھی حبشی لوگ اپنے اکابرین کے احترام میں پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ جاتے ہیں تاوقتیکہ وہ ان سے مصافحہ کیلئے ہاتھ نہ بڑھائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن بہت زیادہ خوش تھے اور وفور جذبات سے فرماتے تھے کہ "معلوم نہیں آج مجھے خوشی جعفرؓ کے آنے کی ہے یا خیبر کی فتح کی۔"۳۰۵

خطوط کے اثرات ونتائج

"اگر ناظرین نجاشی کو لکھے گئے خط میں اور ان خطوط میں جو قیصر و کسریٰ کو لکھے گئے غور فرمائیں گے تو آپ کو ان میں ایک ہی فرق نظر آئے گا۔ قیصر و کسریٰ کو خطوط نہایت خودداری اور آزادی کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ان میں نہایت بے پرواہی کے ساتھ دنیا کے ان سب سے بڑے دو شہنشاہوں کو صرف عظیم الروم اور عظیم الفارس کے نام سے مخاطب کیا گیا اور ان کو ہدایت قبول نہ کرنے کی صورت میں خدائی گرفت اور عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا مگر نجاشی کے نام دونوں خطوط میں بہت نرمی اور محبت کا اظہار ہے اور تہدید و دھمکی کی کوئی بات اس میں نہیں۔ پھر نجاشی کو ملک الحبشہ (شاہ حبش) لکھا ہے۔ اگرچہ قیصر و کسریٰ کی شان و شوکت و طاقت کے سامنے حبش کے بادشاہ کی کوئی حقیقت ہی نہیں تھی۔ پھر قیصر و کسریٰ کو

خطوط بھیجتے وقت آپ کو یہ امید نہ تھی کہ یہ طاقت و حکومت کے نشہ میں سر تاپا سرشار فرمانروا میری توحید کی دعوت کو قبول کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مگر نجاشی کی طبعی شرافت اور نیکی کے باعث نبی کریم ﷺ کا دل اس یقین سے پر تھا کہ وہ ضرور میری دعوت و تبلیغ پر توجہ دے گا اور ایمان لے آئے گا اور حضور کی توقع کے مطابق ایسا ہی عمل میں آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی روح پہلے ہی صداقت اور سچائی کو قبول کرنے کیلئے بالکل تیار تھی اور قبول حق کے لئے صرف ذرا سے اشارے کی دیر تھی۔ یہ اشارہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کی شکل میں ہوا اور وہ فوراً لبیک کہتا ہوا اس پیغام پر ایمان لے آیا۔ جو نبی کریم ﷺ نے اسے پہنچایا۔۳۰۶۔

اس نیک دل، نیک نفس اور سچے مومن بادشاہ کا انتقال ۹ھ مطابق ۶۳۰ء میں ہوا۔ جب مدینہ میں اس کے انتقال کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور اس کی مغفرت کی دعا مانگی۔

جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

"لَمَّا مَاتَ النَّجَاشِیُّ قَالَ قَدْ مَاتَ الْیَوْمَ عَبْدٌ صَالِحٌ یُقَالُ لَه، اَصحَمَه، فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا۔"

ترجمہ:۔ جب نجاشی فوت ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج ایک مرد صالح کا انتقال ہو گیا ہے جسے اصحمہ کہتے ہیں اٹھو اس کی نماز جنازہ پڑھو۔

دار قطنی میں حضرت انسؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں:

"قُوْمُوْا فَصَلُّوْا عَلٰی اَخِیْکُمُ النَّجَاشِیِّ" ۳۰۷۔

ترجمہ:۔ اٹھو اور اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو۔

جذبہ تشکر و امتنان

"اصحمہ کے بعد جو بادشاہ حبش کے تخت پر بیٹھا اسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تبلیغی خط بھیجا تھا مگر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور مسیحی مذہب پر ہی فوت ہوا۔ اس لئے اسلام حبشہ میں نہ پھیلا۔" ۳۰۸۔

حافظ محمد یونس، ڈاکٹر "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفارتی نظام" میں رقمطراز ہیں:

"حبشہ میں اشاعت اسلام اس خاص وجہ سے بھی نہیں ہوئی کہ اس اولین احسان کی وجہ سے جو ابتدائی صحابہ کو اپنے ہاں پناہ دے کر نجاشی شاہ حبشہ نے اسلام پر کیا تھا۔ مسلمانوں نے چودہ سو برس میں ایک مرتبہ بھی حبشہ پر قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی اور اس کو کامل طور پر اسے کے حال پر چھوڑ دیا۔ اگرچہ اس دوران مسلمانوں نے شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک کے ممالک پر قابو پالیا لیکن اس احسان کے بدلے میں سلطنت حبش کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں

دیکھا۔''۳۰۹۔

مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے:

''شاہ حبش نجاشی نے اسلام قبول کیا تو اس کی ریاست کو اسلامی ریاست میں مدغم نہیں کیا گیا' بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ حبشہ پر حملہ نہ کیا جائے جب تک کہ اہل حبشہ خود جارح اقدام نہ کریں۔''۳۱۰۔

''جو لوگ اسلام پر بزور شمشیر پھیلنے کا الزام لگاتے ہیں ان کے لئے حبش کی تاریخ بڑی سبق آموز ہے۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ اصحمہ نجاشی کے بعد اس کے جانشین نے اسلام قبول نہیں کیا۔ مگر اس کے باوجود آج بھی ڈیڑھ کروڑ کی آبادی میں پنتالیس لاکھ مسلمان موجود ہیں۔ یعنی کل آبادی کا ۳۰ فیصد' یہی نہیں بلکہ حبش کی تہذیب و تمدن میں بھی اسلامی رنگ کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔''۳۱۱۔

''اگر ان لوگوں نے اسلام کی صداقت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ہے تو یقیناً دوسرے لوگوں نے اس سے اثر لیا ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ نصف صدی کی قلیل مدت میں آدھی دنیا مسلمانوں کے زیر نگین ہو گی۔ روم و ایران جو اس زمانے میں دو سب سے بڑی طاقتیں تھیں۔ ان کو مسلمانوں کیلئے جگہ خالی کر دینی پڑی۔ مگر ان زبردست فتوحات کے باوجود حبش کے ملک کو جو عرب کے بالکل پہلو میں واقع ہے مسلمانوں نے نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا' وہاں آج تک عیسائی حکومت قائم ہے۔ دنیا کی تاریخ میں احسان شناسی اور شکر گزاری کی یہ شاندار مثال ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے صرف انہی طاقتوں سے جنگ کی ہے جو اپنی طاقت کے نشے میں ایک طرف تو اسلام کو ختم کر دینے کے درپے ہوئیں اور دوسری طرف انہوں نے دنیا کے امن کو خطرے میں ڈال دیا۔ تاریخ میں مسلمانوں کی کسی ایسی جنگ کا پتہ نہیں چلتا جو محض فتح حاصل کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو زبردستی مسلمان بنانے کیلئے لڑی گئی ہو۔۳۱۲۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس بارے میں بالکل صاف موجود ہے۔

''لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْن'' ۳۱۳۔

ترجمہ:- دین میں کسی پر کوئی زبردستی نہیں۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا خط بنام مقوقس حاکم مصر

رسول اللہ ﷺ نے سنہ ۷ ھ میں جب شاہان عجم و عالمی دعوت کے سلسلے میں نامہ مبارک لکھا تو مقوقس کے نام بھی لکھا اور ارشاد فرمایا کہ:

''لوگو تم میں سے کون سا شخص حاکم مصر کے پاس میرا مکتوب لے کر جائے گا۔ اس کا اجر اللہ کی طرف سے اس کو ملے گا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ الخمی نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ اس خدمت کیلئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی کہ حاطب! اللہ کی برکت تمہارے شامل حال ہو۔''۳۱۴۔

"بارگاہ رسالت سے مصر کی سفارت کیلئے حاطب بن ابی بلتعہ مامور ہوئے۔ وہ مہر شدہ مکتوب گرامی لے کر مسافت طے کرتے ہوئے مصر پہنچے۔ مقوقس اسکندریہ گیا ہوا تھا وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ مقوقس اپنے خصوصی ارکان کے ساتھ دریائے نیل میں کشتی پر سوار ہو کر سیر و تفریح کر رہا ہے۔ حضرت حاطب بھی ایک کشتی پر بیٹھ گئے۔ جب آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے خط دکھایا۔ مقوقس نے حکم دیا کہ میرے پاس لایا جائے۔ حضرت حاطب نے حاضر ہو کر خط پیش کیا۔ اس نے توقیر اور عظمت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ کو لیا اور پڑھا۔ خط کا مضمون یہ تھا: ۳۱۵؎

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ O

مِنۡ مُّحَمَّدٍ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ اِلَى الۡمَقُوۡقِسِ عَظِيۡمُ الۡقَبۡطِ! سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰى اَمَّا بَعۡدُ! فَاِنِّىۡ اَدۡعُوۡكَ بِدُعَايَةِ الۡاِسۡلَامُ اَسۡلَمۡ تَسۡلِمۡ يُؤۡتِكَ اللّٰهُ اَجۡرُكَ مَرَّتَيۡنِ، فَاِنۡ تَوَلَّيۡتَ فَعَلَيۡكَ اِثۡمُ الۡقَبۡطِ، يَا اَهۡلَ الۡكِتَابِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيۡنَنَا وَ بَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡئًا وَّ لَا يَتَّخِذُ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوۡا اشۡهَدُوۡا بَاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ۔" ۳۱۶؎

مقوقس نے خط کو سن کر حکم دیا کہ اس کو ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں سر بمہر کر کے خزانہ میں محفوظ کر دو۔

حضرت حاطب کا بیان ہے کہ مقوقس نے مجھ سے کہا کہ اگر وہ واقعی سچے نبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان تو جس وقت ان کی قوم نے ان کو مکہ سے نکالا تو اس وقت ان کے حق میں بد دعا کیوں نہ کی کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔" ۳۱۷؎

المواہب الدنیہ میں ہے کہ مقوقس نے کہا:

"ان کان نبیا ان یدعوا فسلط علی۔" ۳۱۷؎

ترجمہ:۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں تو انہیں چاہیے تھا کہ خط کے ذریعے مجھے تبلیغ کرنے کی بجائے میرے خلاف اپنے خدا سے دعا کی ہوتی کہ خدا مجھے مقوقس پر غلبہ دے دے۔"

"حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے نہایت حاضر جوابی کے ساتھ الزامی طور پر فرمایا اگر آپ کا یہ اعتراض درست ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت اپنے دشمنوں کے حق میں بد دعا کیوں نہ کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے جس وقت انہوں نے ان کو سولی دینے کا ارادہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ "بہت خوب! تم خود بھی دانا ہو اور جس کے پاس سے آئے ہو وہ بھی دانا ہے۔" ۳۱۸؎

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاکم مصر مقوقس کا جواب

مقوقس نے نامہ مبارک کا حسب ذیل جواب لکھ کر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے سپرد کیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ O

لِمُحَمَّدِ بۡنِ عَبۡدُاللّٰهِ مِنَ الۡمَقُوۡقِسِ عَظِيۡمُ الۡقَبۡطِ! سَلَامٌ عَلَيۡكَ اَمَّا بَعۡدُ! فَقَدۡ

قَرَأتُ كِتَابُكَ وَ فَهِمتُ مَا ذَكَرتُ فِيهِ وَمَا تَدعُوا اِلَيهِ وَ قَدْ عَلِمتُ اَنَّ نَبِيًا لَقِبِيٌ وَ كُنتُ اَظُنُّ اَن يَّخرُجَ مِنَ الشَّامِ وَ قَدْ اَكرَمتُ رَسُولَكَ وَ بَعَثتُ اِلَيكَ بِجَارَتَينِ لَهُمَا مَكَان" فِيُ القِبطِ عَظِيم" وَ بِكِسوَةٍ وَاهدَيتُ اِلَيكَ بَغلَة" لِتَركَبَهَا وَالسَّلَامُ عَلَيكَ بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ۔" ۳۱۹ـ

رسول اللہ ﷺ کے سفیر حاطبؓ کی خاطر مدارت

مقوقس نے حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کو بہت عزت و احترام کے ساتھ مہمان بنا کر رکھا ان کا کہنا ہے:

"کَانَ لِیُ مَکَر" مَا فِیُ الضِّیَافَةِ وَ قِلَّةُ اللَّبثِ بِبَابِهٖ مَا اَقَمتُ عِندَه، اِلَّا خَمسَةُ اَیَّامٍ۔"

ترجمہ:۔وہ مہمانداری میں میرا اکرام کرتا تھا اور مجھے اس کے دربار میں حاضری کیلئے دروازے پر زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا پڑتا تھا میں نے اس کے ہاں صرف پانچ روز قیام کیا۔" ۳۲۰ـ

مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد و سفیر کی بہت عزت افزائی کی اور رخصت کے وقت ان کو سو (۱۰۰) اشرفی اور پانچ کپڑے بھی دیئے تھے۔"

خط کے نتائج و اثرات

حافظ محمد یونس، ڈاکٹر "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفارتی نظام" میں تبلیغی خطوط کے اثرات و نتائج پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

۱۔ مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کے مکتوب گرامی کو پڑھنے کے بعد ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے مہر لگادی اور اسے اپنی کنیز کے سپرد کر دیا کہ سرکاری خزانے میں محفوظ رکھا جائے۔

۲۔ حضور ﷺ کی خدمت میں مقوقس نے دو لڑکیاں بھی بھیجی تھیں۔ایک کا نام "ماریہ" اور دوسری کا نام "سیرین" تھا۔یہ دونوں (ماریہ اور سیرین" راستے ہی میں حضرت حاطبؓ کی تعلیم و تلقین سے مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں۔ حضرت ماریہؓ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئیں اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم ان ہی کے بطن سے تولد ہوئے۔(جن کا انتقال چھوٹی عمر میں ہی ہو گیا) اور "سیرین" ان کی بہن تھیں جو حضرت حسان کو عطا ہوئیں۔

۳۔ اس نے رسول کریم ﷺ کے لئے بیس کپڑے اور مختلف تحائف بھی بھیجے تھے۔ جن میں عطریات، عمامے، ہزار مثقال سونا، پانی پینے کے شیشے کے پیالے "قسیر" نامی ایک اور لڑکی اس کے علاوہ "مریہ" نامی ایک سیاہ فام لڑکی، ایک سیاہ فام لڑکا جس کا نام "مابور" تھا۔ایک گدھا، ایک گھوڑا، کچھ شہد، ایک چوکور ڈبیہ (سنگھار بکس) جس میں رسول اللہ ﷺ سرمہ

دانی، تیلی کی شیشی، کنگھی، قینچی، مسواک وغیرہ رکھا کرتے تھے۔

۴۔ مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک طبیب بھی بھیجا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کو یہ سمجھا کر واپس کر دیا کہ ہم لوگ اس وقت تک نہیں کھاتے جب تک خوب بھوک نہ لگے اور جب بھی کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔ (اسلئے تمہاری ضرورت نہیں ہے) ۳۲۱

عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم

مسجد نبوی ﷺ میں علم کے حلقے اور اسمیں صحابہؓ کے انہاک کی کیفیت

صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب قریب حلقہ بنا کر بیٹھا کرتے تھے۔ ان کا مقصد حصول علم ہوتا تھا اور وہ فرائض اور سنن سیکھتے تھے۔ اگر چہ اس میں قبلہ کی طرف پشت کر کے بھی بیٹھنا پڑتا تھا۔ مسجد میں دنیاوی باتوں کیلئے حلقہ بنانا جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عنقریب آخری زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مسجدوں میں حلقہ بنا کر بیٹھیں گے جن کا مقصود صرف دنیا ہوگا۔ ۳۲۲

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ ۳۲۳

تا کہ (جو ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو۔

رسول اللہ ﷺ علم کے حلقوں کو ترجیح فرماتے تھے

رسول اللہ ﷺ جب ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا دو حلقے ہیں۔ ایک میں لوگ تلاوت قرآن، دعا و مناجات کر رہے ہیں اور دوسرے میں لوگ سیکھنے سکھانے میں مشغول ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کے حلقے میں تشریف فرما ہو گئے۔ روایت ہے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تعلیمی حلقہ لیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ جب تعلیمی حلقے سے فارغ ہوتے تو تعلیم کو کون جاری رکھتا تھا

نبی کریم ﷺ جب تعلیم و نصیحت سے فارغ ہو کر تشریف لے جاتے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حلقہ میں بیٹھ کر تعلیم کو اسی طرح جاری رکھتے تھے۔ پھر جب دوبارہ حضور ﷺ تشریف لاتے تو لوگ خاموش ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ تشریف فرماتے اور تاکید فرماتے کہ اسی عمل میں مشغول رہیں اور اسی کو جاری رکھیں۔ کبھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی تعلیمی حلقہ سنبھالتے تھے وہ فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قرآن سکھانے سے پہلے ایمان سکھایا۔ ۳۲۴

صحابہؓ کا آپس میں قرآن سیکھنا اور سکھانا اور حضور علیہ السلام کا اسکی تفسیر فرمانا

قَالَ فَاِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلِّمِ يَقُوْلُ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَ اِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتُهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَ اِنَّ الْعَالِمِ يَسْتَغْفِرُلَه، مَنْ فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَ الْحِيْتَانِ فِی جَوْفِ الْمَآءِ وَ اِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوْكِبِ وَ اِنَّ الْعُلَمَاءِ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وَ اِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ مِمَّنْ اَخَذَه، اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔ ۳۲۵؎

ترجمہ :۔ حضرت ابو درداء نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو علم حاصل کرنے کیلئے کسی راستے پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلائے گا اور علم حاصل کرنے والے کی خوشی کیلئے فرشتے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور عالم کیلئے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز دعا مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بھی اور عبادت کرنے والوں پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر اور علماء ہی انبیائے کرام کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیائے کرام کی میراث دینار یا درہم نہیں ہوتے ان حضرات کی میراث علم دین ہے جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے بہت بڑا حصہ پالیا۔

صحابہؓ جو کچھ سیکھتے فوراً حفظ کر لیتے اور مذاکرہ کر کے اس کی حفاظت فرماتے۔

روایت ہے کہ **"تزاوروا و تذاکروا"** ایک دوسرے کی زیارت کیا کرو اور حدیث کا آپس میں مذاکرہ کیا کرو۔ حضرت عون بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے علم کے مذاکرہ سے زیادہ کسی عمل کو نہیں پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں اللہ کے راستے میں نہ چلتا یا مٹی میں اپنی پیشانی کو اللہ کے سامنے نہ رکھتا یا ان لوگوں کی مجلس میں نہ بیٹھتا جو اچھی باتوں کو اس طرح اٹھاتے ہیں جیسا کہ اچھی کھجور کو اٹھایا جاتا ہے تو میں موت کو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ دنیا کی صرف دو لذتیں رہ گئی ہیں۔ ایک یادگار اہل علم کی مجلس دوسری میری اولاد میں سے کوئی نیک صالح بندہ پیدا ہو جائے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب صحابہ آپس میں ملتے تھے تو احادیث کا مذاکرہ فرماتے تھے اور وہ حدیث فقہ ہوتی تھی یا کوئی فرمائش کرتا تو قرآن کی تلاوت کر دیتے تھے۔

۳۲۶؎

حضور علیہ السلام کا ارشاد کہ صاحب فضیلت صحابہ سے علوم حاصل کرو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو سب سے زیادہ رحم کھانے والے ہیں ان کی اقتداء اور اتباع کرو اور حضرت عمرؓ جو معاملہ میں سب سے زیادہ سخت ہیں ان کی رہبری میں چلو اور جب ابن

مقتدر رضی اللہ عنہ تم سے کوئی حدیث بیان کریں تو قبول کرو' اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے قرآن سیکھا کرو۔ اسی طرح سچے جہاد والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور حلال و حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں اور علم و فرائض کے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں اور امت کے امانت دار حضرت ابو عبیدہ بن جراح ہیں اور سب سے بڑے قاضی القضاۃ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ سب سے بڑے زاہد حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سب سے بڑے عابد و متقی ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سب سے بڑے حاکم اور فیصلہ چکانے والے ہیں۔ ۳۲۷ے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہل علم کیلئے خاص دن مقرر فرماتے تھے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو اس انداز سے علم دین سکھاتے تھے کہ وہ اکتا نہ جائیں۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دین کو لوگوں پر آسان انداز میں پیش کرو' دشوار نہ بناؤ' انہیں بشارت سناؤ' نفرت نہ دلاؤ' اگرچہ عمل میں مداومت ایک مطلوبہ چیز ہے لیکن ضرورت کا ضابطہ نشاط کے پائے جانے کے ساتھ ہے اور رعایت کے ساتھ ہے۔ اسی اتباع میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کو کبھی روزانہ کبھی ایک دن چھوڑ کر اور کبھی ہفتہ میں ایک دن وعظ و نصیحت و تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ ۳۲۸ے

صحابہؓ علم دین کو بتدریج اور بالترتیب سیکھا کرتے تھے

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اے لوگو! تم علماء ربانی اور فقیہ ہو۔ ربانیین ان کو کہا جاتا ہے کہ وہ علم کے ذریعہ لوگوں کو اس طرح تربیت کرتے ہیں کہ چھوٹے علوم اور مسائل بڑے علوم سے پہلے سکھاتے ہیں۔ یعنی جزوی مسائل کو کلیات سے پہلے سکھاتے ہیں یا اس کے فروعات کو اصول سے پہلے یا اس کے مقدمات کو اس کے مقاصد سے پہلے سکھاتے ہیں۔ ۳۲۹ے

باوجود عمر رسیدہ ہونے کے صحابہ کا علمی شغف

علم دین سیکھنے کے لئے بچپن کی عمر بہترین ہوتی ہے۔ مقولہ ہے کہ:

اَلتَّعْلِيمُ فِيْ الصِّغْرِ كَالنَّقْشِ فِي الْحَجَرِ۔

بچپن کی پڑھائی پتھر پر کھدائی ہے۔

یہ مقولہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا کہا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بچپن میں علم سیکھا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے بڑی عمر میں بڑھاپے میں 'ادھیڑ عمر میں جوانی میں' بچپن میں۔ ادھر مسلمان ہوئے ادھر علم دین سیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ علم کے سمندر بنے اور مثال قائم کر دی۔ لہٰذا اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں مجھے یاد نہیں رہتا۔ یہ ضرور ہے کہ بچپن میں علم کی باتیں زیادہ تر راسخ اور اس

کی جڑ مضبوط ہوا کرتی ہے اور وہ فروعات میں زیادہ ماہر ہوتے ہیں۔۳۳۰؎

صحابہؓ کا احادیث کو سننا اور ان کے حفظ و ضبط کا طریقہ اور کوائف

''حضور اقدس ﷺ جب کچھ ارشاد فرماتے تو صحابہ کرام آپ سے قریب سے قریب ہونے کی جدوجہد کرتے تاکہ کوئی ذرا سی بات چھوٹ نہ جائے۔ پھر جو پیچھے ہوتے وہ آگے والوں سے دریافت کرتے کہ بتاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے کیا دریافت فرمایا تو پھر پوری باتوں کی تکرار ہوتی۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے عشاء کی نماز کے وقت صحابہ سے فرمایا کہ صبح کی نماز میں سب جمع ہو جائیں کیونکہ مجھے تم سے کام ہے۔ پھر وہ لوگ اسی طرح جمع ہو گئے اور انہوں نے اسی طرح دریافت کیا اور آپس میں تکرار کی۔ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ ہیں آج کل کے علم الاختزال کے اصول۔

صحابہؓ اگر کوئی بات نہ سمجھ سکتے تو دہرا لیتے تھے حتیٰ کہ سمجھ میں آجائے

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہی عادت شریفہ تھی۔ آپؓ جب کوئی علمی بات سن لیتی تھیں تو اس کو دہرا لیتی تھیں۔ حتیٰ کہ سمجھ لیتیں۔ آپس میں تکرار کر لینا طالب علمی کے آداب میں سے ہے۔ تقریباً ساٹھ صحابہ (کی جماعت) حضور اقدس ﷺ سے حدیث سنتے تو چھ چھ آدمیوں کا حلقہ بنا کر اس کی تکرار کرتے۔ پھر ایک سے پھر کسی اور سے اسی طرح وہ علم ان کے دلوں میں پیوست ہو جاتا تھا اور وہ اس جگہ سے اس حال میں اٹھتے گویا وہ علم ان کے دلوں میں کاشت کر دیا گیا ہے۔''۳۳۱؎

صحابہؓ علم دین اور دعوت دین کو ہاتھوں ہاتھ راتوں رات لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز کے بعد خطبہ و وعظ فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رات میں مسلمانوں کے معاملات کی باتیں کیا کرتے تھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بنی اسرائیل کی باتیں سناتے حتیٰ کہ صبح کر دیتے تھے۔ صرف بڑی نماز کیلئے اٹھتے تھے۔''

اس حدیث میں علمی گفتگو کرنا' نماز نفل اور سبق آموز قصہ گوئی کا جواز ملتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے رات کے وقت فقہی امور پر مذاکرہ شروع کیا تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نماز کی طرف متوجہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نماز میں ہیں (یعنی یہ گفتگو اور مذاکرہ بھی عبادت ہے) عشاء کے بعد جن باتوں سے روکا گیا ہے وہ دنیاوی باتوں سے متعلق ہیں وہ اس حدیث میں داخل نہیں ہیں۔۳۳۲؎

صحابہؓ حضور ﷺ سے اپنے مسائل دریافت کرتے اور اطمینان بخش جواب حاصل کرتے تھے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد جب تشریف فرما ہوتے تو صحابہ آپؐ کے قریب ہو جاتے تھے۔ بعض

قرآن کریم کے بارے میں اور بعض علم و فرائض کے بارے میں اور بعض خواب کے بارے میں دریافت کرتے تھے تو حضور اقدس ﷺ اس کا جواب عنایت فرماتے تھے۔ ظہر کے بعد ملاقات کیلئے پیشگی اجازت لینی پڑتی تھی۔ مجلس سے اٹھنے سے قبل صحابہ مذاکرہ کیا کرتے تھے جس سے ایمان و علم راسخ ہو جاتا تھا۔ ۳۳۳۔

صحابہ کرامؓ مذاکرہ کرتے تھے عام نشستوں میں بھی احادیث بیان کی جاتی تھیں

"ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرنے کی فرمائش کی تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپؓ کے موجود ہوتے ہوئے میں حدیث بیان کروں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا یہ اللہ کی نعمت نہیں ہے کہ میں حاضر ہوں اور تم حدیث سناؤ تاکہ اگر کوئی غلطی ہو تو اس کو درست کردوں اور سکھادو۔" ۳۳۴۔

مدینہ منورہ میں تعلیمی سرگرمیاں

واقدی نے کہا کہ اوس اور خزرج میں عربی لکھنے والے بہت کم تھے اور بعض یہودی بھی عربی لکھنا جانتے تھے اور وہ بچوں کو تعلیم دیتے تھے ابتدائی زمانے میں اور واقدی ان لوگوں کے نام بیان کرتا ہے جو کتابت جانتے تھے لیکن ان کی تعداد گیارہ سے زیادہ نہ ہے اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مدینہ کے لکھنے والوں کی تعداد مکہ کے کاتبین سے کم ہے۔ اس کے باوجود اس وقت جزیرہ عرب میں تعلیمی سرگرمیوں کی باریک بینی کی فہرست ناممکن ہے۔ ۳۳۵۔

مدینہ منورہ میں تعلیم پالیسی کی تشکیل

مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین تنگ ہوگئی اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور ان مین سے جو بچ گئے ان کے لئے عذاب میں اضافہ کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اس دعوت کو مدینہ طیبہ پہنچائے اور انصار کی ایک بہت بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا اور ان کی ثقافتی حالت بدل گئی کیونکہ انصار نے اُمیّوں کے درمیان زندگی گزاری تھی اب ان کے لئے جہالت پر خاموش رہنا ممکن نہ تھا۔

اور یہاں تعلیم کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا

انصار میں سے رافع بن مالک انصاری مکہ جاتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سیکھتے تھے اور مدینہ کی طرف تدریس کیلئے لوٹتے تھے۔ لیکن انصار نے اس بات پر اکتفانہ کیا بلکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جبکہ وہ مکہ میں تھے۔ آپؐ کی طرف لکھا کہ ہماری طرف ایک آدمی بھیجیں جو ہمیں دین سمجھائے اور ہمیں قرآن پڑھائے۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ وہ انہیں قرآن کریم پڑھاتے تھے اور اس کی تعلیم دیتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عہد مکی تک تعلیم کا اہتمام فرماتے رہے۔ اس حال میں وہ آپؐ سے لڑتے

جھگڑتے بھی تھے۔ آپ ﷺ نے اہل مکہ کے امور کو ترتیب دیا اور بعض معلمین کو مدینہ کی طرف بھیجا۔ جبکہ وہاں کچھ لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ان کے لئے علم کا ایک نیا دروازہ کھل گیا۔ ۳۳۶ ـ

رسول اللہ ﷺ نے تعلیمی پالیسی کو پلان کیا

ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے ایسی تعلیمی پالیسی تشکیل فرمائی جس کی مثال پوری دنیا میں آج تک نہیں ملتی۔ ۳۳۷ ـ

عملی تعلیم کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی پالیسی اور تعلیمی اداروں کی تشکیل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد جو پہلا کام کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی۔ اس مسجد کا ایک حصہ تعلیمی اغراض کے لئے مختص کیا گیا۔ انہیں ''صفہ'' کہا جاتا تھا اور ہم اسے اسلام کی پہلی داخلی یونیورسٹی کا نام دے سکتے ہیں۔ جبکہ وہ غریب طلباء کا ٹھکانہ بھی تھا۔ ۳۳۸ ـ

اسلامی یونیورسٹی ''صفہ'' کا انداز تعلیم و تدریس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ آپؐ نے قراءت و کتابت کی تعلیم کیلئے مخصوص لوگوں کو مامور کیا۔ بذات خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ان کے امور دین کی تعلیم دینے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سعید بن العاص کو حکم دیا کہ وہ مدینہ میں کتابت کی تعلیم دیں۔ وہ وہاں پہلے کاتبین تھے جو جنگ بدر میں شہید ہو گئے۔

نیز عبادہ بن صامتؓ قرات و کتابت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ اس بارے میں خود کہتے ہیں:

''اہل صفہ میں سے کچھ لوگ کتابت اور قرآن جان گئے پس میں نے ان میں سے ایک کو کمان بطور ہدیہ پیش کی۔'' ۳۳۹ ـ

بدر کے قیدیوں کا مسلمان نوجوانوں کو کتابت سکھانا

پس جب عبداللہ بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے یوم بدر میں شہادت پائی تو کافی قیدی آئے اور ان میں بعض کو کتابت کی تعلیم کے لئے رکھا گیا۔ عکرمہ نے کہا کہ:

''بدر کے قیدیوں کا فدیہ مختلف تھا ان میں سے بعض فدیہ نوجوانوں کو کتابت سکھانا تھا۔'' ۳۴۰ ـ

ابی رضی اللہ عنہ قرآن کی تعلیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک آدمی نے ہدیہ پیش کیا اور وہ اس کے طلباء میں سے تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا:

''اگر تو نے اسے لیا ہے تو تو اسکے بدلے میں آگ کی قوس (کمان) لے لے۔'' ۳۴۱ ـ

اور اس جامعہ نے مسلمانوں کے علماء کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کروایا اور ابو عبد الرحمٰن اسلمی نے "تاریخ اھل الصفۃ" تالیف کی۔

اسی طرح ابو سعید بن الاعرابی نے بھی "تاریخ اھل الصفۃ" تالیف کی اور ابو نعیم نے "حلیۃ الاولیاء" کتاب میں ان دونوں سے استفادہ کیا۔۳۴۲

تعلیم کی خارجی بعثات

ہجرت کے تیسرے سال رھط کے گروہ عضل والقارۃ کے لوگ حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ہم میں اسلام آگیا۔ پس ہمارے ساتھ اصحاب کی ایک جماعت بھی بھیجیں جو ہمیں دین کے بارے میں سمجھ بوجھ دے اور قرآن پڑھائے اور ہمیں اسلام سکھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ چھ (۶) آدمی بھیجے۔۳۴۳

چوتھے سال

انس بن مالک نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لوگ آئے اور عرض کیا کہ قرآن وسنت سکھانے والے لوگ ہمارے ساتھ بھیجیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ۷۰ آدمی بھیجے۔ جنہیں قاری کہا جاتا تھا اور وہ دن رات پڑھاتے اور درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے اور وہ مسجد میں پانی کے ساتھ وضو کرتے اور فقراء واھل صفہ کیلئے کھانا بھی بھیجتے۔"۳۴۴

مکہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد مدینہ لوٹے اور آپؐ کے ساتھ معاذ بن جبلؓ بھی تھے لوگوں نے ان سے دین اور قرآن سیکھا۔۳۴۵

نجران

اسی طرح نجران کی طرف ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا سنت واسلام کی تعلیم کیلئے اور کہا یہ اس امت کے امین ہیں۔

الیمن

جیسا کہ معاذ اور ابو موسیٰ کو یمن بھیجا اور ان دونوں کو حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن سکھائیں۔ انہوں نے یمن و حضر موت میں تعلیم دی۔۳۴۶

طبری نے کہا کہ معاذ یمن و حضر موت میں معلمی کے فرائض سر انجام دیتے تھے۔۳۴۷

جعدی کہتے ہیں:

کہ معاذ بن جبل اہل یمن و حضرت موت کے معلم تھے اور ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ یمن و حضر موت میں عامل کے فرائض انجام دیں۔۳۴۸

ابو تمیم الجیشانی کہتے ہیں کہ میں نے معاذ بن جبلؓ سے قرآن سیکھا یمن میں۔۳۴۹

نبی اکرم ﷺ کی تعلیمی پالیسی کا ثمر

ہجرت نبویؐ کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ مدنی آیات کا نزول ہوا اور مسلمانوں نے ان کو لکھا اور مسلمان تجارتی معاملات لکھتے تھے اور کوئی حکم نازل ہوتا تو اس کو لکھتے۔ وہ معاشرہ قرأت و کتابت جانتا تھا۔

اور وہاں ایک اور دلیل ملتی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں قرأت و کتابت کے پھیلنے کی و مزید پروان چڑھنے کی۔ کتاب کی بہت ساری وجود کا ہونا اور حضور اکرم ﷺ کے ہاں ۵۰ کاتبوں کا ہونا۔۳۵۰

وہ تمام کاتب حضور ﷺ کیلئے لکھتے تھے جو یہ فرائض ہمیشہ اور کبھی کبھی انجام دیتے تھے۔۳۵۱

اور ان میں بہت افراد خاص کتابیں لکھتے تھے اور وہاں قرآن مجید کی کتابت کیلئے بھی کاتب تھے۔ جیسے علی بن ابی طالبؓ اور عثمان رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما اور وہاں اموال صدقات کے کاتب بھی تھے۔ جیسے زبیر بن العوام اور جہم ابن الصلت اور عبداللہ بن ارقم اور علاء بن عقبہ رضی اللہ عنہما لوگوں کے درمیان قرض اور عہد نامے لکھتے تھے اور حذیفہ بن الیمان بھی خرص نخل لکھتے تھے۔

معیقب بن ابی فاطمہ لکھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغانم۔۳۵۲

اور حنظلہؓ کاتب ہر غائب آدمی کی جگہ کاتب ہوتے تھے اور وہ حضور ﷺ کی مہر مبارک اٹھائے ہوئے ہوتے تھے۔

اور وہاں بکثرت ایسے لوگ تھے۔ جنہوں نے حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق اجنبی زبانوں کی کتابت ان کے جاننے والوں سے سیکھی۔ حضور علیہ السلام نے حکم دیا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کا۔ اصحاب نے وہ زبان سیکھ لی۔۳۵۴

پس وہ حضور ﷺ کیلئے پڑھتے تھے۔

مسلمانوں نے کتابیں لکھنا کا اہتمام کیا

مسلمانوں نے کتابیں لکھنے کا بھی اہتمام کیا۔۳۵۶ خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں کے بارے مین اور یہ شاذ ہے کہ دواوین ستہ میں بہت ساری نصیحتیں پائی جاتی ہیں۔ شاید یہ کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے کاتبین کیلئے فرمایا: اور یہ مستند روایت متکلم کیلئے ہے:

۱۔ نصیحتوں کے جملوں میں سے

۲۔ کتابت کے بعد غلطیوں کی تصحیح کی غرض کیلئے۔ ۳۵۶؎

۳۔ کتابت کے بعد ترتیب۔

۴۔ ایک جیسے حروف پر اعجام لگانا۔ ۳۵۷؎

آنحضور علیہ السلام کی تعلیمی پالیسی بہت جلد رنگ لے آئی اور اسلامی سلطنت کو کاتب، محاسب اور عامل دیئے اور ایسی انقلابی تعلیمی پالیسی دی جس کی مثال دنیا نہ جانتی تھی۔

عہد نبوی ﷺ میں تعلیمی نصاب (قرآن وحدیث)

۱۔ قرآن پڑھنے کی فضیلت

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَه'۔ ۳۵۸؎

ترجمہ:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

۲۔ مہارت قرآن کی فضیلت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ۔ ۳۵۹؎

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن مجید میں مہارت رکھنے والا بزرگ نیک لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔

۳۔ قرآن پڑھنے کا ثمر

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُوْمِنِ الَّذِیْ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ رِيْحُهَا طَيِّب" وَ طَعْمُهَا طَيِّب"۔ ۳۶۰؎

ترجمہ:۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس مومن کی مثال جو قرآن مجید پڑھتا ہے ترنج کی مثل ہے کہ اس کی خوشبو بھی پاکیزہ ہے اور اس کا ذائقہ بھی لذیذ ہے۔

۴۔ قرآنی تعلیم قوموں کو دنیا و آخرت میں سربلند رکھتی ہے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخِرِيْنَ۔ ۳۶۱؎

ترجمہ :۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کے ساتھ ایک قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسری قوم کو پست کرتا ہے۔

۵۔ شفاعت قرآن

عَنْ اَبِی اُمَامَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّہٗ یَاتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ شَفِیْعًا لِاَصْحَابِہٖ۔ ۳۶۲؎

ترجمہ :۔ حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا قرآن مجید پڑھا کرو اس لئے کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرائے گا۔

۶۔ قرآن مجید پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا اجر (والدین کو نورانی تاج پہنایا جائیگا)

عَنْ مُعَاذِ الْجُھَنِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَ عَمِلَ بِمَا فِیْہِ اُلْبِسَ وَالِدَاہُ تَاجًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ضَوْءُہٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِیْ بُیُوْتِ الدُّنْیَا۔ ۳۶۳؎

ترجمہ :۔ حضرت معاذ جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کیا اس کے والدین کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا کہ اس کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ ہو گی اگرچہ وہ دنیا کے گھروں میں ہو۔

سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران مسلمانوں کیلئے نصاب زندگی

۱۔ عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یُؤْتٰی بِالْقُرْاٰنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ اَھْلِہِ الَّذِیْنَ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ بِہٖ تَقْدُمُہٗ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ وَ اٰلُ عِمْرَانَ کَاَنَّھُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَا وَاِنْ بَیْنَھُمَا شَرْقٌ اَوْ کَاَنَّھُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَآفَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِھَا۔ ۳۶۴؎

ترجمہ :۔ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نبی ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن قرآن کو اور ان کے پڑھانے والوں کو اور اس پر عمل کرنے والوں کو اس طرح لایا جائے گا کہ قرآن کی دو سورتیں یعنی سورۃ بقرہ اور سورہ آل عمران ان کے آگے ہوں گی گویا کہ یہ دونوں سورتیں ابر کے دو ٹکڑے ہیں یا ابر کے سیاہ ٹکڑے ہیں کہ ان میں چمک ہے یا دو ٹکڑیاں صف بستہ پرندوں کی ہیں۔ جو اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کریں گی۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْفُرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَءُ فِیْہِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ۔ ۳۶۵؎

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو مقبرے نہ بناؤ اس لئے کہ شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے۔

۳۔ عَنْ اَبِیْ بِنْ کَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَاالْمُنْذِرِ اَتَدْرِیْ اَیُّ اٰیَۃٍ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی مَعَکَ اَعْظَمُ قُلْتُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِیْ اَیُّ اٰیَۃٍ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ مَعَکَ اَعْظَمُ قُلْتُ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ قَالَ ضَرَبَ بِیَدِہٖ فِیْ صَدْرِیْ وَ قَالَ لِیَھْنِکَ الْعِلْمُ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ۔ ۳۶۶ے

ترجمہ:- حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابی تو جانتا ہے کہ قرآن کی کونسی آیت تیرے لئے بڑی ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابی جانتا ہے کہ قرآن کی کونسی آیت تیرے لئے بڑی ہے۔ میں نے عرض کیا "اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" یعنی ساری آیت الکرسی۔ آپ نے یہ سن کر میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا اے ابی تیرا علم خوشگوار ہے۔

۴۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَیْنَمَا جِبْرِئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِیْضًا مِنْ فَوْقِہٖ فَرَفَعَ رَاْسَہٗ فَقَالَ ھٰذَا بَابٌ مِنَ السَّمَآءِ فُتِحَ الْیَوْمَ لَمْ یُفْتَحْ قَطُّ اِلَّا الْیَوْمَ فَنَزَلَ مِنْہُ مَلَکٌ فَقَالَ ھٰذَا مَلَکٌ نَزَلَ اِلَی الْاَرْضِ لَمْ یُنْزِلْ قَطُّ اِلَّا الْیَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ اَبْشِرْ بِنُوْرَیْنِ اُوْتِیْتَھُمَا لَمْ یُؤْتَھُمَا نَبِیٌّ قَبْلَکَ فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ وَ خَوَاتِیْمُ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ لَنْ تَقْرَاَ بِحَرْفٍ مِنْھُمَا اِلَّا اَعْطَیْتَہٗ۔ ۳۶۷ے

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ انہوں نے اوپر کی جانب دروازہ کھلنے کی سی آواز سنی پس انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور کہا یہ آسمان کا دروازہ کھولا گیا ہے اور آج ہی کھولا گیا ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا اور پھر اس دروازہ سے ایک فرشتہ نکلا اور جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ فرشتہ آج ہی زمین کی طرف اترا ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں اترا پھر اس فرشتہ نے حضور ﷺ کو سلام کیا اور کہا خوشخبری ہو آپ کو کہ آپ کو دو ایسے نور عطا کئے گئے ہیں اور جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے یعنی فاتحہ الکتاب (الحمد شریف) اور سورۃ بقرہ کا آخری حصہ ان میں جو حرف آپ پڑھیں گے اس کا ثواب دیا جائے گا۔

حدیث نبوی ﷺ بطور نصاب زندگی

میری نہایت مفید حدیثیں لوگوں تک پہنچاؤ اگرچہ وہ تھوڑی ہی ہوں

۱۔ عَنْ عَبْدُاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَ لَوْ اٰیَۃً۔ ۳۶۸ے

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔

کلمہ حکمت مومن کی میراث ہے

۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْکَلِمَةُ الْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔ ۳۶۹؎

ترجمہ:- حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فائدہ دینے والی بات عقلمند آدمی کا مطلوب ہے۔ پس جہاں وہ اس کو پائے وہ اس کا مستحق ہے۔

اپنے اہل و عیال کو قرآن وحدیث کی تعلیم کی رغبت دلانا

۳۔ تَحْرِیْصُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَفْدَ عَبْدَالْقَیْسِ عَلٰی اَنْ یَحْفَظُوْا الْاِیْمَانَ وَالْعِلْمَ وَیُخْبِرُوْا مِنْ وَّرَآئِهِمْ وَقَالَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَیْرِثِ قَالَ لَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعُوْا اِلٰی اَهْلِیْکُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ۔ ۳۷۰؎

ترجمہ:- حضرت نبی کریم ﷺ کا قبیلہ عبدالقیس کے وفد کو علم کی طرف رغبت دلانا کہ ایمان اور علم کی حفاظت کریں اور اپنے پیچھے والے لوگوں کو خبر کر دیں اور مالک بن حویرث نے کہا کہ ہم سے حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤ اور انہیں (دین کی) تعلیم دو۔

علم حدیث پھیلانے والے کو اجر کثیر دینے کی خوشخبری سنائی گئی ہے

٤۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا فَلَهٗ اَجْرُ مَّنْ عَمِلَ بِهٖ لَا یَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الْکَامِلِ۔ ۳۷۱؎

ترجمہ:- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جو علم کی بات بتائے گا تو اسے اس پر عمل کرنے والے کا بھی اجر ملے گا اور عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

چالیس احادیث یاد کرنے والا قیامت کے دن فقیہ اٹھایا جائے گا۔

۱۔ عَنْ اَبِیْ الدَّرْدَآءِ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاحَدُّ الْعِلْمِ الَّذِیْ اِذَا بَلَغَهٗ الرَّجُلُ کَانَ فَقِیْهًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا فِیْ اَمْرِ دِیْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِیْهًا وَّ کُنْتُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شَافِعًا شَهِیْدًا۔ ۳۷۲؎

ترجمہ:- حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ علم کی

مقدار کیا ہے کہ جب انسان اتنا علم حاصل کرلے تو فقیہہ بن جائے۔ پس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کو فائدہ پہنانے کیلئے چالیس حدیثیں امر دین کی یاد کرلے۔ اللہ اس کو قیامت کے دن فقیہ اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔

۲۔ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَآءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔ ۳۷۳۔

ترجمہ:۔ حضرت حسن (بصری) رضی اللہ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اس حالت میں موت آئے کہ وہ اس غرض سے علم حاصل کررہا ہو کہ اس سے اسلام کو تازہ زندگی بخشے گا تو اس کے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان جنت میں صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔

ظاہری وباطنی علم کے حصول کا فیضان

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَيْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ فِيْكُمْ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ يَعْنِيْ مَجْرَى الطَّعَامِ۔ ۳۷۴۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے دو باتیں (یعنی دو قسم کے علم) یاد رکھی ہیں جن میں سے ایک کو (ظاہری علم) میں نے تمہارے درمیان پھیلا دیا ہے اور دوسرا (باطن علم) اگر میں اس کو بیان کروں تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے۔

قرآن فہمی کیلئے مختلف مضامین کی معلومات

مسلمانوں میں کبھی اس بات پر ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں رہا کہ تعلیم و تدریس میں سب سے زیادہ اہمیت اور مرکزیت قرآن پاک کو حاصل ہے۔ البتہ اس موضوع پر محققین اور مورخین نے اظہار خیال ضرور کیا ہے کہ قرآن فہمی کس طرح ممکن ہے اور اس کے لئے کون کون سے مضامین کی معلومات لازم ہو جاتی ہے۔

ابو طالب طبری کے خیال میں قرآن کی تفسیر کرنے کیلئے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے اور ان کے بغیر تفسیر قرآن قطعی طور پر ممکن نہیں ہے۔ ان تین باتوں میں اول صحیح اعتقاد ہے۔ دوم حق اور راست گفتگو ہے اور سوم (علم نحو) اور اعراب سے واقفیت ہے۔ یقینا حضور ﷺ کے عہد کے مفسرین میں یہ تینوں خصوصیات موجود تھیں۔

طبری کے برعکس جلال الدین سیوطی نے ''اتقان فی علوم القرآن'' میں تفسیر قرآن کے لئے پندرہ علوم میں مہارت لازمی قرار دیا ہے۔

ان میں علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم اشتقاق، علم معانی' بیان' بدیع، علم قرأت، علم اصول دین' فقہ' اسباب نزول اور علم قصص، علم ناسخ و منسوخ، علم اصول فقہ، علم حدیث اور علم لدنیؔ تو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کا تعلق زبان اور اس کی قواعد کے ساتھ ساتھ براہ راست زبان و مذہب کے احاطہ میں نہیں آتے اور جن کی معلومات حاصل کئے بغیر قرآن اور تفسیر بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ مضامین درج ذیل ہیں۔۳۷۵

امیر الہدیٰ "مسلمانوں کے علمی و ثقافتی کارنامے" میں رقمطراز ہیں:

۱۔ جغرافیہ :۔ جغرافیہ کی معلومات اس لئے ضروری ہیں کہ ان مقامات کے بارے میں جانا جاسکے جن کا قرآن کریم میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

۱۔ تاریخ :۔ قرآن میں بے شمار واقعات اور حالات بیان کئے گئے ہیں اس میں کئی قصص بھی شامل ہیں۔ ان سب کو اسی وقت بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے جب قاری کو تاریخ سے واقفیت ہو۔

۳۔ منطق :۔ منطق کا علم اس لئے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ قرآن میں جو باتیں کہی گئی ہیں۔ انہیں بذریعہ دلائل نہ ماننے والوں اور حجت کرنے والوں پر ثابت کیا جاسکے۔

۴۔ علم الحقائق :۔ علم الحقائق جدید مسائل اور تحریکات کے بارے میں واضح اور ٹھوس مہارت فراہم کرتا ہے۔ اس مہارت کے حصول کے بعد ہی قرآن کو جدید تقاضوں اور تحریکات کے آئینے میں خود بھی سمجھا جاسکتا ہے اور دوسروں کو بھی سمجھایا جاسکتا ہے۔ اس علم کے بغیر تفسیر میں وہ جامعیت نہیں آتی جو جدید دور سے متاثر ہونے والے ذہنوں کو تعلیم دے سکے۔

۵۔ علم الحساب :۔ قرآن میں کئی مقامات پر علم میراث کا بیان بھی ہے وراثت کے سلسلے میں اسلام نے جو طریقہ کار اور اصول وضع کئے ہیں۔ وہ بہت جامع اور سائنٹیفک ہیں۔ لیکن ان سب کو سمجھنے اور پھر ان پر عمل کرنے کے لئے علم الحساب کا جاننا ضروری ہے۔ اس طرح وراثت اور اس کی تقسیم کے عمل میں معمولی سی غلطی کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

۶۔ علم العدل یا مناظرہ :۔ مفسر قرآن کو علم مناظرہ میں بھی مہارت حاصل ہونی چاہئے کیونکہ اس کے بغیر وہ اہل باطل کو قرآن کی حقانیت اور جامعیت کا قائل نہیں کرسکتا۔

۷۔ علم اسرار :۔ علم اسرار انسان میں حقائق کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے سائنسی طریقہ کار فراہم کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان کی توجیہات اور تشریحات میں حقیقت شامل ہو جاتی ہے وہ محض اندازوں اور تصورات و خیالات کے ذریعے قرآن کے بارے میں رائے زنی سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ علم دنیاوی اعتبار سے جتنا اہم ہے مذہبی اعتبار سے اس سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن کی تفسیر محض رائے سے کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔۳۷۶

عہد نبوی ﷺ میں تعلیمی نصاب (قرآن و حدیث) پڑھنے لکھنے اور حساب کی تعلیم

James Hasting: Encyclopedia of religion and Ethics میں رقمطراز ہیں:

''با قاعدہ تعلیم کے آغاز میں جن تین بنیادی باتوں کی ضرورت پڑتی ہے۔انہیں موجودہ تعلیمی اصطلاح میں Read "writing and arithmatic" کہا جاتا ہے۔اسی عنوان اور مفہوم کے ساتھ یہ تینوں باتیں ابتدائی علم کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سامنے آئیں بلکہ اس دور میں با قاعدہ تعلیم کا آغاز انہیں تین باتوں سے کیا گیا۔ان تین باتوں کو جنہیں تین بنیادی مہارتیں کہا جا تاہ۔اسلام میں اس حد تک اہمیت حاصل تھی کہ قرآن پاک کے نزول کے سلسلے میں سب سے پہلا لفظ ہی اقرا تھا۔جو پڑھنے کی پہلی مہارت کی نشان دہی کرتا ہے۔

خدا نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔پڑھنے اور لکھنے کی ان دو مہارتوں کا تذکرہ تو اسلام میں سرفہرست ہے۔اسکے بعد جب تبلیغ اسلام شروع ہوئی اور لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگےتو حساب سیکھنے کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔(ویسے حساب اور تخمینے Counting and Calculation کا وجود کائنات کی تخلیق اور اسکی ترتیب اور تنظیم سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔مسلمانوں میں ابتدا میں وراثت اور بعد میں مال غنیمت کی تقسیم کے معاملات نے حساب کی تعلیم کو بھی فروغ دیا۔اس طرح پڑھنے اور لکھنے کی مہارتوں کے ساتھ ساتھ گنتی اور حساب کی بنیادی مہارت کا وجود منظر عام پر آیا۔حساب کے سلسلہ میں انخضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی منسوب ہے: ''تَعَلَّمُوا الفَرَائِضَ وَالقُرْاٰنَ وَ عَلِّمُوا النَّاسَ فَاِنِّی مَقبُوض''' ۲۷۷

ترجمہ:۔علم فرائض اور قرآن کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں قبض کر جاؤں گا (اٹھالیا جاؤں گا)

علم الفرائض جاننے کے لئے سب سے بنیادی شرط حساب (ریاضی) کو جاننا ہے۔غرض یہ تین بنیادی مہارتیں (Basic Skills) جو تعلیم کے لئے نقطہ آغاز ہوتی ہیں ان کو مسلمانوں نے با قاعدہ رواج دیا۔بہت ممکن ہے اس سے پہلے ان کی اہمیت محسوس کی جاتی ہو۔لیکن آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ ان تینوں کو جس طرح یکجا کر کے درس و تدریس کیلئے لازمی بنادیا۔ایسی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔ان بنیادی مہارتوں کا تعین اور ان سے تعلیم کا آغاز کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ماہر تعلیم اور مستحکم ہو جاتے ہیں۔بلکہ نصاب کی تدوین اور ترتیب میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال مہارت کا ثبوت ملتا ہے۔آپ ﷺ نے جن مہارتوں کو رواج دیا بعد میں آنے والے ماہرین تعلیم نے انہی کو راہنما اصول قرار دیا اور آج بھی تعلیمی نفسیات اور اصول تعلیم کی تمام تر توجیہات ان مہارتوں کے بغیر درس و تدریس کی تکمیل کرنا ناممکن قرار دیتی ہے۔

مسلمانوں میں آنخضور ﷺ کے مقرر کردہ لائحہ عمل کے مطابق نصاب کی تیاری میں ان تین باتوں کا قرار واقعی اہمیت دی گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جامع اور متوازن نظام تعلیم ترتیب دیا اس کے اثرات بہت عرصہ تک موجود رہے۔اس لئے کہ آپ ﷺ نے تعلیم کے ہر پہلو اور مرحلہ کا جائزہ لے کر مختلف تعلیمی اور تربیتی سرگرمیاں تجویز کی تھیں۔اس نظام تعلیم کی ان خوبیوں کا اعتراف مختلف ادوار میں محققین نے بھی کیا ہے۔وہ مختلف احادیث کے حوالے سے مسلمانوں کے نظام تعلیم و تربیت کی اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں۔۲۷۸

نصاب میں کئی مضامین کی شمولیت

محمد بن ہشام ''سیرۃ ابن ہشام'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''قرآن فہمی کے حوالے سے کئی مضامین کی تدریس کی اہمیت اور مختلف شواہد سے اس دعوے کی توثیق بھی ہوتی ہے کہ عہد نبویؐ میں کئی اور مضامین بھی شامل نصاب تھے۔ یہ تمام مضامین اور ان کے موضوعات تعلیم و تدریس کا اس حد تک لازمی حصہ بن گئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان معلمین اور وفود کو بھی ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ہدایات دیتے تے۔ جو اس کام کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ مثلاً آپ ﷺ نے دس ہجری میں ربیع الآخر یا جمادی الاول کے مہینے میں حضرت خالد بن ولید کو بنی حرث کی جانب روانہ کیا۔ (عسکری خدمات کے ساتھ ساتھ انہوں نے گراں قدر تعلیمی خدمات بھی سرانجام دی تھیں) حضرت خالد بن ولیدؓ نے نجران میں قیام کیا اور لوگوں کو دین کی تبلیغ کی اور قرآن سکھایا وہاں سے انہوں نے ایک خط کے ذریعے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کی رپورٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارسال کی۔ جس میں بتایا کہ وہ حسب ارشاد لوگوں کو دین کے امر و نواہی اور احکامات بتا رہے ہیں اور انہی کے درمیان مقیم ہیں۔ انہوں نے مزید لکھا کہ اس کے بعد جو احکامات ہوں ان پر عمل کیا جائے۔'' ۳۷۹۔

''حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خط سے جہاں اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ابتداء میں قرآنی تعلیمات دیتے وقت سب سے زیادہ ترجیح احکامات اور امر و نواہی کو دی جاتی تھی وہیں اس امر کی تصدیق بھی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معلمین سے براہ راست رابطہ تھا اور معلمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے تجویز کردہ موضوعات اور پھر اس کی تکمیل کی نگرانی کا ایک اور ثبوت حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو دی جانے والی ہدایات سے ملتا ہے۔ انہیں قرآن اور اسلامی احکامات کی تعلیم دینے کے لئے یمن روانہ کیا گیا تھا۔ (بعض مورخین کے مطابق آپ کے فرائض میں زکوٰۃ کی وصولیاں بھی شامل تھی) آپ کو جو تحریری ہدایات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ملی تھیں۔ ان سے نصاب میں اسلام سے متعلق اہم موضوعات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہدایات میں درج تھا کہ وہ لوگوں سے اس قدر زکوٰۃ وصول کریں جس کا خدا نے حکم دیا ہے۔ وہ لوگوں کی بھلائی کی بشارت دیں اور انہیں بھلائی کا حکم دیں۔ انہیں قرآن اور احکام دین کی تعلیم دیں۔ اس ہدایت نامے میں وضو، نماز، زکوٰۃ، جزیہ اور ایسے ہی امور کی صرحت کی گئی تھی۔ جن کی عملی زندگی میں زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔'' ۳۸۰۔

امیر الہدیٰ ''مسلمانوں کے علمی و ثقافتی کارنامے'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''غرض دینی تعلیم میں بھی ان امور کو نصاب میں اولیت دی گئی تھی جن کو عام لوگوں کو ضرورت پڑتی ہے۔ اس طرح اس نصاب میں عملی افادیت "Practical Utility" کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ مضامین اور موضوعات کی ترجیحات کے اعتبار سے یہ ترتیب دراصل جدید دور کے اس نصاب کی بنیاد ہے جسے مسائل محوری نصاب "Problem Centred Curriculam" کہا جاتا ہے اور جس میں افراد اور ان کے معاشرے کے تقاضوں کا زیادہ خیال رکھا جاتا

ہے۔ آپ ﷺ سے مذہبی تعلیمات میں جن امور کو ابتداً رائج کیا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں باقاعدگی سے نصاب کا حصہ بنا دیا۔ قرآن کی وہ سورتیں جن میں عام زندگی سے متعلق بیشتر شرعی احکامات موجود تھے ان کا سیکھنا لازمی قرار دیا گیا۔ ان سورتوں میں سورۃ البقرہ، سورۃ النساء، سورۃ الحج اور سورۃ النور شامل تھیں۔'' ۱۸۱؎

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی روشنی میں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مضامین اور دوسری زبانیں سیکھنے کی بھی حوصلہ افزائی فرمائی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو خود ہدایت فرمائی کہ وہ عبرانی زبان سیکھیں۔ یہ زبان سیکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ مسلمانوں کو یہودیوں سے بہت سے معاملات میں خط و کتابت اور معاہدے کرنے پڑتے تھے۔ ان تمام باتوں کو خفیہ اور محفوظ رکھنے کیلئے ضروری تھا کہ مسلمانوں ہی میں سے کوئی اس زبان کی تحریر، اس کے الفاظ اور ان کے مفہوم اور تشریحات سے پوری طرح باخبر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سیاسی، سفارتی اور عسکری ضروریات کے تحت مختلف زبانیں اور مضامین سیکھنے کی تصدیق ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد تو قرآن کے ساتھ ساتھ فرائض اور سنت کی تعلیم بھی لازمی ہوگئی تھی۔ جبکہ باقی مضامین کی تدریس ویسے ہی رائج رہی۔'' ۱۸۲؎

محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' میں مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مختلف حوالوں اور تذکروں میں قرآن وسنت کے علاوہ دوسرے مضامین کی تدریس کی تائید اور تصدیق تو ملتی ہے لیکن ان کا واضح طور پر مختلف مضامین کے حوالے سے تعین نہیں کیا جاسکتا۔ اس امر کی شہادتیں بے شمار ہیں کہ آپ ﷺ نے قرآن و سنت کے لازمی نصاب کے علاوہ تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علم ہیئت، علم الانساب، علم تجوید القرآن اور نشانہ بازی اور پیراکی کی تعلیم کو بھی نصاب میں شامل فرمایا تھا۔ یہ مضامین اختیاری "Optional" تھے اور ان کا سرسری جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان میں معلومات "Knowledge" اور مہارتیں "Skills" دونوں ہی کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ ان کا محور و مرکز عام لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات اور مسائل تھے۔ کیونکہ ان علوم میں کمال کے بعد دنیاوی اعتبار سے بہت سے مسائل کو حل کیا جاسکتا تھا۔ یہ مختلف مضامین قرآن وسنت کے مضامین کے بعد اہمیت رکھتے تھے اور ان کا پڑھنا اور سمجھنا بھی لازمی تھا۔ اسی لئے بعد میں مسلمانوں نے انہیں فرض کفایہ کی حیثیت دی۔'' ۱۸۳؎

''نصاب میں مختلف مضامین کی تدریس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر کئی امور کی نشاندہی کی۔ اس طرح نصاب کو جامع اور فطری تقاضوں کے عین مطابق بنانے کے لئے اہم اصول فراہم کئے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْاٰنَ وَ عَلِّمُوا النَّاسَ فَاِنِّیْ مَقْبُوْض'' ۱۸۴؎

ترجمہ:۔ علم فرائض اور قرآن کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں قبض کرجاؤں گا (اٹھالیا جاؤں گا)

صحابہؓ کی مختلف علوم وفنون میں جامعیت

حضرات صحابہؓ علوم نبوت یعنی کتاب وسنت اور فقہ وفتویٰ کے ترجمان ومعلم تھے اوران ہی علوم کی تعلیم دیتے تھے۔اس کی ساتھ دوسرے علوم وسنہ کی بھی عالم تھے۔ مثلاً علم الانساب میں حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ،ابوالجہم بن حذیفہ،جبیر بن مطعم سب سے بڑے عالم تھے اور جمیع علوم انساب عرب میں رسوخ رکھتے تھے۔ان کے علاوہ حضرت عثمان بن عفانؓ،علیؓ بن ابوطالب،عقیلؓ بن ابی طالب بھی اس میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

زید بن ثابتؓ سریانی زبان کے عالم تھے۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس زبان میں صرف سترہ دن میں مہارت حاصل کرلی تھی۔الصحیح البخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکرصدیقؓ تعبیر الرویاء میں سب سے آگے تھے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ حدیث،تفسیر،مغازی،اشعار اور ایام عرب میں جامعیت کے مالک تھے اور ایک ایک دن سب کا علیحدہ علیحدہ درس دیتے تھے۔ابوالدرداءؓ حدیث،فقہ،فرائض،حساب اور اشعار عرب کے جامع عالم ومعلم تھے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ جہنی جامع قرآن قاری فرائض وفقہ کے عالم،علامہ،شاعر،کاتب اور فصیح وبلیغ جلیل القدر محدث تھے۔ام المومنین عائشہؓ بھی حدیث وفقہ وفرائض کے ساتھ انساب عرب،اشعار عرب اور طب میں مرجع خلائق تھیں۔

جسمانی صحت اور کھیل

کھیل اور جسمانی صحت کی مختلف سرگرمیاں بظاہر نصاب سے باہر کی سرگرمیاں نظر آتی ہیں لیکن موجودہ دور میں تعلیمی ماہرین انہیں ہم نصابی یا معاون نصابی سرگرمیاں (Co-curricular Activities) کہتے ہیں۔گویہ سرگرمیاں اب بھی باقاعدہ نصاب میں شامل نہیں ہوتیں لیکن ان کی افادیت اور اور اہمیت کے پیش نظر انہیں یہ درجہ دیا گیا ہے۔

معین الدین ندوی تاریخ اسلام میں وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حضور ﷺ کے عہد میں ذہنی وروحانی نشوونما کے لیے جسمانی صحت کی اہمیت کومحسوس کیا گیا تھا۔اسی لیے جسمانی صحت کویقینی بنانے والی مختلف سرگرمیوں (کھیلوں) کی حوصلہ افزائی کی گئی تھی تاکہ نوجوانوں میں چستی اور تنومندی قائم رہے۔بہت سے مورخین کے خیال میں حضورؐ نے ان سرگرمیوں کی تعلیم وتربیت کواس لیے رائج کیا تھا کہ مسلمان عسکری اعتبار سے اپنے آپ کو چاق وچوبند رکھ سکیں۔مقاصد کچھ بھی رہے ہوں دونوں صورتوں میں اس بات کی تصدیق ضرور ہوتی ہے کہ آپؐ نے اس عہد میں جسمانی صحت کی اہمیت کو نہ صرف تسلیم کیا تھا بلکہ اس کے لیے مختلف سرگرمیاں بھی تجویز کی تھیں۔اسلامی عبادات کا نظام ''نماز وروزہ'' روحانی اور مذہبی افادیت اور پاکیزگی کے ساتھ ساتھ انسانی جسم کوفعال رکھنے کا عمل بھی سرانجام دیتا ہے۔یہی خصوصیت اسلام کے تعلیم وتربیت کے نظام میں بھی ملتی ہے۔کیوں کہ جسمانی صحت کے حوالہ سے آپؐ نے تیراندازی،شہ سواری اور پیرا کی تعلیم بھی فرمائی تھی۔ [۳۸۶]

محمد حمیداللہ ڈاکٹر''عہد نبوی کا نظام حکمرانی''میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یہ سرگرمیاں اس دور کے عرب معاشرے اور ماحول کی مناسبت سے تجویز کی گئی تھیں۔عرب انہیں کھیل تصور کرتے تھے۔اور ظہور اسلام سے پہلے بھی ان سرگرمیوں کی طرف راغب تھے۔آپؐ نے ان کے روایتی کھیلوں کومنسوخ نہیں فرمایا بلکہ ان کی افادیت محسوس کرتے ہوئے مسلمانوں کوبھی ان میں حصہ لینے کی تاکید کی۔ ایک

اور حوالے کے مطابق آپ ﷺ نے نشانہ بازی سیکھنے کا حکم بھی دیا تھا۔ جو کھیل ہی کی نوعیت کی ایک مفالیت (Activity) ہے اور جس مقصد جسمانی صحت اور تندرستی ہی ہے۔'' ۳۸۷ے

محمد بن ہشام ''سیرۃ ابن ہشام'' میں ہم نصابی سرگرمیوں کی اہمیت وافادیت کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''آپ ﷺ کے ان سرگرمیوں سے متعلق ارشادات پر عمل پیرا ہونے سے مسلمانوں نے دینی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم اور جسمانی صحت کے معیار کو بھی برقرار رکھا۔ اکثر گھوڑوں اور اونٹوں کی سواری کے مقابلے ہوتے تھے۔ جن میں حصہ لینے والوں کی ہمت اور حوصلے کو سراہا جاتا تھا۔ حصہ لینے والے اپنی جسمانی ورزش کا مظاہرہ کرتے تھے۔ جبکہ دیکھنے والوں کے لئے یہی سرگرمیاں کھیل اور تفریح کا باعث بنتی تھیں۔ دیکھنے والوں کو اس طرح اس امر کی ترغیب بھی ہوتی تھی کہ وہ بھی خود کو ایسے مظاہروں میں شرکت سے نمایاں کر سکتے ہیں۔ نیزہ بازی اور پیراکی جہاں جسمانی ورزش کی ایک اعلیٰ قسمیں ہیں وہیں انہیں عسکری مہارت کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ ان سرگرمیوں پر اس عرب معاشرہ میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رائج کیا تھا نہ تو بڑی رقم صرف کرنی پڑتی تھی اور نہ ہی بہت زیادہ وقت کا زیاں ہوتا تھا۔ یہ مختلف النوع سرگرمیاں اس لئے رائج کی گئی کہ ان سے لوگوں کی جسمانی صحت بھی برقرار رہے اور وہ اپنے فرصت کے اوقات کو بہتر طور پر گزار سکیں۔

آپ ﷺ کے تعلیمی پروگرام کے متوازن ہونے کی ایک بڑی علامت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے دین اور دینی معاملات کے ساتھ ساتھ انسانوں کو اپنی ذات اور اپنے وجود کے حقوق سے بھی باخبر رکھا۔ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق لوگوں پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں اور اپنے جسم کے حقوق ادا کریں۔ جسم کے حقوق ادا کرنے کا مطلب یہ بھی لیا جاتا ہے کہ بلاوجہ اپنے آپ کو جسمانی سختی اور اذیت سے دوچار نہ کیا جائے اور جس حد تک انسان کی صلاحیت ہو اپنے آپ سے اتنا ہی کام لیا جائے۔ ۳۸۸ے

سید سلیمان ندوی ''سیرۃ النبیؐ جلد چہارم'' میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت صرف اس لئے تھی کہ انسان اپنے جسم سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لے۔ صحت مند جسمانی سرگرمیوں کے ذریعے اپنی تکان دور کرے اور تازہ دم ہو کر خود کو فرائض کی ادائیگی کے لئے تیار کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم وتربیت کے نظام میں جسمانی ورزش اور کھیل کے علاوہ مشاہدات عالم (سیر و تفریح) کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ جہاں تک کائنات کو دیکھنے اور اللہ تعالیٰ کے مظاہرات کا اندازہ کرنے کا معاملہ ہے اس سے لوگوں کے مشاہدات اور معلومات دونوں میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ نئے نئے مقامات اور اشیاء دیکھنے سے تجربات اور خیالات میں وسعت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس پوری سرگرمی میں سیر و تفریح کا پہلو بھی شامل ہوتا ہے۔ تمام مناظر قدرت جہاں

انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں وہیں اس کی نگاہوں کو فرحت اور اس کے ذہن کو مزید معلومات فراہم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔اس کی دعوت خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے' ارشاد باری تعالیٰ:

''قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ۔'' ۸۹؎

ترجمہ:۔ فرمایئے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور غور سے دیکھو کس طرح اس نے خلق کی ابتداء فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ (اسی طرح) پیدا فرمائے گا دوسری بار۔

زمین چلنے پھر (یا سیر کرنے) کا مقصد قطعی طور پر یہ نہیں ہے کہ بلا مقصد ادھر ادھر گھوما جائے۔ بلکہ اس سرگرمی کی تعلیمی افادیت بھی ہونی چاہئے۔ گذشتہ صدی سے جدید تعلیمی اداروں میں رائج کی جانے والی تعلیمی سیر و سیاحت (Educational Trips or Excursions) کی غرض و غایت کا جائزہ لیا جائے تو ان ارشادات گرامی کے مطابق سیر و تفریح کی تعلیمی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں کئی ایسے مضامین رائج کئے جن مین صرف معلومات اور مہارتیں موجود تھیں وہیں با قاعدہ نصاب سے ہٹ کر کچھ ایسی سرگرمیاں بھی رائج کی گئی تھیں۔ جن سے افراد کی ذہنی اور جسمانی تربیت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کے دور میں یہ سرگرمیاں با قاعدہ کسی تعلیمی ادارے میں منعقد نہیں ہوتی تھی۔ البتہ مختلف معاشرتی تقریبات میں ان کا اظہار ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح نصابی اور معاون نصابی سرگرمیوں کے مابین ربط اور تعلق کو قائم رکھا گیا تھا۔'' ۹۰؎

محمد حمید اللہ' ڈاکٹر ''عہد نبوی میں نظام حکمرانی'' میں نصاب پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا' معینہ کتب کو پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے اور وہ جو پڑھا سکتا اسے پڑھتے۔ بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی' پیراکی' تقسیم ترکہ کی' ریاضی' مبادی طب' علم ہیئت' علم انساب اور علم تجوید قران کی تعلیم دی جایا کرے۔'' ۹۱؎

خواتین کی تعلیم کی اہمیت

اسلام میں مردوں اور خواتین پر حصول علم یکساں طور پر فرض کیا گیا ہے۔ اس معاملے میں خواتین کو کمتر اور کم عقل نہیں سمجھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے:

''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ'' عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔'' ۹۲؎

ترجمہ:۔ حصول علم مسلمان عورتوں اور مردوں پر فرض ہے۔

خواتین کے حصول علم کے لئے قرآن کریم نے واضح طور پر امہات المومنین کو اس فرض کی اہمیت سے آگاہ کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ۔ ۹۳؎

ترجمہ:- یاد کرلیا کرو جو تمہارے گھروں میں کی آیات اور حکمت کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق حصول علم یا آیات و احکامات ربانی کا سمجھنا اور یاد کرنا صرف امہات المومنین پر حصول علم کے ساتھ اشاعت علم کا فریضہ عائد ہو جاتا ہے اور اشاعت علم کے وسیلے دوسری خواتین ہی اسے حاصل کریں گی۔

"قاضی سلیمان منصور پوری نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جس کسی کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے اور اس کے بعد اسے آزاد کردے پھر اسے بیوی بنائے تو اس شخص کو دو چند اجر ملے گا۔" ۳۹۴

"مَنْ كَانَتْ لَهُ جَارِيَةٌ فَعَلَّمَهَا۔"

ترجمہ:- اگر کسی کے پاس لونڈی ہو تو وہ اسے بھی تعلیم دے۔

اس حدیث کو بخاری کے حوالے سے "Goldziher" نے انسائیکلوپیڈیا میں کچھ اس طرح درج کیا ہے:

"It is regarded as a work of specially moritorious character to educate a slave girl well, than get her free and give her to husband" 395

ابن عبدالبر اندلسی "جامع بیان العلم وفضلہ" مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"حضور ﷺ نے لونڈیوں کی آزادی اور ان کی شادی سے پہلے انہیں تعلیم دینے کی ہدایت فرمائی تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیم کو کس قدر اہمیت دی گئی تھی۔ ابتدائی دور میں تو کوئی ایسی ترغیبات (Incentives) رائج کی گئی تھیں تاکہ خواتین بھی تعلیم کے شعبہ میں نمایاں مقام حاصل کر سکیں۔ اسی نوعیت کی ترغیبات پر مبنی ایک سکیم یہ بھی رائج رہی کہ وہ شوہر جو اپنی بیویوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں انہیں مہر کی ادائیگی سے مبرا اقرار دیا جاتا تھا۔ گویا عورت کو تعلیم دلادی گئی تو یہ عمل اس کے حق مہر کی ادائیگی کے متبادل سمجھا گیا۔

حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنی کنیز کو اچھی تعلیم و تربیت سے سنوارا پھر آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اس کے دو ثواب ہیں۔

تعلیم و تربیت اور آزادی دونوں کو الگ الگ ثواب کی حیثیت عطا کر کے آپ ﷺ نے اس دور کے معاشرے میں سب سے کم حیثیت والی خواتین (لونڈیوں) کی تعلیم کے حق کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت کی۔

احمد شبلی، ڈاکٹر "تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ" میں تربیت اولاد کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے حوالے سے والدین کی اہم ذمہ داریوں میں اولاد کی تعلیم و تربیت کو بھی شامل کیا ہے۔ فرمایا کہ "عمدہ تعلیم و تربیت اولاد کا حق ہے اور انہیں یہ حق دینا والدین کی جانب سے سب سے اچھا تحفہ

تعلیم نسواں (خواتین بحیثیت ماہر مضمون)

عہد رسالت میں بچوں، نوجوانوں اور بوڑھوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عورتوں کے لیے بھی تعلیم کا خاص اہتمام تھا۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی کبھار عورتوں کو تعلیم دیتے تھے اور ان میں حصول علم کا اتنا شوق تھا کہ ایک دن یہ عورتیں کہنے لگی اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے لیے ایک دن خاص مقرر کر دیں۔ آپ نے ان کے لیے ایک دن مقرر فرمایا۔ اس طرح فقیہۃ الامت حضرت عائشہ صدیقہ ؓ جو علم و فضل میں امتیازی حیثیت رکھتی تھیں ان کے پاس کثیر تعداد میں عورتیں علوم و فنون سیکھنے آتی تھیں۔ علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ دنیوی اور عصری علوم بھی سکھائے جاتے تھے۔ حضرت شفاء بنت عبداللہ علم طب میں حد درجہ کی مہارت رکھتی تھیں۔ فرماتی ہیں کہ ایک دن میں ام المومنین حضرت حفصہ ؓ کے پاس بیٹھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے: ''**الا تعلمین هذه رقية النملة كما علمتها الكتابة**'' اے شفاء تم حضرت حفصہ کو پھوڑے کا دم کیوں نہیں سکھاتی جس طرح کہ تم نے اس کو لکھنے کا طریقہ اور کتابت و تحریر کا سلیقہ سکھایا ہے۔ اس طرح کی دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو بھی تعلیم سے محروم نہیں رکھا بلکہ ہر ممکن ان کی تعلیم کا لحاظ رکھا۔ بلکہ کئی صحابیات کے متعلق اور بالخصوص ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ قرآن، علم الفرائض، علم حدیث، علم فقہ، شاعری، علم طب اور علم الانساب میں آپ سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ حضرت اسماء بنت یزید عالمہ، فاضلہ اور فقیہ خاتون تھیں اور عورتوں کے تعلیمی امور میں قاصدہ اور سفیرہ تھیں۔ کئی مسائل حضورؐ سے پوچھ کر بتلاتی تھیں۔

عہد رسالت کے مشہور اساتذہ کرام (معلمین و مدرسین)

عہد نبوی میں جن صحابہ کرام کو تعلیمی فرائض سپرد کیے گئے تھے ان کی فہرست طویل ہے۔ مگر تفصیل میں جائے بغیر چند ایک کا تذکرہ مناسب ہوگا جو علم و فنون میں مشہور ہوئے۔

۱۔ جناب محمد رسول اللہ ﷺ بطور معلم اعظم۔
۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔
۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ
۴۔ حضرت عبادہ بن صامت ؓ
۵۔ حضرت مصعب بن عمیر ؓ
۶۔ حضرت معاذ بن جبل ؓ
۷۔ حضرت سعید بن العاص ؓ
۸۔ حضرت سعد بن ربیع الخزرجی
۹۔ حضرت زید بن ثابت ؓ
۱۰۔ حضرت حکم بن سعید بن عاص ؓ **تلك عشرة كاملة**

مشہور معلّمات و مبلّغات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ ؓ، حضرت زینب بنت ابوسلمہ ؓ، حضرت ام الدرداء الکبریٰ ؓ، حضرت شفاء بنت عبداللہ ؓ، حضرت ام الفضل بنت حارث ؓ۔

محمد طفیل ''نقوش'' رسول نمبر جلد ۴ میں رقم طراز ہیں:

''اس عہد کی خواتین کی تعلیم و تربیت میں حضرت عائشہ کا بہت دخل رہا تھا آپ حج کے دنوں میں اپنا خیمہ پہاڑ کے دامن میں نصب کرواتی تھیں تا کہ خواتین عرب اپنی معلومات میں اضافہ کے لیے بلا تکلف رجوع کر سکیں۔ اس

طرح آپ نے ایام حج میں بھی خواتین کے لئے محفوظ اور علیحدہ عارضی درسگاہ کا انتظام کر رکھا تھا۔"

محمد حمید اللہ ڈاکٹر "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"حضرت ﷺ نے ہفتے میں ایک دن مقرر کر لیا تھا جب آپؐ عورتوں کے خصوصی مجمع میں تشریف لے جاتے اور ان کو تعلیم دیتے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے۔"

"آنحضرت ﷺ نے عورتوں کا چرغہ کاتنا سب سے اچھا مشغلہ قرار دیا تھا۔" ۴۰۲

ایک حدیث میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے شفاء بنت عبداللہ العدویہ نے آپ کی ایک بیوی حضرت حفصہؓ کو لکھنے کی تعلیم دی۔" ۴۰۳

"آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ بی بی عائشہ کو فقہ اور دیگر اسلامی علوم، نیز ادب، شاعری، اور طب میں بڑا دخل تھا۔" جہاں تک حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا تھا کہ آدھا علم حمیرا سے حاصل کرو۔" ۴۰۴

مذہبی فرائض اور امور خانہ داری

خواتین کی تعلیم کے سلسلے میں یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ دین اور دینی معلومات کے حصول کے لئے انہیں مکمل آزادی حاصل ہے۔ جہاں تک عام دنیوی علم کے حصول کا معاملہ ہے اس سلسلے میں دو واضح نقطہ نظر سامنے آتے ہیں ایک طبقہ علی الاعلان یہ بات کہتا ہے کہ اسلام عورتوں کو دینی اور شرعی احکامات کے علاوہ اور کسی موضوع کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

گولڈزیہر نے میزان الاعتدال کے حوالے سے خواتین کی تعلیم خصوصاً حضور ﷺ کے ارشادات کے حوالے سے متعلق مندرجہ ذیل نقطہ نظر قائم کیا ہے:

The following ulterance of the prophet regarding females. Said to rest on the authority of AISHA is frequently quoted. Do not let them frequently the roofs do not teach them the art of writing: Teach them spinning and surat - al-Nur.

اس اقتباس میں لڑکیوں کے لئے لکھنے کی مہارت اور گھروں سے نکلنے کی پابندیوں کا اعادہ کیا گیا ہے۔ البتہ انہیں چرغہ کاتنے Spinning اور سورۃ النور کی تعلیم حاصل کرنے کی رعایت دی ہے۔ (اس سورۃ میں وہ تمام احکامات شامل ہیں جنہیں خواتین کیلئے بڑی اہمیت حاصل ہے۔

خواتین کو ایسے علوم کی اجازت دی گئی ہے جن کے حصول کے لئے انہیں گھر سے باہر نہ نکلنا پڑے اور جنہیں حاصل کر کے وہ معاشی طور پر اپنے خاندان کی کفالت میں معاون ثابت ہو سکیں۔ اس طرح انہیں مختلف ہنروں اور

مہارتوں کے حصول میں مصروف رکھ کر گھر میں ان کے فارغ اوقات کا بہترین مصرف بھی تجویز کر دیا گیا ہے۔ پہلے مکتبہ فکر کے لوگوں کے ذہن میں خواتین کی تعلیم کے لئے اس کے علاوہ اور کسی چیز کی اجازت نہیں ہے۔

غیر مسلم محققین نے مسلمانوں (خصوصاً عہد نبویؐ) کے سلسلہ میں اس قسم کی باتوں سے یقیناً ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ کے عہد میں بھی خواتین کو معاشرتی اعتبار سے کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی۔ البتہ وہ چند مسلمان محققین جو موجودہ دور میں بھی ان کی اس بات پر اصرار کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں رائے زنی اس لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے طرز عمل سے اسلام کے بارے میں یہ تاثر قائم کر رہے ہیں کہ نعوذباللہ اسلام ان کی طرح تنگ نظری پر مبنی ہے اور انہیں اس کی وسعت اور بالغ نظری کا اعتراف نہیں ہے۔

خواتین کی تعلیم کے سلسلے میں دوسرا مکتبہ فکر خواتین کی تعلیم کے حق میں ہے۔ وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کے پورے پورے مواقع فراہم کئے جائیں اور مردوں کی طرح ان کے نصاب میں بھی سب سے پہلے قرآن اور احکامات شرعیہ کو شامل کیا جائے تاکہ انہیں اسلامی احکامات اور عبادات کی تعلیم دی جائے۔"۴۰۵؎

محمد حمید اللہ' ڈاکٹر "عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی" میں مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مذہبی تعلیم کے بعد عورتوں کو دوسرے مضامین کی تعلیم بھی دی جائے۔ ان کے یہ عام شعبہ ہائے تعلیم مردوں کے نصاب یا تعلیمی سرگرمیوں سے مختلف ہوں اور ان مین خواتین کی ضروریات اور ان کے تقاضوں کا خیال رکھا جائے۔ ان کے نصاب میں ایسے مضامین رائج کئے جائیں جن میں انہیں زیادہ جسمانی مشقت نہ کرنی پڑے اور نہ ہی انہیں زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنا پڑے۔ ان کا نصاب اس طرح مردوں کے نصاب سے مختلف ہو جاتا ہے جس میں گھریلو مصنوعات کی تیاری اور تربیت پر زور زیادہ دیا گیا اور اس کا تعین خصوصیت سے خواتین کے لئے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا تھا۔"۴۰۶؎

سید انصاری' مولانا "سیر الصحابیات" میں وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

"خواتین کی تعلیم اس طرح مذہبی فرائض کی تعلیم کے ساتھ ساتھ امور خانہ دار اور پیشہ ورانہ مہارت کے حامل مضامین کی تدریس کا جواز ملتا ہے۔ جہاں تک ان میں لکھنے Writing کی مہارت کا تعلق ہے۔ اس نوعیت کی روایات زیادہ مستند نہیں ہیں۔ لکھنے کی صلاحیت اگر ناپسندیدہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو اس کی ہدایت فرماتے اور امہات المومنینؓ کو بھی اس عمل سے منع فرماتے' کئی شواہد ملتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں ہی لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ سنن داؤد کے مطابق حضرت حفصہؓ کو جس خاتون نے لکھنا سکھایا تھا وہ حضرت شفاؓ بنت عبداللہ تھیں۔"۴۰۷؎

محمد امین زبیری "مسلم خواتین کی تعلیم" میں امہات المومنین کی خداداد ذہانت وصلاحیت اور تعلیمی کاوشوں کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"عورتوں کی مخصوص عائلی تعلیم کا ذریعہ امہات المومنین تھیں اور ان میں حضرت عائشہؓ خاص طور پر قابل ذکر

ہیں۔ جن کو رحمت عالم ﷺ سے انتہائی قرب حاصل تھا۔ اس قرب اور اپنی خداداد ذہانت وصلاحیت کی وجہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فقہ اور دیگر اسلامی علوم نیز ادب' شاعری اور طب میں بڑا ملکہ حاصل ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

"آدھا علم عائشہؓ سے حاصل کرو۔"

گویا اسلام میں آپؓ پہلی معلمہ تھیں ازواج مطہرات میں حضرت حفصہ اور حضرت سلمہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ حضرت حفصہؓ نے یہ فن خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے شفاءبنت عبداللہ سے سیکھا تھا۔ حضرت فاطمہؓ قرآن وحدیث کے علاوہ فصاحت وبلاغت اور علم عروض میں ماہر تھیں۔ نہایت فصیح وبلیغ تقریر کرتی تھی اور اس طرح حضرت سکینہؓ اور فاطمہ صغریٰؓ بھی زیور تعلیم سے آراستہ تھیں۔" ۲۰۸ے

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مقام بحیثیت استاد

"مسلمان عورتوں کی تعلیم میں حضرت ام المومنین حضرت عائشہؓ کا ایک خاص مقام ہے۔ خواتین کی تعلیم کے سلسلے میں حضرت عائشہؓ کے حجرے کو ایک مدرسہ کی حیثیت حاصل تھی۔ لڑکے' عورتیں اور جن مردوں کا حضرت عائشہؓ سے پردہ نہ تھا۔ وہ حجرہ کے اندر آکر بیٹھتے تھے اور دوسرے لوگ حجرے کے سامنے مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھتے تھے۔ دروازہ پر پردہ پڑا رہتا تھا۔ پردہ کی اوٹ میں وہ خود بیٹھ جاتیں۔ لوگ سوالات کرتے اور آپؓ جوابات دیتیں۔ کبھی کوئی سلسلہ بحث چھڑتا اور استاد شاگرد اس خاص موضوع پر گفتگو کرتے۔ کبھی خود کسی مسئلہ کو چھیڑ کر بیان کرتیں اور لوگ خاموشی کے ساتھ سنتے۔ کبھی خاندان کے لڑکے اور لڑکیوں اور شہر کے یتیم بچوں کی تعلیم وتربیت کرتیں۔ حج کے موقع پر بھی آپ لوگوں کی تعلیم وتربیت فرماتی تھیں۔ علم کے پیاسے دور دراز ممالک سے آتے اور آپؓ کے حلقہ درس میں شریک ہوتے۔ مسائل دریافت کر کے اپنے شبہات کا ازالہ چاہتے' تابعین میں جو علمائے حدیث تھے ان میں اڑتالیس (۴۸) عورتیں تھیں وہ آپؓ ہی کے حلقہ تعلیم وتربیت سے فیض یاب ہوئی تھیں۔" ۲۰۹ے

خواتین اساتذہ وادارے

آنحضور ﷺ کے عہد میں خواتین علم وفضل کے اعتبار سے مردوں سے کمتر نہیں تھیں۔ یقیناً ان پر علم حاصل کرنے کی پابندی نہیں تھی۔ اسی لئے انہوں نے یہ مقام حاصل کیا۔ کئی صحابیات نے قرأت' تفسیر' فقہ اور فرائض میں کمال حاصل کر لیا تھا' حضرت عائشہؓ' حضرت حفصہؓ' حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام ورقہؓ کو قرآن پاک حفظ تھا۔ ان کے علاوہ قرآن کے کئی پارے حفظ کر لینے والی خواتین میں حضرت ام سعدؓ بنت ربیع' حضرت ام ہشامؓ بنت حارثہ' حضرت رائطہؓ بنت حیان اور حضرت ہندؓ بنت اسید شامل تھیں۔ ان خواتین میں سے حضرت ام سعدؓ تو باقاعدہ درس دیتی تھیں اور خواتین کو قرآن پڑھایا کرتی تھیں۔

تفسیر قرآن کی معلمات میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حاصل تھی۔ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف روایات نقل کرنے کا تعلق ہے۔ خواتین اس شعبے میں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تقریباً دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) اور حضرت ام سلمیٰؓ سے تقریباً تین سو اٹھہتر (۳۷۸) روایات منسوب ہیں۔ ان کے علاوہ روایات نقل کرنے کے سلسلے میں حضرت ام عطیہؓ، اسماء بنت ابو بکرؓ، ام ہانیؓ اور فاطمہؓ بنت قیس کی اہمیت اور علمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"۳۱۰؎

مختلف زبانوں کی تعلیم

محمد طفیل "نقوش سول نمبر جلد چہارم" میں رقمطراز ہیں:

"آنحضور ﷺ نے مختلف زبانوں کی تدریس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ تاکہ مسلمان دوسرے مذاہب اور مختلف زبانیں بولنے والے افراد کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ اس طرح ایک جانب تو معاشرتی تعلقات میں استحکام ہوتا ہے دوسری جانب ان سازشوں اور اندیشوں سے بھی باخبر رہا جا سکتا ہے۔ جو ان گروہوں میں پرورش پا رہے ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں جدید دور کی اصطلاح کے مطابق بہت ہی لبرل پالیسی اختیار کی۔ ایسی زبانوں کی تدریس کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ جو مسلمان اقوام کی زبانیں نہیں تھیں بلکہ ان کا تعلق غیر مسلم لوگوں سے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ مادری زبان کے علاوہ دوسری زبانیں بھی سیکھی جائیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے پہل کی وہ حضور ﷺ کے مہر منشی (ہیڈ محرر) تھے اور سفارتی اور سیاسی معاملات میں آپ ﷺ کے بہت قریب تھے۔ اس شعبے میں مہارت حاصل کرنے کیلئے انہیں عبرانی سیکھنی پڑی۔ ایک روایت کے مطابق وہ سترہ دن مسلسل محنت کے ساتھ عبرانی زبان پڑھنا اور لکھنا سیکھ گئے تھے۔"۳۱۱؎

Mohammad Hamid Ullah, Introduction to Islam India میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"زید بن ثابتؓ عبرانی زبان کے علاوہ سریانی، فارسی، قبطی اور حبشی زبانوں میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ بلاشبہ یہ حضرت محمد ﷺ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ نخلستان عرب میں رہنے والے غیر متمدن عرب جو دوسروں کو گونگا سمجھا کرتے تھے۔ دوسروں کی زبان کو تسلیم کرنے لگے اور خود انہیں سیکھنے کی کوششیں کی۔ حضرت سلمان فارسی نے تو حضور ﷺ کے دور میں ہی قرآن کریم کی کچھ آیات کا فارسی ترجمہ کر رکھا تھا۔"۳۱۲؎

معین الدین ندوی، شاہ "تاریخ اسلام، مہاجرین" میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"کئی صحابہ کرام ایسے تھے جنہیں اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان میں ایک حضرت عبداللہ بن زبیر بھی تھے، جو کئی زبانوں کے ماہر تھے۔"۳۱۳؎

محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' میں رقمطراز ہیں:

''احادیث اور ان کی روایتوں کے حوالے سے شہرت حاصل کرنے والے صحابی حضرت ابو ہریرہؓ نہ صرف اپنی زبان کے علاوہ فارسی سے بھی باخبر تھے۔ بلکہ انہیں تورات اور اس کے مسائل سے بھی واقفیت حاصل تھی۔''۲۱۴

معین الدین ندوی، شاہ ''تاریخ اسلام، مہاجرین'' میں توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''دوسروں کی زبانیں سیکھنے اور ان میں کمال حاصل کرنے کی اسلام نے کبھی بھی ممانعت نہیں کی۔ بہت سے صحابہ کرام نے تو مختلف زبانوں کی تعلیم کے دوران ان کے مذاہب کی کتابیں بھی پڑھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو جن کے پاس احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ انہوں نے جب عبرانی زبان میں دسترس حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو توریت اور انجیل کا بھی بغور مطالعہ کیا۔''۲۱۵

آپ ﷺ نے غیر مادری زبانوں کے سیکھنے کی جس قدر حوصلہ افزائی فرمائی اس سے یہ تاثر لینا کہ مادری زبان کی تدریس اور اسکی تعلیم پر توجہ کم کر دی گئی۔ کسی صورت میں مناسب نہیں بلکہ انداز فکر تو اس اصول اور فکر کی روح کے قطعی منافی ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی معاشرتی، سیاسی، سفارتی اور تبلیغی ضروریات کے پیش نظر انہیں مختلف زبانیں اور انکی کتابوں کے پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ یہ اجازت ان لوگوں کے لئے تھی جو پہلے اپنی زبان اور عقائد میں پختگی حاصل کر لیتے تھے۔ یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ہونا چاہئے۔

دراصل غیر مذاہب کی کتابوں کے مطالعہ کی اجازت اسی وقت دی جاسکتی ہے جب پڑھنے والے ذہنی طور پر پختہ ہو چکے ہوں۔ ناپختہ ذہنوں کو یہ سب کچھ یا اختلافی موضوعات کے بارے میں بتانے سے ان کے گمراہ ہونے یا ذہنی انتشار میں مبتلا ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔

دیگر اقوام سے اکتساب علم

Robert Gullick: Mohammad the educator. Islamic Culture میں وضاحت کرتے ہوئے رقمراز ہیں:

''مسلمانوں کے ابتدائی دور کے نظام تعلیم وتربیت میں قرآن اور قرآنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ مختلف علوم اور مہارتوں کی تدریس کی تصدیق ہوتی ہے اور ایک ایسا نظام سامنے آتا ہے جس کے نصاب میں دین اور دنیا دونوں کے تقاضوں میں توازن رکھا گیا ہے۔ بعض حضرات ان تمام حقائق کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات پر سختی سے قائم ہیں کہ اکتساب علم کے لئے مسلمانوں کو کسی غیر مسلم سے رجوع نہیں کرنا چاہئے۔ ان کا یہ موقف ان کے ذاتی تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں درست ہو سکتا ہے۔ لیکن حضور ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ ﷺ کی تعلیمات علم کے لئے جو اصول قائم کیا وہ اس حد تک جدید ہے کہ علوم وفنون کے تعین اور ان ذرائع کی تلاش کیلئے جہاں سے علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بہت ہی وسعت موجود ہے۔ لوگوں کو (چین کی مثال دے کر) انتہائی دور دراز اور دشوار خطوں سے جا کر تعلیم حاصل کرنے کی

ہدایت کی گئی۔

واضح طور پر کہا گیا کہ علم مسلمانوں کی میراث ہے۔ جہاں سے بھی ملے اسے حاصل کرو۔ اسلام نے علم کو مسلم اور غیر مسلم کی حدود میں تقسیم نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہر وہ علم جس سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور مخلوق خدا کی فلاح کی راہ نکلتی ہو۔ اسلام میں انتہائی محترم قرار دیا گیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ عہد نبویؐ میں کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہیں تھا۔ جو غیروں سے علم حاصل کرتے ہوئے اپنے مذہب یا عقائد سے برگشتہ ہوا ہو۔ اس دور میں ایسا بھی نہیں ہوا کہ دوسروں کی زبانیں اور مہارتیں حاصل کرنے والے اپنی شناخت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہوں۔ مسلمانوں نے انتہائی فراخدلی اور وسعت النظری کا ثبوت دیا۔ چونکہ ان کی نیتیں صاف تھیں اور انکے قلوب حضور ﷺ کی محبت سے منور تھے۔ اس لئے انہوں نے اس فراخدلانہ پالیسی کے باوجود علم و فن کے میدان میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ آپ ﷺ کے عہد میں مسلمان عددی اعتبار سے بہت کم تھے اور اس نئے مذہب کے ماننے والوں کو قدیم مذاہب کی اقوام کی شدید مخالفت اور سازشوں کا سامنا تھا۔ اگر غیر مسلموں کے علوم و فنون سے گمراہی کا احتمال ہوتا تو اس عہد میں تو اس پابندی کے امکانات زیادہ تھے۔ آپ ﷺ بذات خود اس معاملہ میں بہت فراخدلانہ نقطہ نظر کے حامل تھے۔ یہی سبب تھا کہ نزول وحی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کا یہ مشورہ من و عن قبول کر لیا تھا کہ ورقہ بن نوفل سے رجوع کیا جائے۔ انہوں نے جب آپ ﷺ کی باتوں کی تصدیق کی اور آپ کو اطمینان دلایا تو آپ ﷺ نے بھی سکون کا سانس لیا۔ آپ ﷺ نے سیکھنے کے معاملے میں کسی تعصب اور تنگ نظری سے نہ خود کام لیا اور نہ ہی دوسروں کو اس کی ہدایت کی۔ صحابہ کرام میں ابتدائی دور میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت رکھنے والے لوگ بہت کم تھے۔ صحابہ کرام ﷺ میں ابتدائی دور میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت رکھنے والے لوگ بہت کم تھے۔

خواندگی میں اضافے کے لئے جو پروگرام شروع کیا گیا اس میں غیر مسلموں کی خدمات حاصل کی گئیں 'لکھنا پڑھنا سکھانے کا کام ان لوگوں سے بھی لیا گیا جو حضور ﷺ کے بدترین دشمن تھے اور لشکر کفار میں شامل ہو کر آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آئے تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے انہی لوگوں سے بہت کچھ سیکھا۔'' ۳۱۶۔

محمد طفیل ''نقوش رسول نمبر جلد چہارم'' میں رقمطراز ہیں:

''آپ نے کئی زبانیں سیکھیں جو آپ کو ان آزاد کردہ غلاموں نے سکھائی تھیں۔ جو مدینے میں رہتے تھے' اندازہ ہے کہ آپ نے کم و بیش جتنی زبانیں سیکھیں وہ سب سکھانے والے انہیں زبانوں سے تعلق رکھنے والے مختلف غلام تھے۔'' ۳۱۷۔

ابن عبدالبر' اندلسی ''جامعہ بیان العلم و فضلہ'' میں رقمطراز ہیں:

''غیر مسلموں سے اکتساب علم کا سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا۔ ایسا نہیں ہوا تھا کہ حضور ﷺ نے ایک خاص مدت تک ان سے حصول علم کی اجازت دی تھی اور بعد میں ممانعت فرما دی تھی۔

مسلمانوں نے تو آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق:

"اَلحِکمَۃُ ضَالَّۃُ المُؤمِنِ فَحَیثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا۔" ۴۱۸

ترجمہ:۔ حکمت و دانش کی باتیں مومن کی کھوئی ہوئی متاع ہیں جہاں سے بھی ملیں وہ انکا زیادہ حق دار ہے۔

حصول علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس اصول کی وضاحت حضرت علیؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ "علم گم گشتہ مال ہے جہاں سے ملے لے لو چاہے مشرکین ہی کے ہاتھ سے ہو علم سیکھنے میں عیب نہ سمجھو' آپس میں ملو جلو اور علم کا چرچا کرو ورنہ علم جاتا رہے گا۔"

ابن البر 'اندلسی "جامع بیان العلم وفضلہ" میں حصول علم کیلئے صحابہؓ کی کاوشیں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"غرض مسلمانوں نے آپ ﷺ کے دور میں کبھی بھی سیکھنے کے معاملے میں خلل سے کام نہیں لیا۔ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جنھوں نے علم و فن کے شعبہ میں بڑی شہرت حاصل کی۔ اکثر عربی زبان اور لغت کے معاملے میں استفسارات کیلئے غیر مسلموں سے رجوع کرتے تھے۔ اکثر زبان کے دقائق کے لئے آپ زر بن حبش نامی ایک غیر مسلم کے پاس جاتے جو عربی زبان کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس شخص کی موت ۸۳ھ میں ہوئی اس وقت اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور اس نے آخر وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔" ۴۲۰

"حضور ﷺ نے عم زاد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا شمار بھی اس عہد کے ممتاز تعلیمی ماہرین میں ہوتا ہے۔ انہیں شعر و شاعری سے بہت شغف تھا۔ ان دنوں میں آپ شاعری کے سلسلے میں دو غیر مسلم افراد خرمہ بن قیس انصاری اور ابو قیس سے رجوع کیا کرتے تھے۔ یہ دونوں حضرات اس وقت راہب تھے لیکن بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔" ۴۲۱

سید امیر علی "سپرٹ آف اسلام" میں مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں عام روایات ہیں کہ ان کے خطبے سننے کے لئے دور دراز علاقوں سے لوگ آیا کرتے تھے۔ وہ ہفتہ میں ایک دن تفسیر قرآن' دوسرے دن فقہ' تیسرے دن صرف و نحو' چوتھے دن تاریخ عرب اور پانچویں دن شعر و شاعری کا درس دیتے تھے۔ قران کی مشکل سے سمجھ میں آنے والی عبارتوں کی تشریح کیلئے وہ اکثر قدیم شعرائے عرب کے کلام سے مثالیں پیش کیا کرتے تھے۔ اسکی بدولت ادب جاہلیت کے مطالعے اور تحفظ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ وہ اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہیں قرآن کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آئے (الفاظ اور تراکیب کے اعتبار سے) تو اسکا حل شعرائے عرب کے کلام میں ڈھونڈو کیونکہ وہ عرب قوم کا صحیفہ ہے۔" ۴۲۲

احمد شبلی' ڈاکٹر "تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ" میں غیر مسلموں سے علم میں استفادہ کرنے میں جو کاوشیں کی گئی ہیں ان کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"تاریخ میں اور کئی برگزیدہ اصحاب کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ جنھوں نے اکتساب علم کے معاملے میں غیر

مسلموں سے بھی استفادہ کیا۔"

غیر مسلموں سے علم حاصل کرنا یا ان سے کچھ اخذ کرنا (اگر وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے منافی نہ ہو) کوئی ناپسندیدہ فعل نہیں تھا۔ بلکہ اس سلسلے میں تو مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی اجازت بھی حاصل تھی۔ لوگوں کو دوسروں سے معلوم کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا۔" ۴۲۳؎

ترجمہ:۔ آپ فرمائیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے تو نکالو ہمارے لئے"

اللہ تعالیٰ کے ارشادات حضور ﷺ کی تعلیمات اور صحابہ کرام کے کردار سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے سیکھنے اور سمجھنے کے معاملے میں کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی۔ ایک ایسا نظام وضع کر دیا گیا تھا۔ جس میں ہر شخص کو اس امر کا اختیار تھا کہ وہ اسلام کے بنیادی احکامات سے متصادم امور کے علاوہ باقی تمام باتوں کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی پالیسی اس ضمن میں بہت ہی واضح تھی اور مکمل طور پر ایک آزادانہ اور روادارانہ نظام تعلیم و تربیت تشکیل دیا گیا تھا۔

آپ ﷺ کے تجویز کردہ راہنما اصولوں کی روشنی میں نظام تعلیم میں غیر مسلموں سے اکتساب کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن یہ معاملہ غور طلب ہے کہ آخر ان لوگوں سے کون کون سے مضامین سیکھے جاتے ہیں یا ان کی کون کون سی باتیں اخذ کی جا سکتی ہیں۔ ڈاکٹر احمد شبلی کی رائے کے مطابق جہاں تک قرآن اور احادیث یا دیگر مذہبی علوم کا تعلق ہے ان کی تدریس کسی بھی غیر مسلم کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے ابتدائی دور میں انہی لکھے پڑھے لوگوں کو کاتب وحی بنایا گیا تھا جو مسلمان تھے۔ البتہ نوشت و خواند کا کام غیر مسلموں سے لیا گیا تھا اور وہ لوگ ایسی مختلف زبانیں اور موضوعات لکھنے اور پڑھنے کی مشق کراتے تھے۔ جن کا تعلق قرآن اور مذہبی تعلیمات سے نہیں ہوتا تھا۔" ۴۲۴؎

ڈاکٹر احمد شبلی کے اس نقطہ نظر کی کئی اور مسلم محققین بھی حمایت کرتے ہیں۔ غرض عہد نبوی کی ان شہادتوں کے بعد غیر مسلموں کے بحیثیت اساتذہ تقرر پر پابندی نہیں رہتی اور یہ بات بھی آسان ہو جاتی ہے کہ ان سے کئی مضامین کی تدریس سے کام لیا جائے۔ آپ ﷺ کے متعین کردہ اصول اس امر کی اجازت دیتے ہیں اور کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کے علاوہ ایسے تمام مضامین جن میں دین اور دینی عقائد مسخ ہونے کا احتمال نہ ہو ان کی تدریس کے لئے غیر مسلموں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ لوگ جن کی خدمات حاصل کی جائیں علمی اعتبار سے نمایاں مقام رکھتے ہوں اور درس و تدریس کے فن میں بھی مہارت حاصل کر چکے ہوں۔ غیر مسلموں سے اکتساب علم کی تصدیق کے بعد نصاب کے تعین کا معاملہ بھی طے ہو جاتا ہے۔ نصاب میں قرآن اور اسلامی تعلیمات (نظری اور عملی) کو لازمی Compulsory قرار دینے کے بعد اسی اصول کی روشنی میں اختیاری مضامین Optional Subjects کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

ان مضامین کے گروپ بنانے میں معاشرتی اور قومی ضروریات کو ترجیح دی جائے اور یہ نہ دیکھا جائے کہ ان علوم کا

آغاز کہاں سے ہوا ہے اور اس میں کون لوگ زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ اس طریقہ سے نصاب میں مختلف اور سرگرمیوں کا ایک خاکہ ترتیب دیا جاسکتا ہے جو اسلامی اقدار اور جدید دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگا۔''

مدنی دور میں تعلیمی امور کا عروج

اہل مکہ نے جب مکہ مکرمہ کی سرزمین رسول کریم ﷺ پر تنگ کردی اور دعوت توحید پر لبیک کہنے سے انکار کردیا تو آنحضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ پہنچ کر تعلیمی اُمور کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور نظام تعلیم کو مستقل بنیادوں پر منظم فرمایا اور یہ حکومت نبویہ کی اولین ضرورت تھی۔ زبان رسالت سے تعلیم کی اہمیت، معلم کا مقام، متعلم کی شان سن کر صحابہ کرامؓ میں حصول علم کا اتنا ذوق پیدا ہوا کہ تمام صحابہ کرامؓ تحصیل علم کے بے تاب و بے قرار ہوگئے اور تعلیم ان کے لیے حیات القلوب، شفاء الصدور، ریاض العقول اور نور البصائر بن گئی۔

مسجد نبویؐ میں آغاز تعلیم

معلم کائنات، رسول رحمت ﷺ نے سب سے قبل عبادت کے لیے مسجد تعمیر فرمائی۔ وسائل کی کمی اور جگہ کی قلت کے پیش نظر آپؐ الگ تعلیمی ادارے کا اہتمام تو فی الفور نہ کر سکے لیکن مسجد میں کچھ حصہ آپ ﷺ نے تعلیم کے لیے خاص فرما دیا۔

دکتور اعظمی لکھتے ہیں کہ: وَكَانَ جُزْءٌ مِن ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ قَدْ خُصِّصَ لِلْاَغْرَاضِ التَّعْلِيْمِيَّةِ مسجد میں ایک حصہ تعلیم کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ یعنی سب سے پہلا تعلیمی ادارہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں شروع کیا۔ [۴۲۵]

پہلی یونیورسٹی کے طلبہ (اصحاب صُفّہ)

مسجد کے بالا خانے میں ٹھہرنے کی وجہ سے اس حلقہ کے طلباء اصحاب صفہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ نبی کریم ﷺ خود بھی تعلیم دیتے اور آپ ﷺ نے اپنے ساتھ تعلیم دینے کے لیے بعض ماہر صحابہؓ کو بھی منتخب کیا۔ حضرت عبداللہ بن سعید بن العاصؓ علم کتابت میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ اس لیے ان کو قلم وقرطاس، تحریر و کتابت کی تعلیم کے لیے مقرر فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن سعید کافی عرصہ بطور استاد اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بالآخر آپؓ غزوہ بدر میں شہید کردیے گئے۔

اسی طرح حضرت عبادہ بن صامتؓ بھی مختلف علوم وفنون کی تعلیم دیتے اور آپ کا شمار ادارہ کے ماہر اساتذہ میں ہوتا تھا۔ طلباء آپ کی تعلیمی سرپرستی سے متاثر ہوکر کبھی کبھار آپ کی خدمت میں تحائف پیش کیا کرتے تھے۔

اس علمی میدان کے شہ سوار ''اصحاب صفہ'' کی تعلیمی سرگرمیوں پر علماء کرام نے مختلف کتب تحریر فرمائیں جن میں سے ''تاریخ اہل صفہ'' مؤلف ابوعبدالرحمٰن السلمی، تاریخ اہل صفہ مؤلف ابوسعید بن الاعرابی سرفہرست ہیں۔

طلباء کی تعداد

دین اسلام نے جس قدر تعلیم کی اہمیت و رغبت پر توجہ دلائی ہے یقیناً دوسرے مذاہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس لیے جو شخص بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا وہ ہر ممکن مکمل تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرتا اور اسی وجہ سے طلباء کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا اور مسجد نبوی تنگ داماں کا شکار ہوجاتی۔

ایک روایت کے مطابق چار سو اور دوسری روایت کے مطابق اس سے زیادہ طلباء دینی وعصری تعلیم حاصل کرتے تھے۔

طلباء میں تعلیمی ذوق بڑھانے کے لیے سوال وجواب کی نشست کا انعقاد

عہد رسالت ﷺ سے کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ باقاعدہ اپنے طلباء کا امتحان لیتے تھے اور اہم موضوعات پر سوال کرنا بھی آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ جیسے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ نے سوال کیا کہ درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور مسلمان کی بھی یہی مثال ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی صحیح جواب نہ دے سکا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو علم تھا مگر وہ بوجہ شرم خاموش رہے۔ بعد

میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " النخلة " فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ اس حدیث اور واقعہ نبویؐ سے طالب علموں کا امتحان لینا اور ان سے سوال و جواب کرنا ثابت ہوتا ہے۔

طلباء کا حصول علم کے لیے استاد کی خدمت میں اپنی اپنی باری مقرر کرنا

رسول اکرمؐ کے زمانہ میں کچھ صحابہؓ تو مسجد نبوی کے قریب ہی رہتے تھے جو ہمہ وقت تعلیم و تعلم میں مصروف رہتے مگر کچھ صحابہ کرامؓ کئی میلوں کے فاصلے پر رہائش پذیر تھے مگر گھروں کی دوری اور کاروباری مجبوری نے انہیں تعلیم حاصل کرنے سے نہیں روکا بلکہ وہ آپس میں باری مقرر کر لیتے۔ ایک دن ایک صحابی اور دوسرے دن اس کا دوسرا ساتھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم حاصل کرتا۔ اس ضمن میں حضرت عمرؓ اور حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری کا قصہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اور عہد نبوی سے ہمیں تعلیمی سلسلہ میں ہر قسم کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

جنگ بدر کے قیدیوں سے علمی خدمات لینا

رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں فتح نصیب فرمائی اور اس فتح کے بعد جو قیدی گرفتار ہوئے ان میں سے کچھ علوم و فنون کے ماہر تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے فدیہ کو معاف کرتے ہوئے ان کو تعلیمی ذمہ داریاں سونپ دیں اور وہ کلاس کے طلباء کو پڑھاتے اور لکھائی سکھاتے۔ حضرت عبداللہ بن سعیدؓ جو کہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی کمی پوری کر دی۔ اور یہ قیدی طلباء کرام کو تعلیم دیتے رہتے۔

تعلیمی نظام کے انتظامات کے سلسلہ میں یہ واقعہ ولولہ انگیز ہے اور ایک روایت کے مطابق آپؐ نے ان قیدیوں سے اعلیٰ فدیہ طلب کرنے کی بجائے یہ فرمایا کہ ان میں سے ہر شخص دس دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔

علمی نکتہ

اس واقعہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان بوقت ضرورت غیر مسلموں سے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں لیکن دور حاضر میں چوں کہ مسلمان ہر شعبہ میں تعلیمی مہارت رکھتے ہیں اور مسلمانوں میں ماہرین تعلیم کی کثیر تعداد موجود ہے اس لیے اب کسی غیر مسلم سے تعلیم حاصل کرنا قدرے بہتر معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔!

دیگر تعلیمی ادارے

صفہ میں مختلف شعبوں میں تعلیم دی جاتی تھی۔ کسی کے سپرد یہ تھا کہ لکھنا پڑھنا سکھائیں اور جو لکھنا پڑھنا سیکھ جائیں انہیں قرآنی آیات حفظ کرائی جائیں اور اسلام کے مسائل سے متعارف کرایا جائے۔ اسی طرح عہد رسالت میں نظام تعلیم کے حوالے سے اگر مطالعہ کیا جائے تو کئی تعلیمی ادارے بھی سامنے آتے ہیں جن میں باقاعدہ درس و تدریس کا کام ہوتا تھا اور شب و روز تعلیم دی جاتی تھی۔

علامہ البلاذری کی روایت کے مطابق " وكان بالمدينة حينذاك تسعة مساجد " مسجد نبوی کے علاوہ نو اور مساجد تھیں۔ اسلامی تعلیمات اور درس و تدریس کی ضروریات انہی سے پوری ہوتی تھیں۔ ابتدائی دور میں قائم ہونے والی ان مساجد کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ مسجد بنی عمرو بن مبذول ۲۔ مسجد بنی ساعدۃ ۳۔ مسجد بنی عبید ۴۔ مسجد بنی سلمہ ۵۔ مسجد بنی زریق
۶۔ مسجد غفار ۷۔ مسجد اسلم ۸۔ مسجد جہنیہ ۹۔ مسجد بنی اریح بن عبد الاشہل

اور غالب رائے یہی ہے کہ ان مساجد میں باقاعدہ تعلیم و تربیت کا اہتمام موجود تھا اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ " دار القراء " میں ٹھہرے جو مخرمہ بن نوفل کے گھر میں تھا۔ مؤرخین کا اختلاف ہے کہ دار القراء قراء کرام کی رہائش تھی یا ان کا تعلیمی مرکز تھا یا دونوں کاموں کے لیے وہاں ٹھہرتے تھے۔ راجح قول یہی ہے دار القراء یہ قراء کرام کا مسکن بھی تھا اور مکتب بھی تھا۔ اور اس کے علاوہ تعلیم یافتہ صحابہ کرام کو آپؐ نے حکم فرمایا کہ اپنے ہمسائیوں کی تعلیم کا خصوصی خیال رکھیں اور ان کو لکھنا پڑھنا اور دیگر علوم سکھائیں۔

ابتدائی دور کی ان مساجد کے علاوہ صرف تبوک اور مدینے کے درمیانی علاقے میں حضور ﷺ کے عہد میں ہی سترہ مساجد قائم ہو چکی تھیں۔ اس دور کی روایت کے مطابق ان مساجد میں روزمرہ عبادات کے ساتھ لوگوں کو تعلیم دینے کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ ان سترہ مساجد کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔"

(۱) مسجد تبوک	(۲) مسجد شیشہ مداراں	(۳) ذات الذراب	(۴) مقام اخضر
(۵) ذات الخطمی	(۶) مقام بالا	(۷) بترا	(۸) شق تارا
(۹) ذی الجیفہ	(۱۰) حجر	(۱۱) صدر حوضی	(۱۲) صعید
(۱۳) وادی القریٰ	(۱۴) مقام رقعہ	(۱۵) ذی مروہ	(۱۶) قیفا
(۱۷) ذی خشب			

مندرجہ بالا سترہ مساجد بہت ہی معروف تھیں۔ یہ سب مدینے اور تبوک کے درمیان میں قائم تھیں۔ یقیناً دوسری سمتوں میں اس نوعیت کی مساجد تعمیر کی گئی ہوں گی۔ عہد نبویؐ ہی میں مساجد اور ان سے وابستہ تعلیمی اداروں کی تعداد میں اچھا خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔ ان اداروں کا قیام وہاں کے رہنے والوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا اور ان میں تعلیم و تدریس کی نگرانی آنحضور ﷺ بذات خود فرماتے تھے۔ غرض ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں حوالے ملتے ہیں جن سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ مسلمانوں نے حضور ﷺ کے عہد ہی سے مساجد کو درسگاہ کی حیثیت سے استعمال کرنا شروع کیا اور آپ ﷺ کی زندگی میں ایسی مساجد بڑی تعداد میں قائم کی جا چکی تھیں۔[۴۳۰]

مسجد جمعہ

قبا سے کچھ فاصلہ پر مدینہ منورہ کے راستہ میں قبیلہ بنو سالم آباد تھا جب سید الکائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری ہوئی تو قبا میں چودہ روزہ قیام کے بعد جمعہ کی نماز کا وقت آگیا۔ ابھی آپ قبیلہ بن سالم بن عوف میں پہنچے ہی تھے اور فرضیت جمعہ کا حکم بھی یہیں نازل ہوا اور اسی مقام پر آپؐ نے نماز جمعہ ادا فرمائی۔ مدینہ طیبہ کے بعد یہی آپ کا سب سے پہلا جمعہ تھا۔ اسی وادی میں عتبان بن مالکؓ رہائش پذیر تھے ان کا واقعہ بخاری میں مفصل مذکور ہے۔

"عتبان بن مالک انصاری بدری صحابی ہیں ان کا کہنا ہے کہ میں قبیلہ بن سالم کے ہاں امامت کراتا تھا لیکن میری رہائش اور قبیلہ بنو سالم کے درمیان برساتی نالہ تھا جب بارش ہو جاتی تو اس میں سیلاب کے باعث میرا گزرنا دشوار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ میں درِ دولت رحمت کائناتؐ پر حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری بینائی جواب دے گئی ہے اور میرے اور میری قوم کے درمیان سدِ راہ بن جاتا ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ میرے گھر تشریف فرما ہو کر ایک آدھ نماز پڑھا دیں تاکہ میں اس جگہ کو مسجد بنالوں، رحمت عالمؐ نے عتبان بن مالکؓ کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے تشریف

لانے کا وعدہ فرما لیا' دوسرے ہی روز راز دار نبوت سیدنا صدیق اکبرؓ کی معیت میں دوپہر کے قریب حضور انورؐ تشریف لے آئے اور ارشاد فرمایا "کہ تم کونسی جگہ پسند کرتے ہو میں اس جگہ نماز ادا کردوں چنانچہ جگہ بتائی آپؐ نے دو نفل کی نیت فرمائی اور ہم نے بھی آپؐ کے پیچھے صف باندھ لی' آپؐ نے دو رکعت ادا فرما کر سلام پھیر دیا۔" ۴۳۱

"بعض علماء مورخین نے قبیلہ بنو سالم کی دو مسجدوں کا ذکر کیا ہے ایک تو یہی مسجد عتبان بن مالکؓ والی اور دوسری مسجد جمعہ اور یہ مسجد جمعہ سے چھوٹی تھی جمعہ کو مسجد الوادی اور مسجد عاتکہ بھی کہا جاتا ہے۔ امتدادِ زمانہ کے باعث اس کی عمارت بوسیدہ ہو کر گر پڑی تھی جسے ۹۰۰ھ میں بعض عجمی لوگوں نے تعمیر کیا اس کا طول شمالاً جنوباً ۳۰ فٹ اور عرض شرقاً غرباً ۲۵ فٹ پر جب اس کی چھت خراب ہو گئی تو اس کی تجدید شہاب الدین قاوان نے کی تھی۔ ۴۳۲

مسجد الشمس

اسے مسجد الشمس اور مسجد الفضیخ بھی کہا جاتا ہے۔ مسجد قبا سے مشرق کی جانب یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو ایک بلند مقام پر سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی ہے۔ اس کی لمبائی چوڑائی تقریباً ۱۶x۱۶ فٹ ہے۔ جس وقت حضور نبی کریم ﷺ نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا تھا اور ان کے قریب خیمہ زن ہوئے تھے تو اس جگہ چھ دن تک نماز ادا فرماتے رہے بعد ازاں مسجد کی تعمیر کی گئی اس کی چھت ندارد ابن شیبہ کا بیان ہے:

"کہ سیدنا ابو ایوب اور انصار میں سے چند آدمی یہاں فضیخ (ایک پینے کی چیز ہے) پیا کرتے تھے پھر جب حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی اور اس خبر کو سن کر ان لوگوں نے مشکیزہ کا منہ کھول دیا اور فضیخ کو اسی جگہ بہا دیا اسی وجہ سے اس مسجد کو مسجد الفضیخ کہا جاتا ہے۔"

شیخ مجد الدین فیروز آبادی کہتے ہیں:

"کہ اس مسجد کا نام جو "مسجد الشمس" مشہور ہو گیا۔ اس شہرت کا کوئی ظاہری سبب تو نظر نہیں آتا ممکن ہے کہ اس کی یہ ہو کہ اس مسجد کے قریب مکانات بلند جگہ ہونے کی وجہ سے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس جگہ پہلے نمودار ہوتا ہے اور یہ گمان کرنا ہی غلطی ہے کہ اس جگہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے لئے آفتاب لوٹ کر آنے کا واقعہ پیش آیا تھا جبکہ آفتاب لوٹنے کا واقعہ "صہبا" کے مقام پر ہوا اور یہی قول قاضی عیاضؒ کا ہے۔" ۴۳۳

مسجد بنو قریظہ

یہ مسجد' مسجد شمس سے مشرقی جانب حرہ شرقیہ کے قریب باغات کے انتہاء پر واقع ہے جس وقت سرور انبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے یہود کا محاصرہ کیا تھا تو آپؐ نے اس جگہ نزول فرمایا' ایک روایت کے مطابق اس مکان کے قریب ہی ایک عورت کا مکان تھا جس میں آپ ﷺ نے نماز ادا کی تھی' ولید بن عبدالملک کے دور میں جب اس مسجد بنو قریظہ کی تعمیر کی گئی تو اس عورت کا مکان بھی مسجد میں داخل کر دیا گیا۔ وہ مکان مسجد کے شمال مغربی گوشہ میں

تھا۔

ابن نجار کے بیان کے مطابق:

''ان کے زمانہ میں مسجد کے اندر ۱۶ ستون تھے جن میں سے بعض کے گر جانے کے باعث چھت بھی گر گئی تھی۔ اس کی تعمیر مسجد قبا کی تعمیر کی مانند تھی اس کے گرداگرد باغات تھے اس کا طول وعرض ۳۰x۳۰ تھا اور مطری کے قول کے مطابق اس کا طول وعرض ۶۷x۶۷ فٹ تھا اور اس کا ایک مینار مسجد قبا کے مینار کے طرز کا تھا جو بے حد بوسیدہ ہو کر گر گیا تھا۔ جس کے آثار ۱۰۷۰ھ تک موجود تھے اس کے بعد تین فٹ کے قریب ایک چبوترہ بنادیا گیا جو مدت تک باقی رہا اس مسجد کی قدیم عمارت اپنی وضع' چھت' ستون اور مینارہ کی فٹ بناوٹ میں مسجد قبا جیسی تھی بعد ازاں اس کی دیواریں وغیرہ بھی منہدم ہو گئیں صرف ایک احاطہ سارہ گیا جس کا طول قبلہ سے شمال کی طرف ۶۰ فٹ اور عرض مشرق سے مغرب ۶۲ فٹ پھر ۸۹۳ھ میں شاہین جمالی نے اس کی دیواروں کی تجدید کی۔'' ۴۳۴

مسجد شربہ اُم ابراہیم

یہ مسجد بنو قریظہ کی مسجد کے شمال میں حرہ شرقیہ کے نزدیک باغات کے درمیان واقع ہے یہاں مسجد کی سی عمارت تو ہے نہیں صرف چار دیواری ہے جس پر چھت وغیرہ نہیں ہے قبلہ سے شمال کی جانب ۱۶ فٹ اور شرقاً غرباً ۲۱ فٹ ہے۔

''امام الانبیاء حبیب کبریا ﷺ نے اس مقام پر نماز ادا فرمائی ہے اور اسے مشربہ ام ابراہیم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہؓ کا باغ تھا اور اسی جگہ آپؓ کی رہائش بھی تھی۔ اس مکان میں سرور کائنات ﷺ کے فرزند ارجمند سیدنا ابراہیمؓ سیدہ ماریہ قبطیہؓ کے بطن اطہر سے پیدا ہوئے تھے اور بچپن ہی میں اللہ کے پیارے ہو گئے تھے۔'' ۴۳۵

مسجد بنی ظفر

آج کل اسے مسجد بغلہ کہا جاتا ہے اور عوام الناس اسے سفرہ پیغمبر بھی کہتے ہیں۔ جنت البقیع کے شرقی جانب قبا کے راستے میں واقع ہے جو فاطمہ بنت اسد والدہ سیدنا علی مرتضیٰؓ کے نام سے شہرت پذیر ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا عبداللہ بن معوذ رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے محلّہ بنو ظفر میں نماز ادا فرمائی تھی وہاں ایک پتھر پر آپؐ تشریف فرما ہوئے اور ایک صحابیؓ کو ارشاد فرمایا کہ قرآن پاک کی تلاوت کریں چنانچہ انہوں نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔

ترجمہ:۔ پس کیا حال ہوگا اس وقت جب ہم ایک امت سے گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اے رب کریم جن لوگوں میں اس وقت میں موجود ہوں ان کا تو گواہ ہوں لیکن جو لوگ نہیں آئے ان کے متعلق کیا جان سکتا ہوں۔''

محراب کے دائیں جانب ایک پتھر پر یہ عبارت درج ہے:

خَلَّدِ اللّٰهُ مُلْكُ الْإِمَامِ اَبِیْ جَعْفَرُ الْمَنْصُوْرُ الْمُسْتَنْصَرُ بِاللّٰهِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ سَنَةَ ثَلَاثِیْنَ وَ سِتِّمِائَةَ۔ (۶۳۰ھ)

اس کا طول وعرض (۳۳x۳۳ فٹ) ہے۔[۳۳۶]

مسجد الاجابۃ

یہ مسجد جنت البقیع کے شمالی جانب شہد کے احاطہ کے قریب ہے اسے مسجد بنی معاویہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا طول شمالاً ۲۵ فٹ اور عرض شرقاً غرباً ۳۸ فٹ ہے۔ بنی معاویہ اوس کے ایک قبیلہ کا نام تھا۔ مسلم شریف میں ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ مدینہ سے تشریف لا رہے تھے کہ آپ کا گزر بنی معاویہ کی مسجد کے قریب سے ہوا۔ آپؐ نے اس مسجد میں تشریف لا کر دو رکعت نفل ادا فرمائے۔ آپؐ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے بھی نماز پڑھی' نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے نہایت لمبی دعا کی جب آپؐ واپس ہونے لگے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

حدیث کی رو سے

''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے اللہ کریم سے تین دعائیں کیں جن میں دو کو شرف قبولیت سے نوازا گیا اور ایک سے منع کر دیا گیا۔ حضور نے فرمایا میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میری امت کو قحط کی بلا سے ہلاک نہ کیا جائے' جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری دعا یہ تھی کہ میری امت کو غرقابی کی ہلاکت سے بچانا یہ بھی قبول کر لی گئی اور تیسری دعا امت کو خانہ جنگی سے محفوظ رکھنے کے متعلق تھی جس سے مجھے منع کر دیا گیا۔''

سرکار دو عالم کی دعاؤں کی قبولیت کے باعث اس مسجد کو ''مسجد الاجابۃ'' کہا جاتا ہے۔ محمد بن طلحہ روایت کرتے ہیں:

''کہ حضور کرم ﷺ کا مصلیٰ محراب کے دائیں جانب دو گز کے فاصلے پر تھا اس مسجد سے نکلتے ہی گنبد خضریٰ پر نظر پڑتی ہے۔''[۳۳۷]

مسجد طریق السافلہ

سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے مشہد کو جاتے ہوئے راستہ کے دائیں جانب یہ مسجد واقع ہے۔ یہ مسجد ابو ذر غفاری کے نام سے بھی شہرت رکھتی ہے۔ امام بیہقی شعب الایمان میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت کرتے ہیں

کہ میں مسجد نبوی شریف کے صحن میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک حضور نبی کریم ﷺ صحن سے متصل دروازہ سے باہر تشریف لے جانے لگے تو میں بھی حضور ﷺ کے پیچھے ہو لیا۔ آپؐ اسواف کے ایک باغ میں تشریف لے گئے وہاں وضو فرما کر دو رکعت نفل ادا فرمائے۔ نماز کے بعد آپؐ نے نہایت ہی طویل سجدہ ادا کیا مجھے یہ خدشہ لاحق ہو رہا تھا کہ آپؐ کی روح مبارک کو اعلیٰ علیین میں بلایا گیا ہے۔ میں اسی خیال اور فکر میں رونے لگا جب کافی دیر گذر گئی تو آپؐ نے سجدے سے سر اٹھایا اور فرمایا عبدالرحمٰن کیا بات ہے؟ پس میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ آپ نے اس قدر طویل سجدہ فرمایا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں آپؐ کی روح مبارک تو پرواز نہیں کر گئی۔ حضور سرور کونین رحمت دارین نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل جلالہ نے میری امت کے بارے میں ایک عظیم الشان انعام فرمایا ہے جس کے شکرانہ میں اتنا طویل سجدہ کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے وہ انعام یہ مرحمت فرمایا ہے کہ جو آدمی مجھ پر ایک دفعہ درود شریف بھیجے اللہ جل شانہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھیں گے اور دس گناہ معاف فرمائیں گے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''کہ جبرئیل نے آکر مجھ سے کہا کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپؐ پر سلام بھیجے گا میں بھی اس سلام بھیجوں گا۔'' بعد میں اس جگہ مسجد بن گئی جس کا نام مسجد طریق السافلہ مشہور ہوا۔ اس کا طول ۱۲x۱۲ فٹ ہے۔ ۴۳۸

مسجد البقیع

جنت البقیع کے دروازہ سے نکلتے وقت دروازہ سے متصل دائیں ہاتھ واقع ہے۔ اس مقام پر ابی بن کعبؓ نماز پڑھایا کرتے تھے اور حضور ﷺ اکثر یہاں تشریف لایا کرتے تھے اور اس میں نماز بھی ادا فرمایا کرتے تھے۔ حضور اکرم سراپا رحمتؐ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی واپسی کا خوف نہ ہو تو میں اکثر اوقات اسی میں نماز ادا کروں۔

(آج کل اس مسجد کو بند کر دیا گیا ہے اور جنت البقیع کی دیوار کے اندر واقع ہے ۱۳۹۴ھ تک اس کی عمارت موجود تھی مگر دروازے بالکل بند تھے۔) ۴۳۹

مسجد الفتح

یہ مسجد سلع پہاڑ کے غربی قطعہ پر واقع ہے کچھ اور مساجد بھی اس کے قبلہ کی سمت واقع ہیں ان سب کو مساجد فتح کہا جاتا ہے اور عوام الناس انہیں مساجد خمسہ کہتے ہیں (یعنی پانچ مسجدیں جب کہ تعداد پانچ سے زیادہ ہے) مسجد فتح وہی ہے جو سلع کے پہاڑ کے غربی حصہ پر ہے اور اس کے صحن کے باہر مشرقی اور شمالی جانب تین تین' چار چار زینے چڑھنے کے لئے بنے ہوئے ہیں۔ اسکے قریب والی دوسری مساجد اس طرح کے زینے نہیں ہیں اس کو مسجد الاحزاب اور مسجد اعلیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ مدینہ منورہ کے تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا۔ صرف شامی رخ کھلا ہوا تھا جب نبی

کریم کو یہ اطلاع ملی کہ عرب کے تمام قبائل مل کر جن کی تعداد دس ہزار ہے مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں تو آپؐ نے تحفظ و دفاع کے پیش نظر ۸ ذیقعد ۵ھ کو تین ہزار قدسی صفات صحابہ کرام کی معیت میں اس شمالی علاقہ میں تقریباً تین میل لمبی خندق بیس دنوں میں مکمل فرمائی۔ تقریباً ایک ماہ تک یہ محاصرہ قائم رہا جب مسلمانوں پر شدت کی انتہاء ہو گئی تو تاجدار مدینہ شاہ حرمؐ متواتر تین دن تک مسجد فتح کے اندر نہایت عاجزی اور انکساری اور الحاح سے دعا فرماتے رہے کہ بار خدایا احزاب کو شکست فاش دے اور مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرخرو فرما۔ پیر منگل اور بدھ تین دن تک دعا کا سلسلہ جاری رہا' تیسرے دن بدھ کے روز ظہر اور عصر کے درمیان مجیب الدعوات نے حضور اکرم ﷺ کی دعا کو قبولیت کی خلعت سے نوازا' آپ شاداں و فرحاں صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور فتح کا مژدہ جاں فزا سنایا۔

حملے کا یہ دن انتہائی شدت کا تھا' کفار نابکار ہر جانب سے پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے' سخت تیر اندازی کے سبب حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو دن بھر ایسا مصروف و مشغول رکھا کہ نماز کے لئے بھی لمحہ بھر مہلت میسر نہ آسکی اور چار نمازیں قضا ہو گئیں۔ جنہیں عشاء کے وقت قضاء کیا گیا۔۲۴۰

حضرت جابرؓ سے ایک اور روایت اس طرح مروی ہے کہ محبوب خداؐ مسجد فتح والی جگہ تشریف لائے اور ہاتھ اٹھا کر کفاران قریش کے لئے بد دعا فرمائی لیکن وہاں نماز ادا نہیں فرمائی پھر دوبارہ تشریف لائے بد دعا بھی کی اور نماز بھی ادا فرمائی جسے اللہ کریم نے شرف قبولیت سے سرفراز فرمایا اور اسی وجہ سے اس مسجد کو مسجد فتح اور مسجد احزاب کہا جاتا ہے۔ سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی سخت حاجت پیش آتی ہے تو میں اسی وقت مسجد فتح کی طرف متوجہ ہوتا ہوں ور اجابت کی بشارت پاتا ہوں۔

آثار فتح اور انوار اجابت اس مسجد مقدس کے اندر اور اطراف میں عیاں اور ہویدا ہیں اس کے دائیں جانب ایک وادی ہے جسے سیح کہتے ہیں۔ اسمیں کھجور کے باغات ہیں یہ ایک پر فضا مقام ہے۔ دعا کے لئے حضور اقدس ﷺ شمالی زینہ سے مسجد میں داخل ہوئے تھے چند قدم آگے بڑھ کر دعا میں مصروف ہو گئے تھے۔ آپ مسجد کے صحن میں محراب کے مقابل کھڑے ہوئے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمی کاوشوں کا طائرانہ جائزہ

الدکتور محمد عجاج الخطیب لکھتے ہیں:

وبعد ذلك اصبح منزل الرسول عليه الصلوٰة والسلام فی مكة ندوة المسلمين و معهدهم الذی يتلقون فيه القرآن الكريم و ينهلون من الحديث الشريف علی يدی رسول الله ﷺ -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش مشورہ گاہ اور تعلیمی ادارہ کے طور پر بھی استعمال کی جاتی اور صحابہؓ وہاں قرآن وحدیث سیکھنے اور سکھلانے میں مصروف رہتے۔ اسی طرح علم تفسیر، علم حدیث، علم اللغہ، علم الانساب کی تعلیم کے لیے اپنے اپنے گھروں میں اہتمام وانصرام کرتے حتیٰ کہ ” فـي خـوٰنيتم “ یعنی اپنی دکانوں پر بیٹھے بھی تعلیمات مصطفیٰ کو یاد کرتے یعنی دکانیں اور مکان دور حاضر کے مطابق ٹیوشن سنٹرز کا کام دیتے۔ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ تعلیم بڑی بڑی عمارتوں، بلڈنگوں یا یونیورسٹیوں کی محتاج نہیں اور نہ ہی عصر حاضر کی طرح تکلف سے ان چیزوں کا اہتمام کیا جاتا تھا، بلکہ ہر معقول و محفوظ جگہ کو تعلیم کے لیے منتخب کیا جاتا تھا۔ [۴۴۱]

علم الانساب و دیگر علوم میں مہارت کے لیے باقاعدہ تعلیم کا اہتمام

دینی علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ بعض صحابہ کرامؓ عصری تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شروع سے لے کر اخیر تک مسلسل فیضان نبوی سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔ اس لیے ان کا سینہ علوم وفنون اور کمالات نبویہ کا مخزن بن گیا تھا اور وہ اس کے ساتھ ساتھ علم الانساب میں بھی کمال درجہ مہارت رکھتے تھے۔ علم الانساب (یعنی قبائل کے نام ونسب یاد رکھنا) آپؐ کے زمانہ میں اہل عرب کا مایہ ناز علم تھا اور اس وقت عرب میں علم انساب کے بڑے بڑے ماہرین موجود تھے۔ اور جس شخص کو اس علم میں مہارت حاصل ہوتی اس کو بڑے شرف وتوقیر اور عزت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اپنے دور کے مشہور نسب دان تھے اور آقا علیہ السلام بھی اس کے معترف تھے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ تبلیغ کے لیے عرب کے مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تو سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ آپؐ کے ہم رکاب ہوتے۔ اس وقت ان کا علم الانساب بہت کام آتا اور وہ رسول کریم ﷺ کا ان قبائل سے تعارف کراتے تھے۔

رافع بن مالک کا حصول تعلیم کے لیے مکہ آنا

مکی دور کے آخر میں بعض انصاری صحابہ حصول تعلیم کے لیے مدینہ سے مکہ تشریف لاتے تھے جن میں حضرت رافع بن مالک کا نام سرفہرست ہے اور مدینہ سے مکہ کا طویل سفر صرف حصول علم کے لیے تھا اور ” لِيَقُوْمَ بِـالتَّدْرِيـسِ فی المدينة “ اہل مدینہ کے لیے تدریسی فرائض سرانجام دینے کے لیے صحابہ کرام مکہ تشریف لاتے تھے۔

لیکن اہل مدینہ کے علمی ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے باقاعدہ تعلیم کے لیے معلم کا مطالبہ کیا اور کہا:

” ابعث الينا رجلا يفقهنا فی الدين ويقرئنا القرآن “

ہمیں ایسا استاد مہیا فرمائیں جو ہمیں علم دین اور علم القرآن کی تعلیم دے اور کما حقہ ہماری علمی پیاس بجھائے

حضرت مصعب بن عمیرؓ: جو معلم اول کے لقب سے مشہور ہیں، آپؐ نے ان کی تعلیمی قابلیت کا جائزہ لینے کے لیے انھیں یثرب

(مدینہ) میں تعلیمی فرائض سرانجام دینے کے لیے بھیج دیا۔ چنانچہ آپ کی شب وروز کی ان تھک علمی وعملی کوششوں سے مدینہ میں انقلاب برپا ہوگیا اور لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور آپ نے خوب محنت کر کے اور فریضہ معلمی کا حق ادا کرتے ہوئے آپ کے لیے مدینہ طیبہ کی سرزمین کو ہموار کر دیا۔ ۴۴۲

سفر ہجرت میں آپ ﷺ کا تحریر لکھوانا

اہل قریش نے آپ کے قتل پر بھاری انعام رکھا۔ چنانچہ آپ کے قتل کے لیے سراقہ بن مالک نے آپ کا تعاقب کیا۔ بالآخر نصرت الٰہی نے آپ کو سراقہ کے عزم فاسق سے نجات دی اور وہ معافی مانگنے پر تیار ہوگیا، اور واپس لوٹتے وقت کہنے لگا: "تکتب لی کتابا یکون آیة بینی و بینك" مجھے ایک تحریر (پروانہ) لکھ دیں جو ہمارے درمیان بطور نشانی ہو۔ چنانچہ آپ نے خلیفہ اول کو حکم فرمایا "فکتب لی کتابًا فی عظمٍ أو فی رُقعَةٍ أو فی خَذَفَةٍ" تو انھوں نے ہڈی، کاغذ یا ٹھیکری (یا کپڑا) پر لکھ دیا۔

اس واقعہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ مکی دور میں ہی تحریر اور کتابت سیکھ چکے تھے اور دوسرے کئی صحابہؓ بھی قلم و قرطاس کے رموز سے واقف تھے۔ ۴۴۳



عہد نبویؐ کی تعلیمی پالیسی کے ثمرات کا تنقیدی جائزہ

ہجرت نبوی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ کی عمدہ اور بہترین تعلیمی پالیسی کے ثمرات ظاہر ہونا شروع ہوگئے۔ بہت سارے مسلمانوں کو لکھنے اور پڑھنے کا طریقہ، اپنے معاملات کو لکھ کر محفوظ کرنے کا طریقہ آ گیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے "آیة الدین" نازل فرمائی اور اس میں مسلمانوں کو قرض لیتے اور دیتے وقت سب معلومات کو لکھنے کا حکم دیا اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب معاشرے میں ایک خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہو جو لکھنے پڑھنے سے واقف ہوں۔

اسی طرح مسلمانوں کے لکھنے اور پڑھنے کے عام ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ پر نازل شدہ وحی کو لکھنے والوں کی کثیر تعداد آپ کے پاس موجود تھی۔ جن کی تعداد تقریباً پچاس کے قریب تھی جو رسول کریم ﷺ کے لیے مستقل طور پر وحی لکھتے تھے۔ ۴۴۴

۲۔ اس کے علاوہ آپؐ کی تعلیمی پالیسی کا یہ بھی منہ بولتا ثبوت ہے کہ وحی لکھنے والے صحابہؓ کے علاوہ دیگر بہت سارے صحابہؓ بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور جو مختلف علوم وفنون لکھتے تھے۔ اسی طرح ان کاتبین میں سے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ زیادہ مشہور ہیں۔ انہی کاتبین میں سے کچھ ایسے صحابہ بھی تھے جو زکوٰۃ وصدقات کا حساب وکتاب لکھنے پر معمور تھے۔ جن میں خاص طور پر حضرت زبیر بن العوامؓ اور جھم بن الصلت بھی قابل ذکر ہیں۔

۳۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیمی کا ہی نتیجہ تھا کہ مسلمان عہد نبوی میں ہی اپنے تمام معاملات کو لکھ لیا کرتے تھے۔ تاکہ کسی قسم کے جھگڑے سے محفوظ رہا جا سکے۔ حتیٰ کہ قرض کے "لین دین" اور دیگر معاملات کو بھی لکھتے تھے اور اس کے لکھنے پر عبداللہ بن ارقم اور العلاء بن عقبہ معمور تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی تعلیمی پالیسی کا اثر شہری زندگی کے علاوہ دیہاتوں اور دیہاتی زندگی میں بھی نظر آتا ہے جیسا کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کھجوروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے اندازہ کرتے اور پھر اس کو لکھ لیتے۔ اور اسی طرح جنگی

حالات میں بھی ایسے پڑھے لکھے لوگ مقرر تھے جو مال غنیمت کا حساب کتاب لکھنے پر معمور تھے۔ حضرت معقیب بن ابی فاطمہ الدوسی اسی فریضہ پر معمور تھے۔

۴۔ آپ ﷺ کی تعلیمی پالیسی کی کامیابی کا ہی نتیجہ تھا کہ عہد نبویؐ میں ہی لکھنے والے لوگ اتنی کثرت میں تھے کہ اگر کوئی مقرر کردہ آدمی اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہوتا تو اس کی جگہ پر کام کرنے والے پڑھے لکھے لوگ حاضر ہو کر کام کو چلاتے رہتے۔ جیسا کہ حضرت حنظلہؓ اسی فریضہ پر مقرر تھے۔

۵۔ عہد نبویؐ میں مسلمانوں نے نہ صرف عربی زبان کو لکھنا اور پڑھنا سیکھا بلکہ حسب ضرورت دیگر زبانوں کو بھی لکھنا اور پڑھنا سیکھا، جیسا کہ حضرت زید بن ثابت کو آپ ﷺ نے سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ زبان سیکھی اور پھر آپ کی طرف سے اس زبان میں ''خط و کتابت'' کرتے۔ ۳۴۵

۶۔ بہر حال نبی کریم ﷺ کی تعلیمی سیاست کے ثمرات بہت ہی جلد ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ اسی کا ہی نتیجہ تھا کہ اسلامی حکومت کو لکھنے والوں، حساب کتاب رکھنے والوں اور دفتری کام چلانے والوں کی ایک بہت بڑی کھیپ مل گئی جو اپنے فرائض بڑی مہارت اور کامیابی سے انجام دیتے۔ آپ ﷺ کی تعلیمی سیاست ہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان ابتدا ہی سے مختلف موضوعات میں لکھنے اور پڑھنے میں ماہر ہو گئے تھے۔ اور مسلمانوں کا لکھنا صرف دینی موضوعات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ دیگر مختلف علمی و تحقیقی اور معاشرتی موضوعات پر بھی لکھا گیا۔ ممکن ہے کہ اجمالی طور پر ان تصانیف کو دو قسموں میں تقسیم کیا جائے۔

۱۔ دینی موضوعات:

۱۔ مثال کے طور پر قرآن مجید کو لکھنا جو کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، لیکن مسلمانوں نے اسے عہد نبویؐ میں زبانی حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔

۲۔ اسی طرح ابتداء اسلام میں ہی کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین نے قرآن مجید کی تفسیر میں بعض تالیفات لکھیں۔ جیسے کہ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور اسی طرح ان کے شاگرد سعید بن جبیر، مجاہد، حسن، اور قتادہؒ وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ اسی طرح بعض صحابہ کرام نے احادیث نبویہ میں بعض تالیفات لکھیں۔ جیسا کہ حضرت بن عمرو بن العاص اور دیگر صحابہؓ کے نام لیے جاتے ہیں۔

۳۔ اسی طرح بعض صحابہ کرام نے جو کہ نبی کریم ﷺ کے شاگرد اور آپؐ کی کامیاب تعلیمی پالیسی کا ثمرہ تھے، نے بعض فقہی مسائل میں تالیفات لکھیں۔ مثلاً حضرت جابر بن عبداللہ نے مسائل حج اور حضرت زید بن ثابتؓ جو کہ صحابہ میں سے مسائل وراثت میں سب سے زیادہ ماہر تھے، انھوں نے مسائل وراثت پر لکھا۔

۲۔ غیر دینی موضوعات:

بعض لوگوں نے اشعار جمع کرنے میں تالیفات لکھیں۔ اسی طرح دور بنو امیہ میں بعض لوگوں نے ''کتب الامثال والحکم'' لکھیں۔
اسی طرح عہد یزید بن معاویہؓ میں علاقہ بن عبدالکریم الکلابی نے ''کتاب الامثال'' لکھی۔
اسی طرح عبدالملک بن مروان کے دور خلافت میں بعض لوگوں نے ''تاریخ العرب'' کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔ اسی طرح

بعض لوگوں نے عرب کے ''علم الانساب'' پر کتابیں لکھیں۔ ۴۴۶

عہد نبوی ﷺ میں ''جمع قرآن'' میں صحابہ کرام کی کاوشیں

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں جن صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کو مکمل طور پر جمع کیا، ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سعد بن عبید بن النعمان اور وہ پہلے صحابی ہیں جنھوں نے قرآن جمع کیا۔

۲۔ ابو درداء: جن کا نام عویمر بن زید بن قیس ہے اور خزرج قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

۳۔ معاویہ بن جبلؓ اور یہ بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

۴۔ ابو زید جن کا نام ثابت بن زید ہے۔

۵۔ ابی بن کعبؓ

۶۔ زید بن ثابتؓ

ان اصحاب رسولؐ نے جمع قرآن میں اہم کردار ادا کیا۔ ۴۴۷

دورِ نبویؐ کے مشہور کاتبین

۱۔ زید بن ثابت الانصاریؓ: یہ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی تھے اور رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ وحی کے کاتب بھی تھے۔ حضرت زید بن ثابت الانصاری رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت عمر بن خطاب کے لیے بھی خط و کتابت کیا کرتے تھے۔ حضرت زید صحابہ کرامؓ میں سے بہت بڑے قاری، علم وراثت کے ماہر اور فقیہ تھے۔

۲۔ عثمان بن عفانؓ: یہ بھی عہد نبویؐ میں کاتب وحی تھے۔ حضرت ابو صدیقؓ کی خلافت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کاتب تھے۔

دیگر مشہور کاتبین میں سے جن کے نام مشہور ہیں۔

۱۔ مروان بن حکم: اموی خلیفہ جو کہ خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان کے کاتب تھے۔

۲۔ عبدالملک بن مروان: یہ بھی اموی خلیفہ ہیں اور حضرت معاویہ کے زمانے میں ''دیوان مدینہ'' کے کاتب کے طور پر مقرر تھے۔

۳۔ سعید بن نمران: جو کہ قبیلہ ہمدان کے سردار اور حضرت علیؓ کے کاتب تھے بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت میں کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔

۴۔ عبداللہ بن خلف الخزامی: ان کی کنیت ابوطلحہ ہے۔ یہ بھی مشہور کاتبین میں سے ہیں اور ''دیوان البصرہ'' پر حضرت عمرؓ اور عثمانؓ بن عفان کے کاتب رہے اور جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

۵۔ خارجہ بن زید بن ثابت: جو کہ دیوان مدینہ کے کاتب تھے۔ اسی طرح عمرو بن سعید اور اسی طرح عثمان بن عتبہ بھی عہد معاویہ میں یکے بعد دیگرے ''دیوان مدینہ'' پر کاتب رہے۔ اسی طرح دیگر بعض کاتبین کے نام درج ذیل ہیں:

۶۔ حمید بن عبدالرحمن بن عوف

۷۔ عثمان بن عبداللہ بن ارقم الزہری

۸۔ عبدالعزیز بن الحارث بن الحکم بن أبی العاص

۹۔ سعید بن جبیر (جو کہ مشہور مفسر بھی ہیں)
۱۰۔ الحسن بی اُبی الحسن البصری
۱۱۔ ابو جبیرہ الانصاری
۱۲۔ عامر الشعبی
۱۳۔ محمد بن سیرین
۱۴۔ قبیصہ بن ذویب الخزاعی
۱۵۔ قیس بن عطارد
۱۶۔ عبدالرحمن بن اُبزیٰ ۴۴۸

اشراف المعلمین وفقہاء

۱۔ حضرت عبداللہ بن حبیب: جو حضرت امام حسن وحسینؓ کے استاد تھے۔ عبداللہ بن حارث مشہور معلم رہے جو کہ عاصم الاحوال اور علی بن زید بن جدعان اور قتادہ کے استاد ہیں۔

حسین المعلم جو شعبہ عبدالوارث اور یزید بن زریع وغیرہ کے استاد ہیں۔ اسماعیل بن عبداللہ جو کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کی اولاد کے استاد تھے۔ علقمہ بن اُبی علقمہ المدنی بھی مشہور اساتذہ میں سے ہیں جو امام مالک اور محمد بن اسحاق کے استاد ہیں۔

میمون بن مہران جو خلیفہ عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اولاد کے مؤدب تھے۔

یہ حضرات دور تابعین میں صف اول کے اساتذہ اور معلمین میں شمار ہوتے ہیں اور جنھوں نے تعلیمی میدان میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ ۴۴۹

بلاد اسلامیہ میں صحابہؓ کا ورود اور دینی علوم کی نشر واشاعت

نبی پاکؐ کی تعلیمی پالیسی کے بہترین نتائج کے زمرے میں آپ کے وصال کے بعد خلافت راشدہ میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتو ئے نئے مفتوحہ علاقوں میں حضرات صحابہ نے اقامت اختیار کی اور امارت، قضا، تعلیم جہاد وغیرہ سے نکل کر دینی علوم اور احکام کی تعلیم وتبلیغ خدمات سرانجام دیں۔

عالم اسلام کا کوئی علاقہ یا شہر ایسا نہیں تھا جس میں صحابہؓ نہ پہنچے ہوں۔ کتنے حضرات ان ہی مفتوحہ شہروں میں مقیم ہو گئے اور ان رات نے اگر وہاں چند مہینے یا چند سال اقامت اختیار کی تو ان سب نے اپنے اپنے علم ومعلومات کے مطابق وہاں کے لوگوں کو تعلیم دی۔

ایک قول کے مطابق تیس ہزار صحابہؓ مدینہ منورہ میں اور تیس ہزار صحابہؓ عرب کے قبائل میں مقیم تھے۔ ولید بن مسلم کا بیان ہے کہ ملک م میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے والی دس ہزار آنکھیں تھیں۔ صرف شہر حمص میں پانچ سو صحابہؓ تھے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ کوفہ میں ایک ہزار ں صحابہؓ آئے ان میں چودہ بدری صحابہؓ تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ کوفہ میں اصحاب شجرہ میں سے تین سو اور اصحاب بدر میں سے ستر ر آئے۔ اس طرح مختلف مقامات میں درسگاہ نبوت کے فضلاء نے مختلف جگہوں جا کر علم دین کی تعلیم واشاعت میں حصہ لیا۔ ۴۵۰

...لہ اور ہر موقع پر تعلیم وتعلم کا سلسلہ

مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ، بصری، دمشق، حمس، مصر اور عالم اسلام کے بڑے بڑے شہروں میں قرآن کی قراءت وحفظ، تفسیر، حدیث کی روایت اور تفقہ فی الدین کی تعلیم کے لیے جوامع ومساجد میں مستقل حلقہ جات اور مجالس کا انتظام ہوتا تھا جہاں علماء صحابہؓ تعلیم و افتاء کی خدمت انجام دیتے تھے۔ اس کے علاوہ حسب ضرورت وموقع تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور حضرات صحابہؓ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ جنگ یمامہ میں حضرت جابر بن عبداللہ السلمیؓ زخمی ہو گئے اور قریب ہی مقام عقر میں علاج کے لیے ٹھہر گئے۔ اس مدت قیام میں وہاں کے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔ یہاں تک کہ صحت یاب ہو کر واپس ہوئے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہونے والے مسلمانوں میں پچاس یا تیس حفاظ کرام تھے۔ ۴۵۱

عہد فاروقی میں آذر بائیجان سرکشی کے بعد دوبارہ فتح کیا گیا۔ امیر لشکر اشعث بن قیس نے وہاں عربوں کو آباد کیا۔ انھوں نے مقامی لوگوں کو دعوت اسلام دی۔ اور حضرت علیؓ کے دور میں جب اشعث بن قیس امیر بن کر آئے تو دیکھا کہ اکثر باشندے مسلمان ہو کر قرآن کی تعلیم پاچکے ہیں۔ ۴۵۲

حضرت معاویہ کے زمانے میں روڈیشیا کی فتح کے بعد اسلامی لشکر سات سال تک وہاں کے قلعے میں مقیم رہا۔ اسی میں مجاہد بن جبیر بھی تھے۔ وہ اسلامی لشکر کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ نیز انھوں نے قسطنطنیہ کے قریب اوادنابی جزیرے میں قرآن کی تعلیم دی۔ ۴۵۳

جو صحابہؓ عرب کے قبائل میں رہتے تھے وہ اپنے قبیلہ اور مقامی لوگوں کو قرآن اور تفقہ کی تعلیم انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں دیا کرتے تھے۔ حضرات صحابہؓ جہاں اور جب بیٹھتے تھے آپس میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ شروع کر دیتے تھے۔ ۴۵۴

صحابہ کی تعلیم وروایت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے

نبی پاک ﷺ کی تعلیمی پالیسی کا یہ بہترین ثمر ہمارے سامنے آتا ہے کہ صحابہ کی تعلیم وروایت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر تھے۔ حضرات صحابہؓ نے قرآن وحدیث، فقہ وفتویٰ کے بارے میں جو تعلیمی وتبلیغی خدمات سرانجام دی ہیں وہ ہر لحاظ سے بے غبار اور لائق اعتبار ہیں۔ ان میں کسی قسم کے شک وشبہ کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔ ۴۵۵

الصحابة كلهم عدول

تمام صحابہ عادل، ثقہ اور ثبت ہیں البتہ ان میں نسیان، ذہول اور وہم کا احتمال بشری تقاضے کے مطابق ہو سکتا ہے جس کا برملا اظہار واعتراف کر کے حدیث بیان کرنے سے انکار اور معذرت کر دیا کرتے تھے اور بیان بھی کرتے تھے تو شدت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اسی طرح فتوے کے بارے میں صحابہؓ یہی چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا عالم فتویٰ دے۔ ان حضرات میں کسی قسم کی تعلّی اور اعداء کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ ۴۵۶

درس گاہ نبوت کے سند یافتہ صحابہ

نبی پاک ﷺ کی ان تھک محنت اور تعلیمی کاوش کے نتیجے میں آپ کے تمام صحابہؓ اپنی ذات سے مینارہ رشد وہدایت اور علوم نبوت کے حامل وناشر تھے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمان ہے کہ "الصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم" مگر ان میں متعدد حضرات مختلف علوم میں خصوصیت رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں سند عطا فرمائی تھی اور امت کو ان سے علم حاصل کرنے کی ہدایت کی تھی۔ آپ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے بعد ابو بکرؓ وعمرؓ کی اقتداء کرو۔ قرآن کی تعلیم ان چار سے حاصل کرو۔ عبداللہ بن مسعودؓ، سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی

بن کعب جس کو قرآن تازہ بہ تازہ پڑھنا ہو عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت کے مطابق پڑھے۔ معاذ بن جبلؓ میری امت میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ میری امت میں فرائض کے ساب سے بڑے عالم زید بن ثابت ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ قرآن کے بہترین ترجمان ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری کو لحن داؤدی سے نوازا گیا۔ حضرت علیؓ قضا کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ ابوالدرداءؓ عبادت میں سب سے آگے اور اس امت کے حکیم ودانا ہیں۔ ابی بن کعبؓ قراءت میں سب سے آگے ہیں۔ اور زمین وآسمان کے نیچے ابوذر سب سے زیادہ صادق اللہجہ ہیں اور عبید اللہ بن جراح اس امت کے امین ہیں۔ ابن مسعودؓ نبی کریم ﷺ کی سیرت وکردار اور اخلاق کو کردار میں آپ کے زیادہ قریب ہیں۔ ۴۵۷

نبی علیہ السلام کی تعلیمی پالیسی کے یہ صحابہ درخشاں ستارے ہیں جنھوں نے علوم وفنون کو عالم اسلام واکناف عالم میں پھیلا دیا۔

فصاحت وبلاغت میں جو فصحاء الاسلام درجہ کمال تک پہنچے

۱۔ أبان بن عثمان بن عفان

۲۔ أبان بن سعید بن العاص

۳۔ عبدالملک بن حمیر اللیثی

۴۔ حسن بصری قبیصہ بن جابر

مجلس قلادہ

اس دور میں مدینہ منورہ میں اہل علم اپنے اپنے ذوق کے مطابق دینی، علمی، قومی، ادبی مجلسیں قائم کرتے تھے۔ حدیث وتفسیر، فقہ وفتویٰ، سیر ومغازی، شعر وادب، ایام وحروب، اس دور کے دلچسپ موضوع تھے اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ حلقے قائم ہوتے تھے۔ ان میں ہر طبقہ کے علماء وفضلاء شریک ہو کر دینی وعلمی مذاکرہ کرتے تھے۔ ان ہی میں مجلس قلادہ تھی جو مسجد نبوی میں اسطوانہ وفود کے پاس ہر رات منعقد ہوتی تھی۔ جس میں اجلہ صحابہؓ اور اعیان واشراف اہل علم شریک ہوتے تھے اور ان یواقیت وجواہر کی وجہ سے اس میں بڑا حسن وجمال تھا۔ اس لیے اس کو مجلس قلادہ کہتے تھے۔ حضرت معاویہ ملک شام جانے کے بعد اس کو یاد کر کے کہا کرتے تھے کہ جب تک مجلس قلادہ جاری رہے گی مدینہ آباد رہے گا۔ ۴۵۸

تعلیمی پالیسی اور انقلاب کی ایک جھلک

سیرت کے ساتھ معمولی لگاؤ رکھنے والا شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ جن حالات میں سرور دو عالم ﷺ کائنات جلوہ گر ہوئے تھے تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ تعلیمی اقدار تو کیا وہ انسانیت کی پہچان بھی کھو چکے تھے۔ آپؐ نے بعثت کے بعد ہر شعبہ ہائے زندگی میں انقلاب برپا کر دیا اور بالخصوص تعلیمی حوالہ سے آپ ﷺ کی بصیرت قابل رشک اور خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کی تعلیمی پالیسی صرف عبادات کے سمجھانے اور سکھلانے تک محدود نہ تھی بلکہ سیاست، حکومت، عدالت، معاشرت، معیشت، زراعت وتجارت، اقتصادیات و قضات غرض کہ نظام ہائے زندگی کے جملہ بنیادی اصولوں پر مکمل رہنمائی کرنا آپ ﷺ کی تعلیمی پالیسی میں شامل تھا۔ اس ہمہ جہت تعلیمی پالیسی نے آپ ﷺ کی دعوت کو چار چاند لگا دیے۔

عقل وروح کی غذا اور فکر انسانی کی نگرانی چوں کہ تعلیم میں پنہاں ہیں، اس لیے آپ ﷺ نے بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور عورتوں میں ہر ایک کو تعلیم کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ تعلیمی امور میں آپ کی جد و جہد اور ان تھک محنت ایک دن رنگ لائی۔ وہ لوگ، بالخصوص صحابہ کرامؓ جو قلم و قرطاس کے رموز سے ناواقف اور علوم وفنون سے نابلند تھے، بلکہ قلم پکڑنا اور جملہ پڑھنا ان کے لیے عجیب کام تھا، تعلیم نے جہاں ان کو علم الانساب، علم طب، شاعری اور دیگر عصری علوم میں ممتاز اور بلند مقام پر فائز کر دیا ان علم وفضل کے پتلوں کو حفاظ، مفسرین، محدثین، فقہاء، مجتہدین اور مؤرخین جیسے عظیم القابات کے ساتھ ملقب کر دیا اور یہی تعلیم دین اسلام کے لیے اس قدر مؤثر ثابت ہوئی کہ لوگ جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہوئے اور یاد رہے کہ آپ کی رحلت کے بعد مسلمانوں نے جو علمی ترقیاں کیں اور جس کے باعث وہ ساری دنیا کے معلم بنے اور علم وفضل کے میدانوں میں اپنا نام روشن کیا، اس سب کی وجہ عہد رسالت کی تیار کردہ وہ تعلیمی بنیاد تھی کہ جس پر اعتماد و انحصار کرتے ہوئے انھوں نے تعلیمی اقدار کو فروغ دیا اور وہ ساری دنیا پر چھا گئے۔

تعلیمی ہیڈ آفس

عہد رسالتؐ میں مختلف جگہوں پر مراکز علمیہ اور تعلیمی ادارے قائم ہو چکے تھے۔ تعلیمی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔

وكانت المدينة اهم مراكز العلم فى عصر السيرة

اور مدینہ طیبہ میں ان تمام تعلیمی امور کا مرکز، علمی سرگرمیوں کا سرچشمہ اور ہیڈ آفس تھا۔ اساتذہ کا اجلاس، میٹنگ، مختلف تعلیمی امور پر تبادلہ خیال، نصاب تعلیم پر غور وفکر اور دیگر تعلیمی پروگرام مدینہ منورہ ہی میں تشکیل دیے جاتے تھے۔ اسی تعلیمی چشمہ نے پوری دنیا کی علمی پیاس کو بجا دیا اور اکناف عالم کو علم وفضل سے سیراب کر دیا۔



ملخص باب دوم

عہد نبوی کے تعلیمی ادارے اوران کے مقاصد

اس باب کو چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل ۱۔ عہد نبویؐ میں نظام تعلیم۔

(الف)۔یمن اور روم کا تمدن (ب)۔مخصوص رسم الخط (ج)۔دور جاہلیت کے (د) مکہ معظمہ کی مرکزیت (ہ) تعلیمی اداروں کی ابتداء ۔

فصل ۲۔ مدینہ منورہ میں تدریسی سرگرمیاں۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ کو عام اور لازم قرار دیا۔ اسلام کی پہلی یونیورسٹی ''الصوفہ'' اس کی علمی حیثیت، مقام و مرتبہ، اصحاب صفہ کی تعداد، اس کی تعلیمی کارکردگی کا تفصیلی جائزہ نہایت تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

فصل ۳۔ تبلیغ اور تبلیغی وفود کا کردار، ان کے بنیادی اور انقلابی اثرات۔ علاوہ ازیں نبی پاک علیہ السلام کے تبلیغی خطوط اور فرامین جو آپ ﷺ نے اشاعت دین کے لیے تمام اکناف عالم کو وقتاً فوقتاً روانہ کیے اور ان کو دین حق کی دعوت دی اور اس کے بہترین اور دور رس نتائج سامنے آئے۔

فصل ۴۔ عہد نبوی میں نظام تعلیم۔ اس فصل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نظام تعلیم کس طرح کا تھا اور الصفہ کے طلباء کس طریق سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ عہد نبوی میں تعلیمی نصاب کس قسم کا تھا۔ اور آپؐ نے کس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعلیم و تربیت فرمائی تھی۔ ان تمام پہلوؤں پر نہایت تحقیقی انداز میں جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ پھر تعلیمی محرکات اور عصری تقاضے کیا تھے اور انھیں کس طرح پورا کیا گیا تھا۔ عہد نبوی کی تعلیمی پالیسی کے مثبت نتائج و ثمرات کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب میں تمام معلومات عربی کی بنیادی اور علمی اور تعلیمی کتب سے لی گئی ہیں۔ معلومات کو تحقیقی انداز میں نہایت مدلل اور جامعیت سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عہد نبوی کی تعلیمی پالیسی میں دینی موضوعات پر کام کرنے کے ساتھ غیر دینی موضوعات پر کام کیا گیا، جن کا تذکرہ تعلیمی پالیسی میں نہایت جامعیت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بلاد اسلامیہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ورود اور دینی علوم کی نشر و اشاعت میں صحابہ کی بنیادی کاوشوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی میں ہر جگہ اور ہر موقع پر تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں آپ کے وصال کے بعد بھی صحابہؓ نے تعلیم پھیلانے میں بھرپور کاوشیں کیں۔ درسگاہ نبوت کے سند یافتہ صحابہؓ کی تعلیم اور روایت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تھی۔ یہی صحابہ علم کے وہ تابناک و درخشاں ستارے ہیں جنھوں نے علوم و فنون کو عالم اسلام اور اکناف عالم میں پھیلا دیا۔



باب نمبر۲

حوالہ جات

۱۔ ''اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' یمن،ص/۱۴۳۹

۲۔ ''اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' یمن،ص/۱۴۴۰

۳۔ السباء:۱۵۔۱۶

۴۔ محمد رابع ندوی''جزیرۃ العرب''ص/۳۶۔۳۹

۴۔ آلوسی، محمود شکری، علامہ "بلوغ آلارب فی معرفۃ احوال العرب" ج/۳،ص/۳۱۸

۵۔ المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، المسعودی "تاریخ المسعودی" مروج الذھب ومعادن الجواھر، ج/۱، ص/ ۲۵۰

۶۔ کرین برنٹن''تاریخ تہذیب''ج/۱،ص/۱۵۶

۷۔ ول ڈیورانٹ''دی ایج آف فیتھ''ص/۱۲۰

۸۔ محمد کردعلی''خطط الشام'' ج/۵ ،ص/۴۷ ،نقوش رسول نمبرج/۴،ص/۱۲۴۔۱۲۵

۹۔ ''نقوش رسول نمبر''ج/۳،ص/۱۲۳

۱۰۔ المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، المسعودی "تاریخ المسعودی" مروج الذھب ومعادن الجواھر، ج/۱، ص/۲۶۳

۱۱۔ المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، المسعودی "تاریخ المسعودی" مروج الذھب ومعادن الجواھر، ج/۱، ص/۲۶۸۔۲۶۹

۱۲۔ ''اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' رسم الخط،ص/۸۹۹۔۹۰۰

۱۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ

۱۴۔ جرجی زیدان''تاریخ التمدن اسلامی''ج/۳،ص/۵۵

۱۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ

۱۶۔ الزرکشی ، ابوعبداللہ محمد بن بهادر عبداللہ "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۳۸۹ تا ۴۰۸

۱۷۔ الحجر:۱۵

۱۸۔ حٰمٓ السجدہ :۴۲

۱۹۔ الزرکشی ، ابوعبداللہ محمد بن بهادر عبداللہ "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۳۸۹ تا ۴۰۸

۲۰۔ الفجر:۱۵

۲۱۔ الفجر:۱۶

۲۲۔ البقرۃ:۱۸۶

۲۳۔ الشوریٰ:۴۶

۲۴۔ القمر:۶

۲۵۔ البقرة: ۴۰۔۴۱۔۱۵۲
۲۶۔ المائدة: ۳
۲۷۔ الاعراف: ۱۹۵
۲۸۔ ابن الانباری ''کتاب ایضاح الوقت والابتداء'' ج/۱، ص/۲۵۰۔۲۵۲
۲۹۔ الزرکشی، ابوعبداللہ محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/ ۳۸۱-۳۸۷
۳۰۔ الزرکشی، ابوعبداللہ محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۴۰۹-۴۱۰
۳۱۔ الزرکشی، ابوعبداللہ محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۴۱۸
۳۲۔ الزرکشی، ابوعبداللہ محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۳۷۶-۳۸۰
۳۳۔ جرجی زیدان ''تاریخ التمدن اسلامی'' ج/۱، ص/۳۱۴۔۳۱۵
۳۴۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر، البلاذری "فتوح البلدان" ص/۴۵۹
۳۵۔ ابن سعد ''طبقات ابن سعد'' ج/۲، ص/۲۲
۳۶۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی "سنن ابی داؤد" کتاب الاجاره، باب کسب العلم، ج/ ص/
۳۷۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین، ابوالفضل، احمد بن علی بن حجر "الاصابة فی تمیز اسماء الصحابه" ج/۱، ص/۱۰ مزید حوال کے لیے دیکھیے ج/۱، ص/۱۲٤، ج/۲، ص/۱۰۲
۳۸۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر، البلاذری "فتوح البلدان" ص/۴۷۷۔۴۷۸
۳۹۔ سید سلیمان ندوی ''سیرۃ النبیؐ'' ج/۲، ص/۹۱
۴۰۔ ''خط مسند کی قسمیں'' شمالی عرب میں صفوی، ثمودی اور لحیانی ہیں اور جنوبی عرب میں حمیری ہیں۔
۴۱۔ احمد حسن زیارت ''تاریخ الادب العربی'' مترجم: عبدالرحمٰن سورتی ص/۱۴۹۔۱۵۰
۴۲۔ احمد حسن زیارت ''تاریخ الادب العربی'' مترجم: عبدالرحمٰن سورتی ص/۱۵۰
۴۳۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، ابن خلدون ''تاریخ ابن خلدون'' حصہ اول رسولؐ اور خلفائے رسول، ص/۳۵۳
۴۴۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک ''سیرۃ ابن ہشام'' ص/۲۴۷
۴۵۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک ''سیرۃ ابن ہشام'' ص/۲۴۷
۴۶۔ الحاکم ابوعبداللہ، محمد بن عبداللہ، ''المستدرک علی الصحیحین'' ج/۳، ص/۵۵۲
۴۷۔ احمد الازرقی، ابوالولید محمد بن عبدالله "اخبار مکه و ماجاء فیها من الآثار" ج/۲، ص/۲۱۰
۴۸ احمد شلبی، ڈاکٹر ''تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ'' ص/۱۹۔۲۰
۴۹۔ محمد حمیداللہ، ڈاکٹر ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' ج/۱ص/۲۰۵
۵۰۔ معین الدین احمد ندوی ''تاریخ اسلام'' ص/۱۳
۵۱۔ معین الدین احمد ندوی ''تاریخ اسلام'' ص/۱۹۶
۵۲۔ شبلی نعمانی، علامہ ''الفاروق'' ص/۲۳۲
۵۳۔ حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر ''تاریخ اعلام الاسلام'' ص/۳
۵۴۔ قنوجی، صدیق بن حسن، علامہ ''ابجد العلوم'' ج/ ص/
۵۵۔ محمد مصطفیٰ الاعظمی ''دراسات فی الحدیث النبویؐ وتاریخ تدوینہ'' ص/۴۳

۵۶۔ احمد شبلی، ڈاکٹر ''تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ'' ص/۲۲۔۳۶
۵۷۔ ابن سعد ''الطبقات الکبریٰ'' ج/۲۔۳، ص/۹۱
۵۸۔ ناصر الدین الاسد ''الشعر الجاہلی'' ص/۵۲
۵۹۔ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ ''القصد والامم'' ص/۲۲۔۲۳
۶۰۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شہر، البلاذری ''فتوح البلدان'' ص/۵۷۹
۶۱۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شہیر، البلاذری ''فتوح البلدان'' ص/۵۸۳
۶۲۔ ابن قتیبہ، ابی محمد عبداللہ بن مسلم ''عیون الاخبار'' ج/۱، ص/۴۳
۶۳۔ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ ''القصد والامم'' ص/۲۲
۶۴۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شہیر، البلاذری ''فتوح البلدان'' ص/۵۷۹
عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ ''القصد والامم'' ص/۲۲
۶۵۔ ابن احمد حبیب ''المحبر'' ص/۴۷۵
۶۶۔ ابن قتیبہ ابی محمد عبداللہ بن مسلم ''عیون الاخبار'' ج/۴، ص/۱۰۳
۶۷۔ المیدانی ''مجمع الامثال'' ج/۲، ص/۴۷
۶۸۔ ناصر الدین الاسد ''الشعر الجاہلی'' ص/۱۰۷۔۱۳۳
۶۹۔ ناصر الدین الاسد ''الشعر الجاہلی'' ص/۱۰۷۔۱۳۳
۷۰۔ ناصر الدین الاسد ''الشعر الجاہلی'' ص/۱۶۵
۷۱۔ الخطیب البغدادی، ابوبکر احمد بن علی ''تقیید العلم'' ص/۵۶۔۵۷
۷۲۔ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر ''الاصاب فی تمیز اسماء الاصابہ'' ج/۳، ص/۴۹۶
۷۳۔ بدء الوحی ''الاعتصام'' ص/۶۵، ''توحید'' ص/۵۱ ''ایمان'' ص/۲۵۲
۷۴۔ جواد علی ، الدکتور "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" ج/٤، ص/۹. ١٤
۷۵۔ جواد علی ، الدکتور "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" ج/٤، ص/۹. ١٤
۷۶۔ محمد بن یوسف الصالحی "سبل للهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد" ج/۱، ص/۲۵۔۳۱
۷۷۔ عمر رضا کحالہ ''جغرافیہ شعبہ جزیرۃ العرب'' ص/۱۶۵ تا ۱۷۳
۷۸۔ جواد علی ، الدکتور "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" ج/٤، ص/۱۲۔۱۳
۷۹۔ ابن منظور ''للسان العرب'' ج/۱۲، ص/۹۷
۸۰۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۵۲۔۵۳
۸۱۔ شبلی نعمانی، علامہ ''سیرۃ النبیؐ'' ج/۱، ص/۵۴
۸۲۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۶۱
۸۳۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۶۱
۸۴۔ آل عمران : ۱۰
۸۵۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۶۵

۸۶۔ البقرة :١٢٧

۸۷۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۶۵

۸۸۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۳۵۵

۸۹۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۸۹

۹۰۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۶۴

۹۱۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۶۵

۹۲۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۶۵

۹۳۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۶۷

۹۴۔ البقرة :١٢٦

۹۵۔ البقرة :١٦٢

۹۶۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۸۷

۹۷۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۸۱

۹۸۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ج/۱، ص/۱۰۰

۹۹۔ جواد علی ، الدکتور "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" ج/ ٤ ، ص/ ٢٠

۱۰۰۔ جواد علی ، الدکتور "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" ج/ ٤ ، ص/ ٦٦ ـ ٧٠

۱۰۱۔ ابن ھشام، ابومحمد عبدالملک "السیرة النبویة" ج/١ ، ص/ ٤٣ـ ٥٧

۱۰۲۔ احمد الازرقی ''اخبار مکہ'' ص/۵۴

۱۰۳۔ ابوالحسن علی ندوی ''السیرة النبوة'' ص/۶۳ـ۶۴

۱۰۴۔ جواد علی ، الدکتور "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" ج/ ٤ ، ص/ ١١٥ ـ ١١٦

۱۰۵۔ ابوالحسن علی ندوی ''السیرة النبوة'' ص/۶۶ـ۶۷

۱۰۶۔ آلوسی، محمود شکری، علامه "بلوغ آلارب فی معرفة احوال العرب" ج/٢، ص/ ٢٨٧

۱۰۷۔ حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر ''تاریخ اعلام الاسلام'' ص/۸۱

۱۰۸۔ ابن جریر طبری ''تاریخ طبری'' ج/۳، ص/۳۳۵

۱۰۹۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شھیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/ ٦٦٠ ـ ٦٦١

۱۰۹۔ ابن عبد ربه ابوعمر احمد بن محمد بن عبد ربه " العقد الفرید" ج/ ٤ ، ص/ ١٠٧

۱۰۹۔ ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ج/ ١ـ ٣ ، ص/ ٧٧ ـ ١٤٨

۱۰۹۔ محمد مصطفیٰ الاعظمی ''دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ'' ج/۱، ص/۴۷

۱۱۰۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شھیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/ ٦٦١ـ ٦٦٢

۱۱۱۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبویة" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجروالحالة العلمیة ، ص/ ٧٢ـ ٧٣

۱۱۲۔ السھیلی،ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبدالله "الروض الانف فی السیرة النبویة" ج/٢، ص/ ١٠

۱۱۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری" ج/۱ ،ص/ ٥٦٠

۱۱۴۔ محمد بن محمود بن نجار''اخبار مدینہ''ص/۶۸۰

۱۱۵۔ احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج/۱ ، ص/ ١٨٦

۱۱۶۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی ، العلامة "شرح العلامة الزرقانی علی المواهب اللدینه" ج/۱ ، ص/ ٣٦٣

۱۱۶۔ عماد الدین، ابوالفداء، اسماعیل بن عمر بن کثیر، قریشی، دمشقی ''البدایہ والنہایہ'' ج/ ۳ ،ص/۲۱۸

۱۱۷۔ محمد بن محمد بن سلیمان الفاسی المغربی "جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزواید" ج/ ۱ ، ص/ ٦٧

۱۱۷۔ احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج/۱ ، ص/ ٢٣٨

۱۱۸۔ محمد بن محمود بن نجار''اخبار مدینہ''ص/۶۹

۱۱۹۔ زین المراغی، علامه "معالم دار الهجرة" ص/ ٤٥

۱۲۰۔ محمد بن محمود بن نجار''اخبار مدینہ''ص/۶۹

۱۲۱۔ محمد بن محمود بن نجار''اخبار مدینہ''ص/۶۹

۱۲۲۔ محمد بن محمود بن نجار''اخبار مدینہ''ص/۷۰

۱۲۲۔ زین المراغی، علامه "معالم دار الهجرة" ص/ ٤٤

۱۲۲۔ A Guillaume "The life of Muhammad(PBUH)" P:229

۱۲۲۔ Martin Lings " Muhammad(PBUH)" His Life Based on the Earliest Source P:167

۱۲۳۔ ابن منظور''لسان العرب'' ردیف فا۔جیم ۹،ص/۱۹۵

۱۲۴۔ النووی ، ابی زکریا محی الدین بن شرف النووی "تهذیب الاسماء واللغات" ج/٤، ص/ ١١٧

۱۲۵۔ احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج/ ٢.١ ، ص/ ٤٥٤

۱۲۶۔ احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج/ ٢.١ ، ص/ ٤٥٥

۱۲۶۔ احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج/ ٢.١ ، ص/ ٤٥٥

۱۲۷۔ ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ج/ ۱ ، ص/ ٣٣٩

۱۲۸۔ احمد بن حنبل، امام، ''المسند امام احمد'' ج/۲،ص/۳۳۹

۱۲۹۔ احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج/ ۱ ، ص/ ٣٢١

۱۳۰۔ حبیب الرحمٰن شیروانی ''علمائے سلف و نابینا علماء'' ص/۲۰

۱۳۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' ص/۲۱۲

۱۳۲۔ الکتانی، عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبوية" التراتيب الاداريه والعمالات والضاعات والمتاجر والحالة العلمية ، ج/۱، ص/ ٤١

۱۳۳۔ مزید معلومات کے لیے ملاحظہ کیجیے: السهيلی، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبدالله "الروض الانف فی السيرة

النبویۃ " ج/ ، ص/

۱۳۳۔ الکتانی،عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومۃ النبویۃ" الترتیب الاداریہ ، ج/ ۱ ، ص/ ٤١

۱۳۳۔ احمد سمہودی، نور الدین علی بن احمد سمہودی "وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ"

۱۳۴۔ الکتانی،عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومۃ النبویۃ" الترتیب الاداریہ ، ج/ ۱ ، ص/ ٤١

۱۳۵۔ الکتانی،عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومۃ النبویۃ" الترتیب الاداریہ ، ج/ ۱ ، ص/ ٤٥٥

۱۳۵۔ الکتانی،عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومۃ النبویۃ" الترتیب الاداریہ والعمالات والضاعات والمتاخروالحالۃ العلمیۃ ، ج/ ۱ ، ص/ ٤٥

۱۳۶۔ الکتانی،عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومۃ النبویۃ" الترتیب الاداریہ والعمالات والضاعات والمتاخروالحالۃ العلمیۃ ، ج/ ۱ ، ص/ ٣٥٥

۱۳۷۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری " الصحیح البخاری " نوم الرِّجال فی المسجدِ، ج/ ۱، الجزء ۲،ص/ ٦٣

۱۳۸۔ احمد سمہودی، نور الدین علی بن احمد سمہودی "وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ" ج/ ۱، ص/ ٣٢١

۱۳۹۔ ریکیڈورف ''دائرۃ المعارف اسلامیہ'' ص/ ۱۰۵

۱۴۰۔ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر " فتح الباری بشرح الصحیح الامام ابی عبداللّٰہ محمد بن اسماعیل بخاری" ، باب نوم الرجال فی المسجد ، حدیث نمبر ٤٤٢
احمد سمہودی، نور الدین علی بن احمد سمہودی "وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ" ج/ ۱۔۲، ص/ ٤٥٤

۱۴۱۔ احمد سمہودی، نور الدین علی بن احمد سمہودی "وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ" ج/ ۱، ص/ ٣٢٣

۱۴۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری " الصحیح البخاری " نوم الرِّجال فی المسجدِ، ج/ ۱، الجزء ۲،ص/ ٦٣

۱۴۳۔ احمد سمہودی، نور الدین علی بن احمد سمہودی "وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ" ج/ ۱، ص/ ٣٢٣

۱۴۳۔ احمد بن حنبل، امام، ''المسند امام احمد'' ج/ ۳ ص/ ۴۸۷
ابونعیم ، احمد بن عبداللّٰہ بن احمد اصفہانی "حِلیَۃ الأولیاء" ، ص/ ٣٢٧٤ ، ٣٢٣٩

۱۴۳۔ احمد سمہودی، نور الدین علی بن احمد سمہودی "وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ" ج/ ۱، ص/ ٣٢٣

۱۴۴۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللّٰہ بن احمد اصفہانی "حِلیَۃ الأولیاء" ، ج/ ۱، ص/ ٣٧٦

۱۴۵۔ ابن ابی حاتم، ج/ ۲، ص/ ۳۹۱، مزید معلومات کے لیے دیکھیے :

مساعی مکی الہانی کا دیوان کعب بن مالک الانصاری ص ۷۷ کیوں کہ انھوں نے ان کی نسبت کی نفی کی ہے۔ اس لیے کہ وہ انصاری ہیں اور اصحاب صفہ تنگ دست مہاجرین تھے۔ تاہم ممکن ہے وہ ان کی زاہدانہ وفقیرانہ زندگی کو پسند کرتے ہوئے ان سے جا ملے ہوں۔ اگر چہ ان کا گھر مدینہ میں موجود ہی ہو اور ابونعیم نے حلیہ (ج ۱، ص ۳۳۵، ۳۵۶) میں بعض انصار کے اصحاب صفہ میں نام شامل کیے ہیں۔

۱۴۶۔ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج ۶، ص ۳۹۱

ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیۃ الأولیاء" ، ج ۱، ص ۳۳۹

ابن منظور "للسان العرب" مادہ (فض)

۱۴۷۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیۃ الأولیاء" ، ج ۱، ص ۳۳۹۔۳۴۱

۱۴۸۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیۃ الأولیاء" ، ج ۱، ص ۳۴۱

۱۴۹۔ احمد سمہودی، نور الدین علی بن احمد سمہودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" ج ۱، ص ۳۲۱

۱۵۰۔ حاجی خلیفہ، "کشف الظنون" ج ۱، ص ۲۸۶ ،

ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر " الاصابۃ فی تمیز أسماء الصحابۃ " حصہ اول ص ۶۰۱

جن کا نام اصحاب صفہ رکھا ہے اور جزء ۶ ص ۵۵۰

۱۵۱۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیۃ الأولیاء" ، ج ۱، ص ۳۴۸

۱۵۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری " الصحیح البخاری " نوم الرِّجال فی المسجدِ، ج ۱، الجزء ۲، ص ۶۳

ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج ۱ ، ص ۲۵۶،

ابن سید الناس " عیون الأثر" ج ۲، ص ۳۱۷

ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر " الاصابۃ فی تمیز أسماء الصحابۃ " سوانح نمبر ۵۰۰۵

۱۵۳۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج ۱ ، ص ۲۵۶،

۱۵۴۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج ۱ ، ص ۲۵۶،

۱۵۵۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج ۱ ، ص ۲۵۶،

ابن سید الناس " عیون الأثر" ج ۲، ص ۳۱۷

ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر " الاصابۃ فی تمیز أسماء الصحابۃ " سوانح نمبر ۴۳۰۰

۱۵۶۔ ابن ابی حاتم "الجرح والتعدیل" ج ۳ ، ق ۲ ، ص ۱۶۰

۱۵۷۔ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج ۳، ص ۴۷۹

۱۵۸۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیۃ الأولیاء" ، ج ۱، ص ۳۶۵ ، میں کہا (صفہ کی نو آباد کاری اور آن کی آمد کے متعلق کوئی روایت درست نہیں ہے) اور ان کی اصحاب صفہ کی جانب نفی پر عزم کا اظہار نہیں کیا۔

۱۵۹۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر " الاصابة فی تمیز أسماء الصحابة " سوانح نمبر ٥٥٠٥

۱۶۰۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر " الاصابة فی تمیز أسماء الصحابة " سوانح نمبر ٦٩١٣

۱۶۱۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر " الاصابة فی تمیز أسماء الصحابة " سوانح نمبر ٥١٩٠

۱۶۲۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر " الاصابة فی تمیز أسماء الصحابة " سوانح نمبر ٤٤٦٣

۱۶۳۔ ان کے بارے میں بطور تعاقب دیکھیے: ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٥١، ٣٥٥، ٣٥٧ ، ٣٦١، ٣٦٨

۱۶۴۔ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج/۵ ، ص/۳۱۵

۱۶۵۔ ان کی مزید معلومات کے لیے دیکھیے:

ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٧٣، ٣٦٧، ٣٦٣ ، ٣٧١، ٣٥٦،

۱۶۶۔ ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٧٥

۱۶۷۔ ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٥٣، ٣٥٥

۱۶۸۔ ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٥٢

۱۶۹۔ ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٦٥

۱۷۰۔ ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٦٧، ٣٧٠

۱۷۱۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ١ ، ص/ ٢٥٥،

ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٧٧

ابن سید الناس " عیون الأثر" ج/٢، ص/ ٣١٧

۱۷۲۔ ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٤١

۱۷۳۔ ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٧٧

۱۷۴۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری " الصحیح البخاری " نوم الرِّجال فی المسجدِ ، ج/١، الجزء ٢، ص/ ٦٣

ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ١ ، ص/ ٢٥٥،

۱۷۵۔ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج/۴، ص/۱۲۸

۱۷۶۔ ابن منظور "للسان العرب" مادہ "خنک"

۱۷۷۔ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج/۳، ص/۳۸۷

ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٧٤

احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ" ج/١، ص/ ٣٢٣

۱۷۸۔ ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِليّة الأولياء" ، ج/۱، ص/ ٣٤٢ ، ج/ ١ ، ص/ ٣٢٣

۱۷۹۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیّۃ الأولیاء" ، ج/۱، ص/۳۴۲ ، ج/۱ ، ص/۳۴۱

۱۸۰۔ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج/۳، ص/۴۸۷

ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیّۃ الأولیاء" ، ج/۱، ص/۳۳۰۔ ۳۷۴

احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج/۱ ص/۳۲۳

۱۸۱۔ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج/۲، ص/۵۱۵، ج/۳، ص/۴۹۰

ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱ ، ص/۲۵۶،

ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیّۃ الأولیاء" ، ج/۱، ص/۳۷۳۔ ۳۷۴

احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج/۱ ص/۳۲۳

۱۸۲۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱ ، ص/۲۵۶

۱۸۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری" کتاب مواقیت الصلوٰۃ ، باب السمع مع الاهل والضیفِ، ج/۱، ص/۲۸۴

ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیّۃ الأولیاء" ، ج/۱، ص/۳۴۱

۱۸۴۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیّۃ الأولیاء" ، ج/۱، ص/۳۳۹۔ ۳۷۸

۱۸۵۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیّۃ الأولیاء" ، ج/۱، ص/۳۳۹۔ ۳۴۰

۱۸۶۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیّۃ الأولیاء" ، ج/۱، ص/۳۷۵

۱۸۷۔ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج/۴، ص/۸

۱۸۷۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیّۃ الأولیاء" ، ج/۱، ص/۳۴۰۔ ۳۴۱

۱۸۸۔ احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج/۱ ص/۳۲۲

۱۸۹۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی، الامام "جامع الترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی" باب ما جاء فی اخذ المال تحفۃ ، ج/۳ ، ص/۳۱۱۔ ۳۱۲،

احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج/۲، ص/۵۱۵،

البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری" نوم الرِّجال فی المسجدِ، ج/۱، الجزء/۲، ص/۶۳

۱۹۰۔ احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج/۱ ص/۳۲۲۔ ۳۲۳،

حاشیہ صفحہ ہذا۔ البیهقی ، ابوبکر محمد بن حسین بن علی بیهقی "السنن الکبریٰ" ج/۹، ص/۳۰۴

۱۹۱۔ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج/۱، ص/۷۹، ۱۰۶،

۱۹۲ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج/۶، ص/۳۹۱،

ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیّۃ الأولیاء" ، ج/۱، ص/۳۹۹

۱۹۳۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیّۃ الأولیاء" ، ج/۱، ص/۳۴۰

۱۹۴۔ ابونعیم ، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِلیّۃ الأولیاء" ، ج/۱، ص/۳۷۸

۱۹۵۔ الترمذی، محمد بن عیسٰی ترمذی، الامام " جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی " باب ما جاء فی اخذ المال تحفة ، ج / ۳ ، ص / ۳۱۲،

۱۹۶ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری " الصحیح البخاری "کتاب مواقیت الصلوٰة، باب السَّمرِ مع الأهل والضَّیف ، ج / ۱ ،ص / ۲۸٤

ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج / ۱ ، ص / ۲۵۵

ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِلیّة الأولیاء" ، ج / ۱، ص / ۳۳۸، ۳٤۱، ۳۷۳

۱۹۷۔ ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِلیّة الأولیاء" ، ج / ۱، ص / ۲۵۵

۱۹۸ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج /۳، ص /۲۷۰،

ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج / ۳ ، ص / ۵۱٤،

۱۹۹۔ القنو: خوشہ ، جس میں تازہ کھجوریں ہوں، اس کی جمع اقناء ہے۔

ابن منظور "لسان العرب" مادہ "قنا"

۲۰۰۔ احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج / ۱ ص / ۲۲٤۔۲۲۵،

۲۰۱۔ احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی" ج / ۱ ص / ۲۲۵،

ابن منظور "لسان العرب" مادہ "حشف"

۲۰۲۔ م۔ن // // // // // ج / ۱، ص / ۳۲٤

۲۰۳۔ الشوریٰ :۲٦

۲۰٤۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "الجامع البیان فی تفسیر القرآن " ص / ۲۵۔۳۰

۲۰۵۔ البقرة :۲۷۳

۲۰٦۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ " ج / ۱ ، ص / ۲۵۵

۲۰۷۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "الجامع البیان فی تفسیر القرآن " ج / ۵، ص / ۵۹۱

۲۰۸۔ الانعام :۵۲

۲۰۹۔ عماد الدین، ابوالفداء، اسماعیل بن عمر بن کثیر، قریشی، دمشقی "تفسیر ابن کثیر" ج /۲، ص /۱۳۵

۲۱۰۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "الجامع البیان فی تفسیر القرآن " ج / ۱۱، ص / ۳۷٦

۲۱۱۔ الکهف :۲۸

۲۱۲۔ التوبة :۹۱

۲۱۳۔ ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن احمد اصفهانی "حِلیّة الأولیاء" ، ج / ۱، ص / ۳۷۱ ۔ ۳۷۲

۲۱٤۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "الجامع البیان فی تفسیر القرآن " ج / ۱٤،

ص/ ۴۲۱۔۴۲۳

عماد الدین، ابوالفداء، اسماعیل بن عمر بن کثیر، قریشی، دمشقی ''تفسیر ابن کثیر'' ج/۲، ص/۳۸۲

۲۱۵۔ کرم العمری، بحوالہ تاریخ السنہ المشرفہ ص/۵۳

۲۱۶۔ کرم العمری، بحوالہ تاریخ السنہ المشرفہ ص/۵۴

۲۱۷۔ حاجی خلیفہ ''کشف الظنون'' ج/۱، ص/۲۸۶

اس کو تاریخ اہل صفہ سے موسوم کیا، شاید تحریف ہوگی۔

۲۱۸۔ ابونعیم، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِليّة الأولياء"، ج/۸، ص/ ۲۵

۲۱۹۔ ابونعیم، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی "حِليّة الأولياء"، ج/۱، ص/ ۳۳۴۷

۲۲۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص/۱۰۶

۲۲۱۔ البقرة :۲۷۳

سید اسعد گیلانی ''رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب'' ص/۲۵۵۔۲۵۶

البقرة :۱۹٤

النحل :۱۲٦

حفظ الرحمٰن سوہاروی ''سیرت نبوی رسول کریم ﷺ'' ص/۹۴

۲۲۲۔ النحل :۱۲٦

۲۲۳۔ الشوریٰ :۱۳، ۱٤

۲۲۴۔ آل عمران :۱۹

۲۲۵۔ آل عمران :۱۰۳۔ ۱۰٤

۲۲۶۔ ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ ''پریچنگ آف اسلام'' مترجم: ڈاکٹر عنایت اللہ شیخ ص/۷۔۹

۲۲۷۔ المزمل :۱۰۔ ۱۱

۲۲۸۔ الجن :۲۱۔۲۳

۲۲۹۔ **Gold Ziher "Vorlesungen UberBen Islam" P:25**

۱۳۴۔ الکتانی، عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی، الکتانی "نظام الحكومة النبوية"

الترتيب الاداريه والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمية، ج/ ۱، ص/ ۱۰٤

طالب ہاشمی ''وفود عرب بارگاہ نبوی میں'' ص/۱۳۔۱۴

۲۳۱۔ آل عمران: ۱٦٥

۲۳۲۔ بشیر احمد صدیقی، علامہ، ڈاکٹر ''وفود عرب بارگاہ نبوی میں'' ص/۹

۲۳۳۔ بشیر احمد صدیقی، علامہ، ڈاکٹر ''وفود عرب بارگاہ نبوی میں'' ص/۱۰۔۱۱

۲۳۴ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک ''سیرۃ ابن ہشام'' ج/۲، ب/۱۶۴، وفد بنی تمیم ، ص/ ٦۹۷

۲۳۵ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک ''سیرۃ ابن ہشام'' ج/۲ ب/۱۶۵ ابنی عامر اور سعد بن بکر کے وفد ، ص/ ٦۹۸

ابن سعد "الطبقات ابن سعد" ج/ ، ص/

زرقانی، محمد بن عبدالباقی ، العلامة "شرح العلامة الزرقانی علی مواھب اللدینہ" ج/ ،ص/

۲۳۶۔ بشیر احمد صدیقی، علامہ، ڈاکٹر "وفود عرب بارگاہ نبوی میں" ص/۱۱۔۱۲

۲۳۷۔ بشیر احمد صدیقی، علامہ، ڈاکٹر "وفود عرب بارگاہ نبوی میں" ص/۱۱

۲۳۸۔ محمد یونس، ڈاکٹر "رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام" ص/۴۷۷

۲۳۹۔ المقدسی، محمد بن مفلح "الآداب شرعیۃ" ج/۱ ، ص/۳۳۵

۲۴۰۔ محمد یونس، ڈاکٹر "رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام" ص/۴۷۷۔۴۷۸

۲۴۱۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری "کتاب مواقیت الصلٰوۃ، باب الجوائز الوفد، جزء/ ۱۲ ، ج/ ۱ ،ص/ ٤٢٩

۲۴۲ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک "سیرۃ ابن ہشام" ج/۴، ص/۲۰۵

۲۴۳۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک "سیرۃ ابن ہشام" ج/۴، ص/۲۰۵

۲۴۴۔ ابن قیم ، الجوزیہ ، شمس الدین ،ابوعبداللہ محمد بن بکر الدمشقی "زاد المعاد فی ھدی خیر العباد" ج/ ۳ ، ص/ ٦٠

۲۴۵۔ محمد یونس، ڈاکٹر "رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام" ص/

۲۴۶۔ النصر:۱۔۲

۲۴۷۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک "سیرۃ ابن ہشام" ج/۴، ص/۲۰۵

۲۴۸۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک "سیرۃ ابن ہشام" ج/۴، ص/۲۰۵

۲۴۹۔ ابن قیم ، الجوزیہ ، شمس الدین ،ابوعبداللہ محمد بن بکر الدمشقی "زاد المعاد فی ھدی خیر العباد" ج/ ۳ ، ص/ ٥٥ ۔ ١١٥

۲۵۰۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ١ ، ص/ ٢٩١ ۔ ٣٠٩ ، ٢٦٢

۲۵۱۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ١ ، ص/ ٢٩١ ۔ ٣٠٩ ، ٢٦٢

۲۵۲۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ١ ، ص/ ٢٩١ ۔ ٣٠٨

۲۵۳۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک "سیرۃ ابن ہشام" ج/۴ ، ص/۲۰۶۔۲۰۷

۲۵۴۔ ابن حجر عسقلانی، شھاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر " الاصابۃ فی تمیز أسماء الصحابۃ " ج/ ١ ، ص/ ٧٢

۲۵۵۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک "سیرۃ ابن ہشام" ج/۴ ، ص/۲۱۲

۲۵۶۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ١ ، ص/ ٣١٤

۲۵۷۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک "سیرۃ ابن ہشام" ج/۴ ، ص/۲۱۲

۲۵۸۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ١ ، ص/ ٣١٤ ۔ ٣١٥ ، ٢٩٩

۲۵۹۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ١ ، ص/ ٣١٤ ۔ ٣١٥ ، ٢٩٩

۲۶۰۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ١ ، ص/ ٣١٤ ۔ ٣١٥ ، ٢٩٩

۲۶۱۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ١ ، ص/ ٣١٤ ۔ ٣١٥ ، ٢٩٩

۲۶۲۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک ''سیرۃ ابن ہشام'' ج/۴ ، ص/۲۲۰۔۲۲۱

۲۶۳۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱ ، ص/۳۴۸۔۳۵۳۔ ۳۴۰، ۳۹۸، ۳۰۰

۲۶۴۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱ ، ص/۳۲۶،

۲۶۵۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱ ، ص/۳۲۶،

۲۶۶۔ الاحمدی علی بن حسین علی ''مکاتیب الرسولؐ'' ص/۳۰

۲۶۷۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری "الصحیح لمسلم شرحۃ الکامل للنّووی "کتاب الجهاد والسیر، باب کتب النبی ﷺ الی ملوك الکفار یدهم الی الاسلام ، ج /۲ ، ص/۹۹

۲۶۸۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک ''سیرۃ ابن ہشام'' ج/۴ ، ص/۲۵۴

۲۶۹۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری "کتاب العلم، باب ما یذکر فی المناولة وکتاب اهل العلم بالعلم الی البلدان ، ج/۱ ،ص/۱۱۵

۲۷۰۔ مختار الوکیل "سفراء النبیؐ وکتابه ورساله" ص/۲۹
''المشکوۃ المصابیح "باب الخاتم ،الفصل الاول ،ص/۳۷۸

۲۷۱۔ حمیداللہ، ڈاکٹر ''الوثائق السیاسۃ'' ص/۱۳۲

۲۷۲۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱ ، ص/۲۵۸،

۲۷۳۔ ابن قیم ، الجوزیه ، شمس الدین ،ابوعبدالله محمد بن بکر الدمشقی "زاد المعاد فی هدی خیر العباد" ج/۱ ، ص/ ۶۶۰۔ ۶۶۲

۲۷۴۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک ''سیرۃ ابن ہشام'' ج/۴ ، ص/۲۵۴

۲۷۵۔ العلبی، علی بن برهان الدین "السیرۃ الحلیة" ج/۳، ص/۵

۲۷۶۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱ ، ص/۲۱۲،

۲۷۷۔ العلبی، علی بن برهان الدین "السیرۃ الحلیة" ج/۳، ص/۲۷۵۔ ۲۷۷، ۲۸۱

۲۷۸۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر "مقدمة فتح الباری" ج/۱ ، ص/۲۹

۲۷۹۔ الصعیدی، عبدالمتعال "السیاسة الاسلامیة فی عهد النبویه" ص/۹

۲۸۰۔ الاحمدی، علی بن حسین علی "مکاتیب الرسول" ص/۱۰۹

۲۸۱۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی ، العلامة "شرح العلامة الزرقانی علی مواهب اللدینه" ج/۳، ص/۳۸۳

۲۸۲۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱ ، ص/۲۵۹،

۲۸۳۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری "الصحیح لمسلم شرحۃ الکامل للنّووی "کتاب الجهاد والسیر، باب کتب النبی ﷺ الی ملوك الکفار یدهم الی الاسلام ، ج /۲ ، ص/۹۸

۲۸۴۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب "تاریخ یعقوبی" ج/۲، ص/۶۲

۲۸۵۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱۰ ، ص/۲۷۶

۲۸۶۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱۰ ، ص/۲۷۶

۲۸۷۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ الامم والملوك" ج/۳، ص/۸۸

۲۸۸۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر"الخصائص الکبری" ج/۲، ص/ ۱۲

۲۸۹۔ ابوعبیدالقاسم بن سلام، تقدیم ترجمه وتحشیه عبدالرحمٰن طاهر سورتی "کتاب الاموال" ج/۱ ، ص/ ۵۵.

۲۸۹۔ القلقشندی ، احمد بن علی "صبح الاعشیٰ فی صناعة الإنشاء" ج/٦ ، ص/ ٧٤

۲۹۰۔ احمد بن حنبل، امام "المسند امام احمد" ج/ ، ص/

۲۹۱۔ ابوعبیدالقاسم بن سلام، تقدیم ترجمه وتحشیه عبدالرحمٰن طاهر سورتی "کتاب الاموال" ج/۱ ، ص/ ۵۵

۲۹۲۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی ، العلامة "شرح العلامة الزرقانی علی مواهب اللدینه" ج/۳، ص/ ٣٩٦٦

۲۹۳۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی ، العلامة "شرح العلامة الزرقانی علی مواهب اللدینه" ج/۱، ص/ ٢٢٣-٣٢٤

۲۹۴۔ الاحمدی، علی بن حسین علی "مکاتیب الرسولؐ" ص/ ۱۲۱

۲۹۵۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی ، العلامة "شرح العلامة الزرقانی علی مواهب اللدینه" ج/۳، ص/ ٣٩٦٦

۲۹۶۔ ابن قیم ، الجوزیه ، شمس الدین ،ابوعبدالله محمد بن بکر الدمشقی "زاد المعاد فی هدی خیر العباد" ج/۳ ، ص/ ۱۲۷

۲۹۷۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ الامم والملوك" ج/۳، ص/ ۸۹۹
مزید حوالہ کے لیے دیکھیے:
القلقشندی ، احمد بن علی "صبح الاعشیٰ فی صناعة الإنشاء" ج/٤ ، ص/ ٣٧٩،

۲۹۸۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱ ، ص/ ۲۵۸

۲۹۹۔ القلقشندی ، احمد بن علی "صبح الاعشیٰ فی صناعة الإنشاء" ج/٦ ، ص/ ٤٦٦،

۳۰۰۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱ ، ص/ ۲۵۱-۲۵۸

۳۰۱۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ الامم والملوك" ج/۳، ص/ ۸۹

۳۰۲۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱ ، ص/ ۲۵۸

۳۰۳۔ "سواطع الانوار" ص/ ۸۱

۳۰۴۔ ابن کثیر، عماد الدین، ابوالفداء، اسماعیل بن عمر بن کثیر، قریشی، دمشقی "البدایہ والنہایہ" ج/۳ ، ص/ ۲۰۶

۳۰۵۔ ابن قیم ، الجوزیه ، شمس الدین ،ابوعبدالله محمد بن بکر الدمشقی "زاد المعاد فی هدی خیر العباد" ج/۲ ، ص/ ۲۲۳۷

۳۰۶۔ محمد یونس، ڈاکٹر "رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام" ص/ ۳۸۷-۳۸۸

۳۰۷۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری" باب موت النجاشی ، الجزء/ ۱۵، ج/۱ ، ص/ ٥٤٨

۲۰۸۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی ، العلامة "شرح العلامة الزرقانی علی مواهب اللدینه" ج/۳، ص/ ٣٤٩-٣٦٦

۳۰۹۔ محمد یونس، ڈاکٹر "رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام" ص/ ۳۸۸-۳۸۹

۳۱۰۔ احمد بن حنبل، امام ''المسند امام احمد'' ج/۵، ص/۳۷۱

۳۱۱۔ رضوی محبوب، سید ''مکتوبات نبوی'' ص/۱۳۱

۳۱۲۔ محمد یونس، ڈاکٹر ''رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام'' ص/۳۸۹

۳۱۳۔ البقرة :۲۵۶

۳۱۴۔ دجلان احمد زینی "السیرة النبویة " ج/۲، ص/۱۷۷۳

۳۱۵۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی ، العلامة "شرح العلامة الزرقانی علی مواهب اللدینه" ج/۳، ص/۳۴۷

۳۱۶۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی ، العلامة "شرح العلامة الزرقانی علی مواهب اللدینه" ج/۳، ص/۳۲۹۔ ۳۶۱

۳۱۶۔ ابن قیم ، الجوزیه ، شمس الدین ،ابوعبدالله محمد بن بکر الدمشقی "زاد المعاد فی هی خیر العباد" ص/۱۲۸

۳۱۷۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی ، العلامة "شرح العلامة الزرقانی علی مواهب اللدینه" ج/۱، ص/۲۲۵

۳۱۸۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر"الخصائص الکبری" ج/۲، ص/۱۲

۳۱۹۔ ابن قیم ، الجوزیه ، شمس الدین ،ابوعبدالله محمد بن بکر الدمشقی "زاد المعاد فی هدی خیر العباد" ج/۳ ، ص/۱۲۹

۳۲۰۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ " ج/۱ ، ص/۳۱۱

۳۲۱۔ محمد یونس، ڈاکٹر ''رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام'' ص/۳۹۷۔۳۹۸

۳۲۲۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" الترتیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/۱ ، ص/۳۲۷

۳۲۳۔ النحل:٤٤

۳۲۴۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" الترتیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/۱ ، ص/۳۲۷

۳۲۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری " الصحیح البخاری " باب العلم ، جزء/ ۱، ج/۱ ، ص/۱۶

۳۲۶۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" الترتیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/۱ ، ص/۳۲۸

۳۲۷۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" الترتیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/۱ ، ص/۳۲۹۔ ۳۳۰

۳۲۸۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری " الصحیح البخاری " کتاب العلم ، باب العلم قبل القول والعمل ج/۱ ، ص/۱۱۷

۳۲۹۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر " فتح الباری بشرح الصحیح الامام ابی عبدالله محمد بن اسماعیل بخاری" ،کتاب العلم ، باب العلم القول والعمل ج/۱،ص/۱۶۰

۳۳۰۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة"

التر تیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/ ۱ ، ص/ ۳۳۲

۳۳۱۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" التر تیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/ ۱ ، ص/ ۳۳۵

۳۳۲۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" التر تیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/ ۱ ، ص/ ۳۳۶

۳۳۳۔ الذهبی،ابوعبدالله شمس الدین محمد الذهبی "تذکرة الحفاظ " ج/ ۲.۱ ص/ ۵۳۔ ۵۵
الحاکم ، ابی عبدالله نیسا بوری ، المستدرك علی الصحیحین " ج/ ۳ ، ص/ ۵۳۷

۳۳۴۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" التر تیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/ ۱ ، ص/ ۳۵۵

۳۳۵۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" التر تیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/ ۱ ، ص/ ۴۴

۳۳۶۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" التر تیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/ ۱ ، ص/ ۴۴

۳۳۷۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ " ج/ ۳ ، ص/ ۱۱۸

۳۳۸۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر "الاصابة فی تمیز أسماء الصحابة" ج/ ۱ ، ص/ ۳۴۴ ۔ ۱۷۷۷
حمیدالله، ڈاکٹر ''الوثائق السیاسة'' ص/ ۳۴

۳۳۹۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر "الاصابة فی تمیز أسماء الصحابة" ج/ ۵ ، ص/ ۳۱۵

۳۴۰۔ محمد مصطفی الاعظمی "دراسات فی الحدیث النبویؐ وتاریخ تدوینه" ص/ ۵۰

۳۴۱۔ البیهقی ، ابوبکر محمد بن حسین بن علی بیهقی "السنن الکبریٰ " ج/ ۶ ، ص/ ۱۲۶

۳۴۲۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" التر تیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/ ۱ ، ص/ ۴۸۰

۳۴۳۔ حاجی خلیفه'' تاریخ خلیفه'' ج/ ۱، ص/ ۳۹

۳۴۴۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ " ج/ ۳ ، ص/ ۲
واقدی،عبدالله،محمد بن عمرواقدی "المغازی" ج/ ۱ ، ص/ ۳۹

۳۴۴۔ محمد مصطفی الاعظمی "دراسات فی الحدیث النبویؐ وتاریخ تدوینه" ص/ ۵۳

۳۴۵۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک ''سیرة ابن ہشام'' ج ۲/ ، ص/ ۵۰۰

۳۴۶۔ حٓمٓ: ۲۹۷

۳۴۷۔ ابن جریر طبری،ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ الامم والملوك "ج/ ۱، ص/ ۱۸۰۲۔ ۱۸۰۳

۳۴۸۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ " ص/ ۱۸

۳۴۹۔ الدولابی "الکنی" ج/۱، ص/۱۹
۳۵۰۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" الترتیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/۱، ص/۱۱۰،٥٤-۱۱۷
۳۵۱۔ ابن جریر طبری،ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری "ج/۲، ص/۸۳٦
البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر البلاذری "فتوح البلدان" ص/٥۸۱، ٥۸۳
۳۵۱۔ ابن مسکویه "تجارت الامم" ج/۱، ص/۳۹۱
الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" الترتیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/۱، ص/۱۲۰-۱۲٤
۳۵۲۔ الوزرا ''ادب الکتاب'' ص/۱۲۔۱۳
۳۵۳۔ ابن مسکویه ، ابوعلی احمد بن محمد بن یعقوب مسکویه "تجارت الامم" ج/۱، ص/۲۹۲
۳۵۴۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/۱-۲، ص/۱۱۰
۳۵۵۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" الترتیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/۱، ص/۱۲٥
۳۵۶۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، البلاذری ''فتوح البلدان'' ص/۴۵۹
۳۵۷۔ ناصر الدین الاسد "الشعر الجاهلی" ص/۳٤-٤۱
۳۵۸۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۱۸۳
۳۵۹۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۱۸٤
۳۶۰۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۱۸٤
۳۶۱۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۱۸٤
۳۶۲۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۱۸٤
۳۶۳۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۱۸٦
۳۶۴۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۱۸٤
۳۶۵۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۱۸٤
۳۶۶۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۱۸٥
۳۶۷۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۱۸٥
۳۶۸۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۳۲
۳۶۹۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب فضائل القرآن ، الفصل الاول ص/۳٤
۳۷۰۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری "کتاب العلم، باب تحریص البنیؐ ج/۱، ص/۱۹
۳۷۱۔ ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه" باب ثواب المعلم الناس الخیر، ص/۲۱
۳۷۲۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب العلم الفصل الثالث ص/۳٦
۳۷۳۔ ''مشکٰوة المصابیح "کتاب العلم الفصل الثالث ص/۳٦

۳۷۴۔ ''مشکوٰۃ المصابیح "کتاب العلم الفصل الثالث ص/٣٦

۳۷۵۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر "الاتقان فی علوم القرآن " ج/٢، ص/٣٢١-٣٢٢

۳۷۶۔ امیر الہدیٰ ''مسلمانوں کے علمی وثقافتی کارنامے'' ص/۲۹۔۳۳

۳۷۷۔ ''مشکوٰۃ المصابیح "کتاب العلم الفصل الاول ص/٣٥

۳۷۸۔ James Husting " Encyclopedia of Religion and Ethics" Vol:5, 2nd Edition, P:100, Landon 1937.

۳۷۹۔ ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک ''سیرۃ ابن ہشام'' مترجم: شیخ محمد اسماعیل، ص/۵۶۹۔۵۷۱

۳۸۰۔ ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک ''سیرۃ ابن ہشام'' مترجم: شیخ محمد اسماعیل، ص/۵۷۱۔۵۷۲

۳۸۱۔ المتقی، علی بن حسام الدین، للعلامہ علاؤ الدین ''کنز العمال فی سنن اقوال والافعال'' ج/۱ ص/۲۰۱

۳۸۲۔ امیر الہدیٰ ''مسلمانوں کے علمی وثقافتی کارنامے'' ص/۲۲

۳۸۳۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' ج/۱، ص/۲۲۲

۳۸۴۔ ''مشکوٰۃ المصابیح "کتاب العلم، الفصل الاول ص/٣٥

۳۸۴۔ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن حزم، الاندلسی "جمهرة الانساب العرب" ج/١، ص/٥
رازی، ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم، رازی " الجرح والتعدیل" ج/٣، قسم/ ٢، ص/٣٧
ابن سعد "طبقات ابن سعد " ج/٢، ص/٣٧٥

۳۸۵۔ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن حزم، الاندلسی ''جمہرۃ الانساب العرب'' ج/۳، ق/۲، ص/۳۷۔
ابن سعد ''طبقات ابن سعد'' ج/۲، ص/۳۷۵

۳۸۶۔ معین الدین ندوی ''تاریخ اسلام'' ص/

۳۸۷۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' ج/۱، ص/۲۲۲

۳۸۸۔ ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک ''سیرۃ ابن ہشام'' مترجم: شیخ محمد اسماعیل، ص/

۳۸۹۔ العنكبوت: ٢٠

۳۹۰۔ سید سلیمان ندوی ''سیرۃ النبیؐ '' ج: ۴، ص/۲۹۔۳۰

۳۹۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' ص/۲۵۴

۳۹۲۔ ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه مع شرحه مفتاح الجاجة " باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ص/٢٠

۳۹۳۔ الاحزاب: ٢٢، ٢٣، ٣٤

۳۹۴۔ سلیمان منصور پوری، قاضی ''رحمۃ للعالمین'' ج/۱، ص/۳۵۵

۳۹۵۔ James Husting " Encyclopedia of Religion and Ethics" Vol:5, 2nd Edition, P:198, Landon 1937.

۳۹۶۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ ''الجامع البیان العلم وفضلہ'' مترجم: عبدالرزاق ملیح آبادی ''العلم والعلماء'' ص/

۳۹۷۔ ابن عبدالبر، الاندلسی ''جامع بیان العلم'' ج/۱، ص/۸۲
خطیب بغدادی ''الکفایہ فی علم الروایۃ'' ص/۵۵

۳۹۸۔ سعید انصاری، مولانا ''سیرۃ الصحابیات'' ص/۱۲

۳۹۹۔ سعید انصاری، مولانا ''سیرۃ الصحابیات'' ص/۱۲

۴۰۰۔ سعید انصاری، مولانا ''سیرۃ الصحابیات'' ص/۲۷۔۲۸

۴۰۱۔ محمد طفیل ''نقوش رسول نمبر'' ج/۴، ص/۱۴۴

۴۰۲۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' ص/۲۰۶

۴۰۳۔ الکتانی، عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی "نظام الحکومۃ النبویۃ" الترتیب الاداریۃ والعمالات والصناعات والمتاخر والحالۃ العلمیۃ ، ج/۱ ، ص/۴۹۔۵۵

۴۰۴۔ شبلی نعمانی، مولانا ''سیرۃ النبیؐ'' ج/۲ ، ص/۴۰۷

۴۰۵۔ James Husting " Encyclopedia of Religion and Ethics" Vol:5, 2nd Edition, P:114, Landon 1937.

۴۰۶۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' ص/

۴۰۷۔ ابن حجر عسقلانی ، شہاب الدین ابوالفضل ، احمد بن علی بن حجر" الصحابہ فی تمیز الاسماء الصحابہ" ج/۱ ، ص/۱۰

۴۰۸۔ احمد بن حنبل، امام ''المسند امام احمد'' ج/۵، ص/۳۱۵

۴۰۹۔ ابن حجر عسقلانی ، شہاب الدین ابوالفضل ، احمد بن علی بن حجر" تهذیب التهذیب" ج/۲ ، ص/۴۴۲

۴۱۰۔ عبدالبر اندلسی، ابوعمر یوسف "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" ج/۲ ، ص/۷۵۶

۴۱۱۔ محمد طفیل ''نقوش رسول نمبر'' ج/۴

۴۱۲۔ Muhammad Hamid-ul-Allah " Introduction to Islam India" P-151

۴۱۳۔ معین الدین، ندوی ''تاریخ اسلام'' مہاجرین، حصہ دوم ص/۶۱

۴۱۴۔ رازی، ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی، ''الجرح والتعدیل'' ج/۴، ص/۲۹۴

۴۱۵۔ معین الدین، ندوی ''تاریخ اسلام'' مہاجرین، حصہ اول، ص/۱۴۱۔۳۴۰

۴۱۶۔ Robert Gullick " Mohammad the Educator of Islamic Culture" P-52-63

۴۱۷۔ محمد طفیل ''نقوش رسول نمبر'' ج/۴، ص/۱۳۴

۴۱۸۔ ''مشکوۃ المصابیح "کتاب العلم، الفصل الثانی ص/۳٤

۴۱۹۔ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ، ''الجامع البیان العلم وفضلہ'' ص/۲۸۴

۴۲۰۔ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ، ''الجامع البیان العلم وفضلہ'' ص/۲۸۹

۴۲۱۔ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ، ''الجامع البیان العلم وفضلہ'' ص/۲۸۴

۴۲۲۔ سید امیر علی ''روح اسلام'' مترجم: محمد ہادی حسین طبع سوم ص/۴۶۴، ۴۶۵

۴۲۳۔ الانعام: ۱۴۸

۴۲۴۔ احمد شبلی، ڈاکٹر ''تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ'' مترجم: محمد حسین خان زبیری

۴۲۵۔ محمد مصطفیٰ الاعظمی ''دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ'' ص/۵۰

(الف) ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین، ابوالفضل، احمد بن علی بن حجر ''الاصابہ فی تمیز اسماء الصحابہ'' ج/۱، ص/۳۴۴

۴۲۶۔ احمد بن حنبل، امام ''المسند امام احمد'' ج/۵، ص/۳۱۵

(الف) ابونعیم، احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی ''حلیۃ الاولیاء'' ج/۱، ص/۳۴۰

۴۲۷۔ الکتانی ، عبدالحی بن عبدالکبیر، بن محمد حسنی ادریسی فاسی، الکتانی " نظام الحکومۃ النبویۃ " التراتیب الاداریہ والعمالات الصناعات والمتاجروالحالۃ العلمیۃ ، ج/ ۱ ، ص/ ۳۴۰

۴۲۸۔ البخاری ، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل ،بخاری " الصحیح البخاری "کتاب العلم ، باب طرح الامام المسئلۃ علی اصحابہ لیغتبر ما عندھم من العلم ، ج/۱ ، ص/ ۱۱۱

(ب) البخاری ، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل ،بخاری " الصحیح البخاری "کتاب العلم ، باب التناوب فی العلم ، ج/۱ ، ص/ ۱۲۶

(ج) احمد بن حنبل امام ''المسند امام احمد'' ج/۱، ص/۲۴۷

(د) الحاکم ، ابی عبداللہ نیسا بوری ، المستدرک علی الصحیحین " ج/۲ ، ص/ ۱۴۰

(ہ) ابن سعد ''طبقات ابن سعد'' ج/۲، ص/۱۴

۴۲۹۔ السمعانی، عبدالکریم بن محمد منصور التیمی ''الانساب'' ج/۱، ص/۲۷۳

(الف) ابن سعد ''طبقات ابن سعد'' ج/۱، ص/۱۵۰

(ب) محمد بن محمد بن سلیمان الفاسی المغربی "الجمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد" ج/۱ ، ص/ ۱۶۴

۴۳۰۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک ''سیرۃ ابن ہشام'' ص/۵۴۲۲

۴۳۱۔ البخاری ، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل ،بخاری " الصحیح البخاری "کتاب الاذان ، باب نمبر ۴۳۱ الرخصۃ فی المطر والعلۃ ان یصلی فی رحلہ '' ح/ ۶۳۱، ج/۱ ، ص/ ۳۰۳

۴۳۲۔ احمد سمهودی،نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخباردارالمصطفٰی" ج/۲ ص/ ۳۲

۴۳۳۔ احمد سمهودی،نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخباردارالمصطفٰی" ج/۲ ص/ ۳۳

۴۳۳۔ عبدالحق، محدث دہلوی ''جذب القلوب'' ص/۱۳۹

۴۳۴۔ احمد سمهودی،نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخباردارالمصطفٰی" ج/۲ ص/ ۳۴

۴۳۵۔ زین المراغی ، علامہ "معالم دارالهجرۃ " ص/ ۱۳۸
مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے

۴۳۵۔ عبدالحق، محدث دہلوی ''جذب القلوب'' ص/۱۴۱

۴۳۵۔ احمد سمهودی،نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخباردارالمصطفٰی" ج/۲ ص/ ۳۴

۴۳۵۔ احمد سمهودی،نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخباردارالمصطفٰی" ج/۲ ص/ ۳۹

۴۳۶۔ عبدالحق، محدث دہلوی ''جذب القلوب'' ص/۱۴۱

۴۳۷۔ احمد سمهودی،نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخباردارالمصطفٰی" ج/۳ ص/ ۳۵
مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے

۴۳۷۔ عبدالحق، محدث دہلوی ''جذب القلوب'' ص/۱۴۲

۴۳۸۔ عبدالحق، محدث دہلوی ''جذب القلوب'' ص/۱۴۳

٣٣٩ـ عبدالحق ، محدث دهلوی "جذب القلوب" ص/ ١٤٢

٣٤٠ـ محمد شفیع ، مفتی، مولانا "معارف القرآن" ج/ ٧، ص/ ١١٢

٣٤١ـ محمد عجاج الخطیب ، الدکتور " السنة قبل التدوین " ص/ ٤٧

٣٤٢ـ ابن عبدالبر اندلسی، ابوعمر یوسف بن عبدالله " الاستیعاب فی معرفة الاصحاب" ج/ ٢ ، ص/ ٧٥٦

٣٤٣ـ ابن سعد " الطبقات الکبریٰ" ج/ ٣ ، ص/ ١١٨

٣٤٤ـ الکتانی ، عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی، فاسی ، الکتانی " نظام الحکومیة النبویة " التراتیب الاداریة والعمالات والضاعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/ ١ ، ص/ ١١٥ـ ١١٧

٣٤٥ـ الکتانی ، عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی، فاسی ، الکتانی " نظام الحکومیة النبویة " التراتیب الاداریة والعمالات والضاعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ج/ ١ ، ص/ ١١٥ـ ١١٧

٣٤٦ـ محمد مصطفی الاعظمی، الدکتور " دراسات فی الحدیث النبویؐ " الجز/ ١ ، ص/ ٥٦ـ ٥٨

٣٤٧ـ محمد بن حبیب "کتاب المحبر" ج/ ١ ، ص/ ٢٨٦ـ ٣٧٩

٣٤٨ـ محمد بن حبیب "کتاب المحبر" ج/ ١ ، ص/ ٣٧٧ـ ٣٧٩

٣٤٩ـ محمد بن حبیب "کتاب المحبر" ج/ ١ ، ص/ ٣٧٥ـ ٣٧٨

٣٥٠ـ رازی ، ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم ، رازی " الجرح والتعدیل" تقدمه، ص/ ٨
السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر ، السیوطی "تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی" ص/ ٤٠٥ـ ٤٠٦
ابن سعد "طبقات ابن سعد" ج/ ٦ ، ص/ ٩

٣٥١ـ خلیفه بن خیاط "شباب بصری" تاریخ خلیفه بن خیاط" ج/ ١ ، ص/ ٩٠

٣٥٢ـ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/ ٣٢٤

٣٥٣ـ ابن سعد "طبقات ابن سعد" ج/ ٣، ص/ ٥٨

٣٥٤ـ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/ ٤٤٧

٣٥٥ـ ابن حجر عسقلانی ، شهاب الدین ابوالفضل ، احمد بن علی بن حجر" الاصابه فی تمیز اسماء صحابه" ج/ ٤ ، ص/ ١٢٩

٣٥٦ـ ابن حجر عسقلانی ، شهاب الدین ابوالفضل ، احمد بن علی بن حجر" الاصابه فی تمیز اسماء صحابه" ج/ ٤ ، ص/ ١٢٩

٣٥٧ـ محمد بن حبیب "کتاب المحبر" ج/ ١ ، ص/ ٣٧٥ـ ٣٧٨

٣٥٨ـ محمد بن حبیب "کتاب المنمق" ص/ ٤٤٥ـ ٤٤٩



خلفائے راشدین اور تعلیمی ترقی

باب سوم

خلفائے راشدین کے تعلیمی نصاب کا جائزہ اور تعلیمی منہاج پر ایک نظر

قرآن و حدیث و فقہ و دیگر علوم

''خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم و مقصد صرف مذہبی تعلیم تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی اشاعت کی' مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے۔ اس لئے اس کی حفاظت تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا۔ عہد صدیقیؓ میں آپ ہی کے اصرار سے کلام اللہ کی تدوین ہوئی۔ اپنے زمانہ میں تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے مکتب قائم کیے اور ان کے لئے تنخواہ دار معلم مقرر کیے۔ ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔''[1]

''حفاظ قرآن صحابہ کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کیلئے بھیجا۔ چنانچہ حضرت عبادہؓ بن صامت' معاذ بن جبلؓ اور ابو درداءؓ شام بھیجے گئے۔ انہوں نے حمص' فلسطین اور شام میں درس دیا۔''[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جمع و تدوین میں جو کوشش کی

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل اصول قرآن مجید ہے اور اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا' ترتیب دینا' صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ کرنا' تمام ممالک میں اس کی تعلیم کا رواج دینا' جو کچھ ہوا حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفرق اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے۔ وہ بھی کچھ ہڈیوں پر' کچھ کھجور کے پتوں پر' کچھ پتھر کی تختیوں پر لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی کسی کو کوئی۔ ابوبکرؓ کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہؓ شہید ہوئے۔ جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس جا کر کہا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے رہے تو قرآن جاتا رہے گا۔ اس لئے ابھی سے اسکی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہیئے۔ ''حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تو میں کیونکر کروں'' حضرت عمرؓ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ ان کی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ کرام میں سے وحی لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابتؓ نے کیا تھا۔ چنانچہ وہ طلب کئے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا جو شخص کوئی آیت پیش کرتا ہے۔ اس پر دو شخصوں کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرت ﷺ کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ انکی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے۔[3]

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ واعراب کی تدبیریں

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنادیئے تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

"تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں۔"

مکاتب قرآن

مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے ان کے معلموں کی تنخواہیں پندرہ پندرہ درہم ماہوار تھیں۔ ۴؎

بدوؤں کو جبری تعلیم

خانہ بدوش بدوؤں کیلئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی۔ چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا۔ چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔ 'سورۃ بقرہ' النساء' المائدہ' الحج اور النور کا جن میں احکام ہیں یاد کرنا ضروری قرار دیا۔" ۵؎

"قرآن کے طلبہ کے وظائف مقرر کئے ان تدبیروں سے ہزاروں حفاظ قرآن پیدا ہو گئے۔" ۶؎

قراء صحابہؓ کا تعلیم قرآن کے لئے دور دراز مقامات پر بھیجنا

"صحابہ میں سے ۵ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرتؐ ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاذ بن جبلؓ' عبادہ بن الصامتؓ' ابی بن کعبؓ' ابو ایوبؓ' ابو درداءؓ ان میں خاص کر ابی بن کعبؓ سید القراء تھے اور خود آنحضرت ﷺ نے اس باب میں ان کی تربیت کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ آپ لوگ جا کر قرآن کریم کی تعلیم دیجئے۔' "ابو ایوبؓ ضعیف اور ابی بن کعبؓ بیمار تھے اس لئے نہ جا سکے۔ باقی تینوں صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص جائیں۔ وہاں کچھ دن قیام کر کے جب تعلیم پھیل

جائے تو ایک شخص کو وہاں چھوڑ دیں باقی دو صحابیوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادہؓ نے وہیں قیام کیا' اور ابودرداءؓ دمشق اور معاذ بن جبلؓ فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبلؓ نے طاعون عمواس میں وفات پائی۔ لیکن ابودرداءؓ حضرت عثمانؓ کی اخیر خلافت تک زندہ رہے اور دمشق میں مقیم رہے۔'' ۷

تعلیم قرآن کا طریقہ

''ابودرداءؓ کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے۔ گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابودرداءؓ دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ ان کو قرآن پڑھائے۔ خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابودرداءؓ خود جا کر اس کو اپنی شاگردی میں لے لیتے تھے۔'' ۸

دمشق کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد

''ایک دن ابودرداءؓ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب علم ان کے حلقہ درس میں موجود تھے۔ ۹

اشاعت قرآن کے وسائل

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لئے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ' نساء' مائدہ' نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قران ضرور سیکھیں کیونکہ ان میں احکام وفرائض مذکور ہیں۔

عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں۔

اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں' وقتاً فوقتاً عمال سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ۱۰

حافظوں کی تعداد

''ان تدابیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے شمار آدمی قرآن پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا۔ لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تا کہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لئے جا بجا بھیجوں تو سعد بن وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو (۳۰۰) حفاظ موجود ہیں۔'' ۱۱

صحت اعراب کی تدبیریں

تیسرا امر یعنی اعراب وصحت تلفظ اس کے لئے بھی نہایت اہتمام کیا اور در حقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا۔ تو اعراب کے ساتھ نہ ہوا تھا۔ اس لئے قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا۔ اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا تو اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ وصحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔

ان کے خاص الفاظ حسب روایت ابن الانباری یہ ہیں:

''تَعَلَّمُوا اِعْرَابَ الْقُرْاٰنِ كَمَا تَعَلَّمُوْنَ حِفْظ''[11]

اور مسند داری میں یہ الفاظ ہیں:

''تَعَلَّمُوا الْفَرَآئِضَ وَ اللَّحْنَ وَالسُّنَنَ كَمَا تَعَلَّمُوْنَ الْقُرْاٰنَ''[12]

ادب اور عربیت کی تعلیم

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تا کہ خود لوگ اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔

تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔''[13]

حدیث کی تعلیم واشاعت

''کلام اللہ کے بعد حدیث نبویؐ کا درجہ ہے۔ چنانچہ اس کی تلاش حفاظت اور اشاعت کا بھی انتظام کیا۔ حفاظ حدیث صحابہ کو حدیث کی تعلیم دینے کیلئے مختلف مقامات پر بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوفہ معقل بن یسار، عبداللہ بن معقل اور عمران بن حصین کو بصرہ اور عبادہ بن صامت اور ابو درداء کو شام بھیجا اور امیر معاویہؓ والی شام کو لکھا کہ ان کے علاوہ دوسرے کی احادیث قبول نہ کی جائیں۔''[14]

معین الدین، ندوی ''تاریخ اسلام'' میں رقمطراز ہیں:

''مسائل اور حکام کی حدیثوں کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے۔ آپ کے فرامین میں احادیث بکثرت ملتی ہیں۔

آپ کے زمانہ میں آئے دن نئے نئے مسائل پیش آتے تھے۔ چنانچہ جب اس قسم کی نئی صورت پیش آتی تھی تو آپ صحابہؓ سے دریافت فرماتے تھے کہ اس کے متعلق انہیں کوئی حدیث نبویؐ معلوم ہے۔ اس طریقہ سے حدیث کا معتد بہ حصہ جمع ہو گیا اور حدیثوں کی بڑی اشاعت ہوئی۔

اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہؓ عادل ہیں لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ خصائل بشری سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں اور ایک صحابی سے بھی اس طرح غلطی کا ہونا ممکن ہے۔ جس طرح ایک انسان سے۔ اس لئے اشاعت حدیث کے ساتھ وہ روایات کے قبول کرنے میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے اور بغیر شہادت کے کسی کی روایات کو قبول نہ کرتے تھے۔''۱۵؎

''لوگوں کو کثرت روایت سے روکتے تھے۔ چنانچہ قرظہ بن کعب کو عراق روانہ کرتے وقت خاص طور پر ہدایت کی کہ تم ایسے ملک میں جارہے ہو جہاں قرآن کی آواز گونجتی رہتی ہے۔ تم ان کو قرآن سے ہٹا کر حدیث کی طرف نہ لگا دینا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابو درداءؓ انصاری اور ابو مسعود انصاریؓ کو روایت حدیث سے روک دیا تھا۔ آپ کی شدت احتیاط کو دیکھ کر حضرت ابو ہریرہؓ نے حدیثیں روایت کرنا بند یا کم کر دیا تھا۔''۱۶؎

ابو یوسف، قاضی ''کتاب الخراج' میں رقمطراز ہیں:

''ایک بڑی نکتہ سنجی آپؓ نے یہ فرمائی کہ احادیث کی اہمیت کے اعتبار سے ان کے مراتب کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ آپؓ نے ان ہی احادیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی۔ جن کا تعلق عبادات' معاملات اور اخلاق یعنی اسلام کے عملی نظام سے تھا۔ باقی احادیث کی طرف زیادہ اعتناء نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپؓ کے زمانہ میں گو حدیثیں کم روایت ہوئیں۔ لیکن جس قدر ہیں وہ آمیزش سے بالکل پاک ہیں۔۔۱۷؎

اجتہاد کی حیثیت، محدث وفقیہہ ہونا

حدیث و فقہ کا فن در حقیقت تمام تر ان کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ صحابہؓ میں اور لوگ بھی محدث اور فقیہہ تھے۔ چنانچہ ان کی تعداد ۲۰ سے تجاوز بیان کی گئی ہے۔ لیکن فن کی ابتداء حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اول انہوں نے قائم کئے۔

احادیث کا تفحص

شاہ ولی اللہ ''ازالۃ الخفاء'' میں رقمطراز ہیں:

''حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرتؐ سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں۔ اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکلا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے۔ کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تا کہ مسائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے موافق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی

حضرتؓ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود تھے۔ پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو حدیث معلوم ہے۔

تکبیر جنازہ' غسل جنابت' جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہؓ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔۱۸؎

حدیث کی اشاعت

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشتہر کی جائے۔ اسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے۔ اس لئے نشر واشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

۱۔ احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جن سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

۲۔ صحابہؓ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔

شاہ ولی اللہؒ ''ازالۃ الخفاء'' میں رقمطراز ہیں:

''فاروق اعظمؓ' عبداللہ بن مسعودؓ' را باجمعے بکوفہ فرستاد معقل بن یسار و عبداللہ بن معقل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادۃ بن صامتؓ و ابو درداء را بشام و معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نکند۔۱۹؎

ایک دقیق نکتہ

حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت میں بہت کچھ اہتمام کیا۔ لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں۔ چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث جو ان سے بروایت صحیح مروی ہیں' ستر (۷۰) سے زیادہ نہیں۔ یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلّم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہوگا کہ اس نے رسول ﷺ سے سنا ہے اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔

حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمرؓ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں۔ لامحالہ اس کے یہی معنی ہوں گے آنحضرت نے زکوٰۃ کے متعلق احکام صادر فرمائے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اِسلیئے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کیا ہو۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے اس کو اپنے فہم کے مطابق فرض سمجھا۔ لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علانیہ آنحضرت کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بناء پر حضرت عمرؓ نے خطبوں میں، تحریری ہدایتوں میں، فرامین میں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کیے ہیں وہ درحقیقت آنحضرتؐ کے احکام ہیں گو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاظ" میں رقمطراز ہیں:

"ہفتم آنکہ مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرمایند تا اصل احادیث بآں موقوف خلیفہ قوت یابد و اینکہ بغور سخن نمیر سند در بند آنکہ در متفق علیہ از حضرت صدیق صحیح نشد مگر شش حدیث واز فاروق اعظم بہ صحت نرسید مگر قریب ہفتاد حدیث ایں رائمی فہمند ونمی دانند کہ حضرت فاروقؓ تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت دادہ اعلان نمودہ" [۲۰]

احادیث میں فرق مراتب

حدیث کے تفحص وجستجو اور اشاعت وترویج کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا اگر چہ وہ خود مہتم بالشان کام تھے۔ لیکن اس باب میں ان کی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا۔ وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس میں نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتناء کس قسم کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو رسول ﷺ کا ہر قول وفعل عقیدت مندوں کے لئے گنجینہ مراد ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے اس بناء پر حضرت عمر نے تمام تر توجہ ان احادیث کی راویت اور اشاعت پر مبذول کی۔ جن سے عبادت یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے۔ جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتناء نہیں کیا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت کے وہ اقوال وافعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔" [۲۱]

کثرتِ روأیت سے روکنا

حضرت عمرؓ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روأیت میں خواہ مخواہ کمی وبیشی ہو جاتی ہے۔ اس لئے روأیت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی۔ اس کے متعلق انہوں نے جو بندشیں کیں آج کل لوگوں کو ان پر مشکل سے یقین آ سکتا ہے۔

علامہ ذہبیؒ "تذکرۃ الحفاظ" میں حضرت عمرؓ کے حالات لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ترجمہ:۔ یعنی حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہؓ آنحضرت سے روأیت کرنے میں غلطی نہ کریں۔ صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روأیت کریں تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں۔ قرظہ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور کہا کہ تم کو معلوم ہے

کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو فرمایا! کہ ہاں لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی مکھیوں کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے۔ توان کو حدیثوں میں نہ پھنسالینا۔ قرآن میں آمیزش نہ کرواور رسول اللہ سے کم روائیت کرواور میں تمہارا شریک ہوں'پس جب قرظہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجئے 'انہوں نے کہا کہ عمرؓ نے ہم کو منع کیا ہے۔ ابو سلمیٰؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ آپؓ عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روائیت کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمر مجھے دُرّے مارتے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ 'ابودرداءؓ وابو مسعودؓ کو محبوس کیا اور کہا کہ تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے بہت حدیثیں روائیت کرنی شروع کیں۔ ۲۲

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

حضرت عمرؓ نے احادیث کے متعلق احتیاط و تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پاسکا۔ لیکن محققین صحابہؓ میں یہ خیال بے اثر نہ رہا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت عام شہرت ہے۔

مسند دارمی میں جا بجا تصریح ہے کہ احادیث کی روائیت کے وقت ان کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور جب آنحضرتؐ کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا تھا' یا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب یا اس کی مثل' ابودرداء اور حضرت انسؓ جو بہت بڑے صحابی تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔

امام شعبی کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی۔ ثابت بن قطبۃ الانصاری کی روائیت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ مہینہ بھر میں صرف دو تین حدیث روائیت کرتے تھے۔ سائبؓ بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد و قاصؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا' لیکن انہوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی روائیت نہیں کی۔ چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح دارمی میں بسند متصل منقول ہیں۔"

سند اور روائیت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو مقدم اصول قائم کئے ان کو اجمالاً بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ روائیت کا بالفظ ہونا ضروری ہے۔
۲۔ خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے' جس کو محدثین کی اصلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔
۳۔ محض راوی کا ثقہ ہونا روائیت کے لئے کافی نہیں۔
۴۔ خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی۔
۵۔ روائیت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔ ۲۳

فقہ کی تعلیم

عملی زندگی میں زیادہ تر فقہ سے کام پڑتا ہے۔ خصوصاً فاروقی عہد میں اسلامی تمدن کی ترقی سے صدہانئے مسائل

پیدا ہوئے۔اس لئے اس زمانہ میں علم فقہ کی بڑی ترقی واشاعت ہوئی۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ فقہ کی تکمیل حضرت عمرؓ ہی کے ہاتھوں سے ہوئی۔

ابو یوسف ''کتاب الخراج'' میں رقمطراز ہیں:

''آپ خود لوگوں کو فقہی مسائل بتاتے تھے۔خطبوں اور تقریروں میں بیان کرتے تھے۔فقہی مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کراتے تھے۔اضلاع کے حکام اور افسروں کو فقہی احکام لکھ کر بھیجتے تھے۔یہ احکام آج بھی تاریخوں میں موجود ہیں۔اسلامی حکام انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ مذہبی معلم بھی ہوتے تھے۔اس لئے حضرت عمرؓ ان کے تقرر میں تفقہ کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔آپ فرماتے تھے کہ میں نے افسروں کو اسلئے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔''[۴۴]

معین الدین، ندوی ''تاریخ اسلام'' میں رقمطراز ہیں :

''عمال اور حکام کے علاوہ مسلمانوں کے مذہبی تعلیم کے لئے تمام ممالک محروسہ میں مستقل فقہا اور معلم مقرر کئے۔صرف بصرہ میں دس صاحبوں کو اس کام کیلئے بھیجا تھا۔ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہا کی تنخواہیں مقرر تھیں۔غرض فاروقی عہد میں تعلیم کا نہایت مکمل انتظام تھا۔''[۴۵]

مسائل فقہ کی اشاعت

''جہاں تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی۔خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے۔جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے۔اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔حج کے خطبہ میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔موطاء امام محمد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرفان میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے۔اسی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پر اثر خطبے پڑھے۔

ان میں اسلام کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہاء مجمع ہوتا تھا۔اس لئے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔دمشق میں بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا، فقہاء نے اس کو بہت سے مسائل فقیہہ کے حوالے میں جا بجا نقل کیا ہے۔

وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کے متعلق جس کے تعین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں۔تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔چنانچہ امام مالکؒ نے اپنی کتاب موطا میں بعینہ اس کی عبارت نقل کی ہے۔اسی مسئلے کے متعلق ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو تحریر بھیجی اس کو بھی امام مالکؒ نے بالفاظہا نقل کیا ہے۔دو نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ جائز ہے۔''[۴۶]

''۱۴ھ میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ مسجد نبویؐ میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ

اس کے مطابق عمل کیا جائے' زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعریؓ اور دیگر افسران ملکی کے پاس بھیجے۔
اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ تھا۔

''بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ۔ ھٰذَا کِتَابُ الصَّدَاقَۃِ۔۔ الخ۔''

''حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جا کر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔ روزہ کے متعلق تمام عمّال کو تحریری حکم بھیجا کہ:

''لاَ تَکُوْنُوا مِنَ الْمُسرِفِینَ لِفطرِکُمْ۔''

زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ:

اِنَّ الْمَرْأَۃَ لاَ تَصُوْمُ تَطَوُّعًا اِلاَّ بِاِذْنِ زَوْجِھَا۔''

ابو وائل کی روائیت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ ''اِنَّ الاھلَّۃَ بَعْضُھَا اَکبَرُ مِنْ بَعْضٍ۔''

اس طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالیں ہیں۔ ۲۷؎

مسائل فقہیہ میں اجماع

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام حضرت عمرؓ فرامین کے ذریعے سے شائع کرتے تھے۔ چونکہ وہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا۔ ان کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرا لیا کرتے تھے۔ مثلاً چور کی سزا' جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ ''اِنَّ عُمَرَ اِستَشَارَ فِی السَّارِقِ فَاجْمَعُوْا''۔۔۔ الخ۔ ۲۸؎

غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ اسوقت فرمایا:

''اَنْتُمْ اَصْحَابُ بَدْرٍ وَّ قَدِ اخْتَلَفْتُمْ فَمَنْ بَعْدَکُمْ اَشَدُّ اِخْتِلَافًا۔''

یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر میں ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا۔ چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور ان کی رائے قطعی قرار پا کر شائع کی گئی۔ جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور متفق بات طے ہو گئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہو گیا۔ ۲۹؎

مسائل فقہیہ میں اجماع

اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے۔ ان کی حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہہ ہوں چنانچہ بہت

مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا تھا۔

ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا' جس میں یہ الفاظ تھے۔

"اِنِّیْ اُشْهِدُکُمْ عَلٰی اَمَرا لَانصارِ اِنِّیْ لَمْ اَبْعَثْهُمْ اِلَّا لِیَفْقَهُوا النَّاسَ فِیْ دِیْنِهِمْ۔"

یعنی تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اسلئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔" یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔

ابو یوسف' قاضی "کتاب الخراج" میں رقمطراز ہیں:

"اِنَّ عُمَرَ بْنُ الْخَطَّابِ کَانَ اِذَا اجْتَمَعَ اِلَیْهِ جَیْش" مِنْ اَهْلِ الْاِیْمَانِ بَعَثَ عَلَیْهِمْ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ۔"

یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہؓ سلمان فارسیؓ ابو موسیٰ اشعریؓ معاذ بن جبلؓ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث اور فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔

تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں۔ مورخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔[۳۰]

فقہ کی تعلیم کا انتظام

عمران بن الحصینؓ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی "طبقات الحفاظ" میں لکھتے ہیں:

وَکَانَ مِمَّنْ ' بَعَثَهُمْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِلٰی اَهْلِ الْبَصْرَةِ لِیَفْقَهُهُمْ۔"[۳۱]

یعنی یہ ان لوگوں میں ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کیلئے شام بھیجا تھا۔ عبدالرحمٰن بن غنمؓ کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تعلیم فقہ کیلئے شام بھیجا تھا۔ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان کو اور معاذ بن جبلؓ اور ابو درداءؓ کو شام میں بھیجا تا کہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔

ان فقہا کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شائقین نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو کسی مسئلے پر شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے۔ میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ معاذ بن جبلؓ ہیں۔

لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداءؓ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ ۳۲۔

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

"حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص فقہ کے مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کردہ تعلیم دیئے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا۔ یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لیئے جاتے تھے۔" ۳۳۔

معدان بن ابی طلحہ کی روائیت ہے کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور فرمایا:

"اے اللہ میں تیرے سامنے حکام بلاد کے بارے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں نے انہیں صرف اس کام کے لئے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو دین و مذہب کی تعلیم دیں اور سنت نبویؐ کی اشاعت کریں اور ان کے مال غنیمت کو ان کے درمیان منصفانہ طور پر تقسیم کریں اور اگر کوئی دقت پیش آئے تو وہ مجھے مطلع کریں۔" ۳۴۔

اماموں اور مؤذنوں کا تقرر

ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔

ابن الجوزی "سیرۃ العمرین" میں رقمطراز ہیں:

"اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَا يَرْزُقَانِ الْمُؤَذِّنِيْنَ وَالْاَئِمَّةَ۔"

موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبویؐ میں صفوں کے درست کرنے کے لئے خاص اشخاص مقرر تھے۔ ۳۵۔

"حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منیٰ میں عقبہ کے پاس پہنچا آئیں۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔" ۳۶۔

تعلیم و تدریس کیلئے مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔

ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ سعد بن وقاص اور عمرو بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے، شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جوامع عمری کے نام سے مشہور ہوئیں گو ان کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی۔ ایک جامع عمری میں جو بیروت میں واقع ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔" ۳۷۔

۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے اس (مسجد نبویؐ) کو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر خرید لئے۔ لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے مکان کو بیچنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباسؓ کسی طرح نہ راضی ہوئے تھے آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمرؓ کو جبراً خریدنے کا کوئی حق نہیں۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عامہ مسلمین کے لئے دے دیتا ہوں۔ غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں۔ ڈھا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول ۱۰۰ گز تھا انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا۔ اس طرح عرض میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اسی طرح رہے' حضرت عمرؓ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جس کو بات چیت کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو اس کے لئے یہ جگہ ہے۔'' ۳۸

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

''حضرت عمرؓ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہ تھا۔ اس کی ابتداء بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی۔ یعنی ان کی اجازت سے تمیم داری نے مسجد میں چراغ جلائے۔

حضرت عمرؓ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے۔ چنانچہ مؤذن کے حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی میں جلا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا اور ان کے کپڑے بساتا تھا۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت عمرؓ نے ہی کیا لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد اور خاک میں آلودہ نہ ہوں۔'' ۳۹

حرم محترم کی وسعت

''حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اس کی زیب و زینت پر توجہ کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی۔ اس لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی۔ اس لئے ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیئے اور ان کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لئے اس کی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے بھی کام لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔'' ۴۰

''کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا۔ چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھائے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنایا جاتا ہے۔ حرم کی حدود سے جو کسی طرف سے تین میل اور

کسی طرف ۷ میل اور ۹ میل ہیں چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں۔ چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو انصابِ حرم کہلاتے تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اس کی تجدید کی۔ صحابہ میں سے جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے۔ یعنی مخزمہ بن نوفل 'ازہر بن عبد عوف' حویطیب بن عبدالعزیٰ 'سعید بن یربوع کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔ ۴۱ –

مسجد نبویؐ کی وسعت اور مرمت

''مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی۔ آنحضرت کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لئے کافی تھی۔ لیکن مدینہ کی آبادی روزافزوں ترقی کرتی جاتی تھی اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔''

علم فقہ

''فقہ کا فن تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ اس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔

مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتوٰی دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔''

لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے ؟ حذیفہ نے کہا ''عمرؓ بن خطاب' عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھ دیا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا۔'' ۴۲ –

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمرؓ ہیں

فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں۔ سب کا مرجع حضرت عمرؓ کی ذات بابرکات ہے۔ بلادِ اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' بصرہ' کوفہ' شام' اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن انہی مقامات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً مکہ معظمہ کے شیخ عبداللہ بن عباسؓ تھے' مدینہ کے زید بن ثابتؓ و عبداللہ بن عمرؓ' کوفہ کے حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعودؓ' ابو موسیٰ اشعریؓ' شام کے ابو داؤد و معاذ بن جبل' ان میں (حضرت علیؓ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمرؓ ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے اور خاص کر عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ' عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا تیس سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔'' ۴۳ –

عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت عمرؓ نے گویا اپنے دامنِ تربیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روائیت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپؓ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر

ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔

محدث ابن عبد البرؒ نے "استیعاب" میں لکھا ہے:

"کَانَ عُمَرُ یُحِبُّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَّ یُقَرِّبُہ'۔

یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا' عبداللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے' حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے" کوئی شخص اگر عبداللہ بن عباسؓ کے مجتہدات کو حضرت عمرؓ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابت برسوں حضرت عمرؓ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ عمرؓ عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔" ۴۴ے

صحابہ میں چھ شخص فقہ کے امام تھے

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' عبداللہ بن مسعودؓ' ابی بن کعبؓ' زید بن ثابتؓ' ابو موسیٰ اشعریؓ

امام محمدؒ نے "کتاب آلا ثار میں روایت کی ہے:

سِتَّۃٌ" مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَذَاکَرُوْنَ الْفِقْہَ بَیْنَھُمْ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَّ اُبَیٌّ" وَ اَبُوْ مُوْسٰی عَلَیْحِدَۃٍ وَ عُمَرُ وَ زَیْد" وَّ ابْنُ مَسْعُوْدٍ عَلَیْحِدَۃٍ۔ ۴۵ے

یعنی اصحاب رسولؐ اللہ میں سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے۔ علیؓ' ابیؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ اور حضرت عمرؓ' زیدؓ اور ابن مسعودؓ ایک ساتھ۔ صفوان بن سلیم کا قول ہے:

لَمْ یَکُنْ یُفْتِیْ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَیْرُ عُمَرَ وَ عَلِیٍّ وَّ مَعَاذٍ وَاَبِیْ مُوْسٰی۔"

یعنی آنحضرتؐ کے زمانے میں صرف چار شخص فتویٰ دیتے تھے۔ عمرؓ' علیؓ' معاذؓ' ابو موسیٰؓ۔ امام شعبیؒ کا مقولہ ہے:

کَانَ الْعِلْمُ یُؤْخَذُ عَنْ سِتَّۃٍ مِّنَ الصَّحَابَۃِ۔ یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

اگرچہ یہ تحدید بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۴ یا ۶ مفتیوں کی تعداد خلافِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں۔ جن میں حدیث صحیح صاف اور مصرّح موجود ہے اور

کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں 'ان مسائل کے لئے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔اس کے بر خلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت حدیث میں کوئی حکم بھر تح موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعے سے حکم مستخرج ہوتا ہے یا حکم کی تصر تح ہے لیکن اور حدیثیں اس کی معارض ہیں۔ ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے اور مفتی کہلاتے تھے۔چنانچہ ان کی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے 'لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجہ کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جن کا اوپر ذکر گزرا۔"۴۶

شاہ ولی اللہؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں رقمطراز ہیں:

"شاہ ولی اللہ چار صاحبوں یعنی عمرؓ، علیؓ'ابن مسعودؓ'ابن عباسؓ کا نام لکھتے ہیں۔ یعنی ان چاروں کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے۔ لیکن آداب و سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و تفریق نہیں کر سکتے تھے اور جہاں حدیثیں متعارض ہوتی تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ بجز بعض بعض موقعوں کے دخل نہیں دیتے تھے۔ مثلاً ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ صدیقہ 'حضرت زید بن ثابتؓ"۴۷

شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء" میں رقمطراز ہیں:

"بہر حال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث وروائیت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھیوں کے سوا حضرت علیؓ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ معاذ بن جبلؓ کو خود حضرت عمرؓ نے تعلیم وروائیت کے لئے شام بھیجا تھا۔ لیکن ان کا ۱۸ھ میں انتقال ہو گیا۔ اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے "حدیث او چنداں باقی نماند"۔۴۸

شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء" میں اس کی مزید تشر تح و توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کو حضرت عمرؓ اکثر تحریر کے ذریعے سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابتؓ بھی دراصل حضرت عمرؓ کے مقلد تھے۔

شاہ ولی اللہؒ صاحب لکھتے ہیں:

"و زید بن ثابت نیز در اکثر متبع اوست۔"۴۹

ان واقعات سے معلوم ہو گا کہ صحابہ میں جن جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا۔ وہ سب حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان مسائل فقہیہ میں جس قدر فکر اور خوض کیا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو مطمع نظر بنا لیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں۔ ان میں جہاں ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ

ﷺ سے دریافت کر لیتے تھے اور جب پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اور صحابہؓ کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ان کے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا کہ سورۃ نساء کی آخیر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے۔"۵۰

مشکل مسائل قلمبند کرنا

"جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے ان کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے وقتاً فوقتاً ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی۔ اس کو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اس میں محو اثبات کیا کرتے۔ پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اس کو محو کر دیا۔ اس کا حال امام محمدؒ نے موطا میں لکھا ہے۔"۵۱

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے نئے مسئلوں کا پیدا ہونا

حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ اس لیے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے۔ تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے اور بارگاہ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اس بناء پر حضرت عمرؓ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں۔ زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے انکے پاس جواب کیلئے آئے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتوؤں کے ساتھ فتویٰ پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں۔"۵۲

صحابہ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا

حضرت عمرؓ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تنہا ان کی رائے بھی فتوے کیلئے کافی ہو سکتی تھی۔ تاہم احتیاط کیلئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہؓ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں۔

شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء" میں رقمطراز ہیں:

"حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ صحابہؓ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا اور یقین آجاتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ کے فتوؤں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی۔"۵۳

مسائل اجماعیہ

حضرت عمرؓ نے جن مسائل کو صحابہؓ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا ان کی تعداد کچھ کم نہیں، اور کتب احادیث و آثار میں ان کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً بیہقی نے روایت کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کئے جائیں، چنانچہ منعقدہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا۔ تمام صحابہؓ

نے ایک رائے پر اتفاق کیا۔ لیکن حضرت علیؓ اور معاذؓ مخالف رہے، حضرت عمرؓ نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر مختلف الرائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہو گا؟

غرض ازواجؓ مطہرات کے فیصلے پر معاملہ اٹھا رکھا گیا اور انہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمرؓ نے اسی کو نافذ و جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازے کی تکبیر کی نسبت صحابہ میں بہت اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی مجلس منعقد کی، جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ کا اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے۔ چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرتؐ نے پڑھی اس میں چار تکبیر کہی تھیں۔ ۵۳

حضرت عمرؓ کے دور کے فقہاء کی تعداد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے تا کہ وہ لوگوں کو فقہ کے مسائل بتائیں۔ مثلاً عبداللہ بن معقلؓ کے حالات میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ:

''یہ منجملہ ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔'' ۵۴

عمران بن الحصینؓ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں:

وَ كَانَ مِمَّنْ بَعَثَهُمْ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اِلٰى اَهْلِ الْبَصرَةِ لِيُفَقِّهُهُمْ۔ ''

یعنی یہ ان لوگوں میں ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کیلئے شام بھیجا تھا۔ عبدالرحمٰن بن غنمؓ کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا اور صاحب الاسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا کہ ''یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے شام میں تابعین کو فقہ سکھائی۔'' عبادہ بن صامتؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان کو اور معاذ بن جبلؓ اور ابو درداءؓ کو شام میں بھیجا تا کہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں جان بن ابی جبلۃ کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔ ۵۵-(۱)

ان فقہاء کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شائقین نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابو مُسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ تیس بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو کسی مسئلے میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے۔ میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ معاذ بن جبلؓ ہیں۔'' ۵۵-(۲)

لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداءؓ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ ۵۵-(۳)

صحابہ میں جو شخص فقہ کے امام تھے

محدثین کا عام بیان ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا:

(۱) حضرت عمرؓ (۲) حضرت علیؓ (۳) عبداللہ بن مسعودؓ (۴) ابی بن کعبؓ (۵) زید بن ثابتؓ (۶) ابو موسیٰ اشعریؓ

امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے:

سِتَّۃٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَذَاکَرُوْنَ الْفِقْہَ بَیْنَھُمْ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَ اُبَیٌّ وَ اَبُوْ مُوْسٰی عَلٰیحِدَۃٍ وَعُمَرُ وَزَیْد وَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ عَلٰیحِدَۃٍ۔ ۵۵-(۴)

یعنی اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے۔ حضرت علیؓ ابیؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ اور حضرت عمرؓ زیدؓ اور ابن مسعودؓ ایک ساتھ۔

صفوان بن سلیم کا قول ہے:

لَمْ یَکُنْ یُفْتِیْ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَیْرُ عُمَرَ وَ عَلِیٍّ وَ مُعَاذٍ وَ اَبِیْ مُوْسٰی۔ ۵۵-(۵)

یعنی آنحضرت کے زمانے میں صرف چار شخص فتویٰ دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ علیؓ معاذؓ ابو موسیٰؓ۔

امام شعبی کا مقولہ ہے:

کَانَ الْعِلْمُ یُوْخَذُ عَنْ سِتَّۃٍ مِنَ الصَّحَابَۃِ۔ ۵۵-(۶)

یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

خلافت راشدہ میں فقہی و علمی مذاکرات

نبی اقدس ﷺ کے عہد کے بعد صحابہ کرامؓ کے دور میں ان حضرات سے علمی و فقہی مسائل میں مذاکرات کے لیے مختلف حلقے قائم کیے ہوئے تھے۔ ان حلقوں میں چند اکابر حضرات مجتمع ہوئے تھے اور آپس میں مسائل پر گفت و شنید کرتے اور علمی بحث و تمحیث کی اگر ضرورت ہوتی تو وہ بھی کی جاتی تھی۔

بعض مصنفین کی روایت کے مطابق ان میں دو حلقے زیادہ مشہور تھے۔ ایک حلقہ اسطرح قائم تھا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اور عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابتؓ یہ حضرات باہم فقہی مذاکرات کرتے تھے اور دوسرا حلقہ اس طرح قائم تھا کہ حضرت علی بن ابی طالب اور ابو موسیٰ الاشعریؓ اور ابی بن کعبؓ یہ حضرات ایک دوسرے کے سامنے علمی و فقہی مسائل پیش کرتے تھے۔ اس طریقہ کے ذریعے پیش آمدہ مسائل منقح ہو جاتے تھے اور اس کی روشنی میں مسائل بیان کئے جاتے تھے۔

(۱) "عَنْ عامِرٍ اَنَّهٗ قَالَ : تَفَقَّهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ رَهْطٍ۔ ثَلَاثَةٌ مِنْهُمْ يَلْقٰى بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَ ثَلَاثَةٌ مِنْهُمْ يَلْقٰى بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ فَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَ عُمَرُ بْنُ خَطَّابٍ وَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ يَلْقٰى بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَ كَانَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَ اَبُوْمُوْسىٰ الْاَشْعَرِيُّ وَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَلْقٰى بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔" ۵۶

۲۔ "اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ كَانَ سِتَّةٌ مِّنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَذَاكَرُوْنَ الْفِقْهَ مِنْهُمْ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَ اُبَيٌّ وَ اَبُوْمُوْسىٰ عَلٰى حِدَةٍ وَعُمَرُ وَزَيْدٌ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ۔" ۵۷

نبی کریم ﷺ کے چھ صحابہؓ میں سے باہم فقہی مذاکرات کیا کرتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ اور ابی بن کعبؓ ابو موسیٰ اشعریؓ کا ایک حلقہ تھا۔ اور حضرت عمرؓ زید بن ثابت عبداللہ بن مسعود کا دوسرا حلقہ تھا اور ان حضرات کے درمیان مختلف مسائل پر تبادلہ خیالات ہوتا تھا۔

خلفائے راشدین کے تعلیمی مقاصد

خلفائے راشدین کے درخشاں تعلیمی مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ ہر خاص وعام کو تعلیم سے روشناس کرایا جائے۔

۲۔ تعلیم کتاب وسنت پر مبنی ہو۔

(الف) مفتوحہ ممالک میں قرآن مجید کے درس کا انتظام

(ب) نامور معلمین اور اشاعت تعلیم کا فریضہ

(ج) مقاصد تعلیم اور احادیث کا تفحص

۳۔ دعوۃ اسلامیہ کی نشر واشاعت میں بتدریج ترقی

۴۔ تعلیم کے ذریعے کردار کی عمدگی و پختگی

۵۔ عوام کی صلاحیتوں کے پیش نظر وظائف مقرر کرنا

۶۔ ایسی تعلیم دی جائے جو عوام الناس کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق ہو

۷۔ اسلامی ریاست میں گورنروں اور عمال کی تعیناتی میں تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل رہی

۸۔ مقاصد تعلیم میں بیت المال کا قیام انتظام وانصرام

۹۔ اہل کمال کی قدردانی مقاصد تعلیم میں شامل تھی

۱۰۔ خلفائے راشدین کے ہاں تعلیم کی غرض وغایت رزق حلال کا حصول اور حرام سے اجتناب

ا۔ ہر خاص وعام کو تعلیم سے روشناس کرایا جائے!

خلفائے راشدین نے علمی فروغ کو جاری رکھا علم کی اہمیت کا اعتراف کیا اور علم کے فروغ اور دین کی تبلیغ کے کام کی حوصلہ افزائی کی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ پہلے خلیفہ تھے اور وہ تعلیم کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے کیونکہ ان کو گوناگوں سیاسی و مذہبی مسائل در پیش رہے۔ ان کا دورِ خلافت مختصر بھی تھا۔ لیکن انہوں نے قرآن مجید کے بکھرے ہوئے اوراق کو یکجا کیا۔۵۸۔

"حضرت عمرؓ دوسرے خلیفہ تھے علم قرآن و حدیث و سنت ان سب کیلئے ان کے عہد میں باقاعدہ اہتمام کیا گیا۔" ۵۹۔

ہر خاص وعام کو تعلیم سے روشناس کرایا جائے اس ضمن میں تعلیمی حلقے قائم کئے گئے!

بالغوں کو بھی تعلیم دی جاتی تھی ان کو تعلیم کا انتظام بھی مسجدوں میں ہی تھا۔ مسجدوں میں تعلیمی حلقے قائم تھے جو کہ بالغوں کی تعلیم وتدریس کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔"

ان حلقوں کی تعداد چار ہزار نو سو کے لگ بھگ تھی اور ان کا انتظام نو سو مساجد میں تھا۔" ۶۰۔

مکتب:- مدینہ منورہ میں چھوٹے بچوں کی تعلیم کیلئے مکتب قائم کئے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان معلموں کا وظیفہ پندرہ درہم مقرر کیا تھا جو بچوں کو پڑھاتے تھے۔

اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَ عُثْمَانَ بْنَ الْعَفَّانِ كَانَ يَرْزُقَانِ الْمُؤَذِّنِيْنَ وَالْاَئِمَّةَ وَالْمُعَلِّمِيْنَ ۔۶۱۔

۲۔ تعلیم کتاب و سنت پر مبنی ہو

حضرت عمرؓ نے تعلیم کی طرف پوری توجہ فرمائی تمام مفتوحہ ممالک میں ہر جگہ قرآن حکیم کا درس جاری کیا۔ فوجیوں کے فرائض مذہبی میں قرآن مجید کی تعلیم شامل تھی۔ حضرت عمرؓ ہر سال صوبوں کے حکام اور فوجی افسروں سے حفاظ قرآن کی فہرست طلب فرماتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے صوبہ بصرہ سے ایک سال دس ہزار حافظ قرآن کی فہرست بھیجی تھی جس پر حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے۔

(الف) مفتوحہ ممالک میں قرآن مجید کے درس کا انتظام

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں تمام مفتوحہ ممالک میں ہر جگہ قرآن مجید کے درس کا انتظام کیا۔ انہوں نے معلم و قاری مقرر کئے اور ان کی تنخواہیں بھی مقرر کیں۔ خانہ بدوش بدوؤں کیلئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر رائج کی۔ قرآن کا درس دینے والے مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا کرتے۔ آدب داعراب کی تعلیم بھی لازم تھی تاکہ لوگ

صحت الفاظ و صحت اعراب کے ساتھ قرآن مجید پڑھ سکیں۔ ۶۲

(ب) نامور معلمین اور اشاعت تعلیم کا فریضہ

شام کی فتح کے بعد قرآن مجید و شریعت کی تعلیم کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ حضرت عبادہؓ بن صامت نے معلم قرآن کی حیثیت سے حمص میں قیام فرمایا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فلسطین میں اور حضرت ابو درداءؓ نے دمشق میں اقامت اختیار کی۔ انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم کے لئے مدارس قائم کئے۔ لوگ بہت شوق سے اور کثیر تعداد میں علم کی تحصیل کیلئے ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ صحابہؓ جہاں بیٹھ جاتے وہیں علمی مرکز بن جاتے اور علم کے طالبوں کا ہجوم ان کے گرد جمع ہو جاتا۔ ۶۳

(ج) مقاصد تعلیم اور احادیث کا تَفَحُّص

شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء" میں رقمطراز ہیں:

حدیث کے متعلق جو پہلا کام حضرت عمرؓ نے کیا۔ یہ تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں اس لیئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکلا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے۔ کیونکہ فتوحات کی وُسعت اور نو مسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ اس لحاظ سے انہوں کی احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ مسائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے موافق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو حدیث معلوم ہے۔ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہؓ سے استفسار کر کے احادیثِ نبوی کا پتہ لگایا۔ ۶۴

حدیث کی اشاعت

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشتہر کی جائے اسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کیلئے قابل استناد قرار پاتی ہے۔ اسلئے نشر و اشاعت کی بہت سے تدبیریں اختیار کیں:

۱۔ احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے۔ جن سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

۲۔ صحابہؓ میں جو لوگ فنِ حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کیلئے بھیجا۔

شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء" میں رقمطراز ہیں:

''فاروق اعظمؓ عبداللہ بن مسعودؓ را با جمعے بکوفہ فرستاد معقل بن یسارؓ و عبداللہ بن معقل و عمران بن حصینؓ را بہ بصرہ و عبادہ بن صامتؓ و ابودرداءؓ را بشام و معاویہ بن ابوسفیان کہ امیر شام بود۔ قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نکنند۔[65]

ایک دقیق نکتہ

حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت میں بہت کچھ اہتمام کیا۔لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں۔ چنانچہ کُل وہ مرفوع احادیث جوان سے بروایت صحیح مروی ہیں ستر (۷۰) سے زیادہ نہیں۔ یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلّم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گویا وہ رسول اللہ ﷺ کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہوگا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور دراقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔

۳۔دعوۃ اسلامیہ کی نشرواشاعت میں بتدریج ترقی

خلفائے راشدین کے عہد میں فتوحات اسلامیہ کے ساتھ ساتھ تعلیمی نشرواشاعت کا اہتمام بھی ہوتا رہا۔

حسن ابراہیم حسن رقمطراز ہیں:

''حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں اسلام کی نشرواشاعت کیلئے دوسرے ممالک میں اسلامی افواج بھیجی گئیں۔ جنہوں نے مختلف ممالک فتح کئے اور وہاں پر مسلمانوں نے تعلیمی وتدریسی عوامل لوگوں تک پہنچائے۔ تعلیمی حلقے قائم کئے۔ اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم ہر خاص و عام تک پہنچ گئی۔''[66]

۴۔تعلیم کے ذریعے کردار کی عمدگی و پختگی

المریزی ''تاریخ مقریزی'' میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''حضرت عمرؓ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے۔ اسلام کے اصول وعقائد سمجھائے جائیں چنانچہ فاتح ایران سعد بن ابی وقاص کو جو خط لکھا اسمیں یہ الفاظ تھے:

''وَقَدْ كُنتَ اَمَرْتُكَ اَنْ تَدْعُوا مَنْ لَقِيْتَه' اِلَى الْاِسْلَامِ قَبْلَ الْقِتَالِ ۔''

میں تمہیں حکم دیتا ہوں یہ کہ تم اس شخص کو اسلام کی دعوت دو جو تم سے ملے جنگ سے پہلے۔

قاضی ابویوسف نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے۔ جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کیلئے علم وفقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام وعراق کی فتوحات میں ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں انہوں نے کسی خوبی وصفائی سے اسلام کے اصول اور عقائد ان کے سامنے بیان کئے۔ اشاعتِ اسلام کی بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر

قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی۔ کہ انہوں نے اپنی تربیت وارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنادیا تھا۔ ۶۷؎

۵۔ عوام کی صلاحیتوں کے پیش نظر وظائف مقرر کرنا

حضرت عمر فاروقؓ خود لوگوں کو دین کی تعلیم اور فقہی مسائل بتاتے تھے خطبوں اور تقریروں میں بیان کرتے تھے۔ فقہی مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کراتے تھے۔ اضلاع کے حکام اور افسروں کو فقہی احکام لکھ کر بھیجتے تھے یہ احکام آج بھی تاریخوں میں موجود ہیں۔ اسلامی حکام انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مذہبی معلّم بھی ہوتے تھے۔ اِسلیئے حضرت عمرؓ ان کے تقرر میں تفقہ کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے افسروں کو اِس لیئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔ ۶۸؎

معین الدین ندوی "تاریخ اسلام" میں رقمطراز ہیں:

"عمّال اور حکام کے علاوہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لیئے تمام ممالک محروسہ میں مستقل فقہاء اور معلّم مقرر کیئے۔ صرف بصرہ میں دس صاحبوں کو اس کام لئے بھیجا تھا۔

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہاء کی تنخواہیں مقرر کیں غرض فاروقی عہد میں تعلیم کا نہایت مکمل انتظام تھا۔" ۶۹؎

۶۔ ایسی تعلیم دی جائے جو عوام الناس کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق ہو

عہد خلفائے راشدین میں تعلیم کا پھیلاؤ عوام الناس کی ذہنی سطح کے عین مطابق تھا۔ ایسی تعلیم جو ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کر دے اور ان کو زہد و تقویٰ کے قریب کر دے ان کا تزکیہ نفس، تزکیہ قلب، تزکیہ روح برابر ہوتا رہے تاکہ وہ اسلام کی ہمہ جہت تربیت سے فیض یاب ہو سکیں۔

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم لوگوں سے اللہ کے بارے میں باتیں کرو تو ایسی باتیں مت کرو جن کا وجود نہ ہو یا ان کے سمجھنے میں ان کو دشواری ہو۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ لوگوں کو وہ باتیں بتاؤ جو اِن کے ہاں متعارف ہوں اور وہ باتیں چھوڑ دو جو اِن کے پاس انجان ہو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو جھٹلایا جائے۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ لوگوں میں کوئی ایسی حدیث بیان نہ کرو جو ان کی عقل برداشت نہ کر سکے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے لئے فتنہ ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے میں نے دو علم کے تھیلے یاد کر لئے ایک کو تو میں نے پھیلا دیا

اور دوسرے کو اگر میں بیان کردوں تو میری گردن ماردی جائے۔ (غالباً اسلیئے کہ عوام کی سمجھ اُس کی متحمل نہیں ہو گی۔"۷۰؎

۷۔اسلامی ریاست میں گورنروں اور عمال کی تعیناتی میں تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔

خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی فلاحی ریاست کے انتظام وانصرام کیلیئے گورنروں اور عمال کی تعیناتی میں تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔

تقریباً ۱۵ھ ہجری میں حضرت ابوہریرۃ ؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا۔اس سال وہ پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ یہ کثیر رقم بحرین سے آئی ہے آپ لوگوں کی کیا رائے ہے۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔

سب سے پہلے دارالخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔اس کی نگرانی اور حساب کتاب کیلیئے نہایت قابل' صاحب علم اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو تعینات کیا گیا جو صاحب علم و ہنر اور امانت دار مشہور تھے۔ ۷۱؎(۱)

۸۔مقاصدِ تعلیم میں بیت المال کا قیام' انتظام وانصرام

خلفائے راشدین کے دور میں تعلیمی ترقی وترویج کی بنیاد نہایت مستحکم اصولوں پر رکھی گئی۔اسلامی ریاست میں بیت المال کا ادارہ (ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا) مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ خلفائے راشدین نے بیت المال کے افسران کی تعیناتی کی کسوٹی تعلیم پر رکھی۔

"عبداللہ بن ارقم ؓ کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے۔ خزانہ کا افسر مقرر کیا اور اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کئے۔ جن میں عبدالرحمٰن بن عبید القاریؒ اور معیقبؓ بھی تھے۔ معیقبؓ کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ حضرت رسول اللہ ﷺ انگشتری بردار تھے اور اس وجہ سے ان کی دیانتداری اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلّم الثبوت تھی۔"

دارالخلافہ کے علاوہ تمام صوبہ جات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ تعلیمیافتہ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حرثؓ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ خاص خزانے کے افسر تھے۔

یہ علمی شخصیتیں اپنے فرائض منصبی کے ساتھ ساتھ تعلیمی خدمات بھی سرانجام دیتیں اور تعلیم کے مقاصد کے حصول اور رعیت کی فلاح وبہبود کیلیئے اپنا کردار ادا کرتیں۔ ۷۱؎(۲)

۹۔ اہل کمال کی قدر دانی مقاصد تعلیم میں شامل تھی

وَکَانَ الْقُرَآءُ اَصْحَابَ مَجَالِسِ عُمَرَ وَ مَشَاوِرَتِهٖ کُھُوْلًا کَانُوْا اَوْشُبَّانًا۔ ۱۷۔(۳)

یعنی حضرت عمرؓ کے اہل مجلس اور اہل مشورت علماء تھے خواہ بوڑھے ہوں یا جوان۔

فقہ کا بہت بڑا حصہ جو منقح ہوا اور فقہ عمریؓ کہلاتا ہے۔ انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان ابی ابن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حر بن قیسؓ تھے۔ حضرت عمرؓ ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے۔ یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر ان سے قریب والے۔ **''وَ عَلٰی ھٰذَا''** لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص ان لوگوں کے لئے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ کو قدمائے صحابہؓ کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ تاہم یہ حکم دیا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں۔ یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد! کہیں اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے۔ مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے۔ حضرت عمرؓ ان کو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ ''علم سن کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہے'' عبداللہ بن عباسؓ اس وقت بالکل نوجوان تھے۔ ان کی شرکت پر بعض اکابر صحابہؓ نے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے ان کی خصوصیت کی وجہ بتائی اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا۔ جس کا جواب بجز عبداللہ بن عباسؓ اور کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی قدر کرتے تھے۔ ۲۱ھ میں جب ان کو کوفہ کا مفتی اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ:

''میں ان کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ ان کو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں۔'' بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعودؓ نے حل کیا تو ان کی شان میں فرمایا:

کَنِیْفٌ'' مُلِیءَ عِلْمًا۔ یعنی ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ ۱۷۔(۴)

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص ان کا ہمسر نہ تھا۔ تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے۔ جس طرح خود بزرگ کے ساتھ پیش آتے تھے۔

علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ''ابی ابن کعبؓ کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے' ابی ابن کعبؓ نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا۔''

زید بن ثابتؓ کو اکثر اپنی غیر حاضری میں اپنا جانشین کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر ان کو عطا کرتے تھے۔ ۱۷۔(۵)

اسی طرح ابو عبیدہؓ، سلمان فارسیؓ، عمیر سعدؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، سالمؓ، ابو درداءؓ، عمران بن حصینؓ وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے۔ بہت سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بناء پر مقرر کئے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں۔ جن

کے روزینے فقط اس بناء پر مقرر کئے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں۔ ابوذر غفاری جنگ بدر میں شریک نہ تھے۔ لیکن ان کا روزینہ اصحاب بدر کے برابر مقرر کیا تھا۔ اس بناء پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

اہل کمال کی قدر دانی

ان کی قدر دانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی۔ کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہبؓ الجمحی کا وظیفہ ۲۰۰ دینار سالانہ اس بناء پر مقرر کیا۔ کہ وہ پُر خطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔" ۱۷ ـ (۶)

"خارجہ بن حذافہؓ اور عثمان بن ابی العاص کے وظیفے اس بناء پر مقرر کئے کہ خارجہؓ بہادر اور عثمان نہایت فیاض تھے۔" ۱۷ ـ (۷)

۱۰۔ خلفائے راشدین کے ہاں تعلیم کی غرض و غایت رزقِ حلال کا حصول اور حرام سے اجتناب

حضرت عمرؓ کے ہاں تعلیم کی غرض و غایت عوام الناس کو حلال و حرام سے مکمل آگاہی دینا مقصود رہا۔ اس لئے عوام الناس کی تربیت کیلئے ایسے گورنروں کو تعینات کیا جاتا جو حلال و حرام کی تعلیم سے آگاہ ہوں۔

"جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اس کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں اس کی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔" ـ ۱۷ ـ (۸)

اس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی۔ عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک ان سے واقف ہو جائے۔

چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اس کے متعلق خطبے دیئے۔ ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا' عاملوں کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

اَلاَو اِنّی لَمْ اَبعَثکُمْ اُمَرَاءَ وَلاَ جَبَّارِینَ وَلٰکِنْ بَعَثتکم اَئِمَّۃَ الْھُدٰی یُھتَدٰی بکم فَاَدُّوا عَلَی المسلِمِینَ حُقُوقَھُمْ وَلاَ تَضرِبُوھُمْ فَتَذِلُّوھُمْ وَلاَ تَحمَدُوھُمْ فَتَفتِنُوھُمْ وَلاَ تَغلِقُوا لاَبوَابَ دُونَھُمْ فَیَاکُلُ قَوِیُّھُمْ ضَعِیفَھُمْ وَلاَ تَستَاثِرُوا عَلَیھِمْ فَتَظلِمُوھُمْ۔

ترجمہ:- یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو' ان کو زدو کوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں' ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں

پڑیں ،ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں۔ ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ صحابہ کے ایک گروہ کے سامنے اس کو فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے۔ جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا ہے اس کی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہو جائے۔ ۱۷-(۹)

عاملوں سے تعلیم کیلئے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا:

۱۔ ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا۔

۲۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔

۳۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

۴۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔

۵۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔

یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کی جاتی تھیں اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔

عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا۔ اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ کر لی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ۱۷-(۱۰)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ "عمرؓ کیا عاملوں کے لئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے۔" حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے کرتہ اتروا کر کمل کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ "جنگل میں لے جا کر چراؤ۔" عیاض کو انکار کی تو مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "تجھ کو اس سے عار کیوں ہے، تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا۔" غرض عیاض نے دل سے توبہ کی، اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔ ۱۷-(۱۱)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا۔ جس میں ایک ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہو گا۔ محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد بن وقاص چپکے دیکھتے گئے۔ ۱۷-(۱۲)

اس قسم کی باتیں اگر چہ بظاہر قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت و ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصولِ آزادی کے خلاف ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست و بازو یعنی ارکان سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں۔ عام آدمیوں کو اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں' ان کے افعال کا اثر بھی انہیں تک محدود رہے گا لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں ان کے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں' جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں۔ اس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں پولیٹیکل مصالح سے خالی نہ تھیں۔ مساواۃ اور عدم ترجیح جس کو آج کل اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں' عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے' ورنہ امیر معاویہ' شام میں بڑے سروسامان سے رہتے تھے اور حضرت عمرؓ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے' شام کے سفر میں حضرت عمرؓ نے ان کے خدم وحشم کو دیکھ کر اس قدر کہا **''اکسوانیه''** یعنی یہ نوشیروانی' جاہ وجلال کیسا؟ مگر جب انہوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب وداب نہیں قائم رہ سکتا تو حضرت عمرؓ نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی تھیں' یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں' جس کی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اگر چہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا۔ تاہم تنخواہیں علی قدر مرتب عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ' چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔(۱۳)

دور خلفائے راشدین میں تعلیم کے مقاصد میں قرآن وحدیث' فقہ واجتہاد کے فروغ کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ عوام الناس کی تربیت اسی بنیاد پر کی جاتی تھی۔ مملکت اسلامیہ کے اہم عہدوں پر ان افراد کی تقرری کی جاتی جو قرآن وحدیث' فقہ و اجتہاد' حلال وحرام کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ گورنروں اور عمال کو سختی سے ان کے فرائض بتا دیئے جاتے اور سخت تنبیہ کی جاتی کہ وہ فرائض کی ادائیگی میں راست بازی و دیانت داری کو ملحوظِ خاطر رکھیں۔ فرائض کو کما حقہ کو ادا کریں اور غفلت سے کلی طور پر اجتناب کریں۔ رسک حلال کا حصول اور حرام سے اجتناب تعلیم کا بنیادی مقصد رہا۔ علماء وفضلاء کی قدر دانی کو پیش نظر رکھا گیا اور اُن کے وظائف مقرر کیے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں تعلیم کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔

معلمین اہل صفہ مملکت اسلامیہ کے گردو پیش میں رعیت کی تعلیم و تربیت کے واسطےمقرر ہوئے اور بدوی قوم

تعلیم کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو گئی۔

خلفائے راشدین کے تعلیمی محرکات اور عصری تقاضے

حضرت عمرؓ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے۔ جن میں قرآن مجید' اخلاقی شعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علمائے صحابہ اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے جاتے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی اس لئے خلافت کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور در حقیقت حضرت عمرؓ کے کارناموں کا طغرا یہی ہے لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی "توجہ الی اللہ" "استغراق فی العبادۃ" صفائے قلب' قطع علائق' خضوع و خشوع یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی سر رشتہ انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں البتہ اشاعت اسلام' تعلیم قرآن و حدیث' احکام مذہبی کا اجراء اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آسکتے ہیں۔

اشاعتِ اسلام کا طریق کار

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معانی ہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر "**لَا اِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْن**" بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے خود ایک موقعہ پر یعنی جب ان کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ "**لَا اِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْن**"۔[17]

اشاعتِ اسلام کے یہ معانی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

المقریزی "تاریخ مقریزی" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"حضرت عمرؓ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائے۔ چنانچہ فاتح ایران سعد بن ابی وقاص کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ تھے:

"**وَقَدْ كُنْتُ اَمَرْتُكَ اَنْ تَدْعُوَ مَنْ لَقِيْتَهُ' اِلَى الْاِسْلَامِ قَبْلَ الْقِتَالِ**۔"

قاضی ابو یوسف نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحبِ علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لئے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام و عراق کی فتوحات میں ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں انہوں کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد ان کے سامنے بیان کئے۔

اشاعت اسلام کی بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود خود لوگوں کے

دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنادیا تھا۔[۲]

اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو ان کے دیکھنے اور ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی، سادگی اور پاکیزگی جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا۔

رومیوں کا سفیر جارج ابوعبیدہ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعتہً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔[۳]

اشاعت اسلام و تعلیمی محرکات وعصری تقاضے

اسلامی فتوحات کی ابوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی، یہ واقعہ کے چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پرزور قوموں کا اکھڑتا جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے۔ یزگرد شہنشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کئے اور حالات سن کر یہ کہا کہ ''ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔''[۴]

ابورجا فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ قادسیہ کی لڑائی میں میں حاضر تھا اور اس وقت میں مجوسی تھا۔ عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ ''تکلے ہیں'' لیکن ان ہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کردی۔ ''مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ ''رومیوں کی سلطنت ہو چکی اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔''[۵]

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے۔ فطرۃً جس قدر ان کا میلان ایک نبی عربی کی طرف ہو سکتا تھا۔ غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے۔ یہی بات ہے کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام اروکون تھا حضرت خالد کے ہاتھ پر اسلام لایا۔[۶]

ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہو گی۔ ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ ایمان لائے اور تعلیمی میدان میں بھی بھرپور ترقی ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اشاعت اسلام نے تعلیمی راستے منوّر کیے

''۱۶ھ کے آخیر میں جب جلولا فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤسا اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے ان کے یہ نام ہیں:

جمیل بن بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل، فیروزاں رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا بھی خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔ ۷۷

''قادسیہ اور مصر کی فتح کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی۔ کل کی کل مسلمان ہو گئی۔'' ۷۸

''یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا۔ جس کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصطخر کو روانہ کیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے۔ اسلامی فوجیں جب تستر پہنچیں تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آ جائیں گے اس کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

یہ لوگ اسادرۃ کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے نہر اسادرۃ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیابجہ، زط، اندغار بھی مسلمان ہو گئے۔ یہ تینوں قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں۔ جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور فوج میں داخل کی گئیں تھیں۔'' ۷۹

''مصر میں اسلام کثرت سے پھیلا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑتے تھے۔ گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں پھیل گئے۔ تو حضرت عمرؓ نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے ان کو واپس لے کر مصر بھیج دیا اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں، خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ چنانچہ ان میں سے قصبہ بلہیب کے رہنے والے کُل کے کُل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارۃ اور ورادۃ سے لے کر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔'' ۸۰

''شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے۔ جہاں کے کپڑے بہت مشہور ہیں۔ یہاں کا رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر ہی پہلے اسلام کی طرف مائل تھا چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آملا اور مسلمان ہو گیا۔ ۸۱

فسطاط جس کو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جس کی جگہ اب قاہرہ دارالسلطنت ہے۔ یہاں تین بڑے بڑے محلے

تھے۔ جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے تھے۔ ایک محلّہ ہو نبہ کے نام سے آباد تھا۔ جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ مصر کے معرکے میں اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔

دوسرا محلّہ ہوالارزق کے نام پر تھا یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔

تیسرا محلّہ روبیل کے نام سے آباد تھا یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے۔ پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔ ۸۲

"فسطاط میں ایک اور محلّہ تھا جہاں صرف نو مسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلّہ انہیں کے نام پر پارسیوں کا محلّہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیروان کی طرف سے یمن کا عامل تھا۔ جب اسلام کا قدم شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔" ۸۳

صحابہ کرامؓ کی تعلیمی سرگرمیاں

تعلیم کی اشاعت و تبلیغ

تعلیم کی اشاعت و توسیع میں خلفائے راشدین کے دوش بدوش علماء و صحابہ کرام نے بھی بہت نمایاں علمی خدمات سرانجام دیں اور انہوں نے دور دراز علاقوں میں علم کو پھیلایا۔

شبلی نعمانیؒ رقمطراز ہیں:

"عرب سے ہزاروں صحابہ و علماء نئے مفتوحہ علاقوں اور ملکوں میں جابسے اور وہیں پر رہنے لگے۔ ایک اندازے سے شام میں دس ہزار، کوفے میں ایک ہزار، حمص میں پانچ سو اور مصر میں ساڑھے تین سو صحابی موجود تھے۔" ۸۴

یہ لوگ جہاں بھی گئے وہاں اپنے ساتھ قرآن پاک کی تفسیر، احادیث، مذہبی مسائل اور ان مسائل کو حل کرنے کا ذخیرہ اپنے ساتھ لے کر گئے۔"

سب سے بڑی میراث جو آنحضرت ﷺ سے امت مرحومہ کو پہنچی وہ قرآن عظیم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

ترجمہ:۔ ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اِنَّا عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔

ترجمہ:- یقیناً ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا اور پڑھوانا۔

اس بارے میں پہلی سعی حضرت صدیق اکبرؓ سے ہوئی جو حضرت فاروقؓ کے عرض کرنے سے جس پر ان کو اسی درجہ کا شرح صدر ہوا تھا جو ان کے ساتھ مخصوص تھا۔ انہوں نے قرآن پاک کی تدوین کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ جس کے بعد فاروق اعظمؓ اپنی کوششوں کو کام میں لائے اور جن مقامات میں اشکال پیدا ہوتا تھا ان شبہات کو حل کرنے میں مشغول ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین نے تدوین قرآن میں بہت سی خدمات سرانجام دیں۔ قرآن کے نسخے لکھوائے اور مملکت اسلامیہ کے اطراف میں بھجوا دیئے اور جن قرآنی نسخوں میں ابہام پایا جاتا تھا انہیں محو کروا دیا۔۸۵

لغات قرآن کی طرف توجہ دینا

قرآن پاک کی تلاوت میں جن صحابہ نے بڑی بڑی کوششیں فرمائیں ان میں ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، علی المرتضیٰؓ، ابن عباسؓ کے نام سرفہرست ہیں۔ آج مشرق اور مغرب میں قرآن جن زبانوں سے نشر ہو رہا ہے یہ ان ہی کی قابل قدر مساعی کا ثمرہ ہے ان بزرگوں نے قرآن کے بعض ایسے مواقع جو اجمال رکھتے تھے۔ مختلف تقریبات پر اس اجمال کو کھول دینے کا اہتمام کیا۔ اس کے لئے حضرت ابن عباسؓ حل لغات قرآن کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے اسباب نزول کا ذکر کیا دوسرے لوگ بھی ان کے قدم بقدم یہاں تک کہ تفسیر کے متعدد نسخے بہم پہنچ گئے۔ تغلبیؒ اور دوسرے لوگوں نے ان سب کو جمع کر کے تفسیریں تصنیف کر دیں۔۸۶

۱۔ کتاب انقلاب (قرآن مجید) کا طرز تعلیم

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو قرآن پڑھایا، احکام سمجھائے، اخلاق بتائے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ جانچ پڑتال بھی کرتے رہے کہ ان پر کتنا عمل ہوا اور ان کی کتنی قلبی، روحانی، ذہنی اور اخلاقی اصلاح ہوئی۔ چونکہ آپ کی تعلیم و تربیت کا مقصد ہی نفوس کو پاک کرنا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دینا تھا۔۸۷

ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ ۸۸

ترجمہ:- بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان عظیم کیا ہے کہ انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا اور انہیں پاک کرتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

۲۔ کتاب انقلاب کا طرز تربیت

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے معانی و مفہوم بھی سمجھا دیئے اور عمل کی مشق

بھی کروائی اور اس کی نگرانی بھی فرمائی۔۸۹؂

آفتاب نبوت (نبی پاک ﷺ) کے تربیت یافتہ درخشندہ ستارے

فرمان مصطفٰی ﷺ ہے:

"اَنَا مَدِینَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔" ۹۰؂

ترجمہ:- میں علم کا شہر اور حضرت علی المرتضیٰؓ اس کا دروازہ ہیں۔

جہاں تک حقیقت حال کا تعلق ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ واقعی باب المدینۃ العلم تھے۔ تشنگان علوم اسلامی جب شہر علم کا رخ کرتے ہیں تو چاروں طرف علم کے دروازے دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں فقیہ الامت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا دروازہ ملتا ہے تو کہیں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا دروازہ نظر آتا ہے' ایک طرف حضرت علیؓ کے دروازے سے علم و عرفان کے چشمے پھوٹتے ہیں تو دوسری طرف سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کے دروازے سے علوم نبوت کا فیضان جاری ہے' شہر کا کوئی مکان نہیں ہوتا کہ اس کا ایک ہی دروازہ ہو۔ انسانی تمدن کی تاریخ میں جہاں بھی شہر ملتا ہے اس کے دروازے چاروں طرف کھلے دکھائی دیتے ہیں۔ سب صحابہ کرام آفتاب نبوت کے روشن ستارے ہیں لیکن علوم نبوت کا رفیع و سیع شہر جن چاروں دروازوں سے ممتاز ہے ان میں مکہ معظمہ کی طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا دروازہ کھلتا ہے تو مدینہ منورہ کی طرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ دکھائی دیتے ہیں' کوفہ کی علمی مسند حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے دم سے آباد نظر آتی ہے۔۹۱؂

"جس طرح اسلامی اجتہاد کے دروازے حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام مالک' حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ذات قدسیہ ہیں۔ اسی طرح شریعت اسلام کے اساسی علوم حضرات عباد ثلاثہ اور سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کے چاروں دروازوں سے میسر آتے ہیں اور ان حضرات کو جب کوئی مرحلہ درپیش ہو تو پھر حبیبہ حبیب خدا امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا آستانہ کافی سمجھا جاتا تھا۔" ۹۲؂

تقسیم العلوم

عربوں نے قرآن مجید میں سے اور پہلی امتوں میں سے علوم کی تقسیم دو طرح پر کی ہے:

تقسیم اولیٰ:- اس میں علوم نقلیہ اور شرعیہ شامل ہیں اور تقسیم ثانیہ میں عقلیہ اور حکمیہ شامل ہیں اور یہ علوم عجمی اور علوم قدیمہ اور علوم اوائل ہیں۔ علوم نقلیہ درج ذیل ہیں:

۱۔ علوم القرآت	۲۔ علوم التفسیر	۳۔ علم الحدیث	۴۔ علم الفقہ
۵۔ علم النحو	۶۔ علم لغت	۷۔ علم الادب	

علوم عقلیہ درج ذیل ہیں:

۱۔ فلسفہ	۲۔ ہندسہ	۳۔ علم النجوم	۴۔ موسیقی
۵۔طب	۶۔ سحر	۷۔ کیمیا	۸۔ تاریخ
۹۔جغرافیہ ۹۳			

۱۔ علم قرأت

علم قرأت ان علوم میں سے ایک علم ہے جو مسلمانوں نے اختیار کیا۔

عہد عثمانی میں مسلمان قرآن مجید کو مختلف قرأت میں پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ اور شک لاحق ہوا کہ لوگ مختلف قرأت کی وجہ سے قرآن مجید کے کلمات اور حروف میں تحریف کر دیں گے لہٰذا ان سب کو ایک ہی قرأت پر مجتمع کر دیا اور مصحف عثمانی کی مختلف نقلیں اسلامی صوبوں میں بھجوا دیں تا کہ سب مسلمان اسی ایک قرأت پر قرآن مجید کو پڑھیں۔

حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن مجید کے الفاظ اور حروف کو اس طریق پر کتابت کروا لیا تا کہ ان کے پڑھنے میں آسانی رہے اور الفاظ و حروف کی حرکات و شکل تبدیل نہ ہو۔ موجودہ عربی رسم الخط کو اختیار کیا گیا۔

قرن اولیٰ میں حضرت ابن عباسؓ و عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عثمان غنیؓ ان کی قرأت کے عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما معترف تھے اور اسی طرح ہی ان میں سے تابعی وغیرہ۔" ۹۴

ضرورت تفسیر

قرآن کی تفسیر و تشریح آنحضرت ﷺ کی ذمہ داریوں میں سے ایک تھی اس لئے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ ۹۵

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے تفسیر کے سیکھنے کا حکم بھی دیا تھا جیسا کہ آیۃ الکرسی کی تفسیر:

وَاَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ حَدَّثَنَا الْحُمَیْدِیْ قَالَ قَالَ سُفْیَانُ لِاَنَّ اٰیَةَ الْكُرْسِیِّ هُوَ كَلَامُ اللّٰهِ وَ كَلَامُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۔ ۹۶

دورِ صحابہ رضوان اللہ اجمعین

آپ کے بعد صحابہ کے دور میں بھی تفسیر و تشریح کلام خداوندی کا فریضہ صحابہ کرام انجام دیتے رہے۔ ان کے باقاعدہ مختلف مقامات پر حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور اس کے بعد ہر دور میں تفسیر قرآن کا رواج برابر کا ہی رہا۔

تفسیر کا ارتقاء

آنحضورﷺ کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم أيته و يزكيهم و يعلمهم الكتب والحكمة۔ ۹۷

ترجمہ:- بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا مومنین پر بڑا احسان عظیم ہے کہ اس نے ان کے پاس خود انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

عہد نبویؐ میں تفسیر کی نوعیت یہ تھی کہ اگر کسی آیت کے متعلق آنحضورﷺ نے ضرورت محسوس کی تو خدا کی منشاء اور مراد بتا دی یا کسی کو کوئی مشکل پیش آئی تو اس نے آنحضورﷺ سے پوچھ کر اپنی تشفی کر لی اور وہ آیات جن کا تعلق عمل سے ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفسیر عملاً کر دی۔ آپؐ کے بعد صحابہ کرام قرآن کی تفسیر وتشریح میں بڑی شدت سے احتیاط برتتے رہے۔ احادیث میں تفسری بالرائے کی متعلق جو وعید آئی ہے اس کی وجہ سے انہیں دھڑ کا لگا رہتا لیکن احساس فرض اور تمدنی ضروریات کی بناء پر صحابہ کرامؓ کی ایک تعداد ایسی تھی جو قرآن کی تشریح وتفسیر کرتی تھی۔ ان کی تفسیروں کا تعلق صرف ان آیات سے تھا جو امر و نہی پر مشتمل ہیں۔ ان میں مفسر صحابہ کرام میں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ المرتضیٰؓ ابن مسعودؓ ابن کعبؓ ابن ثابتؓ ابن زبیرؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ خاص طور پر مشہور ہیں۔ صحابہ کرام سے قرآن کی جو تفاسیر منقول ہیں۔ ان میں سے دو قلمبند کی گئی تھیں ایک تفسیر ابن عباسؓ ہے اور دوسری تفسیر ابن کعبؓ ہے۔ ان کا بیشتر حصہ قرآن کے مفرد اور غریب الفاظ کی تشریح سے تعلق رکھتا ہے۔

صحابہ کرام کے بعد تابعینؒ کا دور آتا ہے اس دور کے مشہور مفسرین میں علقمہ، عمرو بن شرجیل، سردق اسود بن یزید، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، شعبی، مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ اور اعمش ہیں۔

تبع تابعین کے دور میں علوم اسلامی کی فن تقسیم عمل میں آئی۔ جب کہ اسکی حیثیت پہلے ایک جامع علم کی تھی۔ جو تفسیر بھی تھا، حدیث بھی اور فقہ بھی تھا اور اصول فقہ بھی تھا۔ لیکن اب ہر شعبہ بجائے خود ایک مستقل فن کی نوعیت اختیار کر گیا۔ نیز اس دور میں سارے غلط اور باطل نظریات کھل کر سامنے آ گئے اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے ایسا قدم اٹھایا گیا کہ ایسی تفسیریں تالیف کی گئیں جن میں آنحضورﷺ سے مروی تفاسیر اور صحابہ اور تابعین کے اقوال کو جمع کیا گیا۔ ۹۸

۲۔ علم التفسیر

علوم نقلیہ میں سے علم التفسیر کو مسلمانوں نے قرآن مجید کے معنی سمجھنے کیلئے اختیار کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید میں سے کسی چیز کی تفسیر نہ کرتے تھے مگر چند آیتوں کے ساتھ جو

جبرئیل آمین کے ذریعے نازل ہوئی تھیں۔ جب حکومت عربیہ وسیع ہو گی اور اسلام عجم تک پہنچ گیا' قرآنی آیات کے سمجھنے کی حاجت در پیش آئی۔ تو بعض صحابہ کبار کو اختیار کیا مثلاً حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعبؓ رضوان اللہ علیہم جن کی تفسیر قرآن پر اعتماد تھا اور انہوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا اور سمجھا تھا اور یہ صحابہ اساس ہیں اسلام میں مدرسہ تفسیر کی بعض مسلمان اکابر نے قرآن مجید کو تکریم و تعظیم سے دیکھا اور اسمیں فضول بحث تفسیر کو دین میں بگاڑ سمجھا اور حضرت عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ آیات قرآنیہ میں غور و فکر کی بحث کو مکروہ جانتے تھے یہاں تک کہ ایک شخص نے قرآن کریم کی متشابہات آیات کے متعلق پوچھا تو آپ نے اس کو مارا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا اور مسلمانوں کو فرمایا کہ کوئی شخص اس کے پاس نہ بیٹھے۔ مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) تفسیر بالماثور

(۲) تفسیر بالرائے

پہلی تفسیر میں صحابہ کبار نے حضرت رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو سامنے رکھا جو محمود ہے۔ دوسری تفسیر میں عقل کو دخل ہے لہٰذا اس کو مذموم قرار دیا ہے۔ ۹۹

۳۔ علم الحدیث

شریعت اسلامیہ میں حدیث کے مصادر نبی پاک ﷺ کے اقوال' افعال' تقاریر اور ایسی چیز جو آپؐ کو کرتے دیکھی گئی اور حدیث کا درجہ قرآن کے بعد ہے۔

بخاری نے ہمارے علم کے مطابق ۷۲۷۵ احادیث جمع کی ہیں جن میں مکرر احادیث بھی شامل ہیں جب ہم ان میں سے مکرر احادیث حذف کر دیں تو ان کی تعداد چار ہزار رہ جاتی ہے اور بخاری نے ان احادیث کو تین لاکھ احادیث میں سے منتخب کیا ہے جو جمع کی گئیں تھیں۔ اس سے ہمارے لئے احادیث میں تحریف واضح ہو جاتی ہے۔

جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں وہ مسلمان آئمہ کرام کے درمیان گہرے اختلاف کا باعث بنتی ہیں۔ اس لئے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے وفات کے وقت عرب کی اکثریت لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی۔ حتیٰ کہ اس امت کی تاریخ بھی طویل زمانہ گزرنے کے بعد لکھی گئی اور عربوں نے احادیث نبویہ ایک دوسرے سے روایت کی ہیں۔ اس طرح احادیث تبدیل و تحریف سے کافی متاثر ہوئیں اور ان میں کچھ ابہام باقی رہ گیا۔

اور راویوں نے اپنے مقاصد کے پیش نظر ان کے معانی و مفہوم میں تغیر و تبدل پیدا کر لیا۔ یہاں تک کہ جب دوسری صدی ہجری آئی تو عربوں نے احادیث کو تدوین کرنا شروع کر دیا اور احادیث کے آئمہ کرام کے ایک گروہ کے ظاہر ہونے کا موقع ملا جو کہ دور عباسی میں ظاہر ہوئے۔ ۱۰۰

تدوین حدیث میں خلفاء راشدہ کی کاوشیں

قرآن مجید کے بعد دین کی اصل اور ایمان کا بڑا سرمایہ علم حدیث ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے علم حدیث کی روائیت میں کڑی شرائط مقرر کیں۔ جس میں جب تک دو ثقہ راوی نہ ہوں کسی حدیث کو قبول نہ کیا۔ آپ نے علماء اور صحابہ کو چاروں طرف بھیجا کہ وہ روائیت حدیث کا حکم دیں۔ جیسا کہ فاروق اعظمؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ بھیجا اور معقل بن یسارؓ اور عبداللہ بن مغفلؓ اور عمران بن حصینؓ کو بصرہ میں اور عبادہ بن صامتؓ اور ابو درداء کو شام میں اور معاویہ بن ابی سفیان کو جو کہ امیر شام تھے ایک بلیغ تنبیہ نامہ بھیجا کہ شرائط حدیث سے تجاوز نہیں کریں اور لوگوں کو طریق روائیت سکھائیں اور کسی حدیث پر علانیہ عمل نہ کریں تا آنکہ وہ حدیث متفق علیہ ہو جائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ روائیت میں اتنے محتاط تھے کہ ان سے صرف چھ احادیث کی اسناد ہیں اور حضرت عمر فاروقؓ کی روائیت حدیث کے بارے میں احتیاط اس قدر تھی کہ آپ سے صرف ستر (۷۰) احادیث قبول کے درجہ پر تھیں۔۱۰۱ے

۴۔ علم النحو

علم نحو بصرہ اور کوفہ میں پروان چڑھا جو کہ عربوں کے اہم ثقافتی مراکز ہیں۔ پہلی صدی ہجری میں اور انہیں شہروں عقائد و فقہ کے علوم فروغ پائے اور نحویوں اور لغویوں کے مدرسے قائم ہوئے ان دونوں شہروں میں مختلف لہجے رکھنے والے عربی قبیلوں سے ایک معاشرہ پیدا ہوتا رہا اور بہت سے موجد اور موالی پیدا ہوتے رہے جو کہ فارسی زبان بولتے تھے اور اس طرح سے صحیح عربی عبادات کچھ فساد کا شکار ہوئیں (یعنی ان میں کچھ بگاڑ پیدا ہوا) اور عربی زبان کو صحیح کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں بھی تحریف ہونے لگی اور ابو الاسود الدائلی پہلا شخص تھا جس نے اموی دور میں علم نحو پر کام کیا اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اس علم کے اصول حضرت علی بن ابی طالب سے حاصل کیے۔۱۰۲ے

اور ابو الاسود الدائلی پہلا شخص تھا جس نے بصرہ کے مدرسہ کی بنیاد رکھی جو کہ کوفہ کے مدرسہ سے زیادہ قدیم اور مشہور ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس مدرسہ نے کوفہ کے مدرسہ کے مقابلے میں منطق میں زیادہ اثر چھوڑا ہے۔ یہاں تک کہ اہل منطق یا اہل قیاس اس کو "نحاۃ بصرہ" یعنی مرکز کا نام دیا ہے اور اس کو کوفہ کے نحات سے ممتاز کیا ہے اور کوفیوں کے نزدیک ان کی نحوی اصطلاحات زیادہ واضح ہیں اور اہل بصرہ کا منطق میں سبقت لے جانا محض اتفاق نہیں تھا کیونکہ فلسفی مذاہب کا اثر سب سے پہلے بصرہ ہی میں ظاہر ہوا اور اس وقت بصرہ میں بہت سے شیعہ اور معتزلی تھے۔ جنھوں نے غیر ملکی حکمت عملی کے راستے کھولے تاکہ وہ ان کی زبان کے طریقوں پر اثر انداز ہوں اور بصرہ کے نامور علماء میں ابو عمرو بن العلاء (م ۱۵۳ھ) ہیں جنھوں نے تفسیر پر کام کیا اور خلیل بن احمد نے "علم العروض" وضع کیا۔ جو کہ کتاب العین کے مصنف ہیں جو کہ عربی زبان میں پہلی معجم تصور کی جاتی ہے۔۱۰۳ے

شہروں کی آبادکاری اور تعلیمی ترقی

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں۔ ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جاسکتا ہے۔ ان میں بصرہ کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی۔ نحو کے اصلی دار العلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ میں ہی رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہریوں کی بنیاد اور آبادکاری وقوع پذیر ہوئی۔ ۱۰۵

بصرہ کی آبادکاری جس کی سرزمین کو علم و فضل سے گہری مناسبت تھی

بصرہ کی زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان نہ تھا۔ عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ عتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو اتارنا مناسب ہو اتاریں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا۔ ۱۷ھ میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن ابی وقاص نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔

بصرہ سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے۔ اِسلئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمامِ حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے۔ ۸۰ ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔

"یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی۔ دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی جس کا نام "کتاب العین" ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہی سے ابتداء ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ آئمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔" ۱۰۶

شہر کوفہ کی علمی حیثیت جو "راس الاسلام" کہلانے لگا

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ و روپ بالکل بدل گیا ہے ایسی جگہ تلاش کرنا چاہئے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان و حذیفہؓ نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے، کوفہ کی زمین انتخاب کی۔ یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا ان کا

پائے تخت یہی مقام تھا اوران کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خد العذ را یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقحوان، شقایق، قیصوم، خزامی کا چمن زار تھا۔ غرض ۱۷ھ میں اسکی بنیاد شروع ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰، ۴۰ ہات اور اس سے گھٹ کر ۳۰، ۳۰ ہات چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷ ہات چوڑی ہوں۔

جامع مسجد

جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی اس قدر وسیع تھی کہ اس میں ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چہار طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا۔ جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا۔ جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

جامع مسجد کے سوا ہر قبیلے کیلئے جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

بیت المال میں چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے۔ چنانچہ روزبہ نامی ایک پارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا۔ نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزبہ کو مع اور کاریگروں کے اس صلے میں دربار خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی قدر دانی کی اور ہمیشہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر قبیلے کیلئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبیلے آباد کئے گئے ہیں ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

سلیم، ثقیف، ہمدان، بجیلۃ، تیم اللات، تغلب، بنو اسد، نخع وکندۃ، ازد ومزینۃ، تمیم ومحارب، اسد وعامر، بجالۃ جدیلۃ واخلاط جہینۃ، مذحج، ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

’’راس الاسلام‘‘

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اس عظمت وشان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اس کو ’’راس الاسلام‘‘ فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی۔ لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ ۶۴ھ میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلہ

ربیعہ و مُضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے اور اہل یمن کے ۶ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تھا۔ تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانہ دراز دراز تک قائم رہے۔

ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا اپنے سفر میں لکھتا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اس کی بنیاد اب تک قائم ہے۔

اس شہر کی علمی حیثیت :- یہ ہے کہ فن نحو کی ابتداء یہیں ہوئی۔ یعنی ابوالاسود الدائلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی امام ابوحنیفہؒ صاحب نے قاضی ابو یوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث و فقہ اور علوم عربیت کے بڑے بڑے آئمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی' حماد' امام ابوحنیفہ' شعبی یادگار زمانہ تھے۔'' [۱۰۸]

فسطاط

عمرو بن العاصؓ نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے۔ عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ ان کے مکانات خالی دیکھ عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اسی کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسروں کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے۔ چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا۔ اس لئے اس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا۔

عمر بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت میں کھڑا تھا۔ جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اسی خیمے میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لئے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج شریک بن سمی' عمرو بن مخزم' حویل بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔

جامع مسجد

جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر اس کے قبلہ کی سمت متعین کی۔ ان صحابہ میں زبیرؓ مقدادؓ عبادہؓ ابودرداءؓ اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے جن میں ایک دارالحکومت کے مقابل تھا اور عمارتوں میں سات سات گز کا فاصلہ تھا۔

فسطاط کی وسعت آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کی بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں ۴۰ ہزار

اہل عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے۔ مورخ قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں یہاں ۳۶۰ مسجدیں' ۸ ہزار سڑکیں' ۱۷۰ حمام تھے۔ اس کی وسعت اور ہر قسم کے سروسامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پائے تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا۔ اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھا ہے:

"نَاسِخُ بَغْدَادٍ مَضخَرُ الْاِسْلَامِ خَزَانَةُ الْمَغْرِبِ لَيْسَ فِيْ الْاِسْلَامِ اَكْبَرُ مَجَالِسَ مِنْ جَامِعِهٖ وَلَا اَحْسَنُ تَجَمُّلًا مِنْ اَهْلِهٖ وَلَا اَكْثَرُ مَرَاكِبَ مِنْ سَاحِلِهٖ۔"

یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے' تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے ہیں۔"

موصل

موصل یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کئے۔ ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔

ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ "یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں' نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے' دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور موصل جو مشرق و مغرب کی گزرگاہ ہے۔ یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہئے تو اس کو یہاں سے گزرنا پڑتا ہے۔

اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اس کی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

جیزہ

یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لئے کہ رومی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں۔ تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین کر دی۔ جس میں حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاصؓ نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے۔ عمرو بن العاصؓ نے ان کے حالات کی اطلاع حضرت

عمرؓ کو دی۔ وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ ان کی حفاظت کیلئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ۲۱ھ میں قلعے کی بنیاد پڑی اور ۲۲ھ میں بن کر تیار ہوا۔ تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ ''ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے' ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے'' چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ حضرت عمرؓ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے۔'' [110]

حضرت عمرؓ کا منظّم فوجی نظام

فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر

عرب میں شاہان یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظّم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے آغاز تک اسکی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر دس دس روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی۔ لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا' نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمرؓ کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ لیکن ۱۵ھ ہی میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر منظّم اور با قاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔ [111]

حضرت عمرؓ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں عام روایت میں یہ ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ جو بحرین کے حاکم مقرر کئے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی' پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اسقدر عجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کہا' حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابو ہریرہؓ نے کہا ہاں! یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اس قدر زرِ کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ [112]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے۔ دبستان زبیر' دفتر دیوان سب ایک مادہ کے لفظ ہیں جن کا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہیں۔

علم الانساب، حساب کتاب کے ماہرین کی خدمات سے استفادہ

۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ ملک کی فوج بنانا تھا۔ انہوں نے اس مسئلے کو ہر مسلمان، فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعلیم نہ تھی، اول قریش اور انصار سے شروع کیا، مدینہ منورہ میں اسوقت تین اشخاص بہت بڑے نساب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے۔ مخزمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب، علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔ ۱۱۳ے

''حضرت عمرؓ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام ونسب مفصلاً درج ہو ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا۔ جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم، پھر حضرت ابو بکرؓ کا خاندان پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا۔ یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی۔ لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت، خود غرضی کا آلہ بن جاتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یوں نہیں بلکہ آنخضرت ﷺ کے قرابت داروں سے شروع کرو اور درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنخضرت سے دور ہوتے گئے ہیں اسی ترتیب سے ان کے نام آخر میں لکھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔'' ۱۱۴ے

خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے آخیر میں جا کر آنخضوت ﷺ سے ملتا ہے۔ غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں:

نمبر شمار	تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
۱۔	جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے	۵ ہزار درہم سالانہ
۲۔	مہاجرین حبش اور شرکائے جنگ احد	۴ ہزار درہم سالانہ
۳۔	فتح مکہ کے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی	۳ ہزار درہم سلانہ
۴۔	جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے	۲ ہزار درہم سالانہ
۵۔	جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک ہوئے تھے۔	۲ ہزار درہم سالانہ
۶۔	اہل یمن	۴ سو درہم سالانہ
۷۔	قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	۳ سو درہم سالانہ
۸۔	بلا امتیاز مراتب	۲ سو درہم سالانہ

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی تنخواہ ۲ ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی۔ ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی اور اس سے اندازہ ہو سکتا

ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا درجہ تھا جس قدر آدمی درج رجسٹر ہوئے اگرچہ سب در حقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے۔۱۱۵

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں۔ سب سے بڑا خلط مبحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یعنی ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔۱۱۶

فوجی صدر مقامات جو علم کا گہوارہ بنے

فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مراکز قرار دیئے جن کا نام جند رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے۔ انکی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مدینہ
۲۔ کوفہ
۳۔ بصرہ
۴۔ موصل
۵۔ فسطاط
۶۔ مصر
۷۔ دمشق
۸۔ حمص
۹۔ اردن
۱۰۔ فلسطین

حضرت عمر کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جا سکتے تھے وہ صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے۔ چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہی ممالک میں قائم کئے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا، شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام قائم کرنے ضروری تھے۔ اس لئے دمشق، فلسطین، حمص، اردن چار صدر مقام قرار دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جواب قاہرہ سے بدل گیا ہے۔ تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ، کوفہ یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

ان شہروں کی علمی حیثیت یہ ہے کہ علم نحو کی ابتداء کوفہ میں ہوئی۔

یعنی ابوالاسود دائلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کیے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی' امام ابو حنیفہؒ نے قاضی ابو یوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلسیں قائم کیں وہ یہیں قائم کیں' حدیث وفقہ اور علوم عربیت کے بڑے بڑے آئمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے۔ ان میں ابراہیم نخعی' حماد' امام ابو حنیفہ' شعبی یادگار زمانہ تھے۔ [117]

فوجی دفتر کی وسعت اور ماہرین علوم کی خدمات

حضرت عمر فاروقؓ نے فوجی دفتر کی وسعت میں ماہرین علوم کی خدمات حاصل کیں:

"حضرت عمرؓ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اس قدر منظم کر دیا کہ اس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے۔ فوجوں کی بھرتی کا دفتر جس کی ابتداء مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی۔ وسیع ہوتے ہوئے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ معظمہ سے دو منزل ادھر ہے۔ جس قدر قبائل آباد تھے۔ ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں۔ وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ' بصرہ' موصل' فسطاط' جیزہ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے۔ سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بے شمار گروہ کی اعلیٰ قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے۔" [118]

تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا لحاظ ہوتا؟

"شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ اس کو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا حضرت عمرؓ نے اس کو صیغہ تعلیم سے متعلق کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعد بن وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے:

لَا تُعْطِ عَلَى الْقُرْاٰنِ اَحَدًا۔

تنخواہ کی تقسیم میں عرب کے بڑے اہل نساب اور اہل الرائے کی خدمات

"تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا۔ فوجی افسر جو کم سے کم ۱۰۰۱۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الاعشار کہلاتے تھے۔ تنخواہ ان کو دی جاتی تھی وہ عریف کے حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلہ کے سپاہیوں کے حوالے کرتے تھے۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی۔ چنانچہ کوفہ وبصرہ میں سو عریف تھے۔ جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوئی تھی۔ اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبر گیری سے کام لیا جاتا تھا۔ عراق میں امرائے اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت

عمرؓ نے عرب کے بڑے بڑے اہل نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران، مشعلہ بن نعیم وغیرہ کو بلا کر اس کی جانچ پر مقرر کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روز ینے مقرر کیے اور دس دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا، عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا۔ جس کی تقلید مدتوں تک رہی۔ ۱۱۹ے

فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم

''فوج کے متعلق حضرت عمرؓ کی اور بہت سی ایجادات ہیں جن کا عرب میں کبھی وجود نہ تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، ہلال ہجری مترجم تھے۔ فوج میں محکمہ عدالت سر رشتہ حساب، مترجمی اور ڈاکٹری کی ابتداء بھی اسی زمانے سے ہوئی ہے۔'' ۱۲۰ے

پرچہ نویسوں کا انتظام

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجود کہ اس قدر بے شمار فوجیں تھیں، مختلف ملک اور مختلف قبائل، مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوتی تھیں۔ جہاں تک دارالخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمرؓ کے قبضہ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر لکھتے ہیں:

''وَكَانَتْ تَكُوْنُ لِعُمَرَ الْعُيُوْنُ فِىْ كُلِّ جَيْشٍ فَكَتَبَ اِلٰى بِمَا كَانَ فِىْ تِلْكَ الْغَزَاةِ وَبَلَغَهُ الَّذِىْ قَالَ عَتَبَةُ۔''

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

''وَكَانَ عُمَرُ لاَ يَخْفٰى عَلَيْهِ شَئىْ فِىْ عَمَلِهٖ۔''

اس انتظام سے حضرت عمرؓ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بد اعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تدارک کر دیتے تھے۔ جس سے اوروں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔'' ۱۲۱ے

مردم شماری اور زمین کی پیدائش

فاروق اعظمؓ کو جب ۱۶ھ میں مہمات جنگ سے ایک گونہ فراغت حاصل ہوئی اور عراق عرب پر پورا پورا قبضہ ہو گیا اور جنگ یرموک سے رومیوں کے حوصلے پست ہو گئے تو انہوں نے خراج قائم کرنے کی غرض سے عراق کی مردم

شماری اور زمین کی پیمائش کرائی۔ سعد بن ابی وقاص نے نہایت جانچ اور احتیاط سے مردم شماری کے کاغذات مرتب کئے۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان جو اکابر صحابہ سے تھے پیمائش پر مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ عثمان اور حذیفہ نے مدتوں کے بعد بڑے اہتمام سے کاغذات کی ترتیب دی۔" [۱۲۲]

سن ہجری کی ابتداء

ابن خلدون ''تاریخ ابن خلدون'' ''رسول اور خلفائے رسولؐ'' میں رقمطراز ہیں:

''عرب اور نیز اسلام میں فاروق اعظمؓ سے پہلے سنہ لکھنے کا دستور نہ تھا۔ عام واقعات یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض بعض مشہور واقعات سے سنہ کا حساب شمار کر لیتے تھے۔ مدتوں کعب بن لوئی کے انتقال سے سال شمار ہوتا رہا۔ پھر عام الفیل جاری ہوا۔ اس کی ابتداء اس سال سے ہوئی جب کہ ابرہۃ الاشرم کعبہ کے ڈھانے کو ہاتھی لے کر آیا تھا اور اسی مناسبت سے اس کو عام الفیل سے تعبیر کیا۔ پھر عام الفجار کا رواج ہوا۔ پھر اس کے بعد اور مختلف سنین چلیں لیکن فاروق اعظمؓ نے جو سنہ چلایا وہ آج تک جاری ہے اور تا قیامت اسلام کے ہر فرقہ میں یہی جاری رہے گا۔ ۱۶ھ میں حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے دو فرمان پیش کئے گئے جن پر صرف شعبان لکھا ہوا تھا اور جو ایک دوسرے سے مخالف تھا۔ حضرت فاروق اعظم نے کہا میں نے اس حکم رو سے ممانعت کی تھی۔ عامل نے عرض کیا انہیں آپ نے اس فرمان سے اجازت دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم یہ سن کر خاموش ہو رہے اور اسی وقت ارباب شوریٰ کو جمع کر کے ایک مجلس منعقد کی۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش ہوا کسی نے رائے دی کہ سنہ کا شمار (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کیا جائے) حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے کہا اس میں عیسائیوں سے مشابہت پائی جاتی ہے کیونکہ ان کا سنہ بھی میلادی ہے۔ کسی نے کہا سال کا حساب رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے ہو۔ کوئی بولا کہ اس میں فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ فاروق اعظمؓ نے ان دونوں راؤں سے اختلاف کر کے ارشاد کیا بہتر ہوگا کہ سنہ کا شمار ہجرت رسول اللہ ﷺ سے کیا جائے کیونکہ اسلام میں یہ بہت بڑا واقعہ گزرا ہے اور اسی کے بعد اسلام کی اشاعت ہوئی ہے۔ لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ فاروق اعظمؓ نے دو مہینے کچھ دن ہٹ کر محرم کو سال کا پہلا مہینہ مقرر کیا۔" [۱۲۳]

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا۔ چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش کے قبیلہ میں ۷ اشخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے۔ یہاں تک کہ جب ۱۴ھ میں ابلہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جس کو حساب کتاب آتا ہو اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک چودہ (۱۴) سالہ لڑکے زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اس صلے میں اس کی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمرؓ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔ [۱۲۴]

مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پیچ روزینہ داروں کا حساب تھا۔ جو اہل عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی۔ مثلاً بہادری کے لحاظ سے 'شرافت کے لحاظ سے ' پچھلی کارگزاری کے لحاظ سے 'اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی۔ یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی۔ اس صیغے کے حساب و کتاب کی درستی کے لئے حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا۔ مثلاً دارالخلافہ میں عقیل بن ابی طالب' مخرمہ بن نوفل 'جبیر بن مطعم کو بصرہ میں 'مغیرہ بن شعبہ 'کوفہ میں عبداللہ بن خلف کو۔ ۱۲۵ے

دفتر خراج

''عمر بن خطابؓ نے عراق کی مالگزاری ۱۰ کروڑ' ۲۸ لاکھ درہم وصول کی۔ زیاد نے ۱۰ کروڑ ۱۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر و ظلم کے صرف ۲ کروڑ ۸ لاکھ وصول کئے۔ مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کروڑ ۴۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

''عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیائش نہیں کرائی' بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی' یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں 'شام کا رومی میں 'مصر کا قبطی میں تھا۔'' ۱۲۶ے

بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا۔ زکوٰۃ اور صدقہ میں جو مویشی آتے تھے' بیت المال سے متعلق تھے۔ چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب تھے۔ جانوروں کا حلیہ رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور بعض وقت حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔'' ۱۲۷ے

مصارف جنگ کے کاغذات و مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شمار کرائی گئی تھی اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے:

''خاص خاص صفتوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے۔ مثلاً سعد بن ابی وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی۔ چنانچہ مفتوحہ ممالک کی قوموں اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے۔ وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے۔ جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام میں رہتا تھا۔'' ۱۲۸ے

مصارف جنگ کے کاغذات مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ کی معزولی اِسی بِنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ جلولا کی فتح میں جو ۱۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لیکر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا۔ ۱۲۹ ؎

کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ

اس وقت تک حساب و کتاب کے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے۔ بعینہٖ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی بہیاں ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے زمانے میں اس کے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔ ۱۳۰ ؎

سکہ

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورّخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سِکّہ جاری کیا وہ عبد الملک بن مروان ہے۔ لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمر فاروقؓ ہی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں:

"جب امیر المومنین عمرؓ خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا تو انہوں نے سِکّہ کے معاملہ میں کوئی دخل نہ دیا۔ بلکہ پرانے سِکّے جو جاری تھے بحال رہنے دیئے۔ ۱۸ھ میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سُفراء آئے جن میں احنف بن قیس بھی شامل تھے۔ احنف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا جنہوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی۔ جس کا نام نہر معقل ہے اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے "**اِذَا جَآءَ نَهرُ اللّٰهِ بَطَلَ نَهرُ مَعْقِلٍ**" حضرت عمرؓ نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔" ۱۳۱ ؎

اسی زمانہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے سکہ کے درہم جاری کئے جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھے۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمرؓ کے سکوں پر "الحمد للہ' اور بعض سکوں پر "محمد رسول اللہ" اور بعض پر "لا الہ الا اللہ وحدہ" لکھا ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اخیر زمانے میں دس درہم مجموعی رقم کا وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔

"یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ نے سکہ میں ترمیم و اصلاح کی۔" ۱۳۲ ؎

علامہ ماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں لکھا ہے کہ:

ایران میں تین قسم کے درہم تھے۔ بغلی آٹھ وانگ کا' طبری چار وانگ کا' مغربی تین وانگ کا' حضرت عمرؓ نے حکم دیا

کہ بغلی چونکہ زیادہ چلتے ہیں' اس لئے دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ وانگ کا قرار پایا۔ ۱۳۳

مسجد کی علمی وسیاسی اہمیت

اب ہم مسلمانوں کی مخصوص تعلیم گاہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی مسجد میں حلقہ درس ہوا کرتا تھا اور صدیاں گزر گئیں یہ سرگرمی بغیر کسی وقفہ کے اب تک جاری ہے۔ چونکہ ابتداء میں چند قرنوں تک مسلمانوں کی تعلیم دینیات تک محدود رہی لہٰذا مساجد جو عبادت گاہیں بھی تھیں اس کام کے لئے موزوں تصور کی گئیں۔

ابن الندیم "الفہرست" میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ابتداء میں مسلمانوں کو ایک ایسے مقام کی اشد ضرورت تھی جہاں مذہبی عبادات ہو سکیں۔ ممکن ہے وہ اس سے متاثر ہوئے ہوں کہ ان کے گردونواح میں مذہبی رسوم خانقاہوں اور کلیساؤں میں ادا کی جاتی تھیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ مسجد کی بنا اس طرح کہ قدیم زمانے سے عربوں میں ایک عبادت گاہ ہوتی تھی اور اسے اللہ کا گھر تصور کیا جاتا تھا۔ جہاں لوگ زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔" ۱۳۴

"بیت الحرام تمام عربوں کیلئے مقدس مقام تھا خواہ وہ کافر ہوں یا موحد۔ نزول اسلام کے بعد مسلمانوں نے بیت الحرام کی اسی حیثیت کو قائم رکھا اور جب کبھی ممکن ہوا انہوں نے وہاں عبادت بھی کی۔" ۱۳۵

"ابن ہشام نے لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی تو بیت الحرام کی طرف دیکھ کر فرمایا "خدا کی قسم! میرے لئے دنیا میں تو سب سے زیادہ مرغوب جگہ ہے اور خدا کے نزدیک تو دنیا کا سب سے زیادہ محبوب مقام ہے اگر مجھے مجبور نہ کیا جاتا تو میں ہرگز تجھے نہ چھوڑ کر جاتا۔" ۱۳۶

"جب آنحضرت ﷺ مدینہ پہنچے تو آپ نے المربد میں مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی۔" ۱۳۸

اور اسی مسجد میں آپؐ نے مسلمانوں میں دینی و دُنیوی تعلیم دینی شروع کی۔" ۱۳۹

اس زمانے میں مسجد کی اہمیت کا اندازہ لگانے کیلئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ مساجد اس زمانے میں سیاست کے مراکز تھیں' انصاف کی عدالتیں تھیں، تعلیمی درسگاہیں تھیں' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عبادت گاہیں تھیں' لہٰذا جہاں کہیں اسلام پھیلتا جاتا تھا۔ مسجد کی بنا لازمی تھی اور ہر مفتوحہ مقام پر اور ہر نئے شہر میں مسجد بھی جلد از جلد تعمیر کی جاتی تھی۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے بصرہ' کوفہ' شام اور مصر کے گورنروں کو ہدایات بھیج دی تھیں کہ ایک جامع مسجد ہر جگہ تعمیر کی جائے تاکہ سب لوگ جمعہ کی نماز وہاں پڑھ سکیں' علاوہ ازیں مسجد کے ہر قبیلہ کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنی مسجد بنائے۔ چنانچہ مساجد کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ گئی۔ ۱۴۰

یہاں تک کہ یعقوبی کا دعویٰ ہے کہ اس نے تیسری صدی ہجری میں صرف بغداد میں تیس ہزار مساجد کا شمار

کیا۔"۱۴۱؎

مصر میں جامع مساجد کی تعمیر کی رفتار سست تھی۔ حضرت عمرو بن العاص نے مصر کی فتح کے بعد ہی جامع مسجد کی تعمیر کرائی تھی۔ جو جامع عمر کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۳۳ھ تک فسطاط میں صرف مسجد عمر ہی تھی۔ اس سال عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس نے جو افواج عباسیہ کے ایک حصہ کی کمان کر رہا تھا' مصر پر چڑھائی کی' جہاں مروان بن محمد بھاگ کر چلا گیا تھا۔ عبداللہ نے فسطاط کے شمار میں چھاؤنی ڈالی۔ وہاں بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ ان ہی میں جامع العسکر بھی تھی۔ ۲۶۵ھ میں احمد بن طولون نے اپنی مسجد القطائع میں تعمیر کرائی۔ ۱۴۲؎

جامع عمر

اس مسجد کی تعمیر ۲۱ھ میں ہوئی اور بعد ازاں متعدد بار مرمت و توسیع کی گئی۔ ۱۴۳؎ ۳۸ھ ہی سے یہاں سلیمان بن عتر لوگوں کے قضیے چکایا کرتے تھے اور القصیص کی مدد سے پند و نصائح اور وعظ کہا کرتے تھے۔"۱۴۴؎

اس وقت یہ مسجد ایک تعلیمی مرکز اور عدالت کا کام دیتی تھی۔ المقریزی لکھتے ہیں کہ شہر میں ایک وباء پھوٹ پڑی تھی۔ اس حادثہ سے قبل اس مسجد میں کوئی چالیس حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ جو کبھی بند نہ ہوئے تھے۔ ۱۴۵؎

ہمارے پاس اس مسجد کے تقریباً آٹھ زاویوں کی تفصیلات موجود ہیں۔ لیکن ہم یہاں صرف تین زاویوں کا حال بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ زاویہ امام شافعی جہاں امام صاحب خود درس دیا کرتے تھے۔ المقریزی کے عہد تک اس زاویہ میں صرف بہترین قسم کے علمائے دینیات اور فضلاء ہی درس دیا کرتے تھے۔

۲۔ زاویہ مجدیہ میں قاضی القضاۃ وجیہ الدین عبدالوہاب البہنی کا تقرر ہوا تھا' مقریزی کے زمانے تک یہ عہدہ نشان امتیاز تصور کیا جاتا تھا۔

۳۔ زاویہ ماجیہ میں شافعی اور مالکی اساتذہ کا تقرر ہوا کرتا تھا۔"۱۴۶؎

اس مسجد میں ادبی مجالس بھی منعقد ہوا کرتی تھیں۔

طبری نے ۲۵۳ھ میں ایک حلقہ قائم کیا تھا۔ جہاں انہوں نے الطرماح کا کلام ابو الحسن بن السراج کی درخواست پر سنانے کا اہتمام کیا تھا۔"۱۴۷؎

"اس عہد میں مساجد ہی عربوں کے مختلف قسم کے علوم کے مراکز تھیں۔ مندرجہ بالا مثالوں کے ہم محض اختصار کے خیال سے چند اور حلقوں کے نام پیش کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس کا حلقہ جو وہ ہر جمعرات کو کعبہ میں منعقد کیا کرتے تھے اور وہاں تفسیر کا درس ہوتا تھا۔"۱۴۸؎

حلقہ ربیعۃ الرائے جو مدینہ کی مسجد میں منعقد ہوا کرتا تھا اور جہاں مالک اور حسن اور مدینہ کے اعلیٰ طبقہ کے حضرات فلسفہ آئین کا درس لیا کرتے تھے۔"۱۴۹؎

اور حلقہ الحسن البصری بصرہ میں دینیات کے لئے قائم ہوا تھا۔۱۵۰؎

حضرت حسن بصری کے حلقے دو فریق ہو گئے اور واصل بن عطا نے فریق کے سربراہ نے ایک حلقہ قائم کیا جہاں خصوصی طور پر متکلمانہ دینیات کو ترقی ہوئی۔۱۵۱؎

مسجد میں عربی علم اللسان کا درس بھی ہوتا تھا۔ ابو عمر الزاہد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مسجد منصور میں نحو کا درس دیا کرتے تھے۔۱۵۲؎

مساجد میں ادبی تحقیق کا کام بھی ہوا کرتا تھا۔ کوفہ کی مسجد میں کمیت بن زید اور حماد الراویہ عموماً ایک ادبی حلقہ منعقد کیا کرتے تھے۔ جہاں یہ دونوں شاعر ادبی مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔"۱۵۴؎

سعید بن المسیب مدینہ کی مسجد میں عربی شاعری پر بحث کیا کرتے تھے۔۱۵۵؎

اور مسلم بن الولید اکثر مسجد میں بصرہ حلقہ قائم کر کے اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔۱۵۶؎

مسجد میں طب کا درس بھی ہوا کرتا تھا۔

ابن طولون کی مسجد میں تفسیر، حدیث، فقہ اور علم ہیئت پر تحقیقی کام ہوا کرتا تھا۔ عبد اللطیف بغدادی سے روایت ہے کہ میں جامع ازہر میں صبح شام درس دیا کرتا تھا اور دوپہر کو ایک عالم طب آتے جو طب پر درس دیا کرتے تھے۔۱۵۷؎

جامع دمشق کا علمی مقام

جامع کا شمار قرون اولیٰ کے چار عجائبات میں کیا جاتا ہے۔۱۵۸؎، اس خیال کی تائید میں ہم اس مسجد کے متعلق چند باتیں بیان کرتے ہیں۔

اس مسجد کی تعمیر میں الولید بن عبد الملک نے اپنی سلطنت کے سالانہ محاصل کی سات گنا رقم خرچ کی۔ مسجد کی تعمیر میں آٹھ سال صرف ہوئے۔ اسکی بنیاد و تعمیر سے متعلق کاغذات اٹھارہ اونٹوں پر لاد کر بھیجے گئے۔ مسجد کی تعمیر کرنے والے مزدوروں کیلئے چھ ہزار دینار کی تو صرف دالیں خریدی گئیں اور مسجد میں جھاڑ فانوس لٹکانے کیلئے سونے کی چھ زنجیریں بنوائی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں سو سال بھی قیام کرتا تو روز ایک نہ ایک نئی چیز اسکے مشاہدہ میں آتی۔۱۵۹؎

اس کی عمارت اور خصوصاً قدیم حصہ عمارت اب بھی دیکھنے والے پر اس کی شان و شوکت کا اثر ڈالتا ہے۔

یہ مسجد ایک تعلیمی مرکز تھی۔ ابن جبیر کا بیان ہے کہ اس مسجد میں درس کے متعدد حلقے قائم تھے اور اساتذہ کے لئے معقول مشاہرہ کے علاوہ خورد و نوش کا بھی انتظام تھا۔ مالکی طلباء جن میں اکثر مغربی تھے۔ مغربی گوشہ میں مالکی علماء سے سبق لیتے تھے۔ ایک حلقہ کے لئے جس کے استاد ستون سے سہارا لگا کر سبق دیا کرتے تھے بہت بڑا وقف تھا۔۱۶۰؎

داخلی دروازہ باب البرید کے بائیں جانب ایک شافعی مدرسہ تھا۔ جس کے وسط میں ایک حوض تھا۔۱۶۱؎

طلباء شور و شغب سے بچ کر پر سکون گوشوں میں چلے جاتے اور وہاں مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔۱۶۲؎

الخطیب بغدادی کا حلقہ درس بہت وسیع ہوتا تھا۔ جہاں بے شمار سامعین ہوتے تھے۔۱۶۳؎

ملخص باب سوم

خلفائے راشدین اور تعلیمی ترقی

اس باب میں خلفائے راشدین کے تعلیمی منہج کا بنظر غائر تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ دور خلفائے راشدین میں تعلیمی نصاب کیا تھا اور اس تعلیم کے کیا مقاصد تھے؟ خلفائے راشدین کے تعلیمی محرکات اور عصری تقاضوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ تعلیمی نصاب نے عوام الناس کی تعلیمی و معاشرتی ضرورتوں کو کس حد تک پورا کیا؟

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے تعلیمی میدان میں جو بیش قیمت خدمات سرانجام دی اور تعلیم و تحقیق کی جو بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھی اس نہج پر چل کر مسلمانوں نے علوم وفنون کے میدان میں اتنی ترقی کی منازل طے کیں کہ دیگر اقوام عالم انگشت بدنداں رہ گئیں۔ تعلیم کے ہر شعبے میں مسلمانوں کی خدمات نمایاں نظر آنے لگیں۔ اہل مغرب نے ان علوم سے استفادہ کیا اور چاند ستاروں تک کمندیں ڈال دیں۔ اس کے پیچھے مسلمان جوانمردوں کا ہاتھ ہے۔

خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم و مقصد صرف مذہبی تعلیم تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی اشاعت کی، مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا۔ عہد صدیقی میں آپؓ کے ہی اصرار سے کلام اللہ کی تدوین ہوئی۔ اپنے زمانہ میں تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے مکتب قائم کیے اوان کے لیے تنخواہ دار معلّم مقرر کیے۔ ان مکتبوں میں کتاب کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔

حفاظ صحابہؓ کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابو درداءؓ شام بھیجے گئے۔ انھوں نے حمص، فلسطین اور شام میں درس دیا۔

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لیے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کیے۔ ضروری سورتون یعنی بقرہ، نساء، مائدہ، نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں کیوں کہ ان میں احکام وفرائض مذکور ہیں۔ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہ مقرر کر دی جائیں۔ اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے، ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقتاً عمال سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔

ان تدابیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے شمار آدمی قرآن پڑھ گئے، ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تا کہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لیے جابجا بھیجوں تو سعد بن ابی وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو (۳۰۰) حفاظ موجود ہیں۔

اس طرح حضرت عمرؓ نے تعلیم کی طرف پوری توجہ فرمائی۔ تمام مفتوحہ ممالک میں ہر جگہ قرآن حکیم کا درس جاری کیا۔ فوجیوں کے فرائض مذہبی میں قرآن مجید کی تعلیم شامل تھی۔ حضرت عمرؓ ہر سال صوبوں کے حکام اور فوجی افسرون سے حفاظ قرآن کی فہرست طلب فرماتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے صوبہ بصرہ سے ایک سال دس ہزار حفاظ قرآن کی فہرست بھیجی تھی جس پر حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے۔

تعلیمی ترقی اس قدر تیزی سے ہوئی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق کے عہد میں اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے دوسرے ممالک میں اسلامی افواج بھیجی گئیں۔ جنھوں نے مختلف ممالک فتح کیے اور وہاں پر مسلمانوں نے تعلیمی و تدریسی عوامل لوگوں تک پہنچائے۔ تعلیمی حلقے قائم کیے۔ اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم ہر خاص و عام تک پہنچ گئی۔

اس عہد میں مساجد مختلف علوم کا مراکز تھیں اوران میں درس وتدریس کے لیے تعلیمی حلقوں کا اہتمام کیا جا تا تھا۔ مثلاً: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حلقہ جو وہ ہر جمعرات کو کعبہ میں منعقد کیا کرتے تھے اور وہاں تفسیر کا درس بھی ہوتا۔ حلقہ ربیعۃ الرائے کا درس، جو مدینہ کی مسجد میں منعقد ہوا کرتا تھا اور جہاں مالک اور حسن، مدینہ کے اعلیٰ طبقہ کے حضرات، فلسفہ آئین کا درس لیا کرتے تھے۔

حلقہ حسن البصری بصرہ میں دینیات کے لیے قائم ہوا تھا۔ حضرت حسن بصری کے حلقے دو فریق ہو گئے اور واصل بن عطاء نئے فریق کے سربراہ نے ایک حلقہ قائم کیا جہاں خصوصی طور پر متکلمانہ دینیات کو ترقی ہوئی۔

مسجد میں عربی علم اللسان کا درس بھی ہوتا تھا۔ ابوعمر الزاہد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مسجد منصور میں نحو کا درس دیا کرتے تھے۔

مساجد میں ادبی تحقیق کا کام بھی ہوا کرتا تھا۔ کوفہ کی مسجد میں کمیت بن زید اور حماد الراویہ عموماً ایک ادبی حلقہ منعقد کیا کرتے تھے۔ جہاں یہ دونوں شاعر ادبی مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔ سعید بن المسیب مدینہ کی مسجد میں عربی شاعری پر بحث کیا کرتے تھے۔

مسلم بن ولید اکثر مسجد بصرہ میں حلقہ قائم کر کے اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ مسجد میں طب کا درس بھی ہوا کرتا تھا۔

ابن تولون کی مسجد میں تفسیر، حدیث، فقہ، اور علم ہیئت پر تحقیقی کام ہوا کرتا تھا۔ عبداللطیف بغدادی سے روایت ہے کہ میں جامع ازہر میں صبح وشام درس دیا کرتا تھا اور دوپہر کو ایک عالم طب آتے جو درس دیا کرتے تھے۔

اسی طرح خلفائے راشدین کے دور میں تعلیمی ترقی نے اپنی راہیں کھول دیں اور علم کی روشنی اکناف عالم میں پھیل گئی۔



باب نمبر۳

حوالــــہ جات

۱۔ معین الدین، ندوی ''تاریخ اسلام'' ج/۱،ص/۲۰۴

۲۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۸۱

۳۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، "الاتقان فی علوم القرآن" ص/۱۲
المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۷۹

۴۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۷۹
ابن جوزی، ابی الفرج عبدالرحمٰن بن جوزی "سیرة العمرین" ان عمر بن الخطاب وعثمان بن العفان کان یرزقان المؤدبین والائمة والمعلمین

۵۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۳۱

۶۔ شاہ ولی اللہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ/۲ ، ص/٦

۷۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۸۱ اصل روایت طبقات ابن سعد کی ہے۔

۸۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۲٤

۹۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۲٤

۱۰۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۱۷

۱۱۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۲۸

۱۲۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۲۸

۱۳۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۱۷۔۲۸۸

۱۴۔ معین الدین ، ندوی ،شاہ "تاریخ الاسلام" ج/۱۔۲، ص/۲۰٤

۱۵۔ معین الدین ، ندوی ،شاہ "تاریخ الاسلام" ج/۱۔۲، ص/۲۰۵

۱۶۔ الذہبی،ابوعبداللہ شمس الدین محمد الذہبی "تذکرة الحفاظ" ج/۱، ص/٦

۱۷۔ ابوسف ، یعقوب بن ابراہیم، قاضی "کتاب الخراج" ص/٦۲

۱۸۔ شاہ ولی اللہ " ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ/۲ ، ص/٦

۱۹۔ شاہ ولی اللہ " ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ/۲ ، ص/٦

۲۰۔ شاہ ولی اللہ " ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ/۲ ، ص/٦

۲۱۔ شاہ ولی اللہ " ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ/۲ ، ص/٦

۲۲۔ الذہبی،ابوعبداللہ شمس الدین محمد الذہبی "تذکرة الحفاظ" ج/۱۔۲، ص/۳۰

۲۳۔ دارمی،ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن ،"المسند دارمی" ص/٤۵۔٤۸

۲۴۔ ابوسف ، یعقوب بن ابراھیم، قاضی "کتاب الخراج" ص/۶۷

۲۵۔ معین الدین، ندوی "تاریخ اسلام" ج/۱۔۲ ، ص/۲۰۶

۲۶۔ مالك بن انس ، الامام "اَلْمؤطّا" ص/۲۲۷

۲۷۔ مالك بن انس ، الامام "اَلْمؤطّا" ص/۱۱۹

۲۸۔ مالك بن انس ، الامام "اَلْمؤطّا" ص/۱۰۶

۲۹۔ شاہ ولی اللّٰہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" ص/۸۸

۳۰۔ ابویوسف ، یعقوب بن ابراھیم، قاضی "کتاب الخراج" ص/۶۷

۳۱۔ الذھبی،ابوعبداللّٰہ شمس الدین محمد الذھبی "تذکرۃ الحفاظ" ص/۱۲ ترجمہ معاذ بن جبلؓ عبارت یہ ہے: كَانَ اَحَدَ عَشَرَةَ الَّذِيْنَ بَعَثَهُمْ عُمَرَ اِلَى الْبَصَرَةِ يَفْقَهُوْنَ مِنَ النَّاسِ

۳۲۔ الذھبی،ابوعبداللّٰہ شمس الدین محمد الذھبی "تذکرۃ الحفاظ" ص/۱۲ ترجمہ معاذ بن جبلؓ

۳۳۔ شاہ ولی اللّٰہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ/۲، ص/۱۴۰

۳۴۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، طبری "تاریخ طبری" ،حصہ/۳، خلافت راشدہ نمبر۲ ،ص/۲۴۲

۳۵۔ مالك بن انس ، الامام "اَلْمؤطّا" ص/۲۲۸

۳۶۔ مالك بن انس ، الامام "اَلْمؤطّا" ص/۲۲۹

۳۷۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر، ابوالعباس الحسینی ،العبیدی، تقی الدین، المقریزی "تاریخ مقریزی" ص/۲۴۶

۳۸۔ ابن جوزی، ابی الفرج عبدالرحمٰن بن جوزی "کتاب الوفاء باحوال مصطفٰی" ص/۱۳۲۔۱۳۳

۳۹۔ ابن جوزی، ابی الفرج عبدالرحمٰن بن جوزی "کتاب الوفاء باحوال مصطفٰی" ص/۱۷۴

۴۰۔ الماوردی، ابوالحسن ، الماوردی "الاحکام السلطانیه" ص/۱۵۴

۴۰۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شھیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/۴۶

۴۱۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شھیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/۴۷

۴۲۔ شاہ ولی اللّٰہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ/۲، ص/۱۸۵

۴۳۔ شاہ ولی اللّٰہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ/۲، ص/۲۱۹

۴۴۔ السخاوی، ابی عبداللّٰہ محمد بن عبدالرحمٰن "فتح المغیث" بشرح الغیة الحدیث للعرافی ، تحقیق و تعلیق ، الشیخ علی حسین علی ، ص/۳۸۱

۴۴۔ الذھبی،ابوعبداللّٰہ شمس الدین محمد الذھبی "تذکرۃ الحفاظ" ذکر ابوموسٰی اشعری

۴۵۔ السخاوی، ابی عبداللّٰہ محمد بن عبدالرحمٰن "فتح المغیث" بشرح الغیة الحدیث للعرافی ، تحقیق و تعلیق ، الشیخ علی حسین علی ، ص/۳۸۱

۴۶۔ السخاوی، ابی عبداللّٰہ محمد بن عبدالرحمٰن "فتح المغیث" بشرح الغیة الحدیث للعرافی ، تحقیق

و تعليق ، الشيخ على حسين على ، ص/ ۳۸۱
۴۷۔ شاه ولى الله "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" ص/ ۷
۴۸۔ شاه ولى الله "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" ص/ ۸۱
۴۹۔ شاه ولى الله "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" ص/ ۸۳
۵۰۔ احمد بن حنبل، امام "المسند امام احمد" ج/ ، ص/
۵۱۔ مالك بن انس ، الامام "اَلْمُؤطَّا" ص/ ۳١٦
۵۲۔ شاه ولى الله "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصه / ۲، ص/ ۸٤
۵۳۔ شاه ولى الله "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصه / ۲، ص/ ۸٤
۵۴۔ شاه ولى الله "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصه / ۲، ص/ ۸۸
۵۵۔ الذهبى، ابوعبدالله شمس الدين محمد الذهبى "تذكرة الحفاظ" ص/ ۱۲ ترجمہ عمران بن حصینؓ اصل عبارت یہ ہے: كَانَ اَحَدَ عَشَرَةِ الَّذِيْنَ بَعَثَهُمْ عُمَرَ اِلَى الْبَصَرَةِ يُفَقِّهُوْنَ مِنَ النَّاسِ
۵۵۔ (۲) الذهبى، ابوعبدالله شمس الدين محمد الذهبى "تذكرة الحفاظ" ص/ ۱۲ ترجمہ امام ربانی حضرت ابوالدرداء ج/ ۱۔۲ ، ص/ ٤۳۔ ٤٤
۵۵۔ (۳) الذهبى، ابوعبدالله شمس الدين محمد الذهبى "تذكرة الحفاظ" ص/ ۱۲ ترجمہ حضرت معاذ بن جبلؓ ج/ ۱۔۲ ، ص/ ٤۰
۵۵۔ (۴) السخاوى، ابى عبدالله محمد بن عبدالرحمٰن "فتح المغيث" ص/ ۳۸۱
۵۵۔ (۵) الذهبى، ابوعبدالله شمس الدين محمد الذهبى "تذكرة الحفاظ" ذكر ابوموسٰى اشعرى، ص/ ٤۲
۵۵۔ (٦) السخاوى، ابى عبدالله محمد بن عبدالرحمٰن "فتح المغيث" ص/ ۳۸۱
۵٦۔ ابويوسف ، يعقوب بن ابراهيم، قاضى "كتاب الآثار" ص/ ۲۱۲
۵۷۔ شيبانى، ابوعبدالله محمد بن الحسن بن فرقد ، الامام "كتاب الآثار" ص/ ۱٤۵ تحت باب فضائل الصحابة و من اصحاب النبیؐ من كا يتذكر الفقة ۔
۵۸۔ الكتانى، عبدالحئ بن عبدالكبير بن محمد حسنى ادريسى فاسى ، الكتانى "نظام الحكومة النبوية" الترتيب الادارية والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمية ، ج/ ۱ ، ص/ ۳٦۰
۵۹۔ ''اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' حضرت عمر فاروق، ص/ ۱۰۹۹
٦۰۔ ابن جوزى، ابى الفرج عبدالرحمٰن بن جوزى "سيرة العمرين" ج/ ص/
بالغوں کو بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کی تعلیم کا انتظام بھی مسجدوں ہی میں تھا۔ مسجدوں میں تعلیمی حلقے قائم تھے جو کہ بالغوں کی تعلیم و تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ ان حلقوں کی تعداد چار ہزار نو سو کے لگ بھگ تھی اور ان کا انتظام نو سو مساجد میں تھا۔
٦۱۔ شبلی نعمانی، مولانا ''الفاروق'' ص/ ۲٦٦
٦۲۔ المتقى، على بن حسام الدين "كنز العمال فى سنن اقوال والافعال" ج/ ۱ ، ص/ ۲۱۷

۶۳۔ ''اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' ج/۲، ص/۱۸ ، کراسہ/۳

۶۴۔ شاہ ولی اللہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ /۲، ص/٦

۶۵۔ شاہ ولی اللہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ /۲، ص/٦

۶۶۔ حسن ابراہیم حسن، الدکتور ''تاریخ اسلام'' السیاسی، والدینی والثقافی والاجتماعی، ج/۱،ص/۲۱۴، ۲۱۵

۶۷۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر، ابوالعباس الحسینی العبیدی، تقی الدین، "تاریخ المقریزی" ج/۲ ص/۲۲٦

۶۸۔ ابویوسف، یعقوب بن ابراهیم، قاضی "کتاب الخراج" ص/٦٧

۶۹۔ معین الدین، ندوی ''تاریخ اسلام'' ج/۱۔۲، ص/۲۰٦

۷۰۔ (۱) الکتانی، عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی، الکتانی "نظام الحکومة النبویة" الترتیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة، ج/۱، ص/۳۷٥

۷۰۔ (۲) ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری" خلافت راشدہ، ج/۳، ص/٦٠۔٦٣

(۳) شبلی نعمانی، مولانا ''الفاروق'' ص/۲۲۹

۷۰۔ (٤) شاہ ولی اللہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ /۲، ص/۱۱۹

(٥) شبلی نعمانی، مولانا ''الفاروق'' ص/۲۲۸

۷۰۔ (٦) الذهبی، ابوعبدالله شمس الدین محمد الذهبی "تذکرة الحفاظ" ترجمه عبدالله بن مسعود، ج/۱۔۲ ص/۳٦

۷۰۔ (۷) البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر، البلاذری "فتوح البلدان" ص/٤٥٦

۷۰۔ (۸) المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۲، ص/۳۷۱

۷۰۔ (۹) ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری" ص/۲۷٤۷

ابن الاثیر عزالدین ابی الحسن، علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری "اسد الغابة، تذکرہ حذیفہ بن الیمان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

كَانَ عُمَرُ اِذَا اسْتَعْمَلَ عَامِلاً كَتَبَ عَهْدَه، قَدْ بَعَثْتُ فَلَانًا وَاَمَرْتُه، بِكَذَا فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدَائِنَ اِسْتَقْبَلَه، الدَّهَاقِيْنَ فَلَمَّا قرءُ عَهْدَه،

۷۰۔ (۱۰) ابویوسف، یعقوب بن ابراهیم، قاضی "کتاب الخراج" ص/٦٦

كَانَ عُمَرُ اِذَا اسْتَعْمَلَ رَجُلاً اَشْهَدَ عَلَيْهِ رِهْطًا مِنَ الْاَنْصَارِ

۷۰۔ (۱۱) البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر، البلاذری "فتوح البلدان" ص/۲۱۹ میں ہے:

الخطاب یکتب اموال عماله اذا ولاهم ثم یقاسمهم ما زاد علیٰ ذٰلك۔

۷۰۔ (۱۲) شاہ ولی اللہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" ج/٤، ص/۱۹۰۔۱۹۱

۷۰۔ (۱۳) شاہ ولی اللہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" ج/۲، ص/۷۱

۷۱۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/ ٥ ،ص/ ٤٩

۷۲۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی " ج/ ٢، ص/ ٢٢٦

۷۳۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی " ج/ ٢، ص/ ٢٢٦

۷۴۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری " واقعات جنگ فارس

۷۵۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی " ج/ ٢، ص/ ٢٨٩

۷۶۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ٢٦٥

۷۷۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ٢٦٥

۷۸۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ٢٨٠

۷۹۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ٣٧٤

۸۰۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی " ج/ ٢، ص/ ١٦٦

۸۱۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی " ج/ ١، ص/ ٢٢٦

۸۲۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی " ج/ ١، ص/ ٢٩٨

۸۳۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ١٥٠

۸۴۔ شبلی نعمانی، علامہ ""مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم""

۸۵۔ شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" حصہ / ٣ ، ص/ ٢٠

۸۶۔ شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" حصہ / ٣ ، ص/ ٢٠

۸۷۔ محمد طیب، قاری ""خطبات حکیم الاسلام"" ج/۱، ص/۲۳۴

۸۸۔ آل عمران :١٦٤

۸۹۔ محمد طیب، قاری ""خطبات حکیم الاسلام"" ج/۱، ص/۲۳۴۔۲۳۵

۹۰۔ الحاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیسابوری " المستدرک علی الصحیحین " ج/ ٣، ص/ ١٢٦

۹۱۔ خالد محمود، ڈاکٹر ""خلفائے راشدین"" باب مدینۃ العلم، ص/۶۴۵۔۶۵۶

۹۲۔ خالد محمود، ڈاکٹر ""خلفائے راشدین"" باب مدینۃ العلم، ص/۶۴۵۔۶۵۶

۹۳۔ حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر ""تاریخ الاسلام"" حصہ/۱، ص/۴۹۶

۹۴۔ حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر ""تاریخ الاسلام"" حصہ/۱، ص/۴۹۷

۹۵۔ الجمعة :۲

۹۶۔ الترمذی، محمد بن عیسٰی ترمذی، الامام "جامع الترمذی" ابواب فضائل القرأن ، ج ۲/، ص ۳۰۲/

۹۷۔ آل عمران :۱٦٤

۹۸۔ ''اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' تفسیر ص/۵۱۴۔۵۱۵

۹۹۔ حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر ''تاریخ الاسلام'' ص/۵۰۲۔۵۰۳

۱۰۰۔ حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر ''تاریخ الاسلام'' ص/۵۰۴

۱۰۱۔ شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" حصہ ۳/ ، ص/۲۲

۱۰۲۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/٦۰۔ ٦۱

۱۰۳۔ محمد عبدالحادی، ابوریدہ ، دکتور "تاریخ الفلسفۃ فی الاسلام" مترجم: ت۔ج، دی بور ص/۳۸۔۳۹

۱۰۴۔ حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر ''تاریخ الاسلام'' ج/۱ ، ص/۵۰۵

۱۰۵۔ ابن خلدون، عبدالرحمن بن خلدون ''تاریخ ابن خلدون'' رسول اور خلفائے رسول ﷺ ص/۳۵۳

۱۰۶۔ حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر ''تاریخ الاسلام'' السیاسی والدینی والثقافتی والاجتماعی، ج/۱ ، ص/۵۱۷۔۵۱۸

۱۰۷۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "خلافت راشدہ" ص/٦۰۔٦۱

۱۰۸۔ حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر ''تاریخ الاسلام'' ج/۱ ، ص/۵۱۷۔۵۱۸

۱۰۹۔ حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر ''تاریخ الاسلام'' ، ج/۱ ، ص/۵۱۹۔۵۲۰

۱۱۰۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/۲۳۱۔۲۳۲

۱۱۱۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی" ص/۹۲

۱۱۲۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/٤٤۹

۱۱۳۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/۲، ص/۳۷

۱۱۴۔ ابویوسف ، یعقوب بن ابراهیم، قاضی "کتاب الخراج" ص/۲٤

یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب "تاریخ یعقوبی" ص/۱۷۵

ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری" ص/۲٤۱۱

۱۱۴۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی" ص/۹۲

۱۱۴۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/۲٤۸

۱۱۵۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/٤۵۸

۱۱۶۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/٤۵۸

۱۱۷۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/۳۲

۱۱۸۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/٦ ، ص/۳۳۱

۱۱۹۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی " ص/۹۳

۱۲۰۔ ابن جریر طبری،ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری" واقعات ۱۴ھ ، ص/۲۲۲۶

۱۲۱۔ ابن جریر طبری،ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری" واقعات ۱۴ھ ، ص/۲۲۲۶

۱۲۲۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، ابن خلدون "تاریخ ابن خلدون" رسول اللہ اورخلفائے رسول ﷺ حصہ/۱ ، ص/۳۸۹

۱۲۳۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، ابن خلدون "تاریخ ابن خلدون" رسول اور خلفائے رسول ﷺ حصہ/۱ ، ص/۳۹۵۔۳۹۶

۱۲۳۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر "تاریخ الخلفاء" ص/۱۳۴

۱۲۳۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی " ج/۱، ص/۲۸۴

۱۲۴۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی " ج/۱، ص/۲۸۴

۱۲۵۔ ابن جریر طبری،ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری" ص/۲۳۸۸

۱۲۶۔ ابویوسف ، یعقوب بن ابراھیم، قاضی "کتاب الخراج " ص/۶۵

۱۲۷۔ ابن جریر طبری،ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری" ص/۱۵۳۶

۱۲۸۔ ابن جریر طبری،ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری" ص/۲۴۶۵

۱۲۹۔ شبلی نعمانی،علامہ ''الفاروق'' ج/۱،ص/۲۷۸

۱۳۰۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "تاریخ مقریزی " ج/۱، ص/۲۹۵۰

۱۳۱۔ الماوردی، ابوالحسن الماوردی "الاحکام السلطانیه " ص/۱۶۷

۱۳۲۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "کتاب النقود الاسلامیه " ص/۴۔۵

۱۳۳۔ الماوردی، ابوالحسن الماوردی "الاحکام السلطانیه " ص/۱۶۷

۱۳۴۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست " ص/۶۶۔۶۹۔۱۲۲

۱۳۵۔ الشهرستانی، ابی الفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر احمد الشهرستانی "الملل والنحل" ص/۴۴۲۔۴۴۳

۱۳۶۔ ابن هشام ، ابومحمد عبدالملک "تاریخ ابن هشام" ج/۱ ، ص/۲۱۸

۱۳۷۔ السُهیلی، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللّٰه" الروض الانف فی السیرة النبویة لابن هشام" ج/۲، ص/۳

۱۳۸۔ ابن هشام ، ابومحمد عبدالملك "تاريخ ابن هشام" ج/ ۲ ، ص/ ۱۱ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے
ابن جرير طبرى،ابوجعفر محمد بن جرير طبرى "تاريخ طبرى" ج/ ۱۔۳۔، ص/ ۱۲٤٥
البلاذرى، احمد بن يحيىٰ بن جابر شهير ، البلاذرى "فتوح البلدان" ص/ ۱۷

۱۳۹۔ احمد سمهودى،نور الدين على بن احمد سمهودى "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفىٰ" ج/ ۱۔۲
ص/ ۱٥۷

۱۴۰۔ المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسينى العبيدى ، تقى الدين المقريزى
"المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والاثار المعروف بخطط المقريزى" ج/ ۲، ص/ ۲۱٦، سيوطى
جلال الدين عبدالرحمٰن بن ابى بكر ، السيوطى، "حسن المحاظره" ج/ ۲، ص/ ۱٤۹

۱۴۱۔ يعقوبى احمد بن ابى يعقوب "تاريخ يعقوبى" ص/ ۲٥۰

۱۴۲۔ محمود عنحش "تاريخ الجامع الطولونى" ص/ ۲٤

۱۴۳۔ المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسينى العبيدى ، تقى الدين المقريزى
"الخطط المقريزى" ج/ ۲، ص/ ۲٤٦۔۲٥٦

۱۴۴۔ المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسينى العبيدى ، تقى الدين المقريزى
"الخطط المقريزى" ج/ ۲، ص/ ۲٥۳

۱۴۵۔ المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسينى العبيدى ، تقى الدين المقريزى
"الخطط المقريزى" ج/ ۲، ص/ ۲۱٦

۱۴۶۔ المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسينى العبيدى ، تقى الدين المقريزى
"الخطط المقريزى" ج/ ۲، ص/ ۲۱٦

۱۴۷۔ ياقوت ، بن عبدالله الحموى "ارشاد" ج/ ٦، ص/ ٤۳۲

۱۴۸۔ البخارى، محمد بن اسماعيل بخارى " الصحيح البخارى " كتاب العلم، باب تحريص البنیؐ ج/ ۱
ص/ ۲۹

۱۴۸۔ الحاكم ، ابوعبدالله ، نيسابورى "المستدرك على الصحيحين" ج/ ۳، ص/ ٥۳۷،

۱۴۸۔ السيوطى، جلال الدين عبدالرحمٰن بن ابى بكر ، السيوطى "اتقان فى علوم القرآن" ج/ ۲،
ص/ ۲۲٤ ۔ ۲۲٥

۱۴۹۔ ابن خلكان، ابى عباس شمس الدين احمد بن محمد بن ابى بكر ، ابن خلكان "وفيات الاعيان
وانباء ابناء الزمان" ج/ ۱، ص/ ۲٥۷ ۔ ۲٥۸

۱۵۰۔ ابن خلكان، ابى عباس شمس الدين احمد بن محمد بن ابى بكر ، ابن خلكان "وفيات الاعيان
وانباء ابناء الزمان" ج/ ۲، ص/ ۲٥۲

۱۵۱۔ ابن خلكان، ابى عباس شمس الدين احمد بن محمد بن ابى بكر ، ابن خلكان "وفيات الاعيان
وانباء ابناء الزمان" ج/ ۲، ص/ ۲٥۲

۱۵۲- ابن النديم " الفهرست" ص/ ۱۱۳
۱۵۳- المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر ، ابو العباس الحسينى العبيدى ، تقى الدين المقريزى "الخطط المقريزى" ج/ ۲، ص/ ۲۵٤
۱۵٤- اصفهانى، حسين بن محمد الراغب ، اصفهانى "كتاب الآغانى " ج/ ٥، ص/ ۱۱۳-۱۱٤
۱۵۵- ابن جرير طبرى، ابوجعفر محمد بن جرير طبرى "تاريخ طبرى" ج/ ۲، ص/ ۱۲٦٦
۱۵٦- المرزبانى " الموشه " ص/ ۲۸۹ - ۲۹۰
۱۵۷- اصيبيعه ، ابن ابى اصيبيعه "عيون الانباء فى طبقات الاطباء " ج/ ۲ ،ص/ ۲۰۷
۱۵۷- (الف) ياقوت بن عبدالله الحموى البغدادى "معجم البلدان " ج/ ۲، ص/ ۲۳۲
۱۵۷- (ب) ياقوت بن عبدالله الحموى البغدادى "معجم البلدان " ج/ ۲، ص/ ۲۳٥
۱۵۷- (ج) الخطيب البغدادى ، ابوبكر احمد بن على "تاريخ بغداد " ج/ ۱ ، ص/ ۱۰۸
۱۵۷- (د) ياقوت بن عبدالله الحموى البغدادى "معجم الادباء " ج/ ۱، ص/ ۲٤٦
۱۵۷- (س) ياقوت بن عبدالله الحموى البغدادى "معجم الادباء " ج/ ٤، ص/ ۲۷۳
۱۵۷- (ص) اصفهانى، حسين بن محمد الراغب ، اصفهانى "كتاب الآغانى" ج/ ۳، ص/ ۱٤۸
۱۵۷- (ط) ابن النديم "الفهرست " ص/ ۱۱۳
۱۵۸- ابن الفقيه "البلدان " ص/ ۱۰٦
۱۵۹- ابن الفقيه "البلدان " ص/ ۱۰۷ - ۱۰۸
۱۵۹- (الف) ياقوت بن عبدالله الحموى البغدادى "معجم البلدان " ج/ ٤، ص/ ۷٦
۱٦۰- ابن الحبير "الرحلة " ص/ ۲۷۲
۱٦۱- ابن الحبير "الرحلة " ص/ ۲۷۱
۱٦۲- ابن الحبير "الرحلة " ص/ ۲٦٦
۱٦۳- ياقوت بن عبدالله الحموى البغدادى "معجم البلدان " ج/ ۱، ص/ ۲۰۰



بنو امیہ کے تعلیمی ادارے اور ان کے مقاصد

باب چہارم

فصل اول: (۱) عہد بنو امیہ کا سیاسی نظام اور اس کے تعلیمی منہاج پر اثرات

(۲) عہد بنو امیہ کا تعلیمی نصاب اور اس کے تعلیمی منہاج پر اثرات

(۳) مقاصد تعلیم اور عصری تقاضے

(۴) عربی زبان کا دفتری بنانا

(۵) دیگر علوم کا سیکھنا (تراجم وغیرہ)

(۶) یونانی علوم کی اشاعت

فصل دوم: (۱) شاعری (۲) کتابت وانشاء (۳) تفسیر وقرات (۴) حدیث (۵) فقہ

(۶) انساب (۷) لغت (۸) نحو (۹) تاریخ ومغازی (۱۰) کیمیا (۱۱) فلسفہ وطب

(۱۲) عربی زبان کی ترویج (۱۳) عربی رسم الخط کی اصلاح (۱۴) تعلیم نسواں

فصل سوم: (۷) تعلیمی اداروں کا انتظام وانصرام از سر نو توسیع

فصل چہارم: (۸) نئے مدارس ومسجدوں کی تعمیر

فصل پنجم: (۹) مشہور حلقہ ہائے درس

(۱) مکاتب

(۲) محلات

(۳) بادیہ

(۴) مساجد

(الف) جامع عمر

(ب) مسجد قیروان

(ج) مسجد واسط

(د) مسجد زیتونیہ

(۵) مشہور حلقہ ہائے درس

(الف) حلقہ عبداللہ بن عباسؓ

(ب) حلقہ ربیعۃ الرائے

(ج) حلقہ امام شعبی

(د) حلقہ سعید بن المسیب

(ھ) حلقہ الحسن البصری

(۱۰) بنوامیہ کے تعلیمی اداروں کا نصاب

(۱۱) بنوامیہ کے تعلیمی اداروں میں اساتذہ وشاگرد کے باہمی روابط اور معاشرے پران کے اثرات

(۱۲) بنوامیہ کے تعلیمی اداروں میں اساتذہ کا مقام ومرتبہ اور معاشرے پران کے اثرات

(۱۳) خلاصہ بحث

حوالہ جات کتب

عہد بنو امیہ کا سیاسی نظام اور اس کے تعلیمی منہاج پر اثرات

اسلامی حکومت کی باگ دوڑ جب امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں آئی تو نظام شوریٰ کی جگہ آمریت نے لے لی اور خلافت ملوکیت میں بدل گئی۔

فلپ۔ کے۔ ہٹی رقمطراز ہیں:

"حضرت علیؓ کے بعد شام کے گورنر معاویہ نے خلافت حاصل کی جو ایک ہوشیار سیاستدان تھا۔ اس سے حاکمیت کے اصول نے ایک نئی کروٹ لی۔ خلافت ایک خاندانی حکومت بن گئی۔"[1]

حسن ابراہیم، ڈکتورر قمطراز ہیں:

"بنو امیہ کے سیاسی وفاداروں نے ایسی احادیث کی روایت کو عام کیا۔ جن میں اطاعت امیر پر زور دیا گیا تھا۔ امیر کی ذاتی شخصیت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ پھر جب امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کیا تو سیاست میں وراثت در آئی اور ایسا نظام وجود میں آیا جس کا خلافت راشدہ سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا اور یہ نظام اموی حکومت کا نظام سیاست بن گیا۔

امیر معاویہ کے شام کے گورنری کے زمانے سے ہی انکے ذہن میں بازنطینی اور قیصروی نظام حکومت کے اثرات اور محرکات پیدا ہو گئے تھے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے عمال کو مائل کیا کہ وہ یزید کی بیعت کیلئے عوام میں رائے عامہ ہموار کریں۔"[2]

"امیر معاویہؓ نے جب دیکھا کہ لوگ آسانی کے ساتھ بیعت کرنے والے نہیں تو انہیں دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے کوئی مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا۔"[3]

امیر معاویہؓ کے نظام سیاست سے علماء اور دین دار طبقہ کا ردعمل

امیر معاویہؓ کے اس نظام سیاست سے علماء اور دین دار طبقہ نے اتفاق نہ کیا اگرچہ دینی مصلحت کے تحت انہوں نے امیر معاویہؓ کے خلاف کوئی باقاعدہ سیاسی تحریک نہ چلائی۔ لیکن اس کی حمایت میں بھی کسی قسم کا تعاون روا نہ رکھا۔[4] جس کے نتیجے میں علماء سیاست سے عملاً کنارہ کش ہو گئے۔

علماء نے خدمت دین اور علوم دینیہ کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور مختلف جگہوں پر اپنے اپنے حلقہ ہائے درس قائم کئے۔ علم اور دین کی خدمت کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ حضرت حسن بصریؒ کا حلقہ درس جو موجودہ اصطلاح میں ایک خانقاہ تھی اس بات کا واضح ثبوت ہے۔[5]

مملکت اسلامیہ میں علماء و دین دار مجتہدین نے اپنے اپنے حلقہ ہائے درس کا انعقاد کیا۔

حلقہ عبداللہ بن عباسؓ

"انہیں دور اول کے مسلمانوں میں اگر سب سے بڑا عالم نہیں تو علمائے عظام میں سے ایک ضرور سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر میں مہارت و بصیرت کی وجہ سے انہیں امام المفسرین کہا گیا ہے۔ انہوں نے ایسے وقت میں قرآن مجید کی تفسیر کا کام اپنے ہاتھ میں لیا جب کہ مسلمانوں میں گہری تبدیلیاں رونما ہو جانے کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ معاشرے کے لئے نئے تقاضوں کے پیش نظر قرآن مجید کے مطالب و معانی کی تشریح کی جائے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

انہوں نے اس کام کو بڑی قابلیت اور مہارت کے ساتھ انجام دیا۔'' [6]

عوام الناس میں علم پھیلانے کیلئے باقاعدہ درس کا انعقاد

'' آپ نے تعلیم کے لئے باقاعدہ جماعتیں بنادیں اور تقریباً معین نظام الاوقات کے مطابق ہفتے کے مختلف دنوں میں مختلف موضوعات مثلاً تفسیر قرآن، فقہی مسائل، غزوات نبی ﷺ، تاریخ ازمنہ قبل از اسلام اور قدیم شاعری کا باقاعدہ درس دینے لگے۔ قرآن مجید کے الفاظ ومحاورات کی تشریح کرتے وقت ان کی عادت تھی کہ وہ اپنے بیان کی تائید میں قدیم عرب شعراء کے اشعار پیش کیا کرتے تھے۔ ان کے اس طریق کار کی وجہ سے مسلمان علمائے دین کے ہاں قدیم عرب شاعری کی اہمیت تسلیم کی گئی چونکہ انہیں ایک مستند عالم دین سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا لوگ ان سے فتویٰ لیا کرتے تھے۔'' [7]

ان کے راویات حدیث اور شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے چند اسماء گرامی یہ ہیں:

'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت سورؓ بن مخزمہ، حضرت ابوالطفیلؓ حضرت کثیر بن عباسؓ (بھائی)، محمد بن عبداللہ (بیٹے)، علی بن عبداللہ (بیٹے)، محمد بن علی (پوتے) عبداللہ بن عبیداللہ (بھتیجے)، حضرت سعید بن میسبؒ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ حضرت قاسم بن محمد، حضرت عطاءؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عکرمہؒ حضرت طاؤس، حضرت سلیمان بن یسارؒ حضرت عامر الشعبیؒ حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہؒ حضرت عمرو بن میمونؒ حضرت نافعہ بن جبیرؒ حضرت محمد بن سرین، حضرت یزید بن ام، حضرت مجاہد، حضرت ابوالعالیہؒ حضرت عمرو بن دینار، حضرت عمار بن ابی عمارؒ حضرت یحییٰ بن تعمیر، حضرت عبداللہ بن شداد، حضرت کریب، حضرت ابورجاء عطاردیؒ۔ [8]

اہل مدینہ کا فقہی

ربیعۃ الرائے وہ امام، حافظ، فقیہہ، مجتہد اور رائے کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اسی بناء پر انکو ربیعۃ الرائے کہا جاتا تھا۔

انکی علمی قدر ومنزلت وائمہ کرام کی ان کے بارے آراء

یحییٰ بن سعد کا قول ہے کہ:

'' میں نے ربیعۃ الرای سے زیادہ کسی کو ذہین نہیں دیکھا۔''

قاضی سوار بن عبداللہ فرماتے ہیں :

'' میں نے ربیعۃ الرای سے زیادہ رائے کا عالم نہیں دیکھا۔'' [9]

ربیعۃ الرائے حافظ، فقیہہ اور مجتہد تھے اور اپنی رائے میں بڑی بصیرت رکھتے تھے۔ اہل حدیث کے نزدیک ایک عمدہ رائے والے اور صاحب قیاس ہیں۔ [10]

وہ صاحب فتویٰ تھے اہل مدینہ کے نزدیک اور امام مالک نے ان سے اخذ واستفادہ کیا۔'' [11]

ابن ماجشون کے نزدیک:

'' میں نے ربیعۃ الرای سے زیادہ زبان پر عبور رکھنے والا نہیں دیکھا۔'' [12]

اس طرح ان علمی درسگاہوں میں دینی علوم پھیلتے رہے اور عوام الناس اس سے فیض یاب ہوتے رہے۔

حلقہ درس حضرت عامر بن شراحیل الشعبیؒ حدیث کے جلیل القدر امام وامام العصر ہونے کا شرف پایا۔

الشعبی الکوفی تابعین کے بلند پایہ عالم بلکہ امام العلماء حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ طلبِ علم میں بہت شہروں کا سفر کیا۔ جب ہوش سنبھالا تو اس وقت صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی جماعت موجود تھی۔ پھر ان کی بود وباش بھی ایک ایسے مقام پر تھی جو مرکزی حیثیت رکھتا تھا جہاں بہت سے صحابہؓ اقامت پذیر تھے۔ اس لئے انہیں پانچ سو صحابہؓ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ۴۸ صحابہؓ سے فیض حاصل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں آٹھ دس مہینے قیام کر کے علوم نبوت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ یہ وجہ ہے کہ وہ امام العصر کہلائے۔ علم حدیث میں ممتاز نمایاں ہوئے۔ ۱۳؎

زید بن خطاب کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز عراق کے گورنر ہوئے تو آپ نے شعبی کو کوفہ کا قاضی بنادیا۔ آپ باب الفیل کے نزدیک ایک گوشے میں مقدمات فیصل کیا کرتے تھے۔ ۱۴؎

ان کے علمی حلقہ درس سے عوام الناس فیض یاب ہوئے۔

علمی حلقہ درس سعید بن مسیب

سعید بن مسیب افضل التابعین تھے۔ وسعت علم، کثرت عبادت اور اظہار حق میں زبردست جرات کے مالک تھے۔ بعض لوگوں کی بیعت سے انکار پر آپ کو کوڑے مارے گئے لیکن آپ نے ان کی بیعت نہ کی۔ ۱۵؎

جن لوگوں نے آپؓ سے روایت کی ہے ان میں سے مشہور یہ ہیں:

محمد بن مسلم الزہری، عمر بن دینار، عطا بن ابی رباحؒ، محمد الباقر، قتادہ بن دعامہ السدوسی، بکیر بن الاشج، یحییٰ بن سعید الانصاریؒ وغیرھم۔ ۱۶؎

سلف الصالحین کا آخری نمونہ

دنیا سے لاتعلقی تقویٰ ورع کی کیفیت ولید بن عبدالمالک نے آپ کو سلف الصالحین کا آخری نمونہ قرار دیا۔ ۱۷؎

فقہیہ الفقہاء اور ان کے درس سے عوام الناس کا فیض پانا

''حضرت سعید بن مسیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے قضایا کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ آپؓ فتویٰ دیتے تھے۔ حالانکہ بعض صحابہؓ زندہ تھے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ ان کا بڑا احترام کیا کرتے تھے اور انہیں بلند مقام دیتے تھے۔ علماء کا ان کی امامت اور ان کے بلند مرتبہ پر اتفاق ہے۔ مدینہ طیبہ میں فقہ وفتویٰ کے میدان میں سرخیل تصور کئے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ لوگ انہیں فقہیہ الفقہا کے نام سے پکارتے تھے۔

ان کے علمی درس وتدریس نے عوام کی طلب کیلئے ایک تحریک پیدا کی اور یوں علم اور روشنی کے یہ مینار اس دور کیلئے تابناک روشنی کے منبع ثابت ہوئے۔

علمی حلقہ درس ابو سعید بن ابی الحسن یسار بصری

بصرہ کے مشہور واعظ صوفی جو تابعین کے طبقے سے تھے۔ حسن بصری بڑے فصیح وبلیغ عابد وزاہد اور یکتائے روزگار

خطیب تھے۔

ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں:

"آپ بڑے فصیح و بلیغ، عابد و زاہد اور یکتائے روزگار خطیب تھے۔ سامعین ان کے واعظ سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت علی وابن عمر وانس اور کثیر صحابہ و تابعین رضی اللہ اجمعین سے حدیثیں روایت کیں۔

زہد و تقویٰ اور جادو بیان مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ قرآن و حدیث کے جید فاضل اور احکامِ حلال و حرام میں اعلیٰ پایہ کی بصیرت رکھتے تھے۔

حسن بصری کے حلقہ درس و علمیت سے متعلق علمائے سلف کے چند اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

"دینی مسائل حسن بصری سے پوچھا کیجئے، انہیں وہ مسائل یاد ہیں اور ہم بھول گئے۔"

۲۔ سلیمان التیمی فرماتے ہیں:

"حسن بصری اہل بصرہ کے استاذ ہیں۔"

۳۔ قتادہ کا قول ہے:

"میں جس فقیہہ کی صحبت میں بیٹھا حسن بصری کو اس سے بڑھ کر پایا۔"

۴۔ بکر المزنی فرماتے ہیں:

"جو شخص دورِ حاضر کے منفرد عالم کو دیکھنا چاہے وہ حسن بصری کو دیکھ لے ہم نے ان سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا"

۵۔ جناب ابو جعفر الباقر کے یہاں جب حسن بصری کا ذکر آتا تو فرماتے:

"ان کا کلام انبیاء کے کلام سے ملتا جلتا ہے۔"

۶۔ ابن سعد کہتے ہیں:

"حسن بصری عالم بلند پایہ فقیہہ نہایت ثقہ، بڑے عابد و زاہد حد درجہ فصیح و بلیغ اور حسین و جمیل تھے۔"[۱۸]

ان مذکورہ بالا حلقہ ہائے درس نے عوام و خواص میں علمی تحریک پیدا کی۔ مملکت اسلامیہ کے گرد و پیش میں وسیع علمی درس گاہیں قائم ہوئیں۔

عرب سے باہر اسلامی و دینی علوم کا پھیلنا

"حسن ابراہیم حسن، ڈکتور رقمطراز ہیں:

"صحابہ کرامؓ میں سے تمام علماء صحابہ اسلامی ممالک میں پھیل گئے اور ان ممالک میں علمی تحریک قائم کی۔ وہاں پر طالب علموں نے ان کی طرف رجوع کیا۔ ان سے علم حاصل کیا اور لوگوں کے درمیان تقسیم کیا اور وہ سب عرب ہی نہیں تھے ان میں موالی بھی تھے۔

اسلام کے شروع میں مسلمانوں کی پوری توجہ صرف دینی علوم پر مخصوص تھی اور وہ علوم قرآن، تفسیر، حدیث اور اس کی روایت اور فقہی احکام استنباط کرنے اور شرعی فتوے دینے پر مشتمل تھے۔ جو کہ آپس میں مربوط تھے اور جن میں

نئی نئی باتیں شامل ہوتی رہتی تھیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دین سے متصل علوم عہد بنو امیہ میں پھیلے اور عہد عباسی میں علوم عقلیہ 'یعنی طب 'فلسفہ اور ریاضیات وغیرہ پر بھرپور توجہ دی گئی۔"١٩-

علماء نے مملکت اسلامیہ کی پھیلتی ہوئی سرحدوں اور عجمیوں میں دین کی اشاعت کا بروقت ادراک کرتے ہوئے عربی زبان 'تدوین حدیث اور تفسیر قرآن کی ترویج کیلئے اس کے متعلقہ علوم کی تدریس کا باقاعدہ اہتمام کیا۔

اس طرح علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ کی تعلیم اور توسیع کیلئے مختلف علاقوں میں ادارے سرگرم عمل ہوگئے۔

اسمیں زیادہ تر زور قرآن مجید اور احادیث نبویہؐ سے دینی مسائل کا استنباط و استخراج کیا گیا۔

بنوامیہ کے ابتدائی دور میں تابعین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ جنہوں نے صحابہ کرامؓ کا تعامل بہ چشم خود ملاحظہ کیا تھا۔ تو اس طرح آثارِ صحابہؓ کا گراں قدر ذخیرہ بھی مدون ہو گیا۔٢٠-

عربی زبان سیکھنے پر توجہ نیز لغت اور ان کی ترویج

اسلامی فتوحات کے سبب اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہوا اور عجمیوں کیلئے زبان کا مسئلہ درپیش ہوا۔ لہٰذا زیادہ توجہ عربی زبان سیکھنے پر رہی۔

قرآن مجید جو مسلمانوں کا دستور حیات تھا اس کی فہم کیلئے عربی سیکھنے کے لئے تحریک شروع ہوئی۔ عربی زبان کے متعلقات 'صرف 'نحو 'منطق 'فلسفہ 'تفسیر وغیرہ پر توجہ دی گئی۔ کوفہ اور بصرہ دو علمی گہوارے تھے۔

علم نحو

"علم نحو بصرہ اور کوفہ میں پروان چڑھا جو کہ عربوں کے اہم ثقافتی مراکز ہیں۔ پہلی صدی ہجری میں انہی شہروں میں عقائد و فقہ کے علوم مروج ہوئے اور نحویوں اور لغویوں کا مدرسہ قائم ہوا اور ان دونوں شہروں میں مختلف لہجے رکھنے والے عربی قبیلوں سے منسوب ایک معاشرہ قائم ہوتا رہا اور بہت سے موجد اور موالی پیدا ہوتے رہے جو کہ فارسی زبان بولتے تھے اور اس طرح سے صحیح عربی عبارات کچھ فساد کا شکار ہوئیں (یعنی ان میں کچھ بگاڑ پیدا ہوا) اور عربی زبان کو صحیح کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ یہاں تک کہ قرآن پاک میں بھی تحریف ہونے لگی۔

ابو الاسود الدائلی پہلا شخص تھا جس نے اموی دور میں علم نحو پر کام کیا اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اس علم کے اصول علی بن ابی طالب سے حاصل کئے۔"٢١-

ابو اسود الدائلی پہلا شخص تھا جس نے بصرہ کے مدرسہ کی بنیاد رکھی جو کہ کوفہ کے مدرسہ سے زیادہ قدیم اور مشہور ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس مدرسہ نے کوفہ کے مدرسہ کے مقابلے میں منطق میں زیادہ اثر چھوڑا ہے۔ یہاں تک کہ اہل منطق یا اہل قیاس نے اس کو "نحاۃ بصرہ" یعنی (مرکز) کا نام دیا ہے اور اس کو کوفہ کے "نحاۃ" سے ممتاز کیا ہے۔

اور کوفیوں کے نزدیک نحوی اصطلاحات زیادہ واضح ہیں اور اہل بصرہ کا منطق میں سبقت لے جانا محض اتفاق نہیں تھا۔ کیونکہ فلسفی مذاہب کا اثر سب سے پہلے بصرہ میں ہی ظاہر ہوا اور اس وقت بصرہ میں بہت سے شیعہ اور معتزلی تھے جنہوں نے غیر ملکی حکمت کے راستے کھولے تاکہ وہ ان کی زبان کے طریقوں پر اثر انداز ہوں اور بصرہ کے نامور علماء میں ابو عمرو بن العلاء (م ١٥٣ھ) ہیں جنہوں نے تفسیر پر کام کیا اور خلیل بن احمد نے "علم العروض" وضع کیا جو کہ "کتاب

العین" کے مصنف ہیں جو کہ عربی زبان میں پہلی معجم تصور کی جاتی ہے۔" ۲۲۔

اس طرح عہد بنو امیہ کے سیاسی نظام نے اس دور کے تعلیمی منہاج پر گہرے اور دیرپا نقش چھوڑے۔

عہد بنو امیہ کا تعلیمی نصاب اور اس کے تعلیمی منہاج پر اثرات

بنو امیہ کے تعلیمی نصاب میں جو علوم سر فہرست رہے:

(۱) قرآن، علم تفسیر (۲) حدیث اور شریعت (۳) نحو اور لغت (۴) تاریخ کی تدوین (۵) خطابت (۶) خط و کتابت (۷) شعر گوئی (۸) تعلیم و تربیت (۹) علم کیمیا (۱۰) فکری دبستان۔ ۲۳۔

ا۔ قرآن

علوم قرآن کی اہمیت پر ایک نظر

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کیلئے نازل کیا ہے۔ وہ ایک مکمل ضابطہ حیات اور جامع قانون ہدایت ہے۔ قرآن مجید اصول و کلیات کا جامع ہے اس کی جزئیات کی تفصیل و تعین کا کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کیا گیا۔

ابو اسحاق الشاطبی اپنی کتاب "الموافقات" میں لکھتے ہیں:

"قرآن کریم اختصار کے باوجود جامع ہے اور وہ جامع اسی اعتبار سے ہے کہ اس میں دین کے اصول و کلیات جمع ہو گئے ہیں۔ جب نزول قرآن کی تکمیل ہوئی تو شریعت مکمل ہو گئی۔ ۲۴۔

قرآن فہمی کیلئے نقطے و اعراب کی ضرورت پر توجہ دی گئی

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور سینکڑوں عجمی اقوام مشرف باسلام ہوئیں تو ان کو فہم قرآن کے سلسلے میں اور بھی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عربی ان کی مادری زبان نہ تھی۔ نیز اس وقت تک قرآن مجید پر نقطے اور اعراب بھی نہیں لگائے گئے تھے کیونکہ عربوں کو اس کی ضرورت نہ تھی اس لئے تو مسلم اہل عجم کو تلاوت قرآن میں غلطی سے بچانے کیلئے قرآن مجید پر اعراب لگانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس ضمن میں یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو الاسود الدولی (م ۶۹ ھ) کو حکم دیا کہ نحو کے قواعد مرتب کریں تاکہ عربی زبان کا تحفظ کیا جا سکے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ علم اعراب القرآن کی بنیاد حضرت علیؓ کے ہاتھوں رکھی گئی۔ ۲۵۔

دور بنو امیہ میں جن علماء نے تفسیر قرآن پر مشتمل کتابیں تحریر کیں۔

دور بنو امیہ میں علماء کرام کے حلقہ ہائے درس میں ہزاروں شاگرد پیدا ہوئے۔ جنہوں نے تفسیر قرآن پر مشتمل کتابیں لکھیں اور یہی اس زمانے میں طلباء کا تعلیمی نصاب رہا۔

"حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے حلقہ درس نے نہایت وسعت حاصل کی۔ انکے ہزاروں شاگرد پیدا ہو گئے۔ جن میں مجاہدؒ، عطا بن رباحؒ، عکرمہؒ اور سعید ابن مسیب، سعید بن جبیرؒ خاص امتیاز رکھتے تھے۔ چنانچہ سعید بن جبیر نے سب سے پہلے عبد الملک بن مروان کی فرمائش پر تفسیر قرآن پر مشتمل کتاب لکھی۔ عطا بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے وہ در حقیقت یہی تفسیر ہے۔" ۲۶۔

۲۔ تفسیر

بنو امیہ کے تعلیمی نصاب میں علم تفسیر کو بنیادی حیثیت حاصل تھی اور اس زمانے میں تفسیر نویسی پر بلند پایہ خدمات انجام دی گئیں۔

"سعید بن جبیر کے بعد کبار تابعین میں سے حضرت ابن عباس کے تلمیذ خاص ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی بصری (م ۹۳ھ) نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ بقول بعض تفسیر نویسی میں ان کا درجہ سعید بن جبیر سے بھی بلند تر ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبی (م ۹۳ھ) لکھتے ہیں:

"ابو بکر بن ابی داؤد کا قول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ابو العالیہ اور پھر سعیدؒ بن جبیر سے بڑھ کر قرآن مجید کا کوئی عالم نہیں۔" ۲۷۔

بنو امیہ کے زمانے میں علم تفسیر میں بہت ترقی ہوئی۔ جن علماء نے تفسیریں لکھیں:

محمد بن کعب قرظی (م ۱۰۸ھ) اور عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ) نے بھی قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں یہ بڑے بلند پایہ تابعین میں سے تھے۔ تابعین سے یہ فیض اتباع تابعین نے حاصل کیا' چنانچہ انہوں نے متقدمین کے تفسیری اقوال جمع کر کے کتب تفسیر تصنیف کیں۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل اصحاب کے اسماء خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ سفیانؒ بن عینیہ' وکیع بن الجراح' شعبہؒ بن حجاج' یزید بن ہارون' عبد بن حمید۔ ۲۸۔

۳۔ علم قرأت بھی تعلیمی نصاب میں شامل رہا

اس زمانے میں طلباء علم قرأت میں مہارت تامہ حاصل کرنے کیلئے مختلف علاقوں کے مشہور قرأء سبعۃ سے فیض یاب ہوئے۔

۱۔ مکے میں عبداللہ بن کثیر الدارمی (م ۱۲۰ھ) کی قرأت مشہور تھی۔

۲۔ مدینہ منورہ میں نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم (م ۱۶۹ھ) کی قرأت رائج تھی۔
انہوں نے براہ راست حضرت ابیؓ بن کعب' عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرۃ سے کسب فیض کیا تھا۔

۳۔ ملک شام میں عبداللہ یعصبی المعروف ابن عامر (م ۱۱۸ھ) کا طریقہ رائج تھا۔ انہوں نے قرأت کا فن مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی سے سیکھا۔

۴۔ بصرے میں ابو عمرو بن العلاء البصری (م ۱۰۴ھ) کی قرأت کا شہرہ تھا۔ انہوں نے اہل حجاز اور اہل عراق کے جلیل القدر تابعین کی ایک جماعت سے علمی فیض حاصل کیا۔ انکی قرأت نے بلاد و امصار میں بڑی شہرت حاصل کی۔ ۲۹۔

۵۔ پانچویں مشہور قاری یعقوب بن اسحٰق حضرمی (یہ بصرے کے مشہور قاری تھے)۔ ۳۰۔

۶۔ حمزہ بن حبیب زیات مولیٰ عکرمہ بن ربیع التیمی (م ۱۸۸ھ) چھٹے مشہور قاری ہیں۔

۷۔ ساتویں قاری ابو بکر عاصم بن ابی النجود الکوفی (۱۲۷ھ) ہیں انہوں نے ابو عبدالرحمٰن السلمی اور زر بن حبش سے علم قرأت حاصل کیا یہ دونوں حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ میں سے تھے۔ ۳۱۔

اس طرح بنو امیہ کے تعلیمی نصاب میں طلباء فن قرأت پر عبور حاصل کرنے کیلئے مندرجہ بالا بیان کی گئی۔ سبعہ

قرآت کے علم سے مستفید ہوتے۔ جو ان کے تعلیمی نصاب کا ضروری حصہ تھیں۔ عہد بنو امیہ کے تعلیمی نصاب کیلئے علم القرآت پر تصانیف جو مدون ہوئیں۔

''اس موضوع پر سب سے پہلے ابو عمرو بن العلاء البصری (م ۱۰۴) نے کتاب تصنیف کی۔ ان کے معاصر ابان بن تغلب اور مقاتل بن سلیمان نے بھی کتاب القرآت لکھی تھی۔ ۳۲۔

۴۔ حدیث اور شریعت

بنو امیہ کے تعلیمی نصاب میں حدیث اور شریعت کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ دینی مدارس میں طلباء اس سے مستفید ہوتے۔

''قرآن مجید کے مطالعے اور اس کی تفسیر کے سلسلے میں دو جڑواں علم پیدا ہوئے۔ ایک فقہ اللسنہ اور دوسرا علم المفردات۔ اس طرح مسلمانوں کی ادبی سرگرمیوں سے علم حدیث پیدا ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صحابہؓ کے ارشادات کی ترتیب قرآن و حدیث دینیات کیلئے بنیاد و اساس تھے اور فقہ قانونِ شریعت کے چست اور پٹ کی حیثیت حاصل تھی۔ اس دور میں مشہور عالم دین و محدث حسن بصریؒ وفات ۷۲۸ء اور شہاب زہریؒ وفات ۷۴۲ء ہیں۔ بصری کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ کم و بیش ستر صحابہؓ سے براہ راست واقف تھے۔ راسخ العقیدہ سنی مسلمان ان کے اقوال بیان کرتے ہوئے نہیں تھکتے اور صوفیہ ان کے زہد و تقویٰ کے اثرات سے کبھی آزاد نہیں ہوتے۔ ۳۳۔

کوفہ میں جو مرکز علم ہونے کے اعتبار سے بصرہ کا حریف تھا۔ عامر بن شراجیل شعبی پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ڈیڑھ سو سے زیادہ صحابیوں سے روایتیں سنیں اور ان میں سے ایک سطر کاغذ پر لکھے بغیر حافظے سے وہ حدیثیں دہراتا رہا۔ شعبی کو عبدالملک نے ایک نہایت اہم کام کے سلسلے میں شہنشاہ قسطنطنیہ کے پاس بھیجا تھا۔ ۳۴۔

دورِ بنو امیہ میں تعلیمی منہاج پر ان علماء فقہاء دین کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور طلباء نے ان سے کماحقہ فیض اٹھایا۔

۵۔ تاریخ (سیر و مغازی)

عہد بنو امیہ میں تعلیمی نصاب تاریخ (سیر و مغازی) طلباء کیلئے ضروری قرار دیا گیا تاکہ وہ اپنے اسلاف کے کارہائے نمایاں کو یاد رکھ سکیں۔

''تاریخ نگاری کی ابتداء بھی احادیث کی شکل میں ہوئی اور عرب مسلمانوں نے اس پر سب سے پہلے توجہ کی۔ تاریخی تحقیق و کاوش کیلئے خاص محرک یہ ہوا کہ مومن رسول اللہ اور صحابہؓ کے متعلق ہر قسم کی کہانیاں اور روائتیں تلاش کرتے رہتے تھے۔ ساتھ ہی انہیں ہر مسلمان عرب کا سلسلہ نسب دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی تاکہ سرکاری وظیفے کی مقدار کا تعین ہو سکے اور ابتدائی دور کے خلفاء کو اس بات کا خیال رہتا تھا کہ سابق کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی کارروائیوں کا اندازہ کرلیں۔ عبد (عبید) کو معاویہؓ نے اس غرض سے دمشق بلایا تھا کہ عرب کے ابتدائی بادشاہوں اور ان کی نسلوں کے متعلق حالات معلوم کریں۔ ۳۵۔

چنانچہ اس نے ایک کتاب مرتب کی جس کا نام ''کتاب الملوک والاخبار الماضیین تھا اور جو مسعودی کے زمانے تک

خوب مروج تھی۔

علم الاوائل کا ایک ماہر وہب بن منبہ تھا (وفات ۷۲۸ء) یہ ایک یمنی یہودی تھا' جو اسلام لے آیا۔ اس کی ایک کتاب (تیجان) جس کا تعلق ملوک حمیر سے تھا (حال میں چھپ چکی ہے)

اسی دور میں علم مغازی رسول کی بھی تعلیم عام ہوئی۔

امام زین العابدین (۹۶ھ) اور امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) کہتے ہیں کہ ہم مغازی کو اس طرح یاد کرتے تھے جیسے قرآن مجید یاد کرتے تھے۔'' [۳۶]

۶۔ خطابت

دور بنو امیہ میں طلباء کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ انہیں فن خطابت کی تعلیم بھی دی جاتی تا کہ ان کی مردانہ صفات اجاگر ہو سکیں۔

''امویوں کے دور میں عوامی تقریروں کی مختلف شکلوں نے اتنی بلندی حاصل کر لی کہ بعد میں کوئی دور اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ خطیب جمعہ کے دن خطبوں میں زورِ تقریر استعمال کرتے تھے۔ سالار اس ذریعے سے فوجیوں میں جوش و خروش پیدا کرتے تھے اور گورنر خطبوں ہی کے ذریعے سے رعایا میں حب الوطنی کے جذبات ابھارتے تھے۔ بعض خطبوں کے ٹکڑے محفوظ رہ گئے ہیں مثلاً حسن بصریؒ نے جو خطبے عمر بن عبدالعزیز کی موجودگی میں دیئے تھے اور آخر الذکر کی سیرت میں شامل ہو گئے۔'' [۳۷]

''یا حب الوطنی سے لبریز تقریریں جو زیاد بن امیہ نے کی تھیں یا وہ آتش ریز خطبے جو حجاج نے دیئے۔ اس ابتدائی دور کے نہایت قیمتی ذخیروں میں منسوب ہوتے ہیں۔'' [۳۸]

۷۔ خط و کتابت

طلباء کو جہاں فن خطابت کی تعلیم دی جاتی اس کے ساتھ ساتھ فن خطابت کو اہم مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

''ابتدائی دور کی سرکاری خط و کتابت یقیناً مختصر بلیغ اور صرف ضروری امور تک محدود ہوتی ہوگی۔ آخری اموی خلفاء کے دور میں لفاظی اور طول نگاری کا طریقہ جاری ہوا۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ:

''یہ طریقہ درباری دبیر عبدالحمید کاتب وفات (۷۵۰ء) نے جاری کیا۔ اس کی رسمی اور بہت منجھی ہوئی تراکیب سے واضح ہوتا ہے کہ یہ شخص تحریر میں ایرانی نمونوں کا پیرو تھا۔ ابتدائی دور کے بہت سے حکیمانہ اقوال اور ضرب الامثال میں بھی ایرانی اثر نظر آتا ہے۔'' [۳۹]

۸۔ علم کیمیاء

عہد بنو امیہ میں دینی مدارس میں طلباء کے ذہنوں کو تحقیق کی طرف مائل کرنے کیلئے علم کیمیاء کی تعلیم کی جانب بھی توجہ دی جانے لگی اور حکومت نے اس کی بذاتِ خود سرپرستی کی۔

''عرب میں سب سے پہلے خالد بن یزید (م ۸۵/۷۰۴) نے مصر کے طبیب اصطفن سے کیمیاء کی کتابوں کا ترجمہ

کرایا اور خود علم کیمیاء میں چار کتابیں (۱) کتاب الحرارت (۲) کتاب صحیفۃ الکبیر (۳) کتاب الصحیفۃ الصغیر (۴) کتاب وصیۃ اتی ابنہ فی الصنعۃ قابل ذکر ہیں۔

عربوں کی علم کیمیاء کی تاریخ کے دو ابواب ہیں:

"پہلا حصہ وہ ہے جس میں انہوں نے اسکندریہ کے کیمیاء دانوں کی کتابوں کے تراجم کیے اور دوسرا حصہ ان کی اپنی ایجادات و اختراعات کا ہے جو اس قدر اہم ہے کہ گمن اور سنگر نے علم کیمیاء کو اپنی اصلیت اور ارتقاء کے اعتبار سے عربوں کی ایجاد قرار دیا ہے۔"۴۰

اس طرح علم کیمیاء کا فن بطور نصاب پڑھایا جانے لگا اور اس میں عوام و خواص دونوں یکسر دلچسپی لینے لگے۔

۹۔ طب و فلسفہ

طلباء کی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کیلئے طب و فلسفہ بطور تعلیمی نصاب پڑھانے پر خصوصی توجہ دی گئی اور حکمرانوں نے ذاتی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

"دمشق میں امویوں کا دور آیا تو انہوں نے علم و حکمت کی سرپرستی کیلئے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہ نے یونانی فلسفے کے علماء کو مصر میں جمع کیا اور یونانی اور مصری کتابوں کو عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ خالد بن یزید کے ساتھ اس کام میں مشہور عالم کیمیاء جابر بن حیان بھی شامل ہو گیا۔ پھر طب سے متعلق عملی کاموں کی جانب توجہ کی تو اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ۸۸ھ میں دمشق میں جذامیوں کیلئے ایک شفاخانہ بنوایا۔ جس کا سنگ بنیاد اس نے بنفس نفیس اپنے ہاتھوں سے رکھا۔ یہ گویا عربی حکومت کا پہلا باقاعدہ شفاخانہ تھا۔

امویوں کے بعد جب عباسیوں کا علم بغداد کی سرزمین پر نصب ہوا تو ہر طرف علم و حکمت کا دریا بہنے لگا اور اس کی شاخیں جگہ جگہ پہنچنے لگیں۔ منصور اور مامون علوم قدیمہ سے خصوصی دلچسپی اور شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے قدیم زبانوں خصوصاً یونانی زبان کے نادر قلمی نسخوں کو خرید کر یا زرِ مبادلہ کے ذریعے حاصل کر کے شاہی کتب خانے میں جس کا نام بیت الحکمۃ تھا جمع کیا اور علمائے عصر کی خدمات حاصل کر کے انہیں عربی زبان میں منتقل کرایا۔۴۱

جس کے بعد تالیفات و تصانیف کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

حکومت کی سرپرستی کی وجہ سے اس تعلیمی نصاب کا تعلیمی منہاج پر گہرے اثرات مرتب ہوئے اور تعلیمی راہیں مزید ترقی کی طرف گامزن ہوئیں۔

۱۰۔ دیگر علوم کی منتقلی، ادبی و تحقیقی کاموں کی طرف توجہ (بطور تعلیمی نصاب)

مساجد میں ادبی تحقیق کا کام بھی ہوا کرتا تھا۔ کوفہ کی مسجد میں کمیت بن زید اور حماد الراویہ عموماً ایک ادبی حلقہ منعقد کیا کرتے تھے۔ جہاں یہ دونوں شاعر ادبی مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔۴۲

سعید بن المسیب مدینہ کی مسجد میں شاعری پر بحث کیا کرتے تھے۔۴۳

اور مسلم بن الولید اکثر مسجد بصرہ میں حلقہ قائم کر کے اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔۴۴

مسجد میں طب کا درس بھی ہوا کرتا تھا۔

ابن طولون کی مسجد میں تفسیر' حدیث' فقہ اور علم ہیئت پر تحقیقی کام ہوا کرتا تھا۔

عبداللطیف بغدادی سے روایت ہے کہ میں جامع ازہر میں صبح و شام درس دیا کرتا تھا اور دوپہر کو ایک عالم طب آتے جو طب پر درس دیا کرتے تھے۔[۵۶]

مقاصد تعلیم اور عصری تقاضے

بنو امیہ کے تعلیمی مدارس (مساجد) وغیرہ میں جو تعلیم دی جاتی وہ بنیادی طور پر (۱) قرآن فہمی (۲) حدیث (۳) فقہی مسائل کا استنباط (۴) علم الرجال (لوگوں کی نجی زندگی پر بحث (۵) کتابت و انشاء (۶) عوام و خواص کو اسلامی تعلیمات سے روشناسی (۷) اصلاح نفس پر مبنی تھی اور یہی تعلیمی مقاصد تھے جن سے ہر خاص و عام کو روشناس کرنا تھا۔

(۱) قرآن فہمی (عوام الناس کو قرآنی تعلیم سے روشناس کرنا)

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور سینکڑوں عجمی اقوام مشرف با اسلام ہوئیں تو ان کو فہم قرآن کے سلسلے میں اور بھی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے نومسلم اہل عجم کو تلاوت قرآن مجید میں غلطی سے بچانے کیلئے قرآن مجید پر اعراب لگانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوالاسود الدولی کو حکم دیا کہ نحو کے قواعد مرتب کریں۔ نیز وہ علوم جو مسلمانوں نے قرآن فہمی کیلئے مدون کیے مثلاً نزول قرآن مجید' جمع و کتابت قرآن' آیات و سور کی ترتیب' الاحرف السبعۃ' مکی و مدنی سورتیں' قرات و قرا' رسم الخط' مضامین قرآن' اعجاز القرآن اور قصص قرآن وغیرہ۔

عوام الناس کو ان قرآنی علوم سے روشناس کرانے کیلئے تفاسیر لکھی گئی تاکہ ان میں قرآن فہمی کا ادراک زیادہ سے زیادہ ہو۔

پہلی صدی ہجری کے وسط میں کبار تابعین میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نامور شاگرد سعید بن جبیر (م ۹۳ھ) نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔

۲۔ حدیث

تفحص حدیث کے سلسلے میں خلیفہ وقت خاص دلچسپی کا اظہار کرتے۔

''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابن حزم کو لکھا تھا۔ احادیث نبوی کو تلاش کر کے لکھ لو۔''[۵۷] کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے کا اور علماء کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے اور حدیث رسول ﷺ ہی قبول کرو اور لوگوں میں علم عام کر دینا چاہیئے اور ایسی مجلسیں قائم کرنی چاہئیں جن میں علم سکھایا جائے تاکہ جاہل علم سے بہرہ اندوز ہوں کیونکہ علم اس وقت مٹے گا جب وہ راز بن جائے گا۔''[۵۸]

''علم حدیث کیلئے یہ دور ایک بہترین دور تھا۔ کیونکہ اس میں رواۃ حدیث نے اس کی تصنیف و تدوین کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اس دور کے طبقہ اولیٰ کے مدونین میں' مدینہ میں امام مالک بن انس' مکہ میں عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج' کوفہ میں سفیان ثوری' بصرہ میں حماد بن سلمہ اور سعید بن ابی عروبہ' واسط میں ہشیم بن بشیر' شام میں عبدالرحمٰن اوزاعی' یمن میں معمر بن راشد' خراسان میں عبداللہ بن مبارک اور رے میں جریر بن عبدالحمید تھے۔''[۵۹]

۳۔ فقہی مسائل کا استنباط

مقاصد تعلیم میں تیسرا اہم مقصد فقہی مسائل کا استنباط وادراک کا حصول تھا۔

''مسلمانوں میں سیاسی حیثیت سے فرقہ بندیاں قائم ہوگئیں۔ خارجی اور شیعی دونوں فرقوں کے رجحانات ومیلانات بالکل الگ الگ تھے۔ شیعوں کا میلان حضرت علیؓ اہل بیت اوران کی جماعت کی طرف تھا۔ خوارج کا میلان حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ اوران کے رفقاء کی طرف تھا۔ طرفداران معاویہ یا عام مسلمان ان دونوں فرقوں سے نفرت رکھتے تھے۔ اس لئے ان اختلافات نے استنباط احکام پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا۔

مرکز میں پہلے جیسی جاذبیت باقی نہ رہی

''علمائے اسلام عام طور پر اسلامی شہروں میں پھیل گئے۔ چنانچہ مدینہ منورہ سے نکل کر بعض صحابہؓ نے معلم اور بعض نے قاری کی حیثیت سے دوسرے اسلامی شہروں میں سکونت اختیار کرلی۔ یہاں تک کہ یہ نئے شہر ان کے وطن تسلیم کر لیے گئے اوران کی تعلیم وارشاد کے ذریعہ سے کبار تابعین کی ایک جماعت پیدا ہوگئی جو فتوٰی میں ان کی شریک ہوئی اور خود صحابہؓ نے بھی اس منصب میں ان کے حق شرکت کو تسلیم کرلیا۔ اگر مکہ اور مدینہ کا وجود نہ ہوتا اگر مسلمانوں کے دلوں میں ان دونوں کی عام وقعت نہ ہوتی۔ اگر مکہ حج کا مقام نہ ہوتا اور مختلف العقیدہ اور مختلف المیلان مسلمان وہاں آمد و رفت نہ رکھتے تو دور دراز شہروں کے علماء میں علمی تعلق قائم نہ ہوسکتا۔'' [۵۰]

شعراء کو سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کیا گیا لہٰذا فن شعر اپنے عروج کو پہنچا

عربوں کی شاعری جمالیاتی احساسات وفخر ومباہات کا ذریعہ تھی۔

''عربوں کے جمالیاتی احساسات الفاظ کے مناسب استعمال پر مرکوز رہتے تھے۔ جس سے خود ان لفظوں میں ایک روحانی اور ساحرانہ تاثیر پیدا ہو جاتی تھی۔ شاعری فخر ومباہات کا ایک ذریعہ تھی اور وہ شعر و دل نشین مناظر کو جچے تلے اور باریک اختلافات معنوی سے آراستہ جملوں میں سلیقے سے یکجا کر کے اپنے سامعین کے جذبات کو برانگیختہ کر سکتا تھا۔ اس کی نہ صرف بہ حیثیت ایک فن کار مدح وستائش ہوتی تھی۔ بلکہ قبیلے کی عزت کے حامی وضامن اوراس کے دشمنوں کے خلاف ایک کارگر ہتھیار کے طور پر تعظیم وتکریم بھی کی جاتی تھی۔ قبائلی مناقشات کی فیصلہ کن لڑائی کم وبیش میدان جنگ کی طرح ان کے اپنے پہلے شاعروں کے فخریہ اشعار (مفاخرہ) سے لڑی جاتی تھی اور یہ دستور ایسا راسخ اور جاگزیں ہوگیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو عام طور پر شعراء کی مبالغہ آرائی اور ہجو گوئی کے مخالف تھے' مشرکین کے ہجو یہ اشعار کا جواب سنا کرتے تھے۔'' [۵۱]

اشعار کی روایت اوران کا معتبر ہونا

زمانہ جاہلیت کی شاعری کے پہلی صدی ہجری سے قبل منضبط ہونے اور تحریری شکل میں روایت کئے جانے کے بارے میں کوئی یقینی شہادت موجود نہیں۔ اگر چہ ظہور اسلام سے پہلے عربی رسم الخط کا ادبی مقاصد کیلئے استعمال کلیۃً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ عربی روایت کی رو سے اشعار اور ان نظموں کی روایت جو باقی رہ گئی ہیں شعر و شاعری کے راویوں

(رواۃ) کی مرہون منت ہے جو یا تو مخصوص شعرا کے کلام یا کسی عام مجموعہ شاعری کو دوسروں تک منتقل کرتے تھے اور ان کا ضبط تحریر میں آنا دوسری صدی ہجری / آٹھویں صدی عیسوی کے ماہرین لسانیات کا مرہون منت ہے جن کی کوشش یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت کے ادبی سرمائے میں سے جو کچھ بھی بچایا جا سکے اسے بچا لیا جائے۔ اس طرح ضبط تحریر کا زمانہ تخلیق کے زمانے سے دو سو تا تین سو سال بعد کا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اور اس کے بعد ایک مدت تک شعری سرمایہ حافظے کی مدد سے محفوظ تھا۔ لوگوں کی قوت حافظہ بھی قابل رشک تھی۔ ہزاروں اشعار اور سینکڑوں قصائد راویوں کو ازبر تھے۔"۵۲؎

پہلی صدی کی شاعری میں معاشرتی اور اقتصادی تغیرات کی گہری جھلک نظر آتی ہے۔

"پہلی صدی ہجری / ساتویں صدی عیسوی کی شاعری میں ان معاشرتی اور اقتصادی تغیرات کی بہت گہری جھلک نظر آتی ہے جو اسلامی تحریک اور عرب فتوحات کا نتیجہ تھے۔ یعنی عرب سے باہر عربوں کی فوجی چھاؤنیوں کا قیام روز افزوں خوشحالی اور مالیاتی استحکام مرکزی حکومت کا ظہور اور قبائل پر اسکی سیادت اور مذہبی' سیاسی اور قبائل گروہ بندیاں ان سب تغیرات کے نتائج خاص طور پر ہنگامی شاعری کی کایا پلٹ اور افراد یا طبقات کے ہاتھوں مخصوص موضوعات یا اسالیب کے ارتقاء میں سب سے زیادہ واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

سیاست آمیز مذہبی شاعری کے نئے موضوعات

"سیاسی آمیز مذہبی شاعری کے نئے موضوعات علوی شیعوں کے مصائب اور آرزوؤں نے پیدا کر دیئے۔ رجز یہ نظم یا ایک سادہ بحر رجز Jambic کے قطعے کو' جو پہلے خاص طور پر لڑنے والوں کی حمیت کو برانگیختہ کرنے کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ بدوی شاعروں کے ایک گروہ نے طویل اور شعوری طور پر قدامت پسندانہ قصائد میں اپنی فنی مہارت Virtu-ousity کے مظاہرے کا وسیلہ بنالیا۔"۵۳؎

اسلامی تحریک اور اس کے سیاسی و معاشرتی نتائج نے عربوں کے فنون ادبیہ کو نئی قوت اور لچک عطا کی۔

یہ سب چیزیں اس نئی قوت اور لچک کی آئینہ دار ہیں جو اسلامی تحریک اور اس کے سیاسی و معاشرتی نتائج نے عربوں کے فنون ادبیہ کو عطا کی۔ شاعری اپنی کسی بھی فنی خصوصیت سے محروم ہوئے بغیر پہلے سے کم رسمی اور زیادہ مفید مقصود ہو گئی ہے۔ اسلوب اور مضمون ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور آپس میں ہم آہنگ ہیں۔ قصیدے کو بھی' جس میں فتوحات کے دوران آنے والے مختصر وقفے کے بعد از سر نو جان پڑ گئی تھی۔ جھنجوڑ کر اسلوب کے کڑے سانچے اور ان لازمی قوانین سے باہر نکال لیا گیا۔ جنہیں قبائل معاشرے میں محدود کر دیا گیا تھا۔

پہلی صدی ہجری کے دوران میں اس کی پرورش تقریباً کلی طور پر عراق اور الجزیرۃ (میسوپوٹامیا) میں ایک بدوی الاصل گروہ' خصوصاً الاخطل جریر' الفرزدق اور ذوالرمہ کے ہاتھوں ہوتی رہی تھی۔ الاخطل عمرو بن کلثوم اور النابغہ کے مکتب فکر کا قابل وثوق نمائندہ ہے جو اپنے قبائلی قصائد اور اموی خلفاء کی شان میں مدحیہ قصائد دونوں میں زمانہ جاہلیت کی شاعری کی روح سے قریب ترین نظر آتا ہے' برعکس اس کے عراقی شاعروں کے ہاں قصیدہ بعالیہ اس کی بیرونی روایتی ساخت باقی رہی۔ معنی اور مقصد دونوں میں تغیر پذیر ہو جاتا ہے۔"۵۴؎

جاہلیت کی شاعری اور اموی عہد کی شاعری میں نمایاں ترین فرق نفسیاتی ہے۔

اموی عہد کی شاعری میں عام طور پر نمایاں ترین فرق نفسیاتی ہے۔زمانہ جاہلیت کے جذبات قوی تھے لیکن وہ تنگ حدود کے اندر رہتے تھے اور شاعر انہیں ایک بلند اخلاقی سطح پر رکھتے تھے۔اموی عہد کے جذبات متعدد اور متضاد تھے اور شاعر بھی اصولوں اور جماعتوں کے عام نفسیاتی تغیرات اور کشمکش سے متاثر ہوتے تھے۔غزل کی جذباتی بنیاد از خود عیاں ہے' لیکن اب جذبات روائتی موضوعات میں بھی داخل ہو جاتے ہیں۔انہیں عام مذاق سے قریب تر لا کر ایک زیادہ تیز اور غیر شائستہ لہجے میں ادا کیا جاتا ہے۔جس سے زاہدانہ خیالات کی فراواں آمیزش کے باوجود اخلاقی سطح نیچی ہو جاتی ہے۔اس میں سے بیشتر شاعری کا سیاسی موقف بھی شاعروں سے اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ عامیانہ مذاق کو ملحوظ رکھیں اور بالخصوص اپنے نقائص میں عوام کے گرے ہوئے ذوق اور ہیجان کیلئے کچھ سامان تفریح فراہم کریں۔

جہاں تک اموی شاعری کے قابل اعتماد ہونے اور اس کی روایت کے تسلسل کا تعلق ہے تو اس کا ثبوت اس عہد کے دواوین کی نسبت کامل وضع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یا تو شعراء کی اپنی زندگی میں یا اس کے فوراً بعد لکھ لئے گئے تھے۔الفرزدق کے اشعار کے ایک قلمی دیوان کے بارے میں'جو کسی کاتب کے پاس رہتا تھا۔ مخصوص حوالے پائے جاتے ہیں۵۵۔اس طرح ذوالرمہ کے اشعار اور نقائض کے ایک قلمی نسخے کے متن کے بارے میں بھی حوالے ملتے ہیں۔۵۶

اسلامی تعلیمات سے روشناسی و عربی زبان کا فروغ

مقاصد تعلیم میں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرنا اور عربی زبان کو فروغ دینا حکومت نے اس طرف بھرپور توجہ دی۔

''عبدالملک بن مروان نے اسلام کی صرف سیاسی خدمات ہی انجام نہیں دیں بلکہ اس نے متعدد تعمیری کام بھی کئے۔وہ خود بڑا عالم و فاضل اور باکمال تھا۔ قرآن مجید کی تعلیم کا خاص اہتمام کیا گیا۔ جگہ جگہ اس مقصد کیلئے مکاتب قائم کئے۔ حکومت کی دفتری زبان فارسی اور رومی تھی۔ان دفاتر کو عربی زبان میں منتقل کیا۔جس سے عربی زبان کی اہمیت بہت بڑھ گئی اور اس کو عظیم الشان فروغ حاصل ہوا۔بعض نئے شہر آباد کرائے اور کئی ایک مسجدیں بھی تعمیر ہوئیں۔''۵۷

مسلمانوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ

ولید بن عبدالملک نے فتوحات کے ساتھ ساتھ تعمیری کاموں کی طرف بڑی توجہ دی۔اس نے نہایت عمدہ اور خوبصورت مسجدیں تعمیر کرائیں۔فوج کی باقاعدہ تنظیم کی۔ تبلیغی ادارے قائم کئے اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ قرآن مجید کے درس کیلئے جگہ جگہ مکاتب قائم کئے اور علماء و متعلمین کے وظائف مقرر کر کے ان کو فکر معاش سے آزاد کیا اور گداگری کا انسداد کر کے مسلمانوں کو فرمان نبوی''السوال ذل''یاد دلایا۔۵۸

اصلاح نفس

اصلاح نفس کی تعلیم میں چند مشہور حلقہ ہائے درس نے بنیادی کردار ادا کیا۔ جہاں قرآن و حدیث و تفسیر و فلسفہ و تصوف کے درس دیئے جاتے۔

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ حلقہ جو وہ ہر جمعرات کو کعبہ میں منعقد کیا کرتے تھے اور وہاں تفسیر کا درس ہوتا تھا۔''۵۹

حلقہ ربیعۃ الرائے جو مدینہ کی مسجد میں منعقد ہوا کرتا تھا اور جہاں مالک اور حسن اور مدینہ کے اعلیٰ طبقہ کے حضرات فلسفہ آئیں کا درس لیا کرتے تھے۔ اور حلقہ الحسن البصری بصرہ میں دینیات کیلئے قائم ہوا تھا۔٦٠

حضرت حسن بصری کے حلقے میں دو فریق ہو گئے اور واصل بن عطانے فریق کے سربراہ نے ایک حلقہ قائم کیا۔ جہاں خصوصی طور پر متکلمانہ دینیات کو ترقی ہوئی۔٦١

ان حلقہ ہائے درس میں تصوف کے موضوعات پر عالمانہ بحث ہوتی اور اصلاح نفس کی تربیت کیلئے ہر خاص و عام کو تبلیغ کی جاتی۔

اعلیٰ مقاصد تعلیم کے حصول کیلئے علماء و مدرسین کے لئے وظائف

"حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ علماء کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور ہر جگہ کے علماء کی خیر خبر رکھتے تھے اور ان سے اپنی مجلس میں مدد لیتے تھے اور اپنے حکام و قضاۃ پر بھی آپؒ نے ان میں سے بہت سے علماء کو اسلام اور علم کی تبلیغ کیلئے مقرر فرمادیا تھا اور جو علماء قرآن و حدیث کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نے بیت المال میں سے ان کے وظائف مقرر فرمادیئے تھے اور انہیں بھی وظائف ملتے تھے۔ جو فقہ میں مشغول رہتے تھے اور جنہوں نے اپنے آپ کو مساجد کیلئے وقف کر دیا تھا ہر ایک کو سو سو دینار مقررہ تاریخ پر بیت المال سے ملتے تھے۔ آپؒ نے حمص کے حاکم کو لکھ دیا تھا کہ قرآن و حدیث میں مشغول رہنے والے علماء کو غنی اور مالدار بنادیا جائے۔"٦٢

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکام کیلئے جائز فراخی کے دروازے کھول دیئے تھے۔

"عمرؒ نے اپنے حاکموں، قاضیوں اور معلمین کیلئے فراخی کے دروازے کھول دیئے تھے اور اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے تنگ کر دیئے تھے۔ آپؒ اپنے ہر عامل کو تین سو دینار دیتے بلکہ اس سے بھی زیادہ تنخواہیں مقرر تھیں۔ حتیٰ کہ دس لاکھ سالانہ تنخواہ بھی دی گئی ہے۔"٦٣

اسماء رجال "ان علوم میں مہارت تامہ کا حصول! مقاصد تعلیم میں شامل رہا۔"

یعنی رواۃ حدیث کے سوانح و سیرۃ کے بیان کے فن۔٦٤

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قران مجید کا عملی نمونہ تھی۔ قرآن مجید نے آپ کی ذات مبارک کو بطور اسوہ حسنہ پیش کیا ہے اور کہا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ" حَسَنَةٌ"۔٦٥

نبی اکرم ﷺ کے حالات زندگی 'اسوہ حسنہ اور اقوال و اعمال کو مسلمانوں نے جس طرح محفوظ و مدون کیا۔ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ انہوں نے روایات کے ذریعے اس عظیم ہستی کے احوال و اقوال کا گویا ایک پیکر مجسم ہمارے سامنے لاکھڑا کیا۔ ذخیرہ احادیث میں ہمیں اس ہستی جامع کی زندگی کا پرتو اور عکس ملتا ہے۔

شبلی نعمانی رقمطراز ہیں:

"مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبرؐ کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصاء کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلم

ہند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ کی توقع کی جا سکتی ہے۔" ۶۶؎

رواۃ حدیث کے حالات معلوم کرنے اور ان کے طبقات قائم کرنے میں ہزاروں اکابر نے اپنی عمریں صرف کر دیں۔ وہ قریہ بہ قریہ پہنچے۔ راویوں سے ملے' ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات مہیا کیں اور جو لوگ خود ان کے زمانے میں موجود نہیں تھے۔ ان کے ملنے والوں سے یا ان کے توسط سے ان سے اوپر کے لوگوں سے ان کے حالات دریافت کیئے۔ اس طرح وہ عظیم الشان فن معرض وجود میں آیا جسے فن اسماء الرجال کہا جاتا ہے۔ یعنی اصحاب روایت حدیث و آثار کے اسماء' القاب' سوانح' سیرۃ اور اوصاف کا حال' ان کی جرح و تعدیل اور ان کے طبقات کا تعین۔

علم و جرح و تعدیل

یہ وہ علم ہے جو خاص الفاظ کے ذریعے راویوں کی عدالت و ثقاہت یا ان کے عیب و ضعف سے بحث کرتا ہے۔ جرح و تعدیل کا علم روایت حدیث کے فن کا ثمرہ اور اس کی بہت بڑی سیڑھی ہے۔ بہت سے علماء اس فن میں عصر صحابہ سے لے کر متاخرین کے عہد گفتگو کرتے چلے آئے ہیں۔

چنانچہ ترتیب ادوار کے مطابق ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں :

۱۔ صحابہ میں سے ابن عباسؓ (۹۶ھ) انس بن مالکؓ (۹۳ھ)

۲۔ تابعین میں سے شعبی (۱۰۴ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ)

۳۔ عصر تابعین کے آخر میں اعمش (۱۴۸ھ) شعبہ (۱۶۰ھ) امام مالک (۱۷۹ھ)

علم جرح و تعدیل مذکورہ اصحاب کے عہد میں اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔

علم رجال الحدیث

اس علم میں حدیث نبوی کے راوی ہونے کے اعتبار سے رواۃ حدیث کا حال معلوم کیا جاتا ہے۔ ۶۸؎

علم مختلف الحدیث

اس علم میں ان احادیث سے بحث کی جاتی ہے۔ جن میں بظاہر تناقص نظر آتا ہے۔ اس علم کے ذریعے ان کے مابین جمع و تطبیق دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جمع و تطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ مطلق احادیث کو مقید اور عام کی تخصیص کر دی جائے یا ان کو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے۔ اس کو "تطبیق حدیث" کا علم بھی کہا جاتا ہے۔ ۶۹؎

امام نووی التقریب میں لکھتے ہیں:

"یہ حدیث کا ایک نہایت اہم فن ہے سب علماء کو اس کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اس فن کا مقصد یہ ہے کہ دو بظاہر متضاد المعنی احادیث میں جمع و توفیق کی کوشش کی جائے۔ اس فن میں وہ علماء دسترس رکھتے ہیں جو حدیث و فقہ کے جامع ہوں یا ماہر اصول ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث کے معانی میں مہارت رکھتے ہوں۔ امام شافعی نے اس فن پر تصنیف کا آغاز کیا مگر تکمیل کی نوبت نہ آئی البتہ انہوں نے اس پر کام کرنے کی راہ کھول دی۔" ۷۰؎

عربی زبان کا دفتری بنانا

عربی ادب کی اکملیت اور عربی زبان کی افضلیت

عربی ادب کا سرمایہ متعدد وجوہ کی بناء پر بڑی وسعت اور عظیم اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے قدیم زمانہ میں دنیا کی تمام ترقی پسند اقوام کے علوم وفنون و آداب کو نہایت کشادہ ظرفی سے اپنے اندر محفوظ کر لیا تھا اور آج بھی یہ دنیا کی جدید علمی تحقیقات اور ادبی تصانیف کو اپنے اندر جذب کر لینے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کر رہا ہے۔ اس طرح دنیا کی تمام زبانوں میں صرف عربی زبان ہی کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ بیک وقت علوم قدیمہ و جدیدہ کا تمام ضروری کارآمد سرمایہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اب کوئی شخص دنیا کی زبانوں میں سے صرف ایک زبان سیکھ کر تمام دنیا کی مختلف زبانوں کے آداب و ادیان اور فلسفہ و حکمت کے مطالعہ کرنے کا متمنی ہے تو اس کی یہ تمنا صرف عربی زبان ہی کے ذریعے پوری ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کے محققین تکمیل تحقیق کے سلسلہ میں عربی زبان کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اپنی اس فضیلت کے ساتھ عربی زبان کو ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے اور وہ یہ کہ دین اسلام کا تمام بنیادی سرمایہ صرف اسی ایک زبان میں ہے اور دنیا کی کوئی دوسری زبان اس فضیلت میں اس کی شریک نہیں بن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ متفقہ طور پر بین الاسلامی زبان بن گئی ہے اور دنیا میں کوئی انفرادی یا اجتماعی تحریک عربی زبان کو ترک کرنے کے بعد بین الاسلامی حیثیت اختیار نہیں کر سکتی۔[۲]

گستاؤلی بان تمدن عرب "زبان و فلسفہ و ادب و تاریخ" میں رقمطراز ہیں:

"البتہ عربی بول چال کی زبان میں کثرت سے محاورے ہیں جو شاید کسی اور زبان میں نہیں پائے جاتے۔ لیکن باوجود ان وسیع ممالک کے جن میں یہ زبان بولی جاتی ہے۔ یعنی موگاڈار یے سے مسقط تک جو کوئی ان میں سے ایک محاورۃ کو بھی سیکھ لے وہ دوسرے محاورہ کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ تلفظ میں تو بے شک اختلاف مرزبوم سے فرق ہو گیا ہے۔ یعنی عراق اور مصر اسفل کی زبان شیریں اور بربر و شام کے سرد پہاڑوں میں جا کر کرخت ہو گئی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے بہت بڑا فرق مراکش کے مغربی محاورۃ اور موالی مکہ کے حجازی بدویوں کے محاورہ میں پایا جاتا ہے۔ تاہم ان میں اس سے زیادہ فرق نہیں جو شوابیہ اور سکینی کے کاشتکاروں کے محاورہ میں ہے۔"[۳]

مفتوحہ اقوام کا عربی زبان کو اختیار کرنا

"عربوں سے پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے تھے۔ عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیار کر لیا۔ یہ زبان ممالک اسلامی میں اس درجہ پھیل گئی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سریانی، یونانی، قبطی، بربری وغیرہ کی جگہ لے لی۔ ایران میں بھی ایک مدت تک عربی قائم رہی اور اگرچہ اس کے بعد زبان فارسی کی تجدید ہوئی۔ لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اسی زبان میں ہوتی ہیں۔ ایران کی کل علوم و مذہب کی کتابیں عربی ہی میں لکھی گئی ہیں۔"[۴]

عربی زبان پر خدا کی عنایت خصوصی

"عربی زبان اور اس کے ادب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ اس زبان و ادب پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنائیات رہی ہیں۔ خدا جب کسی انسان کو نبوت کے لئے چنتا ہے تو اسے ایک خاص انداز اور مخصوص ماحول میں

پروان چڑھاتا ہے۔ اسی طرح جب اس نے عربی زبان کو اپنے آخری پیغام ہدایت کے لئے انتخاب فرمایا تو اس کو ابتدا ایک خاص انداز سے اپنی نگرانی و حفاظت میں پروان چڑھایا اور جب اس زبان کا ادب استعداد و صلاحیت کے اس بلند مقام پر پہنچا۔ جہاں وہ روح خداوندی کا متحمل ہو سکے تو اس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔ جو ادب عربی کا اعلیٰ و اکمل نمونہ ہے۔"۵۷ ؎

عربی زبان کا دفتری بنانا

عربیت کا دور

ڈاکٹر حمید الدین دور عربیت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"خلفائے راشدین کے عہد میں مصر شام اور ایران کے تمام دفاتر ملکی زبانوں میں تھے۔ ایران میں فارسی بولی جاتی تھی۔ شام میں سریانی اور مصر میں قبطی، عرب لوگ چونکہ ان زبانوں سے واقف نہیں تھے۔ اس لئے تمام دفتری کاروبار ملک کے اصلی باشندوں کے ہی ہاتھ میں تھا۔ خراج کے دفتروں پر تو تمام تر یہودی اور عیسائی مسلط تھے۔ عبدالملک نے زمانے میں سارا دفتری کام عربی میں ہونے لگا اور ملکی باشندوں کو ہٹا کر ان کی جگہ عربوں کو ملازم رکھا گیا۔ اس عمل سے عربی زبان کی بڑی اشاعت ہوئی۔ نیز ہر جگہ عربوں کے برسر اقتدار آجانے سے ملکی باشندوں کی سازشوں اور بغاوتوں سے بہت حد تک نجات مل گئی۔"۷۶ ؎

اموی دور میں عربی زبان کی ترویج

پہلے خلفاء کے زمانے میں شام کے سرکاری دفاتر میں یونانی اور عراق کے فارسی دفاتر میں فارسی زبان رائج تھی۔ عبدالملک نے حکم دیا کہ آئندہ سے جملہ سرکاری خط و کتابت عربی میں ہو۔ لیکن عربی رسم الخط میں چند خامیاں تھیں۔ جن کے باعث تحریر کے پڑھنے میں دقت ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر عربی حروف پر نقطے نہیں ہوتے تھے۔ جس سے مشابہ الفاظ مثلاً ب ت ث ج ح خ اور د ذ وغیرہ کے تلفظ میں غلطی کرنے کا بہت امکان تھا۔ خصوصاً عجمیوں کو بڑی دقت تھی۔ عبدالملک نے ان خامیوں کی مناسب اصلاح کی اور ہم شکل حروف پر نقطے ڈالے تاکہ امتیاز ہو سکے۔ اس سے عربی رسم الخط بہت بہتر ہو گیا اور غیر قوموں کو بھی اس کے پڑھنے میں سہولت ہوئی۔ اس اقدام سے تمام ممالک اسلامیہ میں عربی زبان کو بڑا فروغ ہوا۔

عراق، ایران، شام اور مصر وغیرہ کا دفتری کاروبار زیادہ تر ملکی باشندوں کے ہاتھ میں ہی تھا اور وہ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ لگان فراہم کرنے کے محکمہ میں تو ہر جگہ عیسائی ہی عیسائی نظر آتے تھے۔ کیونکہ مسلمان اس کام سے ناآشنا تھے۔ عبدالملک نے عیسائیوں اور ملکی باشندوں کو برطرف کر کے ان کی جگہ عربوں کو مقرر کیا۔ اس طرح تمام اسلامی ممالک میں عربی عنصر غالب نظر آنے لگا۔ جس سے شورشوں کی رفتار کم ہو گئی۔"۷۷ ؎

عربوں کی علمی خدمات دیگر علوم کا سیکھنا تراجم وغیرہ

"عربوں نے صرف ایک وسیع سلطنت ہی قائم نہیں کی۔ بلکہ ایک گراں قدر اور سادہ ثقافت بھی تعمیر کی۔ اس ثقافت کی تعمیر میں انہوں نے صرف اپنے اس قدیم موروثی تمدن ہی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ جو کسی زمانہ میں دجلہ و فرات کے کناروں، ارض نیل کے میدانوں اور بحیرہ روم کے مشرقی ساحلوں پر پروان چڑھا تھا۔ بلکہ انہوں نے یونان و روما کی

ثقافت کی بعض امتیازی خصوصیتوں کو بھی اس میں جذب کر لیا۔ یہی مسلمان آگے چل کر قرون وسطیٰ میں یورپ کو ایسے ذہنی تاثرات کے منتقل کرنے کا وسیلہ بنے جنہوں نے مغربی دنیا کو بیدار کر کے اسے نشاۃ جدیدہ کی شاہراہ پر گامزن ہونے کے قابل بنادیا۔''۸۷ ؎

انسانیت کی بہتری اور بھلائی کے لئے جو خدمات عربوں نے قرون وسطیٰ کی ابتداء میں انجام دیں۔

فلپ' کے' ہتی ''ہسٹری آف دی عرب'' میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''انسانیت کی بہتری اور بھلائی کے لئے جو خدمات عربوں نے قرونِ وسطیٰ کی ابتداء میں انجام دی ہیں۔ ویسی خدمت کسی اور قوم نے انجام نہیں دی۔ یہاں عربوں سے ہماری مراد دنیا کی تمام عربی بولنے والی آبادی ہے اور اس میں جزیرہ نمائے عرب کے باشندے بھی شامل ہیں۔ اس زمانہ میں جب کہ عرب علماء ارسطو کا مطالعہ کر رہے تھے۔ یورپ میں شارلیمین اور اس کے امراء اپنے نام کے ہجے سیکھ رہے تھے۔''۷۹ ؎

''ایک اسلامی شہر قرطبہ ہی میں سترہ بڑے کتب خانے تھے۔ ان میں سے ایک کتب خانے میں چار لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں۔ ایسے زمانے میں جبکہ جامعہ اکسفورڈ کے عالم غسل کرنے کو بے دینوں کی رسم جانتے تھے۔ اسی قرطبہ کے مسلمان سائنس داں پر تکلف اور نزہت بیز حماموں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔''۸۰ ؎

قرون وسطیٰ میں صدیوں تک عربی زبان ساری متمدن دنیا میں علم و ثقافت اور ترقی پسند تفکر کے اظہار کا واحد ذریعہ رہی ہے۔ نویں صدی سے لے کر بارہویں صدی کے درمیانی زمانے میں فلسفہ' طب' تاریخ' ہیئت اور جغرافیہ کی جتنی کتابیں عربی کے ذریعے عالم وجود میں آئیں اتنی ہی کتابیں کسی اور زبان میں نہیں لکھی گئیں۔ مغربی یورپ کی زبانوں پر آج بھی عربی زبان کے اثرات موجود ہیں۔ گو لاطینی رسم کتابت موجودہ دنیا کا وسیع ترین لسانی نظام ہے۔ اس کے باوجود وسعت کے اعتبار سے عربی حروف ہجا کا درجہ لاطینی زبان کے حروف تہجی کے بعد ہی آتا ہے۔''۸۱ ؎

''دنیا میں اسوقت سامی نسل کے صرف دو ہی نمائندے ہیں ایک عرب اور دوسرے یہودی۔ اس نسل کے جسمانی خدوخال اور ذہنی خصوصیتیں یہودیوں کے مقابلہ میں عربوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ گو ادبی نقطہ نظر سے عربوں کی زبان سامی گروہ کی سب سے کم عمر زبان ہے۔ تاہم عبرانی اور دوسری سامی زبانوں کے مقابلہ میں عربی زبان نے اپنی اصل کی امتیازی خصوصیتوں کو زیادہ برقرار رکھا ہے۔''۸۲ ؎

''اس بات کا ثبوت عربوں کی جغرافیائی بے تعلقی اور ریگستانوں کی غیر تغیر پذیر یکساں زندگی میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ کہ عرب خاص کے باشندے اور خاص کر بادیہ نشین عرب ہی کیا بالحاظ حیاتیات' کیا بالحاظ نفسیات' کیا بالحاظ عمرانیات اور کیا بالحاظ لسانیات' سامی نسل کے بہترین مظہر ہیں۔ وسط عرب جیسے الگ تھلگ اور تکلیف دہ ماحول میں بے میل خون ہی قدرت کا سب سے بڑا عطیہ ''جزیرۃ العرب'' زمین اور آبادی کے درمیان ایک ایسے غیر منقطع رشتہ کی مثال پیش کرتا ہے جس کی پوری دنیا میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔''۸۳ ؎

اس وقت سے نسلی تعلق کا لحاظ کئے بغیر ہر وہ شخص عرب مانا جانے لگا جس نے اسلام قبول کر لیا ہو اور عربی زبان پڑھ سکتا ہو۔ یہ اسلامی تمدن کی ایک نہایت اہم اور نمایاں حقیقت ہے۔ اس لئے جب کبھی ہم ''عربی طب'' ''عربی فلسفہ'' یا

"عربی ریاضی" کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ہرگز یہ نہیں ہوتی کہ علوم طب، فلسفہ یا ریاضی لازماً عربی دماغ کی پیداوار ہیں یا ان علوم کو فروغ دینے والے وہی لوگ تھے جو جزیرہ نمائے عرب میں رہتے بستے تھے۔ بلکہ ہماری مراد اس ہیئت علمی سے ہوتی ہے۔ جو عربی کتابوں میں جلوہ فرما ہے۔ یہ کتابیں ان لوگوں نے لکھی ہیں جن کی بیشتر تعداد زمانہ خلافت میں اوج کمال کو پہنچتی تھی۔ یہ لوگ ایرانی، شامی، مصری یا عرب نصرانی، یہودی اور مسلمان سب ہی تھے اور انہوں نے یونانی، آرامی، ہندو، ایرانی یا دوسرے ماخذوں سے بھی استفادہ کیا تھا۔"۸۴؎

ایران کے سرحدی علاقوں میں عربی زبان اور اس کی صرف و نحو کا فنی طریقہ پر مطالعہ شروع ہو گیا تھا۔

فلپ، کے، ہٹی اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"عربی زبان اور اس کی صرف و نحو کا فنی طریقہ پر مطالعہ بڑی حد تک غیر عرب نو مسلم اور ایک حد تک عرب کر رہے تھے۔ اس مطالعہ کا پہلا محرک ان نو مسلموں کی لسانیاتی ضرورت کو پورا کرنے کی خواہش تھی جو قرآن پڑھنے، سرکاری عہدے حاصل کرنے اور فاتحوں سے میل جول بڑھانے کے آرزو مند تھے۔ ایک روایت کی رو سے صرف و نحو کے موضوع پر سب سے پہلا رسالہ ایک خلیفہ کے اس قول کی اساس پر مدون کیا گیا تھا۔ کلام تین اجزاء ہوتے ہیں۔ اسم، فعل اور حرف" اس کے باوجود عربی صرف و نحو کی ترقی کی رفتار بہت سست رہی اور اس کا ارتقائی زمانہ بڑا طولانی رہا۔ عربوں کے اس علم پر یونانی منطق کے بہت سے نمایاں اثرات پائے جاتے ہیں۔"۸۵؎

قرآن کے مطالعے اور اس کی تفسیر کی ضرورت نے علم حدیث کے ساتھ ساتھ "فقہ اللغۃ" اور دیگر علوم کو فروغ دیا۔

فلپ، کے ہٹی، "ہسٹری آف دی عرب" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"قرآن کے مطالعے اور اس کی تفسیر کی ضرورت نے علم حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ اللغۃ اور فرہنگ نویسی کے توام اور لائیفک علوم کو فروغ دیا۔ علم حدیث اسلامی ادب کا اہم ترین کارنامہ ہے اور یہ صرف مسلمانوں ہی کا خاص کارنامہ ہے۔ فنی حیثیت سے حدیث خود رسول اللہ کا قول یا فعل یا کسی صحابی کے قول یا فعل پر آپ کا سکوت تقریر۔۔۔۔ ہے۔ قرآن اور حدیث ہی کی بنیادوں پر فقہ اور شریعت کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ عصر حاضر کے قانون دانوں کا خیال ہے کہ قانون کا فلسفہ قانون سے گہرا ربط ہونا چاہیے۔ لیکن اسلام میں قانون کا قریب ترین تعلق دین سے ہے۔ بے شبہ بنی امیہ کی قانون سازی رومی قانون سے براہ راست یا تالمود اور دوسرے ذریعوں سے متاثر ہوئی ہے لیکن یہ اثرات کس حد تک مرتب ہوئے ہیں۔ اس کا تعین پوری طرح نہیں کیا جا سکا۔"۸۶؎

"عربی سائنس کی ابتداء اسی دور میں ہوئی۔ علم طب پر سب سے پہلا رسالہ ایک یہودی نے ایک یونانی رسالے کے ترجمے کی مدد سے سپرد قلم کیا۔ اصل رسالہ اسکندریہ کے ایک نصرانی پادری نے ترتیب دیا تھا۔ طب کی کیمیاء کو بھی اسلام کے قرون اولیٰ ہی میں فروغ حاصل ہوا۔ یہ ان مخصوص علوم میں سے ایک علم ہے۔ جن کی ترقی میں عربوں نے بعد کے آنے والے زمانوں میں بڑا نمایاں حصہ لیا ہے۔"۸۷؎

فلپ، کے، ہٹی "عرب اور اسلام" میں عرب کے علمی و ادبی متمدن شہروں کے بارے رقمطراز ہیں:

دنیا کے اور شہروں کی طرح عربی شہر میں قبائلی اعتبار سے مختلف محلے ہوتے تھے۔ دمشق، حمص، حلب اور دوسرے شہروں میں یہ محلے اب بھی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر گھر کا دروازہ سڑک کی طرف سے صحن میں کھلتا تھا۔ جس کے وسط میں عام طور پر پانی کا ایک بڑا حوض ہوتا تھا اور حوض میں ایک فوارہ لگا ہوتا تھا۔ فوارے سے پانی کی ایک ہلکی نقاب جیسی پھوار برستی رہتی تھی۔ حوض کے پاس نارنجی یا لیموں کا ایک درخت بھی لگا ہوتا تھا۔ صحن کے چاروں طرف کمرے ہوتے تھے اور بڑے بڑے مکانوں کے صحنوں میں غلام گردشیں بھی بنائی جاتی تھیں۔ امویوں نے دمشق میں آب رسانی کا ایک ایسا نظام قائم کیا تھا کہ اس عہد کی مشرقی دنیا میں اس سے بہتر نظام کہیں نہیں پایا جاتا تھا۔ آج بھی یہ نظام آب رسانی دمشق میں کام دے رہا ہے۔ اس نظام نے امویوں کو عظمت دوام عطا کی ہے۔"۸۸-

علمی خدمات سرانجام دیتے ہوئے جس طبقہ نے زیادہ کام کیا ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے فلپ' کے ہٹی رقمطراز ہیں:

"اسلامی معاشرے میں فطری طور پر سب سے پہلے "موالی" نے علوم و فنون کی تحصیل و تحقیق کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ کیونکہ یہی لوگ دوسرے کے مقابلے میں ثقافت کی دیرینہ روایات کے حامل تھے۔ جیسے جیسے یہ علمی میدان میں مسلمانوں عربوں سے کہیں آگے بڑھے ویسے ویسے سیاسی میدانوں میں بھی عربوں سے ان کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ فتح مند عربوں سے ان لوگوں کے باہمی شادی دبیاہ کی وجہ سے عربی خون کی خصوصیات اتنی کم ہوتی چلی گئیں کہ آخر کار مخلوط نسلوں میں عربی عنصر کا کوئی نمایاں جوہر باقی نہیں رہا۔"۸۹-

یونانی علوم کی اشاعت

اہل یونان کی سائنس میں ترقی

تاریخ عالم میں اہل یونان اولین قوم ہے جس نے مظاہر فطرت' حقائق اشیاء اور سائنس کے بارے میں سنجیدہ نقطہ نظر اختیار کیا۔ اگرچہ یونانی فکر کی عمارت جن بنیادوں پر اٹھی وہ کالدیہ' مصر اور بابل کے فراہم کردہ چند حقائق و مشاہدات تھے۔ ۹۰-

لیکن یہ امر ہنوز تحقیق طلب ہے کہ مصری اور بابلی علم و حکمت کا کس قدر حصہ سرزمین یونان میں منتقل ہوا۔۹۱-

البتہ یہ معلوم ہے کہ یونانیوں سے پہلے سائنس اپنے عہد طفولیت میں تھی اور تاریخ سائنس کا باقاعدہ آغاز اہل یونان سے ہوتا ہے۔

سنگر لکھتا ہے:

" ہم تاریخِ سائنس کا آغاز یونانیوں سے کرتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے سائنس داں یونانی تھے۔ فی الحقیقت ایسا تھا بھی نہیں۔ البتہ ہمارے ریکارڈ کے مطابق وہ اولین قوم جو سائنسی شعور رکھتی تھی اور سائنسی عمل کی توسیع کے ادراک کی حامل تھی یونانی زبان بولتی تھی۔"۹۲-

تجربی اسلوب

اسلامی سائنس نے جو اہم ترین چیز جدید سائنس کو دی ہے۔ وہ تجربی اسلوب ہے۔ مسلمانوں نے سائنس کا بیشتر

خام مواد یونان سے لیا لیکن یونانی سائنس میں تجربہ کا فقدان تھا۔

بریفالٹ لکھتا ہے:

''سائنس سے مراد تحقیق کی نئی روح، تفتیش کے لئے نئے طریقے اور پیمائش کے نئے اسلوب ہیں۔ جن سے یونانی بے خبر تھے۔''۹۳۔

اگرچہ یونانیوں نے سائنس کے متعدد مضامین پر کتابیں لکھیں ہیں۔ لیکن ان کی تہذیب کو مثل سائنس کی تہذیب قرار دیا گیا ہے۔

رسل کے بقول:

''یونانیوں نے کائنات کا مشاہدہ سائنسدان کے بجائے ایک شاعر کی نگاہ سے کیا تھا۔''۹۴۔

البتہ یونانی سائنس جب اسکندریہ منتقل ہوئی تو وہاں تجربی سائنس کا آغاز ہوا اور اسکندریہ میں آتشیں 'انجن' آبی گھڑیاں 'کرین' ارشمیدس کا پیچ وغیرہ ایجاد ہوئے اور حیاتیات' نباتات اور کیمیاء کے شعبوں میں بھی تجرباتی سائنس کی بنیاد پڑنی شروع ہوئی۔ لیکن بہت جلد اسکندریہ کی سائنس انحطاط پذیر ہو گئی اور مسیحیت کی علم دشمنی نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔

اسلامی فتح کے زمانے میں اسکندریہ میں طب 'کیمیاء اور علوم طبیعہ کا جو چراغ ٹمٹما رہا تھا اس میں بھی سحر' طلسمات اور علم نجوم کی آمیزش پائی جاتی تھی۔''۹۵۔

عربوں کو ایران و شام سے جو یونانی علوم کا ذخیرہ ملا انہوں نے صرف اس کے ترجمے پر ہی اکتفانہ کیا بلکہ ان پر تنقید بھی کی۔

عرب محققین نظریئے کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ ٹھوس حقائق کی جمع آوری میں مصروف رہتے تھے۔۹۶۔

سیدیو لکھتا ہے:

''دار العلوم بغداد کی تعلیم میں بہت بڑی بات یہ تھی کہ اس کی طرز استدلال بالکل علمی اصول پر مبنی تھی۔ یعنی معلوم کے ذریعہ سے نامعلوم کو دریافت کرنا' حوادث کا درست مشاہدہ کر کے ان معلومات کے ذریعہ سے نامعلوم کو دریافت کرنا۔

مسلمانوں کا یونانی علوم سے اولین تعارف

مسلمان زمانہ فتوحات میں اسکندریہ' جندیسابور اور حران وغیرہ کے مکاتب سے متعارف ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ۲۱ھ / ۶۴۲ء میں جب اسکندریہ فتح ہوا تو اسکندریہ کا فلسفی یحییٰ النحوی زندہ تھا۔

حضرت عمرو بن العاص نے اس کی علمی شہرت سنی تو اسے بلا بھیجا۔ ابطال تثلیث اور فناء عالم پر اس کے منطقی و فلسفیانہ دلائل جن سے عرب ہنوز ناآشنا تھے سن کر بہت مسرور ہوئے اسے اپنا ندیم بنا لیا۔۹۷۔

یہ مسلمانوں کا علوم عقلیہ سے پہلا تعارف تھا۔ اس کے بعد جب خالد بن یزید ۸۵ھ / ۷۰۴ء کو خلافت سے

محروم کر دیا گیا تو اس نے دوبارہ خلافت کی در یوزہ گری سے بچنے کیلئے فن کیمیاء کی طرف توجہ دی اور مصر میں رہنے والے علماء سے کیمیاء کی کئی کتب کا ترجمہ کرایا۔ اسلامی عہد میں یہ پہلا ترجمہ تھا جو ایک زبان سے دوسری زبان میں کیا گیا۔"۹۸

۱۳۲ھ / ۷۵۰ء میں جب امویوں کے بجائے عباسی خلافت کا آغاز ہوا اور دارالحکومت دمشق سے عراق منتقل ہو گیا۔ تو بہت جلد عباسی دربار علم و فکر کی آماجگاہ اور سائنسی علوم کی ترقی کا مرکز بن گیا۔ خلفاء بنو عباس سائنسی علوم کی ترویج و اشاعت میں ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔ عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور (۷۵۴۔۷۷۵) فلسفہ اور نجوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ علوم کے ماہرین کا قدردان بھی تھا۔۹۹

مشہور نجومی نوبخت فارسی اور اس کے بیٹے ابو سہل کو المنصور کا تقرب حاصل رہا۔۱۰۰

بغداد کا سنگ بنیاد ۱۴۵ھ / ۷۶۲ء رکھنے کیلئے اس نے علماء نجوم نوبخت 'ماشاء اللہ' ابراہیم فرازی اور طبری سے مشورہ کیا۔۱۰۱

اسی کے عہد میں ابو یحییٰ بطریق نے بطلیموس کی المجسطی کے چار ابواب جو فلکیات سے متعلق تھے عربی میں منتقل کئے۔۱۰۲

اسی زمانہ ۱۵۴ھ / ۷۷۰ء میں ہندوستان کا ایک ہیئت دان کنکا خلیفہ کے دربار میں ایک کتاب "سدھانتا" لے کر آیا۔ المنصور نے ابراہیم فرازی سے اس کا عربی ترجمہ کرایا۔ جس کی مدد سے اس کے بیٹے محمد بن ابراہیم فرازی نے ۷۹۶۔۸۰۶ کے درمیان ایک اور کتاب تیار کی جسے "فلکیات السند ہند الکبیر" کا نام دیا گیا۔۱۰۳

المنصور نے اپنے علاج کیلئے اطباء بغداد کے مشورہ سے جندیسابور سے جرجیس کو طلب کیا۔ جسکے چند روزہ علاج سے وہ صحت مند ہو گیا۔ اس کے بعد مہدی اور ہارون الرشید کے عہد میں جندیسابور کے اطباء عباسی دربار میں آتے رہے۔ تاآنکہ برجیس کا پوتا جبریل بن بخت یشوع عہد ہارونی میں سرکاری طبیب کی حیثیت سے بغداد میں ہی رہنے لگا۔۱۰۴

ہندوستان کے اطباء میں سے منکہ ہارون الرشید کے علاج کے لئے تھا۔ وہ فارسی اور عربی جانتا تھا۔ اس نے طب کی ہندی کتاب کا فارسی اور عربی میں ترجمہ کیا۔۱۰۵

اس طرح مسلمان دیگر اقوام کے سائنسی ورثہ سے متعارف ہوتے گئے اور ان میں علمی ترقی کے شوق کی سرمستیاں فزوں تر ہو گئیں۔

اس ورثے کا درست مشاہدہ کر کے ان معلومات کے ذریعے سے علل نکالنا' انہی قضایا کو ماننا جو تجربہ سے ثابت ہو چکے ہوں۔ یہ ان اساتذہ کے اصول تحقیق تھے نویں صدی عیسوی کے عربوں کو یہ پر نتائج طریقہ تحقیق معلوم تھا۔ جو سالہائے دراز کے بعد ہمارے حال کے محققین کے ہاتھوں بڑی بڑی اکتشافات اور ایجادات کا باعث بنا۔"۱۰۶

مسلمانوں نے سائنس کی تمام شاخوں کو تجرباتی اسلوب پر ازسر نو منظم کیا۔

علم طب میں نئی ادویہ دریافت کیں۔ آپریشن کئے' تعدیہ امراض کا اصول معلوم کیا۔ علاج کے نئے نئے طریقوں کا اکتشاف کیا۔ فلکیات کے مشاہدے کیلئے رصدگاہیں بنائیں۔ سال ہا سال مشاہدات کئے اور نئے امور دریافت کئے۔ نئے اور صحیح کیلنڈر بنائے' طول بلد اور عرض بلد کی پیمائش کیں۔ بطلیموس نظریات پر تنقید کی' کشش ثقل کا اصول معلوم کیا۔

ریاضیات میں الجبراء کی بنیاد رکھی۔ اعداد ہندسہ واعداد غباریہ کو مرتب کیا اور دنیا بھر میں متعارف کروایا۔

ریاضیات میں نئے کلیئے دریافت کئے۔ نباتات وزراعت کی بنیاد تجربہ پر رکھی اور طبّی وزرعی نباتات کے باغات لگائے اور ان کے بارے میں ہمہ پہلو تحقیقات کیں۔ کمسٹری کو طلسمات سے نکال کر خالص تجرباتی اسلوب پر منظم کیا اور متعدد کیمیاوی ادویہ تیار کیں۔ بلکہ جدید کمسٹری کی بنیاد ہی انہوں نے رکھی۔ جغرافیہ میں ذاتی مشاہدات اور اپنے اسفار کی روشنی میں کتابیں مرتب کیں۔ منابع نیل کا صحیح تعین کیا۔ صنعت و حرفت میں کاغذ' گھڑیاں' بارود' توپ' قطب نما' ہوائی جہاز اور اس طرح کی دیگر متعدد اشیاء کی ایجاد یا ترقی سے سائنسی انقلاب کے لئے راہ ہموار کی۔ الغرض مسلمانوں نے سائنس کی بنیاد تجربہ پر رکھی۔ ۱۰۷۔

لی بان لکھتا ہے:

"تجربہ اور مشاہدہ کو اقوال اساتذہ کے مقابل میں تحقیقات علمی کے اصول قرار دینا عموماً بیکن (۱۵۶۱۔۱۶۲۶) کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً اس کے موجد عرب تھے۔

عربوں کے علوم کے ماخذ اور ان کے اصول تعلیم و تحقیق

عربوں کے علمی اور ادبی معلومات کے ماخذ

گستاؤلی بان "تمدن عرب" میں اسکی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"جس وقت عربوں نے اپنی فتوحات شروع کیں دو پرانے تمدن یعنی تمدن ایران اور تمدن حکومت مشرقی کے چراغ ٹمٹمار ہے تھے۔ اس نئی دنیا سے جس میں پیروان اسلام نے قدم رکھا اور وہ نہایت ہی متاثر ہوئے اور بہت جلد اس دنیائے علوم و فنون ادب کو اسی مستعدی کے ساتھ تحقیق کرنے لگے۔ جس مستعدی سے انہوں نے ملک کو فتح کیا تھا۔ خلفائے اسلام نے حکومت کو مستحکم کرنے کے بعد ہی کل بڑے بڑے شہروں میں تعلیم وتربیت کے مرکز قائم کئے اور کل ایسے علماء کو جو مشہور تصانیف علی الخصوص تصانیف یونان کا ترجمہ کرسکتے تھے جمع کیا۔" ۱۰۸۔

یونان وروم کے علوم وفنون ایران وشام میں پھیل چکے تھے

خاص اسباب کی وجہ سے ان علماء کا جمع ہو جانا آسان ہو گیا تھا۔ ایک مدت دراز یونان وروم کے علوم وفنون ایران و شام میں پھیل گئے تھے۔ جس وقت نسطوری پادری حکومت مشرقی سے نکالے گئے تو انہوں نے عراق عرب میں مقام ایڈیسا پر ایک مدرسہ قائم کیا۔ جس کے ذریعہ سے یونانی علوم کی اشاعت ایشیاء میں ہونے لگی۔

جب زینوایساری (موسی شہنشاہ) نے ایڈیسا کو غارت کیا اس وقت ان علماء کو ملک ساسانیہ نے اپنے دربار میں بلالیا اور اس کے بعد ہی جب جسٹینین نے اتھنیس اور اسکندریہ کے مدارس کو بند کر دیا۔ یہاں کے اساتذہ بھی ایران میں جمع ہو گئے۔ ان اساتذہ نے کتب یونانی کو جن میں ارسطو اور جالینوس اور ڈیاس گریڈس کی تصنیفات شامل تھیں۔ سریانی اور کلدانی وغیرہ مشرقی زبانوں میں جو اس وقت بہت مروج تھیں ترجمہ کیا۔

جب عربوں نے ایران وشام پر قبضہ کیا تو انہیں وہاں ان علوم یونان کے ذخیرہ کا ایک حصہ ملا۔ عربوں نے ان

سریانی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرایا اور جن تصنیفات کا ترجمہ اس وقت تک نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی بہت جلد عربی زبان میں آ گئیں اور علوم وادب کی تحصیل نہایت مستعدی سے شروع ہو گئی۔" ۱۰۹؎

عربوں نے بہت دنوں تراجم پر اکتفاء نہ کیا؟

اکثر نے ان میں سے تصنیفات قدیمہ علی الخصوص یونانی تصنیفات کا اصلی زبان میں پڑھنا اسی طرح سیکھا۔ جیسے انہوں نے کئی صدی بعد اندلس میں زبان لاطینی اور قسطلی سیکھی۔ اسکوریل کے کتب خانہ میں اس وقت عربی، یونانی، عربی لاطینی اور عربی اسپینی لغات موجود ہیں۔ جن کے مولف مسلمان تھے۔

اس ابتدائی زمانہ تعلیم میں جسے اس وقت سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ جو طالب علم مدارس میں علوم زمانہ ماضیہ کی تحصیل میں صرف کرتا ہے۔ ہر ایک عرب کی تعلیم ان ہی علوم یونانی ولاطینی کی تحصیل پر مبنی تھی۔ پس عربوں کے پہلے استاد یونانی تھے۔ لیکن خود ان کی طبایع میں اس قدر جدت خیال اور تحصیل علم کا ولولہ تھا کہ انہوں نے بہت دنوں اس محض شاگردی کی حالت پر جو یورپ کے لئے ازمنہ متوسط میں کافی سمجھی گئی تھی قناعت نہ کی اور وہ اس محدود دائرہ معلومات سے بہت جلد باہر نکل آئے۔

عربوں نے جو مستعدی تحصیل علم میں ظاہر کی وہ فی الواقع حیرت انگیز ہے۔ اس خاص امر میں بہت سی اقوام ان کے برابر ہوئی ہیں۔ لیکن بہ مشکل کوئی ان سے بازی لے جا سکی۔ جب وہ کسی شہر کو لیتے تو ان کا پہلا کام وہاں مسجد اور مدرسہ بنانا ہوا کرتا۔ بڑے بڑے شہروں میں ان کے مدارس ہمیشہ بہ کثرت ہوتے تھے۔

علاوہ عام مدارس تعلیمی کے بغداد، قاہرہ، طلیلہ، قرطبہ وغیرہ بڑے شہروں میں دار العلوم تھے۔ جن میں علمی تحقیقات کے کارخانے، رصد خانے، عظیم الشان کتب خانے غرض کل مصالح علمی تحقیقات کا موجود تھا۔ صرف اندلس میں ۷۰ عام کتب خانے تھے۔

مورخین عرب کے اقوال کے بموجب الحاکم ثانی کا ایک کتب خانہ جو قرطبہ میں تھا۔ چھ لاکھ جلدیں تھیں۔ جن میں سے چوالیس جلدوں میں صرف فہرست کتب تھی۔ اس کے متعلق کسی نے بہت درست کہا ہے کہ چار برس بعد چارلس عاقل نے فرانس کے شاہی کتب خانہ کی بنیاد ڈالی تو وہ نو سو جلدوں سے زیادہ نہ جمع کر سکا اور ان میں سے کتب مذہبی کی ایک پوری الماری بھی نہ تھی۔ ۱۱۰؎

یونانی فلسفہ کتب کا عربی میں تراجم

جس وقت عرب تمدن کے میدان میں آئے ان کا فلسفہ محض ایسے عملی روحانیت پر مشتمل تھا۔ جو تجربہ سے قریب اور کتابوں میں ناپید یونانی جس طرح اور علوم میں ان کے استاد تھے اسی طرح فلسفہ میں بھی تھے۔ ارسطو، تھلیز، امپے ڈاکلیز، ہرقل، سقراط، ایپی کیورس اور کل فلاسفہ اسکندریہ کی تصنیفات عربی میں ترجمہ ہو گئی تھیں۔ کل ان علوم میں جن میں تجربہ کے ذریعہ سے نتائج کی تصدیق ہو سکتی تھی۔ عرب اپنے اساتذہ سے بہت جلد بڑھ گئے۔ مگر فلسفہ میں جہاں اس طرح کی تصدیق ممکن نہ تھی انہوں نے زیادہ ترقی نہ کی۔

فلاسفہ عرب کی قدر دار العلوموں میں تو بہت کچھ تھی۔ لیکن عوام انہیں بری نظروں سے دیکھتے تھے اور بعض

وقت ان کی تعلیم کے مخالف جو عام جوش پیدا ہوتا اس کو فرو کرنے کی غرض سے خلفاء انہیں چند روز کے لئے ملک سے نکال دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔[11]

دور اموی میں فلسفہ و کتب کی تصنیف

ڈی اولیری وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''حکمت و فلسفے کے میدان میں ہمیں عباسیہ کے دور کا کافی مواد ملتا ہے۔ مگر بنو امیہ کے زمانے میں کوئی مواد نہیں ملتا۔ اسکندریہ کا طبی مدرسہ جس میں ہمیں ایک عیسائی اصغر کا نام ملتا ہے جو ہر چیز کی کتابوں کا ماہر تھا۔ جو علوم مخفی جادو، مہوسی اور نجوم کا امام تھا اور زیادہ تر اسی کی وجہ سے مصری حکمت کا رخ سحر کی طرف پلٹا۔ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان رومی تلاش کرتا ہوا اس کے پاس پہنچا اور اس کا شاگرد ہو گیا اور اپنے استاد کی موت کے بعد یوروشلم کے قریب ایک خانقاہ میں گوشہ نشین ہو گیا۔ بعدازاں شہزادہ خالد بن یزید اموی متوفی ۸۵ھ/۷۰۴ء اس میریونوس کا شاگرد ہو گیا اور اس سے کیمیاء، طب اور ہیئت کی تعلیم حاصل کی۔ خالد نے تین رسالے تصنیف کئے۔ ان میں سے ایک میں وہ اپنا اور میریونوس کا مقالہ بیان کرتا ہے۔ دوسرے میں وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے کیمیاء کا مطالعہ کس طرح کیا اور تیسرے رسالے میں وہ ان رموز و اشارات کی تشریح کرتا ہے جن کو اس کے استاد نے استعمال کیا تھا۔

اس سے بہت پہلے حکمی اور طبی فنون ایران پہنچ چکے تھے۔ لیکن ان علوم کا بڑا مرکز ہونے کی حیثیت سے اسکندریہ کی شہرت پورے اموی دور میں باقی رہی۔[12]

تراجم کے سنہری دور کا آغاز

دورِ بنو امیہ میں علوم و فنون کو ترقی ہوئی۔ یونانی کتب کے تراجم کا آغاز ہوا۔ یونانی علوم عربی زبان میں منتقل ہونا شروع ہو گئے۔

''خالد بن یزید بن معاویہ ایک صاحب علم اور باہمت شخص تھے۔ علوم سے انہیں بڑی محبت تھی۔ خاص کر صنعت کیمیاء سے انہیں بڑا شغف تھا اور اسی لئے انہیں ''حکیم آل مروان'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔''[13]

ابن الندیم نے اپنی ''الفہرست'' میں لکھا ہے:

''ان کے دل میں صنعت (کیمیاء) کو فروغ دینے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں یونانی فلاسفہ کے کچھ لوگوں کو بلوایا جو مصر میں فروکش تھے اور اچھی طرح عربی زبان جانتے تھے اور انہیں اس صنعت کی کتابوں کو یونانی سے عربی میں منتقل کرنے پر مامور کیا۔ یہ اسلام میں سب سے پہلا ترجمہ ہے جو ایک زبان (یونانی) سے دوسری زبان (عربی) میں کیا گیا۔''[14]

رسائل خالد بن یزید

ابن خلکان خالد بن یزید کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''وہ قریش میں سب سے زیادہ مختلف علوم کے جاننے والے تھے۔ کیمیاء اور طب سے خاص طور پر انہیں شغف تھا اور ان دونوں علموں میں مہارت اور ورک و بصیرت رکھتے تھے، ان کے کئی رسالے ہیں جو ان کے علم و مہارت پر دلالت

کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک راہب سے یہ صنعت (کیمیاء) سیکھی تھی جو مریانس رومی کے نام سے مشہور تھااور اس فن میں ان کے تین رسائل ہیں۔ جن میں سے ایک میں وہ امور درج ہیں جو مریانس مذکور سے انہیں حاصل ہوئے ہیں جس طرز سے سیکھے ہیں اس کا بیان ہے۔ نیز کچھ ایسے رموز ہیں جو اشاروں اشاروں میں بیان کئے ہیں۔ ان کے علاوہ ان رسالوں میں ان کی بہت سی طویل نظمیں اور قطعات ہیں۔ جن سے زبان پر ان کی قدرت 'انکی وسعت علمی کی شہادت ملتی ہے۔ ۸۵ھ میں وفات پائی۔" ۱۱۵ے

الکتانی "التراتیب الادار یہ" میں رقمطراز ہیں:

"ایک یہود للمذہب سریانی طبیب ماسر جونہ سریانی کے زمانے میں جو بصرہ میں مقیم تھااور مروان بن الحکم کا معاصر تھا۔ ایک کتاب ہاتھ لگی جو "کناش" تھی اور دوسری "کناشوں" سے کہیں بہتر تھی اور جسے پادری اہرون بن ایمن نے سریانی زبان میں لکھا تھا تو اس کو ماسر جونہ نے عربی میں منتقل کیا۔ پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو یہ کتاب شام کے کسی کتب خانہ میں پائی گئی۔ تو بعض لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ اس کو (اس کتب خانہ سے) باہر نکالنا چاہئے تاکہ مسلمان اس سے فائدے اٹھائیں۔ جس پر انہوں نے چالیس دن سے استخارہ کیا پھر انہوں نے اس کتاب کو لوگوں کے لئے باہر نکالا اور لوگوں میں پھیلی۔" ۱۱۶ے

مزید تراجم "کشف الظنون" میں حکمت پر گفتگو کرتے ہوئے مذکور ہیں:

"قدیم زمانے میں ابتداءً اہل فارس نے منطق وطب کی کچھ کتابیں فارسی میں منتقل کی تھیں۔ پھر عبداللہ بن المقفع وغیرہ نے ان کو عربی کا لباس پہنایا۔" ۱۱۷ے

ابن خلکان "عبداللہ بن المقفع" کی بابت رقمطراز ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ اسی ابن المقفع نے کتاب "کلیلہ ودمنہ" لکھی ہے۔ لیکن بعض لوگوں کا قول ہے کہ "کلیلہ ودمنہ" کا وہ اصل مصنف نہیں ہے بلکہ وہ فارسی زبان میں تھی جسے اس نے عربی میں منتقل کیا۔ البتہ کتاب کی ابتداء میں جو کلام ہے وہ اسی کا ہے اور وہ ۱۴۲ھ '۱۴۳ھ '۱۴۵ھ میں قتل کیا گیا۔" ۱۱۸ے

ابن خلدون نے اپنے "مقدمہ" میں پہلے تو عقلی علوم اور ان کے اقسام وحالات بیان کئے ہیں۔ پھر یہ بتایا کہ گزشتہ قوموں میں فارس اور روم کی دو بڑی قوموں کو ان علوم کی طرف خاص توجہ رہی تھی۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:

"جب یونان کی سلطنت ختم ہو گئی اور حکومت کی باگ ڈور قیاصرہ کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نصرانیت اختیار کی' تو باقتضائے مذہب وشریعت ان علوم سے بالکل قطع تعلق کر لیا اور ان علوم کی کتابیں ان کے کتب خانوں میں مقفل پڑی رہیں۔ پھر شام پر بھی ان قیاصرہ کا تسلط ہو گیا اور وہ کتابیں اس طرح ان کے کتب خانوں میں بند رہیں۔

پھر اللہ نے اسلام کو سربلندی عطا فرمائی اور اہل اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا۔ اس کی کوئی نظیر نہیں۔ چنانچہ جس طرح وہ دوسری قوموں پر غالب ہوئے۔ اسی طرح روم اور ان کی مملکت کو بھی اپنے زیر نگین کیا۔

ان اہل عرب کے معاملات ابتداء نہایت سادگی پر مبنی تھے اور انہیں علوم وصنائع کی طرف کوئی توجہ نہ تھی لیکن جب سلطنت ومملکت میں عظمت وشان پیدا ہوئی اور تمدن کا وہ حصہ پایا جو دوسری کسی قوم کو نہ ملا تھا اور گوناگوں علوم وصنائع

پھیلائے توان علوم حکمیہ (عقلی اور فلسفیانہ) سے واقف ہونے کا شوق ان کے دلوں میں پیدا ہوا۔ جن کی بابت ان پادریوں اور رہبانوں سے کچھ چرچے سنے تھے۔ جن سے ان (مسلمانوں) کے معاہدے تھے کہ ان میں انسانی افکار کی بلندیاں ہیں۔

چنانچہ ابو جعفر منصور نے شاہ روم کو لکھا کہ کتب تعالیم ترجمہ کے ساتھ بھیجے تو اس (شاہ روم) نے اقلیدس اور طبیعات کی بعض کتابیں منصور کے پاس بھیج دیں، جن کو مسلمانوں نے پڑھا اور ان میں جو کچھ تھا ان سے وہ واقف ہوئے۔ اس سے شوق اور بڑھا اور بقیہ علوم کے فتح باب کی لگن ان کے دل میں سمائی۔"۱۱۹

جلال الدین سیوطی، علامہ "تاریخ الخلفاء" میں محمد بن علی الخراسانی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"منصور وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے نجومیوں کو مقرب بنایا اور نجوم کے احکام پر عمل کیا اور سب سے پہلے اسی کے لئے سریانی اور عجمی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہوئے۔ مثلاً "کلیلہ ودمنہ" اور "اقلیدس" وغیرہ۔

مسلمانوں کا یونانی علوم سے اولین تعارف

مسلمان زمانہ فتوحات میں اسکندریہ، جندیساپور اور حران وغیرہ کے مکاتب سے متعارف ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ۲۱ھ / ۶۴۲ء میں جب اسکندریہ فتح ہوا تو اسکندریہ کا فلسفی یحییٰ نحوی زندہ تھا۔ حضرت عمرو بن العاص نے اس کی علمی شہرت سنی تو اسے بلا بھیجا۔ ابطال تثلیث اور فنا عالم پر اس کے منطقی و فلسفیانہ دلائل جن سے عرب ہنوز ناآشنا تھے۔ سن کر بہت مسرور ہوئے اور اسے اپنا ندیم بنالیا۔"۱۲۰

یہ مسلمانوں کا علوم عقلیہ سے پہلا تعارف تھا۔ اس کے بعد جب خالد بن یزید (م ۸۵ھ / ۷۰۴ء) کو خلافت سے محروم کر دیا گیا تو اس نے دربار خلافت کی دریوزہ گری سے بچنے کیلئے فن کیمیاء کی طرف توجہ دی اور مصر میں رہنے والے علماء سے کیمیاء کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ مصر کے ایک طبیب اصطفن نے خالد کے لیے کیمیا کی کئی کتب کا ترجمہ کیا۔ اسلامی عہد میں یہ پہلا ترجمہ تھا جو ایک زبان سے دوسری زبان میں کیا گیا تھا۔۱۲۱

"۱۳۲ھ / ۷۵۰ء میں جب امویوں کے جائے عباسی خلافت کا آغاز ہوا اور دارالحکومت دمشق سے عراق منتقل ہو گیا تو بہت جلد عباسی دربار علم و فکر کی آماجگاہ اور سائنسی علوم کی ترقی کا مرکز بن گیا۔ خلفاء بنو عباس سائنسی علوم کی ترویج و اشاعت میں ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔ عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور (۷۵۴۔۷۷۵ء) فلسفہ اور نجوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ ان علوم کے ماہرین کا قدردان بھی تھا۔"۱۲۲

"مشہور نجومی نوبخت فارسی اور اس کے بیٹے ابو سہل کو المنصور کا تقرب حاصل رہا۔"۱۲۳

"بغداد کا سنگ بنیاد ۱۴۵ھ / ۷۶۲ء رکھنے کے لئے علماء نجوم نوبخت، ماشاء اللہ، ابراہیم فرازی اور طبری سے مشورہ کیا۔"۱۲۴

"اسی کے عہد میں ابو یحییٰ بطریق نے بطلیموس کی المجسطی کے چار ابواب جو فلکیات سے متعلق تھے، عربی میں منتقل کیے۔"۱۲۵

اسی زمانہ میں ۱۵۴ھ / ۷۷۰ء میں ہندوستان کا ایک ہیئت دان گنگا خلیفہ کے دربار میں ایک کتاب "سدھانتا" لے کر آیا۔ المنصور نے ابراہیم فرازی سے اس کا عربی ترجمہ کرایا۔ جس کی مدد سے اس کے بیٹے محمد بن ابراہیم فرازی نے

۷۹۶ء۔۸۰۶ء کے درمیان ایک اور کتاب تیار کی جسے "فلکیات السند ہند الکبیر" کا نام دیا گیا۔" ۱۲۶ے

"المنصور نے اپنے علاج کے لئے اطباء بغداد کے مشورہ سے جندیسابور سے جرجیس کو طلب کیا۔ جس کے چند روز علاج سے وہ صحت مند ہو گیا۔ اس کے بعد مہدی اور ہارون الرشید کا پوتا جبریل بن خنت یشوع ہارونی میں سرکاری طبیب کی حیثیت سے بغداد میں ہی رہنے لگا۔" ۱۲۷ے

ہندوستان کے اطباء میں سے منکہ ہارون الرشید کے علاج کے لئے آیا تھا۔ وہ فارسی اور عربی جانتا تھا۔ اس نے طب کی ہندی کتب کا فارسی اور عربی میں ترجمہ کیا۔" ۱۲۸ے

اسی طرح مسلمان دیگر اقوام کے سائنسی ورثہ سے متعارف ہوتے گئے اور ان میں علمی ترقی کے شوق کی سرمستیاں فزوں تر ہو گئیں۔

بیت الحکمت کا قیام

ہارون الرشید نے اپنے عہد حکومت ۷۸۶ء۔۸۰۹ء میں علمی تحقیقات کی سرگرمیوں کو منظم کرنے کے لئے ایک ایسے علمی ادارے کی بنیاد رکھی۔ جس میں یونانی علوم کے ترجمے کا کام شروع کیا گیا۔ اس ادارے کا نام "بیت الحکمت" یا "خزانۃ الحکمت" رکھا گیا۔" ۱۲۹ے

"مامون نے اس ادارے کی از سر نو تشکیل کر کے اس میں مسلمان، عیسائی، یہودی، پارسی اور ہندو ترجمین ملازم رکھے۔ جو فنون حکمت کے متعلق تصنیف و ترجمے کا کام کرتے۔" ۱۳۰ے

فراہمی کتب کا کام جو المنصور کے عہد سے شروع ہو چکا تھا اسے مزید آگے بڑھایا گیا۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید نے اپنے عہد میں جہاں جہاں سے جو کتاب جس قیمت پر دستیاب ہو سکی منگوا کر اس کا ترجمہ کروایا۔" ۱۳۱ے

اور یہ کہنا درست ہے کہ یونان، اٹلی، سسلی اور اسکندریہ کا کوئی علمی سرمایہ ایسا نہ تھا جو دارُالسلام میں منتقل نہ ہو گیا ہو۔" ۱۳۲ے

تراجم کے ذریعہ امم سابقہ کے علمی سرمائے سے آگاہی کے بعد مسلمانوں نے تحقیقی کام کا آغاز کیا اور سائنس کے ہر شعبہ، طب و جراحت، ریاضی و فلکیات، کیمیاء، و طبیعات، حیاتیات، ٹیکنالوجی اور جغرافیہ میں اکتشافات، ایجادات سے دامان علم کو مالا مال کر دیا۔ عہد بنو عباس کے سائنس دانوں کی خدمات سے سپین کے سائنس دانوں نے استفادہ کیا اور اسلامی سائنس کو مزید ترقی دی"

آج کا انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اوج کمال پر پہنچ چکا ہے۔ نئی سے نئی ایجادات و انکشافات کے باعث زمان و مکان کی وسعتیں سمٹ گئی ہیں۔ فضا میں پھیلی ہوئی ریڈیائی لہریں انسان کے پیغامات دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک بلا خیر پہنچا رہی ہیں۔ فضانوردی کے میدان میں چاند کی سرزمین کو اپنے قدموں سے پامال کرنا اب قصہ پارینہ بن گیا ہے۔ کمپیوٹر کی ایجاد اور اس کے گوناگوں استعمال نے سائنسی ترقی کا ایک ایسا باب کھول دیا ہے۔ جس کی انتہاء کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

طب و جراحت میں انسان کے کارنامے موجب استعجاب ہیں۔ ٹیسٹ ٹیوب بچے عام جنم لے رہے ہیں اور اب یہ

ممکن ہو گیا ہے کہ زندہ جسم کے فاسد اعضاء کو مردہ جسم کے صحت مند اعضاء سے تبدیل کر دیا جائے اور ایک زندہ انسان کسی مردہ انسان کے دل کی دھڑکنوں سے اپنی زندگی کو آگے بڑھا رہا ہو۔ الغرض جس طرف نگاہ ڈالیں ایجادات واختراعات نے دامان باغبان سے کف گل فروش تک ایک وادی گلہ والہ کا سماں پیدا کر رکھا ہے۔ بلاشبہ یہ فتوحات عظیم ہیں۔" ۱۳۳

Singer = A short History of science میں رقمطراز ہیں:

"سائنس کا آغاز کب ہوا اس کا جواب اسی قدر مشکل ہے جتنا کہ سوال کا کہ انسان کی نشوونما کا آغاز کب ہو۔ تاہم سائنس کو موجودہ مقام پر پہنچانے کیلئے مسلمانوں نے اپنے خون جگر سے اس شجرہ علم کی آبیاری کی۔ اگرچہ انہوں نے اس کے لئے خام مواد یونان 'اسکندریہ اور ہند سے لیا۔ لیکن اس پر جو عظیم علمی عمارت تعمیر کی وہ اس سراسر مسلم سائنس دانوں کی کاوش کا نتیجہ تھی۔ اس کے باوجود مسلمان علماء نے یونان وہند کے ارباب علم ودانش کے لئے جذبات تشکر وامتنان کے اظہار واعتراف میں کوئی کوتاہی نہیں اس کے برعکس یورپ نے موجودہ سائنس مسلمانوں سے حاصل کی۔ لیکن ان کے ہاں کلمہ اعتراف تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ایسے علماء انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جنہوں نے تاریخ سائنس میں مسلمانوں کی خدمات کا اعتراف کیا۔" ۱۳۴

اور وہ بھی دبی زبان سے بالعموم یورپ کی موجودہ ترقی کا سلسلہ براہ راست یونان سے ملا کر درمیان میں واقع ہونے والے قرن ہا قرن کے فاصلوں کو ایک ہی جست میں طے کر دیا جاتا ہے۔

"یورپی زبانوں میں بسا سائنس کی تاریخ اور سائنس دانوں کے حالات پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں محض گنتی کے چند نام مسلم سائنسدانوں کے آتے ہیں اور وہ بھی انتہائی اختصار کے ساتھ 'عربی' فارسی اور اردو میں اس موضوع پر لکھی کتابوں نے زیادہ تر مسلمانوں کی طبی خدمات اور فلسفیانہ افکار کو موضوع بنایا ہے اور سائنس کی مشہور شاخوں مثلاً ریاضی' ہیئت ' نباتات اور ٹیکنالوجی میں مسلمانوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان کی تفصیل سے یہ کتابیں تہی دامن ہیں۔" ۱۳۵

معین الدین ندوی رقمطراز ہیں:

یونانی سائنس جب ایتھنز کے دارالعلوم سے اسکندریہ کے عجائب خانہ میں منتقل ہوئی تو اسکندریہ کے علماء نے اسے صغریٰ وکبریٰ کے عقلی واستدلالی نگارخانہ سے نکال کر تجربہ ومشاہدہ کی کسوٹی پر کس دیا اور آتشیں ودخانی انجن' آبی گھڑیاں' کرین وغیرہ متعدد چیزیں ایجاد کیں' لیکن کچھ عرصہ بعد اسکندریہ کا عقلی انحطاط شروع ہو گیا اور مسیحت نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ نتیجۃً مفکرین نے اپنی کوششوں کا رخ مذہب وفلسفہ میں تطبیق پیدا کرنے کی طرف پھر دیا۔ تاہیں ہمہ یعقوبی اور نسطوری مذہب کے عیسائیوں کی بدولت اسکندریہ سکول میں طب 'کیمیاء' اور علوم طبعیہ کے مدہم آثار موجود تھے اور اسلامی فتوحات کے زمانے تک یہ حالت قائم رہی۔ البتہ ان علوم میں سحر وطلسمات اور علم نجوم کی آمیزش پائی جاتی تھی۔" ۱۳۶

ابن قفطی رقمطراز ہیں:

"مسلمانوں نے ماضی کے سائنسی ذخیرہ سے متعارف ہونے کیلئے سائنسی کتب کی فراہمی اور ان کے تراجم کی طرف

توجہ دی' اموی عہد میں چند کتابوں کے ترجمے ہوئے لیکن تراجم نگاری کے کام کو سرکاری سرپرستی حاصل نہ ہوسکی۔ عہد بنو عباس میں منصور دورِ حکومت میں یونان' جندیشاپور' حران اور ہندوستان کی کئی کتب جمع کی گئیں اور ان کے ترجمے بھی ہوئے۔ اقلیدس اور طبیعات کی کچھ کتابیں منصور نے قیصرِ روم سے طلب کی تھیں۔ جو قیاصرہ کے کتب خانوں میں گوشہ گمنامی میں پڑی ہوئی تھیں۔ کیونکہ مسیحیت کے نام لیواؤں نے ان کی تعلیم و تدریس ممنوع قرار دے دی تھی۔ ہارون الرشید نے المنصور کے کام کو مزید آگے بڑھایا اور کتابوں کا اس قدر ذخیرہ جمع کر لیا جس نے ایک مستقل کتب خانے کی شکل اختیار کر لی۔ جو ''خزانۃ الحکمت'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس عہد میں برامکہ کے ذریعے ہندوستان کی بہت سی کتابیں بغداد میں متعارف ہوئیں۔[۱۳۷]

''یونانی کتب کی تلاش و جستجو کا کوئی باقاعدہ اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ جو کتابیں معمولی کوشش سے دست یاب ہوگئیں۔ ہارون الرشید نے یوحنا بن ماسویہ اور ابو سہل بن نوبخت سے ان کا ترجمہ کرایا۔ لیکن یہ ذخیرہ مامون کے علمی ذوق کی تسکین کے لئے کافی نہ تھا اس قیصرِ روم کو خط لکھ کر ارسطو کی تمام کتب جو دست یاب ہوسکیں دارالسلام میں منگوائیں۔''[۱۳۸]

''مامون نے حجاج بن مطر' ابن بطریق اور مسلم کو اس غرض سے روم بھیجا کہ وہاں سے اپنی پسند کی کتابیں انتخاب کر کے لائیں۔ یوحنا ماسویہ بھی کتابوں کی تلاش میں روم گیا۔ حنین بن اسحاق نے کتابوں کی تلاش میں کئی شہروں کی خاک چھانی اور اقصائے بلاد روم تک پہنچ گیا۔ آرمینیہ' مصر' شام' سپرس اور دوسرے مقامات پر لاکھوں روپے دے کر قاصد بھیجے گئے کہ جس طرح ممکن ہو سائنسی اور فلسفیانہ تصانیف بہم پہنچائیں۔ اس زمانہ میں قسطا بن لوقا اپنے شوق سے روم گیا اور وہاں سے بہت سی کتابیں لے کر واپس بغداد آیا۔ مامون کو معلوم ہوا تو اس نے اسے بیت الحکمت میں مترجم مقرر کر دیا۔ مامون کے دربار کے امراء و قدماء بھی اس کام میں پیچھے نہیں رہے اور بنو موسیٰ شاکر نے روم کے اطراف میں بہت سے ایلچی بھیجے اور فنونِ حکمیہ کی کتابیں منگوائیں۔''[۱۳۹]

''کتابوں کی فراہمی کے ساتھ ساتھ مسلم حکمرانوں اور امراء نے مختلف علماء سے یونانی' فارسی' ہندی اور دیگر زبانوں کی علمی کتابوں کو عربی میں منتقل کرانا شروع کیا۔ ابتدائی عہد کے مترجمین کو یہ اعزاز دیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے تراجم نگاری ایسے مشکل فن کی بنیاد رکھی لیکن ان کے تراجم چیستان سے کم نہ تھے۔ کیونکہ ان کا انداز یہ تھا کہ یونانی کے ہر مفرد لفظ کے نیچے عربی مفرد لفظ لکھ دیتے اور کبھی یونانی سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لئے پہلے سریانی میں لفظی ترجمہ کیا جاتا اور پھر اسے لفظ بہ لفظ عربی میں منتقل کر دیا جاتا۔ یہ طریق ترجمہ یوحنا بن بطریق اور عبدالمسیح بن الناعمی کا تھا۔''[۱۴۰]

ڈاکٹر براؤن ان تراجم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''سریانی تراجم میں عبارت نادرست اور اندازِ بیان الجھا ہوا ہے۔ الفاظ کو ان کے صحیح معانی میں استعمال نہیں کیا گیا۔ بسا اوقات مترجم یونانی کتب کے دشوار حصوں کو سمجھنے سے قاصر رہتے تھے اور مشکل الفاظ کو قابلِ فہم جملوں میں کہنے کے بجائے ہر مشکل لفظ کی جگہ سریانی کا ایک لفظ لکھ دیتے یا اس یونانی لفظ کو سریانی حروفِ تہجی میں بجنسہ نقل کر دیتے اور پڑھنے والوں سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ ان چیستانوں کو حل کرلیں گے۔''[۱۴۱]

اس خامی کو دور کرنے کے لئے الرشید اور المامون کے عہد میں ابتدائی تراجم پر نظر ثانی کر کے ان کی اصلاح کی گئی۔ بلکہ بعض اہم کتب مثلاً المجسطی وغیرہ کے کئی مرتبہ ترجمے کرائے گئے اور ان میں سے صحیح اور فصیح ترجموں کا انتخاب کیا گیا۔

''بامحاورہ ترجمہ کرنے والوں میں سرفہرست حنین بن اسحاق کا نام ہے۔ وہ عربی' یونانی' سریانی اور فارسی کا ماہر عالم تھا۔ اس نے تراجم کا یہ انداز اختیار کیا کہ ایک کتاب کے تمام ممکن الحصول نسخوں کو جمع کرتا اور ان کا باہمی موازنہ کرنے کے بعد صحیح ترین نسخہ تیار کرتا تھا پھر اس کا ترجمہ اس طرح کرتا کہ ہر پیراگراف کو عام فہم' آسان اور سلیس عربی میں منتقل کر دیتا۔ اس نے ارسطو' اقلیدس' بطلیموس' ارشمیدس اور جالینوس کی کتابوں کے تراجم کئے اور ساتھ ہی اپنی نگرانی میں ترجمہ نگاروں کی ایک قابل اعتماد جماعت تیار کی۔ جن میں اس کا بیٹا اسحاق بن حنین اور خواہر زادہ جیش بن الاعسم بھی شامل تھے۔ یہ جماعت حنین کے اسلوب پر ترجمہ کرتی تھی اور وہ ان تراجم پر نظر ثانی کیا کرتا تھا۔

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ حنین کی طرف جو تراجم منسوب ہیں ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اس کے شاگردوں کے ہاتھوں معرض وجود میں آئے۔ ۱۴۲

حنین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بامحاورہ طریقہ ترجمہ کی بنیاد رکھی۔ ترجمہ کے ضمن میں سب سے مشکل کام یونانی اصطلاحات کے مقابلے میں عربی اصطلاحات وضع کرنا تھا۔ حنین نے یہ گراں قدر کارنامہ انجام دیا کہ بعض یونانی اصطلاحات کے مقابلے میں عربی اصطلاحات وضع کیں۔ بعض کو معرب کیا اور بعض کو ایسی اصطلاحات جنہیں عربی زبان قبول کر سکتی تھیں۔ بلفظہا عربی میں لے لیں۔ ۱۴۳

ان کے علاوہ ثابت بن قرہ' یعقوب الکندی' قسطابن لوقا' عمر بن فرخان الطبری اور دیگر متعدد تراجم نگاروں نے یونانی کتب سائنس عربی میں منتقل کیں۔

ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' کا ایک مکمل باب مترجمین کیلئے وقف کیا ہے۔ لیکن مسلمانوں کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے علوم کی بنیاد تجربہ و مشاہدہ پر رکھی۔ یونانی علوم و فنون پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔ ان کے اصول و قواعد پر اعتراضات کئے۔ ان کی رد میں کتابیں لکھیں اور خذ ما صفا دع ما کدر پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ایک نئے منہج کی اساس فراہم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

عربوں نے علوم کی تحصیل میں جو حیرت انگیز مستعدی ظاہر کی اس کے بارے میں بریفالٹ لکھتا ہے:

''اس امر کی کوئی مثال نہ پہلے موجود تھی اور نہ اب تک ہے کہ کسی وسیع سلطنت کے طول و عرض میں حکمران طبقے اتنے بڑے پیمانے پر حصول علم کی مجنونانہ خواہش سے سرشار ہو گئے ہوں۔ خلفاء اور امراء اپنے محلوں سے اٹھ کر کتب خانوں اور رصدگاہوں میں جا گھستے تھے۔ مسودات و مخطوطات اور نباتیاتی نمونوں سے لائے ہوئے کارواں بخارا سے دجلہ تک اور مصر سے اندلس تک رواں دواں رہتے تھے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ دمشق' بغداد اور قاہرہ کی رصدگاہوں میں بارہ بارہ سال سے بھی زیادہ مدت تک فلکیاتی مشاہدے جاری رہتے۔ عربوں کے علم ہیئت نے کوئی کوپرنیکس اور نیوٹن پیدا نہیں کیا۔ لیکن انہوں نے جو کچھ کیا اس کے بغیر کوپرنیکس اور نیوٹن پیدا ہو ہی نہ سکتے تھے۔'' ۱۴۴

مسلمان اموی عہد میں ہی سپین پر اپنی حکومت قائم کر چکے تھے۔اگر چہ بعد کے دور میں مشرق ومغرب کی حکومتیں باہمی آمیزش کا شکار رہیں۔لیکن سیاسی اختلافات علمی آراء وافکار کے تبادلے کی راہ میں آڑے نہیں آئے۔اندلس کی مردم خیز سرزمین میں سائنس کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والی نامور شخصیتوں نے جنم لیا اور یورپ نے براہ راست انہیں کی شاگردی اختیار کی لیکن جن تلخ اور سنگین حالات میں مسلمانوں کو اندلس سے نکلنا پڑا اس کے نتیجے میں اندلس کا بیشتر علمی ذخیرہ مسیحیت کی علمی دشمنی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ایسے مآخذ ومصادر ضائع ہو گئے جن سے اندلس میں مسلمانوں کی سائنسی ترقی کا صحیح اندازہ کیا جا سکے اور جو کچھ باقی بچ رہے ان تک رسائی کوئی آسان کام نہیں مثلاً اسکوریال لائبریری میں بے شمار مخطوطے ابھی تک محققین کی نگاہ التفات کے منتظر ہیں۔اگر ان ذخیروں کو کھنگالا جائے تو مسلمانوں کے کارناموں کے جس حصے کو دیکھ کر آج ہم حیران ہو رہے ہیں یہ ان کے واقعی اور حقیقی کارناموں کا عشرِ عشیر بھی نہ نکلے۔[۱۲۵]

شاعری

شعر کی تعریف اور اس کی ابتداء

شعر اس موزوں ومقفیٰ کلام کو کہتے ہیں جو نادر افکار، طرفہ خیالات اور پر اثر معنی خیز مناظر وحالات کی صحیح ترجمانی وعکاسی کرے۔شعر کبھی نثر میں ہوتا ہے اور کبھی نظم میں۔احساس سے تعلق اور طبیعت سے لگاؤ کی بناء پر نیز عقلی وتمدنی ترقی اور علمی گہرائی اور تحقیقی کاوشوں کی ضرورت نہ ہونے کے باعث، شاعری کو ادبی آثار میں قدیم ترین مقام حاصل ہے۔عربوں میں شاعری کا آغاز کب ہوا اس کی تاریخ نہیں ملتی، البتہ یہ معلوم ہے کہ جب شاعری کو تاریخ نے جانا تو وہ نہایت محکم ومرتب قصائد کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ بہر حال جب بھی تاریخ کے کانوں نے عربی شاعری سنی اس وقت وہ پختہ اور منظم شکل اختیار کر چکی تھی۔عقل یہ بات تسلیم نہیں کر سکتی کہ شاعری اپنے ابتدائی دور ہی میں اس قدر پاکیزہ وشستہ اور حسین وکامل شکل میں نمودار ہوئی ہو جیسی کہ وہ مہلہل بن ربیعہ اور امراؤ القیس کے شعروں میں نظر آتی ہے۔یقیناً اس پر مختلف ادوار گزرے ہوں گے، وہ انقلابات زمانہ سے متاثر ہوئی ہو گی، زبانوں نے اس کو رواں کیا ہو گا، تب کہیں جا کر اس کے اسلوب میں شائستگی، اور اس کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی ہو گی۔[۱۲۶]

شاعری اور ادب

عرب فطرتاً تمام سامی اقوام سے زیادہ شاعری کی قابلیت رکھتے ہیں، اور شاعری پر ان کو پورا پورا قابو حاصل ہے، اس لئے کہ ان کی زبان میں مفہوم ادا کرنے کے لئے بہت زیادہ وسعت ہے۔ان کا ماحول خیال آفرینی کے لئے مناسب وموزوں ہے۔ ان کی طبیعتیں پاکیزہ اور ان کی زندگی سادہ ہیں۔قوت عصبیت اور جذبہ آزادی ان میں بدرجہ اتم موجود ہے، نیز ان کا جزیرہ ان تمام موانع سے خالی ہے جو ذہن کو غور وفکر کی راہ سے روکیں۔آسمان وبیابان کے درمیان وہ ایک ایسی لامحدود فضائیں ہیں جو دل ودماغ کو جلال وجمال اور افکار وخیالات سے بھر دیتی ہے۔اس کے علاوہ ان کی طبیعتیں حساس اور پر جوش ہیں۔خوف اور خوشی کے جذبات ان کو باآسانی برانگیختہ کر دیتے ہیں۔غم وغصہ یا عیش ومسرت بہت جلد ان کو بے خود اور مست کر دیتا ہے۔چنانچہ جو خیال بھی ان کے دل میں آیا یا جس چیز کا انہیں احساس ہوا انہوں نے فوراً اس کو نظم کر دیا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری ان کے علم و حکمت و تجارت کا مخزن، ان کے کردار اور جنگی وقائع کی مرقع، ان کے صحیح و

غلط کی آئینہ دار اور ان کی شاعری کا بیشتر حصہ برجستہ اور آمد ہے۔ چنانچہ ان کی شاعری میں وجدانی یا قلبی احساسات کی ترجمانی کرنے والا حصہ اس قدر وافر ہے کہ اس کی مثال دنیا کی کسی دوسری قوم کی شاعری میں نہیں ملتی۔[۱۴۷]

عرب کی فخریہ شاعری

عرب کی فخریہ شاعری بالکل مختلف حیثیت رکھتی ہے۔ عرب میں سینکڑوں مختلف قبیلے تھے۔ ان میں جنگ و جدل رہتی تھی اور ہر ایک کو اپنی مدد کے لئے اور قبیلوں سے کام لینا پڑتا تھا۔ اس غرض کے لئے شاعری سب سے بڑا کارگر آلہ تھا۔ اشعار میں وہ اپنے رتبہ اور شان کو اس حیثیت سے دکھاتے تھے کہ دوسروں پر اثر ہوتا تھا اور لوگ خواہ مخواہ ان کے حلقہ بگوش یا یار وفادار بن جاتے تھے 'اس طرح فخریہ شاعری کی بنیاد پڑی۔ رفتہ رفتہ اس کو وسعت ہوتی گئی اور فخریہ شاعری کے بہت موقع نکل آئے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ قبائل کے مقابلہ میں فخر کا اظہار

۲۔ معرکہ جنگ میں فخر کا اظہار

۳۔ شعراء میں باہم مفاخرت

لیکن یہ عجیب ہے کہ ان میں کہیں شاعری کا فخر نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ایک شاعر کے مقابلہ میں بھی جب فخر اور ترجیح کا دعویٰ کرتا تھا تو علو نسب 'جود و کرم' رزم آرائی کے معرکوں کی بناء پر کرتا تھا۔

جاہلیت اور ابتدائے اسلام کے فخر میں نسب کا فخر سب سے ضروری عنصر تھا۔ لیکن متاخرین میں یہ عنصر کم ہوتا گیا۔ متنبی کہتا ہے:

لا یقومی شرفت بل شرفو ابی
و بنفسی فخرت لا بجدودی[۱۴۸]

میرا شرف خاندان کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ خاندان کو مجھ سے شرف ہے۔ مجھ کو اپنے باپ دادا پر ناز نہیں بلکہ اپنے آپ پر ناز ہے۔

یہ وہی خیال ہے۔ جس کو مرزا غالب نے ثبوت کیساتھ ادا کیا ہے۔

'گوہر بہ کان ' کان بہ گہر روی شناس ست
بر فرخی ذات ۔ ولیلم اب و عم راہ[۱۴۹]

متنبی نے اگرچہ فخر کا صحیح مفہوم سمجھا 'لیکن زادا سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ نسب کا بیٹا ہوگا۔ اس لئے دوسرے شعراء نے اسی پہلو کا بھی لحاظ رکھا۔

متنبی کی شاعری خودی اور انداز تفاخر لیے ہوئے ہے۔

وبِهِمِ فَخْرُ كُلِّ مَنْ نَطَقَ الضَادَ
وَعَوذُ الْجَانِي وَ غَوْثُ الطَرِيْدِ
اِنْ اَكُنْ مُعْجِبًا فَعَجَبُ عَجِيْبٍ

لَمْ يَجِدْ فَوْقَ نَفْسِهٖ مِنْ مَزِيْدٍ ۱۵۰

"حالانکہ میرے اجداد باعث فخر تمام عرب ہیں۔ کیونکہ حرف ضاد سوائے عرب کوئی نہیں بولتا اور میرے بڑے گناہگار کی پناہ اور درماندہ کے فریاد رس ہیں۔ اگر میں اپنے نفس اور اس کے کمالات پر خود پسندی کروں اور اپنے کو براگنوں تو یہ تعجب اس شخص کا سا ہے جو اپنے سے کسی کو زیادہ نہ پاوے تو اس کا اعجاب قابل انکار نہ ہو گا' ایسا ہی میرا حال ہے۔"

قدیم شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈی اولیری "مسلمانوں کی عقلی تاریخ' فلسفہ اسلام" میں رقمطراز ہیں:

"قدیم ترعربی ادب جو عربوں کی تصنیف ہے اور جس پر ابھی خارجی اثرات نہیں پڑے۔ زیادہ تر شاعری پر مشتمل ہے۔ یہ پیشہ ور شعراء کا کلام ہے۔ جو صحرا کی زندگی اور جنگ کا راگ گاتے ہیں۔ یا ویران شدہ خیمہ گاہوں کا ماتم کرتے ہیں۔ اپنے قبیلے کے اوصاف پر فخر اور اپنے دشمنوں پر سب وشتم کرتے ہیں۔ یہ شاعری کی ایک خاص صنف ہے۔ جس نے اپنے علیحدہ معیارات قائم کئے ہیں اور اپنے انداز میں حسن وخوبی کے بلند معیار تک پہنچی ہے۔ بہت سے اعتبارات سے یہ قدیم تر عربی شاعری ہم کو متاثر کرتی ہے۔ اس سے حیرت انگیز مشاہدہ فطرت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے اندر حزن بھی پایا جو صحرا کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے۔ اس کا ایک جذبلی رخ بھی ہے۔ جس کی حقیقت یقین آفرین ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی دلچسپی کا حلقہ اور موضوع بحث بہت محدود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عربی کے ادبی اوصاف کے صحیح طور پر سمجھنے اور اس کے لغت اور قواعد ونحو پر عبور حاصل کرنے کے لئے اس شاعری کا مطالعہ از بس ضروری ہے اور گذشتہ چند سال سے اسکی جانب بہت کچھ توجہ کی جارہی ہے۔ لیکن یہ قدیم ترعربی شاعری جو بظاہر مقامی معلوم ہوتی ہے مگر جس پر ممکن ہے اسلام سے پہلے کے ادوار میں نامعلوم خارجی اثرات پڑے ہوں' بنی امیہ کے زوال کے بعد ہی ختم ہو جاتی ہے۔" ۱۵۱

حضور ﷺ کے شعراء کا بیان

عبدالحیٔ کتانی "التراتیب الاداریہ" میں حضور ﷺ کے شعراء کا بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مسلمانوں کی طرف سے شعراء میں سے حضرت حسان بن ثابتؓ' حضرت کعب بن مالک اور عبداللہ بن الزبعری اور ابوسفیان بن حارث شاعر تھے۔ پھر یہ لوگ بھی اسلام میں داخل ہو گئے تو پھر مشرکین کا کوئی بھی شاعر ان کے مدمقابل نہ رہا۔ پھر تو صحابہ کرام شعر کا منبع اور معدن ہو گئے۔ ان میں سے سب سے زیادہ خلفاء اربعہ تھے اور ان میں سے بھی سب سے زیادہ اشعار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تھے اور آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ' حضرت خنساءؓ سے زیادہ اشعار جاننے والی تھیں۔ آپ ایسے ایسے شعراء کے کلام سے روایت فرماتی تھیں جو مردوں کو بھی یاد نہیں ہوتا تھا۔ ۱۵۲

اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ شعراء صحابہ میں حضرت حسان بن ثابتؓ کی وہ شخصیت تھی۔

براء بن عازب سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپؐ فرماتے تھے حسان بن ثابتؓ سے کافروں کی ہجو کر اور جبرئیل تیرے ساتھ ہیں۔" ۱۵۳

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

"اے حسان! اللہ کے رسول کی طرف سے جواب دے۔ یا اللہ مدد کر حسان کی روح القدس سے۔" ۱۵۴

حضرت حسان بن ثابتؓ کے بعد مشہور شاعر یہ ہیں:

نابغہ الجعدی' کعب بن زہیر' کعب بن مالک' زبرقان' عمرو بن عاص' عبداللہ بن رواحہ' فرار بن خطاب' حضرت

عباس اور عبداللہ بن عباس ؓ‌بعید 'معاویہ بن ابی سفیان 'ابو سفیان 'حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم

اور یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن زہیرؓ کو خون کو ھدر کرنے کے بعد بعض اشعار کی وجہ سے معاف کر دیا اور انعامات مرحمت فرمائے۔ ان کا قصیدہ بہت مقبول ہوا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو ان کے اشعار پر اپنی قبطی باندی بشرین عطا فرمادی۔ ۱۵۵؎

غرضیکہ قصائد اور دیگر اصناف سخن پر بہت سے دیوان اور تالیفات موجد ہیں اور حروف معجم پر بھی مرتب ہیں۔

"ایک مرتبہ حضور ﷺ نے عمرو بن شرید رضی اللہ عنہ سے امیہ کے اشعار سنے تو فرمایا کہ اس (امیہ) کا شعر ایمان دار جیسا ہے اور ان کا دل کافر جیسا ہے۔" ۱۵۶؎

"وَكَادَ اُمَيَّةُ بْنُ اَبِي الصَّلْتِ اَنْ يُسْلِمَ"؎

اور قریب ہے کہ امیہ بن ابو الصلت اسلام لے آئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بے شک بہت سچی بات جو شاعر نے کہی وہ لبید بن ربیعہ کا یہ شعر ہے:

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ ۱۵۷؎

سن لو! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

حضرت جندب بن سفیان بجلیؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی انگلی مبارک کو ایک پتھر لگا جس کی وجہ سے خون جاری ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا:

هل انت الا اصبع دميت
وفي سبيل الله ما لقيت ۱۵۸؎

ان شعراء اور شاعرات کا ذکر جنہوں نے حضور ﷺ کی وفات پر مرثیہ پڑھا۔

حضور اکرم ﷺ کی وفات پر جن شعراء اور شاعرات نے مرثیہ پڑھا ان کے نام یہ ہیں:

"حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، صفیہ بنت عبد المالک 'ام حکیم بنت عبد المطلب 'ہند بنت المطلب 'ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب 'عمرو بن عاص 'حسان بن ثابت 'کعب بن مالک 'ابو الہیثم بن التحیان 'عبد اللہ بن انیس 'عمرو بن سالم الخزاعی 'الزبرقان بن بدر 'عبد اللہ بن مالک 'ابن ذی مران بن سعادات ہمدانی 'عبد اللہ بن سلمہ الہمدانی 'سواد بن قارب الدوسی الارجی۔" ۱۵۹؎

بعض اشعار کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے بڑے بڑے قیدیوں کا اکرام کیا اور انعامات دیئے۔ قبیلہ ہوازن کے جن لوگوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آزاد کیا عورتوں اور بچوں میں سے چھ ہزار ہیں اور اونٹ چپیس ہزار اور بکریاں چالیس ہزار اور چالیس ہزار اوقیہ چاندی۔ ۱۶۰؎

خلفائے راشد شعر و شاعری کا عمدہ مذاق رکھتے تھے

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے گو کسی مکتب میں باقاعدہ زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا تاہم فطری جودت طبع اور دربار نبوت کی حاشیہ نشینی سے آسمان فضل و کمال پر مہر درخشاں ہو کر چمکے۔ فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے تھے۔ ابتداء میں

شاعری کا ذوق بھی تھا۔ لیکن اسلام کے بعد ترک کر دیا تھا۔ کبھی کبھی جذبات و خیالات خود بخود نظم موزوں کے قالب میں ڈھل جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو گئی۔ بے اختیار ان کو گود میں اٹھالیا اور فرمایا:

و بابی شبه النبیؐ

لیس شبیها بعلی [161]

میرا باپ فدا ہو' یہ نبی سے مشابہ ہے۔ علیؓ سے مشابہ نہیں ہے۔

ذوق سخن

اسلام کے بعد صرف ایسے اشعار میں دلچسپی رہ گئی تھی جن میں خدا کی عظمت و جلالت کا ذکر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ لبید نے مصرعہ پڑھا:

الا کل شیء ما خلا الله باطل

و کل نعیم لا محالة زائل [162]

یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں۔ تو فرمایا تو نے سچ کہا لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا' یعنی ہر نعمت زائل ہو جائے گی تو بولے غلط ہے خدا کے پاس بہت سی ایسی نعمتیں ہیں جو زائل نہ ہوں گی۔

حالت نزع میں حضرت عائشہؓ سرہانے بیٹھی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

من لا یزال دمعه مصنعا

فانه فی مرة مدفوق

فرمایا یہ نہ کہو بلکہ کہو:

وجأت سکرة الموت بالحق

ذلك ما کنت منه تحید

موت کی بے ہوشی کا ٹھیک وقت آ گیا اور یہ وہ چیز ہے جس سے تم بھاگتے تھے۔

انہوں نے اس کے بعد دوسرا شعر پڑھا:

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة للا رامل

گورا جس کے چہرے سے بادل بھی پانی طلب کرتا ہے' یتیموں کا ماوای اور بیواؤں کا ملجا' بولے! یہ رسول اللہ ﷺ کی شان تھی۔ [163]

حضرت عمر فاروقؓ بہت کم شعر کہتے تھے لیکن شعر و شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی میں واقعہ متروک نہیں ہو سکتا۔ عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام کثرت یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں۔ اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا۔

ابن رشیق القیروانی "کتاب العمدہ" میں رقمطراز ہیں:

وکان من انقد اھل زمانہ للشعر وانقدھم فیہ معرفۃ۔

ترجمہ:۔ حضرتؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔۱۶۴؎

جاحظ "کتاب البیان والتبیین" میں رقمطراز ہیں:

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر۔

یعنی عمر بن خطاب اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔

نجاشی ایک شاعر تھا جس نے تمیم بن مقبل کے خاندان کی ہجو کہی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمرؓ سے اس کی شکایت کی حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابتؓ کو جو مشہور شاعر تھے حکم قرار دیا اور فیصلہ انہوں نے کیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کو احتمال تھا کہ حضرت عمرؓ خود شعر فہم نہ تھے اس لئے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمت عملی تھی کہ وہ بدزبان شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے ورنہ شعر کے دقایق ان سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔۱۶۵؎

شعر کا ذوق

حضرت عمرؓ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لے لے کر پڑھتے تھے ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے یہ شعر آیا:

و ان الحق مقطعہ ثلاث
یمین او نفار او جلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محفوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا۔ ایک اور دفعہ عبدۃ ابن الطیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر پھڑک اٹھے اور دوسرا:

والمرء ساع لامر لیس یدرکہ
والعیش شخ و اشفاق و تامیل

مصرع بار بار پڑھتے رہے اسی طرح ابو قیس بن الاصلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہراتے۔۱۶۶؎

شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء" میں حضرت عمر فاروقؓ کے ذوق سخن کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اگر ان کو مہمات خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے، سینکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے۔ علمائے ادب کا بیان ہے کہ ان کے حفظ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے۔ جس قسم کے اشعار پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خودداری، آزادی، شرافت نفس، حمیت، عبرت کے مضامین ہوتے تھے۔ اسی بناء پر امرائے فوج اور اعمال اضلاع کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو یہ فرمان بھیجا:

مر من قبلک بتعلم الشعر فانہ یدل علی معالی الاخلاق و صواب الرای و

معرفة الانساب۔ ۱۶۷؎

لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف رستہ دکھاتے ہیں۔

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اس کے یہ الفاظ تھے:

علموا اولادكم العوم الفروسية و رووهم
ما سار من المثل و حسن من الشعر

اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھلاؤ اور ضرب المثلیں اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیئے۔ اس وقت تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس رسم کو مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی۔ اس طرح ہجو گوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حیطہ کو جو مشہور ہجو گو تھا اس جرم میں قید کیا۔ ۱۶۸؎

دور بنو امیہ کے نمائندہ شعراء

اخطل

پیدائش اور زندگی کے حالات

ابو مالک غیاث بن غوث تغلبی اپنی قوم بنو تغلب میں بمقام "جزیرہ" اپنے قبیلہ کے اکثر افراد کی طرح عیسائی مذہب میں پیدا ہوا۔ بچپن ہی میں اس کے سر پر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا تھا۔ لہٰذا اپنی سوتیلی ماں کے زیر تربیت رہا۔ جس نے اس کی اچھی تربیت نہ کی اور وہ بڑا ہو کر منہ پھٹ' زبان دراز' بد نیت اور شرابی بن گیا۔ ۱۶۹؎

شاعری کی ابتداء

اخطل کی شاعری کی ابتداء بچپن ہی میں ہو گئی تھی۔ اس نے قبیلہ تغلب کے شاعر کعب بن جعیل سے ہجویہ شاعری میں مقابلہ کیا اور اسے گمنام کر دیا۔ جس کے باعث اس کا چرچہ لوگوں میں ہونے لگا اور جب یزید بن معاویہ نے اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں انصار کی ہجو کہنے کیلئے کعب بن جعیل کو بلایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبدالرحمٰن بن حسان نے اپنے شاعری میں یزید کی بہن کا پیچھا لے لیا تھا' تو کعب انصار کے انتقام سے ڈر گیا اور اس نے یزید کو اخطل کا نام بتا دیا اور کہا کہ وہ انصار کو خوب آڑے ہاتھوں لے گا۔ چنانچہ یہی سلسلہ اس کی بلند اقبالی و شہرت کا ذریعہ بن گیا۔ وہ یزید سے مل گیا اور انصار کی ہجو کی۔ جس پر انصار بگڑ گئے اور معاویہ کے پاس فریاد لے گئے۔ معاویہؓ نے اس جھگڑے کا ثالث انصار ہی کو بنا دیا۔ انہوں نے اس کی زبان کاٹ دینے کا مطالبہ کیا۔ لیکن یزید نے بیچ میں پڑ کر انصار کو منا لیا اور انہوں نے اسے معاف کر دیا۔ خلفاء بنو امیہ نے اس کے اس احسان کو نہ بھلایا وہ ہمیشہ اس کو پیش پیش رکھتے اور عزت افزائی کرتے تھے۔

شاعر خلیفہ

عبدالملک بن مروان نے اخطل سے قبائل قیس اور ان کے شاعروں کا جواب دینے میں' جو عبدالملک کے دشمن اور آل زبیر کے حامی تھے اس شاعر سے مدد حاصل کی۔ خلیفہ وقت نے اخطل کے دربار میں داخلہ پر بھی کوئی پابندی نہ رکھی تھی۔ عبدالملک بن مروان اس سے بڑی مہربانی سے پیش آتا اور اسے اپنے بخششوں سے مالا مال کر دیا تھا۔ اسے "شاعر خلیفہ" کا لقب دے دیا تھا۔ عبدالملک سے اس کی بے تکلفی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ اپنی ریشمی عباء پہنے' گلے میں طلائی صلیب ڈالے' ڈاڑھی سے شراب ٹپکاتے ہوئے بلااجازت اس کے دربار میں داخل ہو جاتا تھا۔[۱۷۰]

جریر و فرزدق کے ساتھ ٹکراؤ

جریر و فرزدق کی باہمی ہجو میں اس کے حصہ لینے کا سبب یہ ہوا کہ جب اسے دریافت کیا کہ ان دونوں میں سے کون سا بڑا شاعر ہے تو اس نے کنایۃً موخر الذکر کو افضل بتایا۔ جب جریر کو اس کے اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی تو وہ غصہ ہوا اور اخطل کی ہجو میں کچھ اشعار کہے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

یا ذالضباوۃ ان بشرا قد قضی
الا تجوز حکومۃ النشوان[۱۷۱]

اے ناسمجھ! بشر کا فتویٰ ہے کہ شرابی کا فیصلہ جائز نہیں ہے۔

اخطل بنو امیہ کی نظر میں عزت و احترام سے دیکھا جاتا رہا۔ حتیٰ کہ عمر بن عبدالعزیز نے اسے دیس باہر کر دیا پھر اس نے اپنی بقیہ عمر کبھی دمشق اور کبھی اپنے وطن جزیرہ میں رہ کر گزار دی۔ خلافت ولید کے ابتدائی زمانہ ۹۵ھ میں وہ ستر برس کی عمر پا کر اس جہاں سے رخصت ہو گیا۔

اخطل کی بلند پایہ شاعری کی خصوصیات

اخطل اپنے زمانہ کے تین اول درجہ کے کامیاب' بلند پایہ شاعروں میں سے ایک ہے۔ جن کا دوسرا جریر اور تیسرا فرزدق ہے۔ اس بات پر تمام اہل ادب متفق ہیں کہ یہ تینوں اپنے زمانے کے بہترین اور نامور ترین شاعر ہیں۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ کوئی امتیازی صفت اور ایک مخصوص فضیلت رکھتا ہے۔

اخطل عمدہ مدح کرنے' شراب کا وصف بیان کرنے' ہجو میں کم فحش آمیزی کرنے' اپنے طویل قصائد میں بے ضرورت الفاظ کی بھرتی اور دیگر خامیوں کے نہ ہونے' نیز اپنی طبیعت میں غور و فکر اور چھان بین کا مادہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ممتاز ہے۔

بسا اوقات وہ اپنے بعض مدحیہ قصائد ایک سال تک روک رکھتا تھا اور نوے (۹۰) شعروں کے قصیدہ میں سے کاٹ چھانٹ کے بعد صرف تہائی حصہ باقی رکھنے پر اکتفا کرتا تھا۔ اس کی شوخ و رندانہ طبیعت نے اسے کوئی مرثیہ نہ کہنے دیا اور اگر یزید بن معاویہؓ کے مرثیہ میں کہے ہوئے چار شعر نہ ہوتے تو اس کا کوئی شعر مرثیہ کے سلسلہ میں بیان نہیں کیا جاتا۔ یہ بھی اس لئے کہ یزید ہی اس کی ناموری و آسودگی کا اصلی سبب تھا۔

اخطل خود ستا شاعر تھا

اخطل بڑا خود ستا شاعر تھا۔ سوائے اعشیٰ کے کسی کو اپنے سے بلند و برتر نہ سمجھتا تھا اور اسی لئے اس کے اسلوب کی

پیروی کرتا تھا۔

اخطل کی شاعری کا نمونہ

عبدالملک بن مروان کی مدح میں کہتا ہے:

نفسی فداء أمیر المومنین اذا
ابدی النواجذ یوماً عارم ذکر
الخائص الغمرة المیمون طائره
خلیفة الله یستسقی به المطر
فی نبعة من قریش یعصمون بها
ما ان یوازی بأعلیٰ نبتها الشجر
حشد علی الحق عیانوا الخناء انف
اذا المت بهم مکروهة صبروا

میں قربان جاؤں امیر المومنین پر جو اس وقت جنگ میں کود پڑتے ہیں جب کہ شدت جنگ کے باعث بڑا تند خو بہادر بھی مقابلہ کی سختی کی وجہ سے اپنی باچھیں کھول دیتا ہے' وہ بڑے مبارک اور بڑے مختاور ہیں' خلیفۃ اللہ ہیں جنہیں ساتھ لے کر لوگ بارش کی دعا مانگتے ہیں۔ خاندان قریش سے ہیں جن کی لوگ پناہ لیتے ہیں اور جس سے بڑھ کر کوئی معزز و عالی خاندان نہیں ہے۔ یہ لوگ حق کا ساتھ دیتے ہیں' تہذیب سے گری ہوئی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں' نہایت درجہ خود دارو غیور ہیں' جب ان پر کوئی آفت آتی ہے تو صبر وضبط سے کام لیتے ہیں۔[۱۷۲]

لا یستقل ذو والاضغان حربهم
ولا یبین فی عیدانهم خور
شمس العداوة حتی یستقادلهم
واوسع الناس احلاما اذا قدروا
هم الذین یبارون الریاح اذا
قل الطعام علی العافین او قتروا
بنی امیه نعما کم مجللة
تمت فلا منه فیها ولا کدر

دشمن ان سے لڑنے کو کھیل نہیں سمجھتے اور ان کی قوتوں میں کسی قسم کی کمزوری نہیں پائی جاتی' جب تک ان کا انتقام نہ لے لیا جائے یہ لوگ بڑے کینہ ور اور جنگجو ہیں اور جب یہ قابو پا لیتے ہیں تو نہایت فراخ دلی اور بردباری سے کام لیتے ہیں' یہی لوگ قحط سالی میں سرد ہواؤں کا مقابلہ کرتے ہیں جبکہ مانگنے والوں کو کھانا کم ملتا ہے اور وہ تنگ حال ہو جاتے ہیں' بنو امیہ! تمہارے احسانات عام اور بھرپور ہیں' نہ ان کو جتایا جاتا ہے نہ ان میں کسی قسم کا تکدر ہوتا ہے۔

انصار کی ہجو کرتے ہوئے کہتا ہے:

واذا نسبت ابن الفريعة خلته
كالجحش بين حمارة و حمار
لعن الا له من اليهود عصابة
بالجزع بين صليصل و صرار
قوم اذا هدرا لعصير رأيتهم
حمراً عيونهم من المسطار
خلوا المكارم لستم من اهلها
و خذوا مساحيكم بنى النجار
ذهبت قريش بالمفاخر كلها
واللؤم تحت عمائم الانصار[۱۷۳]

ابن فریعہ کا نسب بیان کرتے وقت تم اس کو ایسا ہی پاؤ گے جیسے گدھے کا بچہ گدھی اور گدھے کے درمیان' خدا کی لعنت ہر یہود کی اس جماعت پر جو صلیصل و صرار کے درمیانی علاقہ میں رہتی ہے' یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب شراب جوش مارے تو تم ان کی آنکھیں تیز نشہ آور شراب پینے کی وجہ سے سرخ دیکھو گے 'اے بنو نجار! اپنے پھاوڑے اٹھاؤ' اور عزت و شرافت کے بلند کارناموں کو چھوڑ دو کہ تم ان کے قابل ہی نہیں' تمام قابل فخر کام قریش کے حصہ میں آگئے' اور ذلت و ناءت انصار کے پلہ پڑ گئی۔

دیگر:۔

والناس همهم الحياة ولاأرى
طول الحياة يزيد غير خبال
واذا افتقرت الى الذخائر لم تجد
ذخرا يكون كصالح الاعمال

لوگوں کی تمام جدوجہد کا ماحصل یہ ہے کہ انہیں زندگی مل جائے' حالانکہ میری نظر میں لمبی عمر بجز نقصان و تباہی میں اضافہ کے اور کچھ نہیں اور جب تمہیں ذخیروں کی ضرورت ہو گی تو نیک اعمال سے زیادہ قابل قدر کوئی ذخیرہ نہ پاؤ گے۔[۱۷۴]

فرزدق

نام ابو فراس ہمام بن غالب تمیمی تھا اور فرزدق لقب تھا۔ جو اس کے چہرے کے بدصورت ہونے کی وجہ سے اس کو ملا۔ فرزدق کا مطلب ہے بدصورت روٹی۔

پیدائش اور حالات زندگی

فرزدق بصرہ میں پیدا ہوا اور وہیں ابتدائی زندگی گزاری۔ وہ آغوش ادب میں پلا' فصیح ماحول میں جوان ہوا' اس کا باپ اسے اشعار پڑھانے اور شاعری سکھانے لگا۔ حتیٰ کہ اس کی طبیعت شعر و شاعری کے لئے موزوں' اور زبان رواں ہو گئی۔ جنگ جمل کے بعد ایک دن اس کا باپ اسے نوعمری میں' عمدہ شاعری کرنے پر اظہار فخر کے لئے حضرت علیؓ کی خدمت میں لے گیا۔ حضرت علیؓ نے اس کے باپ سے کہا "اسے قرآن پڑھاؤ کہ وہ اس کے لئے بہتر ہے۔" یہ بات فرزدق کے ذہن میں بڑھاپے تک جمی رہی او اس نے حفظ قرآن کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اپنے پیروں میں بیڑی پہن لی' اور قسم کھالی کہ قرآن حفظ کرنے سے پہلے اسے نہ کھولے گا' اور واقعی اس نے اپنی قسم سچی کر دکھائی۔ بعد ازاں وہ کوفہ و بصرہ کے والیوں سے جاملا' کبھی ان کی مدح کرتا کبھی ہجو' اور وہ بھی اسے کبھی اپنا مقرب بنالیتے اور کبھی راندہ درگاہ۔ شام میں خلفاء بنی امیہ کی مدح کی' بالخصوص عبدالملک کی اور انہوں نے اسے انعام و اکرام دیئے' لیکن آل علی کی حمایت و طرفداری کی وجہ سے وہ ان میں کامیابی حاصل نہ کرسکا۔ ۱۷۵

فرزدق و جریر

فرزدق جریر کا ہمعصر تھا' ان دونوں میں مقابلے' باہمی کشمکش اور معاصرانہ چشمک کا سلسلہ جاری تھا' ابھی جریر میں اور ایک دوسرے بعیث نامی شاعر میں باہمی ہجو کا مقابلہ پورے زوروں پر بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فرزدق بعیث کی صف میں مل کر اس کی مدد کرنے لگا۔ اس پر جریر برہم ہو گیا اور اس نے فرزدق کی ہجو کہہ ڈالی۔ فرزدق نے بھی اس کا جواب دیا' اور پھر ان کی اس باہمی ہجو کا سلسلہ دس سال تک جاری رہا' جس نے ان کے ذہنوں کو کھول دیا' ان کی زبانوں کو تیز کر دیا' ان کی برجستہ گوئی' مناظرہ اور صحت نظر کی قوت کو بڑھادیا۔ ان دونوں شاعروں کے معاملہ میں عوام دو حصوں میں بٹ گئے تھے' ہر جماعت ان دونوں سے ایک شاعر کی حمایت کرتی تھی۔ حامیان فرزدق میں سے ایک شخص نے تو چار ہزار درہم اور ایک گھوڑا اس شخص کے لئے انعام مقرر کر دیا تھا جو اس کے شاعر کو جریر پر فضیلت دے۔

فرزدق بدکار' فحش کلام' عریاں ہجو گو' دینداری میں کمزور اور پاکباز عورتوں پر تہمت لگانے والا تھا۔ اس کے اخلاق جاہلیت کے اخلاق سے ملتے تھے۔ وہ فسق اور شراب پینے میں معروف تھا جو اسلام میں ناجائز ہے۔ اسی طرح اس کے باقی کام بھی غلیظ تھے۔ لوگوں کی ہجو کیا کرتا اور اپنے خاندان کا فخر بیان کیا کرتا تھا۔ وہ اپنی خاندانی شرافت اور موروثی عزت کے شاندار محل میں پناہ لیتا تھا' اپنے تمام رذائل و فضائل سے کام لے کر اس نے جریر کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن پھر بھی نہ تو وہ اس کو شکست دے سکا نہ ناکام بنا سکا۔ ۱۷۶

جریر عورتوں سے عشق میں غزلیں نہیں کہتا تھا۔ یہ رثاء میں ممتاز تھا اور نرم دل کا مالک تھا۔ جو موضوع اخطل' جریر اور اس کے تمام ہم عصر شعراء پر فرزدق کو فضیلت دیتا ہے وہ "فخر" ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد اور اپنے قبیلے کی بڑائی بہت زیادہ بیان کرتا تھا۔ وہ اپنے شاندار اسلوب اور قوت تسلسل میں ممتاز تھا۔

فرزدق کی اولاد علیؓ سے محبت

اولاد علیؓ کی مدافعت و حمایت میں اس کے کچھ قابل تعریف کارنامے ہیں۔ جن سے اس کے اخلاق اور صداقت و

جرأت کا پتہ چلتا ہے۔ مشائخ میں ہشام بن عبدالملک سے اس کی ملاقات کا واقعہ 'جبکہ انہوں نے علی بن حسین کو لوگوں میں مقبول وباعزت دیکھ کر حقارت آمیز تجاہل سے کام لیتے ہوئے کہا" وہ کون ہے ؟" تو فرزدق کو ان کا یہ سوال بہت برا لگا اور اس نے ان کے جواب میں ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع ہے:

هذا الذی تعرف البطحاء و طأته
والبیت یعرنه والحل والحرم

یہ وہ شخص ہے کہ سرزمین بطحاء ان کے پیروں کی چاپ پہنچانتی ہے اور خانہ کعبہ 'حرم اور غیر حرم سب ہی مقامات ان کو جانتے ہیں۔

توہشام نے اس کو قید کر دیا' پھر جب اس نے ان کو ہجو کہہ دی تو ہشام نے اسے چھوڑ دیا' فرزدق نے ۱۱۰ھ میں تقریباً سو برس کی عمر پا کر بصرہ میں وفات پائی۔

فرزدق کی شاعری

فرزدق فخر میں کہتا ہے:

اذا اغبر افاق السماء و کشفت
بیوتا وراء الحی نکباء حرجف
اصبح مبیض الصقیع کانه
علی سروات النیب قطن مندف
تری جارنا فینا بخیر و ان جنی
فلا هو مما ینطف الجار ینطف

(قحط سالی میں) جب آسمان کے کنارے گرد آلود ہو جائیں' قحط کے زمانہ کی تند و تیز آندھیاں اور ٹھنڈی ہوائیں قبیلوں کے خیموں کی چھتیں اڑا دیں' سفید پالا اونٹوں کی پیٹھوں پر دھنکی ہوئی روئی کی طرح معلوم ہونے لگے' تو تم ہمارے ہمسایوں کو خواہ وہ جرم بھی کریں' خوش حال ہی پاؤ گے' اور ان پر کوئی تہمت نہیں لگائی جائے گی جیسی عموماً پڑوسیوں پر لگائی جاتی ہے۔

علی بن حسینؓ کی مدح میں کہے ہوئے اشعار:

هذا الذی تعرف البطحاء و طأته
والبیت یعرفه والحل والحرم
هذا التقی النقی الطاهر العلم
ولیس قولك من هذا بضا ره
العرب یعرف من انکرت والعجم
اذا رأته قریش قال قائلها

الی مکارم هذا ینتهی الکرم

یہ وہ شخص ہیں کہ سرزمین بطحاء ان کے پیروں کی چاپ پہچانتی ہے اور خانہ کعبہ' سرزمین حرم اور غیر حرم سب مقامات ان کو جانتے ہیں۔ یہ خدا کے تمام بندوں میں سب سے بہتر بندہ کے فرزند ہیں۔ یہ بڑے خداترس' صاف دل' پاکباز اور بلند مرتبہ شخص ہیں۔ تمہارا ''یہ کون ہے'' کا سوال ان کی قدر و منزلت کم نہیں کر سکتا۔ جسے تم نہ پہچان سکے تمام عرب و عجم اسے جانتے ہیں۔ قریشی لوگ انہیں دیکھ کر کہتے ہیں کہ تمام کرم و شرف ان کے بلند اخلاق پر پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں۔

یغضی حیاء و یغضی من مهابته
فلا یکلم الا حین یبتسم
یکاد یمسکه عرفان راحته
رکن الحطیم اذا ما جاء یستلم
ینشق نور الهدی عن نور غرته
کالشمس ینجاب عن اشراقها القتم
من معشر حبهم دین و بغضهم
کفر و قربهم منجی و معتصم.[۱۷۷]

ان کی آنکھیں حیاء کے سبب سے نیچی رہتی ہیں' لیکن لوگوں کی آنکھیں ان کے سامنے رعب و جلال کی وجہ سے نیچی رہتی ہیں اور ان سے صرف اسی وقت گفتگو کی جاتی ہے جب یہ مسکرا رہے ہوں۔ رکن حطیم بھی ان کی ہتھیلی کو پہچاننے کی وجہ سے جب یہ اسے بوسہ دیتے ہیں تو ان کو پکڑ لینا چاہتا ہے' ان کے چہرے سے نور ہدایت ضوفشاں ہے جس طرح سورج کے نکلنے سے تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی محبت دین میں شامل ہے اور جن سے بغض و عداوت کفر ہے اور جن کا قرب پناہ و حفاظت گاہ ہے۔

جریر

بنو تمیم سے تعلق تھا۔ یہ آباؤ اجداد کے فخر اور بڑے خاندان والا نہ تھا۔ جبکہ فرزدق بڑے خاندان والا تھا۔ جریر کے خاندان کے لوگ بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اس کی ماں کا نام ام قیس تھا۔

پیدائش اور زندگی کے حالات

ابو حرزہ جریر بن عطیہ بن خطفی تمیمی یہ یمامہ کے صحرا میں پیدا ہوا۔ دیہات میں پل کر بڑھا۔ اس لئے جوان ہونے پر اس کی زبان فصیح، ضمیر صحیح اور طبیعت شعر و شاعری کے سانچہ میں ڈھل گئی تھی اور جب اس نے اپنے اندر شعر گوئی کی قوت اور اپنی شاعری کو لوگوں میں پیش کرنے کی جرأت پائی تو اہل جود و سخا سے مدد مانگنے کے لئے فرزدق کے وطن بصرہ جا پہنچا' بڑے بڑے لوگوں کی مدح و ستائش کرتا اور اس ذریعہ سے اپنے بال بچوں کی روزی حاصل کرتا' وہاں اس نے شاعری کی برکتوں سے فرزدق کی جو قدر و منزلت اور خوشحالی دیکھی اس نے اسے حیرت میں ڈال دیا اور گو وہ بھی اس کی طرح تمیمی تھا' تاہم دل ہی دل میں اس سے حسد کرنے لگا اور یہ چاہنے لگا کہ وہ بھی خوشحالی و مالداری میں فرزدق کے برابر ہو جائے۔ اسی

منافست و مزاحمت کے باعث ان میں باہمی ہجو گوئی کے اسباب پیدا ہو گئے اور جریر نے اپنے حریف کو قریب سے نشانہ بنا کر مارنا چاہا' لہٰذا بادیہ کی اقامت چھوڑ کر اس نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی' اور مربد (بصرہ میں ایک جگہ جہاں مشاعروں اور تقریروں کے جلسے منعقد ہوتے تھے) پر چھا گیا۔ وہ حجاج کے پاس پہنچا جہاں اس کی خوب عزت ہوئی۔ وہ قصائد جو اس نے حجاج کی مدح میں کہے بہت مشہور ہو گئے' حتیٰ کہ عبدالملک کو اس کی اطلاع پہنچی اور انہوں نے جریر کا حجاج کے پاس رہنا نامناسب سمجھا۔ حجاج خلیفہ کی نظر پہچان گیا۔ حجاج نے اس کو عبدالملک کے پاس بھیجا مگر عبدالملک نے اس کی طرف توجہ نہ دی لیکن بعد میں جریر نے عبدالملک کے سامنے عزت حاصل کر لی اور اس کی مدح میں اشعار کہے جس میں اس نے کہا:

ألستم خير من ركب المطايا

وأندى العالمين بطون راح

کیا آپ سواروں میں سب سے بہتر اور تمام جہانوں میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے نہیں ہیں۔[178]

عبدالملک حیران ہوا اور اس نے جریر کو سو اونٹنیاں اور آٹھ چرواہے انعام میں دیئے۔ جریر نے ان کی مدح یہاں ہی ختم نہیں کر دی بلکہ اس نے عبدالملک کی باقی خوبیاں اور اس کی حکمت کا ذکر بھی کیا۔ باقی زندگی عبدالملک کی مدح کرتا رہا۔ اس طرح اس کا شمار سیاسی شعراء میں ہونے لگا۔

جریر' اخطل اور فرزدق کے مقابلے میں

جریر حسن اسلوب' شیریں غزل' تلخی ہجو' خوش خلقی جیسی صفات اس کی شاعری میں موجود تھیں۔ وجدانی فنون میں ممتاز تھا۔ اسی طرح غزل' ہجاء' رثاء کے ساتھ وہ رجز میں بھی ممتاز تھا۔

جریر' اخطل اور فرزدق سے رثا میں سبقت لے گیا۔ اسی طرح ان دونوں سے ہجو میں بھی سبقت لے گیا۔ فخر میں فرزدق سے نہ بڑھ سکا کیونکہ فرزدق اپنے شعروں میں اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کا ذکر کرتا تھا۔ فرزدق کے شعروں میں درشتی تھی جبکہ جریر پاکیزہ طبع تھا۔

تمام ہجو کرنے والے پر غالب تھا۔ ان سب کی یاد کو اس نے گم کر دیا سوائے اخطل اور فرزدق کے۔ اس لئے کہ وہ دونوں اس کے مقابلے میں متحد تھے۔ اگر وہ بھی اکیلے اکیلے ہوتے تو ان کی یاد کو بھی گمنام بنا دیتا۔

فرزدق کی ہجو کرتے ہوئے کہتا ہے:

لقد ولدت ام الفرزدق مقرفا

فجاء ت بوزار قصير القوادم[179]

فرزدق کی ماں نے بد نسل بچہ جنا ہے' وہ گناہوں سے دبا ہوا' کوتاہ ہاتھ پیروں والا بچہ لائی۔

جریر کی شاعری

ہجو میں اس کے عمدہ اشعار:

تعالوا نحاكمكم و فى الحق مقنع

الى الغر من اهل البطاح الاكارم

فان قریش الحق لم تتبع الهوی
ولم یرهبوا فی الله لومة لائم.
اذکرکم بالله' من ینهل القنا
و یضرب کبشل الجحفل المتراکم
و کنتم لنا الاتباع فی کل موقف
و ریش الذنابی تابع للقوادم
اذا عدت الایام اخزیت دارما
و تخزیك یا ابن القین ایام دارم
و ما زادنی بعد المدی نقص مرة
ولارق عظمی للضروس العواجم

آؤ! ہم تم اپنا جھگڑا فیصلے کے لئے بطحاء کے معزز اور شریف باشندوں کے پاس لے جائیں' اور حق بات قابل قبول ہے' بلاشبہ راست باز قبیلہ قریش ہوا و ہوس کی پیروی نہیں کرتا اور خدا کی راہ میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا' میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں بتاؤ کون نیزوں کو خون پلاتا اور لشکر جرار کے جانباز افسر کو مار گراتا تھا؟ اور تم ہر موقع پر ہمارے پیچھے پیچھے رہنے والوں میں تھے' اور دم کے پر بازو کے پروں کے تابع ہی رہتے ہیں' جب نمایاں واقعات اور اہم کارناموں کا شمار ہوگا اس وقت تو دارم کو رسوا کرے گا' اور اے لوہار کے بیٹے (فرزدق) تجھے دارم کے واقعات ذلیل و بے عزت کریں گے۔ درازی عمر نے میری طاقت میں کوئی خلل نہیں ڈالا' نہ چابنے والی ڈاڑھوں کے لئے میری ہڈیاں نرم ہوئیں۔

عمر بن عبدالعزیز کی مدح میں وہ کہتا ہے:

انا لنرجو اذا ما الغیث اخلفنا
من الخلیفة ما نرجو من المطر.
نال الخلافة اذا کانت له قدراً
کما اتی زبه موسی علی قدر
اذکر الجهد والبلوی التی نزلت
ام تکتفی بالذی بلغت من خبری

جب بارش ہمارے ساتھ وفا نہیں کرتی تو ہم خلیفہ سے وہی امید کرتے ہیں جو ہمیں بارش سے امید ہوتی ہے' انہوں نے خلافت کو پالیا کیونکہ وہ ان کے انداز کے مطابق تھی (یا ان کی تقدیر میں تھی) جس طرح حضرت موسیٰ ؑ ایک انداز کے مطابق اپنے رب کے پاس پہنچ گئے تھے' کیا میں ان مصیبتوں اور پریشانیوں کو بیان کروں جو مجھ پر پڑیں یا میرے وہ حالات کافی ہیں جو آپ کو پہنچے ہیں؟

جریر کے عمدہ فخریہ اشعار:

ان الذی حرم المکارم تغلبا
جعل الخلافة والنبوة فینا
مضر ابی و ابو الملوك فهل لكم
یا خزرتغلب من اب کابینا؟
هذا ابن عمی فی دمشق خلیفة
لوشئت ساقكم الی قطینا

وہی ذات جس نے خاندان تغلب کو شرافت کے بلند کارناموں سے محروم کر دیا اسی نے خلافت و نبوت سے ہمارے خاندن کو سر فراز فرمایا۔ مضر میرا اور بادشاہوں کا باپ ہے' اور اے تغلبی تنگ نگاہو! کیا ہمارے باپ کی طرح تمہارا بھی کوئی باپ ہے؟ اور یہ دیکھو میرے چچا کا بیٹا دمشق میں خلیفہ ہے اگر میں چاہوں تو تم سب کو خدمت گزاری کے لئے میرے پاس بھیج دے۔

کہتے ہیں کہ جب یہ اشعار عبدالملک نے سنے تو کہا "ابن مراغہ (جریر) نے میری یہ قدر کی کہ مجھے سپاہی بنادیا' اگر وہ "لوشئت" کی بجائے "لوشاء" (یعنی اگر وہ چاہے تو تم سب کو خدمت گزاری کے لئے میرے پاس بھیج دے) کہتا تو میں ان سب کو اس کے پاس بھیج دیتا۔" ۱۸۰

دورِ بنو امیہ میں شعراء کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔

اس دور میں ادب کا انداز وہی تھا جو زمانہ جاہلیت میں تھا۔ چنانچہ ادب شعر کے دائرے سے آگے نہ بڑھ سکا کیونکہ اس نے حکومت و طاقت کے مظاہر کی نمائندگی شروع کر دی تھی۔

بعض مستشرقین کا خیال تھا ہے کہ دین نے شعر کی اہمیت کو کم کیا ہے تاکہ یہ قرآن پر غالب نہ آسکے۔ لیکن یہ ایک بے بنیاد خیال ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں شعر نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور نہ یہ شعر کا کوئی نمونہ ہے۔ البتہ بعض شاعروں کی قرآن نے مذمت کی ہے لیکن یہ وہ لوگ تھے جو اصلاح کے دشمن تھے اور اباحت پسندی کے قائل تھے۔ ۱۸۱

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ O اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ O ۱۸۲

ترجمہ:۔ اور شاعروں کی پیروی کرتے ہیں گمراہ سب۔ کیا نہیں دیکھا تو نے یہ کہ وہ بیچ ہر جنگل کے سرگرداں ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس جن شعراء نے دین کو اپنی صلاحیتوں کے ذریعے تقویت پہنچائی۔ اس کے مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے شعر کا مقام بھی بلند ہوا۔ ایسے شعراء کو ان کے مقام کے لائق عزت دی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور انہیں عطیات سے نوازا۔ ان کے اس عمل کو حق کے ساتھ معاونت اور جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا۔ اس کی سب سے بہترین مثال حضرت حسان بن ثابتؓ ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریب فرمایا۔

اسلام کی طرف سے شعر کی عزت افزائی کیلئے حضور ﷺ کے اس فرمان سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ :

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ سِحْرًا وَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً۔ [۱۸۳]

بعض بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں اور بعض اشعار حکمت سے لبریز ہوتے ہیں۔

اس دور کے شعراء قرآن مجید کے اسلوب سے متاثر ہونے کا باوجود اسی ڈگر پر قائم رہے کہ جو ان سے پہلے شعراء نے زمانہ جاہلیت میں اختیار کی تھی۔ اگر آپ کسی ایسے شاعر کا قصیدہ پڑھیں کہ جس نے دعوت اسلام کی حمایت کی اور حضور ﷺ کی تعریف میں یا مشرکین کی ہجو میں قصیدہ کیا یا ایسے شاعر کو پڑھیں کہ جس نے قریش کی حمایت کی اور کسی قریشی سردار کی تعریف میں یا ان کے قتل ہونے والوں کی تعزیت میں یا مسلمانوں کی ہجو میں قصیدہ کیا ہو تو آپ ان دونوں قسم کے قصیدوں میں وہی انداز پائیں گے کہ جس انداز میں زمانہ جاہلیت کے شعراء قبائل کے سرداروں کی تعریف یا ہجو کرتے تھے۔ اگرچہ ان شعراء کے اشعار میں جنت و دوزخ، حساب و کتاب اور دیگر دینی امور کے متعلق باتیں ملیں گی جو کہ زمانہ جاہلیت کے شعراء بیان نہیں کرتے تھے مگر انداز ایک ہی ہے۔

سب سے زیادہ توجہ کا مستحق یہ امر ہے کہ وہ شعراء جو رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور آپ کی دعوت کی مخالفت کی وہ قرآن مجید اور حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین سے مسلمان شعراء کی نسبت کم متاثر نہ تھے۔ بلکہ وہ لوگ بھی قران پاک کا مطالعہ کرتے تھے لیکن اس پر ایمان کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے مطالعہ کرتے تھے کہ وہ اس کارد کر سکیں اور حضور ﷺ کی ہجو کرنا چاہی اور آپ کے مقام و مرتبہ کو گھٹانا چاہا تو انہوں نے مسلمانوں کے عقائد اور اقوال کو جاننے کی کوشش کی۔ اس کیساتھ ساتھ اپنے مذہب کے بارے میں بھی معلومات حاصل کیں۔ تاکہ حضور ﷺ نے ان کے معبودوں اور مذہبی خرافات اور معاشرتی خباثتوں کی جو مذمت کی ہے اس کا وہ جواب دے سکیں۔

چنانچہ یہ چیز خطباء اور شعراء کے یہاں خاصی اہمیت اختیار کر گئی اور کثرت سے اسے اختیار کیا گیا حالانکہ اس سے پہلے ایک عربی شخص اپنی معمول کی زندگی میں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔

یہیں سے معارضہ قرآن کا آغاز ہوا (معارضہ قرآن سے مراد ایسا کلام پیش کرنا ہے جو فصاحت وبلاغت اور فنی خصائص میں قرآن کے مشابہ ہو)

قران مجید حضور ﷺ کے معجزات میں سب سے عظیم معجزہ ہے جو کہ آپ کی رسالت پر سب سے زیادہ دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آپ ایسا کلام لے کر آئے جس کی مثل کوئی خرد بشر پیش نہیں کر سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہل عرب کو ان کی فصاحت وبلاغت اور اسالیب کلام میں ان کی اعلیٰ مہارت کے باوجود چیلنج کیا کہ وہ اس جیسا قرآن بنا کر لائیں مگر وہ عاجز رہے پھر قرآن نے چیلنج کیا کہ صرف دس سورتیں بنا کر لے آئیں مگر وہ یہ بھی نہ لاسکے پھر انہیں چیلنج کیا ایک سورت ہی بنا کر لے آئیں مگر وہ یہاں بھی بے بس رہے۔

مسلمان شعراء میں سے حضرت حسان بن ثابت، عبداللہ بن مالک، کعب بن مالک، کعب بن زہیر رضی اللہ عنہما نے شہرت پائی اور مشرکین شعراء میں سے عبداللہ بن زبعری، حزار بن خطاب اور کعب بن اشرف وغیرہ مشہور ہیں۔

رسالت مآب اور عہد خلفائے راشدین میں ادب کی صورتحال یہی رہی۔ بنوامیہ کے عہد میں کافی تبدیلیاں آچکی

تھیں۔ اس دور میں کئی گروہ پیدا ہو چکے تھے۔ جو حکومت وسیادت کے حصول کے لئے تلوار اور زبان دونوں کیساتھ آپس میں بر سر پیکار تھے۔

چنانچہ جو شعراء بادشاہوں اور خلفاء کی تعریفیں کرتے تھے اور ان کے مقام و مرتبہ کو اپنی شاعرانہ قوت سے مضبوط کر رہے تھے انہیں خلفاء نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان خلفاء کی تقلید میں دیگر علاقوں کے حکمرانوں اور گورنروں نے بھی شعراء کی حوصلہ افزائی کی۔ مفتوحہ علاقوں سے مال و دولت کے آنے کی وجہ سے معاشرتی ماحول بہت تبدیل ہو چکا تھا۔ مال و دولت کی اس فراوانی کے سبب عربوں کی زندگی ترقی پذیر ہوئی۔ عربوں کے گھروں میں تہذیب و تمدن کا معیار کافی بلند ہو گیا۔ ان کی ضروریات اور آسائشیں بڑھ گئیں۔ اس اعتبار سے عجمی لونڈیوں کا کردار بہت اہم کہ جنہوں نے عربوں کے گھروں کو دیہاتی ماحول سے نکال کر تہذیب و تمدن سے آشنا کیا۔ چنانچہ اس نئے ماحول میں شعر کے بہت سے ایسے فنون پیدا ہوئے کہ جن کا پہلے کوئی وجود نہ تھا۔

حکومتی انتظام اور اس کی ضروریات میں اضافے کی وجہ سے اس چیز کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ہر چیز کے ریکارڈ کیلئے دیوان (رجسٹرز) بنائیں جائیں۔ جس نے نثر کی ایک نئی قسم کو وجود بخشا۔ جس سے عرب اس سے پہلے واقف نہ تھے۔ اسے نثر فنی کا نام دیا جاتا ہے۔ ان سے مراد وہ خطوط ہیں جنہیں خلیفہ کی طرف سے اس کے نام کے ساتھ لکھا جاتا اور مختلف صوبوں کے عمال کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ نثر کی یہ قسم اس دور میں وجود پذیر ہوئی اور نشوونما پائی۔ بالآخر اموی دور کے آخر میں عبدالحمید کاتب پیدا ہوئے جنہیں فنی کتابت کا بانی اور اس کے اصول و قواعد مرتب قرار دیا جاتا ہے۔

اسلامی فتوحات نے مادی خوشحالی کے سبب مالدار طبقہ (ارستراطیہ) پیدا کر دیا۔ خاص طور پر حجاز کے علاقہ میں مالداروں کی زندگی میں اس خوشحالی کے اثرات بھی ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں فکر اور سوچ میں بھی تبدیلی رونما ہوئی۔ بالخصوص موسیقی اور گلوکاری کے فنون میں اور شعر کی تہذیب میں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عرب ان فنون سے پہلے آشنا نہ تھے لیکن اب ان میں تبدیلی اور بہتری آئی۔ اس کا سبب عرب کے باہر سے خصوصاً ایران سے آنے والی گلوکارائیں تھیں۔

اس کے علاوہ پہلی صدی ہجری میں مکہ اور مدینہ میں عرب گانے والے بھی پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اشعار کو منظم کیا اور انہیں گایا اور بہت سے لوگ موسیقی میں ماہر بنے مثلاً معبد، ابن شریح، طویس وغیرہ۔ پھر یہ طبقہ عربی شعر کی طرف متوجہ ہوا اور کئی لوگ غزل میں ماہر بنے مثلاً عمر بن ابی ربیعہ قرشی۔ اکثر عربوں کا خیال ہے کہ عمر بن ابی ربیعہ قرشی کے اشعار میں دین کے حوالے سے دوری پائی جاتی ہے۔ جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ غزلیہ اشعار غلطی سے بعض شعراء کی طرف منسوب ہیں مثلاً وہ اشعار جو لیلیٰ کے عاشق مجنوں کی طرف منسوب ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو مجنوں کے وجود میں ہی شک ہے۔ اگر اس کا وجود مان بھی لیا جائے تب بھی بہت سے دیگر شعراء کے اشعار اس کی طرف منسوب ہیں۔ غزل کے میدان میں شہرت پانے والے ایک اور شاعر جمیل ہیں جن کے غزل میں مشہور قصائد ہیں۔ جو اس نے اپنی محبوبہ بثینہ کے متعلق کہے ہیں۔

بہر حال امویوں کی اٹھان جاہلیت سے تھی جس وجہ سے یہ فلسفہ کی طرف مائل نہ تھے لیکن عمدہ شعر اور بلیغ خطابت

سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ بعض خلفاء نے بڑے عمدہ اشعار بھی کہے۔ جیسے یزید بن معاویہ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ سے شاعر ہوا یعنی امراء القیس اور بادشاہ پر ختم ہو گیا یعنی یزید۔ عبد الملک بن مروان بھی فصیح شاعر تھا۔

حجاز سے باہر کے علاقوں میں شعر کی دیگر اقسام بھی پائی جاتی تھیں۔ امویوں کے دور میں فرزدق' جریر اور اخطل بڑے شعراء میں سے تھے۔ یہ تمام عراق میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو و نما پائی۔ عراق اور شام جیسے عرب علاقوں تک اسلامی فتوحات کے پہنچنے کے وقت نشاط آور عناصر اشعار میں سے ختم ہو چکے تھے۔ چنانچہ جریر اور فرزدق کے مابین مناقشہ اپنے عروج پر تھا۔ چنانچہ ان دونوں کے اشعار میں جو نقائض کے نام سے موسوم ہیں اس میں آپ ایسی ہجو دیکھیں گے کہ جو سخت گالی گلوچ اور ایک دوسرے پر عتاب کے اظہار پر مشتمل ہے اور اس انداز میں یہ ہجو ممتاز ہے۔

اگرچہ شعری عمدگی کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔ یہاں تک جدید دور میں بھی عربی زبان ان کی شاعری سے خوشہ چینی کرتی ہے۔

جریر اور فرزدق میں سے ہر شاعر کے اپنے حامی بھی تھے۔ جو تعصب کی حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ خراسان کے والی مہلب بن ابی صفرا جب اپنے لشکر کو خوارج کے ایک گروہ سے جنگ کے لئے لے جا رہے تھے تو وہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک گروہ جریر کی تعریف کر رہا تھا اور دوسرا فرزدق کو عمدہ قرار دے رہا تھا۔ اخطل نامی شاعر بھی اس مقام تک پہنچا۔ وہ عیسائی تھا۔ یہ بھی دونوں اسے ایک بڑا شاعر اور اپنا ایک بڑا حامی قرار دیا۔ یہ عبد الملک بن مروان کے مقربین میں سے تھا۔ بغیر اجازت کے اُس کے دربار میں آسکتا تھا۔ اعلیٰ قسم کے ریشمی لباس پہنتا تھا۔ اس کے گلے میں ایک سونے کی صلیب ہوتی تھی جو ایک سونے کی زنجیر کے ساتھ لٹکی ہوتی۔

جس طرح دیگر سیاسی گروہوں کے حامی شعراء تھے جنہوں نے ان کی حمایت میں' ان کے دفاع میں اور ان کی طرف لوگوں کو بلانے میں اہم خدمات انجام دیں۔ اسی طرح عمران بن حطان اور قطری بن فجاءۃ کا ذکر بھی کریں گے۔ اس کا تعلق خوارج سے تھا۔ اس طرح عبد اللہ بن قیس الالرجقان کا تعلق حضرت عبد اللہ بن زبیر کے گروہ سے تھا۔ کمیت بن زید اسدی کا تعلق شیعہ فرقہ سے تھا۔ ۱۸۴؎

کتابت و انشاء

عربوں میں شاعری اور علم الانساب کے ساتھ کتابت کا فن بھی موجود تھا۔ انہوں نے ابتداً دوسری قوموں اور مذاہب کے ماننے والوں سے استفادہ کیا اور رفتہ رفتہ اس فن میں ماہر ہوتے گئے۔ عربی خط لکھنے والوں میں حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت طلحہؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت ابو سفیانؓ' حضرت معاویہؓ اور حضرت یزید بن ابو سفیان کے نام شامل تھے۔ ۱۸۵؎

کتابت و انشاء کی تاریخ

البلاذری ''فتوح البلدان'' میں رقمطراز ہیں:

''قبیلہ طے میں سے تین آدمی مُرامر بن مُرّہ' اسلم بن سدرہ' عامر بن جدرہ' لقبہ میں جمع ہوئے اور رسم خط وضع کیا انہوں نے ہجاء عربی کو ہجاء سریانی پر قیاس کیا۔ ان سے یہ فن بعض اہل الانبار نے سیکھا اور اہل الانبار سے اہل الحیرۃ نے

حاصل کیا۔ اکیدر بن عبدالمالک بن عبدالجن الکندی ثم السکونی صاحب دومۃ الجندل کا بھائی بشر بن عبدالملک جو نصرانی تھا' الحیرہ میں رہا کرتا تھا۔ اس نے اہل الحیرہ سے عربی خط سیکھا۔ وہ اپنے کسی کام سے مکہ آیا' یہاں سفیان بن امیہ بن عبد شمس اور ابو قیس بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب نے اس کو لکھتے دیکھا۔ دونوں نے اس سے خواہش کی کہ وہ انہیں خط سکھادے۔ اس نے پہلے ہجاء سے آگاہ کیا پھر رسم خط بتایا اور وہ لکھنے لگے۔ اس کے بعد بشر اور سفیان اور ابو قیس بسلسلہ تجارت الطائف گئے' وہاں غیلان بن سلمۃ الثقفی سے ان کی صحبت رہی اور اس نے ان لوگوں سے رسم خط سیکھ لیا' البشر ان لوگوں سے جدا ہو کر مصر چلا گیا' وہاں عمرو بن زرارہ بن عدس نے اس سے یہ فن حاصل کیا اور عمرو الکاتب کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے بعد بشر ارض شام کی طرف گیا اور وہاں بھی لوگوں نے اس سے یہ فن سیکھا۔ اسی طرح بنی طے کے ان تینوں اہل قلم سے قبیلہ طابخۃ کلب کے ایک شخص نے رسم الخط سیکھا' وہ پھرتا پھراتا وادی میں آیا اور وہیں مقیم ہو گیا' اور اہل وادی میں سے ایک قوم کو خط سکھایا۔"

"جب اسلام آیا تو قریش میں سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔ عمر بن الخطاب' علی ابن طالب' عثمان بن عفان' ابو عبیدہ ابن الجراح' طلحہ' یزید بن ابی سفیان' ابو حذیفہ بن عتبہ' ابن ربیعہ حاطب بن عمرو بر اور' سہیل بن عمرو العامری' ابو سلمہ بن عبدالاسد المخزومی' لبان بن سعید ابن العاص بن امیہ اور ان کے بھائی خالد بن سعید' عبداللہ ابن سعد بن ابی شرح العامری' حویطب بن عبدالعزیٰ العامری' ابو سفیان بن حرب بن امیہ' معاویہ بن ابی سفیان' جہیم بن الصلت' ابن مخرمہ بن المطلب بن عبد مناف اور قریش میں سے العلاء بن الحضرمی۔" ۱۸۶؎

مردوں کی کتابت کے ساتھ ساتھ خواتین بھی لکھنا جانتی تھیں:

"رسول اللہ ﷺ نے الشفاء بنت عبداللہ العدویہ سے کہ عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے گھرانے سے تھیں' فرمایا: کیا تو حفصہ کو گرمی دانوں کا منتر نہیں سکھاتی جس طرح تو نے اسے کتابت سکھائی ہے۔ الشفاء جاہلیت میں لکھنا جانتی تھیں۔" ۱۸۶(الف)؎

الکتانی "التراتیب الاداریہ" میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیداللہ بن سعید رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو کتابت سکھائیں۔ وہ بہترین کاتب تھے۔ اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اہل صفہ کے کچھ لوگوں کو کتابت اور قرآن سکھایا۔ حضرت حکم بن سعید بن عاص بن امیہ رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر آیا ہے۔" ۱۸۷؎

کافر قیدیوں سے کتابت سیکھنے کا ذکر

"غزوہ بدر کے کافر قیدیوں سے یہ فدیہ قبول کیا گیا کہ وہ مسلمانوں میں سے دس لڑکوں کو کتابت سکھائیں اور اسکے بدلے میں انکو چھوڑ دیا جائے۔ انصاری بچوں میں سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کتابت سیکھی۔ اس طریقہ سے ان حضرات میں فن کتابت کی کثرت ہوئی۔ پس جوں جوں اسلام پھیلتا گیا کتابت بھی عام ہوتی گئی۔ اس وقت فدیہ کی رقم چار ہزار درہم تھی لیکن کتابت سیکھنے کو مال پر ترجیح دیتے تھے۔ قلم کی عظمت اور نفع ان حضرات کے قلوب پر ظاہر تھا۔" ۱۸۷(الف)؎

عہد صحابہ میں کتابت سکھانے والی خواتین کا ذکر

عہد صحابہ میں بھی بعض تعلیم النساء الکتابت کو مکروہ سمجھتے تھے اور اکثر اس کو جائز قرار دیتے تھے۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تم ان کو (یعنی حضرت حفصہؓ کو) نملہ کا رقیہ (یعنی تعویز) نہیں سکھلاتیں جس طرح تم نے ان کو کتابت سکھائی؟ لیکن بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کیا کہ عورتوں کو کوٹھے سے نہ اتارو اور ان کو کتابت سکھاؤ' ان کو سوت کاتنا سکھاؤ اور سورۃ نور سکھاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت سے علوم پر عبور حاصل تھا۔ بسا اوقات مردوں پر بھی اشکالات وارد فرمادیتی تھیں اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کی غلطیوں کی اصلاح فرمادیا کرتی تھیں۔ جن میں حضرت عمر' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت ابی ہریرۃ' حضرت ابن عباس' حضرت عثمان بن عفان' حضرت علی ابن ابی طالب' حضرت ابن زبیر' حضرت زید' حضرت ابو درداء' حضرت ابو سعید' حضرت براء' حضرت فاطمہ بنت قیس وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ علم فرائض کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کرتے تھے اور یہی حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باقی ازواج مطہرات کا اور صحابیات کا تھا۔ جیسے ام سلیم' ام درداء' فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہن اور تمام عارفہ اور صالحہ کا بھی یہی حال تھا۔ مثلاً رابعہ عدویہؒ اور رابعہ الشامیہؒ اور شعوانہؒ مرد حضرات ان سے علم اور ادب سیکھتے تھے۔ ۱۸۸؎

مدینہ منورہ میں کتابت وحی کرنے والے حضرات

مدینہ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے قدوم فرمانے کے بعد سب سے اول جس نے بارگاہ نبوی میں کتابت کی خدمت انجام دی وہ ابی بن کعب الانصاری تھے اور وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہر نوشتہ کے آخر میں "کتب فلان" لکھا۔ ابی حاضر نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ زید بن ثابت الانصاری کو طلب فرماتے اور وہ یہ خدمت بجالاتے' یہی دونوں بزرگ ابی اور زید خدمت نبوی میں کتابت وحی کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سے جس کسی کو کچھ لکھواتے یا کسی کو جاگیر یا وظیفہ یا اس کے عمل کا اجر عطا فرماتے تو انہی دونوں میں سے کوئی ایک فرمان نبوی کی کتابت کرتا تھا۔" ۱۸۹؎

قریش میں سے پہلا شخص جس نے بارگاہ نبوی میں کتابت کی خدمت انجام دی' عبداللہ بن ابی سرح تھا' پھر عبداللہ مرتد ہو کر مکہ چلا گیا۔ علاوہ ازیں جہیم ابن الصلت بن مخرمہ' خالد بن سعید' ابان بن سعید بن العاصی اور العلاء بن الحضرمی نے بھی پیش گاہِ رسالت میں کتابت کی خدمت انجام دی ہے۔

اسلام لانے کے بعد معاویہ نے بھی یہ خدمت انجام دی۔

حضور بارگاہ نبویؐ میں قبیلہ تمیم کے حنظلہ بن ربیع بن ریاح الاسیدی نے بھی ایک بار یہ خدمت انجام دی اور اس شرف کی بناء پر وہ حنظلۃ الکاتب کے نام سے معروف ہوئے۔

اوس و خزرج میں عربی لکھنے والے بہت کم تھے' یہود میں سے کسی نے انہیں عربی سکھائی' اسلام سے قبل اہل المدینہ کے بچے یہ فن سیکھتے تھے' جب اسلام آیا تو اوس و خزرج میں متعدد لکھنے والے تھے۔ سعید ابن عبادہ بن دُلَیمْ' منذر بن عمرو' ابی بن کعب' زید ابن ثابت یہ عربی و عبرانی دونوں زبانوں میں لکھتے تھے۔ رافع بن مالک' اسید بن حضیرۃ' معن بن عدی'

البلوی حلیف انصار' بشیر بن سعد' سعد بن ربیع' اوس بن خولی اور عبد اللہ بن اُبی المنافق۔ ان میں رافع بن مالک اور سعد بن عبادہ اور اسید بن حضیر اور عبد اللہ بن اُبی اور اوس بن خولی کامل تھے' یعنی کتابت کے ساتھ تیر اندازی اور شناوری بھی جانتے تھے۔ اہل یثرب میں جن لوگوں نے جاہلیت میں یہ تینوں چیزیں جمع کیں وہ سوید بن الصامت اور حضیر الکتائب ہیں۔" ۱۹۰؎

حضور ﷺ کی دوسری زبانوں کی کتابت سیکھنے کی طرف ترغیب

"زید بن ثابتؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لئے یہود کی کتابت سیکھوں اور فرمایا مجھے یہود پر بھروسا نہیں' میرے نوشتے ان کی تحریف سے محفوظ نہیں رہ سکتے' نصف ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ میں نے ان کی کتابت سیکھ لی' میں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے یہود کو نامے لکھتا اور ان کے جواب پڑھ کے سناتا تھا۔" ۱۹۱؎

صدر اول کے عرب فرمانروا فطری طور پر انشاء پرداز واقع ہوئے تھے۔

استاذ احمد حسن زیارت "تاریخ ادب عربی" میں رقمطراز ہیں:

"صدر اول کے عرب فرمانروا فطری طور پر انشاء پرداز واقع ہوئے تھے جو مضمون چاہتے مختصر پیرایہ اور شستہ و سلیس عبارت میں املاء کراتے یا خود لکھ دیا کرتے تھے۔ جب خلافت میں ترقی ہوئی اور آمدنی کے ذرائع بڑھے تو انہیں دفتری کارروائیوں کی ضرورت محسوس ہوئی اور حضرت عمرؓ نے تمام آمد و خرچ کو قلمبند کرنے کیلئے دفاتر کا نظام جاری کیا۔

پھر خلفاء نے محرری کے لئے عربوں' موالیوں اور عربوں میں شامل ہونے والی دیگر قوموں سے مدد لی' اور ہر صوبہ میں محصول کا حساب کتاب وہاں کے باشندوں کی زبانوں میں ہوتا رہا۔ عراق و ایران میں فارسی' شام میں یونانی اور مصر میں قبطی زبانوں میں' تا آنکہ عربوں کی ایک جماعت اس فن کو خوبی سیکھ گئی اور انہوں نے دفتری محرروں کی ضرورت کو پورا کر دیا۔ ۱۹۲؎

خلفاء نے عربوں اور موالیوں میں سے ماہر انشاء پردازوں کی خدمات حاصل کیں۔

"پھر جب خلفاء پر حکومت کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں تو انہوں نے عربوں اور موالیوں میں سے ماہر انشاء پردازوں کی خدمات حاصل کیں۔ حتیٰ کہ عبد الملک بن مروان اور اس کے بیٹے ولید کے زمانہ تک تمام محصولات کا حساب کتاب عربی زبان میں ہونے لگا تھا۔

انشاء پرداز جن میں سے بعض ایران و روم کے قواعد انشاء سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے خطوط و رسائل نویسی کے لئے کچھ ایسے قواعد و ضوابط مرتب کئے۔ جن سے رسائل نویسی ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کرنے لگا تھا۔" ۱۹۳؎

فلپ' کے ہٹی "عرب اور اسلام" میں عربوں کے یہاں ادبی اسلوبِ بیان کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"عربوں کے یہاں ادبی اسلوبِ بیان کی جو والہانہ قدر و منزلت پائی جاتی ہے۔ ویسی دنیا کی کسی قوم میں نظر نہیں آتی اور نہ دنیا کی کسی قوم کا دل و دماغ قوت الفاظ سے چاہے وہ تحریری ہو کہ تقریری' عربوں کے دل و دماغ کی طرح اثر پذیر ہو سکتا ہے۔ عربوں میں اپنے بولنے والوں کی ذہنی قوتوں پر جتنی شدت کے ساتھ اثر انداز ہونے کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ ایسی خصوصیت دنیا کی کسی اور زبان کو نصیب نہیں۔

بغداد، دمشق اور قاہرہ کے موجودہ سامعین کے سامنے عربی نظم پڑھی جائے تو اس کو پوری طرح سمجھے بغیر ہی وہ اس پر وجد کرنے لگتے ہیں اور قدیم ادبی عربی میں ادا ہونے والی تقریروں کو کم ہی سمجھے بغیر جوش میں آجاتے ہیں۔

قافیے اوزان اور ترنم ان کے دل ودماغ پر وہ اثر کرتے ہیں جسے وہ ''سحر حلال'' سے تعبیر کرتے ہیں۔''۱۹۴؎

عہد اموی کا نثری اسلوب

''اس عہد کے طرز بیان میں پر شوکت الفاظ، بڑی بڑی ترکیبیں، موضوع کی پابندی، تطویل و تکلف نیز مبالغہ آمیزی سے اجتناب، ضمیروں کو قاعدہ کے مطابق استعمال کرنا۔ واحد متکلم و مخاطب کیلئے جمع کی ضمیریں نہ استعمال کرنا۔ **بسم الله** اور اس کے بعد **من فلان الی فلان** اور **اما بعد** (فلاں شخص کی طرف سے فلاں شخص کو، امابعد) یا **انی احمد الیك الله الذی لا اله الا هو** (میں تیرے سامنے خدا کی تعریف بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں) سے ابتداء اور **والسلام** (اور تم بسلامت رہو) یا **والسلام علی من اتبع الهدی** (جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلامتی ہو) پر خاتمہ شامل ہیں۔''۱۹۵؎

ولید بن عبدالملک نے عامیہ طرز تحریر سے اجتناب کا حکم دیا

''جب ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوئے تو انہوں نے خطوط کے کاغذات خوشنما بنانے، اعلیٰ اور پر تکلف القاب سے خطاب کرنے اور عامیانہ طرزِ تحریر سے اجتناب کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کے بعد یہ طریقہ رائج رہا تا آنکہ عمر بن عبدالعزیز اور ان کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوئے اور انہوں نے تقویٰ شعاری و بدعت دشمنی کی بناء پر سلف کے قدیم طرز تحریر کو اختیار کر لیا۔''۱۹۶؎

نثری اسلوب میں جدید تبدیلی رونما ہوئی

''عبدالحمید پرداز آیا جس نے رسائل میں تطویل و پرنویسی، خوشنمائی اور پاکیزگی کی بناڈالی۔ رسائل شروع اس نے حمد و ثناء کو طول دیا۔ چنانچہ اس کے بعد تمام انشاء پردازوں نے اس کے طرز تحریر کی تقلید کی۔ الغرض ابتدائی چالیس سال میں عربی نثر، دین کی برکات وعنایات کے طفیل بہت آگے بڑھ گئی۔ وہ چھوٹے غیر مربوط، مسجع جملوں اور مختصر و فرسودہ مضامین سے نکل کر اس جدید اسلوب میں تبدیل ہو گئی۔ جس کے جملے کم، عبارت رواں، موضوعات مختلف اور انداز بیان پر اثر تھا۔ جس کی مثالیں آپؓ حضرت علیؓ کے رسائل و خطبات میں پائیں گے اور یہ نثر کی ایسی تیز رفتار ترقی ہے جس کی نظیر شاعری میں نہیں ملتی۔''۱۹۷؎

عربی انشاء پردازی میں جدت و تاثیر

''عبدالحمید سے قبل انشاء پردازی محض سادہ طریقہ پر لکھی ہوئی باتیں ہوتی تھی۔ جس کا کوئی قاعدہ مرتب نہ ہوا تھا۔ نہ اس نے فنی شکل اختیار کی تھی نہ شریف پیشوں میں اس کا شمار تھا۔ جب عبدالحمید نے اس پیشہ کو سنبھالا تو حالات اور انسانی طبائع ایک جدید طرز انشاء کے لئے بالکل تیار تھے۔ مملکت کی وسعت، تمدن کا نشوونما، نثر و خطابت کا عروج، عربی کا فارسی سے قرب۔

عبدالحمید کا سالم مولی ہشام سے تعلیم حاصل کرنا اور ابن المقفع سے گہرے مراسم وہ چیزیں تھیں جنہوں نے

عبدالحمید کے اسلوب میں یہ جدید طرز پیدا کیا۔ اس نے مخاطب کے حسب حال خطاب میں رعایتیں کیں۔ حالات کے مطابق مضمون میں طول و اختصار کو مدنظر رکھا اور مضمون کے ابتداء و انتہاء میں موضوع کی مناسبت سے نیرنگی پیدا کی۔ رسائل کے شروع میں حمد و ثناء کو طول دیا۔ مقبولیت کی بناء پر تمام رسائل نگاروں نے اس کے اسلوب کی پیروی کی۔ جس سے انشاء پردازی ایک مرتب و منظم اور باقاعدہ و بااصول فن بن گیا۔"۱۹۸؎

زبان و انشاء اور اس پر فتوحات' سیاست اور تمدن کا اثر

عہد بنی امیہ کے آخری زمانہ میں عربوں نے اس زمانہ کی مشہور قدیم دنیا کا بیشتر حصہ فتح کر لیا تھا۔ مشرق میں ان کی حکومت ہندوستان اور چین تک پھیلی ہوئی تھی اور مغرب میں پیرافس کے پہاڑوں تک' ان ممالک میں بسنے والی اقوام پر عربوں کا اقتدار پھیل چکا تھا' ان کے دلوں پر عربوں کا مذہب قبضہ کر چکا تھا اور ان کی زبانوں پر عربی زبان غالب آگئی تھی' جس کے مختلف اقوام عربوں میں شامل ہو گئی تھیں اور ان مختلف عناصر میں امتزاج پیدا ہو گیا تھا۔ انہوں نے قوم کا قرب حاصل کرنے' روزی کمانے اور دین سمجھنے کیلئے عربی زبان سیکھنی اور بولنی شروع کر دی' جس کی وجہ سے لسانی غلطیاں بکثرت ہونے لگیں اور یہ مرض جواب تک بڑے بڑے شہروں میں محدود تھا بڑھ کر دیہاتوں میں پہنچنے لگا' اور باوجود علماء و ارباب حکومت کی روک تھام اور ناپسندیدگی کے جنہوں نے اس وباء کا مقابلہ کرتے ہوئے علوم لسان کو مدون کیا' عامیانہ بولی کی مذمت اور اسے بولنے والوں کی مخالفت کی' یہ عجمیت کی بیماری عوام اور صنعت پیشہ طبقہ میں حد سے زیادہ پھیلتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ ہر ملک میں ایک عوامی زبان پیدا ہو گئی جو عربی زبان اور اس ملک کی وطنی زبان کی آمیزش سے بنی تھی۔

حکومت کو متمدن و مہذب بنانے اور فارسی' ہندی' یونانی علوم کو عربی میں منتقل کرنے کے لئے جن علمی اصطلاحات اور انتظامی' سیاسی' اقتصادی اور خانگی امور سے متعلق الفاظ کی ضرورت ہوئی ان کی وجہ سے زبان کا سرمایہ بہت بڑھ گیا۔۱۹۹؎

جب آبادی کی کثرت اور محصولات کی فراوانی ہوئی' حکومت کا دائرہ وسیع ہوا' تو انشاء پردازی عہد بنی امیہ کی طرح صرف دفتری کاروباری اور خطوط نویسی تک محدود نہ رہی بلکہ اس حد سے نکل کر وہ تصنیف' ترجمے' مقالات' مقامات' عہد نامے' وصف' مناظرہ' بخشش و انعام دینے یا مانگنے' ملاقات سے قبل تعارف' شکریہ' عتاب و ناراضی' تعزیت و تہنیت' رضاجوئی وغیرہ قسم کے شہری و تمدنی موضوعات کے لئے بھی استعمال ہونے لگی' جن میں اکثر موضوعات کا اس زمانہ سے قبل وجود نہ تھا۔

پھر جذبات و خواہشات کی روک تھام' دشمنوں سے مدافعت' فتنوں سے استیصال اور دلوں کو باہم ملانے کے لئے انشاء پردازی خطامت کے قائم مقام ہو گئی۔ نئے نئے محکموں کی وجہ سے محرروں (کلرکوں) میں بھی تنوع پیدا ہوا۔ ان محرروں میں سے کچھ آمد و خرچ کا حساب لکھنے والے' کچھ جاگیروں اور جائدادوں کا انتظام کرنے والے اور کچھ مضامین و خطوط لکھنے والے (معتمد) تھے اور موخرالذکر طبقہ ہی بلاغت کا علمبردار' معانی و بیان کا ترجمان اور یہی زبان و ادب کا موضوع ہے۔ اسلئے کہ ان کے علاوہ کسی کی انشاء پردازی میں باریک بینی و نزاکت اور خوبی و نفاست کی ضرورت نہ تھی۔۲۰۰؎

جب عربوں میں خوشحالی و آسودگی آئی اور ایرانیوں سے ان کا میل جول بڑھا تو انہوں نے باریک بینی ، دیر نویسی اور تکلف سے کام لینا شروع کر دیا اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا وہ بھی اس طرز میں ترقی کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے قدماء کے اسالیب کو چھوڑ دیا اور ایک مطلب کو بیان کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے کئی کئی جملے لکھنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ تکرار سے مطلب جلد واضح اور ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ وہ صدر اسلام اور اس کے بعد کے دور کی اختصار پسندی پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ مثلاً یزید کے اس قول پر جو اس نے مروان سے 'بیعت کرنے میں ہچکچاہٹ دیکھ کر کہا تھا "میں تمہیں ایک ٹانگ آگے اور دوسری پیچھے رکھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں' ان میں سے جس ایک پر چاہو پختگی سے اعتماد کر کے کھڑے ہوئے جاؤ۔" ابن قتیبہ "ادب الکاتب" میں لکھتا ہے: "یہ بات اگر آج کل کسی سے کہی جائے تو وہ اس کا وہ مطلوبہ اثر نہ ہوگا' صحیح طریقہ یہ ہوگا کہ بات کو طول دے کر تکرار کے ساتھ کہا جائے اور دوہرا کر پھر از سر نو شروع کیا جائے اور زجر و توبیخ کی جائے۔" پھر وہ عبارت کو مسجع و موزوں بنانے اور اس میں اشعار و امثال کی آمیزش کرنے لگے اور یہ سب از خود طبعی طور پر ہوتا تھا کیونکہ اس میں نفس مضمون کو عمدگی سے بیان کیا جاتا تھا اور لفظی تکلفات کی کمی ہوتی تھی۔۲۰۱ے

لیکن جب خلافت کو زوال ہوا اور حکومت کا انتظام نااہلوں نے سنبھالا' تو انشاء پردازی میں بھی کمزوری پیدا ہو گئی' انشاء پرداز اس کے مقصد سے غافل ہو گئے۔ انہوں نے انواع بدیع کے زیر اثر کلام کو خوشنما اور الفاظ کو حسین بنانا شروع کر دیا اور اس سلسلے میں اس قدر غلو کیا کہ ان کے الفاظ بھونڈے اور معانی خام رہ گئے۔ چنانچہ ان کی عبارت اس لکڑی کی تلوار کی طرح ہو گئی جو سونے کے میان میں ہو' بظاہر بھڑکدار اور آراستہ لیکن بباطن ناقص و بدنما۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ لوگ اس طرز اداء کو خطوط اور عہد ناموں تک ہی محدود رکھتے' مگر افسوس! ان لوگوں نے تو کتابوں کی تصنیف اور علوم کی تدوین میں بھی اسی اسلوب کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ مثلاً "تاریخ العتبی" اور "الفتح القدسی" وغیرہ میں۔

اس دور کے انشاء پرداز چار طبقوں میں منقسم ہیں اور ہر طبقہ نے اس دور کے چار زمانوں میں سے ایک زمانہ میں کمال و عروج حاصل کیا تھا۔

پہلے طبقے کے سردار ابن المقفع ہیں۔ ان کے اسلوب میں نیرنگی عبارت' جملوں کو (چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں) توڑنا' الفاظ میں ہم آہنگی' سہل پسندی' معانی کا زیادہ اہتمام اور سجع بندی سے گریز شامل ہیں۔۔۔۔۔۔ بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں "بلاغت یہ ہے کہ جب جاہل اسے سنے تو سمجھے کہ وہ بھی اس طرح کی خوشنما عبارت بنا سکتا ہے۔" ایک دوسرے انشاء پرداز سے انہوں نے کہا: "دیکھو بلاغت کی ہوس میں غیر مانوس و غریب الفاظ کی جستجو میں نہ رہنا کیونکہ یہی سب سے بڑی کمزوری ہے۔" ایک دوسرے انشاء نگار سے انہوں نے کہا: "تمہیں سوقیانہ الفاظ سے بچتے ہوئے سہل و فصیح الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔" اس طبقہ کے انشاء پردازوں میں یعقوب بن داؤد' جعفر بن یحییٰ' حسن بن سہل' عمرو بن مسعدہ' سہل بن ہارون اور حسن بن وہب ہیں۔

دوسرے طبقہ کا رئیس جاحظ ہے۔ عبارت کے آسان اور پر شوکت ہونے میں اس کا اسلوب پہلے طبقہ سے زیادہ مشابہ ہے' لیکن اس طبقہ کے اسلوب کی خصوصیات میں ایک جملہ کو بہت سے مقفیٰ یا غیر مقفیٰ فقروں میں توڑنا' الفاظ اور جملوں میں اطناب' بات میں بات نکالتے چلے جانا' پڑھنے والے کی اکتاہٹ دور کرنے کے لئے سنجیدہ اور ٹھوس مضامین میں

ہنسی مذاق کی آمیزش، مضمون کے تمام گوشوں کو اجاگر کرنا، اور مطلب کو کھول کر بیان کرنا، عقل و منطق سے استدلال، اور انشائے عبارت میں دعائیہ جملے لانا ہیں۔ اس طبقہ میں ابن قتیبہ، مبرد اور صولی ہیں۔

تیسرے طبقے کے سردار ابن العمید ہیں اور ان کا اسلوب نہایت درجہ دلنشین اور طبیعت کو موہ لینے اور وجدان پر قابو پا لینے والا ہے۔ کیونکہ یہ بالکل شاعرانہ طریقہ ہے، جس میں وزن کے علاوہ کسی چیز کی کمی نہیں ہے اور یہ طرز اداء اپنی لازمی قیود کی پابندی اور تمام اسالیب پر غالب آنے کی وجہ سے یورپ کے قدیم تقلیدی (مقبول عام) اسلوب سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔

اس اسلوب کے لئے چند چھوٹے چھوٹے مسجع جملے، تجنیس (متشابہ وہم شکل الفاظ) تاریخ اور دیگر علوم کے لطائف کی آمیزش، انشائے عبارت میں شعروں سے استشہاد، نفس مضمون کی سلامتی و عمدگی کے ساتھ تخیل و تشبیہ میں وسعت، لازمی قیود ہیں۔ اس اسلوب کو اپنانے والوں میں صاحب ابن عباد، الوزیر المہلبی، خوارزمی، بدیع، صابی اور ثعالبی ہیں، مقامات اسی طبقہ کے آثار میں سے ہیں۔

چوتھے طبقہ کے سردار قاضی فاضل ہیں۔ ان کے اسلوب کی بنیاد سجع بندی اور بدیع پسندی میں تیسرے طبقہ کے اسلوب کے مطابق ہے۔ لیکن توریہ (لفظی ہیر پھیر، ابہام) اور تجنیس میں انہوں نے اس قدر غلو کیا کہ اس کے زمانہ میں انشاء پردازی محض تصنع و تکلفات کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ جس کے الفاظ نہایت خوبصورت و خوشنما ہوتے، لیکن مضمون ناقص اور خیال نامکمل۔ اس طرز کے انشاء پردازوں میں ''المثل السائر'' کے مصنف ابن الاثیر اور کاتب اصبہانی ہیں۔

لیکن انشاء پردازوں کے اس عقیدہ نے کہ اسلاف سے منقول نثر کو حفظ کر لینا ثقافت و ادب کا لازمہ اور تفوق و برتی کا ذریعہ ہے، قلموں میں یگانگت باقی نہ رہنے دی اور اسالیب کو جدا جدا کر دیا۔ جس کے باعث ایک ہی زمانہ میں انشاء پردازی کے کئی مختلف طریقے ہونے لگے۔ چنانچہ آپ کو جاحظ کے زمانہ میں ابن عبدربہ کی طرح ابن المقفع کے مقلد، اور ابن لعمید کے زمانہ میں شریف رضی کی طرح امام علیؓ کے پیرو ملیں گے۔ لیکن بایں ہمہ تمام ہمعصر انشاء پردازی اپنے سیاسی و اجتماعی حالات کے سامنے مجبور ہو جاتے ہیں اور ان کی انشاء پردازی میں ایک مخصوص انداز پیدا ہو جاتا ہے جو ان کو دوسرے زمانوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ ۲۰۲ –

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اہل عرب کے ہاں کتابت نادر تھی۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اہل عرب ایک دوسرے کو عقود و مواثیق لکھتے رہتے تھے، بعض حالات میں رسائل لکھتے تھے۔ شعراء حضرات اپنے اشعار کی تدوین کیا کرتے تھے۔ کتابت جاہلیت میں معروف تھی، مالوف نہ تھی خاص کر دیہاتوں میں۔ اہل عرب اپنے اشعار کو اپنی زبان میں منظم کرتے تھے۔ خالق کائنات نے اپنا کلام مجید عرب کی لغت پر نازل فرمایا۔ قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ہی مسلمانوں نے قرآن کی ہر آیت کو جمع کرنے کا انتظام کیا پھر ہر لفظ اور ہر جملے کو یاد کیا کرتے تھے۔

''زمانہ جاہلیت میں عجمی کلمات بکثرت عربی لغت میں داخل ہوئے۔ پہلے یہ کلمات عجمی تھے لیکن بعد میں خالص عربی بن گئے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

قرطاس، درہم، دینار، کرسی، قصر، استبرق وغیرہ۔

یہ عجمی کلمات شعر جاہلی میں داخل ہیں۔

ان میں سے بعض قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں۔" ۲۰۲ (الف)

حلہ میں بنی مزید اور موصل میں بنی عقیل کتابت کیلئے معین تھے۔

ابن خلکان ذکر کرتا ہے کہ:

علی بن افلح الکاتب الشاعر المتوفی سنہ ۵۳۷ھ شبیۃ میں بنی مزید کے امراء میں سے ایک امیر کے سامنے لکھتا تھا:

حجاز مقدس خصوصاً مکہ میں امراء نے انشاء کیلئے کتاب رکھے ہوئے تھے۔ یہ کتاب مشکل عبارت کو لکھنے کیلئے رکھے ہوئے تھے۔ یہ کتاب مصر کے بادشاہوں اور یمن و عراق کے حکام کے خطوط کے جواب دیتے تھے۔ پانچویں صدی ہجری سے علمی اجازات کی کتابت شائع ہوئی۔ ایک عظیم عالم اپنے بعض قابل طالبعلموں کیلئے اجازت لکھتا' اپنی مرویات اور تصنیفات کے ساتھ' اپنے شیوخ سے مرویات کو ذکر کیا جاتا' یہ ان کی عادت تھی۔ اجازات کے شروع میں علم اور اس کی فضیلت لکھتا۔ شاگرد کی قابلیت تحریر کرتا پھر مؤلفات اور مرویات کو اچھی طرح بیان کرتا۔

تصنیف شدہ کتابوں کی تقریظ کو اچھی طرح سمجھتا۔ یہ بھی ان کی عادت میں سے تھا کہ کتاب کا مصنف اپنی کتاب کو کسی بڑے عالم کے سامنے پیش کرتا۔ وہ اگرچہ مکہ معظمہ کے علماء سے ہوتا یا مدینہ منورہ کے علماء میں سے۔

کتابت نے جس طرح یمن میں ترقی کی جزیرہ عرب میں نہیں کی۔ یہ ترقی حکومت صلیحیہ اسماعیلیہ کے زمانے (۴۳۹۔ ۵۳۲ھ) سے ہوئی۔ جب اس حکومت نے اپنے لئے ایک دیوان انشاء کیلئے تیار کروایا۔

بڑے بڑے کاتبوں میں سے حسین بن علی بن القم الشاعر النابہ کا نام آتا ہے۔ یمن میں کتابت کی ترقی پانچویں صدی ہجری سے ہوئی۔

یمن کے جزیرے سے انشاء میں الشیخ الأدیب الفاضل ابی العتیق ابی بکر بن محمد العیذی کا نام بھی آتا ہے۔ یہ معروف شعراء میں سے تھے۔

جب توران شاہ نے یمن فتح کیا۔ تو اس (توران شاہ) نے اسے اپنا کاتب بنانے کی کوشش کی لیکن اس نے انکار کر دیا۔

شام اور عراق میں کاتبوں کو نہیں دیکھا گیا۔ آئمہ زیدیہ اور دیگر ملکوں کے مابین روابط مراسلات کے ذریعے ہوتے تھے۔

ابن معصوم نے اپنی کتاب "سلافۃ العصر" میں بعض شخصی رسائل اپنے زمانے کے ادباء کیلئے مدون کئے۔

رسائل دیوانیہ۔ یمن میں حکومت صلیحیہ کے وقت بہت زیادہ تھے۔ ان سب میں زیادہ بلیغ بیان کے اعتبار سے حسین بن علی بن القم کا رسالہ ہے۔ یہ رسالہ صلیحیہ حکومت کیلئے انشاء میں کاتب تھے۔ ۲۰۲ (ب)

عصر عباسی میں کتابت کو بہت زیادہ ترقی ملی۔ کتابت اور نثر کے فنون کی ترقی و پرورش میں بہت سارے آثار واقع ہوئے۔ اس دور میں ادبی' صوفی اور فلسفی قصص تصنیف کئے گئے۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں فارسی اور ہندی قصص کے دیگر زبانوں میں تراجم ہوئے۔

محمد بن عبدوس الجہشیاری المتوفی سنہ ۳۳۱ھ نے قصص تالیف کئے حکایات لکھیں۔

عرب اور غیر عرب کی حکایات میں سے ایک ہزار حکایات تالیف کیں۔ ایران میں بہت سارے کاتب ہوئے ہیں

جن کا احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ جن لوگوں نے رسائل دیوانیہ کی کتابت کے سلسلہ میں بہت زیادہ کام کیا ان میں سے ایک نام العمید والد ابی الفضل محمد بن حسین کا ہے جو کہ فارسی الأصل تھے اور ابوالفضل میکالی کا نام بھی آتا ہے۔

غزنوی حکومت کے کاتبوں میں سے ابوبکر قہتانی اور محمد بن محمود غزنوی کا نام سرفہرست ہے۔ ان کے علاوہ قاضی ابواحمد منصور بن محمد الأزدی المتوفی ۴۴۰ھ کا نام بھی آتا ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں حکومت سلجوقیہ میں سے سرفہرست نام منصور بن محمد الکندری المتوفی ۴۵۶ھ کا ہے۔ اس کے علاوہ ابوالحسن الحسینی الیلثی کا نام بھی آتا ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں خوارزمی حکومت میں سے الزمخشری المحر لی المتوفی ۵۳۸ھ ایران میں مشہور کاتبوں میں سے ہیں۔

تفسیر و قرات

عصر تابعین و مدارس تفسیر

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں اسلامی فتوحات کا دور دورہ ہوا۔ مسلمان مدینہ طیبہ کے مطلع الانوار سے نکل کر دور دراز علاقوں میں پھیل گئے۔ جہاں جہاں اسلام کی روشنی پھیلی مسلمانوں نے وہاں بود و باش اختیار کر لی۔ اہل اسلام میں ولاۃ و قضاۃ امراء و حکام اور معلم سبھی قسم کے لوگ تھے۔ یہ لوگ جہاں بھی گئے وہاں رسول کریم ﷺ سے حاصل کردہ علم و فضل بھی ہمراہ لیتے گئے۔ بکثرت تابعین نے ان کی ہم نشینی سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ان سے علم حاصل کر کے لوگوں کو اس سے مستفید کرنے لگے۔ چنانچہ بلاد و دیار میں علمی مدارس قائم ہو گئے ہیں جن کے اساتذہ صحابہ اور تلامذہ تابعین تھے۔

ان میں سے بعض مدارس نے خصوصی شہرت حاصل کی اور تابعین کی کثیر تعداد نے مشہور مفسرین صحابہ سے کسب فیض کیا۔ چنانچہ ایک مدرسہ مکہ دوسرا مدینہ اور تیسرا عراق میں بپا ہوا۔ یہ مدارس سہ گانہ اس دور کے مشہور تفسیری مکاتب میں شمار ہوتے تھے۔

ابن تیمیہؒ مقدمہ ''اصول التفسیر'' میں رقمطراز ہیں:

''تفسیر کے سب سے بڑے عالم اہل مکہ تھے۔ اس لئے کہ یہ لوگ حضرت ابن عباسؓ جیسے عظیم مفسر کے ساختہ پرداختہ تھے۔ اصحاب ابن عباس میں مندرجہ ذیل بہت مشہور ہیں:

(۱) مجاہد (۲) عطاء بن ابی رباح (۳) عکرمہ مولی ابن عباس (۴) طاؤس

(۵) ابوالشفاء (۶) سعید بن جبیر وغیرھم

اہل کوفہ میں سے ابن مسعودؓ کے اصحاب و تلامذہ نے بہت شہرت حاصل کی۔ ان میں سے بعض بہت ہی نمایاں تھے۔ اہل مدینہ میں بھی مفسرین کی ایک جماعت موجود تھی۔ ان میں زید بن اسلم جن سے امام مالک نے تفسیر کا درس لیا۔ خاصی شہرت کے حامل ہیں۔ زید بن اسلم سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن از عبداللہ بن وہب نے بھی استفادہ کیا۔''[۳۰۲]

مکہ کا تفسیر مکتب

ابن خلکان ''وفیات الاعیان'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مکہ کا تفسیری مکتب حضرت ابن عباسؓ کے طفیل قائم ہوا۔آپ اپنے تابعین تلامذہ کے درمیان بیٹھ کر درس قرآن دیتے اور اس کے مشکل مطالب کی توضیح کیا کرتے تھے۔آپ کے تلامذہ ان سے جو باتیں سنتے ان کو دوسروں تک پہنچاتے تھے۔

اس مکتب کے ساختہ پرداختہ اشخاص میں سے مشہور حسب ذیل تھے:

(۱) سعید بن جبیر (۲) مجاہد (۳) عکرمہ بن مولیٰ ابن عباس (۴) طاؤس بن کیسان الیمانی (۵) عطاء بن ابی رباح

یہ سب آزاد کردہ غلام تھے۔قلت وکثرت روایت کے اعتبار سے بھی ان میں فرق مراتب پایا جاتا ہے۔

سعید بن جبیر

آپ کا نام نامی سعید بن جبیر بن ہشام اسدی اور کنیت ابو محمد یا ابوعبداللہ ہے۔یہ حبشی الاصل سیاہ فام مگر عمدہ سیرت و کردار کے حامل تھے۔آپ نے اکابر صحابہ خصوصاً حضرت ابن عباس اور ابن مسعود وغیرھم سے استفادہ کیا۔

قرأت وتفسیر قرآن میں سعید بن جبیر کا مقام

آپ کبائر تابعین میں سے تھے اور حدیث وتفسیر وفقہ میں ان کے سرخیل تھے۔حضرت ابن عباسؓ سے قرأت وتفسیر کا درس لیا اور ان ہی کے وابستہ دامن رہے۔[۴۰۴]

''جناب سعید نے مختلف صحابہ کی قرأتین حفظ کر رکھی تھیں اور ان کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اسماعیل بن عبدالملک بیان کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر ماہ رمضان میں ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے چنانچہ ایک رات ابن مسعود کی قرأت کے مطابق پڑھتے' دوسری رات زید بن ثابت کے مطابق اور اس طرح ہر شب جداگانہ انداز سے تلاوت کرتے۔''[۴۰۵]

اس میں شبہ نہیں کہ مختلف قراءتین جمع کرنے کی بناء پر آپ قرآن کریم کے معانی ومطالب سے بھی پوری طرح آگاہ و آشنا ہو گئے تھے مگر قرآن کریم کی تفسیر بالرائے بیان کرنے سے احتراز کیا کرتے تھے۔

ابن خلکان ''وفیات الاعیان'' میں رقمطراز ہیں: ج

''ایک شخص نے سعید سے تفسیر قرآن لکھنے کی فرمائش کی۔وہ ناراض ہو گئے اور کہا میرے جسم کا ایک حصہ گر جائے تو وہ مجھے گوارہ ہے مگر قرآن کی تفسیر لکھنا پسند نہیں۔''[۴۰۶]

سعید بن جبیر کی ذات میں تمام تابعین کا علم یکجا ہو گیا تھا۔دوسرے لوگ صرف ایک ایک فن میں مہارت وبصیرت رکھتے تھے۔مگر آپ جامع الفنون تھے۔خصیف ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''تابعین میں طلاق کے مسائل سب سے زیادہ سعید بن المسیب جانتے تھے۔مناسک حج کا علم عطاء کو حاصل تھا۔حلال وحرام کے عالم طاؤس' تفسیر کے جاننے والے مجاہد اور ان سب کے جامع سعید بن جبیر تھے۔''[۴۰۷]

ابن حجر عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' میں رقمطراز ہیں:

''انہی وجوہ کے پیش نظر سعید کے استاذ محترم حضرت ابن عباسؓ ان کے علم پر بھروسہ کرتے تھے اور جو شخص ان سے فتویٰ پوچھنے آتا۔اس کو سعید کا پتہ دیتے تھے۔جب اہل کوفہ آپ سے مسائل دریافت کرنے آتے تو آپ فرماتے کیا سعید بن جبیر

تمہارے یہاں موجود نہیں؟ عمرو بن میمون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

''سعید بن جبیر خدا سے جا ملے۔ سطح زمین سے کوئی شخص نہیں جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔''

بعض علماء کی رائے میں ان کا علمی پایہ مجاہد و طاؤس سے بلند تر ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ:

سعید تابعین میں سب سے بڑے مفسر تھے۔ علمائے جرح و تعدیل نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔''

ابو القاسم طبری فرماتے ہیں:

''سعید ثقہ حجت اور امام المسلمین تھے۔''

ابن حبان نے آپ کو ثقاہت میں شمار کیا اور کہا ہے:

سعید فاضل اور متقی انسان تھے۔''

اصحاب صحاح ستہ آپ سے روایت کرنے میں متفق ہیں۔

۹۵ھ ماہ شعبان میں جب آپ کی عمر انچاس برس تھی۔ حجاج نے آپ کو شہید کروا دیا تھا۔ واقعہ شہادت سے قبل آپ کا حجاج کے ساتھ ایک مناظرہ منقول ہے۔ جس سے آپ کے قوت ایمان و ایقان اور توکل علی اللہ کا پتہ چلتا ہے۔''[۲۰۸]

۲۔ مجاہد

مجاہد بن جبیر ابو الحجاج مخزومی ۲۱ھ خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حالت سجدہ میں بمقام مکہ ۱۰۴ھ میں بعمر تراسی سال وفات پائی۔

ایک مفسر کی حیثیت سے

احمد امین ''فجر الاسلام'' میں رقمطراز ہیں:

''مجاہد نے حضرت ابن عباسؓ سے ان کے تلامذہ کی نسبت بہت کم تفسیری اقوال نقل کئے ہیں۔''[۲۰۹]

اصحاب ابن عباسؓ میں آپ سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امام شافعی و بخاری نے ان کی تفسیر پر اعتماد کیا ہے۔

امام بخاری ''الجامع الصحیح'' کی کتاب تفسیر میں مجاہد کے بکثرت اقوال نقل کرتے تھے آپ کی ثقاہت و عدالت کی شہادت اس سے بڑھ اور کیا ہو سکتی ہے؟ فضل بن میمون روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مجاہد کو یہ کہتے سنا:

''میں نے حضرت ابن عباسؓ کو تیس مرتبہ قرآن سنایا۔''[۲۱۰]

مجاہد سے یہ قول بھی مروی ہے کہ:

''میں نے تین مرتبہ ابن عباسؓ کو قرآن سنایا ہر آیت پر ٹھہر کر دریافت کرتا کہ یہ کیسے اور کہاں نازل ہوئی۔''[۲۱۱]

ان دونوں روایتوں میں تعارض نہیں اس لئے کہ قلت پر مشتمل خبر میں کثرت کی نفی ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حفظ وضبط اور تجوید و قرأت کے لئے مجاہد نے ابن عباسؓ کو تیس مرتبہ قرآن سنایا ہو پھر اس کے بعد قرآن کے معانی و

مطالب اور اسرار و رموز معلوم کرنے کے لئے تین مرتبہ اور سنایا ہو جیسا کہ ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا مجاہد ابن عباسؓ سے قرآن کی تفسیر دریافت کر رہے ہیں اور ان کے ہمراہ ان کی تختیاں بھی ہیں۔ ابن عباس نے کہا لکھتے جاؤ۔ حتی کہ مجاہد نے مطلوبہ تفسیر پوچھ لی۔" ۲۱۲

۳۔ عکرمہ

ابو عبداللہ عکرمہ بربری مدنی مولیٰ ابن عباسؓ دیار مغرب علاقہ بربر کے رہنے والے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرۃؓ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہما سے کسب فیض کیا۔

عکرمہ کی توثیق میں علماء کا اختلاف

عکرمہ کی توثیق میں علماء مختلف الرائے ہیں۔ بعض ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں اور بعض غیر ثقہ

معترضین کے دلائل ·

ابن حجر "تہذیب التہذیب" میں یہ سب اعتراضات نقل کر کے ان کے قائلین کے نام بھی بتائے ہیں۔

ایک شخص نے سعید بن المسیب سے ایک آیت کے معانی دریافت کئے۔ فرمایا: مجھ سے نہ پوچھئے۔ اس شخص سے دریافت کیجئے جس کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کی کوئی بات مجھ سے پوشیدہ نہیں (یعنی عکرمہ سے) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نافع سے کہا:

"نافع خدا سے ڈرو اور مجھ پر اس طرح جھوٹ نہ باندھو جیسے عکرمہ نے ابن عباسؓ پر باندھا۔"

ابطال دلائل

معترضین کے یہ تمام دلائل بے بنیاد ہیں اور ان میں کوئی صداقت نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عکرمہ حضرت ابن عباس کی صحبت و رفاقت میں رہا کرتے تھے۔ اس لئے ابن عباس سے کثرت روایت کی بناء پر آپ کی صداقت و عدالت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ ایک فطری امر ہے اور اس کو کسی طرح بھی افتراپردازی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

کثرت روایت ایسا عیب نہیں جس سے راوی کی ثقاہت جاتی رہے۔ حضرت ابوہریرۃ کے زمانے میں لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ وہ کثیر الروایہ ہیں۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ لوگ اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے اور مجھے رفاقت نبوی کے سوا دوسرا کوئی کام نہ تھا۔ تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ کثرت روایت سے ابوہریرۃ کی صداقت مشکوک ہو گئی۔

عکرمہ پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ اس سے نابلد نہ تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ کاش جو لوگ میری تکذیب کرتے ہیں میرے روبرو کریں اور میں انہیں جواب دوں۔ عثمان بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ میں ابوامامہ سہیل بن یوسف کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ عکرمہ بھی آ گئے۔ کہنے لگے ابوامامہ! میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں سچ بتائیے کہ آپ نے ابن عباس کو یہ کہتے سنا تھا کہ "عکرمہ جو کچھ بھی مجھ سے سن کر بیان کرے کہ اس کی تصدیق کیجئے اس نے مجھ پر جھوٹ نہیں باندھا۔" ابوامامہ نے جواب دیا "جی ہاں"

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عکرمہ خارجی تھے تو یہ عظیم بہتان ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''اگر عکرمہ کا خارجی ہونا ثابت ہو بھی جائے تو اس سے ان کی روایت میں فرق نہیں آتا کیونکہ وہ اس بدعت کے داعی نہ تھے مگر یہ بات کسی دلیل و برہان سے ثابت نہیں ہوتی۔'' [۲۱۳]

عکرمہ کا تفسیری پایہ

عکرمہ تفسیر قرآن میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔علماء نے بڑی فراخ دلی سے اس کا اعتراف کیا ہے۔

ابن حجر عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

(۱) محدث ابن حبان فرماتے ہیں:

''عکرمہ اپنے زمانے کے بہت بڑے فاضل قرآن وفقہ تھے۔''

(۲) عمرو بن دینار کا قول ہے:

''جابر بن زید نے مجھے چند سوالات بتلا کر کہا کہ عکرمہ سے ان کے بارے میں پوچھ وہ علم کے بحر بیکراں ہیں۔''

(۳) امام شعبی کہا کرتے تھے:

''عکرمہ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم آج روئے زمین پر موجود نہیں۔''

خلاصہ کلام یہ کہ عکرمہ روایت حدیث میں امین، علم و فضل میں دوسروں پر فائق اور کتاب اللہ کے فہم و ادراک میں یکتائے روزگار تھے۔عکرمہ نے ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔[۲۱۴]

۴۔طاؤس بن کیسان یمانی

اسم گرامی طاؤس بن کیسان کنیت ابو عبدالرحمٰن اور نسبت ایمانی الحمیری ہے۔عبادلہ اربعہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو العاص، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر سے کسب فیض کیا۔طاؤس کا قول ہے کہ میں پچاس صحابہ کی صحبت میں رہ کر ان سے استفادہ کر چکا ہوں۔آپ بہت بڑے عالم و فاضل اور مفسر قرآن تھے۔دیگر صحابہ کی نسبت آپ نے حضرت عباسؓ کے چشمہ علم و فضل سے زیادہ نفع اٹھایا۔اس لئے ہم ان کا تذکرہ مکہ کے تفسیری مکتب فکر عبداللہ بن عباس کے اصحاب و تلامذہ میں کرتا ہے:

طاؤس بڑے عابد و زاہد اور متقی انسان تھے۔حتیٰ کہ ان کے استاد گرامی حضرت ابن عباسؓ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں طاؤس کو جنتی خیال کرتا ہوں۔''

دین دینار کا قول ہے:

''میں نے طاؤس جیسا صالح آدمی نہیں دیکھا۔''

اصحاب صحاح ستہ نے طاؤس سے روایت کی ہے۔

امام ابن معین کہتے ہیں:

''طاؤس ثقہ ہیں۔''

محدث ابن حبان فرماتے ہیں:

''طاؤس اہل یمن کے عبادت گزاروں میں شامل تھے۔آپ تابعین کے سردار اور مستجاب الدعوات تھے۔آپ نے چالیس حج کیے۔''

امام ذہبی رقمطراز ہیں:

''طاؤس اہل یمن کے استاد تھے۔آپ نے بہت حج کیے۔۱۰۶ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی۔'' ۲۱۵

۵۔عطاء بن ابی رباح

ابو محمد طاء بن ابی رباح مکی القرشی ۲۷ھ کو پیدا ہوئے۔اور ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔آپ جسمانی نقائص وعیوب کے باوجود پیکر علم وفضل تھے۔آپ کا رنگ سیاہ' آنکھ ناک چپٹی' لنگڑے اور معذور بھی تھے آخر میں اندھے ہوگئے۔

جناب عطاء نے حضرت ابن عباس' ابن عمر' عبداللہ بن عمرو بن العاص اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہما سے استفادہ کیا۔عطاء کا اپنا بیان ہے کہ میں نے ۲۰۰ صحابہ کا زمانہ پایا۔آپ ثقہ' فقیہ اور کثیر حدیث تھے۔اہل مکہ کی فتویٰ نویسی آپ کی ذات پر ختم ہوگئی تھی۔۲۱۶

جب اہل مکہ حضرت ابن عباسؓ سے استفادہ کرنے آتے تو آپ فرماتے:

''اہل مکہ!تم میرے پاس آتے ہو حالانکہ تمہارے اندر عطاء جیسا شخص موجود ہے۔''

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

''میں نے اپنے ملنے والوں میں عطاء جیسا کسی کو نہیں پایا اور نہ جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا آدمی دیکھا۔''

امام اوزاعی کا ارشاد ہے:

''جب عطاء فوت ہوئے تو وہ سب لوگوں کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھے۔''

سلمہ بن کہیل کا قول ہے:

''رضائے الٰہی کے لئے علم حاصل کرنے والے میں نے صرف تین آدمی دیکھے ہیں:

۱۔عطاء ۲۔مجاہد ۳۔طاؤس''

ابن حبان رقمطراز ہیں:

''علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے اعتبار سے عطاء تابعین کے سرخیل تھے۔''

''اصحاب صحاح ستہ آپ سے اخذ ونقل کرتے ہیں۔'' ۲۱۷

عطاء کا علمی مقام

علماء کے مندرجہ صدر بیانات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عطاء بہت اونچے درجے کے عالم' راست گفتار اور ثقہ تھے۔ان کے استاد گرامی حضرت ابن عباسؓ نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔احکام حج سے متعلق معلومات کے سلسلہ میں عطاء کو حضرت ابن عباس کے جملہ تلامذہ پر برتری حاصل ہے۔

قتادہ کہا کرتے تھے:

"تابعین کے جید علماء چار تھے:

۱۔ مناسک حج کے سب سے بڑے عالم عطاء تھے۔

۲۔ سب سے بڑے مفسر قرآن سعید بن جبیر تھے۔

۳۔ سیر و مغازی میں سب سے زیادہ شہرت عکرمہ کو حاصل ہوئی۔

۴۔ حلال وحرام کے عظیم عالم حسن بصری تھے۔"[۲۱۸]

مدینہ کا مدرسہ تفسیر

اس مدرسہ کی تاسیس و تشکیل حضرت ابی بن کعب کی مرہون منت ہے۔ بکثرت صحابہ مدینہ ہی کے ہو کر رہ گئے اور دیگر اسلامی بلاد و امصار کی جانب نقل مکانی نہ کی۔ مدینہ میں اقامت پذیر رہ کر وہ اپنے اتباع و اصحاب کو قرآن کریم اور سنت رسولؐ کا درس دیا کرتے تھے۔ اس طرح مدینہ طیبہ میں تفسیر کے ایک مدرسہ کی بنیاد پڑی۔ اس مدرسہ کی کثیر تابعین نے مشاہیر صحابہ سے تفسیر کا درس لیا۔ ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت ابی اس مدرسہ کے اولین موسس تھے اور اکثر تابعین نے آپ سے کسب فیض کیا۔ اس لئے کہ تفسیر قرآن میں حضرت ابی بن کعب دوسرے صحابہ کی نسبت زیادہ شہرت رکھتے تھے اور بکثرت تفسیری اقوال آپ سے نقل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں۔

مدرسہ ہذا کے مشاہیر

ابن حجر عسقلانی "تہذیب التہذیب" میں رقمطراز ہیں:

اس عہد میں مدینہ میں بہت سے تابعین سکونت پذیر تھے۔ جو تفسیر میں خصوصی شہرت کے حامل تھے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل تین بزرگ زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ ابو العالیہ　　۲۔ محمد بن کعب القرظی　　۳۔ زید بن اسلم

ان میں سے بعض نے حضرت ابی سے براہ راست اور بعض نے بالواسطہ استفادہ کیا۔

اب ہم ان ہر سہ اکابر کے مختصر سیر و سوانح اور ان کے علمی مرتبہ و مقام پر روشنی ڈالیں گے۔[۲۱۹]

۱۔ ابو العالیہ

اسم گرامی رفیع بن مران اور کنیت ابو العالیہ ہے۔ آپ نے جاہلیت کا زمانہ پایا اور آنحضورؐ کی وفات کے دو سال بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ نے حضرت علی و ابن مسعودؓ ابن مسعود و ابن عباس و ابن عمر و ابی بن کعب اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہما سے علمی استفادہ کیا۔ آپ ثقہ تابعین میں شمار ہوتے تھے اور تفسیر میں خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ اکابر محدثین مثلاً ابن معین ابو زرعہ اور ابو حاتم نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اصحاب صحاح ستہ آپ سے روایت کرنے پر متفق ہیں۔ ابو العالیہ قرآن کریم کے بہترین حافظ تھے۔ قتادہ ابو العالیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"نبی کریم ﷺ کی وفات کے دس سال بعد میں نے قرآن کریم پڑھا۔"

حضرت ابی بن کعب سے تفسیر قرآن کا ایک ضخیم نسخہ منقول ہے۔ اس کو ابو جعفر رازی نے بروایت ربیع بن انس از ابو العالیہ از ابی بن کعب نقل کیا ہے۔ یہ اسناد صحیح ہے۔

مفسر ابن جریر ابن ابی حاتم اور امام حاکم نے مستدرک میں اس نسخہ سے بکثرت روا تیں نقل کی ہیں۔
امام احمد نے بھی مسند میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ بقول صحیح تر آپ نے ۹۰ ہجری میں وفات پائی۔ ۲۲۰ ے

۲۔ محمد بن کعب القرظی

نام نامی محمد بن کعب بن سلیم بن اسد القریظی المدنی اور کنیت ابو حمزہ یا عبداللہ ہے۔ آپ نے حضرت علی وابن مسعود وابن عباس ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہما سے کسب فیض کیا۔ حضرت ابی سے بالواسطہ روایت کی۔ آپ ثقاہت وعدالت' زہد و تقویٰ' کثرت حدیث وتفسیر قرآن میں خاص شہرت رکھتے تھے۔

ابن سعد فرماتے ہیں:

''محمد بن کعب ثقہ عظیم عالم اور مفسر قرآن تھے۔ اصحاب ستہ نے بالاتفاق آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔''

ابن عون کا قول ہے:

''میں نے محمد بن کعب سے بڑھ کر مفسر قرآن نہیں دیکھا۔

محدث ابن حبان فرماتے ہیں:

''محمد بن کعب مدینہ کے فضلاء شمار ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے کہ اچانک چھت گر پڑی۔ جس سے آپ اور چند رفقاء کی موت واقع ہو گئی۔ یہ ۱۱۸ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر اٹھہتر (۷۸) برس کی تھی۔'' ۲۲۱ ے

عراق کا مکتب تفسیر و قرأۃ

عراقی مکتب تفسیر اپنے وجود و ظہور میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مرہون منت ہے۔ آپ کے سوا وہاں اور بھی صحابہؓ مقیم تھے۔ جن سے اہل عراق نے تفسیر قرآن کا درس لیا۔ مگر ابن مسعود اس مکتب فکر کے اولین استاذ تسلیم کیے جاتے تھے۔ اس کی وجہ آپ کی شہرت اور ان سے مرویات ومنقولات کی کثرت ہے۔ نیز اس لئے کہ جب جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر کو کوفہ کا والی مقرر کیا تو ابن مسعود کو ان کے ہمراہ معلم و وزیر بنا کر روانہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل کوفہ آپ کی صحبت اختیار کرنے اور دوسروں کی نسبت آپ سے زیادہ استفادہ کرنے لگے۔

اہل عراق کو عموماً اہل الرائے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اختلافی مسائل کے ذکر و بیان میں یہ لفظ اکثر سننے میں آتا ہے۔ علماء کا قول ہے کہ ابن مسعودؓ اولین شخص تھے جس نے اس نظر واستدلال کی طرح ڈالی۔ پھر علمائے عراق بھی اسی ڈگر پر چل پڑے۔ اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ تفسیری مدرسہ فکر میں بھی اسی کی پیروی کی جانے لگی اور قرآن کی تفسیر رائے واجتہاد کی اساس پر شروع ہوئی۔ اس لئے کہ شرعی مسائل میں استنباط نصوص قرآن وسنت میں اپنی رائے کو استعمال کرنے ہی کا نتیجہ تھا۔

عراقی مکتب تفسیر کے ساختہ پرداختہ لوگوں میں مندرجہ ذیل نے بہت شہرت حاصل کی:

۱۔ علقمہ ۲۔ مسروق ۳۔ اسود بن یزید ۴۔ مرہ ہمدانی ۵۔ عامر شعبی
۶۔ حسن بصری ۷۔ قتادہ بن دعامہ سدوسی'' ۲۲۲ ے

ا۔علقمہ بن قیس

علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک النخعی الکوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے۔آپ نے حضرت عمرو عثمان وعلی وابن مسعود و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہما اجمعین سے روایت کی۔علقمہ حضرت ابن مسعودؓ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور آپ کے علم وفضل سے خوب آشناو آگاہ تھے۔عثمان بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے پوچھا:

''آپ کے نزدیک علقمہ بہترین ہیں یا عبیدہ؟ کہا''دونوں یکساں ہیں''

ابو المثنیٰ کا قول ہے:

''جب تم علقمہ کو دیکھ لو تو ابن مسعود کو نہ دیکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں وہ ان سے بڑی حد تک ملتے جلتے ہیں۔''

عبدالرحمٰن ابن یزید بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا:

''میں جو کچھ پڑھتا یا جانتا ہوں علقمہ بھی جانتے ہیں۔علقمہ نہایت ثقہ،امین،راست باز اور زہد وتقویٰ سے بہرہ ور تھے۔''

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

''علقمہ صالح اور ثقہ شخص ہیں۔اصحاب صحاح ستہ آپ سے روایت کرنے میں متفق ہیں۔

بقول ابو نعیم علقمہ نے ۶۱ھ یا ۶۲ھ میں بعمر نوے (۹۰) سال وفات پائی۔ [۲۲۳]

۲۔مسروق

مسروق بن اجدع بن مالک کوفی کی کنیت ابو عائشہ ہے۔ایک دن حضرت عمرؓ نے ان کا نام دریافت کیا تو جواباً کہا''میرا نام مسروق بن اجدع ہے''جناب فاروقؓ نے فرمایا''اجدع تو شیطان کو کہتے ہیں آپ مسروق بن عبدالرحمٰن ہیں۔''

مسروق نے علماء اربعہ،ابن مسعود،ابی بن کعب اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے علمی استفادہ کیا۔آپ ابن مسعودؓ کے تلامذہ میں سب سے بڑے عالم اور زہد وتقویٰ میں ممتاز تھے۔کوفہ کے مشہور مفتی قاضی شریح مشکل مسائل میں آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

امام شعبی فرماتے ہیں:

''میں نے مسروق سے بڑھ کر علم کا شائق نہیں دیکھا۔''

امام بخاری کے استاذ علی بن مدینی کا قول ہے:

''میں ابن مسعودؓ کے تلامذہ میں سے مسروق پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔''

حضرت ابن مسعودؓ کی صحبت ورفاقت سے مشرف ہو کر علم وفضل کا لازوال خزانہ جمع کر لیا تھا۔آپ اپنے عہد کے امام تفسیر اور کتاب اللہ کے معانی ومطالب کے جید فاضل قرار پائے۔جہاں تک آپ کی ثقاہت وعدالت کا تعلق ہے یہ ایک ایسا امر ہے جس پر علمائے جرح وتعدیل نے اتفاق کیا ہے۔

محدث ابن معین فرماتے ہیں:

''مسروق جیسے شخص کی عدالت کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہیں۔''

ابن سعد کا قول ہے:

''مسروق ثقہ تھے اور انہوں نے ''احادیث صالحہ'' روایت کی ہیں۔''

بقول مشہور آپ نے ۶۳ھ میں وفات پائی۔۲۲۴

۳۔ اسود بن یزید

ابو عبد الرحمٰن اسود بن یزید بن قیس نخعی کبار تابعین اور اصحاب ابن مسعود میں سے تھے۔ آپ نے حضرت ابو بکر و عمر و علی و حذیفہ و بلال و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔ آپ صالح ثقہ اور علوم قرآن کے ماہر تھے۔ ابن سعد امام احمد اور یحییٰ بن معین نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ صحاح ستہ کے مؤلفین آپ سے اخذ کرنے پر متفق ہیں۔

ابراہیم نخعی نے اسود کا شمار ابن مسعودؓ کے ان تلامذہ میں کیا ہے۔ جو فتوٰی دیا کرتے تھے۔ محدث ابن حبان بھی آپ کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ اسود نے ۷۴ھ یا ۷۵ھ میں وفات پائی۔۲۲۵

۴۔ مرہ ہمدانی

ابو اسماعیل مرہ بن شرجیل ہمدانی کوفی بڑے عابد و زاہد تھے۔ آپ نے حضرت ابو بکر و عمر و علی و ابن مسعود و دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعینؓ سے علمی استفادہ کیا۔ امام شعبی اور دیگر اصحاب و تلامذہ نے آپ سے کسب فیض کیا۔ ابن معین اور ابو العجلی نے مرہ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

صحاح ستہ کے جامعین نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں آپ نے ۷۶ھ میں وفات پائی۔۲۲۶

۵۔ عامر شعبی

ابو عامر و عامر بن شراجیل شعبی کوفی جلیل القدر تابعی اور کوفہ کے قاضی تھے۔ آپؒ نے حضرت عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اگرچہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ تاہم ان سے براہ راست استفادہ نہیں کیا۔ اسی طرح آپ نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ 'عائشہ صدیقہؓ' ابن عباسؓ' ابو موسیٰ اشعریؓ اور دیگر صحابہؓ سے بھی روایت کی ہے۔

شعبی خود کہتے ہیں کہ ''میں نے پانچ صد (۵۰۰) صحابہ کا زمانہ پایا ہے۔

''محدث العجلی فرماتے ہیں کہ ''شعبی نے اڑتالیس صحابہ سے احادیث نبوی کا سماع کیا ہے۔''

امام شعبی کے بارے میں علمائے حدیث کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ ہوں :

۱۔ مکحول کہتے ہیں:

''میں شعبی سے بڑھ کر فقیہ آج تک نہیں دیکھا۔''

۲۔ ابن عیینہ کا قول ہے:

''لوگوں کا خیال ہے کہ صحابہ کے بعد اپنے اپنے زمانہ میں تین آدمی یکتائے روزگار تھے۔ (۱) ابن عباسؓ (۲) شعبی (۳) سفیان ثوری

۳۔ مشہور محدث ابن شبرمہ کہتے ہیں میں نے شعبی کو فرماتے سنا کہ :

"جو بات بھی میں نے لکھی یا کسی سے سنی وہ مجھے ازبر ہو گئی۔ جب بھی کسی نے کوئی حدیث مجھے سنائی تو میں نے اس کے اعادہ کی ضرورت محسوس نہ کی۔"

۴۔ ابن معین ابو زرعہ اور بکثرت دیگر محدثین نے کہا کہ "شعبی ثقہ ہیں" اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے روایت کی ہے۔

۵۔ ابو جعفر طبری طبقات الفقہاء میں لکھتے ہیں کہ:

"شعبی بڑے عالم فقیہ اور ادیب تھے۔"

۶۔ ابو اسحاق الحبال کا قول ہے:

"شعبی مختلف علوم میں ماہر تھے۔"

۷۔ سلیمان بن ابی مجلز کہتے ہیں:

"میں نے شعبی سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا حتیٰ کہ ابن المسیب، طاؤس، عطاء، حسن بصری اور ابن سیرین بھی ان کے ہم پلہ نہ تھے۔"۲۲۷؎

جید عالم ہونے کے باوجود امام شعبی قرآن کریم کی تفسیر بالرائے کرنے کی جسارت نہیں کرتے تھے۔ جب کسی آیت کی تفسیر کے سلسلے میں انہیں علمائے سلف کا کوئی قول معلوم نہ ہوتا تو مسائل کا جواب نہ دیتے۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں:

"اکابر علمائے سلف مثلاً سعید بن المسیب اور شعبی تفسیر قرآن کو بڑی وقعت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور علم و فضل کے باوصف، زہد و تقویٰ کی بناء پر تفسیر بالرائے سے کنارہ کش رہتے تھے۔"۲۲۸؎

ابن جریر طبری شعبی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"میں نے ہر آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا ہے مگر اس میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہ کلام الٰہی کی تفسیر کا معاملہ۔"۲۲۹؎

امام شعبی سدی اور ابو صالح کی تفسیر کو پسند نہیں کیا کرتے تھے اور اس پر معترض ہوا کرتے تھے۔ مفسر ابن جریر نقل کرتے ہیں کہ شعبی ابو صالح کے پاس سے گزرتے اس کی گوشمالی کرتے اور کہتے تھے:

"تم قرآن کی تفسیر کرتے ہو حالانکہ تم قرآن پڑھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔"۲۳۰؎

"امام شعبی کی ولادت و وفات کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ مشہور ترین قول یہ ہے کہ آپ ۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۹ھ میں وفات پائی۔۲۳۱؎

۶۔ حسن بصری

اسم گرامی بن ابو حسن یسار بصری اور کنیت ابو سعید ہے۔ والدہ کا نام خیرہ تھا۔ جو حضرت ام سلمہ کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔

ابن سعد لکھتے ہیں:

''حسن بصری خلافت فاروقی کے آخری دو سالوں میں پیدا ہوئے اور وادی القریٰ میں پروان چڑھے۔ آپ بڑے فصیح و بلیغ، عابد و زاہد اور یکتائے روزگار خطیب تھے۔ سامعین ان کے وعظ سے بے حد متاثر ہوتے تھے۔ آپ نے حضرت علی و ابن عمرو انس اور کثیر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنھم اجمعین سے حدیثیں روایت کیں۔''

زہد و تقویٰ اور جادو بیان مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ قرآن و حدیث کے جید فاضل اور احکام حلال و حرام میں اعلیٰ پایہ کی بصیرت رکھتے تھے۔ علمائے سلف کے چند اقوال ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں:

''دینی مسائل حسن بصری سے پوچھا کیجئے انہیں وہ مسائل یاد ہیں اور ہم بھول گئے۔''

۲۔ سلیمان الیمی فرماتے ہیں:

''حسن بصری اہل بصرہ کے استاذ ہیں۔''

۳۔ قتادہ کا قول ہے:

''میں جس فقیہ کی صحبت میں بیٹھا حسن بصری کو اس سے بڑھ کر پایا۔''

۴۔ بکر المزنی فرماتے ہیں:

''جو شخص دور حاضر کے منفرد عالم کو دیکھنا چاہے وہ حسن بصری کو دیکھ لے۔ ہم نے ان سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا۔''

۵۔ جناب ابو جعفر الباقر کے یہاں جب حسن بصری کا ذکر آتا تو فرماتے:

''ان کا کلام انبیاء کے کلام سے ملتا جلتا ہے۔''

۶۔ ابن سعد کہتے ہیں:

''حسن بصری، عظیم عالم، بلند پایہ فقیہ، نہایت ثقہ، بڑے عابد و زاہد، حد درجہ فصیح و بلیغ اور حسین جمیل تھے۔''

اصحاب صحاح ستہ نے حسن بصری سے روایت کی ہے۔ آپ نے بعمر ۸۸ سال ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ ۲۳۲

۷۔ قتادہ

قتادہ بن دعامہ السدوسی کی کنیت ابو الخطاب ہے۔ آپ مادرزاد نابینا تھے۔ آپ عربی الاصل تھے اور بصرہ میں بود و باش رکھتے تھے۔ قتادہ نے حضرت انس و ابو الطفیل و ابن سیرین و عکرمہ و عطاء بن رباح وغیرھم رحمہم اللہ سے حدیثیں روایت کیں۔

آپ قوت حافظہ سے بہرہ ور عربی اشعار کے عظیم عالم، ایام العرب اور علم الانساب کے زبردست ماہر اور عرب زبان و ادب میں بصیرت تامہ رکھتے تھے۔

قتادہ مفسر قرآن ہونے کے اعتبار سے بھی مشہور ہیں۔

عمرو بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قتادہ سعید بن المسیب کے یہاں آئے اور کئی روز ان کے پاس قیام کر کے دینی مسائل و احکام دریافت کرتے رہے۔ جناب سعید نے دریافت کیا:

"آپ نے جو کچھ مجھ سے پوچھا ہے وہ سب یاد ہے؟ قتادہ نے کہا "جی ہاں! میں نے آپ سے فلاں بات پوچھی اور آپ نے اس کا یہ جواب دیا اور فلاں سوال کا آپ نے یہ حل پیش کیا اور حسن بصری نے یوں کہا "سعید بن المسیب نے کہا "میں نہیں سمجھتا کہ خدا نے تمہارے جیسا انسان بھی پیدا کیا ہے۔"

ابن سیرین کہا کرتے تھے کہ "قتادہ جیسا دوسرا کوئی حافظ میں نے نہیں دیکھا۔"

قتادہ کی ثقاہت وعدالت کے لئے یہی کافی ہے کہ صحاح ستہ کے مولفین ان سے اخذ واحتجاج کرتے ہیں۔

امام ابو حاتم کا قول ہے:

"حضرت انس کے اصحاب وتلامذہ میں سے ثقہ ترین شخص زہری ہیں اور پھر قتادہ۔"

قتادہ نے ۱۱۷ھ میں بعمر چھپن (۵۶) سال وفات پائی۔" ۲۳۳

قرأت

جب قرآن مجید کا نزول شروع ہوا تو کفار نے اس سے اعراض کیا اور سننے سے پہلو تہی کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات نازل فرمائے تاکہ ان سے متعجب ہو کر وہ قرآن مجید سنیں اور اس پر متوجہ ہوں۔ جب انہوں نے ان کو سننا شروع کیا اور اس پر توجہ کی تو آیات محکمات کا نزول شروع ہوا۔

الزرکشی "البرہان فی علوم القرآن" میں وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"یہ حروف بطور قسم کے لائے گئے ہیں۔ ان سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام آسمانی کتابیں اور صحف خداوندی انہیں حروف سے مرکب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان حروف کا ذکر کر کے قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت کی قسم کھائی ہے۔

یہ سورتوں کے نام ہیں۔

یہ حروف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلالت کناں ہیں اور علوم ومعارف کا جو گنجینہ آپ کو قرآن مجید کی صورت میں عطا کیا گیا ہے وہ انہیں حروف سے ترکیب پذیر ہے۔

علاوہ ازیں قرأت وتجوید اور مخارج کے اعتبار سے بھی ان حروف کے اسرار ورموز سے بحث کی جاتی ہے۔ نیز علوم قرآن پاک سے بحث کرنے والے محققین نے ان حروف کا ربط مضامین سور سے بھی قائم کیا ہے۔

سبعۃ احرف

قرآن مجید کے سلسلے میں ایک اہم مسئلہ "سبعۃ احرف" کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"انزل القرآن علی سبعة احرف فاقرؤا ما تیسر منه۔"

یعنی کہ قرآن مجید سات "حروف" پر اتارا گیا ہے تمہارے نزدیک طریقہ آسان ہو اس کے مطابق اس کی تلاوت کرو۔

سوال یہ ہے کہ وہ سبعۃ احرف کا کیا مطلب ہے؟ مختلف حضرات نے اس کی جو تعبیر کی ہے وہ یہ ہے:

۱۔ نزول قرآن مجید کے وقت عرب میں سات قبیلے فصاحت وبلاغت میں ممتاز تھے اور وہ تھے:

(۱) قریش (۲) بنو سعد (۳) بنو ھذیل (۴) بنو بکر (۵) بنو ھوازن (۶) بنو ازد (۷) بنو تمیم۔
ان میں کہیں کہیں ادائی الفاظ اور محاورات وغیرہ میں فرق تھا۔ لیکن اس سے معانی متاثر نہیں ہوتے تھے۔
آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید میں ان قبائل کے لب ولہجہ اور انداز قرأت کو مستند سمجھا جائے۔

۲۔ صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں سے سات قاریوں کی بہت شہرت تھی۔ تلاوت قرآن مجید میں ان کو امتیاز حاصل تھا اور ان کا اسلوب قرأت سند کی حیثیت رکھتا تھا اور وہ تھے:

(۱) حضرت عثمانؓ بن عفان (۲) حضرت علیؓ بن ابی طالب (۳) حضرت ابی بن کعبؓ (۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۵) حضرت زیدؓ بن ثابت (۶) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (۷) حضرت ابوالدرداءؓ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے یہی سات صحابہ مراد ہیں۔

۳۔ سبعۃ احرف کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید سات قسم کے مضامین پر مشتمل ہے جو یہ ہیں:

(۱) امر (۲) زجر (۳) ترغیب (۴) ترہیب (۵) جدل (۶) قصص (۷) امثال

۴۔ جنت کے سات دروازے ہیں۔ جو شخص قرآن مجید کی اس نہج سے تلاوت کرتا ہے کہ اسکے نتیجے میں اسکے سات نوع کے الفاظ ومعانی پر عمل پیرا ہو جاتا تو اس کیلئے جنت کے ساتوں دروازے اللہ کی طرف سے وا ہیں۔ وہ معانی یہ ہیں:

(۱) امر (۲) نہی (۳) ترغیب (وعدہ) (۴) ترہیب (وعید) (۵) جدل (۶) قصص (۷) امثال

۵۔ (۱) زجر (۲) امر (۳) حلال (۴) حرام (۵) محکم (۶) متشابہ (۷) امثال

۶۔ قرآن مجید میں جن امور کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے وہ سات ہیں اور سبعۃ احرف سے وہی مراد ہیں۔ وہ یہ ہیں:

(۱) واقعات وقصص (۲) توحید (۳) تعلیمات (۴) اوامر (۵) نواہی (۶) عبادات (۷) معاملات

۷۔ قرآن مجید فصیح عربی میں نازل ہوا ہے۔ اس میں متقارب المخارج حروف کی ادائی کا معاملہ بہت نازک ہے۔ عجمی اور غیر عرب لوگ اس کی ادائی پر پوری قدرت نہیں رکھتے۔ حدیث کا مقصد ان کے لئے زیادہ سے زیادہ آسانی پیدا کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ اگر کہیں اس قسم کا فرق محسوس ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کی تلاوت میں قاری کے لئے زیادہ سے زیادہ تیسر اور آسانی کا خیال رکھا گیا ہے۔

۸۔ اگر قرأت وتلاوت کے موقع پر کہیں کہیں الفاظ قرآن مجید میں اعراب اور تشدید وغیرہ کا اس نوعیت کا فرق پڑ جائے یا کہیں الفاظ میں اس طرح کا امالہ ہو جائے کہ جس سے معنیٰ ومفہوم بالکل ہی بدل نہ جاتے ہوں تو اس کو صحیح سمجھا جائے گا۔ زمانہ خیر القرون میں اس فرق قرأت کو برداشت کیا گیا ہے۔

۹۔ قرآن مجید کو فصیح اور خالص عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ اس کی زبان ایسی جامع اور واضح ہے کہ ہر قبیلے کے لوگ اسے بآسانی پڑھ سکتے اور سمجھ سکتے ہیں۔ سات سے مراد خواہ سات مشہور قبائل عرب ہوں یا اس سے مراد سارا ملک عرب، بہر حال قرآن مجید کی زبان پر ہر قبیلے کے لئے قابل فہم ہے اور ہر عرب قبیلہ اس کی زبان سے مانوس اور واقف وآشنا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس کی زبان سے مانوس نہیں ہے۔ اس کے الفاظ میں کوئی ردوبدل نہیں کیا جاسکتا۔ اول سے آخر تک اللہ کے رسول ﷺ ایک ہی طریق سے ایک ہی قرأت میں پڑھا۔ صحابہ کرامؓ نے اسی طرح سنا اور اسی قرأت کو

آگے پہنچایا۔ ایک آیت کو دو طرح سے یا مختلف اعراب سے پڑھنا ہرگز مقصود نہیں ہے۔ ۲۲۴

نبی کریم ﷺ قرآن مجید کی تلاوت سات منزلوں سے کرتے۔

"جب بنو ثقیف کا وفد مدینے آیا تو رسول اللہ ﷺ روزانہ رائے کے وقت وفد بنی ثقیف سے گفتگو کرنے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک رات آپؐ خلاف معمول دیر سے تشریف لائیں۔ دیر کی وجہ پوچھنے پر آپؐ نے فرمایا:

"انه طرأ علی حزبی من القرآن فکرهت ان اجی حتی اتمه۔ قال اوس : فسألت اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم : کیف تحزبون القرآن ؟ فقالوا : ثلاث ، و خمس ، و سبع ، و تسع ، واحدی عشرة، و تلاوت عشرة و حزب المفصل وحده۔

یعنی میری کچھ منزل قرآن مجید کی تلاوت سے رہ گئی تھی۔ میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اسے پورا کئے بغیر آؤں۔ حضرت اوس کہتے ہیں "میں نے آنحضرتؐ کے صحابہؓ سے پوچھا کہ آپ لوگ قرآن مجید کی منزلیں کس طرح پڑھا کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: ہماری منزلیں تین سورتوں، پانچ سورتوں، سات سورتوں، نو سورتوں، گیارہ سورتوں، تیرہ سورتوں اور مفصل سورتوں پر مشتمل ہیں۔ قرآن مجید کی کل سات منزلیں ہیں اور وہ مندرجہ ذیل سورتوں پر محیط ہیں: ۲۲۵

پہلی منزل:- میں تین سورتیں ہیں۔ البقرۃ، آل عمران اور النساء۔ اس میں سورۃ الفاتحہ کا ذکر استغناءً نہیں کیا گیا۔

دوسری منزل:- سورۃ المائدہ سے شروع ہوتی ہے اور پانچ سورتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ المائدہ، الانعام، الاعراف، الانفال اور التوبہ۔

تیسری منزل:- کا آغاز سورۃ یونس سے ہوتا ہے اور یہ سورۃ النحل پر ختم ہوتی ہے۔ یہ کل سات سورتیں ہیں۔ یونس، ھود، یوسف، الرعد، ابراہیم، الحجر اور النحل۔

چوتھی منزل:- سورۃ بنی اسرائیل سے شروع ہو کر سورۃ الفرقان پر ختم ہوتی ہے۔ یہ کل نو سورتیں ہیں۔ بنی اسرائیل سے شروع ہو کر سورۃ الفرقان پر ختم ہوتی ہے۔ یہ کل نو سورتیں ہیں۔ بنی اسرائیل، الکہف، مریم، طٰہٰ، الانبیاء، الحج، المومنون، النور اور الفرقان۔

پانچویں منزل:- الشعراء سے شروع ہو کر سورۃ یٰسین پر ختم ہوتی ہے۔ یہ منزل گیارہ سورتوں کو محتوی ہے اور وہ یہ ہیں۔ الشعراء، النمل، القصص، العنکبوت، الروم، لقمان، السجدہ، الاحزاب، سباء، فاطر اور یٰسین۔

چھٹی منزل:- سورۃ الصّٰفّٰت سے شروع ہوتی ہے اور سورۃ الحجرات پر ختم ہوتی ہے۔ یہ منزل تیرہ سورتوں پر مشتمل ہے۔ الصّٰفّٰت، صٓ، الزمر، المؤمن، حٰم السجدۃ، الشوریٰ، الزخرف، الدخان، الجاثیہ، الاحقاف، محمد، الفتح، الحجرات۔

ساتویں منزل:- سورۃ قٓ سے شروع ہو کر آخر قرآن تک کی سورتوں کو محیط ہے۔ یہ کل پینسٹھ سورتیں ہیں جو سورۃ مفصل کہلاتی ہیں۔

اس روایت سے قرآن مجید کی سات منزلوں کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ منزلیں "فمی بشوق" کے نام سے معروف ہیں اور

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں بالکل اسی طرح ہیں جس طرح کہ عہد نبوت میں موجود تھیں اور اس دور میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ قرآن مجید کی تلاوت میں ان کو پیش نگاہ رکھتے تھے۔۲۳۶۔

حدیث

ظہور اسلام سے پہلے عرب کتابت سے آشناء تھے

قبل از اسلام عربوں کے بارے میں ہم یہ مبالغہ آرائی نہیں کر سکتے کہ وہ سامانِ کتابت کے فقدان کی وجہ سے اپنے آثار و آداب کی حفاظت کے سلسلہ میں صرف اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے تھے اور فن کتابت سے بالکل بیگانہ تھے۔ اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ شمالی عرب کے لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ مکہ مکرمہ آنحضور ﷺ کی بعثت سے پہلے ایک مشہور تجارتی مرکز تھا اور اس میں لکھنے پڑھنے والے لوگ مدینہ کی نسبت زیادہ تھے۔ نظر بریں بعض روایات میں وارد شدہ یہ قول بعید از قیاس ہے کہ مکہ میں اس وقت لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد دس سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ ۲۳۷۔

جزیرہ نمائے عرب اس وقت لکھنے پڑھنے والوں سے بھرپور تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم بمابر جہالت ان مستشرقین کی اندھی تقلید میں یہ راگ الاپنے لگیں جو کہتے ہیں قرآن میں عربوں کو جو "اُمّی" کہا گیا ہے۔ اُمّی سے مراد اہل مکہ ہیں۔ کیونکہ مکے کو ام القریٰ کہتے تھے۔ ویسے بھی آنحضرت ﷺ سے قبل کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ اس لئے وہ اپنی کوئی کتاب نہیں رکھتے تھے۔ البتہ وہ بھی تورات و انجیل سے واقف تھے۔

قرآن میں اُمّی کا لفظ جہاں کہیں بھی وارد ہوا ہے اس سے ان پڑھ مراد ہے۔ خواہ وہ لفظ آنحضور ﷺ کی شان میں وارد ہوا یا عربوں کے بارے میں۔ مفسرین قرآن نے اس لفظ سے یہی مفہوم مراد لیا اور جمہور علماء آج تک اس سے یہ مطلب سمجھتے آئے ہیں۔۲۳۸۔

عہد رسالت میں قلتِ کتابت کے اسباب

ظہور اسلام سے قبل عرب لکھنے پڑھنے سے کس حد تک بھی آگاہ ہوں اس میں شبہ نہیں کہ لکھنے والوں کی تعداد مدینہ کی نسبت مکہ میں زیادہ تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ غزوہ بدر میں مکہ کے جو قیدی گرفتار ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لکھنا پڑھنا جانتا ہو وہ مدینہ کے دس بچوں کو کتابت و قرأت سکھادے اس کے عوض اس کو رہا کر دیا جائے گا۔۲۳۹۔

"ہمارے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ کاتبین وحی کی تعداد بارگاہ رسالت میں چالیس (۴۰) تک پہنچ گئی تھی۔"۲۴۰۔

جن میں اکثر مکہ کے باشندے تھے۔ انہی لوگوں نے قرآن کریم کا وہ حصہ تحریر کیا جو ہجرت سے قبل نازل ہوا تھا۔

جب تک اسلام کو قوت و شوکت نصیب نہ ہوئی۔ مسلمانوں کے قدم مدینہ میں جم نہ سکے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبویؐ کے سامنے صفہ کی بنیاد رکھی اور عبد اللہ بن سعید بن عاص لوگوں کو کتابت سکھانے لگے۔ تو مدینہ میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھ گئی۔۲۴۱۔

ظن غالب یہ ہے کہ عہد رسالت میں مدینہ کی نو مساجد کو اشاعت علم کے سلسلہ میں مدرسہ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔۲۴۲۔

ہمارے یقین میں اس بات سے اور بھی اضافہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو ایسے محلہ کی مسجد میں پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ۲۴۳ ؎

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال حکم دیا تھا کہ مردم شماری کی جائے اور مدینہ کے مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو شمار کیا جائے۔

مردم شماری کا ریکارڈ رکھا گیا تھا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"لوگوں میں سے اپنی زبان سے جو شخص اسلام کا اقرار کرتا ہے اس کا نام لکھ لو تعمیل ارشاد میں ہم نے پندرہ سو آدمیوں کے نام لکھے۔" ۲۴۴ ؎

صبحی صالح، ڈاکٹر "مباحث فی علوم القرآن" میں اس کی وضاحت میں رقمطراز ہیں:

"عہد رسالت میں تدوین حدیث کی قلت کا سبب وسائل کتابت کا فقدان تھا۔ اس لئے کہ یہ وسائل اس حد تک نادر الوجود نہ تھے۔ ندرت اسباب ایک طرح کی اضافی قلت تھی جو قلت تدوین کے من جملہ اسباب میں سے ایک سبب تو قرار پا سکتی ہے مگر اس عدم تدوین کا سبب وحید نہیں کیا جا سکتا۔ آخر صحابہ کو کتابت قرآن کے سلسلہ میں بھی تو لا تعداد مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر حوادث و آلام کا یہ ہجوم ان کو اس بات سے روک نہ سکا کہ وہ قرآن کو درخت کے پتوں، شاخوں، شانہ کی ہڈیوں، پالانوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر رقم کریں۔" ۲۴۵ ؎

عہد رسالت میں تحریر شدہ صحیفے

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ بعض صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حدیثیں لکھی تھیں۔ بعض نے عام نہی کے باوجود آنحضرت ﷺ کی خصوصی اجازت سے احادیث رقم کیں۔ البتہ یہ درست ہے کہ کتابت حدیث کا زیادہ کام آنحضور ﷺ کی زندگی کے آخری سالوں میں اس وقت ہوا جب آپؐ نے اس کی کھلی اجازت مرحمت فرمائی۔ ۲۴۶ ؎

ترمذی سعد بن عبادہ انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحیفہ میں احادیث نبویہؐ جمع کی ہوئی تھیں۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرزند اس صحیفہ سے حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔" ۲۴۷ ؎

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ یہ صحیفہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی کتاب سے منقول تھا۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ اپنے ہاتھ سے حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ لوگ ان کی جمع کردہ احادیث ان سے پڑھا کرتے تھے۔

حضرت سمرہ بن جندب (متوفی ۶۰ ھ) نے بھی ایک صحیفہ میں حدیثیں جمع کی تھیں۔ ان کے بعد یہ صحیفہ ان کے بیٹے سلمان کو ملا اور اس سے وہ روایتیں بیان کرتے تھے۔" ۲۴۸ ؎

غالباً یہ وہی صحیفہ ہے جو سمرہ نے بصورت مکتوب اپنے بیٹوں کو روانہ کیا۔ اسی کے بارے میں ابن سیرین فرماتے ہیں:

"سمرہ نے جو مکتوب اپنے بیٹوں کے نام روانہ کیا اس میں بہت سا علم موجود ہے۔" ۲۴۹ ؎

حضرت جابر بن عبداللہ (متوفی ۷۸ ھ) نے بھی ایک صحیفہ رقم کیا تھا۔

جو صحیفے عصر نبوت میں لکھے گئے "صحیفہ صادقہ" ان میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (متوفی ۶۵ ھ) نے مرتب کیا تھا۔

بقول ابن الاثیر اس میں ایک ہزار احادیث تھیں۔ ۲۵۰

اگر چہ یہ صحیفہ اصالتہً ہم تک نہیں پہنچا مگر مسند احمد میں یہ جوں کا توں محفوظ کر لیا گیا ہے۔" ۲۵۱

اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ہمارے پاس یہ معتبر تاریخی دستاویز ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں حدیثیں رقم کی جاتی تھیں۔ اس صحیفہ میں وہ فتاویٰ موجود ہیں جو حضرت عبداللہ کے سوالات کے جواب میں آنحضور ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو اس صحیفہ پر ہمارا اعتماد و اطمینان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ ۲۵۲

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر دریافت کیا : "کیا میں جو کچھ آپؐ سے سنوں وہ لکھ لیا کروں ؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" اس لئے کہ میں ہر حال میں حق بات کہتا ہوں۔ ۲۵۳

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واضح ارشاد کے بعد حضرت عبداللہ نے حدیثیں لکھنا شروع کی ہوں گی۔ صحیفہ صادقہ اور دیگر صحف لکھنے کی سب سے بڑی دلیل حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کا یہ قول ہے:

"صحابہ میں مجھ سے زیادہ کثیر الروایات اور کوئی نہ تھا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا معاملہ جداگانہ نوعیت کا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔" ۲۵۴

عصر صحابہ میں ایک نہایت ہی اہم صحیفہ لوگوں میں شائع ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ہجرت کے پہلے سال اس کے لکھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ صحیفہ آنحضور ﷺ کی اس تحریر پر مشتمل تھا جس میں مہاجرین و انصار یہودیوں اور عربوں کے حقوق و فرائض مرقوم تھے۔ اس کے شروع میں کتابت کا لفظ صراحتہً موجود ہے۔ تحریر کا مضمون اس طرح شروع ہوتا ہے۔ ۲۵۵

"یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے جو قریش کے مومنوں مسلمانوں اہل مدینہ اور ان کے تابعین و لواحقین اور مجاہدین کے درمیان لکھی گئی ہے۔ یہ باقی لوگوں سے الگ ایک امت ہیں۔" ۲۵۶

مذکورہ صحیفہ میں اہل ھذا الصحیفۃ" کے الفاظ پانچ مرتبہ دہرائے گئے ہیں۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ ایک تحریر تھی۔ یہ صحیفہ صحابہؓ میں اس قدر شہرت پذیر ہو چکا تھا کہ اس کے تواتر اور اس میں بیان کردہ احکام و کلیات کی کثرت کی بناء پر اس کو قرآن کریم کا ہم پلہ خیال کیا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کے پاس کوئی مخصوص کتاب موجود ہے ؟ انہوں نے فرمایا نہیں البتہ ہمارے پاس صرف قرآن کریم ہے یا فہم و بصیرت جو اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو عطا کر دے اور یا یہ صحیفہ ہے۔" جب آپ سے پوچھا گیا کہ اس صحیفہ میں کیا لکھا ہے ؟ فرمایا اس میں دیت ادا کرنے 'قیدیوں کو رہا کرنے کے احکام مذکور ہیں اور یہ بھی تحریر ہے کہ مسلم کو کافر کے عوض قتل نہیں کیا جا سکتا۔" ۲۵۷

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (متوفی ۶۹ھ) نے بے اہتمام سے آنحضور ﷺ کی حدیث و سیرت سے متعلق بہت سا مواد تختیوں پر تحریر کیا تھا۔ جب آپ کسی علمی مجلس میں جاتے تو یہ تختیاں بھی ہمراہ لے جاتے۔"

نقل متواتر سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وفات کے وقت آپ نے اونٹ کے ایک بار کے بقدر کتابیں چھوڑی تھیں۔" ۲۵۸

"حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد سعد بن جبیر (متوفی ۹۵ھ) ان سے حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ املاء

کراتے جاتے اور وہ لکھتے جاتے تھے۔ جب کاغذ ختم ہو جاتا تو اپنے کپڑوں، جوتوں اور بعض اوقات اپنی ہتھیلی پر لکھ لیتے۔ جب گھر پہنچتے تو اپنے صحیفہ میں درج کر لیتے۔" ۲۵۹

اس میں شبہ نہیں کہ صحف ابن عباسؓ عرصہ دراز تک لوگوں میں مشہور رہے ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے علی کے ورثہ میں آئے۔" ۲۶۰

لوگوں نے ان صحیفوں سے اس حد تک استفادہ کیا کہ کتب حدیث و تفسیر حضرت ابن عباسؓ کی مرویات سے بھر گئیں۔ مگر بایں ہمہ ہم یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ صحیفے کب اور کیونکر تلف ہوئے۔ ۲۶۱

صحیفہ ابی ہریرہ برائے ہمام بن منبہ

اسی طرح وہ بہت سے صحیفے بھی تلف ہو گئے جنہیں ابو ہریرہؓ (متوفی ۵۸ ھ) جیسے جلیل القدر صحابہ نے مرتب کیا تھا۔ البتہ ایک صحیفہ بچ گیا جو ابو ہریرہ سے ان کے عزیز شاگرد ہمام بن منبہ (متوفی ۱۰۱ھ) نے روایت کیا۔ پھر اس کو ہمام کی جانب منسوب کر دیا اور اسے صحیفہ ہمام کہنے لگے۔ حالانکہ یہ صحیفہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ہمام کے لئے ترتیب دیا تھا۔ ہم اس صحیفہ کو احادیث کے ان مجموعوں میں شمار نہیں کر سکتے جو عہد رسالت میں لکھے گئے تھے۔ اس لئے کہ ہمام ۴۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۸ ھ میں ہوئی۔ نظر بریں یہ صحیفہ انہوں نے پہلی صدی ہجری کے وسط میں مرتب کیا ہو گا۔ اندریں اثناء ہمام ابو ہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیثیں سنا کرتے ہوں گے۔ اس سے یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ تدوین حدیث کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اوائل میں شروع ہوا۔

یہ صحیفہ تدوین حدیث کے سلسلہ میں اس لئے اہمیت کا حامل ہے۔ یہ بتمام و کمال اسی طرح ہم تک پہنچ گیا ہے جس طرح ہمام نے اسے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا اور پھر اس کو مرتب و مدون کیا تھا۔ نظر بریں یہ صحیفہ اس قابل ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ صادقہ کی طرح اسے "صحیفہ صحیحہ" کے نام سے یاد کیا جائے۔ ۲۶۲

اس صحیفہ کا کھوج محقق شہر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے نکالا ان کو دو مخطوطے دستیاب ہوئے۔ جن میں سر مو بھی فرق نہ تھا۔ ایک مخطوطہ برلن میں اور دوسرا دمشق میں ملا۔ ۲۶۳

اس صحیفہ پر ہمارے یقین و اعتماد میں مزید اضافہ ہوا جب ہم نے دیکھا کہ یہ صحیفہ مسند احمد میں علی حالہا محفوظ ہے۔ ۲۶۴

نیز اس کی بیشتر احادیث صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں موجود ہیں۔ ۲۶۵

اس صحیفہ میں کل ۱۳۸ حدیثیں ہیں۔ ۲۶۶

ہمارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ہمام کتابوں کے دلدادہ تھے۔ انہیں کتابیں جمع کرنے اور لکھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ اپنے بھائی وہب کیلئے بھی کتابیں خریدا کرتے تھے۔ ۲۶۷

وہ لوگوں کو اپنی کتابوں اور رجسٹروں سے حدیثیں لکھوایا کرتے تھے۔ ۲۶۸

خلفاء راشدین کا عصر و عہد

جب خلفاء راشدین کا عصر و عہد آیا تو معاملہ جوں کا توں رہا۔ خلفاء راشدین بھی اسی طرح کتابت حدیث سے

احتراز کناں اور متشدد فی الروایت تھے۔ جس طرح عہد رسالت کے صحابہ کرامؓ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ کچھ حدیثیں جمع کیں اور پھر ان کو نذر آتش کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم تدوین حدیث کا عزم باندھ کر اس کی تکمیل سے باز رہے۔

حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمر نے حدیثیں قلمبند کرنے کا ارادہ کیا اور اس ضمن میں اصحاب رسولؐ سے مشورہ کیا۔ عام صحابہ نے لکھنے کا مشورہ دیا مگر آپ مطمئن نہ ہوئے۔" ۲۶۹ے

"جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں حدیثیں لکھنے کا ارادہ باندھ رہا تھا۔ اندریں اثناء مجھے یاد آیا کہ مسلمانوں سے پہلے اہل کتاب نے کتاب خداوندی کے ساتھ اور کتابیں لکھیں۔ پھر کتاب الٰہی کو چھوڑ کر انہی کے ہو رہے۔ خدا میں کتاب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو خلط ملط نہیں کروں گا۔ چنانچہ کتابت احادیث کا ارادہ ترک کر دیا۔" ۲۷۰ے

خلفاء راشدین نے صرف کتاب حدیث ہی کے بارے میں تشدد سے کام نہ لیا۔ بلکہ ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ روایت حدیث میں بھی سہل انگاری کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اس ضمن میں یہ واقعہ قابل غور ہے کہ حضرت صدیقؓ نے میت کی دادی کو میراث کا ۴ / ۱ اس وقت دیا جب حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن سلمہ نے شہادت دی کہ آنحضرت ﷺ نے بھی دادی کو ۶ / ۱ ہی دیا تھا۔ ۲۷۱ے

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جب اذن طلب کرنے کے بارے میں حضرت فاروقؓ کو حدیث نبوی سنائی تو آپ نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ "اگر اس کی شہادت پیش نہ کر سکے تو میں تمہیں سزا دوں گا۔" ۲۷۲ے

حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ دونوں حدیثیں لکھتے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ اسی طرح ان کے عصر و عہد میں کبار صحابہ واشگاف الفاظ میں لوگوں کو کتابت حدیث کا حکم دیتے تھے تو اس تشدد کی وجہ صاف سمجھ میں آجاتی ہے کہ صحابہ کتابت حدیث کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ اہل کتاب نے خود کتابیں مرتب کر کے ان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ اس لئے صحابہ ڈرتے تھے کہ لوگ احادیث میں منہمک ہو کر قرآن سے روگردانی اختیار نہ کر لیں۔" ۲۷۳ے

خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

"قرن اول کے لوگ کتابت کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ وہ تحریر کتاب الٰہی سے گڈمڈ نہ ہو جائیں یا لوگ قرآن سے لاپرواہی نہ برتنے لگیں۔" ۲۷۴ے

تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ

تابعین نے کبار کے زمانہ میں پہلی صدی کے اواخر تک اکثر لوگ کتابت کے حق میں نہ تھے۔ مثلاً یہ اکابر کتابت کو ناجائز ٹھہراتے تھے۔

عبیدہ بن عمرو سلمانی المرادی (۷۲ ھ) ابراہیم بن یزید التیمی (۹۲) جابر بن زید (۹۳) ابراہیم بن یزید نخعی (۹۶) ھ مذکورہ بالا اصحاب کے نزدیک کتابت کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ خلفاء راشدین کا زمانہ قریب تھا وہ جانتے تھے کہ خلفاء راشدین کتابت حدیث کو ناپسند کرتے تھے۔ اس قسم کی خبریں عام طور پر پھیلی ہوتی تھیں۔

مزید بر آں لوگ اکابر خلفاء کے ورع و تقویٰ سے بے حد متاثر تھے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ تابعین ان کی پیروی کرتے اور ان کی رائے سے اظہار اتفاق کرتے۔

مذکورہ صدر اکابر میں سے بعض لوگ تو اس بات کو گناہ شمار کرتے تھے کہ ان کی تحریر کردہ کوئی چیز باقی رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ اس پر اظہاری حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ بنابریں عبیدہ نے ابراہیم کو مخاطب کر کے کہا تھا:

''میری کسی کتاب کو باقی نہ رہنے دیجئے۔'' ۲۷۵ے

چنانچہ ابراہیم نے اس وصیت پر عمل کیا اور آئندہ ان کی بیان کردہ کسی روایت کو تحریر نہ کیا۔ حالانکہ قبل ازیں وہ تحریر کے عادی تھے۔ ۲۷۶ے

کراہت کتابت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ تحریر کے ساتھ ساتھ صاحب تحریر کے ذاتی افکار و نظریات بھی لوگوں میں مشہور ہونے لگے۔ اس میں انہیں یہ خوف دامن گیر رہتا تھا کہ جب لوگ ان کی روایات قلبند کریں تو ان کے ساتھ ساتھ ان کے ذاتی افکار و آراء بھی لکھ ڈالیں۔

ہمارے پاس ایسے واقعات موجود ہیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ کبار تابعین کے زمانہ میں اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جابر بن زید متوفی ۹۳ھ سے کہا گیا کہ لوگ آپ کے ذاتی نظریات بھی لکھتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے بگڑ کر کہا:

''وہ میرے اس قسم کے افکار لکھتے جا رہے ہیں جن سے اگر میں کل ہی رجوع کر لوں تو کچھ عجب نہیں۔'' ۲۷۷ے

انکار کتابت کے رجحانات کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ تدوین و کتابت کے جواز کے بھی قائل تھے۔ خصوصاً افکار و آراء کا امتزاج نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شخصی آراء ہی کی وجہ سے کتابت حدیث ان کے نزدیک ایک ناپسندیدہ فعل قرار پایا تھا۔ گویا وہ نظری طور پر حدیثیں لکھنے کے حق میں تھے۔ البتہ عملاً اس میں تشدد برتتے تھے۔''

نظر بریں جب ہم دیکھتے ہیں کہ سعید بن جبیر (م ۹۵ھ) سے کتابت احادیث کے ضمن میں دو ظاہر التعارض روایات منقول ہیں تو ہمیں اس سے کچھ بھی حیرت نہیں ہوتی۔ وہ ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کتابت سے روکتے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم سے پہلے لوگ اپنی کتابوں کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ ۲۷۸ے

اور اس کے عین برعکس ابن عباسؓ سے ان کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ ''علم کو محفوظ رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے لکھ لیا جائے۔'' ۲۷۹ے

حضرت سعید بن جبیبہ صرف کتابت پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ مبالغہ کی حد تک اس کے حریص اور مشتاق تھے۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

''جب لوگوں نے خود کتابت احادیث اور شخصی افکار و آراء کے لکھنے میں فرق و امتیاز روا رکھنا شروع کیا تو بہت سے اوساطِ تابعین نے دوسری صدی ہجری کے آغاز میں اپنے تلامذہ کو حدیث نویسی کی اجازت دے دی۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن حرملہ نے جب سعید بن المسیب (متوفی ۱۰۵ھ) سے خرابی حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے اسے لکھنے کی اجازت دے دی۔'' ۲۸۰ے

امام شعبی (۱۰۴ھ) کا یہ حال تھا کہ صحابہ اور تابعین کی زبانی نقل شدہ حدیث مرفوع ''الکتاب قید العلم ۲۸۱ے

لکھنے سے علم محفوظ ہو جاتا ہے۔ ان کی ورد زبان رہتی۔ وہ تحریر کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔

"جب مجھ سے کوئی بات سنو تو اسے لکھ لیا کرو اگرچہ دیوار ہی پر لکھو۔" ۲۸۲ے

انہوں نے خود بھی تصنیف و تالیف کا اہتمام کیا تھا۔ جب فوت ہوئے تو ترکہ میں ایک کتاب ملی جو انہوں نے فرائض و جراحات کے مسائل سے متعلق مرتب کی تھی۔ ۲۸۳ے

"مجاہد بن جبیر مکی (۱۰۳ھ) لوگوں کو اپنے کمرہ میں لے جا کر کتابیں دکھاتے اور لوگ ان سے حدیثیں نقل کیا کرتے تھے۔" ۲۸۴ے

عطاء بن ابی رباح (متوفی ۱۱۴ھ) خود بھی لکھتے تھے اور دوسروں کی بھی لکھنے کی اجازت دیتے تھے۔ ۲۸۵ے

قتادہ بن دعامہ سدوسی (متوفی ۱۱۸ھ) سے جو شخص بھی کتابت کے بارے میں پوچھتا تو اسے واضح الفاظ میں فرماتے:

"جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ لکھتے ہیں تو مجھے لکھنے سے کون منع کرتا ہے۔"

قرآن کریم میں فرمایا:

"قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى۔" ۲۸۶ے

خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (متوفی ۱۰۱ھ) نے جب باقاعدہ طور پر تدوین حدیث کا آغاز کیا تو انہوں نے اس ضمن میں علماء سے مشورہ کیا ہوگا یا کم از کم اکثر علماء کی رائے معلوم کر کے اطمینان کر لیا ہوگا۔ اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اس رائے میں منفرد تھے۔ ان کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے عام لوگ اور معاصرین ان کا اس قدر ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے کہ ان کے کسی فعل پر معترض نہیں ہوتے تھے۔

اس ضمن میں جس قدر اخبار و روایات نقل کی گئی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ڈرتے تھے کہ مبادا علم اور اہل علم دنیا سے اٹھ جائیں۔ اس لئے انہوں نے تدوین حدیث کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے عامل مدینہ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے نام ایک خط میں لکھا:

"آپ کو نبی کریم ﷺ کی جو حدیث و سنت یا عمرہ کی کوئی روایت ملے اسے لکھ لو کیونکہ مجھے علم اور اہل علم کے مٹ جانے کا خطرہ دامن گیر رہتا ہے۔" ۲۸۷ے

"خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے دیگر بلاد و امصار کے حکام کی جانب بھی اسی قسم کے احکام بھیجے۔" ۲۸۸ے

اولین شخص جس نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ کے عزائم کو عملی جامہ پہنایا وہ سرزمین حجاز و شام کے مایہ ناز عالم محمد بن مسلم بن شہاب زہری مدنی (متوفی ۱۲۴ھ) تھے۔ انہوں نے حدیث کی ایک کتاب بھی مرتب کی تھی۔ ۲۸۹ے

خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کتاب کی نقلیں کروا کر اطراف ملک میں بھجوا دیں۔ ۲۹۰ے

امام زہری اس کتاب کی تالیف پر فخر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

"اس علم کو میری طرح مجھ سے پہلے کسی نے بھی مدون نہیں کیا۔" ۲۹۱ے

امام زہری کا قول ہے:

"ہم علمی باتیں لکھنے کو ناپسند کرتے تھے یہاں تک کہ امراء نے جبراً ہم سے یہ کام کروایا اور ہم نے مناسب جانا کہ اس سے کسی کو محروم نہ رکھیں۔" ۲۹۲

امام زہری نے کسی مسلمان کو کوئی چیز لکھنے سے منع نہ کیا اور نہ خود اس سے باز رہے۔ خلاف ازیں وہ کتابت حدیث کے اس قدر حریص تھے کہ اپنے جوتوں پر لکھنے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ مبادا وہ ضائع ہو جائے۔ ۲۹۳

البتہ یہ درست ہے کہ کتابت علم کی تحریص و تشویق میں امراء و حکام کے جبر و اکراہ کے علاوہ ایک اور عامل بھی شریک تھا اور وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ کی احادیث کو خود ساختہ اور موضوع روایات سے ممیز و ممتاز کیا جائے۔ اسی احساس نے امام زہری کی زندگی تلخ کر دی تھی اور وہ اپنے غیظ و غضب پر قابو پا کر کہا کرتے تھے۔

"اگر جانب مشرق سے ہمارے یہاں ایسی غیر معروف حدیثیں نہ پہنچتیں جن کو سرے سے ہم جانتے ہی ہیں تو میں ایک حدیث بھی نہ لکھتا اور نہ لکھنے کی اجازت دیتا۔" ۲۹۴

امام زہری کے اکثر معاصرین اس ضمن میں ان کے ہمنوا تھے۔ حدیث رسولؐ کے مٹ جانے کا خوف اور اس کے ساتھ ساتھ احادیث موضوعہ کی اشاعت کا خدشہ۔ یہ دو قوی ترین محرکات تھے جن کے پیش نظر علماء بعض اوقات کتابت حدیث کا فیصلہ کرتے اور کبھی اس سے روکنے لگتے۔

اگر ایک جانب ہم سعید بن میتب اور امام شعبی کا نام کتابت حدیث کی رخصت دینے والوں میں پاتے ہیں تو ہم ایسے روایات بھی دیکھتے ہیں کہ جن میں انہوں نے کتابت سے منع کیا ہے۔ ۲۹۵

مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی حال ہے۔ اس کی حد یہ ہے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ (متوفی ۱۰۷ھ) جس کو عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عائشہؓ کی روایات جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کا قول بھی کراہت تدوین کے بارے میں مشہور ہے۔" ۲۹۶

اسی طرح علماء نے ایسے لوگوں سے بھی حدیثیں تحریر کیں جو جمع و تدوین کے مخالف تھے۔

تدوین حدیث کے خطرناک نتائج کا اظہار ضحاک بن مزاحم الہلالی (متوفی ۱۰۵ھ) نے عُلانیہ ان الفاظ میں کیا تھا:

حدیثوں کے دفتر نہ بنالیں جیسے قرآن کے دفتر بنا رکھے ہیں۔" ۲۹۷

"لیکن مقام حیرت ہے کہ اس نے خود بھی لوگوں کو احکام حج لکھوائے۔" ۲۹۸

دوسری طرف وضع احادیث کا یہ عالم تھا کہ متوسط دور کے تابعین اس کے خوف سے ہراساں رہتے تھے۔ جب متاخرین تابعین کا دور آیا تو موضوع احادیث کے بہت سے نمونے نظر آنے لگے۔ حدیثیں وضع کرنے والے گروہی تعصب کے پیش نظر اپنے مخصوص فرقہ کی تائید میں حدیثیں گھڑتے تھے۔ نظر بریں اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ تدوین حدیث کے دائرہ کو وسعت دے کر احادیث کو محفوظ کر لیا جائے اور ان کو بازیچہ طفلاں بننے سے بچایا جائے۔ تابعین کے عصر و عہد میں تدوین حدیث کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ صحابہ و تابعین کے فتاویٰ کی آمیزش اس میں عام تھی۔ امام مالکؒ (۱۷۶ھ) اس کی زندہ دلیل ہے۔

اتباع تابعین کے زمانہ یعنی دوسری صدی ہجری کے اختتام پر علمائے حدیث نے ایسی مسانید تالیف کرنے کا بیڑا

اٹھایا جن میں فتاویٰ صحابہ و تابعین کی آمیزش نہ تھی اور صرف احادیث نبویہؐ پر مشتمل تھیں۔

فقہ

فقہ کے معانی و مفہوم

عِلْمٌ" بِالشَّیْءِ وَ فَهْمٌ لَه'۔ ۲۹۹ـ

يُقَالُ : فَقُهَ الرَّجُلَ يَفْقُهُ فِقهًا فَهُوَ فَقِيه' وَ فَقِهَ يَفْقَه' فِقهًا اِذَا فَهِمَ ۔ وَأَفْقَهْتُه' بَيَّنَتُ لَهُ وَالتَّفَقُّهُ : تَعَلُّمُ الْفِقهِ۔ ۳۰۰ـ

اصطلاحی مفہوم

عِلْمُ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَةَ اَلْعَمَلِيَّةِمِنْ اَدِلَّتِهَا اَلتَّفصِيلِيَّةِ۔ ۳۰۱ـ

اَلْفِقهُ کسی شے کا جاننا اور سمجھنا' احکام شرعیہ کا علم۔

اَلْفَقِهِ اَلْفَقُهُ وَالْفَقِيه بہت سمجھدار' ذکی عالم' علم فقہ کا جاننے والا۔ ۳۰۲ـ

علامہ راغب الاصفہانی فرماتے ہیں کہ :

مشاہدات کے ذریعے مغیبات کا علم حاصل کرنا فقہ ہے اور اس اعتبار سے فقہ کا لفظ علم کی بہ نسبت خاص ہے۔ بالفاظ دیگر فقہ احکام شریعت کے جاننے کا نام ہے۔ ۳۰۳ـ

قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے :

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَة" لِيَتَفَقَّهُوْا فِيْ الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ ۳۰۴ـ

ترجمہ :- پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ مومنوں کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت دین کے فہم و بصیرت کے لئے روانہ ہو جائے اور وہ واپس آکر لوگوں کو ڈرائیں تاکہ وہ گناہوں سے بچیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهه' فِيْ الدِّيْن ۔ ۳۰۵ـ

ترجمہ :- اللہ سبحانہ جس شخص کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کا فہم عطا کر دیتے ہیں۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

اِنَ النَّاسَ لَكُمْ تَبعٌ" وَ اِنَّ رِجَالًا يَاتُوْنَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِيْ الدِّيْنِ فَاِذَا اَتُوْكُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَيْرًا۔ ۳۰۶ـ

ترجمہ :- لوگ تمہارے تبع ہیں کچھ لوگ تمہارے پاس دین کی بصیرت حاصل کرنے آئیں تو انہیں اچھی طرح فہمائش و نصیحت کرو۔ ۴ـ

نیز آپؐ نے فرمایا:

نَضَرَ اللّٰهُ اِمْرَءً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا فَحَفِظَه، حَتّٰی یُبَلِّغَه، غَیْرَه، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَه، مِنْه، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَیْسَ بِفَقِیْهٍ۔ ۷۰۷

ترجمہ:- اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور اسے یاد کیا اور اسے دوسروں تک پہنچایا کیونکہ بہت سے فقہ کے حامل حدیث اپنے سے زیادہ فقہ کو پہنچا دیتے ہیں اور بعض فقیہ کے حامل خود فقیہ نہیں ہوتے۔

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ ایسی دینی بصیرت اور قلبی دانائی کا عنوان ہے جس کی روشنی میں مفید اور مبنی برخیر امور کا شعور اور مضرت رساں امور کا ادراک حاصل ہو جائے۔

مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَا وَمَا عَلَیْهَا۔

ترجمہ:- نفس کے حقوق و فرائض کا ادراک و عرفان۔ ۷۰۸

امام غزالی فرماتے ہیں کہ:

''عہد صحابہ میں ''فقہ'' کا لفظ اس محدود مفہوم میں مستعمل نہیں تھا جس محدود معنی میں اس کا بعد میں استعمال شروع ہوا ہے کہ محض طلاق کی جزئیات اور بیع سلم وغیرہ کی تفصیلات کے جاننے کا نام علم فقہ ہو گیا ہے بلکہ عصر اول میں ''فقہ'' کا لفظ راہ آخرت کے علم، آفات کی پہچان، علم کے فساد کا سبب بننے والے امور کا شعور، خشیت الٰہی اور آخرت کی جانب کامل رجحان پر مشتمل تھا اور انہی امور کا شعور و ادراک ''تفقہ فی الدین'' متصور ہوتا تھا۔ قرآن کریم سے بھی اسی حقیقت کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ''تفقہ'' ایسی قلبی بصیرت کا عنوان ہے جو خود اپنے لئے دوسروں کے لئے تحذیر و تنبیہ کا ذریعہ بن جائے کہ خشیت الٰہی سے عاری اور زہد و تقویٰ سے تہی دامن ہو کر فقہی جزئیات میں مصروف رہنا قساوت قلبی کا سبب بن جاتا ہے۔'' ۷۰۹

امام غزالی عصر نبوت اور عہد صحابہ میں فقہ کے مفہوم کی توضیح کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علم اور فقہ ہم معنی کلمات ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں آیا ہے **لهم قلوب لا یفقهون بها**۔'' اسی طرح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو نجران کا وفد آیا تو آپ نے ان کے بارے میں فرمایا ''علماء فقہاء'' سعد بن ابراہیم زہری سے دریافت کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ فقیہ کون ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والا زیادہ فقیہ ہے۔ ۷۱۰

ایک عرصہ تک فقہ کا یہی مفہوم رہا لیکن اسلامی علوم میں توسیع کے ساتھ ساتھ ''فقہ'' ان مسائل و معاملات تک محدود ہو گیا جو انسان کو زندگی میں عملاً پیش آتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں عقائد علم الکلام اور علم العقائد کے عنوان سے الٰہیات کا ایک جدا شعبہ قرار پائے۔ وجدانی امور تصوف اور علم الاخلاق کا حصہ بن گئے اور فقہ کا یہ اصطلاحی مفہوم مقرر ہوا۔

العلم بالاحکام الشریعة العلمیة من ادلتها التفصیلة۔ ۷۱۱

شریعت کے تفصیلی دلائل کے ذریعے عملی احکام کا علم حاصل کرنا۔

اس تعریف کے تحت فقہ کے دو حصے ہو گئے پہلا حصہ ہے شریعت کے عملی احکام کا جاننا یعنی اعتقادی اصول اور اخلاقی امور فقہ کے دائرے سے خارج ہیں جب کہ یہ تمام پہلو شریعت کے دائرے میں آتے ہیں۔ فقہ کا دوسرا حصہ ہر مسئلہ

اور ہر معاملہ کے تفصیلی دلائل کا جاننا مثلاً اگر یہ بیان کیا جائے کہ اسلام نے ربا (سود) کو حرام قرار دیا ہے تو اس کے حکم کے ساتھ قرآن وسنت میں مذکور ربا کے دلائل بھی ذکر کئے جائیں اور جب یہ کہا جائے کہ راس المال پر ہر زیادتی اور اضافہ ربا ہے تو اس کے ساتھ یہ دلیل بھی بیان کی جائے کہ قرآن کریم میں ہے:

وَ اِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ۔ [۳۱۲]

ترجمہ:- اور اگر توبہ کرلو تو تمہارے لئے اصل مال ہے نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

اسی طرح فقیہ کا یہ ذکر کرنا کہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا حرام ہے۔ اس دلیل کے بیان وتوضیح کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَیۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ۔ [۳۱۳]

ترجمہ:- اے لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔

گویا علم فقہ کا موضوع انسانی اعمال وافعال میں سے ہر فعل کا حکم شرعی دلیل کے ساتھ اس طرح معلوم کرنا ہے کہ یہ فعل و عمل جائز ہے یا ناجائز، حلال ہے یا حرام، مستحب ہے یا مکروہ۔ [۳۱۴]

اس نہج پر مفصل دلائل کے ساتھ ایک متعین اور مخصوص معاملہ کا حکم جاننے کی سعی کامل کرنا اجتہاد ہے اور اس سعی وکوشش سے جو عملی حکم معلوم ہو یا مجموعہ احکام معلوم ہو وہ فقہ یا علم الفقہ کہلاتا ہے۔

غرض فقہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اور ایک انسان کے دوسرے انسان سے تعلقات وروابط سے متعلق جملہ افعال پر مشتمل ہے اور انسانی زندگی کا کوئی عملی پہلو فقہ کے دائرے سے خارج نہیں ہے۔

فقہ اسلامی کا نشو وارتقاء

اسلام علمی تحریک اور روحانی تہذیب کا عنوان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہی دعوت علم سے ہوا اور مطلوب وحی کی ان الفاظ میں توضیح کی گئی۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ۔ [۳۱۵]

ترجمہ:- یہ کتاب ہے جسے ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔

غرض عہد نبوی ﷺ میں وحی الٰہی ہی واحد ماخذ احکام تھی اور اجتہاد قیاس اور اجماع ماخذ فقہ کی صورت میں بروئے کار نہیں آئے تھے، کیونکہ اس وقت ان کی بحیثیت ماخذ کے ضرورت ہی نہیں تھی کہ اجتہادی غلطی کی اصلاح کے لئے وحی نازل ہو جاتی تھی۔

بلاشبہ عصر رسالت میں احکام الٰہی کی معرفت کا حقیقی سرچشمہ وحی تھا لیکن اس کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر خود بھی اجتہاد فرمایا اور صحابہ کرام کو بھی اجتہاد کی جانب راہنمائی فرمائی جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال عہد نبوت میں اجتہاد کا دائرہ محدود رہا اور معاملات حرب اور افراد کی جزوی معاملات پر مشتمل رہا ان معاملات میں بھی وحی کی راہنمائی موجود تھی اور صحابہ کرام بھی جو اجتہاد کرتے اس میں آپ سے رجوع کرتے اور آپ ان کی

تصویب واصلاح فرماتے اور اس طرح اس اجتہاد کا مرجع وحی اور ذات نبوت ﷺ ہی قرار پاتے۔[۳۱۵]

نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد مسلمان فاتح بن کر قیصر و کسریٰ کی مملکت پر غالب آ گئے اور بادشاہوں کی قائم کردہ ان رکاوٹوں کو توڑ ڈالا جو اسلام کی دعوت کا راستہ روک رہی تھیں۔ مصر' ایران' شام اور شمالی افریقہ اس وقت کی متمدن قومیں مسلمانوں کے زیر فرمان آ گئی تھیں اور مملکت اسلامیہ کے بڑے بڑے شہر مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگوں سے بھر گئے تھے۔

ذات نبوت ﷺ سے مراجعت کی صورت باقی نہ رہنے اور فتوحات کا دائرہ وسیع ہو جانے کے بعد یہ امر ناگزیر ہو گیا کہ نئے اجتماعی اور سیاسی حالات میں غور و فکر کر کے ان کے فقہی حل دریافت کئے جائیں اور جدید احکام مستنبط کئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ عصر نبوت میں صحابہ کرام کو نہ اس طرح کی ضرورت پیش آتی تھی اور نہ انہیں اس طرح کے مسائل میں غور و فکر کی احتیاج تھی۔

الغرض پیش آمدہ پیچیدہ حالات و واقعات کے حل دریافت کرنے کے لئے صحابہ کرام نے اجتہاد کیا جس کا طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام کسی حکم کے استنباط کے لئے سب سے پہلے قران کریم کی جانب رجوع کرتے اگر اس میں کوئی حکم مل جاتا تو اس پر عمل پیرا ہوتے بصورت دیگر رسول اللہ سے منقول سنت کی جانب رجوع کرتے اور اس سلسلہ میں ان صحابہ کرام سے بھی مشورہ کرتے جنہیں متعلقہ مسئلہ میں کوئی حدیث یاد ہوتی۔ اگر کسی صحابی کو موضوع سے متعلق کوئی حدیث یاد نہ ہوتی تھی تو اس صورت میں ''رائے'' کو اختیار کیا جاتا اور اجتہاد کر کے اور فکر و تدبر کے ذریعے سے کوئی ایسا حکم تلاش کیا جاتا جو مقاصد شریعت سے قریب تر اور شریعت کے بتائے ہوئے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہوتا اور اس کے ذریعے سے شریعت کی مطلوبہ مصالح کی تکمیل ہوتی۔[۳۱۶]

رائے کا مفہوم

علامہ ابن القیم نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں رائے کے مفہوم کی وضاحت کی ہے جو صحابہ کرام اس لفظ کو سمجھتے تھے:

''ایسے کسی مسئلہ میں جس میں صواب و ناصواب کے پہلو باہم معارض ہوں غور و فکر اور صحیح امر کی جانب رسائی کے لئے کوشش کے بعد جس بات پر قلب مطمئن ہو جائے وہ ''رائے'' ہے۔

اس لحاظ سے رائے کا مفہوم قیاس کے مخصوص فقہی مفہوم سے زیادہ وسعت اختیار کر لیتا ہے۔ قیاس کے معنی یہ ہیں کہ:

''نص میں جس معاملے کا حکم مذکور ہے اس میں اور ایسے معاملہ میں جس میں نص موجود نہیں مشترک اور جامع علت موجود ہونے کی بناء نص کے حکم کو اس دوسرے معاملے کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے۔''

اس مفہوم کے لحاظ سے رائے کا لفظ قیاس کو بھی شامل ہے اور استحسان اور استصلاح پر بھی مشتمل ہے۔

ابن القیم نے رائے کی تین قسمیں کی ہیں۔ صحیح' باطل اور مشتبہ۔ انہوں نے ان اقسام کے فرق کو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ صحابہ کرام سے رائے کی مذمت اور اس پر عمل کے بارے میں جو آثار منقول ہیں وہ ان میں سے کن اقسام سے

متعلق ہیں۔۳۱۷

لیکن اس دور میں فقہ کا منہاج (Method) اپنے سابقہ دور سے زیادہ مختلف نہیں ہوا بلکہ فقہ اسلامی میں اس دور میں عصر نبوت ہی کی طرح واقعاتی اور عملی رہا کہ عملاً جو واقعات اور حوادث پیش آتے صرف انہی کے احکام معلوم کئے جاتے اور انہی کے بارے میں کتاب و سنت کی راہنمائی حاصل کی جاتی اور غور و فکر کے ذریعہ ان مصالح کا فہم حاصل کیا جاتا جو شارع نے ملحوظ رکھی ہیں۔۳۱۸

عصر صحابہ کی خصوصیات

اس دور کی نمایاں خصوصیات کا تعلق فقہ سے نہیں بلکہ مصادر فقہ سے ہے۔ ان خصوصیات کے دو پہلو ہیں:

اول:۔ ان واقعات اور معاملات میں جن میں اجتہاد کی روشنی میں پہلے سے احکام مستنبط نہ کئے گئے تھے ان میں احکام کے استنباط کے لئے رائے اور قیاس کا نمایاں استعمال۔

دوم:۔ اصول اجماع کا بروئے کار آنا' چونکہ پہلے دو خلیفہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق رضوان اللہ علیہم کا طریق کار یہ تھا کہ وہ مختلف واقعات اور حوادث میں صحابہ کرام کو جمع کرتے اور ان سے فتوئ لیتے اور جس امر پر موجود صحابہ کا اتفاق ہو جاتا اس پر عمل کرتے تھے۔۳۱۹

صحابہ کرامؓ کا اجتہاد

صحابہ کرامؓ انتظامی اور حکومتی مسائل کے حل کے لئے اجتہاد کرتے تھے۔ اسی طرح عائلی مسائل عقود و معاملات اور التزامات سے متعلق مسائل و امور ان کے دائرہ اجتہاد میں شامل تھے۔ اجتہاد کے مواقع پر صحابہ کرام قرآن و سنت کی روح اور ان میں بیان کردہ اصولوں کو مد نظر رکھتے تھے۔ ان کے درمیان اجتہادی امور میں اختلاف بھی ہوتا تھا مگر وہ اجتہادی رائے کو حکم اللہ کا درجہ نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر کے سامنے کسی شخص نے کسی معاملہ میں حضرت علیؓ کی رائے کا حوالہ دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ آپ امیر المومنین ہیں آپ اب بھی کر سکتے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر بات قرآن و سنت کی ہوتی تو میں ضرور کرتا ہے۔ لیکن یہ معاملہ رائے کا ہے مجھے نہیں معلوم کہ کون سی رائے درست اور حق ہے۔

صحابہ کرامؓ کے یہاں اجتہاد کی تین صورتیں تھیں:

قرآن و سنت کی نصوص کا بیان اور ان کی توضیح۔

کتاب و سنت میں مذکور یا اجماع سے ثابت شدہ نظائر پر قیاس

قرآن و سنت کی روح اور ان میں بیان کردہ اصولوں پر اعتماد کرتے ہوئے اجتہاد بالرائے۔۳۲۰

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادات کا اسلوب

حضرت عمر بن الخطاب نے مختلف واقعات میں ایسے نمایاں اجتہادات کئے ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ اس عظیم خلیفہ کی فقہی عبقریت و بصیرت ظاہر ہوتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادات فقہ کا منہاج اور دستور بننے کے لائق قرار پاتے ہیں۔

حضرت عمر کی اجتہادات کی مثالیں درج ذیل ہیں:

مفقود الخبر شوہر کا مسئلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفقود شوہر کی بیوی کے نکاح کو شوہر کی گمشدگی کے چار سال بعد ختم قرار دیا اور اس کے فی الواقع مرجانے کی تحقیق یا اس کے ہم عمروں کے انتقال کر جانے کی شرط کو ختم کر دیا۔

عراق کی مفتوحہ اراضی

حضرت عمرؓ نے یہ اجتہاد فرمایا کہ سوادِ عراق اور مصر کی زمینیں مجاہد فاتحین میں تقسیم نہ کی جائیں جب کہ ان کا مجاہدین کا مطالبہ تھا کہ مفتوحہ زمینیں اسی طرح تقسیم کی جائیں جس طرح خمس نکالنے کے بعد تمام زمینیں تقسیم کی جاتی ہیں کیونکہ قرآن وسنت کی ظاہری نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ زمین کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے کیونکہ ان مفتوحہ علاقوں کی زمینیں بھی جنگی غنیمتیں ہیں اس لئے انہیں بھی فاتحین میں تقسیم ہونا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے برخلاف تھی ان کی رائے یہ تھی کہ یہ زمینیں فئے ہیں اور ان سے تمام موجود اور آنے والے مسلمانوں کے حقوق متعلق ہیں تاکہ بیت المال سے آنے والے تمام مسلمانوں کے حقوق اور مصلحت کی حفاظت ہو سکے۔

اس رائے کی تائید قرآن وسنت کے تمام احکام کو پیش نظر رکھ کر صائب غور وفکر سے حاصل شدہ رائے سے ہوتی ہے۔ بہرحال حضرت عمر نے یہ تمام زمینیں ان کے سابقہ مالکوں کے پاس رہنے دیں اور ان پر خراج عائد کر دیا کیونکہ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق یہ طریقہ زمینوں کے آباد کرنے کے لئے زیادہ مناسب اور موزوں تھا اور اس کی منفعت زیادہ عام اور دائمی تھی۔

سورۃ الانفال میں ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔[۳۱]

مؤلفۃ القلوب

مؤلفۃ القلوب کو بیت المال سے اس مقررہ حصہ میں جو باقاعدہ روزینہ مل رہا تھا حصہ دینا بند کر دیا۔ دراں حالیکہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے یہ روزینہ حاصل کر رہے تھے۔

حضرت عمر کی نظر قرآن کریم کے حکم کے ظاہر پر نہیں تھی بلکہ وہ اس کی علت پر نظر رکھے ہوئے تھ جو یہ تھی کہ جس وقت اسلام کمزور تھا اس وقت ان لوگوں کو دیا جاتا تھا تاکہ ان کو شر سے بچا جا سکے لیکن جب اسلام مضبوط ہو گیا اور مسلمانوں نے قوت و شوکت حاصل کر لی تو اب ان لوگوں کو دینے کا یہ داعیہ باقی نہ رہا۔ مزید یہ کہ قرآن نے بعض متعین اور مقررہ لوگوں کو اس حصہ میں سے دینے کا حکم نہیں فرمایا۔

قحط کے زمانے میں حد سرقہ کا عدم اجراء

حضرت عمرؓ نے اجتہاد فرمایا اور قحط کے سال میں چوری کی حد کا نفاذ موقوف کر کے تعزیری سزا جاری فرما دی۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عمر نے چوری کی مقررہ حد معطل کر دی بلکہ در حقیقت یہ سزا کی تطبیق کی شرائط کے بارے میں ایک بڑا حکیمانہ اجتہاد ہے۔ کیونکہ ازروئے شریعت حد سرقہ کے جاری کرنے کی شرط یہ ہے کہ سارق چوری کرنے پر مجبور نہ ہو گیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ قحط کا ہونا لوگوں کے لئے ایک ایسی اضطراری مجبوری کی حالت ہے جس کے تحت آدمی چوری پر مجبور ہو سکتا ہے اور اس طرح کی اضطراری کیفیت شبہ کے زمرہ میں آتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِدْفَعُوا الْحُدُوْدَ مَا وَجَدْتُمْ لَهُ مُدْفَعًا۔ ۳۲۲ے

ترجمہ:- ابو ہریرۃؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جہاں ہو سکے وہاں (شبہ کی وجہ) سے حدود کو رفع کرو۔

''اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ لو یا لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ خدا کا اس کے رسول کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور مسافروں کا ہے۔''

اس آیت میں جنگی غنیمت کے خمس کے عام مصارف بیان کئے گئے ہیں جب کہ باقی غنیمت کی تقسیم کی کیفیت سنت رسول اللہ ﷺ نے بیان کر دی ہے ازاں بعد سورۃ الحشر میں فئے کے بارے میں یہ آیت ہے:

ترجمہ:- ''جو مال خدا نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ خدا کے پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجت مندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں انہیں کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔ سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدا سخت عذاب دینے والا ہے اور ان مفلسان تارک الوطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے ہیں اور خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار اور خدا اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے (ایماندار ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو کچھ انہیں ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور انہیں اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ خواہ ان کو خود احتیاج ہو اور جو شخص حرص سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں اور (ان کے لئے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔'' ۳۲۳ے

ان آیات سے اس مفہوم کی جانب اشارہ ہوتا ہے کہ فئے مجاہدین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام آنے والے مسلمانوں کا بھی اس میں حق ہے۔ اس لئے اموال فئے بیت المال میں جمع کئے جائیں گے۔

شرعی اصطلاح کی رو سے غنیمت اور فئے میں فرق یہ ہے کہ غنیمت وہ ہے جو برسرپیکار دشمن سے ہتھیاروں کی قوت کے ذریعے حاصل کی گئی ہو جب کہ فئے وہ مال ہے جو دشمن مسلمانوں سے مرعوب ہو کر خود چھوڑ گئے ہوں یا مسلمانوں کے غلبہ اور قوت کے تحت انہوں نے مسلمانوں کو دیدیا ہو مگر اس مال کے حصول کے جنگی معرکوں میں گھوڑے دوڑانے اور لشکر کی قوت کے اظہار کا موقع نہ ملا ہو۔ اسی لئے فئے میں وہ ٹیکس بھی داخل ہیں جو غیر مسلم افراد سے جزیے کی صورت میں

اور ان کی زمینوں پر عائد خراج کی صورت میں حاصل ہوئے ہیں۔

سنت نبی کریمؐ سے یہ بات ثابت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے خیبر فتح کیا تو خیبر کی زمین غلبہ اور قوت سے فتح ہوئی تھی صلح کے ذریعے فتح نہیں ہوئی تھی اور خیبر کے لوگوں نے جلاوطنی کا حکم قبول کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ دریں صورت خیبر کی یہ زمین فئے شمار کی گئی اور نبی کریم ﷺ نے اس کا نصف حصہ یا خمس خاص حادثات اور واقعات کے لئے علیحدہ کر لیا اور باقی حصہ فاتحین میں تقسیم کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں سواد عراق کی زمینیں فتح ہوئی تو فاتح سپاہیوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ ان زمینوں کو غنیمت کی طرح تقسیم کیا جائے۔ حضرت عمرؓ اس رائے کے قائل تھے کہ ان زمینوں کی تقسیم درست نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا۔ عام صحابہ کرام کی رائے تقسیم کے حق میں تھی ماسوا حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے کہ ان صحابہ کرام کی رائے حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق تھی، چنانچہ حضرت معاذ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

"کہ اگر آپ نے ان اراضی کو ان لوگوں میں تقسیم کر دیا تو وہ عظیم دولت ان کے ہاتھوں میں چلی جائے گی اور بعد میں یہ اسے ضائع کر دیں گے اور رفتہ رفتہ ساری زمین کسی ایک شخص یا عورت کے پاس پہنچ جائے گی لیکن بعد میں یہ لوگ ایسے آئیں گے جو اسلام کی خاطر خدمات انجام دیں گے اور آزمائش میں پڑ کر سرخرو ہوں ان کے لئے کچھ باقی نہیں بچے گا۔ اس لئے آپ کوئی ایسی رائے اختیار کیجئے جس میں اگلوں پچھلوں سب کا بھلا ہو۔"

الغرض فاتح لشکر کی اکثریت نے اس امر پر اصرار کیا کہ ان زمینوں سے خمس نکال کر تمام زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی جائیں مگر حضرت عمرؓ اس تقسیم سے باز رہے۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ گردونواح کے عظیم علاقے پہلے ہی فتح ہو چکے ہیں اور یہ زمینیں فئے کی حیثیت رکھتی ہیں اس لئے فاتح سپاہی ان کی عینی ملکیت کا استحقاق نہیں رکھتے بلکہ امام کے لئے ضروری ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے مفید اور زیادہ موزوں طریقہ کار اختیار کرے۔ نبی کریم ﷺ نے خیبر کی زمینیں اس لئے تقسیم فرمائیں کہ اس وقت لوگوں کو ان زمینوں کی ضرورت تھی اور اس وقت یہی عمل مصلحت کے مطابق تھا۔ کئی روز تک اس موضوع پر گفتگو جاری رہی یہاں تک کہ حضرتؓ عمر نے فرمایا کہ بعد میں آنے والے لوگ بھی اس فئے کے مستحق ہیں۔ ۳۲۴۔

والذین جاوا من بعدهم ۔ ۳۲۵۔

ترجمہ :- اور ان کے لئے بھی جو ان مہاجرین کے بعد آئے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری نظر میں یہ آیت عام ہے اور تمام مسلمانوں کو مشتمل ہے یہاں تک کہ اس میں وہ چرواہا بھی شامل ہے جو مکہ کے پہاڑ پر اپنی بکریاں چرا رہا ہے۔ بعد ازاں حضرت عمر نے فرمایا:

"کیا تم چاہتے ہو کہ بعد میں آنے والوں کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہے اگر یہ صورت ہوتی کہ ہم ہی سب سے آخر میں ہوتے تو جو بھی بستی فتح ہوتی اس کو اسی طرح تقسیم کر دیا جس طرح نبی کریم ﷺ نے خیبر کی تقسیم فرمائی۔"

الغرض حضرت عمرؓ نے فیصلہ کر دیا کہ زمینیں اور نہریں ان کے سابق کاشتکاروں ہی کے پاس رہنے دیں اور ان پر

خراج عائد کر دیا۔ بعد ازاں آپ نے حکم دیا کہ مصر کی زمینوں کا بھی یہی معاملہ کیا جائے کیونکہ مصر کی زمینوں کے بارے میں بھی اس طرح کا اختلاف حضرت عمرؓ بن العاص امیر مصر اور حضرت زبیر بن العوام کے درمیان رونما ہو چکا تھا۔[۳۲۶]

فقہ کی اشاعت

خلیفہ سوم حضرت عثمان کے عہد میں صحابہ کرامؓ اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے اور دور دراز کے شہروں میں جا کر بس گئے تھے جب کہ حضرت عمرؓ انہیں مدینہ منورہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ حضرتؓ عمر کی یہ خواہش تھی کہ صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ میں موجود رہیں تاکہ بوقت ضرورت ان سے مشورہ کیا جا سکے۔

صحابہ کرامؓ حجاز' یمن' عراق' مصر اور شام کے جن علاقوں میں پہنچے وہاں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور احکام شریعت لے کر گئے اور ان تمام شہروں میں تابعین نے آپ سے علم حاصل کیا۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ:

''امت مسلمہ میں ''الدین'' ''العلم'' اور ''الفقہ'' کی اشاعت حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے تلامذہ کے ذریعہ ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ عامۃ المسلمین تک علم فقہ انہی چار کے تلامذہ کے ذریعہ پہنچا ہے۔ چنانچہ اہل مدینہ نے حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے تلامذہ کے علم سے استفادہ کیا۔ اہل مکہ حضرت عبداللہ بن عباس کے تلامذہ سے فیض یاب ہوئے اور اہل عراق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علم سے استفادہ کیا۔ عبداللہ بن عمرؓ اور آپ کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم صحابہ کرامؓ ایسے مسائل میں جن میں سنت نبویؐ موجود نہ ہوتی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ فرائض (میراث) کے مسائل حضرت زید بن ثابت سے دریافت کئے جائیں اور فقہی معاملات میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے استفادہ کیا جائے۔

غرض حضرت عمرؓ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ جیسے کبار صحابہ کے گہرے علمی اور دینی اثرات مرتب ہوئے اور انہوں نے فقہی مکاتب فکر کے قیام کی طرح ڈالی اور ان کے شاگرد تابعین ان مکاتب فکر کے قائد اور آئمہ قرار پائے۔ جیسے مدینہ میں سعید بن المسیّب' مکہ میں حضرت عطاء بن ابی رباح' کوفہ میں حضرت ابراہیم نخعی' بصرہ میں حضرت حسن بصری' شام میں مکحول' یمن میں حضرت طاؤس اور ان تمام اصحاب کے ذریعے سے ان کے بعد آنے والے تبع تابعین کے ذریعے سے فقہ اسلامی میں مختلف مکاتب فکر کا رجحان پیدا ہوا اور آگے بڑھا' کیونکہ ان میں سے تابعی اس صحابی کے فقہ اور طریقہ اجتہاد سے متاثر تھا جس صحابی کے ساتھ اس کا تعلق رہا اور جس سے اس نے علم حاصل کیا۔[۳۲۷]

فقہ عہد رسالتؐ میں' فقہ خلفائے راشدین و تابعین کے عہد میں

صحابہ کرامؓ کے دور میں جس طرح فقہ وجود میں آ چکا تھا اسی طرح اس کے اصول کی نشوونما کا بھی آغاز ہو چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ' حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت عمرؓ بن الخطاب اجتہاد کے موقع پر اصول استنباط پیش نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے مئے نوشی کی حد کے تعین کے لئے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ کا طرز استدلال یہ تھا کہ مئے نوشی ایک ایسا عمل ہے جس سے انسان کا شعور و احساس ختم ہو جاتا ہے اور اس کی عقل جاتی رہتی

ہے اس عقل وشعور سے عاری نشے کی کیفیت میں انسان ہذیان بکنا شروع کر دیتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ہذیان بکنے کی صورت میں وہ ایسے الفاظ بھی کہہ دے جو قذف اور تہمت کے الفاظ ہوں۔ اس لئے قرآن کریم میں بیان کردہ قذف کی سزا (اسی کوڑے) جرم مئے نوشی کی بھی سزا متعین کر دی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے مئے نوشی کی سزا جرم قذف کی سزا کے برابر مقرر کرنے کے ضمن میں اپنے استدلال کی اساس حکم بالمال اور الذرائع کو بنایا کہ چونکہ مئے نوشی میں نشہ کی کیفیت قذف کو بھی منتج ہو سکتی ہے۔ اس لئے ذریعہ کا سد باب کرتے ہوئے جو مال (انجام) کا حکم ہے وہ اس صورت میں بھی عائد و منطبق کر دیا جائے۔ [۳۲۸]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اس موقعہ پر یہ استدلال کیا کہ قرآن وسنت کی متعین کردہ حدود کی سزاؤں میں سے سب سے کم سزا القذف کی حد ہے۔ اس لئے کم ترین حد کی سزا کو اس جرم مئے نوشی کی حد قرار دیدیا جائے۔ [۳۲۹]

اس سے معلوم ہوا کہ حد کا یہ مفہوم کہ یہ کسی جرم کی وہ سزا ہے جو قرآن وسنت نے متعین کر دی ہو صحابہ کرام کے درمیان متعارف تھا۔

قرآن کریم میں سورۃ البقرہ میں ایسی عورتوں کی عدت جن کے شوہر وفات پا جائیں چار ماہ دس دن بیان ہوئی ہے۔ اس مقام پر عدت کا حکم عام بیان ہوا ہے۔ یعنی تمام ایسی خواتین جن کے شوہر وفات پا جائیں چار ماہ دس دن عدت گزاریں اور سورۃ طلاق میں حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل بیان ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جب اس عورت کی عدت کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کا شوہر وفات پا جائے اور وہ حاملہ ہو تو آپؓ نے فرمایا کہ اس کی عدت وضع حمل ہے کیونکہ سورۃ طلاق سورۃ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ گویا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ اصول بیان فرمایا کہ بعد میں آنے والا حکم پہلے حکم کی تخصیص کر دیتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی چاہے تو میں اس موضوع پر مناظرہ بھی کر سکتا ہوں کہ سورۃ الطلاق جس میں مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان ہوا ہے سورۃ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ [۳۳۰]

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

اتجعلون عليها التغليظ ولا تجعلون لها الرخصة۔ [۳۳۱]

ترجمہ:- سختی کا پہلو کیوں روا رکھتے ہو، رخصت کا پہلو کیوں نہیں اختیار کرتے۔

گویا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مسئلہ میں یہ اصول بھی بیان فرمایا کہ اسلامی شریعت رخصت اور سہولت کے پہلو کے ترجیح دینے کو بہ نظر استحسان دیکھتی ہے۔

''حضرت ابی بن کعبؓ کے ذہن کی رسائی اس امر کی جانب عہد نبوت ہی میں ہو گئی تھی کہ سورۃ الطلاق میں حاملہ عورت کی عدت کے حکم کا اطلاق بقرہ میں وارد حکم عام پر بھی ہوگا اور یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان فرمائی تو آپ نے استصواب فرمایا۔'' [۳۳۲]

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام قرآن کی نصوص اور ارشادات نبوت کی تصریحات سمجھنے کا طبعی سلیقہ اور ملکہ رکھتے تھے اور وہ بخوبی واقف تھے کہ قرآن کریم میں اور سنت نبوی ﷺ میں کون سی تعبیرات عام وارد ہوئی ہیں اور ان کی کہاں اور کس انداز میں تخصیص یا تقیید ہوئی ہے اور کون سے کلام کا محل اور اطلاق کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امر کے باوجود کہ

امور استنباط اور مناہج اجتہاد مدون صورت میں موجود نہ ہونے کے باوجود وہ ان کے اصول کا فطری طریقے پر اطلاق کرتے تھے یعنی اگرچہ صحابہ کرامؓ صراحتاً اصول بیان کر کے استنباط اور اجتہاد نہیں کرتے تھے مگر ان کے سامنے اصول مناہج رہتے تھے اور ان کا اجتہاد اصول و قواعد کی روشنی میں ہوتا تھا۔

دورِ صحابہ کے بعد تابعین کے زمانے میں واقعات و مسائل کے تنوع کی بنا پر اجتہاد کا عمل اور استنباط احکام کے اصول کا دائرہ بھی وسیع تر ہو گیا۔ مدینہ منورہ میں حضرت سعد بن المسیب اور عراق میں علقمہ اور ابراہیم نخعی جیسے فقہاء واجتہاد وفتویٰ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان کے پیش نظر قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ بھی موجود تھے اور یہ حضرات استنباط میں مصلحت اور قیاس کے اصول بھی اختیار کرتے تھے۔

تابعین کے بعد آئمہ مجتہدین کے زمانے میں استنباط کے مناہج اور اجتہاد کے اصول زیادہ واضح ہو گئے اور فقہاء جزرس، واضح اور صریح عبارتوں میں ان اصولوں کو بیان بھی کرنے لگے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کتاب و سنت اور صحابہ کرامؓ کی متفقہ اور اجتماعی آراء کو مد نظر رکھتے تھے اور جن امور کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا تو انہی آراء میں سے اپنے نزدیک کسی مستحسن رائے کو اختیار کرتے۔ امام ابو حنیفہ امام، مالک نے تعامل اہل مدینہ کو حجت قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ سے منسوب بعض روایات کو قرآن کریم کی نصوص کے بر خلاف ہونے کے اصول کی بنیاد پر رد کیا۔ ۳۳۳۔

علم الانساب

نسب کا لغوی معنی جیسا کہ لسان العرب میں ہے، قرابت دری کا نسب اور وہ انساب کا واحد ہے۔

قال ابن سیدہ: نِسبَتٌ، نُسِبَتٌ اور نَسَبٌ کا معنی قرابت ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ خاص طور پر آباؤ اجداد میں ہوتا ہے اور کہا گیا ہے نسبت انتساب کا مصدر ہے۔ نسب اسم ہے، تہذیب نسب آباء کی ساتھ ہوتی ہے اور شہروں کی طرف ہوتی ہے اور کارناموں میں ہوتی ہے اور نسب کی جمع انساب ہے۔

اور نسب کا اصطلاحی معنی جیسا کہ علوم الاجد میں ہے: وہ علم ہے جس سے لوگوں کا نسب پہنچانا جاتا ہے اور اس کے قواعد کلی اور جزوی بھی معلوم کئے جاتے ہیں اور اس کا مقصد آدمی کے نسب میں خطا سے بچنا ہے۔ یہ علم عظیم نفع والے اور بڑی شان والا ہے۔ ۳۳۴۔ عظیم کتاب القرآن نے اس آیت میں:

"وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔" ۳۳۵۔

ترجمہ:۔ اور ہم نے تمہیں قومیں اور قبائل میں تقسیم کیا تاکہ تمہاری باہمی پہچان رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تَعَلَّمُوْا أَنْسَابَكُمْ تَصِلُوْا أَرْحَامَكُمْ۔" ۳۳۶۔

ترجمہ:۔ اپنے انساب کا علم حاصل کرو تاکہ تم اپنے قرابت داروں کی صلہ رحمی کر سکو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قبائل اور اقوام کے تشخص کو قائم کرنے کے لئے انسانی معاشرہ کو مختلف گروہوں میں تقسیم فرمایا۔ اس تقسیم کی غرض و غایت صرف ایک دوسرے کی پہچان ہے اور امتیاز ہے نہ کہ قبائل کی بنیاد پر فخر و

مباہات۔ اس لئے آگے فرمایا:

''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔'' ۳۳۷ـ

ترجمہ:- یقیناً اللہ کے قرب کا معیار تقویٰ ہے۔

یہ آیت علم الانساب کی اہمیت اور افادیت کو واضح کرتی ہے۔ نیز شارع قرآن رسول اللہ ﷺ نے علم الانسان کی تعلیم و تعلم پر زور دیتے ہوئے اسکی افادیت کو یوں بیان فرمایا کہ ہر انسان اپنے نسب کو محفوظ کرنے کا اہتمام کرے۔ فرمایا کہ:

''اگر تمہیں اپنے قرابت داروں کی پہچان ہو گی تو تم صلہ رحمی کا حق ادا کر سکوں گے اور رشتہ داروں کی پہچان علم الانساب کے بغیر ناممکن ہے۔''

عربوں کے ہاں اس علم شریف کے تعلیم و تعلم پر خاصی توجہ دی جاتی تھی۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے احوال میں تمام سوانح نگاروں نے بالاتفاق ذکر کیا ہے کہ:

''کَانَ رَجُلًا نِسَابَۃً۔''

کہ آپ علم الانساب کے ماہر تھے۔ یہاں پر ''ۃ'' مبالغہ کے لئے جیسے علامہ کی ''ۃ'' مبالغہ کیلئے استعمال ہوتی ہے۔

ہجرت مدینہ کے بعد مشرکین مکہ نے آنحضور ﷺ کی روز افزوں مقبولیت سے خوف زدہ ہو کر آنحضور ﷺ کے خلاف منفی پروپیگنڈہ اور کردار کشی کی مہم شروع کی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں نے تلوار کے ساتھ میری مدد کی ہے انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ زبان کے ساتھ میری مدد نہیں کرتے۔ تو حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ چونکہ اس کردار کشی اور ہجو میں آباؤ اجداد کی شخصیات تنقید کا نشانہ بنتی تھیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

''وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتِ اسْتَاذَنَ حَسَّانُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فِیْ ھِجَآءِ الْمُشْرِکِیْنَ فَقَالَ ﷺ فَکَیْفَ بِنَسَبِیْ' فَقَالَ لَاَسُلَّنَّکَ مِنْھُمْ کَمَا تُسَلُّ الشَّعْرَۃُ مِنَ الْعَجِیْنِ۔ ۳۳۸ـ

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حسان نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے ہجو کرنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا کہ میری نسب کی نسبت کیا کرو گے' تو انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کو ایسا الگ نکال لوں گا جس طرح آٹے میں سے بال الگ نکال لیا جاتا ہے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کے پاس جائیں وہ قریش کے انساب کو خوب جانتے ہیں۔

دشمنانِ اسلام کے خلاف زبانی جنگ کیلئے صدیق اکبرؓ سے حضرت حسان بن ثابتؓ کی معاونت طلبی ''علم الانساب'' کی اہمیت پر واضح دلیل ہے۔

ایک اور حدیث میں اس مدلل بیان کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

''حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہجو کرو قریش کی کیونکہ ہجو ان کو زیادہ ناگوار ہے تیروں کی بوچھاڑ سے'' حسان بن ثابتؓ آپ ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا تم کو آگیا وہ وقت کہ تم نے بلا بھیجا اس شیر کو جو اپنی دم سے مارتا ہے (یعنی زبان سے لوگوں کو قتل کرتا ہے) گویا میدان فصاحت و شعر

گوئی کے شیر ہیں) پھر حضرتِ حسان بن ثابتؓ نے اپنی زبان باہر نکالی اور اس کو ہلانے لگے اور عرض کیا! قسم اس کی جس نے آپ ﷺ کو سچا پیغمبر کر کے بھیجا میں کافروں کو اس طرح پھاڑ ڈالوں گا جس طرح چمڑے کو پھاڑ ڈالتے ہیں اپنی زبان سے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اے حسان جلدی مت کر کیونکہ ابو بکرؓ قریش کے نسب کو خوبی جانتے ہیں اور میرا بھی نسب قریش ہی میں ہے۔ تو وہ میرا نسب تجھے علیحدہ کر دیں گے۔ پھر حسانؓ ابو بکرؓ کے پاس آئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا نسب حسان بن ثابتؓ پر بیان کر دیا۔ حسان بن ثابتؓ نے کہا قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو سچا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے میں آپ کو قریش میں سے ایسے نکال لوں گا جیسے بال آٹے میں سے نکال لیا جاتا ہے۔ ۳۳۸ (الف)

نبی اکرم ﷺ کی ایک اور حدیث مبارکہ میں حسان بن ثابتؓ کو دعائیہ کلمات سے نوازا گیا ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ فَقَالَ اَنْشُدُكَ اللّٰهَ اَسَمِعْتَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَجِبْ عَنِّیْ اَللّٰهُمَّ اَیِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قَالَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْO ۳۳۸ (ب)

اور حدیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے:

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَا حَسَّانَ ابْنَ ثَابَتٍ اُهْجُهُمْ اَوْ هَاجِهِمْ وَ جِبْرِیْلُ مَعَكَO ۳۳۸ (ج)

دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ "علم الانساب" کی ترویج پر مسلمانوں نے خصوصی توجہ دی۔ خصوصاً روایت حدیث میں سند کی صحت کیلئے علم الرجال اور علم الانساب کی ضرورت دوچند ہو گی۔

اسلام جب جزیرہ عرب سے باہر پھیلا اور عرب عجمی علاقوں میں منتقل ہوئے تو خدشہ تھا کہ عرب و عجمیوں کے نسب خلط ملط ہو جائیں گے۔ عربوں نے اپنے نسب کی حفاظت کیلئے "علم الانساب" کو پوری اہمیت کے ساتھ رواج دیا۔ اس ضمن میں جس شخص نے اس علم کی تدوین کی ابتداء کی وہ امام العلم نسب ہشام ابن محمد ابن السائب الکلبی جن کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد "انساب شعرا" تدوین ہوئی۔ جسے ابو جعفر محمد بن حبیب البغدادی نے ترتیب دیا۔ ابو الکریم بن محمد اسمعانی کی "الانساب" ۳۳۹ زبیر بن بکار القرشی کی "انساب القریش" محمد بن محمود بغدادی کی "الانساب المحدثین" اسی سلسلے کی خوبصورت کڑیاں ہیں۔ ۳۴۰

علم اللغۃ (عربی)

عرب عصری جاہلیت ہی سے اپنی زبان کی حفاظت کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ جس میں ظہور اسلام کے بعد اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عربی اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی زبان قرار پائی۔ عرب اپنی زبان کے تمام کلمات کے معانی و مطالب سے آگاہ نہ تھے۔ رسول کریم ﷺ بعض اوقات ایسے الفاظ ارشاد فرما دیتے تھے۔ جن کے معانی سے صحابہؓ آشنا نہ ہوتے۔ حالانکہ ان میں حضرت عمرؓ بن خطاب' حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے عظیم ماہر لسان بھی تھے۔

چنانچہ ایک روز حضرت علیؓ نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ ہم ایک دادا کی اولاد ہیں تاہم آپ کی زبان مبارک سے بعض ایسے کلمات صادر ہوتے ہیں جن کے معانی ہم نہیں سمجھتے۔ ۳۴۱

تفسیر ابن جریر میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

''شعر عربوں کا دیوان ہے۔ جب قرآن کے کسی لفظ کا مفہوم ہمیں معلوم نہ ہوتا تو ہم اشعار کی طرف رجوع کرتے۔ جب قرآن کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو شعروں میں تلاش کیجئے۔ اس لئے کہ اشعار عربی ہیں۔'' ۳۴۲ے

''جب نافع بن ازرق اور نجدہ بن عویمر نے حضرت ابن عباسؓ سے چند تفسیری مسائل دریافت کئے اور یہ شرط لگائی کہ ہر کلمے کا مفہوم عربی اشعار کی مدد سے واضح کیا جائے تو انہوں نے یہ شرط پوری کر دی۔'' ۳۴۳ے

مذکورہ واقعے میں حضرت ابن عباسؓ نے وہی کام دیا۔ جو آج کل کتب لغت سے لیا جاتا ہے۔ بلاشبہ وہ ایک چلتی پھرتی کتاب لغت تھے۔ وہ عربی لغات 'نوادر اور مفردات سے بخوبی آگاہ تھے اور مہارت لغت ہی کی بناء پر عربی کلمہ کی لغوی تشریح کیا کرتے تھے۔ زبان دانی اور مختلف لہجوں میں مہارت کو اس دور میں بھی ایک عظیم اور قابل فخر کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔

حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''میں افصح العرب ہوں' میں قریش میں پیدا ہوا اور میری تربیت بنی سعد میں ہوئی۔'' ۳۴۴ے

عربی اور عجمی زبانوں کے امتزاج سے عربی زبان بگڑ گئی۔

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ اکناف ارضی تک پھیلا تو عجمی اقوام حلقہ بگوش اسلام ہوئیں تو عربی اور عجمی زبانوں کے امتزاج سے عربی زبان بگڑ گئی۔ حتیٰ کہ شہری حلقے بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہری استاد اعتماد کے قابل نہ رہی۔ اب عربی زبان کے محافظ علماء اس بات کے لئے مجبور ہوئے کہ دیہات میں جا کر خالص اور فصیح عربی سیکھیں۔ جو ھنوز ہر قسم کے اختلاط سے پاک تھی۔ بنابریں علمائے لغت کی ایک کھیپ فصیح عربی سیکھنے کے لئے دیہات کا رخ کرتی ہے۔ اس سلسلے میں متعدد ممتاز علماء کا نام لیا جاسکتا ہے:

مثلاً خلیل بن احمد (م ۱۷۰ یا ۱۷۰ھ) خلف الاحمر (۱۸۰ھ) یونس بن حبیب الغبتی (م ۱۸۲ھ) الکسائی (م ۱۸۹ھ) النضر بن شمیل (۲۰۴ھ) الاصمعی (م ۲۰۱ھ) ابوزید الانصاری (م ۲۱۰ھ) ابن درید (م ۳۲۱ھ) الازہری (م ۳۷۰ھ) الجوہری (م ۳۹۰ھ)

الاصمعی ''تہذیب الصحاح'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''عرب کے فصیح بادیہ نشینوں کے ساتھ ان علمائے لغت کے ربط و اتصال نے پہلے تدوین لغت اور آگے چل کر لغت نویسی کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح عربی زبان ہمیشہ کیلئے آمیزش و اختلاط سے محفوظ ہو گئی۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ غیر فصیح اور غلط الفاظ کی شمولیت سے زبان کی پاکیزگی مجروح ہو رہی ہے۔ عربی کے کلمات صحیحہ کو ان کے اصلی مصادر و مآخذ سے اخذ کر کے جمع کر لیا۔ پھر بعد میں آنے والوں نے اس لغوی ورثے کو حرز جان بنا کر سنبھالا اور محفوظ کر لیا۔ حفاظت زبان کے سلسلے میں وہ اس قدر حساس تھے کہ وہ جس کلمے یا محاورے کو غلط اور غیر تصور کرتے تھے خواہ وہ جائے خود فصیح بھی کیوں نہ ہو۔ اس کے استعمال کو ناجائز قرار دیا۔ وہ اس کی دلیل یہ دیتے تھے کہ عربوں نے اس کلمے کو اس طرح استعمال نہیں کیا۔

مثال کے طور پر مشہور لغوی الاصمعی (م ۲۱۰ھ) ''**شتان ما بینهما**'' (دونوں کے درمیان فرق ہے) کو غلط قرار دیتے اور کہتے تھے کہ صحیح ''**شتان ما هما**'' ہے۔

عربی زبان کے تحفظ کے سلسلے میں علمائے لغت کی مساعی

عربی زبان کے تحفظ کے سلسلے میں علمائے لغت کی مساعی جاری رہیں۔ وہ کلمات غیر فصیحہ پر نقد و جرح کرتے اور لوگوں کو ان کے استعمال سے باز رکھتے۔ ان میں سے بعض علماء نے اس ضمن میں کتابیں اور مختصر رسالے بھی مرتب کیے۔

ا۔ الکسائی:۔ جس نے ایک رسالہ "ما تلحن فیہ العامۃ" تحریر کیا۔

۲۔ ابو عبیدہ (۳) ابو عثمان بکر بن محمد المازنی (۴) ابو حاتم سیتانی (۵) ابو حنیفہ الدینوری (۶) ابو بکر محمد بن الحسن الزبیدی الاشبیلی۔ ان سب کی کتب کا موضوع "لحن العامۃ" ہے

۷۔ ابو ھلال العسکری کی کتاب کا نام "لحن الخاصۃ" ہے۔

۸۔ یحیٰ بن زیاد الدیلمی المعروف بالفراء نے "البھا فیما تلحن فیہ العامۃ" لکھی۔

۹۔ ابو الہیذام کلاب بن حمزہ العقیلی الحرانی نے "ما تلحن فیہ العامۃ"۔

ان کے علاوہ کئی اور مصنفین کا نام بھی لیا جاسکتا ہے۔ یہ سب علماء اسے ایک دینی اور ثواب کا کام تصور کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کرتے تھے کہ جب ایک صحابی نے آپ کی موجودگی میں کسی لفظ کو غلط ادا کیا تو آپؐ نے فرمایا:

"ارشدوا اخاکم فقد ضل۔"

ترجمہ:۔ اپنے بھائی کی رہنمائی کیجئے یہ بھٹک گیا ہے۔ ۳۴۲۔

عربی لغت نگاری

"عربی لغت نگاری کا آغاز عہد ابتدائے اسلام ہی سے ہو گیا تھا۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک چلتی پھرتی ڈکشنری تھے۔ وہ عربی زبان کے مفردات' نوادر' الفاظ غریبہ اور اشعار و امثال اور خطبات سے بخوبی آگاہ و آشنا تھے۔

غریب القرآن کے موضوع پر ایک کتاب بھی ان کی جانب منسوب ہے۔ جس کا ایک قلمی نسخہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے برلن کے کتاب خانے میں موجود تھا۔" ۳۴۳۔

"ابن ابی طلحہ اور ابن کلبی کی روایت کے مطابق ابن عباسؓ سے جو التفسیر الاکبر منسوب ہے۔ اس میں آیات کی تفسیر کے پہلو بہ پہلو مفردات کی شرح بھی کی گئی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مدینہ منورہ میں شیخ الاسلام عارف حمۃ اللہ حسینی کے کتاب خانے میں موجود ہے۔ اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں کتابیں "غریب القرآن اور التفسیر الاکبر" ابن عباسؓ کی اپنی تحریر کردہ نہیں۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ لغت نگاری کے بانی و مؤسس وہی تھے۔ اس ضمن میں لبان بن تغلب بن رباح الجریری' ابو سعید البکری کا نام لیا جاتا ہے۔ یہ شخص عظیم قاری' فقیہ' لغوی اور بڑا ثقہ اور بلند پایہ عالم تھا۔ اس نے غریب القرآن تصنیف کی اور اس میں جا بجا شواہد کے طور پر عربی اشعار رقم کیے۔"

غرض یہ کہ حضرت ابن عباسؓ اور ان کے بعد لبان بن تغلب نے لغوی تصنیف و تالیف کی تخم کاری کی اور خلیل بن احمد الفراہیدی نے "کتاب العین" کے نام سے ایک ایسی کتاب تصنیف کی جسے اصطلاحاً ڈکشنری کہہ سکتے ہیں۔ اس اعتبار

سے خلیل اولین لغت نویس ہے۔ جس نے کسی کی تقلید کے بغیر اس جدید فن کا آغاز کیا۔ جہاں تک چینیوں' یونانیوں اور آشوریوں کی لغت نگاری کا تعلق ہے انہیں "لغت خاصہ" تو کہہ سکتے ہیں جس کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ مگر ان کو ایک جامع ڈکشنری کی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے کسی طرح بھی وہ خلیل کی "کتاب العین" کی ہم پلہ نہیں ہیں۔ مزید بر آں ان عجمی لغت نویسوں میں سے کسی نے بھی زبان کے تمام مفردات کا احاطہ کر کے ان کی شرح و توضیح کا قصد نہیں کیا کہ ان کی تحریر کردہ کتب کو اصطلاحی معنی میں ڈکشنری کہا جا سکے۔ ۳۴۴؎

لغت نگاری کے تدریجی مراحل

لغت نگاری میں عربوں کی اولیت مسلم ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ عربوں نے شروع ہی میں کامل لغت مرتب کر دی تھی۔ خلاف ازیں پہلے انہوں نے مردوں اور عورتوں کے ناموں پر مشتمل "کتب الطبقات" مرتب کیں۔ ہر گروہ کو ایک طبقہ قرار دیا اور ان کے سیر و سوانح رقم کئے۔ مثلاً طبقۃ النحاۃ' طبقۃ القراء' طبقۃ المتقدمین' طبقۃ الشعراء' طبقۃ الصوفیہ' طبقۃ الصحابہ' طبقۃ التابعین' طبقۃ الحنفیۃ و الشافعیہ' والحنابلۃ والمالکیۃ' الغریب فی القرآن والحدیث' المعرب' الدخیل آگے چل کر عربی لغت نگاری کا دائرہ وسیع ہوا اور ہر فن کے بارے میں ایک لغت مرتب کی گئی۔ بلکہ ایک ہی فن سے تعلق متعدد ڈکشنریاں لکھی گئی۔ ۳۴۵؎

عصر جاہلی میں لغت نگاری کا آغاز نہ ہو سکا۔

عصر جاہلی میں لغت نگاری کا آغاز نہ ہو سکا اور یہ عظیم شرف اسلام کے حصے میں آیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم حضور ﷺ سے قرآن و حدیث میں وارد شدہ مشکل الفاظ کے معانی دریافت کیا کرتے تھے۔ بعض صحابہؓ ان کو زبانی یاد رکھتے اور بعض لکھ لیتے اور آگے لوگوں کو بتاتے۔ تدوین لغت کا یہ پہلا مرحلہ تھا جو قرآن و حدیث کے بعض مشکل الفاظ کی شرح و توضیح تک محدود تھا۔ ۳۴۶؎

اسکے بعد لغت نگاری کا دوسرا مرحلہ آیا۔

یہ پہلے مرحلہ کے زیر اثر تھا اور حضرت ابن عباسؓ اس کے بہترین نمائندے تھے۔ وہ صحابہؓ کو قرآن و حدیث کے غریب الفاظ کے معانی سے آگاہ کرتے اور مفردات کی تشریح عربی اشعار کی روشنی میں کرتے تھے۔

تیسرے مرحلے میں لوگ لغوی مفردات کو' جیسے بھی ہوں بلا ترتیب یکجا کرنے لگے۔ اس کے بعد لوگ مفردات کو معانی و موضوعات کے پیش نظر جمع کرنے لگے۔ وہ قصداً ایسے الفاظ کو یکجا کرتے جو صورۃً ملتے جلتے اور معنی و مفہوم کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے قریب ہوتے۔ مثلاً قدّ و قطّ (چیرا' پھاڑا) اور قضم و خضم (چبایا) وہ کثیر المعانی الفاظ کو بھی جمع کرنے کے عادی تھے۔ مثلاً العین (چشمہ' آنکھ' زانو' جاسوس)

ان کتابوں کا بھی ذکر کرنا مناسب ہوگا جو "النوادر" کے موضوع پر تحریر کی گئیں۔ اس موضوع پر اولین کتاب ابو عمرو بن العلاء کی ہے۔ اس کے بعد القاسم بن محن الکوفی' یونس بن حبیب النبی' عمرو بن کرکرۃ' ابو شبل العقیلی اور ابو زید الانصاری نے کتابیں تصنیف کیں۔ ۳۴۷؎

جب علماء نے ایسی کتب لغت تالیف کیں جو ایک خاص ترتیب کے مطابق بیشتر لغوی مفردات پر مشتمل تھیں اور

ساتھ ہی ساتھ ان کے معانی و مطالب بھی بیان کیے گئے تھے تو اس کے بعد عام لغت نویسی کا آغاز ہوا اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کا طرز روز افزوں بڑھتا اور روبہ ترقی رہا۔ بایں طور پہلی صدی ہجری لغت نویسی کا نقطہ آغاز تھی اور دوسری صدی ہجری میں عام طور سے اس کام کی بنا پڑی۔ ۳۴۸۔

کتاب العین لغت کی پہلی کتاب

فخر الدین "المحصول" میں لکھتے ہیں کہ :

"خلیل کی کتاب العین کے نام سے لغت کی باقاعدہ کتاب مرتب کی۔ کتاب العین عربی لغت کی اصل اساس ہے۔ خلیل نے اسے حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کیا۔ مگر اس میں مخارج حروف کی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا، یعنی پہلے حلقی حروف، اس کے بعد وہ حروف جو زبان سے نکلتے ہیں، پھر دانتوں سے نکلنے والے حروف، پھر لبوں سے نکلنے والے کتاب کا آغاز حرف العین سے کیا اور اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔" ۳۴۹۔

کتاب العین کی اہمیت کے پیش نظر متعدد علماء نے اس پر نقد و جرح کی۔ مثلاً المفضل بن سلمۃ، عبداللہ بن محمد الکرمانی، ابن درید وغیرہم۔ ان سب نے اس ضمن میں کتابیں تالیف کیں۔ ابو بکر الزبیدی نے کتاب العین کا بہت عمدہ خلاصہ تحریر کیا۔ جو بہت مقبول ہوا بلکہ اس کو اصل کتاب پر ترجیح دی گئی۔ ۳۵۰۔

مزید معلومات درج ذیل کتب میں پائی جاتی ہیں:

۱۔ ابن خلکان 'وفیات' ۱:۲:۱۷۲
۲۔ ابن الندیم' الفہرست' ص ۴۲
۳۔ ابن خلدون' تاریخ' ۱' ۱:۴۸۲
۴۔ جرجی زیدان' تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ' ۲:۱۴۴
۵۔ اخبار النحویین البصریین' ص ۳۸
۶۔ السمعانی' الانساب' ۱:۴۲۱
۷۔ النووی: تہذیب الاسماء واللغات' ۱:۱۷۷
۸۔ ابن حجر عسقلانی' تہذیب التہذیب' ۳:۱۶۳
۹۔ الازہری' تہذیب اللغۃ' ۱ : ۴
۱۰۔ الازہری' شذرات الذہب' ۱:۲۷۰
۱۱۔ الیافعی' مراۃ الجنان' ۱: ۳۶۲
۱۲۔ ابن قتیبہ ' المعارف' ص ۲۳۲
۱۳۔ السیوطی' المزہر' ۱:۷۶ تا ۹۲

نحو

عربی میں اس کے لفظی معنی سمت' راستہ یا قصد کے ہیں۔ بعد میں رفتہ رفتہ اس کے اصطلاحی معنی "قواعد زبان عربی" مقرر ہو گئے۔ نحویوں' یعنی ماہران لسان عرب کے نزدیک قواعد لسان کے دو حصے ہیں:

ا۔ علم الصرف یا تعریف

اس میں افعال موضوع' فعل کے حروف' اصلیہ کی شناخت' فعل کی گردان' اسمائے ذات و صفات بنانے اور ان کی جمع اور تانیث وغیرہ کے قاعدوں سے بحث ہوتی ہے۔ گویا الفاظ مفردہ کی ہیئت و اشکال اس کا موضوع ہیں۔

۲۔ علم النحو

زبان شناسان عرب نے نحو کے بنیادی تصورات ارسطو کی منطق سے لئے۔ یہ تصورات عربوں کو سریانی زبان کے عالموں کی وساطت سے پہنچے۔ عربی کے صوتیات پر عربوں کے انحصار کے بارے میں دیکھیے براکلمان۔ ۳۵۱؎

عربی علوم کے آغاز کی تاریخ

چونکہ عام طور پر تاریکی کے پردے میں ڈھکی ہوئی ہے۔ اس لئے خود عرب بھی قطعی طور پر نہیں بتا سکتے کہ لفظ نحو کا اصطلاحی معنوں میں استعمال کب سے شروع ہوا۔ مشہور ہے کہ ابوالاسود الدائلی کو' جو علم النحو کا بانی متصور ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ نے بتایا کہ وہ اس موضوع کی تقسیم کیونکر کرے۔ اور آخر میں اس نے فرمایا:

أُنسُح (اسی طریقے پر آگے چل) پورا جملہ یہ ہے "أُنسُحْ" عَلٰی هٰذَا النَّحْوِ۔" ۳۵۲؎

چنانچہ نئے علم نے اسی ارشاد کی بدولت نحو نام پایا۔ ایک روایت یہ ہے کہ:

ابوالاسود نے عربی گرائمر کے قواعد خود مرتب کئے اور لوگوں سے کہا "أَنْحُوه'" یا "أُنحُوا نَحْوَه'"

یعنی اسی طریقے سے چلے چلو۔ اسی سے اس علم کا نام نحو پڑ گیا۔ ۳۵۳؎

مسائل لسان سے بحث کی تحریک حضرت علیؓ کی طرف سے ہوئی۔

انہوں نے ابوالاسود کو نحو کے بنیادی قواعد سکھائے اور اسے سمجھایا کہ کلمات تین انواع میں منحصر ہیں۔ اسم' فعل اور حرف۔

علم نحو کے قواعد کی تدوین کا خیال ابوالاسود کو کیونکر پیدا ہوا۔ اس کا قصہ ایک اور روایت میں حسب ذیل طریق سے بیان کیا گیا ہے۔ جو حقائق واقعیہ سے زیادہ قریب نظر آتا ہے۔ "زیاد بن ابیہ (رک باک) نے اس سے فرمائش کی وہ نحو کے باب میں جو اصول حضرت علیؓ سے سیکھ چکا ہے۔ اس کو قید کتابت میں لے آئے۔ ابوالاسود نے اس میں تأمل کیا اور والی (زیاد) سے کہا کہ اس کام سے مجھے معذور رکھا جائے' لیکن بعد میں اس نے اتفاق سے کسی کو تلاوت قرآن میں ایسی غلطی کرتے ہوئے سنا جس سے مطلب ہی غلط ہو تا تھا تو اس نے اس کام کو انجام دینے کی حامی بھر لی۔ اس نے ایک کاتب کو قرآن مجید املا کرانے کیلئے بلوایا اور کہا:

"جب تم دیکھو کہ کسی حرف کو زبان سے ادا کرتے وقت میں اپنا منہ پوری طرح کھولتا ہوں (فتح) تو اپنی تحریر میں

اس کے اوپر نقطہ لگادو۔ جب دیکھو کہ منہ کو آدھا کھلا، آدھا بند رہنے دیتا ہوں (کسرہ) تو اس حرف کے نیچے نقطہ لگادو۔"

اس روایت کے مطابق حرکات کی ایجاد کی ابتداء ابو الاسود سے ثابت ہوتی ہے۔ اسی مسئلے کی بابت ایک اور روایت میں آیا ہے کہ کسی نو مسلم موالی نے ابو الاسود کی موجودگی میں اعراب کی کوئی غلطی کی۔ جس پر اس کے گھر والوں میں سے کوئی ہنس پڑا۔ ابو الاسود نے کہا "یہ موالی ہیں جو اسلام سے شغف رکھتے ہیں اور اسے قبول کر کے ہمارے بھائی بن چکے ہیں انکی خاطر عربی زبان کے قواعد مرتب کر دیئے جائیں تو کیسا رہے؟ چنانچہ اس نے فاعل و مفعول سے متعلق ایک باب قلمبند کیا، ان روایات میں کم از کم اتنی بات ضرور ہے کہ ان کا وقوع اغلب معلوم ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ عجمیوں کے اسلام لانے سے اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ خالص عربی زبان غیر ملکی عناصر کے اختلاط سے کہیں بگڑ نہ جائے۔ ساتھ ہی ایک تقاضا یہ بھی تھا کہ قرآن مجید کی قرأت بلند آواز سے ہو اور اس میں غلطی بھی نہ ہونے پائے اور معانی بھی ٹھیک سمجھ میں آئیں۔ ان وجوہ سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مقدس کتاب کی زبان کے متعلق باقاعدہ تحقیق ہو اور اس کے قواعد کو منضبط کر لیا جائے تاکہ وہ لوگ اس زبان سے واقف نہیں وہ ان قواعد سے رہبری حاصل کر سکیں۔ ۳۵۴۔

تعلیم و تعلّم اور تالیفات

سیرانی کی مذکورہ کتاب اور نزہۃ الالباء دونوں میں ابو عبیدہ معمر المثنی کا یہ قول مذکور ہے:

"لوگ ابو الاسود کے پاس عربیت سیکھنے آیا کرتے اور ان کے تلامذہ میں سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والے میمون الاقرن تھے۔ پھر ان (میمون) سے لوگوں نے علم الوہیہ حاصل کیا اور ان کے شاگردوں میں سب سے زیادہ باکمال عبداللہ بن ابی اسحاق الحضرمی نکلے۔"

اور ایک دوسری سند سے جو ابو عبیدہ تک پہنچی ہے، سیرفی ابو عبیدہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"سب سے پہلے جس نے عربی قواعد وضع کئے وہ ابو الاسود دوکلی ہیں پھر میمون الاقرن پھر عنبۃ الفیل پھر عبداللہ بن ابی اسحاق"

تو اس بیان میں میمون عنبہ سے پہلے آتے ہیں اور اس سے پہلے بیان میں عنبہ پہلے ہیں میمون سے۔

نیز سیرافی کی محولہ بالا کتاب میں مذکور ہے کہ:

"ابو الاسود سے ایک جماعت نے یہ علم حاصل کیا، جن میں یحییٰ بن یعمر بھی ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نصر بن عاصم نے بھی ابو الاسود سے یہ علم حاصل کیا تھا۔" ۳۵۵۔

عبداللہ بن اسحاق کے معاصرین میں فن نحو کے دو مشہور آئمہ تھے، ایک تو عیسیٰ بن عمر الثقفی ۵۔ اور دوسرے ابو عمر بن العلاء ۵۔ اور عیسیٰ بن عمر سے علم النحو کے مشہور امام خلیل بن احمد ۵۔ نے یہ علم حاصل کیا اور ابو عمرو بن العلاء کے تلامذہ میں سے مشہور نحوی یونس بن حبیب ۵۔ ہیں۔

عیسیٰ بن عمر کی دو کتابیں بھی فن نحو میں ہیں: ایک کا نام جامع ہے اور دوسری کا اکمال۔ ان دونوں کتابوں کا اس علم میں کیا مقام ہے اس کا اندازہ۔ خلیل بن احمد کے ان اشعار سے ہو سکتا ہے:

بطل النحو جميعا کله
غير ما احدث عيسیٰ بن عمر
ذاك اكمال و هذا جامع
.فهما للناس شمس و قمر۵۔

اور خلیل اور یونس اور عیسیٰ بن عمر تینوں کے علوم سیبویہ میں جمع ہو گئے جن کا نام عمرو بن عثمان تھا۔"۳۵۶۔
سیبویہ کے علمی مرتبہ اور انکی کتاب کی عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابن خلکان ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"سارے متقدمین و متاخرین میں علم نحو کے سب سے بڑے عالم تھے اور اس فن میں ان کی کتاب جیسی کوئی کتاب تالیف نہیں کی گئی۔"

اور جاحظ جیسے فن ادب کے امام نے ایک دن سیبویہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

"فن نحو میں ان (سیبویہ) کی کتاب جیسی کسی نے بھی کوئی کتاب نہیں تالیف کی اور تمام لوگوں کی کتابیں اس کی عیال (اولاد) ہیں۔"

اور یہ کتاب سیبویہ کی جلالت شان ہی تو ہے کہ علمائے نحو اپنی کتابوں میں جہاں کہیں یوں کہتے ہیں کہ قال فی الکتاب تو مراد یہی کتاب سیبویہ ہوتی ہے۔ ۳۵۷۔

پھر اسکے بعد اس علم میں تالیفات کا سلسلہ چل پڑا اور بکثرت تالیفات ہوئیں۔

اسلام کے بعد تحریر کی حالت

اسلام آیا تو قریشیوں 'مدینہ والوں اور یہودی تاجروں میں صرف دس سے کچھ اوپر لکھنا جاننے والے تھے۔ جب اللہ نے بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کو قریش پر فتحیاب کیا اور ان کے کچھ لکھنا جاننے والے قید ہو کر آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان قیدیوں کے فدیہ میں یہ شرط منظور کرلی کہ ان میں سے ہر ایک دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھا کر رہائی حاصل کرے اور اس طرح مدینہ والوں میں لکھنے والوں کی کثرت ہو گئی۔

پھر آنحضرت ﷺ کے حکم کی تابعداری اور قرآن لکھنے کا شوق نیز دفاتر میں جگہ حاصل کرنے کی لالچ سے عربوں میں لکھائی کا رواج عام ہو گیا اور ان کے ساتھ تمام مفتوحہ علاقوں میں پھیلتا چلا گیا۔

پہلے پہل عربی تحریر حرکات اور نقطوں سے خالی ہوتی تھی۔ جس کی وجہ سے غلطیاں بہت زیادہ ہونے لگیں اور قرآن میں بھی غلطیوں کا خطرہ ہونے لگا۔

چنانچہ ابو الاسود نے معاویہؓ کے زمانہ میں قرآن کے لفظوں کے آخری حروف کو اعراب ظاہر کرنے کے لئے نقطوں کا ذریعہ ضبط کیا۔

انہوں نے "زبر" کی علامت حرف کے اوپر نقطہ' "زیر" علامت حرف کے نیچے نقطہ اور "پیش" کی علامت حرف کے سامنے نقطہ رکھی۔ پھر لوگوں نے ان نقطوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ مگر ان نقطوں کیلئے وہ تحریر کے مخالف

رنگ کی روشنائی استعمال کرتے تھے۔ پھر جب خط کی شکلیں بدلنے لگیں اور حروف باہم مشابہ ہونے لگے "ج' ح' د' ذ' س' ش" میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا تو حجاج ابوالاسود کے دو شاگردوں نصر بن عاصم اور یحیٰ بن یعمر کو حکم دیا اور انہوں نے حروف کی شناخت میں سہولت کیلئے نقطے بھی اسی روشنائی سے لکھنے کا طریقہ نکالا۔ جس سے عبارت لکھی جاتی تھی۔ پھر ان کے بعد خلیل بن احمد آئے اور انہوں نے حرکات کے نشانات یہ مشہور طریقہ نکالا جس کو ابوالاسود کے نقطوں کی سی مقبولیت حاصل ہوئی۔" ۳۵۷۔

عہد بنو امیہ میں علوم کی حالت

اموی عہد میں ابھی تک عربوں کی طبیعتیں علوم کے لئے تیار نہیں ہوئی تھیں نہ ان کی عقلیں علوم میں غور وبحث کے لئے پختہ ہوئیں تھیں۔ بلکہ جذبات دین' مشاغل فتوحات اور ادبی رجحانات نے ان کی تمام توجہات اپنی طرف مشغول کر رکھی تھی۔ جب لسانی غلطیوں نے ان کو بہت زیادہ پریشان کیا اور عجمیت ہر سمت سے ان پر حملہ آور ہو گئی۔ قسم قسم کے مقدمات آنے لگے۔ تو انہوں نے قرآن کو ضبط کرنے کے لئے نحو' اس کے حل مشکلات کیلئے تفسیر' اس سے استنباط احکام کے لئے فقہ مرتب کی۔ حدیث کے تلف ہونے یا اس میں وضعی احادیث ملنے کے خطرہ کی وجہ سے انہوں نے احادیث کو مدون کیا۔

معاویہؓ کی تجربہ کاری اور ان کے بعد آنے والے خلفاء کی حکمت عملی کا تقاضا ہوا کہ وہ اپنی حکومت کو قوت پہنچانے اور اپنے اقتدار کو جمانے کیلئے ماضی کے تجربوں اور پیش رو حاکموں کے سوانح و وقائع سے مدد حاصل کریں۔

چنانچہ عبید بن شریہ نے معاویہ کے لئے "کتاب الملوک واخبار الماضین" تصنیف کی۔ دیگر مصنفین نے بھی اسی قسم کی کچھ کتابیں تصنیف کیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ہم تک نہیں پہنچی۔ رہا غیر ملکی زبانوں سے ترجمہ' سو اسی عہد میں اس کا کسی نے اہتمام نہیں کیا۔

البتہ خالد بن یزید' معاویہ کے پوتے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حکومت میں ناکامی کے بعد علوم کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس نے اسکندریہ کے مدرسہ سے ایک جماعت کو بلوایا جنہوں نے اسے علم کیمیاء سکھایا اور اس سلسلہ میں اس کے لئے کچھ ترجمے بھی کئے۔ الغرض اسی دور کے متعلق مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ادب جاہلیت پک کر تیار ہوا۔ علوم اسلامیہ نے نشوونما پائی اور غیر ملکی علوم کے تراجم کی ابتداء ہوئی۔ ۳۵۸۔

تاریخ ومغازی

سیرۃ

لفظ دراصل سار یسیر' سیراً و مسیراً سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہیں: جانا' روانہ ہونا' چلنا' طریقہ و مذہب' سنت' ہیئت' حالت' کردار' کہانی' پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات کا بیان' خصوصیت سے نبی اکرم ﷺ کے مغازی کے بیان اور بعد میں' آنحضرت ﷺ کے طریقے کا بیان جو غیر مسلموں کے ساتھ جنگ (اور صلح) میں آپؐ نے روا رکھا اور آخری صورت میں آپؐ کے تمام حالات کا بیان بہ معنی سوانح عمری' بیوگرافی۔" ۳۵۹۔

یہ لفظ قرآن عظیم میں بھی بہ معنی (ہیئت وحالت آیا ہے)

سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ۔[360]

لسان العرب میں اس کے معنی و مفہوم یوں بیان کئے گئے ہیں:

سیر : السیر: الذھاب، سار یسیر، سیراً و مسیرا و تسیاراً و مسیرہ، وسیرورۃ، الأخیرۃ عن اللحیانی، و تسیارًا یدھب بھذا الاخیرۃ الی الکثرۃ۔

والسیرہ : الضوب من السیر، والسیرۃ الکثیرالسیر، ھذہ عن ابن جنی والسیرۃ السنۃ، وقد سارت و سیرتھا، والسیرۃ: والاستیار: الامتیاز۔

الصحاح میں اس کے معنی و مفہوم یوں بیان کئے گئے ہیں:

المادۃ سیر

سار یسیر سیراً و مسیرا و تسیاراً

یقال : بارك الله لك فی مسیرك ، أی سیرك و ھو شاذ لأن قیاس المصدر من فصل یفعل مفعل بالفتح۔

والسیرۃ: الطریقۃ یعال ساربھم سیرۃ حسنۃ۔

والسیرۃ ألفیا : المیرۃ ۔ والاستیار الامتیاز۔[361]

دائرہ معارف اردو

سیرۃ:- لفظ دراصل سار یسیر سیرا و مسیرا سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہیں: (۱) جانا، روانہ ہونا (۲) طریقہ و مذہب ۳۔ سنت (۴) ہیئت (۵) حالت (۶) کردار (۷) کہانی، پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات کا بیان (۸) خصوصیت سے نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے مغازی کے بیان اور بعد میں (۹) آنحضرتؐ کے طریقے کا بیان جو غیر مسلموں کیساتھ جنگ (اور صلح) میں آپ نے روا رکھا اور آخری صورت میں آپؐ کے تمام حالات کا بیان بہ معنی سوانح عمری = بیو گرافی۔

یہ لفظ قرآن عظیم میں بھی (بہ معنی "ہیئت وحالت") آیا ہے:[359]

سنعیدھا سیرتھا الأولیٰ ۔ (۲۰:طہٰ)[362]

لسان العرب

سیر : السیر : الذھاب، سار یسیرا ، سیراً و مسیرا و تسیاراً و مسیرۃ و سیرورۃ، الأخیرۃ عن اللحیانی، و تسیارا یدھب بھذا الأخیرۃ الی الکثرۃ۔

والسيرة: الضرب من السير- و السُّيَرَة : الكثير السير' هذا عن ابن جنی والسيرة: السنة' وقد سارت و سرتُها-

والسيرة : وقد سارت و سرتُها- والسيرة : الميرة- والدستيار : الامیتار- [۳۶۱]

تاریخ و مغازی

سیرۃ: سار یسیر سیرا (چلنا پھرنا) سے ہے- لغوی طور سے اس لفظ کے کئی معنی ہیں- روش' طریقہ' شکل و صورت' ہیئت- اس کا اطلاق اصطلاحی طور سے آنحضرت ﷺ کے واقعات زندگی (سوانح) پر ہوتا رہا اور اب بھی اس کا خصوصی مفہوم یہی ہے-

سیرۃ کی اولین کتابیں مغازی کہلائیں' چنانچہ ابن اسحٰق کی کتاب کو "مغازی" بھی کہتے ہیں اور "سیرۃ" بھی' مگر ابن ہشام کی کتاب کو "سیرۃ" ہی کہا جاتا ہے-

کتب حدیث و فقہ میں کتاب "الجہاد والسیرۃ" کے عنوان سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد لئے جاتے ہیں-

غیر مسلموں اور دوسری غیر مسلم اقوام و افراد سے امن و جنگ کے زمانے کے احکام بھی سیر کہلاتے ہیں- بعد میں سیرۃ میں غزوات کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے عام حالات زندگی بھی شامل ہو گئے-

سیرۃ اور حدیث میں فرق

سیرت اور حدیث میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر میں ربط و ترتیب کا اہتمام کیا جاتا ہے- لیکن حدیث میں آپؐ کے حالات موجود ہونے کے باوجود سیرۃ کی طرح کی ترتیب لازمی نہیں- بایں ہمہ سیرۃ کا مستند تر مواد حدیث ہی میں ہے- اگرچہ بعض اوقات سیرۃ (خصوصاً مغازی) والوں نے روایات کے بارے میں پوری احتیاط نہیں برتی- اسی وجہ سے حدیث کی روایت کا درجہ سیرۃ کی روائتوں سے بلند تر ہے-

قرآن مجید کے بعد آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری کا قطعی مأخذ حدیث ہی ہے- حدیث کا دائرہ وسیع تر اور اس کی غایت مختلف ہے- اسی سبب سے محدثین اور ارباب سیر کو دو الگ الگ گروہ خیال کیا جاتا ہے- رفتہ رفتہ سیرۃ کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی گئی اور اس لفظ کے مفہوم میں آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے اہم رجال و ابطال کے سوانحی (حقیقی یا افسانوی) حالات شامل ہو گئے-

بعض بادشاہوں کی سوانح عمریوں یا بعض افسانوی ابطال کی معرکہ آرائیوں کے لئے بھی سیرۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے- مثلاً سیرۃ صلاح الدین' سیرۃ عنتر اور سیرۃ سیف بن ذی یزن' سیرت کے لئے قدیم زمانے میں لفظ تاریخ بھی استعمال ہوا ہے- مثلاً امام بخاری کی "تاریخ صغیر و کبیر" السخاوی نے "الاعلان بالتوبیخ" میں سوانح عمریوں (انفرادی و اجتماعی) کو تاریخ کے تحت درج کیا ہے-

جدید دور میں (خاص طور سے اردو میں) سیرۃ کا لفظ صحابہ کرام، علماء اور دیگر اہم اشخاص کی سوانح عمر کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ مثلاً سیرۃ الصحابہ، سیرۃ عائشہؓ، سیرۃ ابن تیمیہؒ وغیرہ۔ ۳۶۳ے

تصنیف و تالیف کی ابتداء سلطنت کی وجہ سے ہوئی

صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں اگرچہ فقہ وحدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی۔ بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے۔ لیکن جو کچھ تھا زیادہ تر زبانی تھا۔ لیکن بنوامیہ نے حکماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔

قاضی ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے

"كنا نكره كتاب العلم حتى اكرهنا عليه هولاء الامراء۔ ۳۶۴ے

ترجمہ:۔ ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امراء نے ہم کو مجبور کیا۔

سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے عبدالملک بن مروان نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ ہر فن میں علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ سعید بن جبیر جو اعلم العلماء تھے۔ ان کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں۔ چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب شاہی میں رکھی گئی۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے۔ ان ہی کی تفسیر ہے۔ عطاء کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آگیا تھا۔" ۳۶۵ے

"حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانہ آیا تو انہوں نے تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی دی، تمام ممالک میں حکم بھیج دیا کہ احادیث نبویؐ مدون اور قلمبند کی جائیں۔ سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ ان سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے۔ ۳۶۶ے

خلاصہ ابن عبدالبر "جامع بیان العلم" میں لکھتے ہیں:

عن سعد بن ابراہیم قال امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السُنن فکتبناھا دفتراً دفتراً الی کل ارض اہ علیھا سلطان دفترا۔ ۳۶۷ے

"سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر کے دفتر لکھے' عمرؒ نے جہاں جہاں ان کی حکومت تھی ایک دفتر بھیج دیا۔"

"ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدث امام زہری کے استاد اور مدینہ کے قاضی تھے۔ ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا۔" ۳۶۸ے

حضرت عائشہؓ کی روایتیں

حدیث میں حضرت عائشہؓ کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے یعنی ان سے اکثر وہ حدیثیں مروی ہیں جو عقائد یا فقہ کے مہمات مسائل ہیں۔ اس لئے عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کی روایتوں کے ساتھ زیادہ اعتناء کیا۔ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن ایک خاتون تھیں۔ ان کو حضرت عائشہؓ نے خاص اپنے آغوش تربیت میں پالا تھا۔ وہ بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں۔ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی مرویات کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرۃ کے مسائل اور روایات قلمبند کر کے بھیج دیں۔ ۳۶۹ے

مغازی پر خاص توجہ

اب تک مغازی و سیر کے ساتھ اعتناء نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی اور حکم دیا کہ غزوات نبویؐ کا خاص حلقہ درس قائم کیا جائے۔ "عاصم بن قتادہ انصاری المتوفی ۱۲۱ھ اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے۔ ان کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں۔"
۳۷۰۔

اسی زمانہ میں امام زہریؒ نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے۔ یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔ امام زہریؒ اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ امام بخاریؒ کے شیخ الشیوخ ہیں۔ انہوں نے حدیث و روایت کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے' جوان' بوڑھے' عورت' مرد جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جاکر آنحضرت ﷺ کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے۔ وہ نسبتاً قریشی تھے۔ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے' بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا۔ ۸۰ھ میں عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے اس نے بہت قدر و منزلت کی۔

کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ہدایت کے موافق لکھی۔ یہ خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔ ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

امام زہریؒ کے تلامذہ

امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا۔ ان کے حلقہ درس سے اکثر لوگ نکلے جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ ان سے یعقوب بن ابراہیم' محمد بن صالح تمار' عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز فن مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف "صاحب المغازی" لکھا جاتا تھا۔ زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ "موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق۔

موسیٰ بن عقبہ خاندان زبیر کے غلام تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا تھا' فن حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں۔ امام مالک ان کے نہایت مداح تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو۔ ان کے مغازی کے جو خصوصیات ہیں یہ ہیں: ۳۷۱۔

۱۔ مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے انہوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا۔

۲۔ عام مصنفین کا یہ مذاق رہا کہ کثرت سے واقعات نقل کئے جائیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں آجاتی تھیں۔ موسیٰ نے احتیاط کی اور صرف وہی روایتیں لیں جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے مختصر ہے۔

۳۔ چونکہ روایت حدیث کے لئے کسی عمر کی قید نہ تھی۔ اس لئے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقہ درس میں

شامل ہو جاتے تھے اور حدیثیں سن کر لوگوں سے روایت کرتے تھے۔ لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے اکثر روائتوں میں تغیر اور اختلاط ہو جاتا تھا۔ موسیٰ نے خلاف اور لوگوں کے کبر سن میں اس فن کو سیکھا تھا۔ ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں لیکن ایک مدت تک شائع وذرائع رہی اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں۔

محمد بن اسحاق اور سیرت

محمد بن اسحٰق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہوئے۔ شہرت عام میں اگرچہ واقدی کی لغو بیانی مسلمہ عام ہے اور اس لئے ان کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے۔ محمد بن اسحٰق تابعی ہیں۔ ایک صحابی (حضرت انسؓ) کو دیکھا تھا، علم حدیث میں کمال تھا۔ امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے لیکن محمد بن اسحٰق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔ ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے۔

امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں۔ لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں۔ امام بخاریؒ نے صحیح میں ان کی روایت نہیں لی۔ لیکن جزر القرءۃ میں ان سے روایت کی ہے۔ تاریخ میں تو اکثر واقعات ان ہی سے ملتے ہیں۔ ۳۷۲

فن مغازی کو انہوں نے اس قدر ترقی دی اور اس قدر دلچسپ بنادیا کہ خلفائے عباسیہ جو زیادہ تر اور قسم تصنیفات کا مذاق رکھتے تھے ان میں مغازی کا مذاق بھی پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ابن عدی نے اس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے۔ ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"اس فن میں تصنیف ان کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہنچتی۔" ۳۷۳

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات انہوں نے یہودیوں سے سنے ہوں گے۔ اس لئے ان پر پورا اعتماد نہیں ہوتا۔

علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے۔ ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

محمد بن اسحٰق کی کتاب کثرت سے پھیلی اور بڑے بڑے مشہور محدثوں نے اس کے نسخے مرتب کیے۔ اسی کتاب کو ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے۔ اس لئے آج اس کی جو یادگار موجود ہے وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔" ۳۷۴

ابن ہشام کا نام عبدالملک ہے وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مورخ تھے۔ حمیر کے قبیلہ سے تھے اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ انہوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں انکی تفسیر بھی لکھی۔ ۲۱۳ھ یا ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔

سیرت ابن اسحٰق کی مقبولیت کی بناء پر لوگوں نے اس کو نظم کیا۔ چنانچہ ابو نصر فتح بن موسیٰ خضراوی (المتوفی

۶۲۳ھ و عبدالعزیز بن احمد المعروف سعدویری (المتوفی فی حدود ۶۰۷ھ) وابو اسحاق انصاری تلمسانی' و فتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید (المتوفی ۷۹۳ھ) میں منظوم کیا۔ اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں اور اس کا فتح الغریب فی سیرۃ الحبیب ہے۔"

ابن سعد اور سیرت

واقدی خود تو قابل ذکر نہیں۔ لیکن ان کے تلامذہ خاص میں سے ابن سعد نے آنخضرت ﷺ اور صحابہؓ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا۔ ابن سعد مشہور محدث ہیں۔ محدثین نے عموماً لکھا کہ گو ان کے استاد (واقدی) قابل اعتبار نہیں' لیکن وہ خود قابل سند ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں:

"کان من اهل العلم والفضل والفهم والعدالة ف كتابا كبيرا فى طبقات الصحابة والتابعين الى وقته فاجادفيه وا حسن۔"

یہ موالی بنی ہاشم تھے' بصرہ میں پیدا ہوئے لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی۔ بلاذری جو مشہور مورخ ہیں۔ انہی کے شاگرد ہیں۔ ۲۳۰ھ میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

ان کی کتاب کا نام طبقات ہے۔ ۱۲ جلدوں میں ہے دو جلدیں خاص آنخضرت ﷺ کے حالات میں ہیں اور یہ صحاح دراصل سیرت نبویؐ ہے۔ باقی جلدیں صحابہؓ (و تابعین) کے حالات میں ہیں اور چونکہ صحابہؓ کے حالات میں ہر جگہ آنخضرت ﷺ کا ذکر آتا ہے۔ اس لئے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے۔ یہ کتاب تقریباً ناپید ہو چکی تھی۔ یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا۔ شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا۔ چنانچہ لاکھ روپے حبیب خاص سے دیئے اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزاء فراہم کر کے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ' مصر اور یورپ جا کر جا بجا سے تمام جلدیں بہم پہنچائیں۔ یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن (ہالینڈ) میں چھپ کر شائع ہوا۔

اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے۔ لیکن چونکہ تمام روائتیں بہ سند مذکور ہیں۔ اس لئے واقدی کی روائتیں بہ آسانی الگ کر دی جا سکتی ہیں۔ اس زمانہ میں سیرت پر اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں ان کے مذکور ہیں۔ لیکن چونکہ نام کے سوا ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں' نہ ان کا آج وجود ہے اس لئے ہم ان کے نام نظر انداز کرتے ہیں۔ ۳۷۵۔

تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری

سیرت کے سلسلہ سے الگ تاریخی تصنیفات ہیں۔ ان میں سے جو محدثانہ طریقہ یعنی جن میں روائتیں بہ سند مذکور ہیں۔ ان میں آنخضرت ﷺ کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی دراصل سیرت نبویؐ ہے۔ ان میں سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونوں تاریخیں ہیں۔ لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں۔ تاریخ صغیر چھپ گئی ہے۔ اس

میں سیرت نبویؐ کا حصہ کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں یعنی صرف ۱۵ صفحے ہیں اور ان میں بھی کوئی ترتیب نہیں۔ کبیر البتہ بڑی ہے۔ میں نے اس کا نسخہ جامع ایا صوفیہ میں دیکھا تھا۔ لیکن سوانح نبویؐ اس میں بہت کم ہیں اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہیں۔

امام طبری اور سیرت

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی "تاریخ کبیر" ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے مفصل و کمال، وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر حسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔ ۳۱۰ھ میں وفات پائی۔

بعض محدثین (سلیمانی) نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ:

"یہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔

لیکن علامہ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں لکھا ہے:

"هذا رجم بالظن الكاذب ابن جرير من كبائر المة الاسلام المعتمدين۔"

"یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔"

علامہ ذہبی نے اسی موقع پر لکھا ہے کہ:

"ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں، تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر" ابن خلدون" ابو الفداء وغیرہ ان ہی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات میں ہیں۔"

یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔ جو لوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہیں ان کا اور ان کی تصنیفات کا ایک مختصر نقشہ ہم اس درج کرتے ہیں۔

امام زھریؒ

اسی زمانے میں امام زھریؒ نے سیرت کی پہلی کتاب تصنیف کی۔ الزھری اس زمانے کے اعظم العلماء تھے اور حدیث و فقہ میں ان کا جواب نہ تھا۔ وہ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔ انہوں نے روایت حدیث میں حد درجے محنت اٹھائی۔ وہ نسباً قریشی تھے اور انہوں نے بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی ہدایت کے مطابق کتاب المغازی لکھی اور ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

امام زھری کی وجہ سے سیرت مغازی کا عام ذوق پیدا ہو گیا۔ ان کے تلامذہ میں سے یعقوب ابن ابراہیم' محمد بن صالح تمار اور عبدالرحمٰن ابن العزیز بالخصوص قابل ذکر ہیں اور کتب رجال مثلاً (تہذیب التہذیب) میں ان کا امتیازی وصف "صاحب المغازی" لکھا جاتا ہے۔ ان کے تلامذہ میں سے جن دو شخصوں نے اس فن میں انتہائی شہرت حاصل کی اور انہیں پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوا۔ وہ موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق تھے۔ موسیٰ بن عقبہ الاسدی المدنیؒ ۱۴۱ھ موسیٰ خاندان زبیر کے غلام تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا تھا۔ اس لئے وہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ امام مالک جو ان کے شاگرد تھے۔ اکثر لوگوں کو ترغیب دیا کرتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو۔ ان کے کتاب مندرجہ ذیل خصوصیات

کی حامل تھی:

(۱) مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے بڑی حد تک اس کا التزام کیا۔

(۲) عام مصنفین سیرت زیادہ سے زیادہ واقعات قلمبند کرنے کے مشتاق تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ہر قسم کی رطب ویابس روایتیں آجاتیں۔ موسیٰ نے اپنی کتاب میں صرف صحیح روایات کو جگہ دی۔ اسی لئے ان کی کتاب دیگر کتب سیرت کے مقابلے میں مختصر ہے۔

(۳) اکثر لوگ بچپن میں ہی حدیثیں سن کر روایت کرنے لگتے تھے۔ اس لئے روایتوں میں تغیر اور اختلاط ہو جاتا تھا۔ خلاف ازیں موسیٰ نے کبر سن میں اس فن کو سیکھا تھا' اسی لئے ان کی روایات صحت سے قریب تر ہیں۔ موسیٰ کی کتاب کے حوالے سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں آتے ہیں مگر یہ کتاب آج کہیں موجود نہیں۔

امام زہریؒ کے دوسرے شاگرد محمد بن اسحٰق بن یسار المطلبی (م ۱۵۱ھ) ہیں۔ یہ "امام فن مغازی" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ابن اسحٰق تابعی ہیں کیونکہ انہوں نے مشہور صحابیؓ کو دیکھا تھا۔ امام زہریؒ کے دروازے پر دربان مقرر تھا' لیکن محمد بن اسحٰق کو اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔ ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ ان کے سخت مخالف تھے۔ لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں مستند ہیں۔ فن مغازی کو انہوں نے اس قدر ترقی دی کہ خلفائے عباسیہ میں بھی مغازی کا ذوق پیدا ہو گیا۔ ابن عدی نے لکھا ہے کہ اس فن میں کوئی تصنیف ان کے کتاب کے رتبے کو نہیں پہنچی۔ محمد بن اسحٰق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانہ میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا۔ محمد اسحٰق کی کتاب نے بڑی شہرت حاصل کی۔ اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح کر کے اضافے کے ساتھ مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔

علم کیمیاء

علم کیمیاء عصور قدیمہ میں

علم کیمیاء کا وجود ۳۰۰۰ ق۔م میں قدیم مصری اقوام میں ملتا ہے۔ جس کے ذریعے کاہن اپنی عبادت گاہوں میں کیمیاوی عمل کے ذریعے قیمتی معاون' شیشہ' رنگ' ادویہ' حنوں کے لئے مواد اور عطر وغیرہ تیار کرتے تھے۔" ۳۸۳۔

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ:

"پہلا شخص جس نے علم کیمیاء پر گفتگو کی بابل کا ہرمس الحکیم تھا جو مصر منتقل ہو گیا تھا۔ اس نے علم کیمیاء پر کتابیں لکھیں تھیں۔" ۳۸۴۔

ٹیلر لکھتا ہے کہ:

"اکسیر ۳۸۵۔ کا ذکر ۱۰۰۰ ق۔م کے ہندی ادب میں موجود ہے ۳۸۶۔ جو عین ممکن ہے چین سے منتقل ہوا ہو۔ کیونکہ چینی ۴۰۰۰ ق۔م سے عام معاون کو قیمتی معدنیات میں تبدیل کرنے کے تجربات کرتے تھے اور وہ ایک ایسی اکسیر کی تلاش میں تھے جو حیات انسانی کو طول دے سکے۔" ۳۸۷۔

یونانی سائنس تجربہ کی بہ نسبت نظری ابحاث پر زیادہ مشتمل تھی۔ جب کہ کیمیاء کا تمام تر دارومدار تجربہ پر ہے۔ اس لئے ان کے ہاں صنعت کیمیاء کی کوئی نمایاں کوشش نظر نہیں آتی۔ البتہ جب یونانی سائنس اسکندریہ میں منتقل ہوئی تو وہاں علم کیمیاء نشوونما پانے لگا اور وہاں کے سائنس دانوں کا یہ خیال تھا کہ وہ عام دھاتوں کو سونے اور چاندی میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ ۳۸۸۔

قدیم کتب کیمیاء ایسے رموز و طلسمات سے بھری ہوئی ہیں جن کو معاون خسیسہ کے سونے اور چاندی میں تبدیل کرنے کے لئے تبدیل کرنے کے لئے استعمال میں لانے کی ہدایات درج ہیں لیکن یہ کوئی علمی بنیاد نہیں ہے۔ ۳۸۹۔

جب رومیوں کو اقتدار حاصل ہوا تو بعض حکمرانوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ کیمیادان اپنے فن کی بدولت بہت مال و دولت جمع کر کے اقتدار پر قابض ہونے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ دیوقلیدس نے ۲۹۰ء میں علماء کیمیاء کو جلاوطن کرنے اور ان کی کتابیں جلادینے کے احکامات جاری کئے۔ نتیجۃً کئی افراد شام اور عراق کے مختلف علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے اور خفیہ طور پر کیمیاوی تجربات کرتے رہے۔ فتح اسلامی (۲۱ھ / ۶۴۲ء) تک مصر میں مدرسہ اسکندریہ کی شہرت باقی تھی ۳۹۰۔ اور مسلمانوں نے اسی سرچشمہ سے اکتساب کیا۔ ۳۹۱۔

کیمیائے عرب

عرب میں سب سے پہلے خالد بن یزید (م ۸۵ھ / ۷۰۴ء) نے مصر کے طبیب اصطفن سے کیمیاء کی کتابوں کا ترجمہ کرایا اور خود علم کیمیاء میں چار کتابیں:

۱۔ کتاب الحرارت

۲۔ کتاب الصحیفۃ الکبیر

۳۔ کتاب الصحیفۃ الصغیر

۴۔ کتاب وصیۃ الی ابنہ فی الصنعۃ۔ ۳۹۲۔

عربوں کی علم کیمیاء کی تاریخ کے دو ابواب ہیں۔

"پہلا وہ حصہ ہے جس میں انہوں نے اسکندریہ کے کیمیادانوں کی کتابوں کے تراجم کیے اور دوسرا حصہ ان کی اپنی ایجادات و اختراعات کا ہے۔ جو اس قدر اہم ہے کہ گمن اور سنگر نے علم کیمیاء کو اپنی اصلیت اور ارتقاء کے اعتبار سے عربوں کی ایجاد قرار دیا ہے۔" ۳۹۳۔

مسلم کیمیاء دانوں نے علم کیمیاء کو توہم پرستانہ افکار اور جادو ٹونے سے نکال کر خالص سائنسی علوم کی صف میں لا کھڑا کیا۔ ۳۹۴۔

کم قیمت دھاتوں کو سونے چاندی میں تبدیل کرنے کی امکانیت پر عربوں میں دو متضاد آراء ملتی ہیں۔ ایک گروہ میں یعقوب الکندی اور ابن سینا شامل ہیں اسے ناممکن سمجھتے ہیں۔ جب کہ دوسرا گروہ جن میں جابر بن حیان، ابوبکر زکریا الرازی، مسلمہ بن المجریطی اور ابن بشرون اندلسی وغیرھم شامل ہیں نہ صرف اس کے امکان کے قائل ہیں بلکہ انہوں نے اس کے اثبات میں دلائل دیتے ہیں اول الذکر گروہ کے رد میں کتابیں لکھی ہیں۔ ۳۹۵۔

کیمیاء

عربی میں کیمیاء دراصل کوئی مجرد تصور ہی نہیں بلکہ اس سے مادی شے مراد ہے۔ یعنی یہ وہ ذریعہ ہے جس سے فلزات کا استحالہ ظہور میں آتا ہے۔

اس لئے اسے اکسیر کے مترادف قرار دیا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ لفظ "کَمْ اِتْ" یا "کِمْ اِتْ" (سیاہ) سے مشتق تصور کیا جاتا ہے۔

یہ لفظ پگھلی ہوئی دھات سے ماخوذ ہے۔

مفاتیح العلوم کے مطابق یہ "کَمَی" (چھپانا) سے مشتق ہے۔

الصفدی کا قول ہے کہ یہ عبرانی سے لیا گیا ہے اور "کِیْم" اور "یَہ" کا مرکب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس لفظ کے معنی یہ ہیں کہ علم خدا سے حاصل ہوا ہے۔

لہٰذا کیمیا کے یہ معنی بھی ہو گئے کہ یہ ایک طریقہ ہے جس سے کوئی شخص کوئی چیز حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ مثلاً کیمیاء السعادۃ، کیمیاء الغذاء، کیمیاء القلوب میں اس سے وہ ذریعہ مراد ہے جس سے دولت یا نفع حاصل ہو یا دلوں پر اثر ہو سکے۔[۳۹۶]

اس مفہوم میں یہ لفظ عرب صوفیہ کی متعدد تصانیف کے عنوانات میں ملتا ہے۔ الکیمیاء خود صعۃ الکیمیاء، صعۃ الاکسیر، علم الصباعۃ، الحکمۃ یا مختصر اکیمیا یا الصعۃ کے ناموں سے موسوم ہے۔ ان کے علاوہ علم الجبر یا علم المفتاح بھی اس کے نام ہیں۔ علم المیزان یا علم الموازین کے نام بھی اس کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

چنانچہ جابر بن حیان کی ایک کتاب جو بہت متداول ہے اس علم کی اولین کتب میں شامل ہے۔ "کتاب الموازین" کے نام سے موسوم ہے۔[۳۹۷]

الجلدکی (م نواح ۱۳۵۰ء) نے بھی جو سربرآوردہ کیمیا دانوں کے آخری طبقے میں سے تھا علم المیزان پر ایک کتاب لکھی تھی۔

کیمیا کا یہ نام "علم المیزان" اس لئے نہیں رکھا گیا کہ اس میں ترازو استعمال کی جاتی ہے۔ بلکہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس علم کے مسائل میں عالم سفلی کے صحیح پیمانوں اور تناسبات، عناصر کے خواص کے باہمی تعلقات پر غور و بحث کی جاتی ہے۔ حسب دلخواہ نتائج صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ صحیح توازن قائم کر دیا جائے۔ جس طرح جسم اسی صورت میں چاق و چوبند ہو سکتا ہے جب اس کی کیفیات اور اخلاط کا باہمی تناسب اعتدال پر ہو۔ اسی طرح بیش قیمت دھاتوں کا بھی حال ہے۔

الکیماوی اور ان کی تصنیفات

جس طرح قرون وسطیٰ میں الکیمیا کے متعلق معلومات کی تلاش اخنوخ (Enoch)، ہومر (Homer) اور یونانی اساطیر وغیرہ میں کی جاتی تھی، اسی طرح مسلم مصنفین کا خیال تھا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو یہ علم سکھایا اور پھر انہوں

نے اپنے بیٹے حضرت شیثؑ کو حضرت ابراہیمؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ادریسؑ (یہاں اخنوخ) حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت موسیٰؑ بھی اس علم سے آشنا تھے۔ قارون نے حضرت موسیٰؑ سے یہ علم سیکھا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ بھی الکیمیاء سے واقف تھے۔" ۳۹۸؎

عرب الکیمیاوی اکثر ان تصانیف پر انحصار کرتے تھے جو یونانی مصنفین سے منسوب تھیں اور جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے ان میں بہت سی جعلی اور فرضی تھیں۔

اس ضمن میں ھرمس ترسمجیست (Hermes Trismegistos)، اسطانیس (Ostanes)، زوسیموس (Zosimus)، قراتیس(Krates)، دیموکرتیس (Democrates)، قلوپطرا (Cleopatra)، ماریا(Maria) ابلونیوس الطیانی(Appolonuis of Tyana) ارسطاطالیس، نیزفیثا غورس، ارشمیدس، اقلیدس، بطلیموس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

عربی ادبیات میں بہت سے مسلمان الکیمیاویوں اور ان کی تصنیفات کا ذکر آتا ہے۔ لیکن ان کی فہرست اتنی طویل نہیں جتنی ہیئت دانوں اور منجموں کی ہے۔ جنہوں نے ان سے بالکل مختلف اور علمی نوعیت کا کام کیا اور اسی وجہ سے عام طور پر ان کے تراجم مرتب ہوئے ان میں سے اکثر کے نام غالباً "الفہرست" میں درج ہیں۔

محمد بن احمد المصمودی "کتاب الوافی فی تدبیر الکافی" سے متعدد اشخاص اور کتابوں کے نام لئے ہیں۔

"الجلد کی" نے اپنے کتاب "المصباح فی علم المفتاح" (مخطوطہ لائیڈن عدد ۹۳۰) کے دیباچے میں صرف ان مصنفین کا ذکر کیا ہے جو اس کے نزدیک انتہائی اہمیت کے حامل تھے۔ اسی طرح حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں الکیمیاء پر جو فصل لکھی ہے اس میں بہت سے حوالے ملتے ہیں۔

"خالد بن یزید (م ۸۵ھ / ۷۰۴ء) ایک اموی شہزادہ، جس سے فردوس الحکمۃ منسوب کی جاتی ہے۔" ۳۹۹؎

گستاؤلی بان "تمدن عرب" میں عربوں کی علمی تحقیقات پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"علم کیمیاء میں عربوں نے جو کچھ یونانیوں سے پایا تھا وہ بہت ہی کم تھا۔ وہ بڑے بڑے مرکبات جن سے یونانی بالکل ناواقف تھے مثلاً الکحل، گندھک کا تیزاب، شورے کا تیزاب، ماء الملوک وغیرہ کو عربوں نے ہی ایجاد کیا۔ انہوں نے ہی کیمیاء کے ابتدائی عملیات عرق کشی وغیرہ کو جاری کیا۔ کیمیائی کی کتابوں میں جب یہ لکھا جاتا ہے کہ اس علم کا موجود نوائی زئر ہے تو یاد رکھنا چاہئے کہ کسی قسم کے علوم نہ کیمیاء اور نہ کوئی اور علم دفعتۃً ایجاد نہیں ہوئے اور ہزار برس پہلے عربوں میں اس قسم کے علمی کارخانے موجود تھے۔ جن سے وہ اکتشافات اور ایجادیں شائع ہوئیں تھیں۔ جن کے بغیر لوائی زئر کچھ نہ کر سکتا تھا۔" ۴۰۰؎

جابر بن حیان کے زمانہ میں کیمیاء کی ساری کائنات مہوسی تک محدود تھی۔ جابر اگرچہ اس کا قائل تھا کہ کم قیمت دھاتوں کو سونے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کی تحقیقات کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ وہ کیمیاء کے تمام تجرباتی عملوں، مثلاً تحلیل، تقطیر، کشید، تصعید (Sublimation) جسکے ذریعے اشیاء کی قلمیں بنائی جاتی تھیں اور تکلیس (جس کے ذریعے دھات کا کشتہ تیار ہوتا ہے) وغیرہ سے بخوبی واقف تھا اور اپنے کیمیاوی تجربوں میں ان سے بکثرت کام لیتا

تھا۔ اس لحاظ سے وہ تجرباتی کیمیا کا بانی تھا۔ [۴۰۱]

وہ خود لکھتا ہے:

''کیمیاء میں سب سے ضروری شے تجربہ ہے۔ جو شخص اپنے علم کی بنیاد تجربے پر نہیں رکھتا وہ ہمیشہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ صرف اسی علم کو صحیح جاننا چاہیئے جو تجربے سے ثابت ہو جائے۔'' [۴۰۲]

جابر نے اپنی کتابوں میں فولاد بنانے' چمڑا رنگنے' دھاتوں کے مرکبات بنانے' دھاتوں کو مصفاء کرنے' موم جامہ بنانے' لوہے کو زنگ سے بچانے کیلئے اس پر وارنش کرنے' بالوں کو سیاہ کرنے کے لئے خضاب تیار کرنے' اس قسم کی بیسیوں مفید اشیاء بنانے کے طریقے بیان کئے ہیں۔ یہ صنعتی کیمیا اس کے اعلیٰ علم اور بے مثل فنی مہارت کا ثبوت ہے۔ جابر بن حیان نے سفید (Lead Carbonate) 'سنکھیا (Arsenic) اور کحل (Antimony) کو ان کے سلفائڈ (Sul-phide) سے حاصل کرنے کے طریقے بتائے۔ وہ تیزاب لیموں' تیزاب سرکہ اور تیزاب طرطیر (Tartaric Acid) جیسے نباتاتی تیزابوں سے واقف تھا' لیکن اس کا سب سے اہم کارنامہ تین معدنی تیزابوں کی دریافت ہے۔ جسے اس نے قرح انبیق (قرنبیق) کی مدد سے تیار کیا۔

۱۔ پھٹکڑی' ہیراکیس اور قلمی شورے سے شورے کا تیزاب

۲۔ پھٹکڑی اور ہیراکیس سے گندھک کا تیزاب' جسے وہ ہیراکیس کا تیل کہتا تھا۔

۳۔ پھٹکڑی' ہیراکیس' قلمی شورے اور نوشادر سے ''ماء الملوک'' جو آج بھی اپنے لاطینی ترجمے Aqua Regia کی صورت میں مستعمل ہے۔ بلا شبہ جابر بن حیان اپنے عہد کا فقید المثال کیمیاء دان تھا۔ جس کا ثانی آئندہ چھ صدیوں تک پیدا نہ ہو سکا۔ [۴۰۳]

فلسفہ و طب

تاریخ ادب لغت کا مطالعہ ہر قدم پر اس حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے کہ یہ علم العقاقیر صدیوں تک عربوں میں رائج رہا اور زمانے کے ساتھ ساتھ جس قدر ان کے تجربات وسیع ہوتے گئے یہ علم بھی ترقی کرتا رہا تا آنکہ آفتاب اسلام طلوع ہوا اور وہ معلم کتاب و حکمۃ ﷺ دنیا میں تشریف لائے۔ جنہوں نے اپنی تعلیمات سے نہ صرف روح کی بیماریاں دور کیں بلکہ جسم کی طہارت اور شفاء کے بھی بہترین اصول و ضوابط دنیا کو سکھلائے۔ قرآن کریم اور احادیث میں جگہ جگہ صحت و علاج سے متعلق بیش قیمت احکام ملتے ہیں اور علماء و مفکرین اسلام نے ان احکام کو جمع کر کے طب نبوی پر تالیفات کا نہایت گرانقدر سرمایہ جمع کیا ہے۔

''اخبار العلماء باخبار الحکماء'' میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

''جزیرۃ العرب میں عہد رسالت میں متعدد اطباء موجود تھے۔ جن میں حارث بن کلدہ کا نام سرفہرست ہے۔ قفطی کا بیان ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے حارث کو ایک مرتبہ سعد بن ابی وقاص کے علاج کے لئے یاد فرمایا۔'' [۴۰۴]

''حارث کے بعد طب عربی کے ابتدائی دور میں نضر بن الحارث' ابن رمثۃ التمیمی اور ابو الحراب یوسف محمد کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ان میں بدوی خاتون زینب بھی شامل ہے جو قبیلہ بنی اود سے تعلق رکھتی تھی۔'' [۴۰۵]

"آخر میں خاندان عرب سے ایک ایسا فرد کامل اٹھا جس کی تصانیف کی عظمت نے طب عربی کو چار چاند لگا دیئے۔ مراد علاء الدین ابو الحسن علی بن حزم القرشی الملقب بابن النفیس سے ہے۔ جو مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفا میں پیدا ہوئے اور بعد میں دمشق میں سکونت اختیار کر لی۔"۴۰۶

ڈاکٹر شوکۃ الشطی نے جو دمشق یونیورسٹی کے میڈیکل کالج کے پروفیسر ہیں اپنی کتاب "تاریخ الطب" میں طب کے اس عظیم عالم اور مصنف کے کارناموں پر ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی سرزمین کا یہ بلند پایہ طبیب نہ صرف اپنے فن میں امام کا درجہ رکھتا تھا بلکہ صحیح معنی میں فن طب میں فخر الاولین والآخرین تھا۔۴۰۷

موجز القانون اور شرح القانون کی خصوصیت و مقبولیت

شوکۃ الشطی کے بیان کے مطابق اس کو عالم عرب میں خصوصی شہرت حاصل رہی اور برصغیر میں اس کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ ہر طالب علم طب سے پہلے اس کی اس کتاب کو پڑھتا ہے اور اس کے بعد اس کی شرح نفیسی کو۔

اردو میں افادہ کبیر اور مختصر الکلیات کے ناموں سے اسکے کئی ترجمے شائع ہو چکے ہیں اور وہ بھی داخل نصاب ہیں۔

ایڈورڈ جی براؤن "طب العرب" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"جزیرۃ العرب اور عرب نے بڑے بڑے ممتاز علمائے طب پیدا کئے جن میں علاء الدین ابو الحزم القرشی جیسی بلند پایہ شخصیتیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں۔

علاوہ ازیں معلم و کتاب و حکمۃ ﷺ کی کتاب و حکمت کا فیض جب جزیرۃ العرب سے نکل کر اقصائے عالم میں پھیلنا شروع ہوا تو جہاں جہاں آپؐ کے متبعین پہنچے علم و حکمۃ کے چراغ روشن کرتے گئے۔۴۰۹

عہد اموی میں طب سے متعلق عملی کاموں پر بھرپور توجہ دی گئی

"دمشق میں امویوں کا دور آیا تو انہوں نے علم و حکمت کی سرپرستی کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہ نے یونانی فلسفے کے علماء کو مصر میں جمع کیا اور یونانی اور مصری کتابوں کو عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ خالد بن یزید کے ساتھ اس کام میں مشہور عالم کیمیاء جابر بن حیان بھی شامل ہو گیا۔

پھر طب سے متعلق عملی کاموں کی جانب توجہ کی تو اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک نے ۸۸ھ میں دمشق میں جذامیوں کے لئے ایک شفاخانہ بنوایا جس کا سنگ بنیاد اس نے بنفس نفیس اپنے ہاتھوں سے رکھا۔ یہ گویا عربی حکومت کا پہلا باقاعدہ شفاخانہ تھا۔

امویوں کے بعد جب عباسیوں کا علم بغداد کی سرزمین پر نصب ہوا تو ہر طرف علم و حکمت کا دریا بہنے لگا اور اس کی شاخیں جگہ جگہ پہنچے لگیں۔ منصور اور مامون علوم قدیمہ سے خصوصی دلچسپی اور شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے قدیم زبانوں خصوصاً یونانی زبان کے نادر قلمی نسخوں کو خرید کر یا مبادلہ کے ذریعے حاصل کر کے شاہی کتب خانے میں جس کا نام بیت الحکمۃ تھا جمع کیا اور علمائے عصر کی خدمات حاصل کر کے انہیں عربی زبان میں منتقل کرایا۔ جس کے بعد تالیفات و تصانیف کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔"۴۱۰

فلسفہ و طب

یہ صحیح ہے کہ علوم و فنون کی کتابوں کی تصنیف و تالیف میں خالص عربوں کا حصہ نسبتاً کم ہے۔ چنانچہ ابن خلدون نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے اور اس نے اپنے ''مقدمہ تاریخ'' میں اس موضوع پر ایک باب ''حملۃ العلم اکثرہم العجم'' کے نام سے باندھا ہے۔ [۴۱۱]

جرجی زیدان نے اس امر کی توضیح کی ہے اور اس نے بھی اپنی کتاب ''تاریخ التمدن الاسلامی'' میں اسی عنوان سے ایک باب باندھا ہے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ نہ صرف علوم دخیلہ مثلاً منطق' فلسفہ' طب وغیرہ اور علوم لغت و صرف و نحو وغیرہ ہی میں غیر عربوں کی تصانیف زیادہ نظر آتی ہیں بلکہ مذہبی علوم میں بھی ہم علمائے حدیث و فقہ میں وہب بن منبہ' حسن بن ابی الحسن' عطاء بن ابی رباح و طاؤس یمنی' مکحول شامی وغیرہ غیر عربوں کے اسمائے گرامی پیش پیش دیکھتے ہیں۔ [۴۱۲]

لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ خاکدان عرب کے اصل باشندے تصنیف و تالیف کا کوئی ذوق نہ رکھتے تھے یا وہ اس چیز کے قدر دان نہ تھے۔ بلکہ اس کے حقیقی اسباب کچھ اور ہیں اس سلسلے میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

ابن ابی اصیبعہ ''عیون الانباٴ فی طبقات الاطباء'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

۱۔ اہل عرب ابتداء میں اہل بادیہ تھے۔ پھر جب وہ اسلام کی دولت سے متمتع ہوئے تو انہوں نے تبلیغ و دعوت قرآن حکیم شروع کی۔ اور اس کے مابعد انہوں نے شام' عراق' مصر' افریقہ اور فارس وغیرہ ممالک فتح کئے اور خطہ عرب کی یہ ایک قلیل ترین جماعت تھی جو دنیا کے تمام حصوں پر پھیل گئی۔ پس اگر کثیر التعداد اقوام عالم کے مقابلے میں عرب کی اس قلیل جماعت کی تصانیف کی تعداد کم ہے تو اسمیں تعجب یا شکایت کا کوئی مقام نہیں۔

۲۔ عربی زبان کی صرف و نحو لغت وغیرہ کے سلسلے میں اہل عرب خود ان علوم کی تحصیل کے چنداں ضرورت مند نہ تھے اور ان علوم کی اگر زیادہ ضرورت تھی غیر عربوں کو' لہٰذا غیر عربوں مثلاً حماد الروایہ' خلیل' سیبویہ' اخفش' زجاج وغیرہم نے بیشتر اس سلسلے میں کتابیں لکھیں۔ تاہم عربی حکومتوں نے اس کام میں ان کی مدد کی تاکہ ان علوم کی تدوین سے علوم اسلامیہ کی اصل زبان کا تحفظ ہو سکے اور اس زبان کی ترویج ملک میں زیادہ سے زیادہ ہو۔

۳۔ علوم طب و فلسفہ وغیرہ کے سلسلے میں ابتداً ان علوم کی نقل و ترجمہ' شرح وغیرہ کیلئے غیر زبانوں کا علم ضروری تھا اور ظاہر ہے کہ عرب ابتداً ان زبانوں سے بالعموم ناآشنا تھے لہٰذا انہوں نے یونان' فارس' ہند وغیرہ کی فنی کتابوں کے نقل و ترجمہ و تہذیب کے لئے یونانی' سریانی' فارسی اور ہندی زبانوں کے علماء کو اس خدمت پر متعین کیا جو غیر عرب تھے۔

۴۔ خلافت عباسیہ میں بہت سے عربوں نے تمام علوم و فنون پر بہت سی کتابیں لکھیں لیکن ان کو عرب شمار نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اس دور میں عربوں اور غیر عربوں کے باہمد گر اختلاط و تعلقات مناکحت کی وجہ سے اکثر عربی خاندان خالص عربی نہ رہے تھے حتیٰ کہ اکثر خلفاء کی مائیں غیر عرب تھیں۔

۵۔ ممالک مفتوحہ میں عربوں کی تعداد بہت کم تھی اور ممالک محروسہ کا رقبہ بہت وسیع تھا۔ اس لئے عربوں کی توجہ زیادہ تر تبلیغ و دعوت' قوانین' جہانبانی کی تاسیس اور انصرام مہمات سلطنت کی مشکلات کے حل کرنے پر مرکوز رہی۔ لہٰذا

تصنیف و تالیف کا کام انہوں نے زیادہ تران قوموں اور جماعتوں کے حوالہ کر دیا جو اس کام کے لئے زیادہ مناسب اور موزوں تھیں اور خود علوم و فنون اور مؤلفین و مصنفین کی اس طرح اعانت و سرپرستی کی کہ جا بجا دار المصنفین، ہوائے، کتب خانے قائم کرائے، مدارس و بیمارستانات تعمیر کرائے اور علماء اور مصنفین کے لئے بیش قرار وظائف مقرر کیئے۔

نظر بحالات بالا اگر ہم دور اول میں خالص عربوں کی تصانیف اور تالیفات کی تعداد غیر عربوں کے مقابلے میں نسبتاً کم دیکھتے ہیں تو اس سے عربی دماغ کی علم پرور عظمت کا اور زیادہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ عربوں نے کس حسن اسلوب کے ساتھ تقسیم عمل کرتے ہوئے علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل اور سرپرستی کی ان کی اپنے سایہ میں پرورش کی اور تمام دنیا میں ان کی نشر و اشاعت کی۔ ۸

اس سلسلہ میں ایک قابل ذکر امر یہ ہے کہ جاحظ طبعاً طب، نظام طب اور فلسفہ کی مخالفت میں بذلہ سنج رہنے کا عادی تھا۔ چنانچہ اس نے طب اور فلسفہ کی تنقیص پر کتابیں لکھیں۔ جن کے جواب میں رازی جیسے طبیب کو کتاب فی الرد علی الجاحظ فی نقض صناعۃ الطب اور کتاب فی تناقض قول الجاحظ" کتابیں لکھنی پڑیں۔ ۴۱۳

"عربی دورِ علم و حکمت میں تمام مسلمان اور عربی اطباء ناکام اور باعتبار علم و عمل تہی دامن تھے۔ در آنحالیکہ عربی اطباء میں حارث بن کلدہ، ابو الحکم، ابو العرب، یوسف بن محمد اور علاء الدین ابو الحسن علی بن حزم مکی الملقب بقرشی، جیسی مسلم و غیر مسلم شخصیتیں موجود ہیں اور غیر عربی اور مسلم اطباء میں ابن البیطار، ابن الجزار، ابن وافد، ابو نصر فارابی، ابن ماجہ، ابن رشد، ایلاقی، بو علی سینا اور ذکریا رازی جیسی عظمتیں رونق آرائے محفل طب ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ عربی دور حکومت میں نہایت بلند پایہ عربی اور غیر مسلم اطباء گزرے ہیں جن کی جلالت علم اور قدر و منزلت کا سکہ تمام ممالک میں رواں تھا اور یہ عربی عہد حکومت کی انتہائی فیاضی تھی کہ اطباء کی تکریم کے سلسلے میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ ۴۱۴

اسلامی دور میں اطباء کی یہ حالت ہرگز نہ تھی جس کا ذکر جاحظ کی حکایت میں کیا گیا ہے اور جس کا تذکرہ پروفیسر براؤن نے اپنی عبارت میں آگے چل کر یوحنا بن ماسویہ کی وفات کے سلسلے میں کیا ہے بلکہ اس عہد میں اطباء کی نہایت قدر اور تکریم کی جاتی تھی۔ چنانچہ منصور کے عہد میں جورجس، ہارون الرشید کے زمانے میں جبریل بن بختیشوع، معتصم باللہ کے دور میں سلمویہ بن بنان، معتضد کے وقت میں ثابت بن قرہ، متوکل کے عصر میں حنین بن اسحٰق اور عزیز باللہ فاطمی کے ایام دولت و اقبال میں منصور بن مقشر کی عزت و تکریم کے افسانوں سے تاریخ کے صفحات معمور ہیں۔ ۴۱۵

سلاطین اسلام کے دور میں اطباء کی اس قدر تعظیم کی جاتی تھی کہ بادشاہوں کے درباروں میں اطباء ان کے ساتھ ایک جگہ تخت پر بیٹھتے تھے۔ ۴۱۶

اطباء کے مراکب وزراء اور امرائے سلطنت کے مراکب کے ساتھ چلتے تھے۔ ۴۱۷

اور سلاطین اور اطباء کے ساتھ دوستانہ طور پر بے تکلفی کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ ۴۱۸

یہی حال رعایا اور پبلک کا تھا جو اطباء کی دل و جان سے قدر کرتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ ان کے غم و الم میں برابر کی شریک ہوتی تھی۔ چنانچہ جب جبریل کا انتقال ہوا تو تمام ملک میں کہرام مچ گیا اور شعراء نے اس کے غم میں مرثیے لکھے۔ ۸

طب

طب (ع) علم العلاج و علم الادویہ

سائنس کی ایک شاخ جس میں جسم انسانی سے حیثیت صحت و مرض کے بحث کی جاتی ہے۔ چونکہ صحت و مرض کو سمجھنے کے لئے اسباب صحت و مرض کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے ایک طبیب کے لئے علوم طبیعیہ سے کماحقہ واقفیت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عناصر' مزاج' اخلاط' اعضاء' قویٰ' موسم' آب و ہوا' ماکول و مشروب' معائنہ نبض' امتحان بول و براز وغیرہ اور عصر حاضر میں علم الجراثیم' کیمیاوی و خورد بینی امتحانات' ایکسرے اور برقی معائنہ قلب کے مضامین بھی طبی سائنس کے ضروری اجزاء سمجھے جاتے ہیں۔[۴۲۰]

غرض وغایت

اس علم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی طبعی صحت کو قائم رکھا جائے اور اگر کسی سبب کی بنا پر اس کی صحت زائل ہو جائے تو زائل شدہ صحت کو واپس لا کر مریض کی طبعی حالت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے۔

موضوع اور اس کی اہمیت

چونکہ اس علم کا موضوع براہ راست انسان کا جسم ہے۔ اس لئے اس علم کو دیگر علوم پر شرف و برتری حاصل ہے۔ یوں توں علوم کسی نہ کسی حیثیت سے انسان کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ اس لئے بلاشبہ جملہ علوم وفنون کو انسان کا خادم کہا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے یقیناً عام ایک دسرے کے مساوی مرتبہ رکھتے ہیں لیکن علم طب کا موضوع چونکہ براہ راست انسان کا جسم ہے جو کائنات کی اعلیٰ واشرف مخلوق ہے اور جسے قرآن مجید نے "احسن تقویم" سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا علم طب اپنے موضوع کی شرافت و عظمت کی بناء پر سائنس کی دوسری شاخوں میں سب سے اعلیٰ واشرف ہے۔"[۴۲۱]

طب عربی

اس میں کوئی شک نہیں کہ دیگر علوم کی طرح علم طب کا سرچشمہ بھی سرزمین یونان ہی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں بالخصوص عربوں نے سائنس کی اس مخصوص شاخ میں بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ یہ کہنا کسی طرح بھی مبالغہ نہیں کہ علم طب صحیح معنوں میں مسلمانوں کا ایک گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔ جس کی اختراع و ایجاد عرب اطباء و حکماء کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہے اور جس کی تدوین و ترقی میں مسلمان خلفاء و سلاطین نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ اسے مسلمانوں کی تاریخی دیانت سمجھنا چاہئے کہ انہوں نے اپنے بیش بہا اضافوں اور گراں قدر ایجادات و اختراعات کے باوجود اس فن کے ساتھ یونان کی نسبت کو قائم رہنے دیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس طب کو عرف عام میں طب یونانی کہتے ہیں وہ بڑی حد تک طب عربی ہے۔[۴۲۲]

تراجم وشروح

طب میں عربوں کی خدمات کا آغاز ترجمہ و شرح سے ہوا۔ چنانچہ عربوں نے ایران' شام' ہندوستان' روم' یونان' مصر اور مکہ ان کی قدیم طبی کتابوں کے تراجم عربی زبان میں کئے۔ ان پر حواشی لکھے' ان کی تشریح و تبویب کی اور مختلف حکماء

کے بکھرے ہوئے اقوال و مسائل کو جامع کر کے ایک باضابطہ اور منظم فن کی بنیاد رکھی۔ اس سلسلے میں آل حنین' آل بختیشوع' آل ثابت اور آل ماسویہ کی خدمات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ترجمہ و شرح کے میدان میں قسطائن لوقا' حجاج بن مطر' ابن الطریق' عیسیٰ بن یحییٰ' احمد بن ابی الاشعث' ابن جلجل اور یوحنا بن ماسویہ جیسے علمائے فن کی خدمات بھی بڑی گراں قدر ہیں اور تاریخ کے صفحات ان کے علمی کارناموں سے معمور ہیں۔ ۴۲۳؎

مسلمان خلفاء و سلاطین کی سرپرستی

مسلمان خلفاء اور سلاطین کی سرپرستی سے اس فن سے مسلمانوں کے شغف و انہماک کا عالم یہ تھا کہ مسلمان خلفاء و سلاطین اپنے دربار کے طبیبوں کے انتخاب میں انتہائی دلچسپی کا اظہار کیا کرتے تھے اور بلا تعصب مذہب و ملت و ملک و قوم بڑی سے بڑی رقم صرف کر کے بڑے احترام و اعزاز کے ساتھ انہیں اپنے درباری طبیب مقرر کرتے تھے۔ تاکہ طب کی تدوین اور علاج و معالجے کے سلسلے میں ان سے استفادہ کیا جائے۔ چنانچہ خلفاء کے دربار میں یہودی' عیسائی' مجوسی' صابی اور ہندو غرض ہر مذہب اور ہر عقیدے کے طبیب ان خدمات کی انجام دہی کے لئے مامور تھے۔ ۴۲۴؎

عرب اپنے پیش رو یونانی اطباء پر سبقت لے گئے

اس کی سب سے بڑی وجہ ان کی مجتہدانہ قوت تھی۔ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے یونانی طب سے استفادہ کیا' لیکن کورانہ تقلید نہیں کی بلکہ مسائل و نظریات فن میں مجتہدانہ شان اختیار کی۔ چنانچہ ابو سہل مسیحی نے قدما کے مسلمات پر بیشتر ردو قدح کی اور شیخ الرئیس بو علی سینا نے بقراط و جالینوس کے معتقدات پر جا بجا گرفت کی۔

نقد و جرح کا یہ سلسلہ برابر قائم رہا۔ چنانچہ ملا نفیس نے ابن ابی صادق کی آراء پر دعوت فکر و نظر دی اور ابو الحسن قرشی نے ابن ابی صادق کی آراء پر دعوت فکر و نظر دی اور ابو الحسن قرشی نے بو علی سینا پر اور علی بن رضوان نے ذکریا رازی پر جا بجا اعتراضات کئے۔ ۴۲۵؎

نئے تجربات و اضافات

عربوں نے اپنی فکری و اجتہادی قوتوں سے کام لے کر طریقہ ہائے علاج اور اعمال فن میں بے شمار تجربات و اضافات کئے۔ چنانچہ ابن واقد پہلا طبیب تھا جس نے علاج بالغذا پر زور دیا۔ حکیم رضی الدین نے غذائے دوائی کو (دوائے خالص کے مقابلے میں) ترجیح دی اور حکیم اوحد الزمان ابو البرکات نے ایک خاص وبائی مرض میں قطع انامل کا علاج اختراع کیا۔

علم الادویہ

علم الادویہ کے سلسلے میں بھی عربوں کی خدمات نہایت شاندار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بیخ ریوند' کافور اور سنا کے افعال و خواص معلوم کئے اور ان کو اپنی قرابادین (فارماکوپیا) میں شامل کیا۔ اسی طرح بنج (بھنگ) کا استعمال بھی مصالجاتی مقاصد کے لئے سب سے پہلی مرتبہ عربوں نے شروع کیا۔ چونکہ عرب نہایت ہی اعلیٰ درجے کے ملاح تھے۔ اس لئے انہیں جہاز رانی کے ذریعے غیر ممالک میں پہنچ کر نئی نئی بوٹیوں کی دریافت کا موقع ملا۔ چنانچہ انہوں نے ملایا' جزائر شرق الہند اور چند سے دستیاب ہونے والی بے شمار دواؤں کا اضافہ کیا۔ مثلاً تج' صندل' دار چینی اور قرنفل وغیرہ دواؤں سے عربوں نے طبی دنیا کو روشناس کرایا۔ اطبائے یونان ان دواؤں کے طبی استعمال سے یکسر ناواقف تھے۔

عربوں نے دیسقوریدوس کی کتاب "الادویہ" کا ترجمہ مکمل کیا' نیز علم الادویہ کی بہت سی کتابیں سنسکرت وغیرہ زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرائیں اور علم قرابادین کو اس اعلیٰ شکل میں مدون کیا جس میں آج ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔[۴۲۶]

نقد و جرح

عرب اطباء نے یونانی طب سے استفادہ کیا لیکن انہوں نے اس سلسلے میں کورانہ تقلید نہیں کی بلکہ مسائل و نظریات فن میں مجتہدانہ شان اختیار کی۔ چنانچہ بو سہل مسیحی نے قدما کے معتقدات پر جا جا گرفت کی۔ پھر مسلمات قدما اور فن میں اپنی ذاتی آراء کے اختلاف کے ضمن میں ملا نفیس نے ابن ابی صادق کی آراء پر دعوت فکر و نظر دی اور قرشی نے شیخ پر اور علی بن رضوان نے ذکریا رازی پر جا بجا اعتراضات کیے۔[۴۲۷]

تکمیل طب

غرض یہ ہے کہ عربوں نے یونانی طب کی از سر نو تہذیب کر کے اس میں تمام دنیا کی طبوں کی مفید معلومات کا اضافہ کر کے ایک نئی طب کی بنیاد رکھی اور اس طرح انہوں نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق اپنے عہد کی ایک جامع اور مکمل طب بنائی۔

پس طب عربی طب یونانی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں عربی طب ہے۔ جو عربوں نے اپنی دماغی کاوشوں' نقد و جرح' تجربات و اجتہادات' نظر ثانی و اضافات اور دیگر طبوں کے امتزاج سے مکمل کی۔ چنانچہ:

جرجی زیدان لکھتے ہیں:

"مسلمانوں نے ابتدائے عہد تمدن سے لے کر اپنے دور عقل و نقل تک وہ تمام علوم زیادہ سے زیادہ اپنی زبان میں منتقل کر لیے جن کو عقل انسان تخلیق کر سکتی تھی اور اس طرح وہ کلدانیوں' مصریوں' پارسیوں' یونانیوں اور ہندیوں کے تمام علوم کے وارث ہو گئے۔"[۴۲۸]

پھر ایک جگہ آپ القانون کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب آپ کتاب القانون کی ورق گردانی کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ کتاب طب اور علم العیدیہ کی ایک قاموس ہے اور اس میں امراض معالجات اور عقاقیر کے متعلق یونان' کلدان' ہند' فارس اور عرب کی تمام معلومات جمع ہیں اور یہ صرف یونان کی طب نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔[۴۲۹]

مسلمانوں میں طب' فلسفہ اور دیگر علوم حکمیہ میں تالیف' تصنیف اور ترجمہ کی تحریک عہد بنو امیہ میں شروع ہو چکی تھی۔

اس ضمن میں تیاذوق' عیسیٰ بن حکم اور جابر بن حیان مؤلفین کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ لیکن چمنستان علم و حکمت میں عید بہار اس دن آئی جب حکومت کا علم عباسیوں کے ہاتھوں میں پہنچا اور مامون الرشید نے اپنے عہد ہمایوں میں بیت الحکمۃ قائم کیا۔

"یہ بیت الحکمۃ بغداد میں تقریباً ۸۳۳ء میں قائم ہوا اور اس کے لئے یوحنا بن ماسویہ' حنین بن اسحٰق اور دیگر جلیل

القدر علمائے فن کی خدمات حاصل کی گئی۔

عباسیوں نے اس بیت الحکمۃ کے قیام اور ترقی کے سلسلے میں علم و حکمت کی جو خدمات انجام دیں وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔[۴۳۰]

جرجی زیدان لکھتا ہے:

"انہوں نے بغداد میں جو بیت الحکمۃ قائم کیا۔ اس کے لئے بہت سی کتابیں جمع کرا کے انہیں عربی میں ترجمہ کرایا گیا اور جب مامون الرشید تخت سلطنت پر جلوہ آراء ہوا تو اس نے مجالس تالیف قائم کیں اور بیت الحکمۃ میں عربی، فارسی، یونانی، سریانی، قبطی اور ہندی کتب کا ایک عظیم الشان خزانہ جمع کر دیا۔[۴۳۱]

"تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے جس ملک کو فتح کیا۔ سب سے پہلے وہاں انہوں نے کتابوں کی تلاش شروع کی اور اس سلسلے میں وہاں جس قدر کتابیں دستیاب ہوئیں انہوں نے ان کو اپنے عاصمہ (دار الخلافہ) میں بھجوا کر ان کی حفاظت اور ترجمہ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ ابن ابی صیبعہ کے بیان سے ظاہر ہے کہ جب مامون الرشید نے روم کے شہروں انقرہ (انگورہ) عموریہ وغیرہ کو فتح کیا تو وہاں علوم قدیمہ کی جو کتابیں ملیں اس نے انہیں بغداد پہنچانے اور یوحنا بن ماسویہ سے ان کا ترجمہ کرانے کا حکم دیا اور ابو الفرج الملطی کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں جو اسوقت روم سے بغداد لائی گئیں تمام طب کی کتابیں تھیں۔[۴۳۲]

عربی زبان کی ترویج

۱۔ جب مسلمانوں نے غیر عرب علاقے فتح کئے تو وہاں کے انتظامات کو بہتر طور پر چلانے کے لئے اپنی زبان عربی کو دفتری زبان کا درجہ دیا۔ اس طرح ضمنی طور پر عربی زبان کی ترویج ہوئی۔

۲۔ غیر عرب علاقوں میں عرب منتظمین کے ذریعے ان علاقوں میں سیاسی استحکام حاصل ہوا۔ کیونکہ عرب لوگ ان کے معتمد تھے۔ مفتوحین ان کے نظام حکمرانی میں مفید ثابت نہیں ہو سکتے تھے اور مقامی زبان عرب فاتحین کے لئے فوری طور پر سیکھنا ممکن نہ تھا۔

"عربوں سے پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے تھے۔ عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیار کر لیا۔ یہ زبان ممالک اسلامی میں اس درجہ پھیل گئی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سریانی، یونانی، قبطی، بربری وغیرہ کی جگہ لے لی۔ ایران میں بھی ایک مدت تک عربی قائم رہی او اگرچہ اس کے بعد زبان فارسی کی تجدید ہوئی لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اسی زبان میں ہوتی ہیں۔ ایران کی کل علوم و مذہب کی کتابیں عربی میں لکھی گئی ہیں۔"[۴۳۳]

۳۔ قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا۔ اس کا فہم مسلمانوں کے لئے عبادت کا درجہ رکھتا تھا۔ اس لئے غیر عرب مسلمانوں نے عربی زبان کو قرآن فہمی کے لئے سیکھنا ضروری سمجھا۔

"عربی زبان اور اس کے ادب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ اس زبان و ادب پر اللہ تعالیٰ

کی خاص عنایات رہی ہیں۔ خدا جب کسی انسان کو نبوت کے لئے چنتا ہے تو اسے ایک خاص انداز اور مخصوص ماحول میں پروان چڑھاتا ہے۔ اسی طرح جب اس نے عربی زبان کو اپنے آخری پیغام ہدایت کے لئے انتخاب فرمایا تو اس کو ابتدا ایک خاص انداز سے اپنی نگرانی و حفاظت میں پروان چڑھایا اور جب اس زبان کا ادب استعداد و صلاحیت کے اس بلند مقام پر پہنچا جہاں وہ روح خداوندی کا متحمل ہو سکے تو اس میں قرآن مجید نازل کیا گیا جو ادب عربی کا اعلیٰ و اکمل نمونہ ہے۔"۴۴۴

۴۔ حضور اکرم ﷺ کے جملہ فرامین (حدیث) عربی زبان میں ہی تھے جو کہ قرآن مجید کی تفسیر کا درجہ رکھتے تھے۔ لہٰذا قرآن فہمی کیلئے حدیث پاک کی تفہیم ناگزیر ہو گئی۔ جس سے غیر عرب مسلمانوں کیلئے عربی زبان کا سیکھنا ضروری ہو گیا۔

۵۔ قرآن مجید میں سابقہ امتوں کے احوال بیان عبرت کے لئے بکثرت وارد ہوئے۔ اس سے مسلمانوں کے ہاں سابقہ اقوام کی تاریخ میں دلچسپی پیدا ہوئی اور تاریخ نویسی کے لئے عربی زبان کا سہارا لیا گیا۔

۶۔ عجمیوں کے لئے عربی زبان اجنبی زبان کی حیثیت رکھتی تھی اس لئے اس کو صحیح طور پر پڑھنے کے لئے قواعد کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ عجمی لوگ عربی زبان میں غلطی نہ کر سکیں۔ اس طرح عربی زبان کی ترویج سائنٹیفک ہو گئی۔

۷۔ مذہبی' سیاسی اور سماجی ضرورت کے پیش نظر عربی زبان کے سیکھنے کا عمل مفتوحہ علاقوں میں ہنگامی بنیادوں پر شروع ہوا۔ کوفہ اور بصرہ دو ادبی مراکز بن گئے۔ اس طرح عربی زبان کے فروغ کا مقابلہ شروع ہو گیا اور عربی زبان کے دو مکتب فکر وجود میں آئے۔

۸۔ مرکزی حکومت چونکہ خالص عربوں کی تھی اور انہوں نے مفتوحہ علاقوں میں عربی ثقافت کو رواج دیا اور زبان چونکہ تہذیب و ثقافت کا اہم عنصر ہوتا ہے۔ لہٰذا مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے عربی زبان کی سرپرستی کی۔

"خلفائے راشدین کے عہد میں مصر' شام اور ایران کے تمام دفاتر ملکی زبانوں میں تھے۔ ایران میں فارسی بولی جاتی تھی۔ شام میں سریانی اور مصر میں قبطی' عرب لوگ چونکہ ان زبانوں سے واقف نہیں تھے۔ اس لئے تمام دفتری کاروبار ملک کے اصلی باشندوں کے ہی ہاتھ میں تھا۔ خراج کے دفتروں پر تو تمام تر یہودی اور عیسائی مسلط تھے۔ عبدالملک کے زمانے میں سارا دفتری کام عربی میں ہونے لگا اور ملکی باشندوں کو ہٹا کر ان کی جگہ عربوں کو ملازم رکھا گیا۔ اس عمل سے عربی زبان کی بڑی اشاعت ہوئی۔ نیز ہر جگہ عربوں کے برسر اقتدار آجانے سے ملکی باشندوں کی سازشوں اور بغاوتوں سے بہت حد تک نجات مل گئی۔"۴۴۵

۹۔ اموی دور میں حکومتی عہدے ہی سماجی مرتبے کا معیار سمجھے جاتے تھے اور تعلیم و تعلّم فن کی حیثیت رکھتے تھے۔ لہٰذا عربوں نے فنون میں دلچسپی نہ لی اور مفتوحہ اقوام روزگار کے لئے عربی زبان کو سیکھنے اور سکھانے پر مامور ہوئے۔ جس کے باعث غیر عرب علاقوں میں عربی کی ترویج عجمیوں کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی۔

۱۰۔ اقتدار پر خالص عربوں کی اجارہ داری تھی۔ ان کا قرب حاصل کرنے کے لئے غیر عرب رعایا کے لئے عربی زبان سیکھنا ان کی مجبوری بن گئی تھی۔ جس کے باعث عربی زبان کے سیکھنے اور سکھانے کا عمل مسلسل جاری رہا۔ یہی وجہ ہے کہ جزیرہ عرب کے باہر اکثر غیر عرب علاقوں میں مقامی زبان کی بجائے عربی زبان غالب آگئی اور اس وقت بہت سارے عرب ممالک ایسے ہیں جو ابتدائی طور پر عرب نہیں تھے۔

۱۱۔ پہلے خلفاء کے زمانے میں شام کے سرکاری دفاتر میں یونانی اور عراق کے فارسی دفاتر میں فارسی رائج تھی۔ عبدالملک نے حکم دیا کہ آئندہ سے جملہ سرکاری خط و کتابت عربی میں ہو۔ لیکن عربی رسم الخط میں چند خامیاں تھیں جن کے باعث تحریر کے پڑھنے میں دقت ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر عربی حروف پر نقطے نہیں ہوتے تھے۔ مثلاً "ب' ت' ث' ج' ح' خ اور د' ذ وغیرہ کے تلفظ میں غلطی کرنے کا بہت امکان تھا۔ خصوصاً عجمیوں کو بڑی دقت تھی۔ عبدالملک نے ان خامیوں کی مناسب اصلاح کی اور ہم شکل حروف پر نقطے ڈالے تاکہ امتیاز ہو سکے۔ اس سے عربی رسم الخط بہت بہتر ہو گیا اور غیر قوموں کو بھی اس کے پڑھنے میں سہولت ہو گئی۔ اس اقدام سے تمام ممالک اسلامیہ میں عربی زبان کو بڑا فروغ ہوا۔

عراق 'ایران' شام اور مصر وغیرہ کا دفتری کاروبار زیادہ تر ملکی باشندوں کے ہاتھ میں ہی تھا اور وہ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ لگان فراہم کرنے کے محکمہ میں تو ہر جگہ عیسائی ہی عیسائی نظر آتے تھے۔ کیونکہ مسلمان اس کام سے ناآشنا تھے۔ عبدالملک نے عیسائیوں اور ملکی باشندوں کو برطرف کر کے ان کی جگہ عربوں کو مقرر کیا۔ اس طرح تمام اسلامی ممالک میں عربی عنصر غالب نظر آنے لگا۔ جس سے شورشوں کی رفتار کم ہو گئی۔ ۴۳۶۔

عربی رسم الخط کی اصلاح

قرآن کا رسم الخط عربی سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس خط کو حضرت اسمٰعیلؑ نے ایجاد کیا تھا۔ نبطی' حمیری' حِیری اور کوفی وغیرہ اس خط کی مختلف شاخیں اور اصلاح یافتہ شکلیں ہیں۔ حضرت اسماعیل کے پڑپوتے نبط ابن حمل نے خطِ عربی میں اصلاح کر کے جس خط کو باقی رکھا اس کا نام نبطی ہوا۔ اہل سین نے اصلاح کی تو وہ جزم کہلایا۔ جزم کو اہل سبا نے مزید ترقی دی تو وہ مسند حمیری بنا۔ حمیری میں بنی ہاشم کے قریابن موز نے اصلاح کی تو "قیراموز" مشہور ہوا۔ اہل عراق نے اس میں اصلاح کر کے خطِ کوفی بنالیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق عربی خط کا سلسلہ نسب فینقی خط سے جا ملتا ہے۔ جب فینقی خط کو زوال ہوا تو آرامی خط کو غلبہ حاصل ہوا۔ غالباً سب سے پہلے آرامی خط میں حروف کو ملا کر لکھنے کی کوشش کی گئی۔ عبرانی' نبطی' سریانی' ستیائی اور عربی یہ سب آرامی خط کی شاخیں ہیں۔

عربوں نے تیسری صدی عیسوی میں نبطی خط کو اختیار کر لیا تھا۔ چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی میں اس میں تبدیلی کر کے انفرادیت پیدا کر لی تھی۔

ظہور اسلام کے وقت عرب میں خط حمیری (خط انباری) رائج تھا۔ جسے اہل مکہ نے اہل حِیرہ اور انبار (عراق کے دو مقامات) سے سیکھا تھا۔ غالباً اسی کو بعد میں خط کوفی کہا گیا۔ ۷ ھ میں نبی کریم ﷺ نے جو تبلیغی خطوط حکمرانوں کو ارسال فرمائے تھے ان میں بعض کے جو عکس دستیاب ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خطوط خط کوفی میں لکھے گئے تھے مورخین کا اس بات پر اجماع ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے خط کا تعارف "حرب بن امیہ" کے ذریعے ہوا۔ مدینہ میں ماسکہ کے یہودیوں میں سے ایک یہودی تھا جو بچوں کو پڑھنا سکھایا کرتا تھا۔ چنانچہ جب وہاں آنحضرت ﷺ پہنچے تو اس سے کچھ اور لوگ اس فن سے متعارف تھے۔ ان ہی میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی تھے۔ جو عربی اور سریانی دونوں زبانوں میں لکھ پڑھ سکتے تھے۔ آنحضور ﷺ

تحریص وترغیب پر مدینہ میں کثرت سے لوگوں نے فنِ کتابت سیکھ لیا۔ غالب گمان یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی کتابت بھی اسی خط میں کرائی ہوگی۔ جسے بعد میں خط کوفی کا نام دیا گیا۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ وغیرہ کے لکھے ہوئے مصاحف کے جو عکس ملتے ہیں وہ خط کوفی میں ہیں۔ [۴۳۷]

عربی رسم الخط کی اصلاح

ظہور اسلام کے وقت علاقہ حجاز میں تحریر وکتابت کا رواج تو پڑ چکا تھا۔ مگر یہ فن زیادہ اشاعت پذیر نہ ہوا تھا۔ اس وقت بہت ہی کم لوگ اس سے آشنا تھے اور جو لوگ اس سے آشنا تھے۔ ان میں اکثریت ان حضرات کی تھی جن کا شمار آگے چل کر کبائر صحابہ کرامؓ میں ہونے لگا۔ ان کے نام یہ ہیں:

علیؓ بن ابی طالب' عمرؓ ابن الخطاب' طلحہؓ بن عبید اللہ' عثمانؓ بن سعید بن خالد بن حذیفہ' ابانؓ بن سعید بن خالد بن حذیفہ' یزید بن ابی سفیانؓ حاطب بن عمرو بن عبد شمس' العلاؓ بن الحضرمی' ابو سلمہؓ بن عبدالاشہل' عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح' حویطبؓ بن عبدالعزیٰ' ابو سفیانؓ بن حرب' معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اور جہم بن صلت بن مغرمہ بعد ازاں ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی علم کتابت سیکھا۔ جن میں سے کچھ کاتبین قرآن مجید مقرر ہوئے۔

کچھ لوگوں کو رسائل ومکتوبات لکھنے پر مامور کیا گیا اور کچھ حضرات سے خلفائے راشدینؓ کے احکام اور فیصلے ضبط تحریر میں لانے کی خدمات لی گئیں۔ [۴۳۸]

جرجی زیدان ''تاریخ التمدن اسلامی'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس زمانے میں کتابت کا انداز کچھ اس قسم کا تھا کہ مثلاً اگر وسط کلمہ میں الف (ا) آجاتا تو الف کو معرض تحریر میں نہیں لاتے تھے۔ بالخصوص کتابت قرآن مجید میں ان کا طریق یہی تھا جیسا کہ ''الکتاب'' کے بجائے ''الکتٰب'' اور ''الظالمین'' کے بجائے ''الظٰلمین'' لکھتے تھے۔ [۴۳۹]

عصر نبوت اور عہد صحابہ کرامؓ میں ایک متعین رسم الخط رواج پذیر ہوگیا۔ جس میں وہ قرآن مجید کی کتابت بھی کرتے تھے وثیقے اور معاہدے بھی لکھتے تھے۔ آپس کے معاملات بھی ضبط تحریر میں لاتے تھے۔ عام لوگوں سے خط وکتابت بھی کرتے تھے اور مختلف ملکوں کے حکمرانوں اور بادشاہوں کے مکاتبت کرتے تھے۔ یہ رسم الخط اور اسلوب تحریر نہ صرف مکہ ومدینہ یا ملک عرب میں متعارف اور رائج تھا بلکہ عرب سے باہر کے ملکوں میں مثلاً ایران کے تعلیم یافتہ طبقے میں بھی مروج ومتعارف ہوگیا۔ اسکا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ جب حضور ﷺ نے مختلف ملکوں اور علاقوں کے بادشاہوں کو دعوت اسلام دی اور ان کو تبلیغی خطوط لکھے تو اسی رسم الخط میں لکھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایران وعجم کے لوگ بھی اس سے آشنا تھے۔ [۴۴۰]

''الزرکشی'' ''البرھان فی علوم القرآن'' میں وضاحت کرتے ہوئے مزید روشنی ڈالتے ہیں۔

قرآن مجید کا رسم الخط میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

قرآن مجید کا رسم الخط بدستور وہی رہا جو عہد رسالت اور دور صحابہؓ میں تھا اور جس میں کاتبین وحی نے آنحضرتؐ کی موجودگی میں اس کی کتابت کی تھی۔ سوال یہ ہے کہ عربی رسم الخط میں جو ارتقا اور تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس سے قرآن مجید کو کیوں مستثنیٰ رکھا گیا؟ یہ اس لئے کہ قرآن مجید ادنیٰ سے ادنیٰ صورت میں بھی اندیشہ تحریف سے محفوظ رہے اور اس کے

الفاظ ہجے 'نقطے' شوشے اور رسم الخط بالکل وہی رہیں جو زمانہ رسالت علیہ السلام میں تھے۔

امم سابقہ کی آسمانی کتابوں میں "تحریف" کا دروازہ اسی قسم کی تبدیلیوں سے کھلا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ہر قسم کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور تحریف و تبدل کی ہر صورت سے اس کو محفوظ رکھا ہے' خواہ وہ رسم الخط کی صورت میں ہو یا الفاظ کی صورت میں۔[۴۴۱]

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔[۴۴۲]

ترجمہ:- یقیناً ہم نے یہ قرآن مجید اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

نیز فرمایا: وَ اِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ ○ لاَّ یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلاَ مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ۔[۴۴۳]

ترجمہ:- اور بلاشبہ یہ عزت والی کتاب ہے۔ باطل اس کی طرف راہ نہیں پا سکتا' نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ نازل شدہ ہے حکمت والے ستودہ صفات کی طرف سے۔

رسم الخط کے قواعد ستہ:-

قرآن مجید کا رسم الخط چھے مشہور قاعدوں پر مشتمل ہے۔ جو اس فن کے ماہرین کے نزدیک قواعد ستہ کے نام سے موسوم ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ حذف　　۲۔ زیادۃ　　۳۔ ھمزہ　　۴۔ بدل

۵۔ وصل　　۶۔ فصل۔ جو قاعدے وصل اور فصل کی صورت میں ہیں۔

وہ لفظ اور اصل کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کے کئی الفاظ وہ ہیں جن کی قرأت دو طریقوں سے ہوتی ہے اور بعض الفاظ دو اسالیب کتابت کے حامل ہیں۔ ان الفاظ کو دونوں میں سے کسی ایک طریق کے مطابق کر لینا کافی ہوگا۔ ان قواعد ستہ کی مثالیں درج ذیل ہیں۔[۴۴۴]

حذف:- اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے رسم الخط میں کوئی حرف حذف کر دیا گیا ہے۔ جہاں حروف حذف ہوئے ہیں اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَکْرَمَنْ۔[۴۴۵]

فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَهَانَنْ۔[۴۴۶]

اور اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔[۴۴۷]

اَکْرَمَنْ ' اَهَانَنْ اور دَعَانِ میں آخری ی محذوف ہے۔ لفظ داؤد میں و' الیل میں ایک لام اور بسم اللہ میں ب کے بعد الف محذوف ہے۔

اسی طرح "یَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ"۔[۴۴۸] اور "یوم یدع الداع۔"[۴۴۹] میں "یمح" اور "یدع" کے آخر میں واؤ کو کتابت میں حذف کر دیا گیا۔ محذوف کی مزید مثالوں میں "فَارْهَبُوْن' فَاتَّقُوْن ' وَلاَ تَکْفُرُوْنَ' وَاخْشَوْنِ[۴۵۰]' فَلاَ تَنْظِرُوْن[۴۵۱] ان اور دیگر ایسے مقامات پر "نی" کے بجائے "ن" پر اکتفا کیا گیا

ہے اور ہر جگہ ''ی'' کو حذف کر دیا گیا ہے۔[۴۵۲]

زیادۃ الف :- زیادۃ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے رسم الخط میں بعض مقامات پر بعض حروف عام رسم الخط کی رو سے زائد ہیں۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

زیادت الف :- اَوْلَا اذ بَعَثَّه' ۔ ۲۷ النمل:۲۱

وَلاَ اَوضَعُوا خِلٰکُمۡ۔ ۹التوبہ: ۴۷

لاَ اِلیَ الجَعِیمِ۔ ۳۷الصفٰت ۲۸

قَوَارِیْرَاه مِنۡ فِضَّةٍ۔ ۷۶الدھر ۱۶

وَلاَ تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ اِنِی فَاعِل" ذٰلِكَ غَدًا۔ ۱۸الکھف:۲۳

اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلاَئِهٖ۔ ۱۱ھود:۹۷

زائد الف کے اوپر دائرہ بنا دیا گیا ہے۔

زیادت واؤ: سَاُورِیکُمۡ دَارَ الفٰسِقِیۡنَ۔ ۷الاعراف ۱۴۵

سَاُورِیکُمۡ اٰیٰتِی۔ ۲۱الانبیآ: ۳۷

سَاُورِیکُمۡ میں واؤ زائد ہے۔[۴۵۳]

زیادت یاء: مِنۡ تِلۡقَآیِ نَفۡسِیۡ۔ یونس۱۰:۱۵

وَمِنۡ اٰنَآیءِ الَّیۡلِ۔ طہٰ۲۰:۵۱

مِنۡ وَرَآیِ حِجَابٍ۔ الشوریٰ:۴۲:۵۱

وَالسَّمَآءَ بَیۡنٰھَا بِاَیۡدٍ۔ الذریت۵۱:۴۷

ہمزے کے نیچے ی زائد ہے اور اسی طرح باید کے جائے یاد قرآنی رسم الخط ہے اور اس میں بھی ایک ی زائد ہے۔

ان ساری زیادات کے پیچھے ایک حکمت کار فرما ہے۔[۴۵۴]

بدل :- بدل کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا رسم الخط کچھ اس نوعیت کا ہے کہ اس میں بعض مقامات پر بعض حروف کو بعض حروف سے بدل دیا گیا ہے:

مثلاً عام قاعدہ کتابت کی رو سے ''الصلوۃ' الربوٰ' الزکوٰۃ وغیرہ الفاظ کا تلفظ ''الصلاۃ' الربا اور الزکاۃ'' ہوتا ہے مگر قرآنی رسم الخط میں ان کو الصلوٰۃ' الربوٰ' الزکوٰۃ'' ہی لکھا جائے گا اور الف کو حرف و سے بدلا جائے گا اور اس سے ان الفاظ کی عظمت اور اہمیت بیان کرنا مقصود ہے۔[۴۵۵]

وصل اور فصل : قرآن مجید کے رسم الخط میں کہیں دو لفظوں کو ملا دیا جاتا ہے جسے وصل کہتے ہیں اور وہ الفاظ موصول کہلاتے ہیں اور کہیں انہیں دو لفظوں کو الگ الگ لکھا جاتا ہے۔ جسے فصل کہتے ہیں اور ان کو مفصول یا مقطوع بھی کہتے ہیں۔

بِئۡسَ اور ما کو قرآن مجید میں تین مقامات پر موصول یعنی ملا کر لکھا جاتا ہے:

بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَھُمۡ ۔ البقرہ۲:۹۰

بِئۡسَمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِهٖۤ اِيۡمَانُكُمۡ۔ البقرہ۲: ۹۳

بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِیۡ ۔ الاعراف: ۷: ۱۵۰

اس کے علاوہ چھے مقامات پر الگ الگ لبِئۡسَ مَا آیا ہے۔

اس وصل اور فصل کے پیچھے ہر جگہ کچھ معنی اور صوری حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

اسی طرح "اِنَّ" اور "مَا" کو صرف ایک جگہ مفصول لکھا جاتا ہے:

اِنَّ مَا تُوۡعَدُوۡنَ لَاٰتٍ۔ انعام: ۶: ۱۳۴

اس کے علاوہ سارے قرآن مجید میں انما موصول لکھا جاتا ہے۔

"ان" اور "ما" صرف دو جگہ مفصول ہے:

وَاَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِ الۡبَاطِلُ۔ لقمٰن ۳۱: ۳۰

اس کے علاوہ سارے قرآن مجید میں "اِنَّمَا" موصول لکھا جاتا ہے۔

"کُلَّ" اور "مَا" تین جگہ مفصول ہے۔ دو جگہ کُلَّ مَا "النساء ۴: ۹۱ المؤمنون: ۲۳: ۴۴)

ایک جگہ: مِنۡ كُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡهُ ۔ ابراہیم: ۱۴: ۳۴ ہے۔ باقی سارے قرآن مجید میں پندرہ مرتبہ کلما موصول مرقوم ہے۔

"فِیۡ" اور "مَا" گیارہ مقامات پر مفصول آیا ہے۔

مثلاً: فِیۡ مَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ۔ البقرہ۲: ۲۴۰

وَهُمۡ فِیۡ مَا اشۡتَهَتۡ اَنۡفُسُهُمۡ خٰلِدُوۡنَ۔ الانبیاء ۲۱: ۱۰۲

وغیرہ باقی مقامات پر موصول مرقوم ہے۔ جیسے فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ۔

البقرہ ۲: ۲۳۴ یَوۡمَ اور ھم مقطوع اور موصول دونوں طرح قرآن مجید میں مرقوم ہے۔ يَوۡمَ هُمۡ بٰرِزُوۡنَ۔ المومن ۴۰: ۱۶

يَوۡمَ هُمۡ عَلَى النَّارِ يُفۡتَنُوۡنَ۔ الذریت ۵۱: ۱۳

ان دو آیتوں میں تو مفصول و مقطوع ہے لیکن مندرجہ ذیل دو آیات (بوجہ مرکب اضافی ہونے کے) موصول ہے۔ ۳۵۶

يَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ يُوۡعَدُوۡنَ۔ الزخرف ۴۳: ۸۳

يَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ فِيۡهِ يُصۡعَقُوۡنَ۔ الطور: ۵۲: ۴۵

ایک جگہ قرآن مجید میں "اِبۡنَ" اور "اُمَّ" مفعول مرقوم ہے۔

قَالَ ابۡنَ اُمَّ ۔ الاعراف ۷: ۱۵۰

دوسری جگہ موصول: يَبۡنَؤُمَّ ۔ طٰہٰ: ۲۰: ۹۴

جہاں یا اور ابن اور ام کو یکجا ملا کر موصول لکھا گیا ہے۔

قرآنی رسم الخط میں ایک صورت ادغام کی ہے۔ بعض اوقات دو حروف الگ الگ (مفعول) مرقوم ہوتے ہیں۔

جیسے ''عَنْ مَّا، مِنْ مَّا، اَمْ مَّنْ، عَنْ مَّنْ، اِنْ مَّا، اِنْ لَمْ، اِنْ لَّنْ، اَنْ لَّا۔''
دوسرے مقامات پر یہی حروف موصول مرقوم ہیں۔ جیسے ''عَمَّا، مِمَّا، اَمَّنْ، عَمَّنْ، اِمَّا، اِلَّمْ، اِلَّنْ، اَلَّا۔''
قرانی رسم الخط کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی کہ بعض اوقات ایک لفظ لمبی ''ت'' سے لکھا جاتا ہے اور بعض اوقات گول ''ۃ'' سے:

نِعْمَتُ اور نِعْمَةَ، رحمت اور رحمۃ، جَنَّتُ اور جَنَّةٌ، شَجَرَتُ اور شَجَرَةَ، سُنَّت اور سُنَّةَ۔

قرآنی رسم الخط کے بارے میں یہ بات قطعی اور حتمی ہے کہ مصحف عثمانی کا تتبع کیا جائے۔ اس قدیم رسم الخط میں کسی قسم کی تبدیلی اور کسی قسم کا تغیر جائز نہیں ہے۔ خواہ نیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ بعض الفاظ کے لکھنے میں جو اختلاف ہے۔ جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔ اس میں معنوی اسرار و حکم کار فرما ہیں۔۴۵۷

سرزمین عرب میں عربی رسم الخط کی ابتداء

کتاب تمدن و تہذیب کے مظاہر میں سے ایک مظہر اور اجتماعی و تجارتی آثار میں سے ایک اثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فینقی اور مصری قومیں اس فن میں سب سے زیادہ پیش پیش ہیں اور غیر متمدن خانہ بدوش اس فن میں سب سے زیادہ پیچھے ہیں۔ عرب میں صرف وہی علاقہ اس فن سے واقف تھا جہاں تمدن پھیل چکا تھا اور آبادی ترقی پر تھی جیسے ملک یمن، یمنی اپنی تحریروں میں ایک رسم الخط استعمال کرتے تھے جسے وہ اپنی زبان میں ''مسند'' کہتے تھے۔ وہ اسکے حروف جدا جدا لکھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ رسم الخط ہودؑ کے کاتب پر بذریعہ وحی نازل ہوا ہے، لیکن آثار قدیمہ کی تحقیقات اور زبانوں کے باہمی تعلقات دریافت کرنے سے علم نے یہ بات ثابت کردی کہ تمام سامی خطوط، فینقی رسم الخط سے نکلے ہیں۔ نیز یہ کہ آرامی اور مسند رسوم الخط اپنی تمام اقسام کیساتھ اسی فینقی رسم الخط سے مشتق ہیں۔ خط آرامی سے حوران میں خط نبطی اور عراق میں سطر نجیلی سریانی نکلا، اور یہی دونوں خط عربی رسم الخط کی جڑ ہیں۔ اول الذکر رسم الخط سے خط نسخ پیدا ہوا اور ثانی الذکر سے خط کوفی جو اسلام سے قبل حیرہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ''حیری'' کہلاتا ہے، اول الذکر رسم الخط عرب والوں نے انبار سے سیکھا۔ یہ رسم الخط بشر بن عبد الملک کندی برادر اکیدر بن عبد الملک کندی دومۃ الجندل والے نے سیکھا تھا جب وہ مکہ گیا تو معاویہ کے دادا حرب بن امیہ کا داماد بن گیا اور وہاں قریش کی ایک جماعت کو یہ رسم الخط سکھایا۔ چنانچہ وہاں اس رسم الخط میں لکھنے والوں کی خاصی تعداد ہو گئی۔ جب کوفہ بسایا گیا اور یہ رسم الخط عام طور پر مساجد و محلات پر لکھی جانے والی تحریروں کیلئے استعمال ہونے لگا تو اس خط میں ایک خاص حسن و ترتیب پیدا ہو گئی اور اسے خط کوفی کہا جانے لگا۔۴۵۸

مختلف قدیم رسم الخط کا نمونہ دیا جارہا ہے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ رسم الخط کیونکر ایک دوسرے سے پیدا ہوئے اور ان میں باہمی تعلق کیا ہے؟

تعلیم نسواں

اسلام کے قرن اول سے تعلیم نسواں کا مطالعہ کریں تو ہمیں البلاذری کا یہ بیان ملتا ہے کہ:

''ابتدائی دور اسلام میں پانچ عرب خواتین ایسی تھیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ حفصہ بنت عمر، ام کلثوم بنت عقبہ، عائشہ بنت سعد، کریمہ بنت مقداد اور سب سے بڑھ کر الشفاء بنت عدویہ، جنہوں نے حضرت حفصہ کو بھی

پڑھایا تھا اور آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے شادی کے بعد بھی حفصہ کو پڑھاتی رہیں۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمیٰ پڑھ سکتی تھیں لیکن انہیں لکھنا نہیں آتا تھا۔" ۴۵۹

الشفاء کا حضرت حفصہ کو پڑھانا لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک مثال قائم ہو گیا۔ ہمیں کوئی ایسی مثال نہیں ملی کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ لڑکیاں مکاتب میں پڑھتی تھی یا لڑکے "لڑکیاں ساتھ ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور درخواست کی کہ ہفتہ میں کم سے کم ایک دن آنحضرت ﷺ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی مقرر فرمائیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ باقاعدہ خواتین کو جمع کر کے ان کو تعلیم دیتے اور پند و نصائح فرمایا کرتے تھے۔

خلیل طوطہ "التربیۃ والتعلیم عند العرب" میں رقمطراز ہیں:

لڑکیوں کی تعلیم مکاتب میں ہوتی تھی ۴۶۰۔ اور پھر وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "لڑکیوں کو گھر پر تعلیم دینے کا دستور تھا۔" ۴۶۱

"شہرہ آفاق شاعر الاعشیٰ اپنی بیٹی کو پڑھایا کرتا تھا وہ ایسی تربیت یافتہ اور مہذب خاتون ہوئی اور اس نے ایسا ذوق سلیم پایا تھا کہ باپ اپنی تازہ نظموں پر اس کی تنقید و تبصرے پر اعتماد کیا کرتا تھا۔" ۴۶۲

"بعض حالات میں امراء اور خاندان شاہی کی لڑکیوں کیلئے اتالیق مقرر کیے جاتے تھے۔" ۴۶۳

گھر کی چار دیواری میں تعلیم حاصل کر کے بہت سی عورتوں نے اعلیٰ علمی قابلیت حاصل کی۔ خصوصاً فلسفہ و قانون میں بہت نام پیدا کیا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ انصاری خواتین کی تعریف کیا کرتی تھیں کہ وہ اس مضمون پر عبور حاصل کرنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتیں۔" ۴۶۴

مسلم خاتون نے نہ صرف اسلامی علوم حاصل کئے بلکہ اسلامی کردار اور شرافت میں بھی نام پیدا کیا۔ اس ضمن میں ایک اہم قصہ بیان کیا جاتا ہے جس سے ایک مسلم خاتون کا اعلیٰ کردار ظاہر ہوتا ہے۔

۷۳ھ میں الحجاج کی افواج نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو شکست دی اور ان کے ساتھیوں نے جن میں بہت سے قبائلی سردار تھے ہتھیار ڈال دیئے۔ مایوسی کی حالت میں حضرت عبداللہ بن زبیر اپنی والدہ اسماء بنت ابوبکر کے پاس گئے اور اس وقت دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یہ ہے:

ابن زبیر: اماں میرے ساتھیوں نے میرے ساتھ دغا کی اب صرف چند آدمی میرے ساتھ ہیں وہ بھی عنقریب کسی نہ کسی وقت اپنی امداد سے دست کش ہو جائیں گے اگر میں شکست مان لوں تو دشمن میری شرائط ماننے کیلئے تیار ہے براہ کرم مجھے مشورہ دیجئے۔

اسماء: بیٹے مجھ سے زیادہ تمہیں اپنے حالات کی خبر ہے۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ تم حق پر ہو اور تم نے بدعت کے خلاف جہاد کیا ہے تو پھر جب تک جان میں جان ہے اسے جاری رکھو اور بنی امیہ کی اطاعت قبول نہ کرو۔ اگر تمہیں دنیا کی خواہش ہے تو پھر تم سے بدتر کوئی غلام نہیں کہ تم خود کو اور اپنے ساتھیوں کو ایک معمولی چیز کے لئے تباہ کر رہے ہو۔ ساتھیوں کی

کمزوری کے باعث ہتھیار نہ ڈالو کیونکہ یہ نیکوں کا شیوہ نہیں ہے۔ یاد رکھو! کہ جس مقصد کے لئے تمہارے دوستوں نے جان دی ہے تم اسی مقصد کے لئے جہاد جاری رکھو جب تک فتح یا شہادت نصیب نہ ہو۔

عبداللہ: اماں! مجھے ڈر ہے کہ شامی مجھے پھانسی پر لٹکا دیں گے۔ میری لاش گھسیٹیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔

اسماء: بیٹے! بھیڑ جب ذبح ہو جاتی ہے تو کھال کھینچنے سے نہیں ڈرتی۔ ۴۶۵

رفتہ رفتہ جوں جوں تہذیب و ثقافت پھیلتی گئی۔ مسلم خواتین کی ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہیں۔

اسلامی تعلیمات

اس دور میں خواتین کے دل پسند مضامین حدیث و فقہ تھے۔ ہمیں کثیر تعداد میں ایسی خواتین ملتی ہیں جنہوں نے محدثین اور فقہاء میں ناموری حاصل کی۔ ابن حجر نے اپنی تصنیف "اصابہ فی تمیز الصحابہ" میں اسلام کے قرون اولیٰ کی پندرہ سو تینتالیس محدث خواتین کے سوانح حیات جمع کئے ہیں۔

النووی نے اپنی کتاب "تہذیب الاسماء" میں الخطیب البغدادی نے "تاریخ بغداد" میں اور السخاوی نے "الضوء اللامع" میں بہت سا حصہ ان خواتین کے حالات کے لئے وقف کیا ہے۔ جنہوں نے علم و فضل میں کمال حاصل کیا۔

یہاں چند ایسی خواتین کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے دینیات میں کمال حاصل کیا۔ سب سے زیادہ افضلیت ام المومنین حضرت عائشہؓ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ان سے ایک ہزار احادیث مروی ہیں۔ جن کو انہوں نے براہ راست آنحضرتؐ سے سنا ہے۔" ۴۶۶

حضرت علیؓ کی اولاد میں نفیسہ ایسی ہیں مستند محدث تھیں کہ فسطاط میں امام شافعی ان کے حلقہ درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ حالانکہ اس وقت انہیں بھی شہرت اور عروج حاصل تھا۔" ۴۶۷

فاطمہ بنت الاقرع ایک مشہور زمانہ عالم و فاضل تھیں اور نہایت اعلیٰ درجے کی خوشنویس۔ انہوں نے کثرت سے قابل اساتذہ کے حلقہ ہائے درس میں شرکت کی تھی اور اپنے بے شمار شاگردوں کے علم سے بھی استفادہ کیا تھا۔ ۴۶۸

"شیخا شہدہ الملقب بہ فخر النساء جامع مسجد بغداد میں ایک کثیر مجمع کے سامنے ادب' خطابت اور شاعری پر لیکچر دیا کرتی تھیں۔ وقائع اسلام میں ممتاز علماء کے ساتھ اس خاتون کا بھی نام لیا جاتا ہے۔" ۴۶۹

ایک ممتاز خاتون زینب بنت اشعری نے اپنے زمانے کے نامور علمائے دین سے تعلیم حاصل کر کے سندات حاصل کی تھیں۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ جب وہ دو سال کا تھا تو ان خاتون نے اسے بھی ایک سند دی تھی۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ بچوں کی ہمت افزائی اور ان کی سعادت مندی کے لئے اس قسم کی سندیں عطا کی جاتی تھیں تاکہ بچہ اپنی ذاتی محنت و قابلیت سے ایسی سندات حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ تقریباً پانچ سو طلباء ابوالخیر الاقطع کی دادی عنیدہ کے حلقہ درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ۴۷۰

مسلم خواتین نے شاعری اور خطابت میں نام پیدا کیا

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اکثر خواتین نے شاعری اور خطابت میں نام پیدا کیا۔ اکثر حالات میں وہ اپنے ہم

عصر مردوں کے برابر اور بعض حالات میں ان سے بڑھ کر ثابت ہوئیں۔ یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

''النضر ابن الحارث ہجرت سے قبل رسول اکرم ﷺ پر حملے کیا کرتا تھااور حضور کو تنگ کیا کرتا تھا۔ جب غزوہ بدر میں وہ گرفتار ہوا تواسے قتل کر دیا گیا۔ اسکی بہن قتیلہ نے ایک دردناک مرثیہ لکھاجسے سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''مرثیہ ایسا ہے کہ اگراس کی زندگی میں سناجاتاتوممکن تھاکہ اس مجرم کی معافی کاباعث ہوتا۔'' ۴۷۱ ؎

''الفرزدق کی بیوی،کوادب میں اس قدر درک حاصل تھاکہ خود اس کا شوہر اور شاعری میں اس کا حریف جریر دونوں فیصلہ کے لئے اس کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اس کا فیصلہ یہ تھاکہ اعلیٰ درجے کی نظموں میں دونوں کا پلہ برابر ہے۔ لیکن ادنیٰ درجہ کی نظموں میں جریر کاکلام فرزدق سے بہتر ہے۔''۴۷۲ ؎

''صفیہ جو سویل (Seville) کی رہنے والی تھی۔ خطابت اور شاعری کی صلاحیتوں میں ممتاز تھی۔ لیکن علاوہ ازیں وہ خوش نویسی میں سب سے سبقت لے گئی تھی۔ اس کی تحریر کی ہر شخص مدح وثناکرتاتھا اور وہ ماہر محررین کے لئے ایک نمونہ تھی۔''۴۷۳ ؎

''زینب اور مجیدہ نبات زیادہ اعلیٰ درجہ کی شاعرہ تھیں۔ علم و فن کے ہر شعبے میں انہیں کمال حاصل تھااور دونوں حسین و جمیل تھیں' دولت مند تھیں' دلنواز تھیں اور منکسر المزاج' علم کی محبت انہیں علماء و فضلاء کی جماعت میں لے آئی تھی۔ جن سے وہ نہایت شان و شوکت اور اطمینان سے مساویانہ ملتی جلتی تھیں۔ لیکن خواتین کے طور طریقوں کالحاظ رکھتی تھیں۔''۴۷۴ ؎

''مریم بنت یعقوب انصاری نہایت ممتاز شاعرہ اور ادب کی استاد تھیں۔ اس کا حلقہ درس عورتوں کے لئے تھاجو اس کے علم سے استفادہ کرنے آیا کرتی تھیں۔'' ۴۷۵ ؎

نئے مدارس و مسجدوں کی تعمیر

اسلام سے پہلے دنیاپر جہالت کی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ بعض مقامات' مثلاً یونان' ایران اور قدیم ہندوستان میں خرافات' توہمات اور اساطیر پر علم کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ ادیان سابقہ کی معرفت اور تعلیم و تعلّم کی اجارہ داری کاہن' ساحر' احبار و رہبان' پروہتوں اور پنڈتوں کو حاصل تھی۔ عوام عقل و معرفت اور علم و دانش کی روشنی سے محروم تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں جب رسالت محمدیؐ کا آفتاب عالم تاب مکہ معظمہ سے طلوع ہوا تو بعثت محمدیؐ نے دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا۔ نیا علم و حکمت عطا کیا' نیا ذوق و شوق اور نئی بلند نظری عطا کی اور علم و دانش کی روشنی سے دنیا کے تاریک گوشوں کو منور کیا۔ اسلام کا انسانیت پر یہ ابدی احسان ہے کہ اس نے علم کے پوشیدہ خزانوں کو وقف عام کر دیا۔''۴۷۶ ؎

''اسلام نے عربوں کو تہذیب و تمدن کے بلند معیار پر پہنچایا' ان میں تعلیم کا شوق پیدا کیا' جس سے وہ بے بہرہ تھے۔''۴۷۷ ؎

وہ اس دین کو پاکر علم و حکمت کے سرمایہ دار اور اسرار و رموز الٰہی کے امانت دار بن گئے۔ آنحضرت ﷺ پر جو پہلی وحی اتری وہ علم کی فضیلت اور عظمت کے بارے میں تھی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ○ ۳۷۸ ؎

ترجمہ :- پڑھ ساتھ اپنے رب کے نام کے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے۔ پڑھ اور تیرا پروردگار بہت کرم کرنے والا ہے۔ جس نے سکھایا ساتھ قلم کے۔ سکھایا آدمی کو جو کچھ وہ نہیں جانتا تھا۔

ایک اور دوسری جگہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد کتاب و حکمت کی تعلیم قرار دیا گیا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ۳۷۹ ؎

ترجمہ :- حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر (بڑا) احسان کیا جبکہ انہیں میں سے ایک پیغمبر ان میں بھیجا کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت (فہم) کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور یہ لوگ پہلے صریحاً غلطی میں تھے۔

اسلام سے پہلے عرب میں گنتی کے چند آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن جب اسلام آیا تو اسلام کی روشنی سے منور ہو کر ساری دنیا کے استاد بن گئے۔ مدینہ منورہ کی وہ چھوٹی سے مسجد جو مسجد نبویؐ کے نام سے مشہور ہے اسلام کی پہلی درسگاہ تھی۔ وہی اللہ کی عبادت کا مقام اور علم کی اشاعت کا مرکز تھی۔ مدینے میں تعلیم وارشاد کے مختلف طریقے تھے۔ ایک یہ کہ مختلف قبائل کے بعض افراد دس، بیس دن یا مہینہ دو مہینے رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں واپس جا کر ان کو تعلیم دیتے تھے۔

دوسرا طریقہ مستقل درس کا تھا

یعنی کچھ لوگ مدینے میں مستقل قیام کے احکام شریعت کی تعلیم پاتے تھے۔ ان کے لئے صفہ کی درسگاہ تھی اور اس میں زیادہ تر وہی لوگ قیام پذیر ہوتے تھے جو تمام دنیوی تعلقات سے بے نیاز ہو کر شب و روز زہد و عبادت اور زیادہ تر خدمت علم میں مصروف رہتے تھے۔ ۳۸۰ ؎

اس وقت کی اصطلاح میں ان طالبان علم کو قراء کہتے تھے۔ صحیح بخاری میں بھی یہی نام آیا ہے۔ ۳۸۱ ؎

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شغف علم کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ غزوہ بدر کے اسیران جنگ میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ ۳۸۲ ؎

ایک دفعہ عورتوں نے آنخضرت ﷺ سے شکایت کی کہ مرد علم سیکھنے میں ہم سے سبقت لے گئے۔ آپؐ ہفتے میں ایک دن ہمیں تعلیم وارشاد سے مستفید فرمائیں۔ چنانچہ آپؐ نے وعدہ فرمایا اور انہیں وعظ و تلقین فرمانے لگے۔ ۳۸۳ ؎

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا زمانہ خلافت زیادہ تر مرتدین کی شورشوں کے قلع قمع کرنے میں گذرا۔ حضرت فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں تمام مفتوحہ ممالک میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس مقرر کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ خانہ بدوش بدوؤں کیلئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر رائج کی۔ قرآنی مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عام طور تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ اسکے علاوہ

عربیت کی تعلیم بھی لازمی کردی۔تاکہ لوگ صحت الفاظ وصحت اعراب کے ساتھ قرآن مجید پڑھ سکیں۔[۴۸۴]

شام کی فتح کے بعد قرآن مجید وشریعت اسلامی کی تعلیم کو بہت فروغ حاصل ہوا۔حضرت عبادہؓ بن صامت نے معلم قرآن کی حیثیت سے حمس میں قیام فرمایا' حضرت معاذ بن جبلؓ نے فلسطین اور حضرت ابو درداءؓ نے دمشق میں اقامت اختیار کی۔ انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم کے لئے مکاتب قائم کئے۔

لوگ جوق در جوق علم کی تحصیل کے لئے ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔صحابہؓ جہاں بیٹھ جاتے' شمع محفل بن جاتے اور لوگ تحصیل علم کے لئے پروانوں کی طرح ان پر گرتے۔اس عہد میں کتاب وسنت کے علاوہ علم فقہ کی بھی اشاعت ہوئی۔ مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن قاسمؒ شام میں' حضرت عبداللہ بن معقلؓ اور حضرت عمرانؓ بن حسین بصرے میں' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مدائن میں اور حضرت حبان بن جبلہ مصر میں فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔اس دور کی تعلیمی خصوصیات حسب ذیل تھیں :

۱۔ قرآن مجید' حدیث اور فقہ کے سوا کسی دوسرے علم کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی۔

۲۔ تعلیم کتابی نہ تھی' یعنی قرآن مجید کے سوا حدیث اور فقہ بالکل زبانی پڑھائے جاتے تھے۔

۳۔ تعلیم پر تنخواہ تو در کنار ہدیہ لینے کی بھی ممانعت تھی۔

۴۔ تحصیل علم کے لئے دنیوی غرض کا شامل کرنا جائز نہ تھا۔

۵۔ تعلیم کے لئے سفر کرنا ضروری تھا۔ایک ایک حدیث کی سماعت اور تحقیق کیلئے لوگ خراسان سے لے کر دمشق اور حجاز تک کا سفر پا پیادہ کرتے تھے۔

۶۔ مسجدیں اور علماء کے معمولی مکانات تعلیم گاہوں کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔

اموی دور

ابتدائی تعلیم کے لئے ہر جگہ **کُتّاب** (جمع : کتاتیب ومکاتب) قائم ہوگئے تھے۔حجاج بن یوسف اپنی ابتدائی زندگی میں طائف میں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔[۴۸۵]

اسی طرح مشہور شاعر الکمیت بن اسدی بھی کوفے میں معلم صبیان تھا۔[۴۸۶]

ابن خلکان نے ابو مسلم خراسانی کے حالات میں لکھا ہے کہ اس نے عیسیٰ بن مقعل کے ہاں پرورش پائی تھی اور جب وہ بڑا ہوا تو حصول تعلیم کیلئے ایک مکتب میں جاتا تھا۔[۴۸۷]

ان مکاتب میں نوشت وخواند اور قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی۔بعض مکاتب میں علم لغت اور نحو کی بھی تدریس شامل تھی۔

بیشتر علماء بلا معاوضہ لوجہ اللہ پڑھایا کرتے تھے۔لیکن بعض اجرت بھی لیتے تھے۔[۴۸۸]

اعلیٰ تعلیم کے لئے ملک کی بڑی بڑی مساجد مدارس اور جامعات کا کام دیتی تھیں۔مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا اور اسمیں قرآن مجید' حدیث' فقہ' فرائض اور عربی زبان کی تعلیم ہوتی تھی۔مدینہ منورہ میں ربیعۃ الرای کا حلقہ درس مشہور تھا۔امام مالک اور امام اوزاعیؒ اس حلقے کے تعلیم یافتہ تھے۔

حجاز کے بعد دوسرا مرکز عراق تھا۔ کوفے میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور امام شعبی ؒ کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ بصرے میں حضرت امام حسن بصری ؒ کا حلقہ درس امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔[۴۸۹]

اموی خلفاء شہزادوں کو عربیت کی صحیح تعلیم کے لئے بادیۃ الشام میں بھیجا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ شہزادوں کی تعلیم کے لئے ممتاز استاد مقرر کئے جاتے تھے جو ''مؤدب'' کہلاتے تھے۔

اموی دور کے نظام تعلیم میں حسب ذیل تعلیمی خصوصیتوں کا اضافہ ہوا:

۱۔ علوم و فنون کے لئے تالیف و تصنیف اور ترجمے کا سلسلہ قائم ہوا۔

۲۔ اساتذہ اور طلبہ کے وظائف مقرر کئے گئے۔

۳۔ مساجد میں تعلیم کے لئے درس کے مستقل حلقے قائم ہوئے۔

۴۔ بعض اسلامی ملکوں میں اہل علم کو اپنا تعلیمی کام جاری رکھنے کے لئے جہاد کی خدمت سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

۵۔ زبانی تعلیم کے علاوہ املاء کا طریقہ جاری ہوا۔ یعنی استاد جو کچھ درس دیتا' شاگرد اسے لکھ لیتے یا استاد خود لکھتا جاتا اور طلبہ لکھتے جاتے تھے۔

۶۔ کتابوں کی قرأت کی سند و اجازت کا رواج بھی اسی دور سے ہوا۔[۴۹۰]

عباسی دور

اس دور میں تعلیم مسجدوں کے صحنوں' خانقاہ کے حجروں اور علماء کے معمولی مکانوں اور امراء کی حویلیوں میں جاری رہی۔

مدینہ طیبہ کے علاوہ کوفہ' بصرہ اور فسطاط مشہور علمی مرکز تھے۔ اس عہد کی دو درسگاہیں خاص طور پر ممتاز تھیں۔ ایک کوفے میں حضرت امام ابو حنیفہ ؒ کی درس گاہ اور دوسری مدینہ میں حضرت امام مالک ؒ کی۔ امام ابو حنیفہ ؒ کے حلقہ تعلیم میں ھرات (افغانستان) سے لے کر دمشق اور حمص (شام) تک کے طلب شریک ہوتے تھے۔ امام مالک کے درس کی بادشاہت ایک طرف مدینے سے بخارا اور سمرقند تک تھی۔ تو دوسری طرف تونس' قیروان' قرطبہ اور سرقسطہ تک کے طلبہ ان کے علم سے فیض یاب ہونے کے لئے مدینے آیا کرتے تھے۔[۴۹۱]

وزراء اور خلفاء اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام اپنے مکانات اور محلات میں کرتے تھے اور اس کے لئے سرکردہ علماء کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ یہ علماء مؤدب کہلاتے تھے۔

خلف الاحمر' المفضل الضبی' ابو محمد یزیدی الکسائی' ثعلب' الفراء' ابن السکیت اور الزجاج خلفاء اور امراء کے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اور بیش قرار تنخواہیں پاتے تھے۔[۴۹۲]

قیام مدارس سے قبل مقاماتِ تعلیم

مکاتب برائے تعلیم نوشت و خواند

اس قسم کے مکاتب اسلام سے قبل بھی بہت محدود تعداد میں موجود تھے۔ اس امر کی تحریری شہادت موجود ہے

کہ سفیان بن امیہ اور ابوقیس بن عبد مناف مکہ کے سب سے پہلے افراد ہیں جنہوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔[۴۹۳]

ان کا استاد ایک عیسائی بشر ابن عبدالملک تھا۔ جس نے یہ فن حیرہ میں سیکھا تھا۔ جس شخص نے سب سے پہلے جزیرۃ العرب میں مدرسی کا پیشہ اختیار کیا وہ وادی القراہ کا رہنے والا تھا اور اس نے وہیں چند شہریوں کو نوشت وخواند کی تعلیم دینی شروع کی تھی۔[۴۹۴]

چنانچہ اس فن کے سیکھنے والوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی گئی۔ لہٰذا جب اسلام آیا تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ افراد ایسے تھے۔ جنہیں لکھنا پڑھنا آتا تھا۔[۴۹۵]

''نئے مذہبی اور سیاسی نظام کی ضرورت کے تحت لکھنے پڑھنے کی بے حد ہمت افزائی کی گئی۔[۴۹۶]

اور رفتہ رفتہ اس فن کی اہمیت کا احساس بروئے کار لایا گیا اور نہایت خوبی سے اس کا اظہار کیا گیا۔''[۴۹۷]

اوائل اسلام کے وہ مسلمان جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے کاتبان وحی مقرر کیے گئے اور نوشت وخواند سکھانے کا کام غیر مسلموں کے حصے میں آیا اور عرصہ تک ان ہی کے ذمہ رہا۔[۴۹۸]

غزوہ بدر کے چند قیدیوں کو اس شرط پر رہائی ملی کہ بطور فدیہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔''[۴۹۹]

وہ مکاتب جہاں نوشت وخواند کی تعلیم دی جاتی' خاص طور پر مشرق میں تو اساتذہ کے مکانوں ہی پر قائم تھے اور ان دوسرے مکاتب سے بالکل الگ تھے جہاں قرآن مجید اور دینیات کی ابتدائی تعلیم کا انتظام تھا۔[۵۰۰]

پروفیسر ہتی "The History of the Arabs" میں رقمطراز ہیں:

''ابتدائی مدرسہ یعنی مکاتب کا نصاب قرآن پر مرکوز تھا۔ جو بطور ٹیکسٹ پڑھایا جاتا تھا۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کی مشق بھی کی جاتی تھی۔ پڑھنے اور خوش نویسی کے ساتھ طلباء کو صرف ونحو' قصص الانبیاء اور احادیث کی تعلیم دی جاتی تھی۔''[۵۰۱]

احمد امین' ڈاکٹر ''ضحیٰ الاسلام'' میں رقمطراز ہیں:

''بعض مکاتب میں نوشت وخواند اور قرآن مجید کی تعلیم ہوتی تھی اور بعض میں زبان وغیرہ بھی پڑھائی جاتی تھی۔''[۵۰۲]

اس قسم کی اسناد موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوائل اسلام میں ذمی اور غزوہ بدر کے قیدی ان مکاتب میں مدرسی کا کام کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان اساتذہ کو قرآن پاک اور دینیات سے کیا واسطہ۔ زمانہ مابعد سے متعلق ہم تین نامور اور مستند مصنفین سے واقف ہیں جو مختلف زمانوں میں موجود تھے۔ ان پر ہم مسئلہ میں اعتماد کر سکتے ہیں۔

۱۔ ابن جبیر ۶۱۴ھ فرماتے ہیں:

''اکثر مقامات پر قرآن مجید کا استاد جدا ہے اور نوشت وخواند کا جدا۔ قرآن شریف پڑھنے کے بعد طالب علم کو خوش نویسی کیلئے دوسری جگہ جانا پڑتا اور اسکا خط اسلئے بہت اچھا ہوتا تھا کہ خوش نویسی کا استاد اور کچھ نہیں پڑھاتا تھا۔''[۵۰۳]

۲۔ ابن بطوطہ ۷۷۹ھ بھی اس بات کو ایسے ہی الفاظ میں بیان کرتے ہیں ان کا بیان ہے:

''خوش نویسی کا استاد اور ہے اور قرآن مجید کا اور' اول الذکر استاد خوش نویسی میں اشعار وغیرہ کا استعمال کرتا ہے لیکن بپاس ادب قرآن مجید کی آیات نہیں لکھواتا۔ قرآن شریف پڑھ کر لڑکا خوش نویسی کیلئے دوسری جگہ جاتا ہے۔ کیونکہ کتابت سکھانے

والا استاد اور کچھ نہیں پڑھاتا۔''

۳۔ ابن خلدون ۸۰۸ھ فرماتے ہیں:

''خوش نویسی کی تعلیم قرآن شریف اور دینیات کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اس کے متعلق کوئی مذہبی فتویٰ ہے اور اس لئے نوشت و خواند سکھانے کے لئے مخصوص اساتذہ ہوتے ہیں۔ جس طرح دوسری دستکاریوں کے استاذ نوشت و خواند کی تعلیم ''مکاتب الصبیان'' میں نہیں ہوتی۔ جیسے یہ چیزیں سیکھنی ہوں تو وہ مخصوص اساتذہ سے سیکھتا ہے۔''[۵۰۴]

چنانچہ یہ سب سے پہلا ادارہ تھا جو ملک عرب میں قائم ہوا اور میرے خیال میں اس کے کام کی نوعیت یعنی ''تکتیب سے لفظ'' ''کتاب'' ''مکتب'' مشتق ہوا۔ اس لفظ کے مادہ کو دور مابعد بالکل بھلا دیا گیا۔ چنانچہ المبرد جب ''المکتب'' کا ذکر ایک تعلیمی ادارے کی حیثیت سے کرتے ہیں تو ان کی نظر اس کے محدود معنی پر نہیں جاتی۔ یہی لفظ دوسرے اداروں کے لئے بھی بولا جاتا تھا۔ قرآن مجید اور ابتدائی دینیات کی تعلیم ہوتی تھی جو بچے ان دونوں اداروں میں تعلیم حاصل کرتے تھے وہ غیر ارادی طور پر دونوں کیلئے ایک ہی نام استعمال کرتے تھے۔''[۵۰۵]

مکاتب برائے بچگان، تعلیم قرآن مجید و ابتدائی مضامین

گولڈ زہیر (Gold Ziher) اسلامی تعلیم پر اپنے مقالے میں اس قسم کے مکاتب کا وجود اوائل اسلام میں بتاتا ہے اور اپنے اس نظریہ کے ثبوت میں مندرجہ ذیل مثالیں دیتا ہے:

۱۔ ام المومنین حضرت ام سلمیٰؓ نے ایک معلم مکاتب سے کہا کہ مدرسے کے کچھ بچے میرے پاس بھیج دو جو اون کے تو منے میں میری مدد کریں۔

۲۔ عمرو ابن میمون (۴۷۔۷۷ھ) ایک ایسے اصول کی عبارت دیتا ہے جو صحابی رسول ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص اپنے بچوں کو سکھایا کرتے تھے۔ جیسے کہ استاد اپنے شاگردوں کو لکھنا سکھانے کے وقت بتایا کرتا ہے۔

۳۔ عمر اور ابو اسید ایک مرتبہ کسی مکتب کے پاس سے گزرے اور تمام لڑکے ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

۴۔ بہت ابتدائی زمانے سے لوح کا استعمال کیا جاتا ہے۔ صحابیہ ام الدرداء ایک لوح پر کچھ نصیحت آموز جملے لکھتی ہے اور ایک لڑکے کو سبق کے طور پر دیتی ہیں۔[۵۰۶]

Gold Ziher نے دونوں قسم کے مکاتب میں کوئی امتیاز نہیں کیا اور جہاں کہیں مکاتب کا ذکر ہے۔ اسے یہ تصور کر لیا کہ ابتدائی عہد میں قرآن مجید اور ابتدائی دینیات کے مکاتب موجود تھے۔

گولڈ زہیر کی مندرجہ بالا چاروں مثالوں میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ہے جو کسی ایسے ادارے کا پتا دیتی ہو۔ جو اس وقت ہمارے زیر بحث ہے۔ برخلاف اس کے ایک سے زائد مثالیں موجود ہیں جو صاف طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ وہ مکاتب جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ صرف نوشت و خواند کے لئے مخصوص تھا۔

اوائل اسلام میں کسی ایک شخص کے تمام قرآن مجید کو حفظ کرنیکا رواج بہت شاذ تھا۔ اس آیت شریف کے تحت کہ:

''کتب انزلنه الیك مبرك لیدبروا ایاته و لیتذکر اولوالالباب۔''[۵۰۷]

یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں۔

صحابہ کرام زیادہ توجہ قرآن مجید کے سمجھنے پر صرف کیا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ان میں ہر شخص دس آیتیں یاد کرنے کے بعد اس وقت تک آگے نہیں بڑھتا جب تک اس کے معانی و مطالب پر حاوی نہ ہو جائے اور ان احکامات پر عمل نہ کرلے۔"[508]

چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے سورۃ بقرہ کے یاد کرنے میں آٹھ سال صرف کئے اور صحابی رسولؐ حضرت انس کے متعلق روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے:

"جو شخص ہم میں سے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھ سکتا تھا وہ بڑا آدمی تصور کیا جاتا تھا۔"[509]

مزید برآں ایک جگہ جمع کیا ہوا سارا قرآن مجید حضرت عثمانؓ کے عہد سے قبل مختلف مقامات پر کہیں نہیں ملتا تھا۔"[510]

اس وقت بھی جب کہ بہت سے صحابہؓ نے قرآن مجید حفظ کرلیا تھا وہ بچوں کی تعلیم سے بھی کہیں زیادہ اہم امور میں مصروف رہا کرتے تھے۔

ابن خلدون فرماتے ہیں:

"صحابہؓ کرام میں سے وہ حضرات جنہوں نے قرآن پاک اور اسکی حکمت کو سیکھ لیا تھا۔ وہی اسکے مجاز تھے کہ فتوے جاری کریں اور ان ہی سے لوگ مذہبی مسائل سیکھتے تھے۔ ان حضرات کو "القراء" کہتے تھے اور بعد میں جب زیادہ لوگوں نے قرآن کی تعلیمات کو حاصل کرلیا اور فقہ کی تدوین ہوئی تو یہ حضرات فقیہ یا عالم دین کے لقب سے پکارے جانے لگے۔[511]

اب ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس قسم کے مکاتب اوائل عہد اسلام میں موجود نہ تھے۔[512]

اس دوران میں شاذ و نادر ہی بچوں کو حلقہ میں شریک کر کے تعلیم دی جاتی تھی۔ جیسا کہ علیؑ ابن طالب اور عبداللہ بن عباسؓ نے تعلیم حاصل کی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یا تو گھر پر اتالیق پڑھاتے تھے یا بچے اپنے باپ سے پڑھا کرتے تھے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ابتدائی دور میں بچوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق مشورے اور نصائح جو ہمیں ملتے ہیں وہ اساتذہ کے لئے نہیں بلکہ والدین کے لئے ہیں اور بعض اوقات پرائیویٹ اتالیق کے لئے ہیں۔ دور مابعد میں البتہ ابتدائی مدارس کے اساتذہ کیلئے مشورے ملتے ہیں۔

اس قسم کے مکاتب کہاں قائم کئے جاتے تھے۔ سو اس کے متعلق یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ بچوں کو مساجد میں تعلیم نہ دی جائے۔ کیونکہ وہ مساجد میں سکون و خاموشی اور صفائی نہ رکھ سکیں گے۔[513]

لیکن اکثر و بیشتر اس ہدایت پر عمل نہیں کیا جاتا تھا۔ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ ابتدائی مدارس یا تو مساجد میں قائم کئے جاتے تھے یا کسی عمارت میں جو مسجد سے ملحق ہوتی تھی یا ذاتی مکانات میں۔ علاوہ ان متعدد مکاتب کے جو مساجد میں تھے اور بھی خود کفیل مکاتب ملتے ہیں جو ادھر ادھر پھیلے ہوئے تھے۔[514]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"میری ماں نے مجھے مکتب میں داخل کر دیا اور جب میں نے قرآن مجید حفظ کر لیا تو میرا داخلہ مسجد میں ہوا۔"۵۱۵۔

"ایک نہایت مشہور خود کفیل مکتب (وشقیت) جس کا ذکر حاشیہ پر ہو چکا ہے۔ کوفہ میں ابوالقاسم بلخی متوفی ۱۰۵ھ نے قائم کیا تھا۔ جہاں تین ہزار طلباء تھے اور جنکی دیکھ بھال کیلئے انہیں اِدھر اُدھر اپنے خچر پر سوار ہو کر چکر لگانا پڑتا تھا۔"۵۱۶۔

ایک اور بلخی جن کا نام احمد ابن سہل (متوفی ۳۲۲ھ) ہے۔ بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اور اپنے علم اور دانائی کے باعث اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئے تھے۔۵۱۷۔

اسلامی دنیا میں مکاتب اور معلمین کی تعداد بڑی تیزی اور کثرت کے ساتھ بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ قریب قریب ہر گاؤں میں ایک مکتب قائم ہو گیا۔ مثال کے طور پر جب ابن حوقل نے مقلیہ کی سیاحت کی تو صرف پلرمو میں اس نے ابتدائی تعلیم کے کم و بیش تین سو مدرسین کا شمار کیا۔۵۱۸۔

حضرت عمر ابن الخطابؓ نے جو نصاب تعلیم تجویز کیا

حضرت عمر ابن الخطابؓ نے جو نصاب تعلیم تجویز کر کے اسلامی ممالک میں بھیجا تھا وہ یہ تھا:

"اپنے بچوں کو تیراکی، شہسواری، مشہور ضرب الامثال اور اچھے اشعار سکھاؤ۔" ۵۱۹۔

ایک اور نصاب تعلیم

جو ابن توئم سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ ہے:

"اپنے بیٹوں سے متعلق اپنا فرض ادا کرنے کے لئے باپ کو چاہئے کہ وہ انہیں کتابت اور حساب، اور تیرنا سکھائے۔"۵۲۰۔

"جب حفاظ قرآن پاک نے بچوں کی تعلیم اپنے ذمہ لے لی تو قرآن مجید ہی ابتدائی تعلیم کا مرکز بن گیا۔ حفظ قرآن کو اولیت حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد دینیات کی تعلیم کا نمبر آیا۵۲۱۔ جو اب تک والدین کے سپرد تھی، کچھ نظمیں (بہ استثنائے عشقیہ اشعار)"۵۲۲۔

"انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" میں یہ مضمون قابل قبول نہیں کہ "بچوں کے مکاتب میں جو خاص مضمون پڑھایا جاتا تھا وہ ادب تھا اور اسی لئے بچوں کے مدارس کو "مجالس الادب" کہتے تھے۔"۵۲۳۔

اس بیان کے ثبوت میں جو حوالہ دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔۵۲۴۔

نصاب تعلیم کی عمومی کیفیت یہی تھی جو بیان کی گئی۔ لیکن مقامی لحاظ سے تبدیلیاں بھی ہوتی تھیں۔ اس کی مثال ابن خلدون نے ایک باب میں دی ہے۔ جس کا عنوان ہے "بچوں کی تعلیم کے مختلف طریقے"۔

اس کا خلاصہ یہ ہے:

"بچوں کی تعلیم کی ابتداء قرآن مجید سے کی جاتی تھی تاکہ شروع ہی سے مذہب کی طرف ذہن کی توجہ رہے اور اس مسئلہ میں تمام اسلامی ممالک متفق تھے۔ لیکن المغرب میں صرف قرآن مجید ہی بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ جب تک وہ اس پر پوری طرح عبور نہ حاصل کر لیں۔

اندلس اور مشرق میں اشعار، صرف و نحو اور خوش نویسی بھی اسی عمر میں سیکھنا لازمی ہیں۔ لیکن اندلس میں خوش

نویسی سب سے اہم مضمون تصور کیا جاتا ہے۔

افریقہ میں یہی مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔"۵۲۵۔

لڑکیوں کو سورۂ نور خاص طور پر پڑھائی جاتی تھی۔"۵۲۶۔

اب ہم اس حصہ کو ان ممتاز حضرات کے اسمائے گرامی پر ختم کرتے ہیں۔ جو قرونِ اولیٰ میں بام شہرت پر پہنچنے سے پہلے معلم مکتب تھے۔

محلات میں ابتدائی تعلیم

تمام اسلامی دنیا میں اس بات پر پورا پورا عملدر آمد کیا جاتا تھا۔ کہ طالب علم کی آئندہ زندگی میں اس کے ذریعہ معاش کو ذہن میں رکھتے ہوئے نصاب میں تبدیلی ہوتی رہنی چاہیے۔۵۲۷۔

چنانچہ ایک خاص قسم کی ابتدائی تعلیم محلات شاہی میں اور امراء کی حویلیوں میں رائج تھی۔ اس لئے یہ دونوں کا تعلق بچوں ہی کی تعلیم و تربیت سے ہے۔ فرق صرف نصاب میں تھا۔ شاہی محل میں نصاب بچہ کی باپ کی مرضی کے مطابق ترتیب دیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اس طبقہ کے طلباء ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم بھی محل ہی میں حاصل کرتے تھے۔ یہاں جو استاد ہوتا اسے "مؤدب" کہا جاتا تھا۔ لفظ مؤدب "ادب" سے مشتق ہے۔ جس لفظ میں اخلاقی اور ذہنی صفات شامل ہیں اور چونکہ مؤدب کا یہ کام تھا کہ ان دونوں صلاحیتوں کو اجاگر کرے اس لئے اسے مؤدب کا یہ کام تھا کہ ان دونوں صلاحیتوں کو اجاگر کرے اس لئے اسے مؤدب کہتے تھے۔۵۲۸۔

اس قسم کی تعلیم جو محلاتِ شاہی میں ہوا کرتی تھی اور بعض حالات میں مؤدب محل کے ایک حصہ میں اپنے شاگرد کے ساتھ ہی رہا کرتا تھا تاکہ تربیت پر پوری توجہ دے سکے۔ جب احمد بن یحییٰ ثعلب کو طاہر ابن محمد عبداللہ ابن طاہر کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ تو اس کے لئے محل ہی میں قیام کا انتظام کیا گیا اور وہ اپنے شاگرد ہی کے ساتھ کھانا کھایا کرتا تھا۔"۵۲۹۔

"کبھی اتالیق کا مکان محل سے باہر بھی ہوا کرتا تھا۔ اس صورت میں عموماً خلیفہ کا دستور یہ تھا کہ جس کمرہ میں استاد پہلے دن شاگرد کی تعلیم شروع کرتا تھا اس کا سارا ساز و سامان استاد کو نذر کر دیا جاتا تھا۔"۵۳۰۔

"جب امین کے استاد احمرے کے لئے تمام ساز و سامان منتقل کرنے کے احکامات صادر ہوئے تو احمر نے کہا کہ میرے پاس تو اس ساز و سامان کے لائق مکان بھی نہیں ہے۔ لہٰذا ہارون الرشید نے اس کے لئے فوراً ایک مکان خرید کر نذر کر دیا اور اسے تمام ساز و سامان سے آراستہ کر دیا گیا۔"۵۳۱۔

اگرچہ مضامین ہر حالت میں یکساں ہی تھے۔ لیکن باپ کی ہدایت کے مطابق ان مین ترمیم و تنسیخ ہوتی رہتی تھی۔ ان مثالوں سے فرق بھی معلوم ہو جائے گا اور یہ بھی چل جائے گا کہ ان طلباء کو کس مقصد کے تحت تعلیم دی جاتی تھی:

۱۔ عمرو ابن عتبہ نے اپنے لڑکوں کے اتالیق کو یہ ہدایات دی تھیں:

"میرے بچوں کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے آپ کو اپنے اخلاق و عادات درست کرنے چاہئیں۔ میرے لڑکے آپ سے اثر لیں گے اور وہی کام کریں گے جو آپ کریں گے اور اس کام سے نفرت کریں گے جسے آپ نہ کریں گے انہیں قرآن مجید پڑھایئے۔ لیکن اس طرح نہیں کہ وہ اس سے اکتا جائیں۔ احادیث میں سے موزوں مناسب احادیث پڑھایئے اور

علاوہ اس کے شستہ و پاکیزہ اشعار ان کے سامنے خوش الحانی سے پڑھیئے۔ جب تک وہ ایک مضمون کو خوب ذہن نشین نہ کر لیں، دوسرا شروع نہ کیجئے۔ عقلاء اور دانشمندوں کے اوصاف انہیں سکھایئے اور عورتوں کی بات چیت سے انہیں دور ہی رکھیئے۔" ۵۳۲ے

۲۔ ہشام بن عبدالملک کے متعلق روایت ہے کہ اس نے اپنے لڑکے کے اتالیق سے کہا:

"پہلے اسے قرآن مجید پڑھایئے۔ بعد ازاں نظم اور خطبات عالیہ نیکی، بدی کا فرق، مشہور لڑائیوں کے حالات اور آخر میں فن مکالمہ۔" ۵۳۳ے

۳۔ سب سے زیادہ دل نشین ہدایات ہارون الرشید نے آمین کے اتالیق احمر کو دی تھیں۔ اس نے کہا:

"احمر! میں نے اپنا بچہ جو میرا ہی خون اور میرا اصلب ہے تیرے سپرد کر دیا ہے اور تجھے اس پر اختیار و اقتدار دے دیا ہے۔ لہٰذا تجھے چاہیے کہ اپنے مرتبہ کے شایان شان اپنی قابلیت کا ثبوت دے۔ آمین کو قرآن مجید، احادیث، نظم پڑھاؤ اور خطابت و فصاحت کی قدر شناسی سکھاؤ۔ اسے ہدایت کرو کہ موقع و بے موقع نہ ہنسا کرے۔ ہاشمی خاندان کے شیوخ کی قدر و منزلت کرنے کی عادات پیدا کرو اور اگر سپہ سالاران افواج اس کی مجلس میں آئیں تو انہیں مناسب جگہ بٹھائے۔ کوئی وقت ایسا نہ گزرے کہ اسے کوئی نہ کوئی مفید سبق نہ ملے لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ وہ آزردہ خاطر ہو جائے۔ اس پر حد سے زیادہ شفقت بھی نہ کرنا ورنہ وہ کاہل ہو جائے گا۔ اس کی اصلاح نرمی سے کی جائے۔ لیکن اگر اس سے کام نہ چلے تو تمہیں سختی کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے۔ ۵۳۴ے

"فاطمیوں نے اس معاملے میں اس سے بھی آگے قدم بڑھایا اور محلات کے لئے ایک خاص نصاب تیار کرایا۔ ان کے عہد میں محل شاہی میں ایک مدرسہ تھا۔ جہاں امراء کے لڑکے اس مقصد کے لئے تعلیم پاتے تھے کہ خلفاء کی ملازمت کے قابل ہو جائیں۔" ۵۳۵ے

معلم کا عہدہ بہت جاذبیت و دلکش تھا اور اس سے بہت شہرت و ناموری حاصل ہوتی تھی۔ لیکن تارک الدنیا قسم کے علماء کبھی اسکی آرزو نہ کرتے تھے۔ جب سلیمان بن علی نے خلیل بن احمد کو اس غرض سے طلب کیا کہ وہ اسکے لڑکوں کے اتالیق بن جائیں تو خلیل اس قاصد کے ملنے کے بعد گھر میں گئے اور تھوڑی دیر کچھ باسی روٹی لے کر باہر آئے اور قاصد سے درخواست کی اس روٹی سے ایک نوالہ نوش فرمایئے اور کہا کہ میرے پاس آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے سوائے اس روٹی کے اور کچھ نہیں ہے۔۔۔۔ اور جب تک مجھے یہ روٹی ملتی ہے مجھے کسی کی ملازمت کی ضرورت نہیں ہے۔" ۵۳۶ے

مزید بر آں ہم نے ایسے علماء کے حالات بھی پڑھے ہیں جنہوں نے نہ صرف اس قسم کے عہدے قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ شہزادوں کو مخصوص طور پر الگ سبق لینے کے لئے اپنے گھر آنے سے بھی منع کر دیا۔ ایسے علماء میں سے ایک عبداللہ بن ادریس تھے۔

"جب ہارون الرشید نے ان سے درخواست کی کہ مامون کو حدیث کا درس دیں تو انہوں نے فرمایا کہ اگر مامون حاضرینِ درس میں شریک ہوگا تو وہ بھی تقریر سنے گا۔" ۵۳۷ے

مجھے یقین واثق ہے کہ یہ خدمت علم کی اور تعلیم عوام کی ان تھک اور مسلسل خواہش ہی تھی کہ جس نے ان

بزرگوں کو اس امر سے باز رکھا کہ صرف ایک ہی شاگرد کی تعلیم پر اپنی قوت صرف کردیں۔

بادیہ

دورِ جاہلیت میں عربوں کے لئے علم اور ثقافت کے اظہار کا ذریعہ عربی زبان میں ان کی شاعری تھی۔ اسی میں ان کے خطابات اور ضرب الامثال تھیں چونکہ عرب ادبیات و شاعری کے بے حد دلدادہ تھے۔ لہٰذا رزم و بزم میں شاعر اور خطیب ان کو جدھر چاہتے موڑ دیتے تھے۔ اپنی زبان کی یہ قدر و قیمت اہل عرب میں برابر جاری رہی بلکہ نزول اسلام کے بعد اس میں اور اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ خود ایک نجیب الطرفین عرب خاندان کے رکن تھے اور قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا تھا۔

جب مسلمانوں نے بازنطینیہ اور ایران پر فوج کشی کی تو عربی زبان بھی ساتھ ساتھ پہنچی اور اسلام کی فتح گویا زبان کی فتح تھی۔ لیکن اس وسعت کے ساتھ زبان کا پھیل جانا کچھ مفید ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ اس سے زبان میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ جن کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ یہاں دو باتوں کو ضرور ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس فعل کی بنیاد ان ہی پر ہے:

۱۔ عربی زبان میں بگاڑ اسی وقت سے شروع ہو گیا تھا جب عربوں نے غیر ملکی فتوحات بھی نہ کی تھیں۔ اس کا سبب وہ تجارتی تعلقات تھے جو عربوں اور غیر عربوں میں قائم ہو چکے تھے۔

۲۔ زبان کی یہ غلطیاں بڑی شرمناک تصور کی جاتی تھیں اور ناقابل معافی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی حضور میں کسی عرب نے محاورۃ کے استعمال میں کوئی غلطی کی۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اپنے اس بھائی کی اصلاح کرو، وہ بھٹک گیا ہے۔"[۵۳۸]

ابن الانباری "طبقات الادباء" میں رقمطراز ہیں:

"حضرت عمرؓ کے عہد سے عربوں اور غیر ملکیوں میں میل جول اور آمد و رفت بہت زیادہ بڑھنی شروع ہوئی۔ مملکت اسلامیہ کے دارالحکومت مدینہ، دمشق اور بعد ازاں بغداد وسیع المشرب مقامات تھے۔ کوفہ اور بصرہ جیسے شہروں میں بہت زیادہ غیر ملکی آبادی بڑھ گئی تھی، خصوصاً ایرانی بہت تھے جو بطور جنگی قیدی وہاں لائے گئے تھے اور بعد ازاں مسلمان ہو گئے تھے۔

عربوں میں بہت سی بیویاں دوسری اقوام سے تعلق رکھتی تھیں اور دیگر اقوام میں شادی کرنے کا رواج بھی بڑھ رہا تھا۔ علاوہ ازیں اس مستقل میل جول کے جو گھروں میں اور شہروں میں پایا جاتا تھا۔ ہر سال مختلف ممالک سے لوگ حج کرنے آئے تھے اور مقامات مقدسہ میں عرصہ تک مقیم رہتے تھے۔ اگرچہ عوام کی زبان عربی ہی تھی۔ لیکن چونکہ غیر ملکیوں کیلئے صرف و نحو کی پابندی مشکل تھی لہٰذا ایک نئی ٹوٹی پھوٹی عربی بولی پیدا ہو گئی۔"[۵۳۹]

الجاحظ "البیان والتبین" میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"جاحظ اس زبان کو مولدین اور عوام کی زبان کہتا ہے۔"[۵۴۰]

''ایک خط میں جو الحسین بن الحر نے حضرت عمرؓ کو اپنے معتمد کے ہاتھ بھیجا تھا۔ آں جناب نے ایک غلطی پکڑی اور الحسین کے پاس پیغام بھیجا کہ کاتب کی کمر پر ایک درہ لگایا جائے۔''[۵۴۱]

ابن قتیبہ ''عیون الاخبار'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ایک مرتبہ ایک بدو کسی بازار میں آیا۔ اس نے دیکھا کہ زبان کی طرف سے دکاندار بے پروائی برت رہے ہیں۔ کہنے لگا ''خدا کی پناہ یہ لوگ زبان کی اس قدر غلطیوں کے باوجود بھی اپنی روزی پیدا کر لیتے ہیں۔''[۵۴۲]

ایک مرتبہ جب کہ حضرت زیدؓ اپنے ماتحتوں کے آپس کے جھگڑے چکا رہے ہیں۔ ایک شخص نے اپنی وکالت کے دوران صرف ونحو اور محاورے کی متعدد غلطیاں کیں۔ چنانچہ حضرت زید نے اس سے کہا ''جو کچھ نقصان تم نے اپنی زبان کے سلسلے میں اٹھایا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو دولت کے ضائع ہو جانے سے ہوا ہے۔''[۵۴۳]

بشیر بن عبید اللہ نے اپنی انگوٹھی پر یہ جملہ لکھ لیا تھا:

''بشیر بن عبید اللہ اصنام پرست نہیں ہے' لیکن یہ محاورہ نہ تھا اسے دیکھ کر اس کے والد نے کہا اصنام پرستی سے زیادہ تو یہ غلطی ہے۔''[۵۴۴]

مسلمہ بن عبدالملک کے متعلق روایت ہے کہ وہ کہا کرتا تھا:

''بات چیت کے دوران غلطیاں کرنا چہرہ پر چیچک کے داغوں سے بھی زیادہ بدنما ہے۔''[۵۴۵]

''آخری واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت الحسنؓ کو کسی سردار کے متعلق پتہ چلا کہ وہ زبان کی غلطیاں کرنے کا عادی ہے تو اسے برخاست کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔''[۵۴۶]

ابن خلدون عربوں کی غیر معمولی ذہانت اور قوتِ اختراع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''عربی زبان پر غیر عرب اقوام کے میل جول سے بہت برا اثر پڑا۔''[۵۴۷]

''قدیم عربوں اور اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والے عربوں کے ایسے واقعات ہمارے پاس ہیں۔ جنہوں نے باوجود اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے اس قسم کی غلطیاں کی ہیں۔

مثال کے طور پر ہم اس زمرہ میں الولید اول' الحجاج' ابو حنیفہ' بشر المریسی اور شبیب بن شیباہ کے نام پیش کرتے ہیں۔''[۵۴۸]

''بعض لوگ تلاوت قرآن مجید میں غلطیاں کرتے تھے اور اکثر ان غلطیوں سے معنی بالکل بدل جاتے تھے اگر بالفرض کوئی ارادتاً اس طرح پڑھے تو کافر ہو جائے۔''[۵۴۹]

بادیہ صحیح زبان کا مرکز بن چکا تھا

ابن خلکان وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اسی دوران میں بادیہ ہی صحیح زبان کا مرکز رہ گیا تھا۔ جہاں غیر ملکی لوگوں کے لئے کوئی کشش نہ تھی۔ چونکہ بدو ریگستان میں بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔ لہٰذا ان کی نسل بھی خالص رہی اور انہوں نے زمانہ جاہلیت والی خالص عربی زبان کو بھی قائم رکھا۔ الکسائی اور سیبویہ کے درمیان جو نحوی مناظرہ ہوا تھا۔ جس کا ذکر آ چکا ہے۔ حاضرین نے اس کے متعلق یہ

اعلان کیا تھا کہ کسی بدو ہی کی رائے پر منحصر ہوگا۔ ایک بدو کو بلایا گیا۔ لیکن آمین نے اس سے یہ کہا کہ وہ کسائی کی طرف داری کرے جو حقیقت میں غلطی پر تھا۔ بدو نے کسائی کی حمایت کرنے کے اصول کو مان لیا لیکن اس نے کہا مجھے ڈر ہے کہ میری زبان میرا ساتھ نہ دے۔ "۵۵۰۔

ابن الندیم "الفہرست" میں اسی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے توضیح پیش کرتے ہیں:

"چنانچہ بدو ہی ایسے لوگ رہ گئے تھے کہ جن سے صحیح زبان سیکھی جا سکتی تھی۔ انہوں نے اپنی اس حالت سے فائدہ اٹھایا۔ وہ شہروں میں آجاتے اور ایک جگہ بیٹھ کر زبان کے متعلق سبق دیا کرتے تھے۔ ابن الندیم سے ہم تک مفصل بیان ایسے مشہور بدوؤں کا پہنچا ہے جنہوں نے یہ پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ ان میں سے ہم معدودے چند حضرات کا تذکرہ کرتے ہیں:

"ابو البیداء الرباحی بصرہ آگئے تھے اور عموماً کچھ فیس لے کر بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ "۵۵۱۔

"ابو جاموس ثور بن یزید بھی بصرہ آگئے تھے اور ابن سے المثنی نے فصاحت و خطابت سیکھی تھی۔ "۵۵۲۔

"ابو العمیش عبداللہ بن خلید خراسان چلے گئے اور وہاں عبداللہ بن طاہر کے لڑکوں کے اتالیق مقرر ہو گئے۔ "۵۵۳۔

عبداللہ بن عمرو بن ابی صبح بغداد آگئے تھے اور بہت سے نامور اہل علم ان کے شاگرد تھے۔ "۵۵۴۔

شہروں اور قصبوں میں کثرت سے لوگ حلقہ بنا کر کسی بدو کے گرد بیٹھ جایا کرتے اور اس کی باتیں سنا کرتے تھے۔ لیکن دولت مند لوگ جیسے خاندان شاہی کے افراد اور اولوالعزم علماء خود بادیہ ہی میں چلے جاتے تھے۔ جو اس دور میں ایک مدرسہ کا کام دیتا تھا۔ ۵۵۵۔

اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس بگڑی ہوئی زبان سے جو ان کے گرد ہر طرف بولی جاتی تھی دور ہو جائیں اور چند سال تک عربی زبان کے گھر (بادیہ) رہیں۔

حطی لکھتا ہے کہ:

"ابتدائی دور کے اموی شہزادوں کے لئے شامی بادیہ ایک مدرسہ کا کام دیتا تھا۔ جہاں نوجوان لڑکے خالص عربی سیکھنے کے لئے بھیج دیئے جاتے تھے اور وہاں سے وہ شاعری میں طاق ہو کر آتے تھے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے اور ولی عہد یزید کو بھی بھیجا تھا۔ "۵۵۶۔

"الولید بن عبدالملک کو بادیہ نہیں بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ وہ اکثر غلطیاں کرتا تھا۔ "۵۵۷۔

"اس کے باپ کے متعلق روایت ہے کہ اس نے کہا کہ "ہمیں اس خیال سے بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ ہم نے مامتا کے مارے الولید کو بادیہ جانے سے روک دیا تھا۔ "۵۵۸۔

نہ صرف اموی شہزادے بلکہ چند عباسی شہزادے بھی مثل المعتصم بادیہ اسی مقصد کیلئے بھیجے گئے تھے۔ "۵۵۹۔

ان اہل علم کی کثیر تعداد میں سے جو ان بدوؤں کی شاگردی کرنے کے لئے اس مدرسہ (بادیہ) میں جمع ہوئے ہم نامور حضرات کے اسمائے گرامی لکھتے ہیں:

الخلیل بن احمد (متوفی ۱۶۰ھ)

ان سے ایک موقع پر سوال کیا گیا کہ:

''اس نے یہ وسیع علم کہاں سے حاصل کیا۔ جواب میں انہوں نے کہا: ''حجاز' نجد اور تہامہ کے بوادی سے۔'' ۵۶۰ؔ

بشار بن برد (متوفی ۱۶۷ھ)

اپنے زمانے کا واحد شاعر تھا جس نے کبھی زبان کی کوئی غلطی نہیں کی۔ اپنے تمام معاصرین پر اپنی اس افضلیت کے اسباب بتاتے ہوئے اس نے کہا:

''میری ولادت اور نشوونما بنوعقیل کے اسی (۸۰) فصحاء اور خطیبوں کے درمیان ہوئی ہے۔ جہاں ان کی خواتین بھی تھیں۔ جو فصاحت میں مردوں سے بھی بالاتر تھیں۔ اس قبیلہ میں کوئی شخص غلطی نہیں کرتا اور جب میں سمجھ دار ہوا تو مجھے بادیہ بھیج دیا گیا۔ جہاں میں سن بلوغت تک رہا۔ پھر بھلا میں کیسے غلطیاں کر سکتا ہوں۔'' ۵۶۱ؔ

الکسائی (متوفی ۱۸۲ھ)

الکسائی بادیہ میں گئے اور وہاں بدوؤں سے جو سیکھا اسے لکھنے میں سیاہی کی پندرہ بوتلیں صرف کیں اور جو کچھ حفظ کر لیا تھا وہ اس کے علاوہ رہا۔'' ۵۶۲ؔ

امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ)

آپؒ مکہ سے رخصت ہو کر بادیہ گئے اور قبیلہ ہذیل میں رہنے لگے اور ان سے فصاحت وخطابت سیکھی اور ان کے طور طریقے اختیار کر لئے غرض سترہ سال تک وہاں قیام کیا۔'' ۵۶۳ؔ

الریاشی ابوالفضل العباس بن الفرج (متوفی ۲۵۷ھ)

اس بات پر فخر کیا کرتا تھا کہ میں نے وحشی وغیر مہذب بدوؤں کی شاگردی کی ہے اور دوسرے لوگوں نے مہذب لوگوں سے علم حاصل کیا ہے۔'' ۵۶۴ؔ

''صحیح زبان یوں تو سارے ہی بادیہ نشین بولا کرتے تھے لیکن ان بدوؤں میں سے غیر معمولی نمایاں اشخاص مجمع میں بیٹھ کر عمدہ اشعار اور عربوں کی تاریخ سنایا کرتے تھے۔ ان اساتذہ میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں۔

ابو ملک' عمرو بن کرکرہ' ابوثروان العکلی اور ابوالہندام کلاب بن حمزہ۔ ۵۶۵ؔ

مساجد

جامع دمشق کی تعمیر

اموی دور کی دوسری اہم تعمیر جامع اموی یا جامع دمشق ہے۔ اس کی تعمیر نہ صرف ولید کا بلکہ اس دور کا عظیم تعمیری کارنامہ ہے۔ اس کی تعمیر میں بے دریغ دولت صرف ہوئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ ملک شام کا پورا سات برس کا خراج صرف ہوا تھا۔ ۵۶۶ؔ

نقد کے حساب سے چھپن لاکھ اشرفی اس کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ۵۶۷ؔ

اس کی تعمیر کے لئے ہندوستان' فارس' مغرب اور روم وغیرہ مختلف ملکوں سے کاریگر اور تعمیر کا سامان منگوایا گیا تھا۔ صرف جزیرہ قبرص سے اٹھارہ جہازوں پر سونا اور چاندی آیا تھا۔ قیصر روم نے علیحدہ منبت کاری کا سامان بھیجا۔'' ۵۶۸ؔ

سنگ مرمر اور سنگ سماق وغیرہ جن جن مقاموں کا مشہور تھا۔ وہاں سے منگایا گیا تھا۔ یہ سامان اتنا قیمتی تھا کہ پتھر کے

بعض بعض ستونوں کی قیمت کئی کئی سو اشرفی تھی۔''۵۶۹؎

بارہ ہزار مزدور کام کرتے تھے اور پورے آٹھ یا نو سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی۔''۵۷۰؎

یہ اتنی وسیع تھی کہ بیک وقت بیس ہزار آدمی سما سکتے تھے۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی تھی۔ جس میں مختلف رنگ کے پتھروں سے بوقلمونی پیدا کی گئی تھی۔ در و دیوار پر طلائی اور لاجوردی کام اور مختلف رنگوں کی منبت کاری تھی۔ نقش ونگار اور طرفہ صنعتی نزاکت ونفاست کا بہترین نمونہ تھے۔ محرابوں میں تناسب کے ساتھ بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ چھت منقش ساج کی تھی۔ اوپر سے سیسہ کی چادر چڑھی ہوئی تھی۔ ۵۷۱؎

خارجی تزئین وآرائش کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صرف چھ سو قندیلیں سونے کی زنجیروں میں آویزاں تھیں۔ ۵۷۲؎

غرض یہ عمارت عظمت وسان اور آرائش وزیبائش ہر لحاظ سے اس دور کے عجائبات میں تھی اور دنیا کی بڑی عمارتوں میں اس کا پانچواں نمبر شمار کیا جاتا تھا۔ ۵۷۳؎

دور دور سے لوگ اسے دیکھنے کے لئے آتے تھے اور متحیر ہوتے تھے۔ یہ مسجد سر سے پاؤں تک سونے چاندی اور جواہرات سے لپی ہوئی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانہ میں اسے صرف بے جا سمجھ کر کل بیش قیمت سامان نکلوا کر بیت المال میں داخل کرنے کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں روم کے قاصد آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے جامع دمشق کو دیکھ کر کہا کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا عروج چند روزہ ہے لیکن اس عمارت کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مسلمان ایک زندہ رہنے والی قوم ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔''۵۷۴؎

مورخین اور جغرافیہ نویسوں نے اس مسجد کے عجائب ونوادر کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔

مورخین عرب نے لکھا ہے کہ اس مسجد کی دیواروں میں اجارہ تک نہایت بیش بہا سنگ مرمر لگا ہوا تھا اور اوپر کی طرف گنبد میں پتھر کی پچی کاری تھی۔ اس کی چھت سنہری تختیوں کی تھی اور چھ سو طلائی چراغ اس میں آویزاں تھے۔ نماز کے مصلّوں میں بیش بہا پتھر جڑے ہوئے تھے۔ ۵۷۵؎

مسجد عمرو (۲۱ھ؍۶۴۲ء)

عمرو کی مسجد سب سے زیادہ قدیم اور اسلام کی سب سے زیادہ متبرک عبادت گاہ ہے۔ کیونکہ صحابی رسول ﷺ نے اس کی تعمیر میں ہاتھ لگایا ہے۔ چونکہ اسے عمرو فاتح مصر نے تعمیر کیا تھا۔ یہ آج تک اس کے نام سے مشہور ہے۔ پہلے چار خلفاء کے عہد تک بلکہ آخر حکومت بنو امیہ تک قاہرہ میں یہی ایک مسجد تھی اور چونکہ اس کی طرز پرانی مساجد کی سی تھی۔ بہت دنوں تک قاہرہ کی مساجد اسی نمونہ پر بنتی رہیں۔

اس کا نقشہ نہایت سادہ ہے اور جب ہم ایک پرانی مسجد کو اچھی طرح دیکھ لیں اور سب کا نقشہ بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔ مسجد عمرو میں ایک بڑا مستطیل صحن اور تینوں ضلعوں پر لمبے لمبے دالان ستونوں پر ایستادہ ہیں۔ چوتھے ضلع پر تینوں

ضلعوں سے زیادہ گہری عمارت ہے جو نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ صحن کے وسط میں ہمیشہ ایک حوض وضو کے لئے ہوا کرتا تھا اور کونوں پر چند مینار کم وبیش اونچے نیچے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔

اکثر قدیم مساجد کے سامنے ایک صحن ہوتا تھا۔ جس کے گرد مسافروں کے اترنے کے حجرے' اونٹوں اور گھوڑوں کے باندھنے کے طویلے' جانوروں کو پانی پلانے کے حوض اور حمام ہوا کرتے تھے۔ قدیم مساجد نہ فقط عبادت گاہیں تھیں بلکہ مسافروں کے اترنے کی سرائیں بھی تھیں۔

اس مسجد عمرو کے ستون مختلف یونانی اور رومی عمارتوں سے لئے گئے ہیں۔ ان کے اوپر محرابیں ہیں جو مثل قدیم محرابوں کے سادی دانٹھ کی ہیں۔ یعنی اوپر کو بہت کم نوک دار ہیں اور نیچے کی طرف ان میں نعل اسپ کی صورت بہت ہی خیف ہے۔ آگے چل کر جب یہ محراب اوپر کو زیادہ نوک دار ہو گئی اور نیچے سے پھیل گئی۔ اس وقت اس میں خاص عربی طرز پیدا ہو گئی۔ یہ نعل اسپی صورت کی محرابیں جب کسی گنبد کے سامنے لگائی جائیں تو گویا اسے نازک اور خوشنما بنا دیتی ہیں اور مشرقی طرز تعمیر کے مدور گنبدوں سے جو نیچے سے دبے ہوئے تھے' بہت بڑھا دیتی ہیں۔۵۷۶

مسجد عمرو کے صحن کے گرد جو عمارتیں تھیں ان میں سے دو ہی طرف راہ گاہیں' ایک جانب کو تو ستونوں کی ایک ہی قطار رہ گئی اور دوسری جانب جدید مصلے ہے۔ چھ قطاریں باقی ہیں چونکہ ان دالانوں میں اکیس اکیس محرابیں ہیں۔ لہٰذا ستونوں کی کل تعداد ایک سو چھبیس ہے۔ لیکن پہلی قطار میں دہرے ستون ہیں۔ پس جس قدر ستون اس وقت موجود ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد ایک سو سنتالیس ہے۔

مصلے کے بیچ میں جیسا کہ بلا استثنا ہر مسجد میں ہوتا ہے۔ ایک طاقچہ ہے۔ جس پر محراب بنا ہوا ہے اور اس کا رخ مکہ معظمہ کی طرف ہے جو تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ اسی کے ایک طرف کو منبر ہوا کرتا ہے۔ مسجد عمرو میں یہ دونوں چیزیں نہایت سادہ وضع کی ہیں۔

اس مسجد کے مینار بھی بہت ہی سادہ ہیں۔ یعنی بہت زیادہ اونچے نہیں ہیں اور ان میں ایک ہی کٹہرا ہے اوپر سے یہ مخروطی ہیں۔

مسجد عمرو میں نہ نسبتی گل کاریاں ہیں نہ عربی آرائش اور نہ وہ پھول بوٹے جن کو عربوں نے اخیر میں ایجاد کیا۔ باوجود سادگی کے اس مسجد کے ستون اور محرابیں نہایت ہی شاندار معلوم ہوتی ہیں۔۵۷۷

جامع عمرؓ

ابتدائے اسلام میں جو کچھ عمارتیں عربوں کے نام سے تعمیر ہوئیں ان کے بنانے والے خود عرب نہ تھے۔ مثلاً انہوں نے جو کچھ تبدیلیاں گرجوں اور کلیسوں میں ان کو مساجد بنانے کی غرض سے کیں یا جو عمارتیں انہوں نے قدیم عمارات کے مال مصالح سے تعمیر کیں ان کے بنانے والے حقیقت میں وہی معمار تھے جو ان مفتوحہ ملکوں کے باشندے تھے۔ پس گویا وہ کاریگر جن سے عربوں نے شام میں کام لیا زیادہ تر ایرانی تھے یا مشرقی' عربوں کی نسبت ان معماروں کے ساتھ ویسی ہی تھی جیسی کسی نئے امیر کی ہوتی ہے جو اپنی نئی دولت کو عمارات کے بنانے میں صرف کرتا ہے اور ایسی صورتوں میں بنانے والا کوئی کیوں نہ ہو عمارت کی وضع میں ہمیشہ مالک کے ذاتی خیالات کی پابندی رکھتے اور یہی وجہ ہوئی کہ تھوڑے

ہی زمانہ کے بعد عربوں کی عمارات نے ایک ایسی خاص وضع پیدا کر لی اور انگی اندرونی آرائش اور گل کاریاں کچھ ایسی خاص وضع پر ترتیب دی گئی کہ ان بین اور دوسری عمارات میں ایک بین فرق معلوم ہونے لگا۔ یہ ممکن ہے کہ با اختلاف ملک کے لحاظ سے آرائشوں اور گل کاریوں کی ترکیب کہیں ایرانی اور کہیں مشرقی اور کہیں ہندی ہو لیکن عمارت کی مجموعی وضع اور اس کے مختلف حصوں کا تناسب بالکل عربی ہے۔

گستاؤلی بان ''تمدن عرب'' میں وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مسجد حضرت عمرؓ مسجد نبویؐ کے بعد مسلمانوں کے لئے کوئی جگہ اس قدر متبرک نہیں ہے جیسی مسجد بیت المقدس جو حضرت عمرؓ کے نام سے مشہور ہے اور بہت تھوڑے دن ہوئے ہیں کہ کوئی یورپی اس کے اندر قدم رکھنے کا مجاز نہ تھا۔ پہلی جنگ صلیبی میں جس وقت نصرانی بیت المقدس میں داخل ہوئے ہیں تو یہی ایک عمارت تھی جس نے انہیں حیرت میں ڈالا تھا۔ ان کے خیال میں یہ ہیکل سلیمانی کا بقیہ تھا اور اس کی شہرت یورپ میں اس قدر ہوئی کہ بہت سے کلیسے اس کی وضع پر تعمیر کئے گئے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہی ایک دینی عمارت ہے جو مساوی طور پر یہود و عیسائیوں اور مسلمانوں کی نظروں میں متبرک ہے۔

حضرت عمر کی مسجد اس مقام پر تعمیر کی گئی ہے جہاں مشہور ہیکل حضرت سلیمان تھی۔ جسے ہیرڈ نے دوبارہ بنایا تھا۔ جس وقت ٹیٹس اس عمارت کو جل جانے کی کوشش کر رہا تھا تو خود وہ بھی ایک لحہ کے لئے سے دیکھ کر حیرت میں آگیا تھا۔

اس عمارت کے اندر وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو قربانی کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

دنیا کے کم مقامات اس قدر متبرک ہوں گے اور اس میں شک نہیں کہ بجز اس کے کوئی مقام ایسا نہیں جہاں اتنی مختلف قسم کی پرستش ہوتی ہوں۔

حضرت سلیمان نے یہاں خدائے یہود کی عبادت کی۔ رومیوں نے اپنے خدا جوپٹر کو خدائے خدایاں اور خدائے عالمیاں ہے یہاں پوجا صلیبیوں نے یہاں حضرت عیسیٰ کی مورت رکھی اور آج پیروان دین اسلام اپنے اس خدا کی پرستش کرتے ہیں جس کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ مسجد حضرت عمرؓ کی وقعت محض تاریخی یادگاروں کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک اعلیٰ درجہ کی عمارات ہے اور فلسطین کی کل عمارات میں سربرآوردہ ہے۔

یہ مسجد ایک بہت بڑے میدان میں واقع ہوئی ہے۔ جس کا طول تقریباً ساڑھے چار سو گز اور رقبہ ربع شہر بیت المقدس کے برابر ہے۔ اس کے گرد ایک حصار ہے جسے اب حرم شریف کہتے ہیں اور اس حصار کے اندر کئی عمارتیں ہیں۔ جن میں زیادہ مشہور مسجد الاقصیٰ ہے۔

مسجد ایک مربع چبوترے پر بنی ہوئی ہے۔ جو حرم کی سطح سے تقریباً سوا تین گز بلند ہے اور ٹھیک اسی مقام پر ہے جہاں ہیکل سلیمانی تھی۔ اس چبوترے تک پہنچنے کیلئے کئی زینے سیڑھیوں کے بنے ہوئے ہیں اور ان کے اوپر نوک دار محرابیں نہایت خوبصورت سنگ مرمر کے ستونوں پر رکھی ہیں۔

مسجد حضرت عمرؓ کی صورت ہشت پہل ہے

مسجد حضرت عمرؓ کی صورت ہشت پہل ہے اور اس میں چار دروازے جہات اربعہ کی طرف نصب ہیں۔ اندر کی

دیواروں پر اجارہ تک سنگ مرمر کا استر ہے اور اس سے اوپر چینی کی میناء کار تختیوں کی پچی کاری ہے اور ان میں انواع اقسام کے خوبصورت گل بوٹے دکھائے گئے ہیں۔ یہ تختیاں ایرانی ساخت کی ہیں اور مسجد کی تعمیر سے بہت دنوں بعد لگائی گئی ہیں۔ یعنی ان کا زمانہ شاہ سلیمان پر شکوہ کا ہے۔ ۱۵۶۱ء اس عمارت پر جب آفتاب کی شعاع پڑتی ہے تو یہ تختیاں مثل جواہرات کے چمکنے لگتی ہیں اور ایک عجیب کیفیت پیدا کرتی ہیں۔

یورپ کی سادی اور دھندلی دیواروں پر ہرگز یہ رنگ آمیزی اور چمک نہیں نظر آتی جیسی کہ اس مسجد کی دیواروں میں ہے۔ حقیقت میں مجموعی اثر اس کا خواب وخیال کی کیفیت دیتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی طلسم کے مکان میں کھڑے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر سچ پوچھا جائے تو مسجد کی خوبی اور نزاکت خواب وخیال سے بھی مافوق ہے۔

مسجد کے اندر کا نقشہ نہایت سادہ ہے

یعنی عمارت کے وسط میں وہ متبرک پتھر ہے۔ اس کے گرد ایک گول کٹہرہ اور اس کے چاروں طرف دو ہشت پہل ہم مرکز احاطے ایک دوسرے کے اندر۔

اندرونی آرائش وگل کاری بہت ہی اعلیٰ درجے کی ہے۔ باہر کے احاطے کے ستون ایک ڈھال کے سنگِ مرمر کے ہیں اور ان کی اونچائی اور تراش مختلف ہے۔ جس سے ان کی قدامت ثابت ہوتی ہے۔ ستونوں کے پرکائے بھی مختلف تراش کے ہیں اور اکثر سلطنت مشرقی کے ابتدائی زمانے کے معلوم ہوتے ہیں۔ دیواروں میں اوپر کی طرف رنگ برنگ کے خوبصورت پتھر نصب ہیں جو بظاہر دسویں صدی کے ہیں۔ گنبد کے نیچے کے حصے میں ایک چوڑا سا منطقہ بنا ہوا ہے۔ جس میں وہ آیاتِ قرآنی جو حضرت مسیحؑ کے متعلق ہیں سونے کے حرفوں میں خط کوفی میں لکھی ہوئی ہیں۔

مسجد کے وسط میں وہ مشہور متبرک پتھر ہے۔ جسے عرب الصخراء کہتے ہیں اور اس پتھر پر ملیے زڈک اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ نے قربانیاں دی ہیں۔

روایات اسلام کی رو سے اسی پتھر سے حضرت رسالت مآب ﷺ کو معراج ہوئی تھی اور آپؐ یہیں سے اس عجیب الخلقت گھوڑے پر سوار ہوئے تھے۔ جس کا نام براق ہے۔ مسجد کے گنبد پر ایک بہت بڑا ہلال بنا ہوا ہے۔ حرم ہی کے احاطہ میں مسجد کے مقابل میں ایک سنگ مرمر کی عربی وضع کی کرسی ہے۔ اس کرسی پر ایک چھوٹا گنبد ہے۔ جو نعل اپنی محرابوں پر رکھا ہوا ہے۔ اس کرسی کو حضرت عمرؓ کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ لیکن اس کی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے زمانے سے بہت بعد کی بنی ہوئی ہے اور فی الواقع اس کی ساخت پندرھویں صدی عیسوی کی ہے۔ ۵۷۸ -

مسجد قیروان

عربوں کی یادگاریں شمالی افریقہ میں:-

عربوں کا تمدن افریقہ میں ہرگز اس عروج پر نہیں پہنچا جیسا مصر اور اندلس میں تاہم افریقہ میں بڑے بڑے شہر تھے اور ان میں بعض عمدہ عمارات بھی ہیں۔ قیروان' تونس' فارس کے شہروں کو ترقی ہوئی۔ بربریوں کی باہمی رقابت' ان کی ضعیف تمدن پذیری' بدوؤں کا ملک پر چڑھائی کرنا' بغداد اور قاہرہ کے سے ترقی کے مرکزوں کا نہ ہونا۔ یہ وہ اسباب تھے جو ان کے تمدن کے مانع ہوئے۔

شمالی افریقہ میں ایسی عربی پر تکلف عمارتوں کی توقع نہیں کرنی چاہیے جو مصر و اندلس میں پائی جاتی ہے۔

مسجد قیروان کا بانی وہ مشہور شخص عقبہ تھا جس نے افریقہ کو فتح کیا۔ اس نے ۵۵ ہجری (۶۷۵ء) میں ایک بہت بڑی مسجد کی تعمیر کی جو دوبارہ اور کئی بار از سر نو تعمیر ہوئی۔

اس کے گنبد نیچے سے دبے ہوئے ہیں اور اس کی ساخت مستطیل ہے اور اس کے گرد احاطہ کی دیوار ہے جس پر ایک مینار جو فی الواقع ایک برج ہے۔ نیچے سے مکعب اور اس کے اوپر تین طبقے' ایک دوسرے سے چھوٹے ہیں۔ مینار کی جگہ پر اس قسم کا مکعب برج شمالی افریقہ میں بہت پایا جاتا ہے اور شاید اندلس میں بھی ہے۔ اگرچہ مسجد قیروان اور اس شہر کی دوسری مذہبی یادگاریں کئی مرتبہ از سر نو تعمیر ہوئی ہیں لیکن ان میں ایک خاص قدامت کا لطف ہے۔

عقبہ جس نے قیروان کی بنیاد ڈالی۔ بسکرہ کے قریب مدفون ہے۔ وہ مسجد جس کے اندر اس کی قبر ہے مسجد سدی عقبہ کہلاتی ہے اور افریقہ میں اسلام کی قدیم ترین عمارت ہے۔[۵۷۹]

ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں مسجد قیروان کو دوبارہ تعمیر کیا گیا

"ہشام بن عبدالملک نے جب دیکھا کہ مسجد قیروان نمازیوں سے تنگ پڑ رہی ہے تو اس نے اس بارے میں خلیفہ کو خط لکھا۔ تو اس نے مسجد کے ایک طرف زمین خریدنے کا حکم دیا اور یزید بن حاتم جو کہ افریقہ کا حاکم تھا۔ اس کے دور میں اس مسجد کو ۱۰۰ھ میں دوبارہ بنایا گیا۔ پھر زیادۃ اللہ بن ابراہیم بن اغلب نے ارادہ کیا کہ اس مسجد کو گرا کر نئے سرے سے بنایا جائے اور دوسرے کے تمام اثرات کو ختم کر دیا گیا۔ تو اس کو کسی نے نصیحت کی کہ محراب کو گرانے سے پرہیز کرے کیونکہ اس سے پہلے جو حاکم گزرے تھے: جب ان کو معلوم ہوا کہ اس مسجد کو عقبہ بن نافع نے بنایا ہے تو انہوں نے اس کو گرانے سے گریز کیا اور بعض معماروں نے یہ مشورہ دیا کہ محراب کو دو دیواروں کے درمیان داخل کر دیا جائے اس طرح دوسروں کا کوئی نشان ظاہر نہیں ہوگا۔ اس رائے کو زیادۃ اللہ نے پسند کیا اور مسجد قیروان کو نئے سرے سے بنانا شروع کیا۔

افریقہ کی حکومت ابراہیم بن احمد بن اغلب کے پاس آئی تو اس نے اس جامع مسجد میں اور اضافہ کیا اور اس کی تعمیر میں کئی اور خوبصورتیاں داخل کیں اور ایک مشہور لقبہ بنایا جو کہ لقبۃ البھو کے نام سے مشہور ہوا۔[۵۸۰]

"اس طرح بنی امیہ کے عہد میں اسلامی عمارتوں کی تعمیر کا فن شروع ہوا اور جلد ہی پروان چڑھا اور اموی آثار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ان کی فتوحات سے فائدہ اٹھایا اور اپنی حکومت میں بہت سے فنی عناصر میں منفرد ہوئے اور ان سے ایک اعلیٰ طرز پایا۔"[۵۸۱]

مسجد واسط

حجاج بن یوسف گورنر کوفہ نے ۸۴ھ / ۷۰۳ء میں واسط کا شہر آباد کیا۔ وہاں کی جامع مسجد علم و ادب کا مرکز بن گئی۔[۵۸۲]

مسجد زیتونیہ تونس ۷۵ھ / ۶۹۴ء

تونس قدیم شہر ہے یہاں عبدالملک بن مروان کے زمانے میں حسان بن نعمان والی مقرر ہوئے۔ انہوں نے ایک قدیم قلعے کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔ یہاں زیتون کا درخت موجود تھا۔ اس لئے اس کو جامع زیتون کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ امیر عبداللہ بن الجاب نے ۱۱۴ھ میں اس مسجد کی توسیع کی اور اس کو خوبصورت بنایا۔ پھر زیادۃ اللہ اغلبی (۲۵۰ھ) کے زمانہ میں اس کو عالی شان پیمانہ پر بنایا گیا۔ یہ مسجد اشاعتِ اسلام کا ایک سر چشمہ تھی۔

مشہور حلقہ ہائے درس

حلقہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

''عبداللہ بن العباسؓ نیز ابن عباسؓ (بغیر ال تعریف) ابو العباس الملقب بہ الحبر یعنی علامہ یا البحر یعنی سمندر اس وجہ سے کہ وہ ممتاز فقیہ اور مفسر تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے عم زاد تھے۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ ان کی سگی خالہ تھیں۔''۵۸۳؎

انہیں دور اول کے مسلمانوں میں اگر سب سے بڑا عالم نہیں تو علمائے عظام میں سے ایک ضرور سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر میں مہارت وبصیرت کی وجہ سے انہیں امام المفسرین کہا گیا ہے۔ انہوں نے ایسے وقت میں قرآن مجید کی تفسیر کا کام اپنے ہاتھ میں لیا جب کہ مسلمانوں کے معاشرے میں گہری تبدیلیاں رونما ہو جانے کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ معاشرے کے نئے تقاضوں کے پیش نظر قرآن مجید کے مطالب ومعانی کی تشریح کی جائے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کام کو بڑی قابلیت اور مہارت کے ساتھ سرانجام دیا۔

''حضرت عبداللہ بن العباسؓ ہجرت سے تین سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے جبکہ بو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور ہو کر زندگی گزار رہے تھے۔''۵۸۴؎

انکی والدہ نے ہجرت سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اسلئے وہ پیدائش کے وقت ہی سے مسلمان تسلیم کئے جاتے ہیں۔

بچپن ہی سے حضور پر نور ﷺ کی صحبت میسر آئی۔ ایک مرتبہ حضورؐ رات کے پچھلے پہر نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو یہ سعادت مند صاحبزادے بھی آپؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کر لیا۔ اس وقت وہ ساتھ کھڑے ہوئے مگر جونہی حضورؐ نے نماز شروع کی وہ ہٹ کر اپنی جگہ پر آ گئے۔ سلام پھیرنے کے بعد آپؐ نے ان سے پوچھا ''میں نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا' تم پیچھے کیوں ہٹ گئے ؟''

انہوں نے نہایت ادب سے عرض کیا:

''یارسول اللہ' کس کی مجال ہے کہ وہ اللہ کے رسولؐ کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھے' میں اور حضورؐ کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھوں ؟ یہ تاب' یہ مجال' یہ طاقت نہیں مجھے۔''

حضور ﷺ ان کے جواب پر بہت خوش ہوئے اور بارگاہ رب العزت میں دعا کی:

''فقال اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل۔''

''الٰہی اس لڑکے کو علم کثیر عطا فرما اور اس کو زیادہ فہم وفراست سے نواز۔'' ۵۸۵؎

''حضرت ابن العباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ دیکھا اور نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے دو مرتبہ دعا فرمائی۔''۵۸۶؎

تحقیق علمی کا رجحان

ان کی طبیعت میں لڑکپن ہی سے صحیح تحقیق علمی کا جہاں تک اس زمانے میں اس کا تصور ممکن تھا رجحان موجود تھا۔ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ صحابہؓ کرام سے استفسارات کر کے حضرت نبی اکرم ﷺ کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں۔ابھی وہ نوعمر ہی تھے کہ معلم بن گئے۔ان کے علم وفضل صرف حافظے پر مبنی نہ تھا بلکہ ان کے پاس تحریری یادداشتوں کا ایک بڑا ذخیرہ بھی موجود تھا۔چنانچہ انہوں نے عوام میں درس دینا شروع کر دیا۔'' ۵۸۷

با قاعدہ درس کا انعقاد

آپؓ نے تعلیم کے لئے با قاعدہ جماعتیں بنا دیں اور تقریباً معین نظام الاوقات کے مطابق ہفتے کے مختلف دنوں میں مختلف موضوعات مثلاً تفسیر قرآن' فقہی مسائل' غزوات نبی اکرم ﷺ' تاریخ از منہ قبل از اسلام اور قدیم شاعری کا با قاعدہ درس دینے لگے۔قرآن مجید کے الفاظ ومحاورات کی تشریح کرتے وقت ان کی عادت تھی کہ وہ اپنے بیان کی تائید میں قدیم عرب شعراء کے اشعار پیش کیا کرتے تھے۔ان کے اس طریق کار کی وجہ سے مسلمان علمائے دین کے ہاں قدیم عرب شاعری کی اہمیت تسلیم کی گئی۔چونکہ انہیں ایک مستند عالم دین سمجھا جاتا تھا۔لہٰذا لوگ ان سے فتوے لیا کرتے تھے۔(وہ اپنے بہت سے اہم فتاویٰ) کے باعث بہت مشہور ہے' بعض کی تائید میں انہیں بعد ازاں دلائل پیش کرنا پڑے۔بعض صورتوں میں انہوں نے اپنے اس فیصلے سے رجوع کر لیا تھا۔'' ۵۸۸

ابن عباسؓ کی تشریحات مطالب قرآنیہ کو جمع کر کے خاص خاص مجموعے تیار کر لئے گئے۔جن کی اسانید ان کے بلاواسطہ شاگردوں میں سے کسی شاگرد تک پہنچتی ہیں۔

اسی طرح ان کے فتاویٰ بھی جمع کر لئے گئے۔آج اس تفسیر یا تفسیروں کے متعدد مخطوطات اور مجموعہ نسخے موجود ہیں۔جنہیں ان کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عہد طفولیت سے وفات نبویؐ تک آٹھ دس سال کی مدت انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں بسر کی۔آپؐ کی وفات کے بعد کبار صحابہؓ کی صحبت اختیار کی اور ان سے آنحضرت ﷺ کی احادیث سننے اور یاد کرنے کا خاص اہتمام کیا۔کتب احادیث میں ان سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ ۵۹۰

خوش اخلاقی' وجاہت اور تفقہ فی کتاب اللہ کے باعث حضرت عمرؓ ان کی بے حد قدر کرتے اور مشکل مسائل میں ان سے مشورے کیا کرتے تھے اور اکثر ان کی رائے پر عمل کرتے اور کہتے کہ ابن عباس تم سب سے بڑے عالم (**هو اعمكم**) ہیں۔حضرت عمرؓ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ فتی الکہول' یعنی بوڑھوں کے جوان یا نوجوان بزرگ ہیں۔ **''له لسان مسئول ' و قلب عقول''** (یعنی انکی زبان بکثرت سوال کرنیوالی اور دل بڑا عقلمند ہے) ۵۹۰

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ وہ تفسیر قرآن مجید میں یوں لگتا ہے کہ شفاف پردے کے پس منظر سے غیب کی چیزیں دیکھ رہے ہیں۔

ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ وہ بہترین ترجمان قرآن مجید ہیں۔

ابن عمرؓ کہا کرتے تھے:

"ابن عباسؓ اعلم امة محمد بما انزل علی محمدؐ۔"

ترجمہ:۔ جو کچھ محمدؐ پر نازل ہوا اسے امت محمدیہ میں سے ابن عباسؓ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔"[۵۹۱]

حضرت عبیداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ:

"میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے بڑھ کر کسی کو سنت کا عالم' ان سے زیادہ صائب الرائے اور ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہیں دیکھا۔"

حضرت ابیؓ بن کعب انصاری کے صاحبزادے محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ:

"ایک دن عبداللہ بن عباسؓ میرے والد کے پاس بیٹھے تھے وہ اٹھ کر گئے تو میرے والد نے فرمایا: "ایک دن یہ شخص اس امت کا رہبر ہوگا۔"

حضرت طاؤس تابعیؒ کہتے ہیں کہ:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے ستر اصحاب کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلے میں ابن عباسؓ سے گفتگو کرتے تھے اور دونوں میں اختلاف رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباسؓ کے قول پر ہی فیصلہ ہوتا۔"

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ آپؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو احادیث رسول' فتاویٰ ابوبکر و عمر و عثمان نیز تفسیر و فقہ شعر و عربیت اور حساب و فرائض میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ آپ نے ایک دن تفسیر قرآن کے لئے' ایک دن فقہ کے لئے اور ایک دن مغازی اشعار اور ایام العرب کی تدریس و تعلیم کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔ جو عالم بھی آپؓ کے پاس آیا اس کو آپ کے علم سے مرعوب ہونا پڑا۔ جس سائل نے بھی آپؓ سے کوئی بات پوچھی ان کے پاس اس کا جواب پایا۔"[۵۹۱]

محمد حسین الذہبیؒ "التفسیر والمفسرون" میں رقمطراز ہیں کہ:

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ علم و فضل کے اعتبار سے جس بلند مقام پر فائز تھے۔ اس کے یہ پانچ اسباب تھے:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے دعا فرمائی کہ "یااللہ اسے کتاب و حکمت کا علم' دین کی سمجھ اور تاویل قرآن کا فہم عطا کر۔

۲۔ خانوادہ نبوت میں تربیت ہوئی۔

۳۔ کبار صحابہؓ کی صحبت میسر آئی۔

۴۔ قوت حافظہ کے ساتھ لغت وادب عرب کا حفظ ہونا۔ انہوں نے عمر بن ابی ربیعہ کے ۱۸۰ اشعار صرف ایک مرتبہ سن کر یاد کر لئے تھے۔

۵۔ اجتہاد کے مرتبہ کا حاصل ہونا۔"

حضرت ابن عباسؓ دینی علوم کے علاوہ دوسرے تمام مروجہ علوم میں بھی درجہ تبحر رکھتے تھے۔ وہ جملہ علوم و معارف کے جامع تھے۔ قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ اور فرائض کے ساتھ ادب و انشاء' زبان و لغت' سیرت و مغازی' انساب' شعر و شاعری اور حساب وغیرہ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ محدثین کرامؒ اور ارباب سیر نے ان کی قرآن فہمی کے بے شمار واقعات بیان کئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن حکیم کی تمام آیات کی جزئیات تک سے پوری واقفیت

رکھتے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن حکیم کی کسی آیت کی تحقیق کرنا چاہتے تو صحابہ کرامؓ سے اس کے بارے میں پوچھتے لیکن جب انہیں تسلی بخش جواب نہ ملتا تو ہو حضرت ابن عباسؓ کی طرف رجوع فرمایا کرتے اور ان کی تفسیر پر اعتماد کرتے۔ ابن عباسؓ کا قاعدہ تھا کہ قرآن مجید کے غریب الفاظ کو سمجھنے کے لئے قدیم عرب شعراء کے کلام کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔ گو بعض دیگر صحابہ کا بھی یہ دستور تھا لیکن ابن عباسؓ اس خصوصیت میں ممتاز تھے۔ ۵۹۲

تمام اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کو قرآن حکیم کی تفسیر و تاویل میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ اسی طرح آیات قرآنی کی شان نزول اور ناسخ و منسوخ کے علم میں ان کو جو تبحر حاصل تھا اس کی ہمسری بہت کم صحابہؓ کر سکتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کی طرف تفسیر کی ایک کتاب منسوب کی جاتی ہے۔ جس کا نام ہے ''تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس'' اس کو القاموس المحیط کے مولف ابو طاہر محمد بن یعقوب فروز آبادی (المتوفی ۸۱۷ھ) نے جمع کیا اور یہ مصر میں کئی بار چھپ چکی ہے۔ ۵۹۲

حضرت ابن عباسؓ بطور معلم حدیث

حضرت ابن عباسؓ کو حدیث سے بھی شغف تھا۔ عہد رسالتؐ میں گو وہ کمسن تھے۔ لیکن حافظہ نہایت قوی پایا تھا۔ حضورؐ سے جو کچھ سنتے تھے اسے یاد کر لیا کرتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد انہوں نے کبار صحابہؓ کی صحبت اختیار کی اور ان کی احادیث سننے اور یاد کرنے کا خاص اہتمام کیا وہ ہر وقت حدیث رسول اکرم ﷺ کی تلاش و جستجو میں رہتے تھے۔ جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں صاحب کے پاس کوئی حدیث ہے تو خود چل کر ان کے پاس جاتے اور وہ حدیث حاصل کرتے۔

حضرت ابو سلمہؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ:

''جس شخص کے متعلق مجھے معلوم ہوتا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے مکان پر جا کر حاصل کرتا حالانکہ اگر میں چاہتا تو راوی کو اپنے یہاں بلوا سکتا تھا۔'' ۵۹۳

حضرت رافعؓ رسول اللہ ﷺ کے غلام رہ چکے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کاتب کو ساتھ لے کر ان کے پاس جاتے اور حضورؐ کے روزانہ کے معمولات کے بارے میں دریافت کرتے جو معلومات ان سے حاصل ہوتی انہیں کاتب سے لکھواتے جاتے۔ اس تجسس کی وجہ سے ان کو ہزارہا احادیث ازبر ہو گئی تھیں لیکن وہ روایت حدیث میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ دور بھی آیا جب انہوں نے حدیث بیان کرنا بالکل ترک کر دیا۔ فرماتے تھے جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا۔ اس احتیاط کے باوجود ان سے دو ہزار چھ سو ساٹھ (۲۶۶۰) احادیث مروی ہیں اور ان کا شمار راویان حدیث کے طبقہ اول میں ہوتا ہے۔ کثیر الروایہ صحابہ کرامؓ میں حضرت ابو ہریرۃؓ کے بعد انہی کا نام آتا ہے۔ ان کے راویان حدیث اور شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت مسورؓ بن مخرمہ، حضرت ابو الطفیلؓ، حضرت کثیر بن عباسؓ (بھائی)، محمد بن عبداللہ (بیٹے)، علیؓ بن عبداللہ (بیٹے)، محمد بن علی (پوتے)، عبداللہ بن عبید اللہ (بھتیجے)، حضرت سعیدؓ بن مسیبؓ، حضرت

ابو سلمہؒ بن عبدالرحمٰنؒ حضرت قاسم بن محمدؒ حضرت عطاءؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عکرمہؒ حضرت طاؤسؒ حضرت سلیمان بن یسارؒ حضرت عامر الشعبیؒ حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہؒ حضرت عمرو بن میمونؒ حضرت نافع بن جبیرؒ حضرت محمد بن سیرینؒ حضرت یزید بن اصمؒ حضرت مجاہدؒ حضرت ابو العالیہؒ حضرت عمرو بن دینارؒ حضرت عمار بن ابی عمارؒ حضرت یحییٰ بن لعمیرؒ حضرت عبداللہ بن شدادؒ حضرت کریبؒ حضرت ابورجاء عطاردی رحم اللہ علیہ۔

حضرت ابن عباسؓ کو فقہ اور اجتہاد میں بھی نہایت بلند مقام حاصل تھا۔

ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے کہ:

''امام ابوبکر محمد بن موسیٰ نے (جو خلیفہ مامون کے پڑپوتے تھے) ابن عباسؓ کے فتاویٰ بیس جلدوں پر جمع کیے تھے۔''

اس سے حضرت ابن عباسؓ کے تفقہ فی الدین کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ:

''وہ فرائض اور حساب میں بھی ممتاز درجہ رکھتے تھے' شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے' اور نہایت عمدہ شعر کہہ لیتے تھے۔''۵۹۴ؔ

ابن رشیقؒ نے ''کتاب العمدہ'' میں ان کے چند اشعار بطور نمونہ درج کیے ہیں۔ سخن فہمی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کو جاہلی شعراء کے ہزاروں اشعار از بر تھے' زبان و لغت اور انساب پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ غرض ان کی ذات جامع العلوم کی حیثیت رکھتی تھی۔ نہایت شیریں زبان تھے' گفتگو میں ادب کی چاشنی اور غضب کی فصاحت و بلاغت ہوتی تھی۔ تقریر نہایت موثر اور دلآویز ہوتی تھی۔''۵۹۵ؔ

''عن شقیق قال خطب ابن عباسؓ علی الحج فجعل یقرأ سورۃ النور و یفسرھا فقال صاحبی سبحان اللہ ماذا یخرج من رأس ھذا الرجل لو سمعت ھذا الترك لا سلمت۔'' (صحیح)

''عن الاعمش عن شقیق و قال لو سمعته فارس والروم لا سلمت۔''

شقیق تابعیؒ کا بیان ہے کہ:

''ایک مرتبہ ابن عباسؓ نے حج کے موقع پر خطبہ دیا اور اس میں سورۃ نور کی تفسیر ایسے اچھوتے انداز میں بیان کی کہ اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی نہ آنکھوں نے دیکھی تھی۔ اگر فارس اور روم سن لیتے تو پھر ان کو کوئی چیز حلقہ بگوش اسلام ہونے سے نہ روک سکتی۔''۵۹۶ؔ

ابن ابی شیبہ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ ابن عباسؓ کی خوش بیانی اور مٹھاس پر میرا دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حلقہ درس و علمی کمالات

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے علم کی بے اندازہ دولت کو اپنے تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ تمام عمر اس کو مخلوق خدا میں بے دریغ

لٹاتے رہے۔ ان کا حلقہ درس بڑا وسیع تھا۔ جس سے ہزاروں طالبان علم مسلسل فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔

''مستدرک حاکم'' میں ابو صالح تابعیؒ سے روایت ہے کہ :

''میں نے ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ کے مکان کے سامنے لوگوں کی اتنی بڑی بھیڑ دیکھی کہ ان کی کثرت تعداد کی وجہ سے آمد و رفت کا راستہ رک گیا تھا۔ میں نے اس اژدھام کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو دی تو انہوں نے وضو کے لئے پانی طلب کیا۔ وضو کے بعد مجھ سے فرمایا کہ قرآن کریم کی تفسیر یا اس کے رموز و معارف کے بارے میں جو لوگ سوال کرنا چاہتے ہوں ان کو اندر بلا لو۔ میں نے آواز دی تو میرے دیکھتے ہی دیکھتے سارا گھر اور ملحقہ حجرے بھر گئے۔ ابن عباسؓ نے فرداً فرداً ہر شخص کے سوال کا جواب دیا اور سب کو مطمئن کر کے رخصت کر دیا۔ پھر مجھ سے فرمایا: ''فقہ حدیث اور حرام وحلال کے سائلوں کو بلاؤ''۔ میں نے انہیں بلایا تو ان سے بھی سارا گھر بھر گیا۔ ابن عباسؓ نے ان کو بھی تسلی بخش جوابات دے کر رخصت کیا پھر فرمایا: اب فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلاؤ۔ ان کے جم غفیر سے بھی گھر میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ ابن عباسؓ نے ان کے سوالات بھی حل کیے۔ آخر میں عربی زبان' ادب وانشاء اور شعر وسخن کے سائلوں کو طلب کیا۔ ان کی کثرت تعداد کا بھی وہی حال تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے اور سب کی تشفی کر دی۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس کبھی نہیں دیکھی تھی۔ [۵۹۶]

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ :

''حضرت ابن عباسؓ سے کوئی شخص علم کے کسی بھی شعبہ کے متعلق کوئی سوال کرتا تو اسکو جواب ضرور ملتا۔'' [۵۹۷]

حضرت ابن عباسؓ بعض اوقات علمی مذاکروں کے لئے خاص دن مقرر کر دیتے تھے۔ کسی دن تفسیر کا درس دیتے تھے۔ کسی دن ایام عرب کی داستانیں بیان کرتے' اور کسی دن مغازی کے واقعات سناتے' کسی دن زبان وادب اور لغت کے نکات بیان کرتے' کسی دن شعر وسخن سے مجلس کو آراستہ کرتے اور کسی دن انساب کا تذکرہ کرتے۔ غرض ان کی مجالس اور حلقہ ہائے درس کے علاوہ وہ کبھی کبھی نماز کے بعد اپنے خطبات کے ذریعے بھی لوگوں کو تعلیم دیا کرتے۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن شقیقؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے عصر کی نماز کے بعد ہمارے سامنے تقریر شروع کی۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور تارے نکل آئے لوگ نماز نماز کی آوازیں بلند کرنے لگے۔ بنو تمیم کے ایک شخص نے تو مسلسل نماز نماز پکارنا شروع کر دیا۔ اس پر ابن عباسؓ کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا' تیری ماں مرے' تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے' میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ (کبھی کبھی) ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں ملا کر پڑھا کرتے تھے۔'' [۵۹۸]

راوی (عبداللہ شقیقؒ) کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی۔ میں نے جا کر ابو ہریرۃؓ سے پوچھا کہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے۔

قیام کے علاوہ سفر میں بھی حضرت ابن عباسؓ چشمہ فیض جاری رہتا تھا۔ مکہ معظمہ سے باہر قیام ہوتا اور حج کے لئے مکہ آتے تو طالبان علم ان کے فیضان سے بہرہ یاب ہونے کے لئے ٹوٹ پڑتے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو غیر زبان والے لوگ بھی مسائل کی تحقیق یا کسب علم کیلئے ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ انہوں نے ان لوگوں کی سہولت کے لئے کچھ ترجمان مقرر کر دیئے۔ جو عربی بھی جانتے تھے اور ان لوگوں کی زبان بھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہر دم حصول علم کیلئے کوشاں رہے۔

''عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی الله عنهما قال لما مات رسول الله صلی الله علیه وسلم قلت لرجل من الانصار هلم یا فلان فلنطلب العلم فان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم احیاء قال عجبالك یا ابن عباس تری الناس یحتاجون الیك و فی الناس من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم من فیهم قال فترکت ذاك و اقبلت اطلب ان کان الحدیث لیبلغنی عن الرجل من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم قد سمعه من رسول الله صلی الله علیه وسلم فآتیه فاجلس ببابه فتسفی الریح علی وجهی فیخرج الی فیقول یا ابن عم رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ما جاء بك ما حاجتك فاقول حدیث بلغنی عنك ترویه عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فیقول الا ارسلت الی فاقول انا احق ان آتیك قال فبقی ذلك الرجل حتی ان الناس اجتمعوا علی فقال هذا الفتی کان اعقل منی۔'' (هذا حدیث صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجاه)

سرورِ عالم ﷺ کے وصال کے بعد ایک دفعہ آپؐ کے اصحاب ابھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ چلو ان سے علم حاصل کریں۔ انصاری صاحب رسولؐ نے کہا ''ابن عباس! مجھ کو تم پر حیرت ہوتی ہے' تم جانتے ہو کہ لوگ خود تمہارے علم کے محتاج ہیں پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہو؟ حضرت ابن عباسؓ نے یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور اپنا معمول بنا لیا کہ تنہا ہر ایسے صاحبِ رسولؐ کے پاس پہنچ جاتے جن کے بارے میں انہیں اطلاع ملتی کہ انہوں نے سرور عالم ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ ان کے دروازے پر دستک دیتے وہ باہر نکلتے تو ان سے پوچھتے! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے؟

وہ کہتے! اے ابن عم رسولؐ! آپؓ نے یہاں تشریف لانے کی تکلیف کیوں فرمائی' کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے' نہیں یہ میرا فرض تھا۔'

اس مقصد کے لئے وہ ان اصحاب کے پاس بھی بلا جھجک چلے جاتے تھے جن سے ان کا مقام و مرتبہ کہیں بلند تھا اور جو ان کے ایک اشارے پر خود دوڑ کر انکے پاس چلے آتے۔

حدیث کے علاوہ دوسرے علوم کی تحصیل کے لئے بھی دوسروں کے پاس جانے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ حضرت ابو قیس صرمہؓ بن ابی انس انصاری مدینہ کے نہایت بلند پایہ شاعر تھے اور بہت اچھے اخلاقی شعر کہا کرتے تھے۔

ابن اثیر نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ:

''حضرت ابن عباسؓ ان کے ہاں جایا کرتے تھے اور ان سے شعر حاصل کرتے تھے۔''۵۹۹۔

حلقہ ربیعہ بن عبدالرحمٰن فروخ

ان کا نام ابو عثمان ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن اور وہ قریش کے قبیلہ تیم میں آل المنکدر کا غلام ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہ سے روایت کی' وہ امام' حافظ' فقیہ' مجتہد اور رائے کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اسی بنا پر ان کو ''ربیعۃ الرائے'' کہا جاتا تھا۔

اہل مدینہ کا فقیہ

ربیعۃ الرائے نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کو پایا اور آپ سے مالک بن انسؓ نے اخذ و استفادہ کیا۔

بکر بن عبداللہ الصنعانی کہتے ہیں:

''ہم مالک بن انسؓ کے پاس آئے پس انہوں نے ربیعۃ الرائے کے بارے بات کرنا شروع کی۔ ہم ربیعۃ الرائے کے متعلق مزید باتیں چاہنے لگے۔ تو ایک دن انہوں نے کہا تمہیں ربیعہ سے کیا سروکار ہے جبکہ وہ استراحت کر رہے ہیں۔ پس ہم ربیعۃ کے پاس آئے اور اس کو خبر دی اور اس سے کہا۔ کیا تو ربیعۃ ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ ہم نے کہا کیا تو ربیعۃ ہے؟ جس کے بارے میں مالک بن انس بات کرتا ہے۔ اس نے کہا: جی ہاں۔ تو ہم نے اس سے کہا کہ مالک نے تجھ سے کیسے کچھ حاصل کیا جبکہ تو اپنے آپ سے بے خبر ہے۔ تو اس نے جواب دیا ! تمہارا کیا خیال ہے کہ مال و دولت کا ایک ذرہ علم کے حصول سے بہتر ہے۔

مجلسی زندگی

ایک دن وہ اپنی مجلس میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا تو اس کے پاس ایک اعرابی (بدو) آکر کھڑا ہوا جو کہ دیہات سے آیا تھا۔ وہ کافی دیر تک بیٹھا رہا اور خاموش رہا۔ تو ربیعۃ الرائے نے خیال کیا کہ اس کا کلام اس کو اچھا لگا ہے۔ تو اس نے دیہاتی سے سوال کیا۔ اے دیہاتی تو فصاحت و بلاغت میں کتنی قدرت رکھتا ہے؟ تو دیہاتی نے جواب دیا کہ ''میں بات کے معنی و مفہوم کو اختصار کے ساتھ سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔''۶۰۰۔

ان کی علمی قدر و منزلت

یحییٰ بن سعد کا قول ہے کہ:

''میں نے ربیعۃ الرائے سے زیادہ کسی کو ذہین نہیں دیکھا۔''

قاضی سوار بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے ربیعۃ الرائے سے زیادہ رائے کا عالم نہیں دیکھا۔''

میں نے کہا:

''حسن اور ابن سیرین بھی نہیں'' بولے ''حسن اور ابن سیرین بھی نہیں' وہ نہایت فیاض تھے اور امام مالک بن انس

نے ان ہی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔"۶۰۱ے

ربیعۃ الرائے حافظ، فقیہ اور مجتہد تھے اور اپنی رائے میں بڑی بصیرت تھی اور اہل حدیث کے نزدیک ایک عمدہ رائے والے اور صاحبِ قیاس ہیں۔۶۰۲ے

"وہ صاحبِ فتوٰی تھے اہل مدینہ کے نزدیک اور امام مالک نے ان سے اخذ واستفادہ کیا۔"۶۰۳ے

ابن ماجشون کے نزدیک:

"میں نے ربیعۃ الرائے سے زیادہ زبان پر عبور رکھنے والا نہیں دیکھا۔"۶۰۴ے

عبید اللہ بن عمر ربیعہ نے کہا:

"وہ ہم سب میں سے زیادہ جاننے والے اور سب سے زیادہ صاحبِ علم وفضل ہیں۔"۶۰۵ے

حلقہ حضرت عامر بن شراحیلؒ الشعبیؒ

عامر نام، ابو عمر کنیت ہے۔ شعبی قبیلے کی نسبت سے شعبی کہلاتے ہیں۔ یمن کے مشہور خاندان حمیری سے ہیں۔ حمیری خاندان میں ایک مشہور شخص حبان بن عمرو گزرا ہے۔ یہ شخص یمن کی ایک پہاڑی ذوالشعبین میں پیدا ہوا اور مرنے کے بعد یہیں دفن ہوا۔

الشعبی الکوفی تابعین کے بلند پایہ عالم بلکہ امام العلماء حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ طلب علم میں بہت سے شہروں کا سفر کیا۔ بے نظیر حافظے کے مالک تھے۔ اپنے حافظے پر فخر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

"ما کتبت سوداء فی بیضاء"

میں نے سفید کو سیاہ کبھی نہیں کیا، بڑے ذکی، فقیہ تھے، حتیٰ کہ صحابہؓ کے عہد میں فتویٰ دیتے۔ ان کی ثقاہت اور امامت پر علماء کا اتفاق ہے۔۶۰۶ے

ابو مجلز کہتے ہیں: **ما رأیت فیهم افقه من الشعبی۔**

ترجمہ:- میں نے شعبیؒ سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔

قال ابن عینیه : كانت الناس نقول : ابن عباس فی زمانه ، الشعبی فی زمانه والثوری فی زمانه ۔

ابن عینیہؒ کہتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے ابن عباسؓ اپنے زمانے میں شعبیؒ اپنے زمانے میں اور ثوری اپنے زمانے میں۔۶۰۷ے

قال ابن سیرین لأبی بكر الهذلی ان الشعبی فقد رأیته لیستفتی والصحابة متوافرون۔

ابن سیرینؒ ابو بکر الهذلی سے کہتے ہیں میں نے شعبی کو فتویٰ دیتے دیکھا اور صحابہ بڑی تعداد میں موجود ہوتے۔۶۰۸ے

امام شعبیؒ حدیث کے جلیل القدر امام تھے

حضرت عامر بن شعبی نے جب ہوش سنبھالا تو اس وقت صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت موجود تھی۔ پھر ان

کی بود وباش بھی ایک ایسے مقام پر تھی جو مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں بہت سے صحابہؓ اقامت پزیر تھے۔اس لئے انہیں پانچ سو صحابہؓ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ۴۸ صحابہؓ سے فیض حاصل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں آٹھ دس مہینے قیام کر کے علوم نبوت سے فیضیاب ہونے کا موقعہ ملا۔ یہ وجہ ہے کہ وہ امام العصر کہلائے۔ علم حدیث میں ممتاز و نمایاں ہوئے۔

امام العصر ہونے کا شرف حاصل ہے۔

امام شعبی ان جلیل القدر صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرۃؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عدی بن حاتمؓ، حضرت سمرہ بن جندبؓ، عمرو بن حریثؓ، حضرت عبداللہ بن یزید انصاریؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت ابن ابی اوفیؓ، حضرت جابر بن سمرۃؓ، حضرت ابی جحیفہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت بریدہ اسلمیؓ، حضرت جریر بن عبداللہؓ، حضرت اشعث بن قیسؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت حسن بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو العاصؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت وھب بن حنیسؓ، حضرت حبشی بن جنادۃ السلونیؓ، حضرت عامر بن شہرؓ، حضرت محمد بن صیفیؓ، حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت عروۃ البارقیؓ، حضرت فاطمہ بنت قیسؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیؓ، حضرت علقمہ بن قیسؓ، حضرت فروہ بن نوفل شجعیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؓ، حضرت حارث الاعورؓ، حضرت زہیر بن العنیؓ، حضرت عوف بن عامرؓ، حضرت اسود بن یزیدؓ، حضرت سعید بن ذی لعوہؓ، حضرت ابی سلمہ بن عبدالرحمٰنؓ اور حضرت ابی ثامت ایمن جویکی بن مرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اتنے صحابہؓ سے انہوں نے فیض پایا۔ علاوہ ازیں بڑے بڑے تابعینؒ سے بھی استفادہ کیا اور یوں امام العصر کہلائے۔۶۰۹

شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابی اسحاق سے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا شعبی ؟

جواب دیا: وہ مجھ سے دو سال بڑے ہیں۔

قوت حافظہ وصاحب علم وفضل

آپ کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ کبھی قلم دوات سے کام نہیں لیا۔ ایک مرتبہ جو حدیث سن لیتے تھے۔ وہ ہمیشہ کیلئے سینے میں محفوظ ہو جاتی تھی۔

خود فرماتے ہیں کہ:

"میں نے کبھی سفید کاغذ کو کتابت سے سیاہ نہیں کیا۔ یعنی کبھی کچھ لکھا نہیں۔ جب کسی نے کوئی حدیث سنائی تو وہ میرے سینے میں محفوظ ہو گئی۔ اس کے دوبارہ سننے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔"

فرماتے ہیں کہ:

"میں نے بیس سال کے عرصے میں کسی سے کوئی ایسی نئی حدیث نہیں سنی جس سے میں بیان کرنے والے سے زیادہ واقف نہ رہا ہوں۔

اہل حجاز بصرہ اور کوفہ تینوں مرکزوں کے محدثین کی احادیث کا ان سے بڑا کوئی حافظہ نہ تھا۔ سنن کے بھی بہت

بڑے عالم تھے۔

مکحولؒ کا بیان ہے کہ:

"میں نے شعبیؒ سے زیادہ سنن ماضیہ کا عالم نہیں دیکھا۔

ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ:

"شعبی صاحب آثار تھے اور ابراہیم صاحب قیاس۔"

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے علم حساب وریاضی حارث اعور سے سیکھا۔"

حدیث قبول کرنے میں احتیاط

علم حدیث نہایت ہی نازک اور ذمہ داری کا علم ہے۔ اس لئے آپ دوسروں سے حدیث لینے میں بڑے محتاط تھے۔ وہ احادیث صرف انہی بزرگوں سے لیتے تھے جو عقل و فہم اور تقویٰ و دیانت بھی رکھتے ہوں اور سیرت و کردار کے اعتبار سے ان پر بھروسہ کیا جاسکتا ہو۔ قبول حدیث میں ان کا اصول یہ تھا کہ علم اسی شخص سے حاصل کرنا چاہئے جس میں زہد و عبادت اور عقل و دانش دونوں چیزیں جمع ہوں۔ جو شخص صرف عقل و دانش رکھتا ہو مگر تقویٰ و دیانت کا مالک نہ ہو یا وہ شخص جو تنہا زہد و عبادت رکھتا ہو مگر عقل و فہم نہ رکھتا ہو۔ یہ دونوں علم کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ ۶۱۰ ؎

صرف یہی نہیں کہ آپ حدیث قبول کرنے میں احتیاط برتتے تھے۔ بلکہ حدیث بیان کرنے میں بھی احتیاط کرتے تھے۔ حدیث میں اپنی رائے و تحقیق کا دخل نہ ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ محمد بن حجادۃ کا بیان ہے کہ:

"جب حضرت عامر شعبیؒ سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے بارے میں ان کے پاس قرآن و حدیث کا علم نہ ہوتا اور پوچھنے والا کہتا تو اپنی رائے سے ہی کچھ فرمایئے تو آپؒ فرماتے: میں دین میں اپنی رائے کو دخل نہیں دیتا حتی الامکان اپنی رائے دینے سے بچتے تھے۔"

آپ روایت بالمعنیٰ کو خلاف احتیاط سمجھتے تھے

روایت بالمعنیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی روایت کے الفاظ کے بغیر اس کے معنی اپنی سمجھ کے مطابق بیان کئے جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ روایت میں الفاظ کی پابندی نہایت ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ابن عون کی روایت ہے کہ شعبی حدیثیں بالمعنیٰ روایت کرتے تھے۔ آپؒ فرماتے تم جو کچھ مجھ سے سنو اسے لکھ لیا کرو۔

عبداللہ بن ابی سفر کہتے ہیں کہ شعبیؒ نے فرمایا:

"میں عالم نہیں ہوں مگر میں نے کسی عالم کو نہیں چھوڑا جس سے علم حاصل نہ کیا ہو اور ابو حصین تو ایک صالح آدمی ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ خود ایک ممتاز عالم دین تھے' فقیہ تھے' کوفے کی مسند افتاء پر فائز تھے' پھر بھی انکسار کا یہ عالم تھا کہ میں عالم نہیں۔"

حضرت ابراہیم نخعیؒ بہت بڑے عالم و فقیہ تھے مگر شعبیؒ کے تفقہ فی الدین کے ایسے قائل تھے کہ جو مسئلہ ان کو معلوم نہ ہوتا۔ اس کے سائل کو امام شعبی کے پاس بھیج دیتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ اسی اثناء میں سامنے سے شعبیؒ گزرتے ہوئے نظر آئے۔ ابراہیم نخعیؒ نے سائل سے کہا کہ اس شیخ کے پاس جا کر پوچھو اور جو جواب وہ دیں مجھے بھی آکر بتلانا۔ سائل نے جا کر وہ مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ جب ابراہیم نخعی کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہا واللہ! یہ فقیہ ہے اور فقہ اسے کہتے ہیں۔ (کہ محض اپنی رائے سے کچھ نہیں کہتے۔)[611]

صلت بن بدام کہتے ہیں کہ:

"میں نے کسی ایسے شخص کو جو علم میں شعبی کا ہم پایہ ہو ان سے زیادہ "**لا ادری**" کہنے والا نہیں دیکھا۔

عمرو بن سعید کا بیان ہے کہ:

"میں نے ایک مرتبہ شعبی سے کہا۔ آپ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی تھی۔ اب وہ میرے حافظے سے نکل گئی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے کچھ بتلاؤ تو میں جانوں کہ وہ کون سی حدیث تھی۔ میں نے کہا مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔ امام شعبی نے ایک حدیث سنا کر کہا کہ یہ تو نہیں ہے؟ میں نے کہا نہیں ہے۔ آخر میں انہوں نے ایک پڑھ کر کہا یہ تو نہیں ہے؟

خوف الٰہی

باوجود اس کے آپ جید عالم و فقیہ اور امام تھے۔ خوف و خشیت کا یہ حال تھا کہ سفیان کے ایک قول کے مطابق ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

"کاش میں اس علم سے برابر سرابر چھوٹ جاتا۔ نہ مجھ سے اس کا مواخذہ ہوتا اور نہ مجھے اس کا صلہ ملتا۔"

عادات و خصائل اور لباس

آپ ایک خاص قسم کا ریشمی لباس پہنتے تھے۔ کبھی کبھی شعراء کی مجلس میں بھی بیٹھتے تھے۔ شعر و سخن سے دلچسپی تھی۔ کہا کرتے تھے کہ یہ حکومت کے وظائف و عطیات گدھے کے پیشاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ بہت سے لوگوں کو جہنم میں لے جاتے ہیں۔

عطیہ السراج کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شعبی کے پاس مسجد میں آیا۔ یہ جہینہ کی ایک مسجد تھی۔ آپ نے فرمایا: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس مسجد میں تقریباً میں نے تین سو صحابہ کو دیکھا ہے۔

زید بن خطاب کہتے ہیں کہ:

"جب عمر بن عبدالعزیز عراق کے گورنر ہوئے۔ تو آپ نے شعبی کو کوفہ کا قاضی بنادیا۔ آپ باب الفیل کے نزدیک ایک گوشے میں مقدمات فیصل کیا کرتے تھے۔"[612]

حسن بن صالح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شعبیؒ کے سر پر سفید عمامہ اور اس کا لٹکا ہوا شملہ دیکھا ہے۔

عمرو بن شیب المسلی کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا کہ انہوں نے شعبی کو ایک نہایت سرخ رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے دیکھا۔ لیث کہتے ہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ انکی چادر زیادہ سرخ تھی یا انکی داڑھی۔ کبھی کبھی سرخ عمامہ بھی باندھ لیتے تھے۔ جس زمانے میں آپ قاضی تھے۔ آپ ڈاڑھی رنگتے تھے۔ کبھی سرخ چادر بھی اوڑھ لیتے تھے۔ ایک خاص قسم کا

ریشمی سبز لباس بھی زیب بدن فرماتے۔ چادر اور لباس کے رنگ مختلف ہوتے تھے، زرد انار بھی پہن لیتے تھے۔[613]

حلقہ سعید بن المسیبؒ

مقام علم و فضل

بقول امام احمد بن حنبلؒ سعید بن میتب افضل التابعین تھے۔ آپ کا نام و نسب سعید بن المسیبؒ ابن حزن قرشی مخزومی ہے۔ آپ کا باپ اور دادا دونوں صحابی تھے۔ آپ خلافت فاروقی کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں طلب حدیث کا شوق پڑ گیا اور اس دھن میں سفر و سیاحت کا آغاز کر دیا۔

علم و فضل

آپ نے حدیث و علم کی باتیں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ و غیر ھم سے اخذ کیں۔[614]

حضرت ابو ہریرہؓ سے نسبۃً زیادہ روایت کی ہیں۔ کیونکہ آپ ان کے داماد تھے۔

حضرت سعید بن میتب وسعت علم، کثرت عبادت اور اظہار حق میں زبردست جرأت کے مالک تھے، بعض لوگوں کی بیعت سے انکار پر آپ کو کوڑے مارے گئے لیکن آپ نے ان کی بیعت نہ کی۔

"سعید بن میتب کی عظمت کا اندازہ مندرجہ ذیل آراء سے ہو سکتا ہے:

مکحول ان کے بارے میں کہتے ہیں:

"میں نے علم کی تلاش میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا مگر سعید بن میتب سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پایا۔"[615]

علی بن مدینی فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک تابعین میں سعید سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ جب سعید کسی بات کو سنت قرار دیں تو اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ سعید سب تابعین سے بزرگ تر ہیں۔"[616]

زہد و تقویٰ

سعید بن میتب کے زہد و تقویٰ کے بارے میں مشہور ہے کہ دو درہم مہر کے عوض اپنی بیٹی کثیر بن ابی دواعہ کے نکاح میں دے دی اور عبدالملک بن مروان کی یہ درخواست ٹھکرا دی کہ اس کے بیٹے کو شرف دامادی بخشا جائے۔ جب عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید کی بیعت لینا چاہی تو وہ حاکم مدینہ نے عبدالملک کے حکم سے آپ کو پیٹا اور تلوار دکھا کر بیعت پر راضی کرنا چاہا۔ مگر آپ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔"[617]

فقیہ الفقہاء

حضرت سعید بن میتب نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے قضایا کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ آپؒ فتویٰ دیتے تھے حالانکہ بعض صحابہؓ زندہ تھے۔ علماء کا ان کی امامت اور ان کے بلند مرتبہ پر اتفاق ہے۔ مدینہ طیبہ میں فقہ و فتویٰ کے میدان میں سر خیل تصور کئے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ لوگ انہیں فقیہ الفقہاء کے نام سے پکارتے تھے۔ حد درجہ متقی

اور پرہیز گار تھے اور تحائف وعطایا وصول کرنے سے گریز کرتے تھے۔

جن لوگوں نے آپ سے روایت کی ہے۔ان میں سے مشہور یہ ہیں:

محمد بن مسلم الزہریؒ، عمر بن دینارؒ، عطا بن ابی رباحؒ، محمد الباقرؒ، قتادہ میں دعامہ السدوسیؒ، بکیر بن الاشجؒ، یحیٰ بن سعید الانصاریؒ وغیرھم۔۶۱۸

سلف الصالحین کا آخری نمونہ

۹۱ ہجری میں ولید بن عبد الملک حج کے لئے آیا۔ صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ جب ولید کے حج کے لئے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو عمر بن عبد العزیزؒ نے قریش کے دس آدمیوں کو حکم دیا کہ میرے ساتھ امیر المومنین کے استقبال کو چلیں۔ چنانچہ دس آدمی جن ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام اور ان کے بھائی محمد بن عبد الرحمٰن اور عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان بھی تھے۔ عمر بن عبد العزیز کے ساتھ جن کے ساتھ اور بھی خدم و چشم تھے سوید تک آئے۔ یہ سب لوگ سواریوں پر تھے۔ جب ولید سامنے آیا اور وہ بھی گھوڑے پر سوار تھا تو حاجب نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ امیر المومنین کی خاطر سواریوں سے اتر پڑیں۔ سب لوگ اتر پڑے مگر پھر خود ولید نے انہیں سوار ہونے کا حکم دیا اور عمر بن عبد العزیزؒ کو اپنے پاس بلایا۔ عمر بن عبد العزیز ولید کے جلو میں ان کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور اس طرح یہ تمام جماعت مقام ذی خشب پر آکر فروکش ہوئی۔

سعید بن المسیبؒ کا مقام و مرتبہ

ولید بن عبد الملک مسجد نبوی دیکھنے کیلئے گیا جس قدر لوگ مسجد میں موجود تھے سب نکال دیئے گئے۔ البتہ سعید المسیبؒ اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ سعید بن المسیبؒ دو معمولی چادریں جن کی قیمت پانچ درہم ہو گی۔ زیب تن کئے بیٹھے تھے۔ ولید بن عبد الملک نے خود آکر انکی مزاج پرسی کی۔ سعید بن میتب نہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور نہ انہوں نے اپنی جگہ سے جنبش کی۔ البتہ مزاج پرسی کے جواب میں الحمد للہ میں خیرت سے ہوں۔ امیر المومنین کا مزاج کیسا ہے اور کیا حال ہے؟ ولید نے کہا الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ اس قدر گفتگو کے بعد ولید نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے کہا کہ اب یہ ہی سلف الصالحین کا ایک نمونہ باقی رہ گئے ہیں عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا کہ امیر المومنین بجا فرماتے ہیں۔" ۶۱۹

حلقہ حسن البصری

ابو سعید بن ابی الحسن یسار البصری (۲۱ھ / ۶۴۲ تا ۱۱۰ھ / ۷۲۸ء) اموی عہد میں بصرے کے مشہور واعظ اور صوفی جو تابعین کے طبقے سے تھے۔ ان کے والد، جن کا اصلی نام پیروز تھا، عراق میں میسان کی فتح کے موقع پر اسیر ہو گئے تھے اور کہا جاتا ہے کہ انہیں مدینے لایا گیا۔ جہاں ان کی مالکہ نے انہیں آزاد (عتق) کر دیا۔ اگرچہ یہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھیں اور پھر انہوں نے حسن کی والدہ خیرۃ سے شادی کر لی۔ ایک روایت کی رو سے حسن بصرے میں ۲۱ھ / ۶۴۲ء کو پیدا ہوئے۔

ان کی پرورش وادی القراء میں ہوئی اور جنگ صفین کے بعد وہ بصرے چلے گئے۔ اپنی نوجوانی میں انہوں نے مشرقی

ایران کی فتوحات میں حصہ لیا۔

۴۳ھ / ۶۶۳ء اور بعد کے سال بعد ازاں وہ انتقال ۱۱۰ھ / ۷۲۸ء تک بصرے میں ہی رہے۔

ان کی شہرت کا انحصار ان کی انتہائی دینداری اور دیانت داری پر ہے۔ جس نے انکے معاصرین کو بہت متاثر کیا۔"

اور سب سے بڑھ کر ان کے مشہور مواعظ اور اقوال پر جن میں وہ اپنے ہم شہریوں کو گناہوں کے ارتکاب کے خلاف متنبہ کرتے تھے۔

باعمل صوفی

انہوں نے اپنی پوری زندگی باعمل صوفی کے طور پر گزاری' جو وہ خود کرتے اسی کی تلقین کرتے۔ یہ مواعظ جن کے محض کچھ اجزاء محفوظ رہ گئے ہیں۔ ابتدائی عربی نثر کے باقی ماندہ بہترین نمونوں میں سے ہیں۔[۶۲۰]

انکے مواعظ کو اعلیٰ ترین بلاغت و فصاحت کی صف میں جگہ حاصل ہے

ان کی جاندار تصویر کشی اور پر کیف صفت تضاد کی بدولت ان مواعظ کو اعلیٰ ترین بلاغت و فصاحت کی صف میں جگہ حاصل ہے۔ یہ بلاوجہ نہیں تھا کہ مؤلفین مثلاً الجاحظ اور المبرد نے انہیں اموی عہد کے سیاسی رہنماؤں کی مشہور تقریروں کے ساتھ ساتھ اسلوب کے مثالی نمونوں کے طور پر نقل کیا ہے اور ان کے بعض اقوال نعت کے اہم کتابوں میں بھی درج کئے گئے ہیں۔

دو مشہور مثالیں حسب ذیل ہیں:

حَادِثُوْا هٰذِهِ الْقُلُوْبَ فَاِنَّهَا سَرِيْعَةُ الدُّثُوْرِ۔

ان دلوں کو از سر نو جلاء دے لو کیونکہ یہ دل (احساس دینی کے مرکز ہیں) بہت جلد زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔

اِجْعَلِ الدُّنْيَا كَا لْقَنْطَرَةِ تَجُوْزُ عَلَيْهَا وَلَا تَعْمُرُهَا۔

اس دنیا کو ایک پل سمجھو جس پر سے تم گزر جاتے ہو اور اس پر ڈیرے نہیں ڈال لیتے۔

عربی کے واعظانہ ادب کی مشکل ہی کوئی ایسی تصنیف ملے گی۔ کہ جس میں حسن کے بعض اقوال منقول نہ ہوں۔

شروع کے خلفاء کے بارے میں انہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے کسی سیاسی جماعت سے وابستگی کے اعتراف کا نتیجہ نہیں' بلکہ انکے مذہبی اصولوں پر مبنی نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے کے حکمرانوں یعنی عراق کے والیوں پر بے باکی سے نکتہ چینی کی ہے۔ ان کی بے باکی کا یہ عالم تھا کہ ۸۶ھ / ۷۰۵ء میں حجاج کی جانب سے شہر واسط کی تعمیر پر اعتراض کر دیا وہ ان ان سے ناراض ہو گیا آخر انہیں حجاج کی وفات تک روپوش ہو جانا پڑا۔ تاہم حسن ان لوگوں کو بہ نظر استحسان نہ دیکھتے تھے جو بد عنوان والیان ملک کو بر طرف کرنے کے لئے بغاوتوں کی کوششوں میں حصہ لیتے تھے۔

(تفسیر المعز) جب ابن الاشعث (۸۱ھ / ۷۰۰ء) کے حامیوں نے انہیں اپنے ساتھ شامل ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ ظالموں کے متشددانہ افعال خدا کی طرف سے عذاب ہیں جن کا مقابلہ تلوار سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسے صبر سے برداشت کرنا چاہئے۔[۶۲۱]

حسن بصری بڑے فصیح و بلیغ، عابد و زاہد اور یکتائے روزگار خطیب تھے

ابن حجر عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' میں رقمطراز ہیں:

''آپ بڑے فصیح و بلیغ و زاہد اور یکتائے روزگار خطیب تھے۔ سامعین ان کے وعظ سے بے حد متاثر ہوتے تھے۔ آپ نے حضرت علیؓ و ابن عمرؓ و انسؓ اور کثیر صحابہؓ و تابعینؒ سے حدیثیں روایت کیں۔''

زہد و تقویٰ اور جادو بیان مقرر ہونے سے ساتھ ساتھ آپ قران و حدیث کے جید فاضل اور احکام حلال و حرام میں اعلیٰ پایہ کی بصیرت رکھتے تھے۔

علمائے سلف کے چند اقوال ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

''دینی مسائل حسن بصری سے پوچھا کیجئے انہیں وہ مسائل یاد ہیں اور ہم بھول گئے۔''

۲۔ سلیمان الیمی فرماتے ہیں:

''حسن بصری اہل بصرہ کے استاذ ہیں۔''

۳۔ قتادہ کا قول ہے:

''میں جس فقیہ کی صحبت میں بیٹھا حسن بصری کو اس سے بڑھ کر پایا۔''

۴۔ کرالمزنی فرماتے ہیں:

''جو شخص دور حاضر کے منفرد عالم کو دیکھنا چاہے وہ حسن بصری کو دیکھ لے۔ ہم نے ان سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا۔''

۵۔ جناب ابو جعفر الباقر کے یہاں جب حسن بصری کا ذکر آتا تو فرماتے:

''ان کا کلام انبیاء کے کلام سے ملتا جلتا ہے۔''[۶۲۲]

۶۔ ابن سعد کہتے ہیں:

''حسن بصری عالم بلند پایہ، فقیہ نہایت ثقہ، بڑے عابد و زاہد، حد درجہ فصیح و بلیغ اور حسین و جمیل تھے۔''[۶۲۳]

اپنے مواعظ میں برابر دنیوی رجحانات اور مال و دولت سے محبت کے خلاف تنبیہ کرتے رہے۔

''انسان موت کے راستے پر گامزن ہو چکے ہیں اور جو مر گئے ہیں وہ اپنے پیچھے دوسروں کے آنے کے منتظر ہیں۔ جو لوگ مال و دولت جمع کرتے انہیں وہ شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے ایک شخص کو جوان کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اپنی دولت مندی کی وجہ سے مشہور تھا۔ محض اس کی دولت کی وجہ سے رد کر دیا۔ انہیں اس کا خیال بھی نہیں آیا کہ جو غیر مزروعہ زمین (موات) مفت تقسیم کی جا رہی تھی۔ وہ اسے لینا قبول کر لیں۔

''اگر مٹی بھر ٹوکری کے عوض مجھے ہر وہ چیز مل سکے جو دونوں پلوں کے درمیان ہے تو مجھے اس سے کوئی خوشی نہ ہوگی۔''

نظریات

وہ اس دنیادار آدمی کو جسے اپنے دین و ایمان کا زیادہ پاس نہ ہو اور جو بلا تامل گناہ کرتا ہو، منافق کہتے ہیں اور اس مفہوم میں یہ اصطلاح صرف انہوں نے ہی استعمال کی تھی۔ لہٰذا حمد و مناجات کی کتابوں میں انہیں اس عقیدے کے سب سے بڑے

سے بڑے نمائندے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ صاحب الکبیرہ (یعنی کبیرہ گناہوں کا مرتکب) منافق ہے۔
وہ گناہوں کو بڑی سختی سے جانچتے تھے۔ (تشدید المعاصی) اور یہ سمجھتے کہ گناہگار اپنے افعال کا پوری طرح ذمے دار ہے۔ وہ یہ کہہ کر اپنے آپ کو بری الذمہ نہیں کرسکتا کہ سب افعال خدا نے پیدا کیے ہیں۔ یہ قدریہ کا نقطہ نظر ہے۔[۶۳۴]

امام ابن تیمیہ' تشدید المعاصی اور قدریہ میں تعلق کے معترف ہیں اور کہتے ہیں:

''لوگ ہر اس شخص کو جو گناہوں کا سختی سے محاسبہ کرتا ہے قدری کہتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ اسی وجہ سے حسن بصری پر قدری عقیدے کا الزام لگایا جاتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حسن نے قدریہ کا نقطہ نظر اختیار کرلیا تھا۔ اگر چہ شروع زمانے ہی سے ان کی شہرت کو اس داغ سے پاک وصاف کرنے کی کوشش شروع ہوگئی تھی۔

اس کا ثبوت بظاہر اس رسالے سے بھی ملتا ہے جو انہوں نے عبدالملک بن مروان کو لکھا تھا۔ جس میں حسن بصری نے جذبہ اخوت انسانی اور بنو نوع انسان سے ہمدردی پر بھی زور دیا گیا ہے۔ ان کا ایک مداح شاعر فرزدق بھی تھا۔ جس نے انہیں اپنی نوار کی طلاق کے ایک شاہد کی حیثیت سے طلب کیا تھا۔''[۶۳۵]

حسن بصری کی تصانیف

حسن کی تصانیف اب نہیں ملتی۔ مذکورہ بالا مواعظ کے شذرات کے علاوہ عمر بن عبدالعزیز کے نام ایک زاہدانہ وواعظانہ نوعیت کا رسالہ ملتا ہے۔

۱۔ ایک رسالہ مکے میں ایک ''بھائی'' کے نام جسے انہوں نے مجاورۃ' یعنی مکے میں سکونت کی تلقین کی ہے۔

۲۔ فرائض پر ایک کتاب جس کے مستند ہونے کا ابھی ثبوت نہیں ملا۔

ابن الندیم ''الفہرست'' میں بیان کرتے ہیں:

حسن نے ایک تفسیر لکھی تھی۔ اس تفسیر قرآنی کی بعض جزئیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں حسن نے قرآنی قراتوں سے بحث کی ہے جنہیں دیکھنے کے لوگ بہت مشتاق تھے۔

اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ دونوں انہیں اپنے میں سے تصور کرتے ہیں۔ اگر چہ موخر الذکر نے بعض اوقات یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کی ابتداء حسن بصری سے نہیں ہوئی۔ فتوت کے پیرو بھی انہیں اپنا امام سمجھتے تھے۔ ان کا نام کئی صوفی سلسلوں کی بھی ایک کڑی نظر آتا ہے اور اخلاقی پند ونصیحت کی تصانیف میں ان کے اقوال بے شمار بار نقل کیے گئے ہیں۔ ان کے زہد وتقشف کا اثر بصرے میں تا دیر قائم رہا۔

بصرے کی صوفی مسلک کی بڑی کتاب یعنی ابو طالب المکی کی قوت القلوب میں کہا گیا ہے کہ حسن اس علم میں جس کی ہم نمائندگی کرتے ہیں ہمارے امام ہیں۔ ہم ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ ان کے طور طریقوں کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے چراغ سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔[۶۳۶]

مزید مطالعہ کے لئے یہ کتب ملاحظہ کیجئے:

۱۔ ابن سعد: طبقات ابن سعد' ۷/۱: ۱۱۴

۲۔ ابن الندیم: الفہرست' ص ۱۸۳

۳۔ ابن المرتضیٰ: طبقات المعتزلۃ، ص ۱۸

۴۔ ابن خلکان: وفیات الاعیان، ص ۱۰۰

۵۔ الشہرستانی : کتاب الملل والنحل، ص ۳۲

۶۔ ابن الجوزی: آداب الحسن البصری، قاہرہ ۱۹۳۱ء

۷۔ اخبار حسن البصری، مخطوطہ ظاہریہ، دمشق، تب فہرست (تاریخ) ۳۶۶

بنوامیہ کے تعلیمی اداروں کا نصاب

بنوامیہ کے تعلیمی نصاب میں جو علوم سرفہرست رہے :

(۱) قرآن، علم تفسیر (۲) حدیث اور شریعت (۳) نحو اور لغت (۴) تاریخ کی تدوین (۵) خطابت (۶) خط و کتابت (۷) شعر گوئی (۸) تعلیم و تربیت (۹) علم کیمیا (۱۰) فکری دبستان (۱۱) علم طبیعات (۱۲) علم ہیئت (۱۳) علم الحساب (۱۴) علم الٰہیات ۔[۶۲۷]

ا۔قرآن

قران مجید کتاب ہدایت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کیلئے نازل کیا ہے۔ وہ ایک مکمل ضابطہ حیات اور جامع قانون ہدایت ہے۔ قرآن مجید اصول و کلیات کا جامع ہے اس کی جزئیات کی تفصیل و تعین کا کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کیا گیا۔

ابو اسحاق الشاطبی اپنی کتاب ''الموافقات'' میں لکھتے ہیں :

'' قرآن کریم اختصار کے باوجود جامع ہے اور وہ جامع اسی اعتبار سے ہے کہ اس میں دین کے اصول و کلیات جمع ہو گئے ہیں۔ جب نزول قرآن کی تکمیل ہوگئی تو شریعت مکمل ہوگئی۔[۶۲۸]

قرآن فہمی کیلئے نقطے واعراب کی ضرورت پر توجہ دی گئی۔

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور سینکڑوں عجمی اقوام مشرف باسلام ہوئیں تو ان کو فہم قرآن کے سلسلے میں اور بھی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عربی ان کی مادری زبان نہ تھی ۔ نیز اس وقت تک قرآن مجید پر نقطے اور اعراب بھی نہیں لگائے گئے تھے کیونکہ عربوں کو اس کی ضرورت نہ تھی اس لئے نو مسلم اہل عجم کو تلاوت قرآن میں غلطی سے بچانے کیلئے قرآن مجید پر اعراب لگانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس ضمن میں یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو الاسود الدوائلی (م ۶۹ ھ) کو حکم دیا کہ نحو کے قواعد مرتب کریں تا کہ عربی زبان کا تحفظ کیا جا سکے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ علم اعراب القرآن کی بنیاد حضرت علیؓ کے ہاتھوں رکھی گئی۔[۶۲۹]

دور بنوامیہ میں جن علماء نے تفسیر قرآن پر مشتمل کتابیں تحریر کیں۔

دور بنوامیہ میں علماء کرام کے حلقہ ہائے درس میں ہزاروں شاگرد پیدا ہوئے۔ جنھوں نے تفسیر قرآن پر مشتمل کتابیں لکھیں اور یہی اس زمانے میں طلباء کا تعلیمی نصاب رہا۔

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حلقہ درس نے نہایت وسعت حاصل کی۔ ان کے ہزاروں شاگرد پیدا ہو گئے۔ جن میں مجاہدؒ' عطاء بن رباحؒ' عکرمہؒ اور سعید ابن مسیب' سعید بن جبیرؒ خاص امتیاز رکھتے تھے۔ چنانچہ سعید بن جبیر نے سب سے پہلے عبدالملک بن مروان کی فرمائش پر تفسیر قرآن پر مشتمل کتاب لکھی۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے وہ درحقیقت یہی تفسیر ہے۔''[630]

۲۔ تفسیر

بنو امیہ کے تعلیمی نصاب میں علم تفسیر کو بنیادی حیثیت حاصل تھی اور اس زمانے میں تفسیر نویسی پر بلند پایہ خدمات انجام دی گئیں۔

''سعید بن جبیر کے بعد کبار تابعین میں سے حضرت ابن عباس کے تلمیذ خاص ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی بصری (م ۹۳ھ) نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ بقول بعض تفسیر نویسی میں ان کا درجہ سعید بن جبیر سے بھی بلند تر ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبی (م ۹۳ھ) لکھتے ہیں :

''ابو بکر بن ابی داؤد کا قول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ابو العالیہ اور پھر سعیدؒ بن جبیر سے بڑھ کر قرآن مجید کا کوئی عالم نہیں۔''[631]

بنو امیہ کے زمانے میں علم تفسیر میں بہت ترقی ہوئی۔ جن علماء نے تفسیریں لکھیں:

محمد بن کعب قرظی (م ۱۰۸ھ) اور عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ) نے بھی قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں یہ بڑے بلند پایہ تابعین میں سے تھے۔ تابعین سے یہ فیض اتباع تابعین نے حاصل کیا' چنانچہ انہوں نے متقدمین کے تفسیری اقوال جمع کر کے کتب تفسیر تصنیف کیں۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل اصحاب کے اسماء خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ سفیانؒ بن عیینہ' وکیع بن الجراح' شعبہؒ بن حجاج' یزید بن ہارون' عبد بن حمید۔[632]

۳۔ علم قرأت بھی تعلیمی نصاب میں شامل رہا۔

اس زمانے میں طلباء علم قرأت میں مہارت تامہ حاصل کرنے کیلئے مختلف علاقوں کے مشہور قرأء سبعہ سے فیضیاب ہوئے۔

۱۔ مکے میں عبداللہ بن کثیر الداری (م ۱۲۰ھ) کی قرأت مشہور تھی۔

۲۔ مدینہ منورہ میں نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم (م ۱۶۹ھ) کی قرأت رائج تھی۔
انہوں نے براہ راست حضرت ابیؓ بن کعب' عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرۃ سے کسب فیض کیا تھا۔

۳۔ ملک شام میں عبداللہ یعصبی المعروف ابن عامر (م ۱۱۸ھ) کا طریقہ رائج تھا۔ انہوں نے قرأت کا فن مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی سے سیکھا۔

۴۔ بصرے میں ابو عمرو بن العلاء البصری (م ۱۰۴ھ) کی قرأت کا شہرہ تھا۔ انہوں نے اہل حجاز اور اہل عراق کے جلیل القدر تابعین کی ایک جماعت سے علمی فیض حاصل کیا۔ انکی قرأت نے بلاد وامصار میں بڑی شہرت حاصل کی۔[633]

۵۔ پانچویں مشہور قاری یعقوب بن اسحٰق حضرمی (یہ بصرے کے مشہور قاری تھے)

۶۔ حمزہ بن حبیب زیات مولی عکرمہ بن ربیع التیمی (م ۱۸۸ھ) چھٹے مشہور قاری ہیں۔

۷۔ ساتویں قاری ابوبکر عاصم بن ابی النجود الکوفی (۱۲۷ھ) ہیں انہوں نے ابوعبدالرحمٰن السُلمی اور زر بن حبش سے علم قرأت حاصل کیا یہ دونوں حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ میں سے تھے۔ [۶۳۴]

اس طرح بنوامیہ کے تعلیمی نصاب میں طلباء فن قرأت پر عبور حاصل کرنے کیلئے مندرجہ بالا بیان کی گئی۔ سبعہ قرأت کے علم سے مستفید ہوتے۔ جو ان کے تعلیمی نصاب کا ضروری حصہ تھیں۔ عہد بنوامیہ کے تعلیمی نصاب کیلئے علم القرأت پر تصانیف جو مدون ہوئیں۔

''اس موضوع پر سب سے پہلے ابوعمرو بن العلاء البصری (م ۱۰۴) نے کتاب تصنیف کی۔ ان کے معاصر ابان بن تغلب اور مقاتل بن سلیمان نے بھی کتاب القرأت لکھی تھی۔ [۶۳۵]

۴۔ حدیث اور شریعت

بنوامیہ کے تعلیمی نصاب میں حدیث اور شریعت کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ دینی مدارس میں طلباء اس سے مستفید ہوتے۔

''قرآن مجید کے مطالعے اور اس کی تفسیر کے سلسلے میں دو جڑواں علم پیدا ہوئے۔ ایک فقہ اللسنہ اور دوسرا علم المفردات۔ اس طرح مسلمانوں کی ادبی سرگرمیوں سے علم حدیث پیدا ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صحابہؓ کے ارشادات کی ترتیب قرآن وحدیث دینیات کیلئے بنیاد واساس تھے اور فقہ قانونِ شریعت کے چست اور پٹ کی حیثیت حاصل تھی۔ اس دور میں مشہور عالم دین ومحدث حسن بصریؒ وفات ۷۲۸ء اور شہاب زہریؒ وفات ۷۴۲ء ہیں۔ بصری کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ کم وبیش ستر صحابہؓ سے براہ راست واقف تھے۔ راسخ العقیدہ سنی مسلمان ان کے اقوال بیان کرتے ہوئے نہیں تھکتے اور صوفیہ ان کے زہد وتقویٰ کے اثرات سے کبھی آزاد نہیں ہوتے۔ [۶۳۶]

کوفہ میں جو مرکز علم ہونے کے اعتبار سے بصرہ کا حریف تھا۔ عامر بن شراجیل شعبی پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ڈیڑھ سو سے زیادہ صحابیوں سے روایتیں سنیں اور ان میں سے ایک سطر کاغذ پر لکھے بغیر حافظے سے وہ حدیثیں دہراتا رہا۔ شعبی کو عبدالملک نے ایک نہایت اہم کام کے سلسلے میں شہنشاہ قسطنطنیہ کے پاس بھیجا تھا۔ [۶۳۷]

دورِ بنوامیہ میں تعلیمی منہاج پر ان علماء فقہاء دین کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور طلباء نے ان سے کما حقہ فیض اٹھایا۔

۵۔ تاریخ (سیر ومغازی)

عہد بنوامیہ میں تعلیمی نصاب تاریخ (سیر ومغازی) طلباء کیلئے ضروری قرار دیا گیا تاکہ وہ اپنے اسلاف کے کارہائے نمایاں کو یاد رکھ سکیں۔

''تاریخ نگاری کی ابتداء بھی احادیث کی شکل میں ہوئی اور عرب مسلمانوں نے اس پر سب سے پہلے توجہ کی۔ تاریخی تحقیق وکاوش کیلئے خاص محرک یہ ہوا کہ مومن رسول اللہ اور صحابہؓ کے متعلق ہر قسم کی کہانیاں اور روائتیں تلاش کرتے رہتے تھے۔ ساتھ ہی انہیں ہر مسلمان عرب کا سلسلہ نسب دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی تاکہ سرکاری وظیفے

کی مقدار کا تعین ہو سکے اور ابتدائی دور کے خلفاء کو اس بات کا خیال رہتا تھا کہ سابق کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی کارروائیوں کا اندازہ کرلیں۔ عبد (عبید) کو معاویہؓ نے اس غرض سے دمشق بلایا تھا کہ عرب کے ابتدائی بادشاہوں اوران کی نسلوں کے متعلق حالات معلوم کریں۔۶۳۸

چنانچہ اس نے ایک کتاب مرتب کی جس کا نام "کتاب الملوک والاخبار الماضیین تھااور جو مسعودی کے زمانے تک خوب مروج تھی۔

علم الاوائل کا ایک ماہر وہب بن منبہ تھا (وفات ۷۲۸) یہ ایک یمنی یہودی تھا۔ جو اسلام لے آیا۔ اس کی ایک کتاب (تیجان) جس کا تعلق ملوک حمیر سے تھا (حال میں چھپ چکی ہے)

اسی دور میں علم مغازی رسول کی بھی تعلیم عام ہوئی۔

امام زین العابدین (۹۶ھ) اور امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) کہتے ہیں کہ ہم مغازی کو اس طرح یاد کرتے تھے جیسے قرآن مجید یاد کرتے تھے۔"۶۳۹

۶۔ خطابت

دور بنو امیہ میں طلباء کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ انہیں فن خطابت کی تعلیم بھی دی جاتی تاکہ ان کی مردانہ صفات اجاگر ہوسکیں۔

"امویوں کے دور میں عوامی تقریروں کی مختلف شکلوں نے اتنی بلندی حاصل کرلی کہ بعد میں کوئی دور اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ خطیب جمعہ کے دن خطبوں میں نورِ تقریر استعمال کرتے تھے۔ سالار اس ذریعے سے فوجیوں میں جوش وخروش پیدا کرتے تھے اور گورنر خطبوں ہی کے ذریعے سے رعایا میں حب الوطنی کے جذبات ابھارتے تھے۔ بعض خطبوں کے ٹکڑے محفوظ رہ گئے ہیں مثلاً حسن بصریؒ نے جو خطبے عمر بن عبدالعزیز کی موجودگی میں دیئے تھے اور آخر الذکر کی سیرت میں شامل ہوگئے۔"۶۴۰

"یا حب وطن سے لبریز تقریریں جو زیاد بن امیہ نے کی تھیں یا وہ آتش زیز خطبے جو حجاج نے دیئے۔ اس ابتدائی دور کے نہایت قیمتی ذخیروں میں محسوب ہوتے ہیں۔"۶۴۱

۷۔ خط وکتابت

طلباء کو جہاں فن خطابت کی تعلیم دی جاتی اس کے ساتھ ساتھ فن خطابت کو اہم مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

"ابتدائی دور کی سرکاری خط وکتابت یقیناً مختصر، بلیغ اور صرف ضروری امور تک محدود ہوتی ہوگی۔ آخری اموی خلفاء کے دور میں لفاظی اور طول نگاری کا طریقہ جاری ہوا۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ:

"یہ طریقہ درباری دبیر عبدالحمید کاتب وفات (۷۵۰ء) نے جاری کیا۔ اس کی رسمی اور بہت منجھی ہوئی تراکیب سے واضح ہوتا ہے کہ یہ شخص تحریر میں ایرانی نمونوں کا پیرو تھا۔ ابتدائی دور کے بہت سے حکیمانہ اقوال اور ضرب الامثال میں بھی ایرانی اثر نظر آتا ہے۔"۶۴۲

۸۔ علم کیمیاء

عہد بنو امیہ میں دینی مدارس میں طلباء کے ذہنوں کو تحقیق کی طرف مائل کرنے کیلئے علم کیمیاء کی تعلیم کی جانب بھی توجہ دی جانے لگی اور حکومت نے اس کی بذاتِ خود سرپرستی کی۔

"عرب میں سب سے پہلے خالد بن یزید (م ۸۵ / ۷۰۴) نے مصر کے طبیب اصطفن سے کیمیاء کی کتابوں کا ترجمہ کرایا اور خود علم کیمیاء میں چار کتابیں (۱) کتاب الحرارت (۲) کتاب الصحیفۃ الکبر (۳) کتاب الصحیفۃ الصغیر (۴) کتاب وصیۃ اتی ابنہ فی الصنعۃ قابل ذکر ہیں۔

عربوں کی علم کیمیاء کی تاریخ کے دو ابواب ہیں:

"پہلا حصہ وہ ہے جس میں انہوں نے اسکندریہ کے کیمیاء دانوں کی کتابوں کے تراجم کئے اور دوسرا حصہ ان کی اپنی ایجادات و اختراعات کا ہے جو اس قدر اہم ہے کہ گمن اور سنگر نے علم کیمیاء کو اپنی اصلیت اور ارتقاء کے اعتبار سے عربوں کی ایجاد قرار دیا ہے۔"[۶۴۳]

اس طرح علم کیمیاء کا فن بطور نصاب پڑھایا جانے لگا اور اس میں عوام و خواص دونوں یکسر دلچسپی لینے لگے۔

۹۔ طب و فلسفہ

طلباء کی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کیلئے طب و فلسفہ بطور تعلیمی نصاب پڑھانے پر خصوصی توجہ دی گئی اور حکمرانوں نے ذاتی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

"دمشق میں امویوں کا دور آیا تو انہوں نے علم و حکمت کی سرپرستی کیلئے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہ نے یونانی فلسفے کے علماء کو مصر میں جمع کیا اور یونانی اور مصری کتابوں کو عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ خالد بن یزید کے ساتھ اس کام میں مشہور عالم کیمیاء جابر بن حیان بھی شامل ہو گیا۔ پھر طب سے متعلق عملی کاموں کی جانب توجہ کی تو اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ۸۸ھ میں دمشق میں جذامیوں کیلئے ایک شفاخانہ بنوایا۔ جس کا سنگ بنیاد اس نے بنفس نفیس اپنے ہاتھوں سے رکھا۔ یہ گویا عربی حکومت کا پہلا باقاعدہ شفاخانہ تھا۔

امویوں کے بعد جب عباسیوں کا علم بغداد کی سرزمین پر نصب ہوا تو ہر طرف علم و حکمت کا دریا بہنے لگا اور اس کی شاخیں جگہ جگہ پہنچنے لگیں۔ منصور اور مامون علوم قدیمہ سے خصوصی دلچسپی اور شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے قدیم زبانوں خصوصاً یونانی زبان کے نادر قلمی نسخوں کو خرید کر یا مبادلہ کے ذریعے حاصل کر کے شاہی کتب خانے میں جس کا نام بیت الحکمۃ تھا جمع کیا اور علمائے عصر کی خدمات حاصل کر کے انہیں عربی زبان میں منتقل کرایا۔[۶۴۴]

جس کے بعد تالیفات و تصانیف کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

حکومت کی سرپرستی کی وجہ سے اس تعلیمی نصاب کا تعلیمی منہاج پر گہرے اثرات مرتب ہوئے اور تعلیمی راہیں مزید ترقی کی طرف گامزن ہوئیں۔

۱۰۔ دیگر علوم کی منتقلی، ادبی و تحقیقی کاموں کی طرف توجہ (بطور تعلیمی نصاب)

مساجد میں ادبی تحقیق کا کام بھی ہوا کرتا تھا۔ کوفہ کی مسجد میں کمیت بن زید اور حماد الراویہ عموماً ایک ادبی حلقہ منعقد

کیا کرتے تھے۔ جہاں یہ دونوں شاعر ادبی مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔[۶۴۵]

سعید بن المسیب مدینہ کی مسجد میں شاعری پر بحث کیا کرتے تھے۔[۶۴۶]

اور مسلم بن الولید اکثر مسجد بصرہ حلقہ قائم کر کے اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔[۶۴۷]

مسجد میں طب کا درس بھی ہوا کرتا تھا۔

ابن طولون کی مسجد میں تفسیر، حدیث، فقہ اور علم ہیئت پر تحقیقی کام ہوا کرتا تھا۔

عبداللطیف بغدادی سے روایت ہے کہ میں جامع ازہر میں صبح و شام درس دیا کرتا تھا اور دوپہر کو ایک عالم طب آتے جو طب پر درس دیا کرتے تھے۔[۶۴۸]

۱۱۔ علم طبیعات

علم طبیعات بنو امیہ کے تعلیمی اداروں میں بطور نصاب پڑھایا جانے لگا۔ مسلمان فلاسفہ اور حکماء کے یہاں علوم حکمیہ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) علم ریاضی (۲) علم منطق (۳) علم طبیعی (۴) علم الٰہی

علوم طبیعی کی انہوں نے سات فروع بیان کی ہیں:

(۱) علم المبادی: یعنی ان چیزوں کی معرفت جن سے کوئی جسم جدا نہیں ہوتا اور وہ ہیولیٰ، صورت، زمان، مکان اور حرکت ہیں۔ (۲) علم السماء والعالم اور اس کے موجودات۔ (۳) علم الکون والفساد (۴) علم الحوادث الجو۔ (۵) علم النباتات (۶) علم الحیوان، جسمیں علم طب بھی شامل ہے۔

خلافت امویہ میں عیسائی اور یہودی طبیب خلفاء کے مقرب بارگاہ تھے۔ جب خلفائے عباسیہ کا دور شروع ہوا تو ان کی تعداد اور قدر دانی میں اضافہ ہو گیا۔ خلفاء کے دل میں نجوم کا بھی شوق انہی کی وجہ سے پیدا ہوا۔ علاوہ ازیں عیسائی پادریوں اور قسیسوں سے حکمائے یونان کے تذکرے سن سن کر عام پڑھے لکھے مسلمانوں کو بھی ان کے علوم سے آگاہی ہونے لگی۔ ابو جعفر منصور کی فرمائش پر قیصر روم نے اقلیدس اور طبیعات کی جو کتابیں بھیجی تھیں ان کا ترجمہ ہوا تو مسلمانوں کے اشتیاق علمی کو مزید تازیانہ لگا اور یہ تمام مذکورہ بالا علوم بنو امیہ کے تعلیمی اداروں میں بطور نصاب پڑھائے جانے لگے اور ہر خاص و عام ان میں دلچسپی لیتے اور حکومت ان کی نشر و اشاعت میں دلچسپی لیتی رہی۔

۱۲۔ علم ہیئت بطور تعلیمی نصاب

علم ہیئت کا مقصد صرف ستاروں کی ظاہری حرکات کا مطالعہ اور ہندسی نقطہ نظر سے ان کی تعبیر ہے۔ اس لئے یہ اس علم پر مشتمل ہے جسے ہم ہیئتِ کروی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس میں سیاروں کے مدار کا حساب لگایا جاتا ہے اور اس سے زیجوں کی ترتیب میں کام لیا جاتا ہے۔

اسلام کے قرونِ اولیٰ میں عرب کے لوگ عملی ہیئت کا کچھ علم رکھتے تھے۔ بسا اوقات رات کے سفر میں بدوؤں کا چاند اور روشن ترین ستاروں کے سوا کوئی اور راہنما نہ ہوتا تھا۔ وہ ان کے مقامات طلوع و غروب سے واقف تھے اور ان سے رات کے اوقات کا تقریبی اندازہ کر سکتے تھے۔ وہ یکے بعد دیگرے نمودار ہونے والے ستاروں کے جھرمٹوں میں، جنہیں

منازل قمر کہتے ہیں' چاند کے اضافی مقام کو دیکھ کر سالانہ فصلوں کا تعین بھی کر سکتے تھے۔ حضر دی قبائل میں سے اکثر یہ سمجھتے تھے کہ فصلی موسموں اور جوی پیش گوئیوں کا تعلق بعض ستاروں کے سالانہ طلوع یا فضاء میں منازل کے غروب ("نو") سے ہے۔

علم ہیئت کے مطالعہ علمی سے عربوں نے کماحقہ فائدہ اٹھایا اور اس کو بطور نصاب پڑھایا جانے لگا۔

۱۳۔ علم الحساب

علم الحساب یا حساب علم عربوں نے ارثماطیقی (Arithmatiki) کی تمام شاخوں کو دیا ہے اور الحاسب 'یا الحساب' شمار کنندہ یا حساب دان (Arithmetician) کو کہتے ہیں۔ علوم ریاضیہ یا تعلیمیہ کی چار شاخوں میں سے ایک علم حساب بھی تھا کیونکہ زمانہ قدیم میں علوم ریاضیہ حساب' ہندسہ' ہیئت اور موسیقی پر مشتمل تھے۔ علم الحساب کی دو شاخیں ہیں:

نظری اور عملی۔ نظری حساب دراصل اقلیدس کی کتب ہفتم تا نہم پر مبنی ہے اسے بعض اوقات ارثماطیقی (Arithmatiki) کہا جاتا تھا۔ عملی حساب کو اصل حساب سمجھا جا سکتا ہے۔ عربوں نے ان کو بطور تعلیمی نصاب اپنے تعلیمی اداروں میں پیش کیا۔ ہندی اعداد کے استعمال کے حامیوں میں محمد ابن موسیٰ الخوارزمی (۷۸۰ء تا ۸۴۰ء) قابل ذکر ہے۔ عربی زبان میں علم حساب پر اس کی کتاب سب سے قدیم ہے۔ اسی طرح قدیم ترین الجبراء اور قدیم ترین زیج کا مصنف بھی الخوارزمی ہی ہے۔ اس حساب کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ مترجم کون ہے۔

۱۴۔ علم الٰہیات

انسان نے جب سے فکر و تدبر کا آغاز کیا ہے' تین مسئلے ہمیشہ اس کا موضوع تحقیق رہے ہیں: (۱) ہمارے گرد و پیش پھیلی ہوئی یہ کائنات کیا ہے؟ (۲) اس کو کس نے وجود کا پیراہن بخشا؟ (۳) انسانوں میں رشتہ و تعلق کی نوعیت فرائض و واجبات کے کس نقشے کی مقتضی ہے۔

جب قرآن مجید نازل ہوا اور انسانی ذہن اس کی ضوء سے مطلع انوار بنا تو مسلمانوں نے بھی ان مسائل پر کھل کر تحقیق کی اور ایسی تہذیب اور حضارت کی طرح ڈالی جو علم و حکمت کی جلوہ طرازیوں سے مالامال تھی اور جس نے تقریباً دو ہی صدیوں میں متعدد علوم و فنون پر تحریر و نگارش کے انبار لگا دیئے۔ صرف و نحو' تفسیر و لغت' فقہ و اصول' حدیث' تاریخ' علم الکلام' فلسفہ' منطق' سیاسیات طبیعیات اور تصوف و اشراق' کونسا ایسا موضوع تھا جس کو اسلامی ذہن نے وسعت نہ بخشی اور اس پر اپنی چھاپ ثبت نہ کی۔ انہیں گراں مایہ علوم میں ایک علم الٰہیات بھی تھا' جسے مسلمانوں نے نئی سج دھج اور زیبائش عطا کی اور تعلیمی اداروں میں بطور تعلیمی نصاب پڑھایا جانے لگا۔

بنو امیہ کے تعلیمی اداروں میں اساتذہ و شاگرد کے باہمی روابط اور معاشرے پر انکے اثرات

بنو امیہ کے تعلیمی اداروں میں اساتذہ و شاگرد کے درمیان ربط قائم رکھنے کے لئے (تنظیم) یا حلقہ کا وجود اسلام کے

بالکل ابتدائی دور میں معرض وجود میں آیا تھا۔ اساتذہ شاگردوں کے باہمی روابط بہت قریبی اور پر اعتماد فضا میں ہوتے تھے۔ تاکہ وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔ استاد زیادہ سے زیادہ اپنی علمیت سے شاگردوں کو فیض یاب کر سکیں اور شاگرد نہایت پر آسودہ ماحول میں اساتذہ کرام کے علم و فن سے مستفید ہو سکیں۔

ابن بطوطہ رقمطراز ہیں:

”حلقہ جو اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں وجود میں آیا تھا۔ آج بھی موجود ہے۔ یہ ایک تنظیم ہے جو ہمیں دنیا کی تمام مساجد میں ملتی ہے۔ استاد عموماً کسی دیوار یا ستون سے کمر لگا کر تہ نشین یا گدے پر بیٹھ جاتا تھا۔ حاضرین اس کے سامنے حلقہ بنا لیتے تھے۔ استاد کے دونوں جانب اور اس سے قریب خصوصی مہمان ایک طرف اور املاء کرنے والے دوسری طرف بیٹھتے تھے۔ مستقل طلباء حلقے کے ایک حصہ میں جمع ہو جاتے تھے اور ہنگامی مہمانوں کے لئے جگہ چھوڑ دیا کرتے تھے۔ ہر شخص اس بات کا خواہش مند ہوتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو استاد سے بالکل قریب اسے جگہ ملے لیکن کسی کو یہ اجازت نہ تھی کہ مہمانان خصوصی کی نشستوں پر قبضہ کرے۔“۶۴۹۔

”سبق شروع کرنے سے قبل استاد چند آیات قرآنی تلاوت کرتا تھا اور بعد ازاں رسول اکرم ﷺ اور ان کے آل و اصحاب پر درود و سلام بھیجتا تھا۔ اس کے بعد اصل سبق شروع ہوتا تھا۔“

اگر استاد اپنی ذاتی یادداشتوں کی مدد سے پڑھاتا تھا جن کی نقول طلباء کے پاس نہ ہوتی تھیں تو یہ طریقہ املاء کہلاتا تھا۔ اس حالت میں استاد ایک ایک حدیث کا متن پڑھتا تھا۔ جسے طلباء لکھ لیا کرتے تھے۔ ہر حدیث یا جملے کے بعد اس کی تشریح کی جاتی تھی اور اسے بھی حاشیہ پر لکھ لیا کرتے تھے۔ سبق کے ختم ہو جانے کے بعد استاد وقتاً فوقتاً ایک دو طلباء کے مسودات پر نظر ڈال لیا کرتا تھا یا ان سے پڑھوا کر سن لیتا اور اس وقت ضروری اصلاح کر دی جاتی تھی۔“۶۵۰۔

اور پسندیدگی کا اظہار کرنے کے لئے مسودے پر دستخط بھی کر دیا کرتا تھا۔ بعض دفعہ دستخط کے ساتھ اجازت نامہ بھی لکھ دیا جاتا تھا کہ جس کا مقصد یہ تھا کہ جسے اجازت ملی ہے وہ مضمون کو پڑھا سکتا ہے اور اس طرح جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ہر طالب علم رسول اللہ ﷺ تک راویوں کا سلسلہ لکھ لیا کرتا تھا۔ یہ امالی یا مسودات مسلمانوں کے ابتدائی دور کی کتابیں تھیں۔“۶۵۱۔

جن میں اکثر موجود و محفوظ ہیں اور بعض ابھی تک شائع نہیں ہوئیں۔

اگر کتاب دستیاب ہو جاتی تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ طلباء سبق سے ایک روز قبل خود مطالعہ کرتے تھے اور آپس میں مشکل مقامات پر بحث و مباحثہ بھی کرتے تھے۔ سبق کے دوران ہر طالب علم کے پاس اپنی کتاب ہوتی تھی۔

بہ قول ابن خلدون پہلے استاد طلباء کے سامنے مضمون متعلقہ پر ایک عام لیکچر دیتا تھا۔ پھر دوبارہ سبق کی تشریح و توضیح کرتا تھا اور نہایت تفصیلی بحث ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ طلباء کو سبق خوب ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ پھر سہ بارہ سبق کے مشکل اور ادق مقامات کی مزید توضیح و تشریح کی جاتی تھی۔“۶۵۲۔

لیکن عموماً دوسرے درجے پر کتاب میں سے سبق پڑھایا جاتا تھا اور استاد پڑھنے کے دوران میں جگہ جگہ جملہ بہ جملہ تشریح کرتا جاتا تھا۔“

اور شاگردان توضیحی اشارات کو اپنی کتابوں کے حاشیے پر لکھ لیا کرتے تھے ۶۵۳۔ان تشریحی اشارات کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے:

امام غزالی نے طوس سے جرجان تک طویل سفر محض اس لئے کیا کہ ابو نصر الاسماعیلی کے درس میں شریک ہو کر تشریحی اشارات حاصل کریں۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہو کر واپس جا رہے تھے تو راستے میں قزاقوں نے ان کا سب مال و متاع لوٹ لیا اس میں وہ تھیلا بھی تھا جس میں وہ تشریحی اشارات تھے۔ امام صاحب نے یہ خطرہ مول لیا کہ قزاقوں کے پیچھے ہو لئے۔ ان کے سردار نے مڑ کر دیکھا تو کہا فوراً واپس چلے جاؤ ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ انہوں نے جواب دیا مجھے صرف وہ تھیلا واپس کر دو کیونکہ اس میں جو کچھ ہے وہ تمہارے مطلب کا نہیں ہے۔ صرف چند تشریحات ہیں جن کے سننے، لکھنے اور سیکھنے کے لئے میں نے طویل سفر کیا تھا۔ خوش قسمتی سے قزاقوں کے سردار نے ان کی بات مان لی اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ تھیلا واپس کر دیا جائے۔ "۶۵۴۔

اساتذہ طلباء کی حوصلہ افزائی کرتے۔

"سامعین میں سے ہر شخص کو حق حاصل تھا کہ دوران سبق یا اختتام سبق پر مضمون کے متعلق جس قسم کا سوال چاہے کرے۔ مستقل طلباء کی ہمت افزائی کی جاتی تھی کہ وہ استاد سے سوالات کرتے رہیں اور مختلف مسائل پر بحث کرتے رہیں اور اکثر یہ بھی ہوتا تھا کہ شاگرد مسئلہ پر اپنے استاد سے اختلاف رائے کا اظہار بھی کرتا تھا۔"۶۵۵۔

اساتذہ و شاگردوں کے درمیان موضوع سے متعلق بحث و تمحیص

تعلیم کے سلسلے میں سوال کرنے کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے:

"علم ایک صندوق ہے جس کی کنجی سوال ہے۔"

یہی حدیث ہر طالب علم کو سوالات کرنے پر اکساتی تھی۔ حضرت علیؓ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"خوف کا نتیجہ ناکامیابی ہے اور جہاں تک جھجک ہو گی وہاں جہالت ہو گی۔"۶۵۶۔

اس سے بھی بڑھ کر ایک بات یہ ہے کہ کسی بوڑھے نے مامون رشید سے پوچھا:

"کیا سوال کرنا میرے لئے باعث شرم ہے؟ مامون رشید نے جواب دیا کہ "سوال نہ کرنا باعث شرم ہے۔"۶۵۷۔

اور جب دغفل سے پوچھا کہ اس نے اس قدر علم کیسے حاصل کیا تو اس نے جواب دیا "سوال کرنے سے اور غور و فکر کرنے سے۔"۶۵۸۔

حلقہ درس و بحث و مباحثہ کے آداب

حلقہ درس میں بحث و مباحثہ کے بھی آداب تھے مثلاً کوئی سوال بدنیتی سے نہیں کیا جاتا تھا۔ جس سے ریاکاری کا اظہار ہو یا استاد کو پریشان کرنا مقصود ہو۔"۶۵۹۔

مناسب وقت پر سوال کرنا

یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم مناسب وقت پر سوالات کرے اور بلاوجہ دوران سبق میں دخل نہ دے اور یہ توقع بھی نہ رکھے کہ سوال کا جواب فوراً ہی مل جائے گا۔"۶۶۰۔

معیار سے گرے ہوئے سوالات سے گریز

معیار سے گرے ہوئے سوالات ہمیشہ احمقانہ تصور کئے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ ابو عبیدہ کے حلقہ درس میں کسی شخص نے احمقانہ سوال کیا جس سے اس کی بے وقوفی اور جہالت کا اظہار ہوتا تھا۔ جیسے ہی استادؒ اس کا جواب دیا کسی دوسرے نے اسی قسم کا سوال کر دیا اور پھر تیسرے شخص نے بھی ایسا ہی کیا۔ ابو عبیدہ اس قدر پریشان ہوئے کہ یہ کہتے ہوئے حلقہ درس سے اٹھ گئے کہ "آج میرے حلقہ درس میں چوپائے کہاں سے جمع ہو گئے۔"٦٦١؎

"بعض اوقات استاد بھی سوالات کیا کرتا تھا۔ سبق ختم ہونے کے بعد استاد سوال کرنا ضروری تصور کرتا تھا۔ تاکہ شاگردوں کی استعداد کو جانچنے اور اس تکرار سے کم قابلیت والے طلباء کو فائدہ پہنچتا تھا۔" ٦٦٢؎

اساتذہ کرام طلباء کے لئے مشفق رویہ رکھتے اور تعلیم میں مساوات کو مد نظر رکھا جاتا۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے تعلیم کی نشر و اشاعت میں مساوات کا بڑا خیال رکھا اور افلاس کسی وقت بھی لائق طلباء کے راستے میں حائل نہیں ہوا۔ مدارس کے قیام سے قبل ہر مسلمان کو آزادی تھی کہ وہ ان درسوں میں شریک ہو جو مساجد میں دیئے جاتے تھے۔ ہونہار طلبہ کے حصول علم میں ہر طرح ہمت افزائی اور امداد کی جاتی تھی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "جو غریب و امیر طلباء تمہارے پاس بغرض تعلیم آئیں ان سے برابر کا سلوک کرو۔"٦٦٣؎

امام غزالی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

"نااہل افراد کو تعلیم دینے کی کوشش کرنا ایسا ہی غیر منصفانہ فعل ہے جیسا کہ قابل طلباء کو تعلیم سے روکنا۔"٦٦٤؎

اس اصول کے ماتحت مساجد میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حلقہ ہائے درس قائم تھے اور اساتذہ غیر جانبداری کے ساتھ سب طلباء پر یکساں توجہ دیا کرتے تھے۔ معزز افسران اور اونچے طبقے کے لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر محمد بن احمد کیسان کے درس میں آیا کرتے تھے لیکن یہ لوگ غریب طلباء کے ساتھ ہی جماعت میں بیٹھتے تھے اور ابن کیسان کی توجہ سب کیطرف یکساں رہتی تھی اور لباس فاخرہ میں ملبوس طلباء اور پیوند لگے کپڑوں میں طلباء سب انکی نظر میں یکساں تھے۔"٦٦٥؎

حصول علم میں طلباء کی جدو جہد

عربوں نے تلاش علم میں انتہاء درجے کا جوش و خروش دکھلایا ہے۔ یہاں صرف چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

١۔ الجاحظ نے اپنی تصنیف "الحیوان" جلد اول میں ص ٣ تا ١٢ تک اپنی تمام تصانیف کے نام درج کئے ہیں ان میں ایک کتاب "فرق مابین النبیؐ والمتنبی" ہے۔ ابوبکر ابن الاخشاد نے اس کتاب کا ایک نسخہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ جب وہ حج کے لئے مکہ معظمہ گئے تو میدان عرفان میں ایک نقیب اس کام پر مقرر کیا جو تمام میدان میں یہ اعلان کرتا پھرتا تھا کہ "خدا کی رحمت نازل ہو اس شخص پر جو ہمیں الجاحظ کی کتاب "فرق مابین النبی والمتنبی" کی نشان دہی کرے۔" ٦٦٦؎

٢۔ ابن المقفع طلباء کو ہدایت کیا کرتا تھا کہ تحصیل علم میں ہر قسم کی بے آرامی اور سختی کو جھیلنا چاہئے۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگلے لوگ تحصیل علم کے ایسے شیدائی تھے کہ علم کو محفوظ کرنے کے لئے اگر کچھ نہ ملتا تو پتھر پر ہی کندہ کرا دیا کرتے تھے۔" ٦٦٧؎

یونس ابن حبیب نے ایک دفعہ ایک شخص ابوالحلم کو نظم پڑھتے ہوئے سنا۔ اس وقت اس کے پاس کوئی چیز نہ تھی جس پر اسے لکھتا۔ لہٰذا اس نے نظم کو اپنے بازو پر لکھ لیا۔ ٦٦٨

٣۔ ابواسحاق الکوروفی نے بے حد اشتیاق ظاہر کیا کہ محمد بن اسحاق ابوعلی کے مدرسہ میں داخلہ لے لیکن والد نے کہا ہم بہت غریب ہیں لہٰذا تمہیں روزی کے لئے کوئی پیشہ اختیار کر لینا چاہیے۔ لڑکے نے اپنے باپ کے مشورہ کو قبول کر لیا لیکن محنت مزدوری کرنے کے علاوہ علی الصباح حلقہ درس میں شرکت کرتا اور سورج نکلنے تک وہاں رہتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک نہایت مشہور و معروف عالم ہوا۔"

بنوامیہ کے تعلیمی اداروں میں اساتذہ کا مقام و مرتبہ اور معاشرے پر ان کے اثرات

قرون وسطیٰ کے علماء میں یہ کوئی تخصیص نہ تھی کہ کون ان میں مدرس ہے اور کون نہیں ہے۔ ہر عالم کسی نہ کسی طرح درس و تدریس میں مشغول رہتا تھا۔ کوئی تو باقاعدہ ایک جگہ بیٹھ کر درس دیتا تھا اور کوئی کتابیں شائع کر کے اشاعت علم میں مصروف رہتا تھا۔ لہٰذا اگر ہم اس جگہ ان علماء کا بھی تذکرہ کریں جو پیشہ ور استاد نہ تھے تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں۔

اساتذہ کا مقام و مرتبہ

ہر طالب علم کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ صرف کتابوں ہی سے اپنے علم میں اضافہ نہ کرے۔ بلکہ کسی استاد کی خدمت میں رہ کر براہ راست درس لے۔ بعض مسلمان تو اس بات کو بدبختی تصور کرتے تھے کہ استاد کو چھوڑ کر محض کتاب پر اکتفا کیا جائے۔" ٦٦٩

اور بعض حضرات تو یہاں تک کہتے تھے کہ بے استاد طالب علم بے دین ہے جس نے شیطان کو اپنا رہنما بنالیا ہے۔" ٦٧٠

استاد کی ضرورت کا اظہار حضرت مصعب بن زبیر، حضرت امام شافعی اور اخوان الصفاء نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"لوگوں نے جو ں نے جو کچھ سیکھا ہے اس میں سے بہترین بات منہ سے نکالتے ہیں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ اس میں سے بہترین چیز سیکھ لیتے ہیں اور جو کچھ سنا ہے اس میں سے بہترین بات لکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا اگر تمہیں علم کی تلاش ہے تو اسے کسی کے ہونٹوں سے حاصل کرو اور اس طرح تمہیں چیدہ چیدہ اور برگزیدہ علم حاصل ہوگا۔" ٦٧١

"جو شخص صرف کتابوں سے علم حاصل کرتا ہے اسے وہ امتیاز حاصل نہ ہوگا جس کی اسے ضرورت ہے۔" ٦٧٢

"ہر شخص کی قوت سے باہر ہے کہ وہ صرف اپنی کوشش سے علم حاصل کرے۔ اس لئے ہر طالب علم کے لئے ایک استاد کی ضرورت ہے جو حصول علم تعمیر سیرت اور اس کے عقائد و اعمال میں رہنمائی کا کام دے۔" ٦٧٣

جب یہ امر مسلمہ ہے کہ حصول علم کے لئے استاد کی ضرورت ہے تو پھر ان ہی حضرات کا انتخاب کیا جائے جن کا علم وسیع ہو اور جن کا اپنے زمانے کے کاملین سے پورا پورا ربط و ضبط ہو۔" ٦٧٤

حکومت اور اساتذہ کے باہمی تعلقات

رسول اکرم ﷺ ہی سے اسلام کے اصول اپنے متبعین کو سکھانے شروع کر دیئے تھے۔ ٦٧٥

حکومت اور اساتذہ کے باہمی تعلقات

رسول اکرم ﷺ ہی سے اسلام کے اصول اپنے متبعین کو سکھانے شروع کر دیئے تھے۔٦٧٥

یہ کام آنحضرت ﷺ نے ایک پیغمبر کی حیثیت سے کیا تھا نہ کہ ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے۔ آپ کی وفات کے بعد ہر معاملہ میں صحابہؓ سے اور خصوصاً خلفائے راشدین سے مشورہ کر لیا جاتا تھا۔ جب خلفاء محض سیاسی سربراہ بن کر رہ گئے اور مذہب میں انہیں کافی درک حاصل نہ رہا تو مسلمانوں کی تعلیم کا کام علماء کے ذمہ ہو گیا۔ ذمہ داری کی اس منتقلی کا ایک اور بھی سبب ہوا اور وہ یہ کہ جب اسلام دور دراز علاقوں میں پہنچ گیا تو نو مسلموں کو اسلامی تعلیمات کی ضرورت ہوئی جسے صرف ایک شخص پورا نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ نئے مفتوحہ علاقوں میں علماء اور فقہاء کو روانہ کیا گیا۔ مثلاً جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے بعد مدینہ تشریف لے گئے تو مکہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ کو چھوڑ آئے تاکہ وہ نو مسلموں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کریں۔ حضرت عمرؓ نے اسی کام کے لئے عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ' ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ روانہ کیا اور جب المہدی نے ہندوستان کو افواج روانہ کیں تو الربیع بن صبیح کو ساتھ کر دیا۔

ان لوگوں کا تقرر بطور اساتذہ نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ بھی اس فوج کا ایک حصہ ہوتے تھے جو مختلف مقامات پر متعین کی جاتی تھیں اور بقول پروفیسر گب یہ فوجی ہیڈ کوارٹر نہ صرف فوج کے مراکز تھے بلکہ تبلیغ مذہب کے مراکز بھی تھے۔"٦٧٦

"بہت سے علماء اپنی خوشی سے مختلف مقامات پر تعلیمات اسلام کی تبلیغ کے لئے محض اس واسطے جاتے تھے کہ اس میں انہیں اللہ کی خوشنودی منظور تھی اور اسی کی ذات سے اس کے صلہ کی تمنا تھی۔ بہر حال مساجد ہر اس شخص کے لئے کھلی ہوتی تھیں جو درس و تدریس کا اہل تھا اور مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دینا چاہتا تھا اور اہل علم اس کام کو نہایت جوش و خروش سے انجام دیتے تھے۔ وقت گزرتا گیا اور علماء بغیر مزاحمت کے اس کام کو انجام دیتے رہے۔ انہوں نے مساجد کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ حکومت نہ ان کا تقرر کرتی تھی نہ خدمت کا معاوضہ دیتی تھی اور وہ جو مضمون چاہتے پڑھاتے تھے۔ یہی حالات دورِ جدید تک برابر قائم رہے۔

جب کبھی حکومت کی طرف سے کسی خاص مضمون کی تعلیم کیلئے تجویز پیش ہوئی یا حکومت نے کوئی درس گاہ قائم کی تو تنخواہ دار مدرسین کا تقرر عمل میں آیا اور تعلیم میں حکومت کی مداخلت کا آغاز اسی وقت سے ہوا۔ اس کی ابتداء اس وقت سے ہوئی جب حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کا تقرر اس غرض سے کیا کہ وہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد مسجد میں بیٹھ کر حاضرین کو قصے پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ مثلاً شہادت عثمانؓ کا قصہ تاکہ اہل شام کے جذبات حضرت علیؓ کے خلاف بھڑکائے جائیں۔" ٦٧٧

ابتدائی تعلیم کے اساتذہ

ابتدائی تعلیم کے اساتذہ میں کافی تعداد ایسے حضرات کی بھی تھی جو فاضل اجل اور عالم دین تھے۔ زبان دان تھے' خوش نویس تھے اور ادبی ذوق رکھتے تھے۔ ان ہی میں سے اکثر حضرات ایک زمانے میں عہدہ قضا پر مامور ہوئے' سیاست دان ہوئے' فوجی کمانڈر ہوئے' شاعر ہوئے اور وزیر بھی ہوئے۔"٦٧٨

ان کثیر تعداد حضرات میں سے الجاحظ نے مندرجہ ذیل حضرات کے نام لکھے ہیں:

الکمیت بن زید' عبدالحمید الکاتب' قیس بن سعد' عطاء بن رباح' حسین بن المعلم' ابو سعید المعلم اور الحجاج' الجاحظ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ معلمین صبیان ابوالوزیر اور ابو عدنان بصروی اپنی علمیت اور خطامت میں بے نظیر تھے۔"۶۷۹۔

ایک روایت یہ مشہور ہے کہ عبداللہ بن المقفع نے اسماعیل بن علی کے لڑکے کو ہفتہ وار سبق دینے سے انکار کر دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ "کیا آپ چاہتے ہیں کہ میرا نام احمقوں کی فہرست میں شامل کیا جائے؟"

اس روایت سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہزادوں اور معزز عہدہ داروں کے بچوں کو پڑھانے والے بھی اس کلنک کے ٹیکے سے بچتے تھے جو "میاں جی" کے ماتھے پر لگا تھا۔ لیکن اس بات کا اثر بہت کم ہوا اور کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن المقفع نے اتالیقی کو قبول کر لیا تھا۔"۶۸۰۔

ہم بلا پس و پیش کہہ سکتے ہیں کہ اتالیق کا عہدہ اخلاقی طور پر نہایت شہرت و ناموری کا حامل تھا اور بعض اوقات یہ تعلق اتنا گہرا ہو جاتا تھا کہ اتالیق اسی گھرانے کا خاندانی نام خود بھی اختیار کر لیا کرتا تھا۔

محمد بن یحییٰ جو یزید بن منصور کے لڑکے کا اتالیق تھا اپنے نام کے ساتھ یزیدی لکھا کرتا تھا۔"۶۸۱۔

الکسائی نے اس تعلق کو ایک نظم میں ظاہر کیا جو اس نے ہارون الرشید کو لکھ کر بھیجی تھی۔ اس میں وہ کہتا ہے کہ:

"آپ اس شخص کے لئے کیا کرنا چاہتے ہیں جو آپ کے خاندان کا ایک فرد بن گیا ہے۔" ۶۸۲۔

الجاحظ خلفاء کے جانشینوں اور اعلیٰ عہدہ داروں کے لڑکوں کے اتالیقوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ کوئی الکسائی اور قطرب وغیرہ کی شہرت و ناموری پر حرف گیری نہیں کر سکتا۔" ۶۸۳۔

خلفاء اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہمیشہ اپنے بچوں کے اتالیق کا بے حد خیال رکھتے تھے اور انہوں نے ان اساتذہ کا درجہ معاشرہ میں بہت بلند کر دیا تھا۔ مثال کے طور پر علی بن حسن الاحمر خلیفہ کے محل کے محافظوں میں سپاہی تھا اور اس کی قیامگاہ صرف ایک کمرہ تھا جس میں بہت معمولی ساز و سامان تھا۔ جب الاحمر ہارون رشید کے لڑکے کی اتالیقی کے لئے منتخب ہو گیا تو اس کے بعد کی زندگی کا تذکرہ محمد بن الجہم ان الفاظ میں کرتا ہے:

"جب کبھی ہم الاحمر کے پاس جاتے تو ہمیں متعدد ملازمین سے واسطہ پڑتا ہے جو ہمیں اس حویلی میں لے جاتے ہیں جو مثل بادشاہوں کے محلات کے ہے اور پھر الاحمر ہمارے پاس خلعت شاہی میں ملبوس آتا ہے۔"۶۸۴۔

کسی بڑے خلیفہ سے یہ سوال کیا گیا:

"خدا نے اسلام میں تمہیں بہترین درجہ عطا کیا ہے۔ کیا تمہیں اب بھی کسی چیز کی تمنا ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا:

"ہاں ایک مقام ایسا ہے وہ ان سب چیزوں سے بڑھ کر ہے جو مجھے حاصل ہیں اور جس کی برابری کوئی چیز نہیں کر سکتی اور وہ یہ ہے کہ کسی عالم کی مسند پر بیٹھ کر لوگوں کو درس دیا جائے اور انہیں فیض پہنچایا جائے۔" ۶۸۵۔

ابوالاسود الدائلی کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے کہ:

"علم سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ بادشاہ تو لوگوں پر حکومت کرتے ہیں علماء بادشاہوں پر حکومت کرتے ہیں۔"۶۸۶۔

ایک خارجی کو عبدالملک بن مروان کے سامنے دھکے دیتے ہوئے لایا گیا تاکہ اسے پھانسی دی جائے۔۔۔ سزا سے ذرا ہی پہلے خلیفہ کا ایک بچہ روتا چلاتا ہوا آیا۔ خلیفہ بچے کی طرف متوجہ ہو گیا اور اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگا۔

خارجی کہنے لگا:

''اے عبدالملک! بچے کو رونے دیجئے اس سے اس کی نظر قوی' اس کی آواز کمزور ہو گی اور جب کبھی وہ اپنے گناہوں کو یاد کرے گا تو اس کا دل دکھے گا۔''

عبدالملک نے حیران ہو کر کہا ''تمہیں تو اپنی مصیبت کی فکر کرنی چاہیے۔'' خارجی نے جواب دیا:

''مخلصانہ مشورہ دینے سے کوئی چیز نہیں روکتی۔'' یہ سن کر عبدالملک نے اس کی بے حد تعریف کی اور اسے رہا کر دیا۔''

۶۸۷

سعید بن المسیب (المتوفی اواخر پہلی صدی) نے اپنی لڑکی کی شادی الولید بن عبدالملک کیساتھ کرنے سے انکار کر دیا۔''

اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد اس کا ایک شاگرد ابو وداعہ حلقہ درس سے کچھ دن تک غیر حاضر رہا۔ جب ابو وداعہ دوبارہ درس میں آنے لگا تو ابو سعید نے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ بیوی کی وفات کے باعث حاضر نہ ہو سکا تھا۔ ابو سعید نے اس کی تسلی تشفی کی اور پوچھا کہ دوسری شادی کرنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ''کیسے شادی کر سکتا ہوں' میری کل پونجی دو یا تین درہم تو ہے۔'' لیکن ابو سعید نے محض اس کی علمیت کی بناء پر اپنی مذکورہ لڑکی کی شادی اس سے کر دی۔''۶۸۸

الحسن بصری کا ۱۱۰ھ میں انتقال ہوا تو بصرہ کے تمام باشندے جنازے کے ساتھ تھے اور یہ تاریخ اسلام میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ ظہر کی نماز کے لئے مسجد میں کوئی نہ تھا۔''۶۸۹

شریک کے حلقہ درس میں خلیفہ المہدی کا ایک لڑکا ناشائستہ طور پر بیٹھا تھا۔ اس نے دو مرتبہ ایک سوال کیا لیکن کچھ جواب نہ ملا۔ حالانکہ دوسرے طلباء کی طرف استاد کی پوری توجہ تھی۔ اس پر شہزادے نے کہا: ''کیا خلیفہ کے لڑکوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔'' شریک نے جواب دیا ''ہمارا فرض ہے کہ علم کا معیار بلند رکھیں اور کسی گستاخ طالب علم کی طرف مطلق توجہ نہ کریں۔''۶۹۰

امام شافعی کو مشورہ دیا گیا کہ مدینہ جا کر امام مالک کے حلقہ درس میں فقہ کا سبق لیں چونکہ مکہ کا گورنر الشافعی کا رشتہ دار تھا۔ لہٰذا اس نے مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ وہ الشافعی کا تعارف امام مالک سے کرا دے۔ گورنر نے الشافعی سے کہا: ''صاحبزادے! میں مدینہ سے مکہ تک برہنہ پا جانے کو ترجیح دیتا ہوں کہ امام مالک کے گھر تک چند قدم چل کر جاؤں' ان کے دروازے پر میں اپنے آپ کو بہت خفیف محسوس کرتا ہوں اور مجھے کوئی امید نہیں ہے کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں اور مجھے کامیابی ہو۔''۶۹۱

ایک موقع پر ہارون الرشید کو محمد بن الحسن اور ان کے سامعین کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ سوائے محمد بن الحسن کے باقی تمام لوگ سلام کرنے کیلئے کھڑے ہو گئے جب خلیفہ نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:

''چونکہ میرے تعلق طبقہ علماء سے ہے لہٰذا نوکروں جیسے کام کرنے سے مجھے نفرت ہے۔''۶۹۲

ابو معاویہ ایک نابینا عالم تبحر تھے۔ ایک دن وہ خلیفہ کے دستر خوان پر موجود تھے۔ جب ایک شخص ان کے ہاتھ دھلانے کیلئے آفتابہ اور سلابچی لایا اور ان کے ہاتھ دھلائے تو انہیں پتہ نہ چلا کہ کون شخص ان کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا ہے۔ حتیٰ کہ ہارون الرشید نے کہا کہ یہ خدمت میں نے خود ادا کی ہے۔

حتیٰ کہ ہارون الرشید نے کہا کہ یہ خدمت میں نے خود ادا کی ہے۔

اس پر ان عالم تبحر نے فرمایا کہ:

"اے امیر المومنین! غالباً علم و فضل کی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے آپ نے ایسا کیا ہے۔" خلیفہ نے جواب دیا: "بے شک یہی بات ہے۔"

"ایک مرتبہ المعتضد اپنے باغ میں ثابت بن قرہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ٹہل رہا تھا۔ ایک دم خلیفہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا جب ثابت بن قرہ نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو خلیفہ نے جواب دیا میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ کے اوپر تھا لیکن عالم کا ہاتھ سب سے اوپر ہونا چاہئے۔"[۶۹۳]

اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کرام کو حکومت کی سرپرستی حاصل رہی۔

مدرسین قرآن و حدیث کے علاوہ بھی بہت سے مدرسین ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے ترویج علم کو پیسہ پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ان مدرسین کی مالی حالت سے متعلق جو معلومات بہم پہنچی ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کا معیار بالکل ادنیٰ سطح پر تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر قرآن مجید اور دینیات کے مدرس تھے۔ لہٰذا انہیں یہی مشورہ دیا جاتا تھا کہ قناعت پسند رہیں اور ہوس دولت سے دور۔"[۶۹۴]

انکی اس حالت سے متعلق چند مثالیں بیان کرنے کیلئے ہم شعر کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس میں الحجاج کو یاد دلایا گیا تھا کہ اسے اپنا ماضی نہ بھولنا چاہئے جب وہ ایک معلم اطفال تھا۔ شعر کا مضمون یہ ہے:

"الحجاج کو اپنا حقیر ماضی نہ بھولنا چاہئے جب کہ وہ چند بچوں کو سورۃ کوثر پڑھایا کرتا تھا۔ اسے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس خدمت کے معاوضے میں اسے قسم قسم کی روٹیاں بھیجی جاتی تھیں۔"[۲]

ابن السکیت بچوں کو پڑھایا کرتا تھا لیکن اس پیشے سے اتنی روزی بھی پیدا نہ ہوتی تھی جو اس کی ضرورت کو مکتفی ہوتی۔ لہٰذا اس نے اسے ترک کر کے صرف و نحو پڑھنی شروع کی تاکہ کوئی بہتر ملازمت مل سکے۔"[۶۹۶]

حقیقت میں ان مدرسین کی کوئی مقررہ فیس نہ تھی۔ بلکہ لڑکے کے والدین کی مالی حالت پر اس کا انحصار تھا۔ اس فیس کی دو قسمیں تھیں۔ ایک فیس تو وہ تھی جو ایک خاص وقت پر ادا کی جاتی تھی۔ دوسری وہ جو لڑکے کے فارغ التحصیل ہونے کے بعد دی جاتی تھی۔ پہلی قسم کی فیس تو ہر لڑکا ادا کرتا تھا جو ایک ہفتہ واری معمولی رقم تھی اور اس کے ساتھ روٹی بھی۔ علاوہ بریں مختلف تہواروں پر بھی نذرانہ دیا جاتا تھا۔"[۶۹۷] بعض حالات میں ہفتہ واری فیس کی بجائے سالانہ موقع پر غلہ دے دیا جاتا تھا۔ دوسری قسم کی فیس اس وقت دی جاتی جب لڑکا قرآن مجید کی کوئی سورۃ ختم کر لیتا تھا۔

اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کرام کو خلفاء انعام و اکرام سے نوازتے اور قدر و منزلت میں اضافہ کرتے۔

"اس میں شک نہیں کہ سوسائٹی میں جو اعلیٰ طبقہ کے افراد تھے ان کی دولت اور خوشحالی سے اتالیق متمتع ہوتے تھے۔ کسی شخص کا اتالیق مقرر ہو جانا اس کی دنیاوی ترقی کی ضمانت تھی اور اس کی مالی مشکلات کا حل ہو جانا یقینی تھا۔

"ہشام بن عبد الملک اگرچہ کنجوس مشہور تھا۔ لیکن جب زہری اس کے لڑکے کا اتالیق مقرر ہوا تو اس نے اس کا

سارا قرضہ جو سات ہزار دینار تھا چکا دیا۔" ۶۹۸؎

یاقوت کے ایک بیان کا مختصر احوالہ درج ذیل ہے:

"خلیفہ کی یہ عادت تھی کہ جس کمرے میں اتالیق پہلے دن اپنے شاگرد کو سبق پڑھاتا تھا شام کو خلیفہ اس کمرے کا تمام فرنیچر اتالیق ہی کو بخش دیا کرتا تھا اور باربرداری کے وہ جانور جن پر تمام سامان جایا کرتا تھا۔ اتالیق ہی کو دے دیئے جاتے تھے۔" ۶۹۹؎

جب الاحمر کو امین کی اتالیقی کیلئے منتخب کیا گیا تو ایک کمرہ نہایت نفاست کے ساتھ مزین کیا گیا۔ پہلے ہی دن شام کو حکم ہوا کہ تمام سامان الاحمر کے گھر پہنچا دیا جائے۔ الاحمر نے کہا میرا پاس تو صرف ایک حجرہ ہے جہاں میں تنہا رہتا ہوں۔ اس کے لئے ایک نیا مکان خرید دیا ایک کنیز اور ایک غلام اس کی خدمت کے لئے بخش دیئے اور سواری کے لئے ایک گھوڑا عطا فرمایا۔ ایک نہایت معقول مشاہرہ مقرر کیا گیا تاکہ وہ عیش و تنعم کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ اس واقعہ کو محمد بن الجہم نے اس طرح بیان کیا ہے:

"جب کبھی ہم الاحمر سے ملنے جاتے ہیں تو متعدد ملازم ہمارا استقبال کرتے ہیں اور ہمیں حویلی میں لے جاتے ہیں جو شاہی محل کی مانند ہے اور پھر الاحمر شاہانہ لباس میں ملبوس ہم سے ملنے آتے ہیں۔" ۷۰۰؎

جب الکسائی کا تقرر ہوا تو ہارون الرشید نے علاوہ مقررہ مشاہرہ کے اسے دس ہزار درہم ایک خوبصورت کنیز مع اس کے ضروری ساز و سامان کے اور ایک ملازم اور سواری کے لئے ایک گھوڑا مع زین کے عطا فرمایا۔ ۷۰۱؎

ابن السکیت کی مقررہ تنخواہ کے علاوہ المتوکل نے ایک موقع پر پچاس ہزار دینار بخش دیئے۔

اتالیقوں کو مختلف مواقع پر تحائف دیئے جاتے تھے۔ ان کی مالی امداد کی جاتی تھی اور ان کے طعام و قیام کا مستقل انتظام بھی کیا جاتا تھا۔

مختلف ذرائع سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مشاہرہ اوسطاً ایک ہزار درہم ہوا کرتا تھا۔ اتنی ہی رقم ابن طاہر کے بیٹے کے اتالیق ابن السکیت کو دی جاتی تھی۔ ۷۰۲؎

اور ثعلب کو بھی یہی ملتا تھا جو محمد بن عبداللہ کے بچوں کا اتالیق تھا۔" ۷۰۳؎

عبداللہ بن طاہر کی فوج کے ایک کمانڈر کے لڑکے کے اتالیق کا مشاہرہ ستر ہزار دینار تھا جو ایک ہزار درہم کے برابر ہوتا تھا۔ ۷۰۴؎

الجاحظ سیحان میں روٹی اور مچھلی بیچا کرتا تھا۔ ۷۰۵؎ جب وہ مشہور و معروف عالم ہو گیا تو اس کی مالی حالت بہت عمدہ ہو گئی۔ جب وہ ایک مرتبہ بصرہ کی سیاحت سے واپس آیا تو اس کی کثیر دولت دیکھ کر میمون بن ہارون نے دریافت کیا کہ وہاں آپ کی کوئی بڑی جائیداد ہے۔ الجاحظ نے مسکرا کر جواب دیا "میں نے اپنی تصنیف "الحیوان" محمد بن عبدالملک کو نذر کی اور "البیان والتبیین" احمد بن دوند کی خدمت میں پیش کی اور "الزرواخل" ابراہیم بن عباس الصولی کو دی اور ان میں سے ہر شخص نے مجھے پانچ پانچ ہزار دینار نذر کئے۔ میں بصرہ سے اس طرح رخصت ہوا تھا گویا وہاں میری بہت بڑی جاگیر ہے لیکن نہ کاشت کی ضرورت ہے نہ کھاد کی۔" ۷۰۶؎

نتیجة البحث

بنو امیہ کا دور خالصتاً عربوں کا دور تھا۔ حکومت کے تمام شعبوں پر عرب اور بالخصوص بنو امیہ چھائے ہوئے تھے۔ غالباً نظام حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا۔ یہ دور اسلامی حکومت کے داخلی استحکام اور فتوحات کا دور تھا۔ لہٰذا معتمد اور باصلاحیت افراد کا انتخاب از بس تھا۔ حسن اتفاق سے بنو امیہ کو حجاج بن یوسف ثقفی جیسا مدبر سخت گیر اور وفادار گورنر نصیب ہوا جس نے اپنے آہنی ہاتھوں سے داخلی شورشوں کا قلع قمع کیا۔ بایں ہمہ وہ ایک علم دوست اور علم پرور انسان بھی تھا۔ اسی کی تحریک پر ابو الاسود الدولی نے قرآن مجید کے اعراب لگانے کا اہتمام کیا۔ نیز اموی دور میں علم کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی۔ اگرچہ اس کو حاصل کرنے والے اور اس کی ترویج میں غیر عربوں کا کردار بہت زیادہ ہے۔ ابن خلکان کے مطابق حصول علم اس دور میں حرفت کا درجہ اختیار کر چکا تھا اور عرب جو کہ حکمران تھے وہ حرفت کو اپنے منصب سے فروتر شمار کرتے تھے۔ لہٰذا وہ اس میدان میں اپنا کردار نہ ادا کر سکے۔

اسلامی حکومت میں وسعت کے سبب نئے نئے مسائل نے جنم لیا۔ ان مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کرنے کے لئے تفسیر قرآن اور تدوین حدیث کی شدید ضرورت محسوس کی گئی اور قرآن و سنت کی روشنی میں قیاس واجتہاد کی طرح ڈالی گئی۔ دین اسلام کی عظمت اور باقی ادیان پر اس کی تفوق کو ثابت کرنے کے لئے اسلامی فلسفہ معرض وجود میں آیا۔ علوم عقلیہ کو یونانی زبانوں سے عربی زبان میں منتقل کرنے کے بعد فلسفہ اسلامی کا فروغ ضروری تھا۔

نو مسلم اور غیر مسلم رعایا کو حکومتی کاموں میں شریک ہونے کے لئے عربی زبان کا حصول ناگزیر تھا کیونکہ یہی زبان سرکاری زبان تھی۔ لہٰذا عربی زبان کی تعلیم وترویج ایک معاشی اور معاشرتی ضرورت بن گئی۔ حاکم و محکوم کے مابین یہی رابطے کی زبان تھی۔ مسلمان ہونے کے ناطے سے قرآن فہمی اور حکمرانوں سے رابطے کی ضرورت کے پیش نظر عربی زبان اور دینی علوم کی اشاعت وقت کی ضرورت بن گئی۔

اموی دور حکومت میں قبائلی تعصبات، جن کو اسلام نے ختم کر دیا تھا۔ نئے سرے سے اور نہایت زور شور سے پنپنے لگے۔ شاعری جس سے عربوں کو طبعی لگاؤ تھا پراپیگنڈا کا ذریعہ ٹھہری، شاعر سیاسی مقاصد کے لئے استعمال ہوئے، درباری شاعر نمودار ہوئے، موضوعات شعر بدل گئے۔

علماء جو تعلیم و تعلّم کو فرض جانتے تھے انہوں نے اس دینی فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے نجی سطح پر حلقات درس قائم کئے اور لوگوں کو قرآن و حدیث کے علاوہ امدادی علوم پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔ چونکہ علماء نے یہ تعلیمی فریضہ بے لوث ادا کیا تھا اور تعلیم نے اس وقت تک کاروباری حیثیت اختیار نہیں کی تھی۔ لہٰذا اساتذہ معاشرے کے معزز ترین طبقہ بلکہ اشرافیہ شمار ہوتے تھے اور اس بے غرض خدمت کے باعث اساتذہ اور طلباء کے درمیان شفقت و محبت کے ساتھ احترام و توقیر کا مثالی رشتہ استوار ہوا۔ جس سے معلم و متعلّم کی کارکردگی قابل رشک بن گئی۔

علمی انحطاط کے اِس دور میں اسلامی علوم کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اسلام کے ابتدائی ادوار سے راہنمائی حاصل کر کے ہم اپنے علمی اہداف کی تکمیل میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ملخص باب چهارم

بنو امیہ کے تعلیمی ادارے اور ان کے مقاصد

میرے تحقیقی مقالے کا یہ باب بنیادی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس باب میں عہد بنو امیہ کی تعلیمی کاوشوں کو منظر عام پر لانے اور علم وفنون کی ترقی کو بتدریج تحقیقی سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔ اسلام کے شروع میں مسلمانوں کی پوری توجہ صرف دینی تعلیم پر مخصوص تھی اور وہ علوم قرآن، تفسیر، حدیث اور اس کے روایت اور فقہی احکام استنباط کرنے اور شرعی فتوے دینے پر مشتمل تھے جو کہ آپس میں مربوط تھے اور جس میں نئی نئی باتیں شامل ہوتی رہتی تھیں۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ دین سے متصل علوم عہد بنو امیہ میں پھیلے اور عہد عباسی میں علوم عقلیہ، یعنی طب، فلسفہ اور ریاضیات پر بھر پور توجہ دی گئی۔ علماء نے مملکت اسلامیہ کی پھیلی ہوئی سرحدوں اور عجمیوں میں دین کی اشاعت کا بروقت ادراک کرتے ہوئے عربی زبان، تدوین حدیث اور تفسیر قرآن کی ترویج کے لیے اس کے متعلقہ علوم کی تدریس کا باقاعدہ اہتمام کیا۔ اس طرح علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ کی تعلیم اور توسیع کے لیے مختلف علاقوں میں ادارے سرگرم عمل ہو گئے۔

مدینہ منورہ کے اہل علم ہر دینی و دنیاوی امر میں مراجع تھے اور خلفاء و امراء تک ان کے مشورہ اور فتویٰ پر عمل کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ خاص طور سے اصحاب شوریٰ کے علاوہ ہر طبقہ کے علماء وقراء کو اپنی مجلس میں بلا کر اہم امور میں مشورہ لیتے تھے۔ حضرت امام زہریؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر کی مجلس میں جوان اور عمر رسیدہ قراء کی بھیڑ رہا کرتی تھی اور آپ بسا اوقات ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ ان کی دوسری روایت میں ہے حضرت عمرؓ کے سامنے جب کوئی مشکل معاملہ آجاتا تھا تو نوجوانوں کو بلا کر ان سے مشورہ طلب کرتے اور ان کی تیزی عقل سے کام لیتے۔ اسی طرح اموی خلفاء و امراء اہل مدینہ سے رائے، مشورہ لیتے تھے اور ان کی دینی رہنمائی میں خلافت و امارت کے امور سرانجام دیتے تھے۔ مروان بن حکم پہلی بار ۴۲ھ میں امیر مدینہ ہوا۔ اس کے بعد دوبارہ امیر ہوا۔ وہ اپنے دونوں دورِ امارت میں صحابہؓ کو اپنی مجلس میں جمع کر کے ان کے مشورے پر عمل کرتا تھا۔

مروان اپنی امارت مدینہ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتا تھا اور جس بات پر وہ لوگ متفق ہو جاتے اس پر عمل کرتا تھا۔

صحابہ کے بعد مدینہ کے فقہاء سبعہ اور دوسرے اہل علم خلافت و امارت کے امور و معاملات میں حکم اور فیصل تھے اور امراء وعمال ان سے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ۸۶ھ سے ۹۳ھ تک مدینہ کے امیر رہے، اس پوری مدت میں وہ فقہاء سبعہ اور دوسرے قراء وفقہاء کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے۔ انھوں نے مدینہ آتے ہی نماز ظہر کے بعد ان دس فقہاء وعلماء کو جمع کیا۔ عروہ بن زبیرؓ، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث، ابوبکر بن سلیمان بن ابوحثمہ، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق، سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، خارجہ بن یزید بن ثابت رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

انھوں نے اپنے حکام، عمال اور عوام الناس کو ایک خطبہ میں تنبیہ کرتے ہوئے میں ارشاد فرمایا:

''میں نے آپ لوگوں کو ایک کام کے لیے بلایا ہے جس میں آپ لوگوں کے لیے اجر وثواب ہوگا اور آپ لوگ حق کے حامی وناصر ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب کی رائے یا آپ میں سے جو حاضر ہو اس کی رائے کے بغیر کسی بات کا قطعی فیصلہ نہ کروں۔ اگر کوئی کسی کو دیکھے کہ سرکشی کر رہا ہے یا میرے ماتحت حاکم کی طرف سے آپ لوگوں کو ظلم وزیادتی کی خبر پہنچے تو میں ہر ایسے واقف کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس کی خبر مجھے دے دے۔ یہ سن کر لوگوں نے ان کو دعا دی اور مجلس برخاست ہوگئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ آ کر وہاں کے دس فضلاء کو بلایا اور ان سے کہا کہ آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں آپ لوگوں کی رائے اور مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کروں گا۔ اس لیے مجھے مشورہ دیتے رہیں۔ اس پر ان لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو دعا دی۔ ۹۱ھ میں خلیفہ ولید کے حکم سے عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی کی جدید تعمیر کی۔ اس سے پہلے حضرت عمرؓ وعثمانؓ نے اس کی تعمیر وتوسیع کی تھی اور اصل جگہ مشتبہ ہوگئی تھی۔ اس لیے عمر بن عبدالعزیز نے قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، نافع بن جبیر، عبیداللہ بن عبداللہ، عبداللہ بن عامر، اور خارجہ بن یزید کو بلایا۔ ان حضرات نے عہد نبوی کی اصل مسجد کی حد بتائی تو اسی کے مطابق تعمیر کا نقشہ بنایا گیا۔

اس کے علاوہ حوادث ونوازل اور نئے مسائل کے متعلق فقہاء سبعہ جمع ہو کر کتاب وسنت اور تعامل صحابہؓ کی روشنی میں غور وفکر اور بحث ومباحثہ کرتے تھے اور اس ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے فیصلے اور فتویٰ کے مطابق عمل ہوتا تھا حتیٰ کہ قاضی بھی ایسے معاملات میں اسی فیصلے کو عدالت سے نافذ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے فقہاء سات تھے۔ جب کوئی مسئلہ ان کے سامنے آتا تو یہ سب حضرات جمع ہو کر اس میں غور کرتے۔ قاضی بھی ایسے مسئلے میں ان کی طرف ہی رجوع کرتا تھا۔ اور جب تک وہ غور وخوض کر کے فتویٰ صادر نہیں کرتے تھے، فیصلہ نہیں کرتا تھا۔

یہ فقہی اور تحقیقی مجلس عام طور پر مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی اور حسب ضرورت دوسرے مقامات پر بھی ان کا انعقاد ہوتا تھا۔

مدینہ کے یہ فقہاء سبعہ حضرت زید بن ثابتؓ کے تلامذہ اور ان کے فقہی مسلک کے حامل وناشر تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ زید بن مسیب متوفی ۹۴ھ۔

۲۔ اروئی بن زبیر متوفی ۹۴ھ۔

۳۔ قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق متوفی ۱۰۷ھ۔

۴۔ خارجہ بن زید بن ثابت متوفی ۱۰۰ھ۔

۵۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث متوفی ۹۴ھ۔

۶۔ سلیمان بن یسار ہلال متوفی ۱۰۷ھ۔

۷۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ متوفی ۹۸ھ۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین

یہی حضرات اس ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے ذمہ دار ارکان تھے اور ان ہی کے فتوے اور فیصلے بلا چوں چراں تسلیم کیے جاتے تھے۔

اس دور میں مدینہ منورہ میں اہل علم اپنے اپنے ذوق کے مطابق دینی، علمی، قومی، ادبی مجلسیں قائم کرتے تھے۔ حدیث وتفسیر، فقہ وفتویٰ، سیر ومغازی، شعر وادب، ایام وحروب، اس دور کے دلچسپ موضوع تھے اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ حلقے قائم ہوتے تھے۔ ان

میں ہر طبقہ کے علماء وفضلاء شریک ہوکر دینی وعلمی مذاکرہ کرتے تھے۔ ان ہی میں مجلس قلادہ تھی جو مسجد نبوی میں اسطوانہ وفود کے پاس ہر رات منعقد ہوتی تھی۔ جس میں اجلہ صحابہؓ اور اعان واشراف اہل علم شریک ہوتے تھے اور ان یواقیت وجواہر کی وجہ سے اس میں بڑا حسن و جمال تھا۔ اس لیے اس کو مجلس قلادۃ کہتے تھے۔ حضرت معاویہ ملک شام جانے کے بعد اس کو یاد کر کے کہا کرتے تھے کہ جب تک مجلس قلادۃ جاری رہے گی مدینہ آباد رہے گا۔

ان مجلسوں میں جو تعلیمی وتربیتی درس گاہیں تھیں، علماء وفقہاء مشائخ اور ان کے معاصرین شریک ہوکر ہر قسم کے موضوعات پر بحث و تحقیق کرتے تھے۔ ان کے علاوہ تعلیم وتربیت کی مجلسیں اور حلقے مستقل طور پر جاری تھے جن میں صحابہؓ کے تلامذہ تبع تابعین علوم نبوت کی تعلیم دیتے تھے۔ تابعین حضرات اپنے دینی وعلمی اعمال وخدمات میں اس منصب ومقام پر پورے اترے اور ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک رہے۔ البتہ اس دور میں بعض اہل علم تفقہ، علم حفظان واتقان میں تابعین کے مرتبہ کے نہیں تھے اور ان کے بارے میں مزید محتاط رویہ اختیار کیا گیا تھا۔

تابعین کے بعد اتباع تابعین ان کے جانشیں ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے اساتذہ ومشائخ کے مطابق حلقات ومجالس قائم کیے۔ ان کی درسگاہوں کا وہ انداز تھا جو صحابہ وتابعین کے دور میں پایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ عقلی وذہنی فتن وافکار کے سدباب میں مزید احتیاط بھرتی جاتی تھی۔

مدینہ منورہ مدینہ الدین العلم تھا۔ یہی سے پورے عالم اسلام میں دین وعلم دین کے اشاعت ہوتی۔ اور یہیں کے قراء، فقہاء اور علماء کے تلامذہ واصحاب نے اپنے اپنے حلقوں اور علاقوں میں علم دین پھیلایا اور اس کے بعد مکہ مکرمہ دینی وعلمی مرکز تھا۔ حجاز میں ان کے علاوہ کسی مقام کو مرکزی حیثیت حاصل نہ تھی۔ عراق میں کوفہ وبصرہ اور شام میں مختلف شہروں میں صحابہ وتابعین کے حلقے قائم تھے۔ اس کے بعد مصر میں تعلیمی سرگرمی جاری تھی۔ عجم میں خراسان کا علاقہ دینی علوم کا مرکز تھا۔ پہلی اور دوسری صدی ہجری تک یہی صورت رہی۔

باب چہارم میں ان مشہور علمی حلقہ ہائے درس جن کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے ان کی کارکردگی، جن میں عوام الناس کی ذہنی وروحانی تربیت کی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں بنوامیہ کے تعلیمی اداروں کے نصاب کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے اور اسلامی معاشرہ میں اساتذہ کا مقام ومرتبہ اور اساتذہ اور شاگردوں کے درمیان باہمی روابط کو علمی وتحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔



باب نمبر ۴

حوالہ جات

۱۔ فلپ، کے ہتی ’’عربوں کا عروج وزوال‘‘ مترجم: عبدالسلام رشید، ص/ ۴۷

۲۔ حسن ابراہیم، ڈاکٹر ’’تاریخ اسلام‘‘ السیاسی، والدینی، والثقافتی، والاجتماعی، ج/۱، ص/ ۴۳۷

۳۔ ابن الاثیر، عزالدین علی بن محمد الجزری ’’الکامل فی التاریخ‘‘ ج/۳، ص/ ۲۲۱

۴۔ حسن ابراہیم، ڈاکٹر ’’تاریخ اسلام‘‘ السیاسی، والدینی، والثقافتی، والاجتماعی، ج/۱، ص/ ۴۳۸

۵۔ حسن ابراہیم، ڈاکٹر ’’تاریخ اسلام‘‘ السیاسی، والدینی، والثقافتی، والاجتماعی، ج/۱، ص/ ۴۳۸

۶۔ ابن حزم ، ابومحمد علی بن احمد بن حرم ، الاندلسی "جمھرة الانساب العرب" ص/ ١٨

۷۔ ابن حجر عسقلانی، شھاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر "مقدمه فتح الباری" ص/ ١٣٨

۸۔ ابن حجر عسقلانی، شھاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر "تقریب التھذیب" ص/ ٣٧٥، ٣٨٨، ٤٨٢، ٥٢٨، ٩٩٤

۹۔ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان" ج/٢، ص/ ٢٨٨

۱۰۔ زرکلی، خیر الدین "الاعلام" ج/٣، ص/ ١٧

۱۱۔ الذھبی، ابوعبدالله شمس الدین محمد الذھبی "تذکرة الحفاظ" ج/ ١، ص/ ١٥٧

۱۲۔ الذھبی، ابوعبدالله شمس الدین محمد الذھبی "تذکرة الحفاظ" ج/ ١، ص/ ١٥٨

۱۳۔ ابن ، محمد بن سعد "طبقات ابن سعد" ج/ ٦ ، ص/ ٢٦٧

۱۴۔ ابن ، محمد بن سعد "طبقات ابن سعد" ج/ ٦ ، ص/ ٢٧٣

۱۵۔ ابن ، محمد بن سعد "طبقات ابن سعد" ج/ ٥ ، ص/ ١٠٦ ـ ١٨٨

۱۵۔ الذھبی، ابوعبدالله شمس الدین محمد الذھبی "تذکرة الحفاظ" ج/ ١، ص/ ٥١ ـ ٥٣

۱۶۔ الذھبی، ابوعبدالله شمس الدین محمد الذھبی "سیراعلام النبلاء" ج/ ٤، ،قسم / ٢، ص/ ١٩٥

۱۷۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری" اموی دور حکومت، حصه/ ٥ ص/ ٤٤٨ ـ ٤٤٩

۱۸۔ ابن حجر عسقلانی، شھاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر "تھذیب التھذیب" ج/ ٢، ص/ ٢٦٣

۱۔ حسن ابراہیم، ڈاکٹر ’’تاریخ اسلام‘‘ ج/۱، ص/ ۴۹۶

۲۔ حسن ابراہیم، ڈاکٹر ’’تاریخ اسلام‘‘ ج/۱، ص/ ۴۹۶

۱۔ ابن الندیم "کتاب الفھرست" ص/ ٦٠ ـ ٦١

۲۔ محمد عبدالھادی ابوریده ، دکتور "تاریخ الفلسفة فی الاسلام" مترجم: ت ج۔ دی بور، ص/ ٣٨۔٣٩

حسن ابراہیم، ڈاکٹر ’’تاریخ اسلام‘‘ ج/۱، ص/ ۵۰۵

۲۳۔ الجاحظ، ابو عثمان عمروبن بحر الفُقیمی " البیان والتبئین " ج/۱ ، ص/۱۷۵
۲۴۔ الشاطبی ،ابی اسحاق " الموافقات فی اصول الشریعة " ترزیع عباس احمد الباز مكة المكرمة، الجزء/ ۱ ،ج/۳، ص/۳۶۷
۲۵۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر "تهذیب التهذیب " ج/۱۲، ص/۱۰
۲۶۔ الذهبی،ابوعبدالله شمس الدین محمد الذهبی"المیزان الاعتدال " ج/۲، ص/۱۹۷
صبحی صالح، دکتور "علوم القرآن " مترجم غلام احمد حریری ، ص/۱۷۱
ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/۵۱
۲۷۔ الذهبی،ابوعبدالله شمس الدین محمد بن احمد الذهبی"تذکرة الحفاظ " ج/۱، ص/۶۳
۲۸۔ الزرکشی، ابوعبدالله محمد بن بهادر بن عبدالله "البرهان فی علوم القرآن " ج/۲ ، ص/۱۰۹
۲۹۔ الجزری، غاية النهایه فی طبقات القرأ ص/۲۳۵
۳۰۔ الجزری، غاية النهایه فی طبقات القرأ ج/۲، ص/۳۸
۳۱۔ صبحی صالح، دکتور "علوم القرآن " مترجم غلام احمد حریری ، ص/۳۵۳
الجزری، غاية النهایه فی طبقات القرأ ج/۱، ص/۳۴۶۔۳۴۹
۳۲۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/۳۰۸۔۳۵۴
۳۳۔ ابن خلکان، أبی عباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء أبناء الزمان" ج/۲ ، ص/۲۲۳
۳۴۔ السمعانی ، عبدالکریم بن محمد بن منصور التیمی "الانساب" ج/۳ ، ص/۴۳۲
ابن خلکان، أبی عباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء أبناء الزمان" ج/۱ ، ص/۴۳۶
۳۵۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/۸۹
وهب ابن منبه " التیجان فی ملوك الحمیر " ص/۳۱۲۔۳۱۳
ابن خلکان، أبی عباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء أبناء الزمان" ج/۲ ، ص/۳۶۵
۳۶۔ مسعودی، ابوالحسن، علی بن حسین بن علی،المسعودی" تاریخ مسعودی" ج/۴، ص/۸۹
۳۷۔ ابن جوزی، ابی الفرج عبدالرحمٰن بن جوزی "سیرة العمرین " ص/۱۲۱۔۱۲۶
۳۸۔ الجاحظ، ابو عثمان عمروبن بحر الفُقیمی " البیان والتبئین " ج/۱
۳۹۔ ابن خلکان، أبی عباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء أبناء الزمان" ج/ ، ص/۳۵۰
مسعودی، ابوالحسن، علی بن حسین بن علی،المسعودی" تاریخ مسعودی" ج/۶، ص/۸۱
۴۰۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/۳۳۸ مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے:
Hell, " The Arab Civilization" Eng. T.R. by Khuda Bakhsh , P:60

المسعودی، ابوالحسن، علی بن حسین بن علی،المسعودی" تاریخ مسعودی مروج الذهب و معادن الجواهر" ج/۲، ص/۱۱۹-۱۲۰
حسن بن ابراھیم ، دکتور "تاریخ الاسلام" ج/۱ ، ص/۱۱۵
۴۱۔ ایڈورڈ جی براؤن ''طب العرب'' ترجمہ وتنقید: حکیم نیز واسطی، ص/۲۰۱
۴۲۔ اصفھانی ، حسین بن محمد الراغب ، اصفھانی "کتاب الآغانی" ج/۵ ، ص/۱۱۳-۱۱٤
۴۳۔ ابن جریر طبری،ابوجعفر محمد بن جریر ،طبری "تاریخ طبری" ج/۲، ص/۱۲٦٦
۴۴۔ المبرزبانی "الموشه" ص/۲۸۹-۲۹۰
۴۵۔ اصیبعه ، ابن ابی اصیبعه "عیون الأنباء فی طبقات الاطباء" ج/۲ ، ص/۲۰۷
۴۶۔ ابن حجر عسقلانی، شھاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر "تھذیب التھذیب" ج/۱۲، ص/۱۰
۴۷۔ ابن الندیم "کتاب الفھرست" ص/٥۱
الذھبی،ابوعبدالله شمس الدین محمد الذھبی "المیزان الاعتدال" ج/۲، ص/۱۹۷
صبحی صالح، دکتور "مباحث فی علوم القرآن" ص/۱۷۱
۴۸۔ عبدالعزیز ، سید الاصل "خلیفة الزاھد حضرت عمر بن عبدالعزیز" ص/۲٥۹
۴۹۔ محمد الخضری "تاریخ التشریح الاسلامی" مترجم: عبدالسلام ندوی، ص/۱۹۷
۵۰۔ محمد الخضری "تاریخ التشریح الاسلامی" مترجم: عبدالسلام ندوی، ص/۱۹۷
۵۱۔ الجاحظ، ابو عثمان عمروبن بحر الفُقیمی "الحیوان" ج/۱ ، ص/۳٥۹
۵۲۔ طهٰ حسین "فی الادب الجاھلی" ص/
۵۳۔ طهٰ حسین "فی الادب الجاھلی" ص/
۵۴۔ اصفھانی ، حسین بن محمد الراغب ، اصفھانی "کتاب الآغانی" ج/۱۹ ، ص/۲۲
۵۵۔ اصفھانی ، حسین بن محمد الراغب ، اصفھانی "کتاب الآغانی" ج/۱۹ ، ص/۲۲
۵۶۔ الجاحظ، ابو عثمان عمروبن بحر الفُقیمی "الحیوان" ج/۱ ، ص/٤۱ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے
احمد امین "فجر الاسلام" ج/ ، ص/
شوقی ضیف "تاریخ الادب العربی" النظور والتجدید فی الشعر الاموی ، ص/
۵۷۔ سید احمد اکبرآبادی، مولانا ''مسلمانوں کا عروج وزوال'' ص/۶۳
۵۸۔ سید احمد اکبرآبادی، مولانا ''مسلمانوں کا عروج وزوال'' ص/۶۳
۵۹۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری" کتاب العلم، باب ما یذکر فی المناولة وکتاب اھل العلم بالعلم الی البلدان ، ج/۱ ، ص/۱٥
۶۰۔ ابن خلکان، أبی عباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء أبناء الزمان" ج/۱ ، ص/۲٥۷-۲٥۸
۶۱۔ ابن خلکان، أبی عباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان

وانباء أبناء الزمان" ج/ ۱، ص/ ۲۵۸

۶۲۔ عبدالعزیز، سید الاصل "خلیفة الزاهد حضرت عمر بن عبدالعزیز" ص/ ۲۶۰

۶۳۔ عبدالعزیز، سید الاصل "خلیفة الزاهد حضرت عمر بن عبدالعزیز" ص/ ۲۶۰۔ ۲۶۱

۶۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۲، ص/ ۷۱۷۔۷۱۸

۶۵۔ الاحزاب: ۲۱

۶۶۔ شبلی نعمانی، مولانا "سیرۃ النبیؐ" ج/۱، ص/۱۱ مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے:

ابن الاثیر، عز الدین علی بن محمد الجزری "الکامل فی التاریخ" دیباچہ

الذهبی، ابوعبدالله شمس الدین محمد الذهبی "المیزان الاعتدال" دیباچہ

الرازی، محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم، الرازی "کتاب الجرح والتعدیل" ج/ ۱، ص/ ۳۸

ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر "الإصابة فی تمیز أسماء الصحابة" دیباچه

۶۷۔ الحاکم، ابوعبدالله محمد بن عبدالله، نیسا بوری "المستدرک" دیباچه

المعرفة علوم الحدیث ص/ ۵۲، اٹھارہویں قسم میں بیان کیا ہے، نیز دیکھیے

الکفایة، باب الکلام علی العدالة واحکامها، ص/ ۸۱۔ ۱۰۱

۶۸۔ الکتانی، عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی، الکتانی "الرسالة المستطرفة" ص/ ۹۶۔ ۱۰۰

۶۹۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی، العلامة "المنهل الحدیث فی علوم الحدیث" ص/ ۱۱

۷۰۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، السیوطی "تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی" ص/ ۱۹۷

۷۱۔ احمد حسن زیات "تاریخ الادب العربی" ص/۲۱

۷۲۔ موگاڈار، مراکش کے ساحل غربی کا ایک بند انجر اٹلانٹک پر واقع اور گویا اسلامی دنیا کا سب سے غربی نقطہ ہے۔

۷۳۔ لیبان، گستاؤلی "تمدن عرب" زبان وفلسفہ وادب وتاریخ، فصل/۱، ص/۴۸۸۔۴۸۹

۷۴۔ لیبان، گستاؤلی "تمدن عرب" زبان وفلسفہ وادب وتاریخ، فصل/۱، ص/۴۸۹

۷۵۔ احمد حسن زیات، استاذ "تاریخ الادب العربی" مترجم: عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ص/۲۴

۷۶۔ حمید الدین، ڈاکٹر "تاریخ اسلام" ص/۲۷۹

۷۷۔ حمید الدین، ڈاکٹر "تاریخ اسلام" ص/۲۱۵

۷۸۔ فلپ کے، ہتی "ہسٹری آف دی عرب" مترجم: سید مبارز الدین، محمد معین خان۔

۷۹۔ فلپ کے، ہتی "ہسٹری آف دی عرب" مترجم: سید مبارز الدین، محمد معین خان،

۷۹۔ فلپ کے، ہتی "ہسٹری آف دی عرب" مترجم: سید مبارز الدین، محمد معین خان، ص/۱۱

۸۰۔ فلپ کے، ہتی "ہسٹری آف دی عرب" مترجم: سید مبارز الدین، محمد معین خان، ص/۱۱

۸۱۔ فلپ کے، ہتی "ہسٹری آف دی عرب" مترجم: سید مبارز الدین، محمد معین خان، ص/۱۲

۸۲۔ فلپ کے، ہتی ''ہسٹری آف دی عرب'' مترجم: سید مبارز الدین، محمد معین خان، ص/۱۲
۸۳۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' زبان وفلسفہ وادب وتاریخ، فصل/۱ ،ص/۴۸۹
۸۳۔ فلپ کے، ہتی ''ہسٹری آف دی عرب'' ص/۱۳
۸۴۔ فلپ کے، ہتی ''ہسٹری آف دی عرب'' ص/۹۶
۸۵۔ فلپ کے، ہتی ''ہسٹری آف دی عرب'' ص/۹۶
۸۶۔ فلپ کے، ہتی ''ہسٹری آف دی عرب'' ص/۹۶
۸۷۔ فلپ کے، ہتی ''ہسٹری آف دی عرب'' ص/۹۷
۸۸۔ فلپ کے، ہتی ''ہسٹری آف دی عرب'' ص/۹۲
۸۹۔ فلپ کے، ہتی ''ہسٹری آف دی عرب'' ص/۹۳
۹۰ **Briffault, Robert " The Making of Humanity" P:226**
۹۱ **Singer C " A Short Histroy of Science" P:5**
Farrington; "Greek Science" P:7
Sarton, G. "Introduction to the History of Science" P:52
۹۲ **Singer C " A Short Histroy of Science" P:5**
۹۳ **Briffault, Robert " The Making of Humanity" P:249**
۹۴ **Russell, B. "The Scienctific Out Look" P:12**
۹۵۔ عبدالسلام، ندوی، حکماء اسلام، ج/۱، ص/۴۷
۹۶۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/۳۹۹
۹۷۔ ابن القفطی ، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء ص/٣٥٤
۹۸۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/٣٣٨۔٤٣٧
۹۹۔ صاعد ، ابوالقاسم بن احمد الاندلسی " طبقات الامم " ص/٧٥
۱۰۰۔ ابن القفطی ، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء " ص/٤٠٩
۱۰۱۔ البیرونی ، ابوریحان محمد بن احمد " الآثار الباقیه عن القرون الخالیه " ج/١ ، ص/٢٧٠
۱۰۲۔ ابن القفطی ، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء " ص/٢٤٢،
۱۰۳۔ ابن القفطی ، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء " ص/٢٧
۱۰۴۔ رفاعی ، الرفاعی، انور " تاریخ العلوم فی الاسلام " ج/١ ، ص/١٠۔٢٥٧
۱۰۵۔ اصیبعه ،ابی اصیبیعه "عیون الأنباء فی طبقات الاطباء " ج/٣ ، ص/٣٢۔٣٣
۱۰۶ **Sedg Wick, W.T, "A Short History of Science" P:383**
۱۰۷۔ محمد طفیل ہاشمی، ڈاکٹر ''مسلمانوں کے سائنسی کارنامے'' ص/۲۶۴۔۲۶۷
۱۰۸۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/۴۸۳
۱۰۹۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/۴۸۴

۱۱۰۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/۴۸۵

۱۱۱۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/۴۹۱

۱۱۲۔ ڈی۔او۔لیری ''فلسفۂ اسلام'' ص/۹۷

۱۱۳۔ راغب الاطباخ، علامه "تاریخ افکار وعلوم اسلامی " حصه/۲، ص/۳۳۱

۱۱۴۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/۳۳۸

۱۱۵۔ ابـن خـلـکـان، أبـی عبـاس شـمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء أبناء الزمان" ج/۲ ، ص/۲۲٤

۱۱۶۔ الـکـتـانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبوية" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجروالحالة العلمية ، ج/۲، ص/۲٦۹

۱۱۷۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون

۱۱۸۔ ابـن خـلـکـان، أبـی عبـاس شـمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء أبناء الزمان" ج/۱ ، ص/۲٦۹

۱۱۹۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن ،ابن خلدون "مقدمه ابن خلدون" ص/٤٥٤

۱۲۰۔ ابن القفطی ، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء " ص/۳٥٤

۱۲۱۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/۳۳۸۔٤۹۷

۱۲۲۔ الصاعد، صاعد ابوالقاسم بن احمد الاندلسی "طبقات الامم " ص/۷٥

۱۲۳۔ ابن القفطی ، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء " ص/٤۰۹

۱۲۴۔ زکی ، صالح زکی "آثار باقیه " ج/۱ ، ص/۲۷٥

۱۲۵۔ ابن القفطی ، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء " ص/۲٤۲
رفاعی ، الرفاعی، انور " تاریخ العلوم فی الاسلام " ج/۱ ، ص/۱۰۔۲٥۷

۱۲۶۔ ابن القفطی ، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء " ص/۲۱۷

۱۲۷۔ ابن القفطی، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء " ص/۱۳۶۔۱۵۹۔۲۰۷۔۲۰۹

۱۲۸۔ اصیبعه ابن ابی اصیبعه ، احمد بن قاسم " عیون الانباء فی طبقات الاطباء " ج/۱ ،ص/۳۲۔۳۳

۱۲۹ Sarton, G. "Introduction to the History of Science" P:558

۱۲۹ Philip K. Hitti, " History of Arabs" P:310

اورکرینمر (۶۱) نے ''بیت الحکمت'' کی تاسیس عہد مامونی کا کارنامہ ہے۔لیکن قدیم ماخذ،ابن الندیم: ''کتاب الفہرست'' ص/۱۵۴، ۳۸۲،ابن القفطی: ''اخبار العلماء باخبار الحکماء'' ص/۲۵۵ میں تصریح کی ہے کہ بیت الحکمت کا قیام ہارون الرشید کے دور میں ہوا۔

۱۳۰۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/۳۷۸۔۳۸۲
ابن القفطی، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء " ص/٦۲۔۹۷۔۹۸۔۱۲۸۔۱۳۲
اصیبعه ،ابن ابی اصیبعه ، احمد بن قاسم " عیون الانباء فی طبقات الاطباء " ص/۱۳۸۔۲۸٤

۱۳۱۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/۳۳۹

ابن القفطی، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء" ص/ ۱۷۳-۲۵۵-۲۶۲-۳۸۰

۱۳۲- شبلی نعمانی، مولانا ''المامون'' ص/ ۱۶۸

۱۳۳- محمد طفیل ہاشمی، ڈاکٹر ''مسلمانوں کے سائنسی کارنامے'' ص/ ۷

۱۳۴ Singer C " A Short Histroy of Science" P:2

۱۳۵- بریفالٹ، رابرٹ ''تشکیل انسانیت'' اردو ترجمہ، ص/ ۱۷۸، ۱۸۵، ۱۸۷

۱۳۶- معین الدین، ندوی ''تاریخ الاسلام'' ج/ ۱، ص/ ۴۷

۱۳۷- ابن القفطی، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء" ص/ ۲۰۵، ۳۸۰

۱۳۸- ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/ ۳۳

۱۳۹- ابن القفطی، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء" ص/ ۳۱-۱۷۳

۱۴۰- عمر فروخ "تاریخ الادب العربی" ص/ ۱۹۹

۱۴۱ Baron Carra De Vaux "Astronomy and Mathematics in the Legacy" P:29

۱۴۲ اصیبعه، ابن ابی اصیبعه، احمد بن قاسم "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" باب/ ۸-۹

۱۴۳ اصیبعه، ابن ابی اصیبعه، احمد بن قاسم "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" ص/ ۷٤، ۲۵۷

ابن القفطی، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء" ص/ ۱۷٤

۱۴۴- بریفالٹ، رابرٹ ''تشکیل انسانیت'' اردو ترجمہ، ص/ ۲۴۳

۱۴۵- محمد طفیل ہاشمی، ڈاکٹر ''مسلمانوں کے سائنسی کارنامے'' ص/ ۱۵

۱۴۶- احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' مترجم: عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ص/ ۴۳-۴۷

۱۴۷- احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' مترجم: عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ص/ ۴۷

۱۴۸ المتنبی ابی الطَّیِّبِ المُتَنَبِّیّ "دیوان المتنبی" ص/ ۱۵

۱۴۹- اسداللہ بیگ، غالب ''دیوان غالب'' ص/

۱۵۰- المتنبی ابی الطَّیِّبِ المُتَنَبِّیّ "دیوان المتنبی" ص/ ۱۵

۱۵۱- ڈی اولیری ''فلسفہ اسلام'' ''مسلمانوں کی عقلی تاریخ، مترجم: احسان احمد، ص/ ۱۲۰-۱۲۱

۱۵۲- الکتانی، عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی، کتانی "نظام الحکومة النبویة" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجروالحالة العلمیة، مترجم: مولانا معظم الحق ص/ ۱۰۹

۱۵۳- مسلم بن حجاج القشیری "صحیح مسلم "کتاب الفضائل ج/ ٦، ص/ ۱۵۹- ۱٦۲

۱۵۴- مسلم بن حجاج القشیری "صحیح مسلم "کتاب الفضائل ج/ ٦، ص/ ۱۵۹- ۱٦۲

۱۵۵- الکتانی، عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی، کتانی "نظام الحکومة النبویة" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجروالحالة العلمیة، ص/ ۱۱۰

۱۵۶- ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه "کتاب الاداب، باب الشعر حدیث/ ۳۷۵۷، ج/ ۳، ص/ ۳۰۱

۱۵۷- ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه "کتاب الاداب، باب الشعر حدیث/ ۳۷۵۷،

ج/ ۳، ص/ ۳۰۱

۱۵۸۔ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ،ابوالفضل احمد بن علی بن حجر " البخاری مع فتح الباری " ، باب الجهاد من ینقب فی سبیل الله ، ج/ ٦، ص/ ۱۹

احمد سمهودی، نور الدین علی بن احمد سمهودی "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" ج/ ۱۔۲، ص/ ٤٥٤

۱۵۹۔ الکتانی، عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبویة" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ص/ ۱۱۰۔ ۱۱۱

۱٦۰۔ الکتانی، عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبویة" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجر والحالة العلمیة ، ص/ ۱۱۰

۱٦۱۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی، الامام "جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی " باب مَنَاقِبُ اَبِیْ مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبِ وَالْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا ج/ ۲، ص/ ۷۹۱

۱٦۲۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر "تاریخ الخلفاء" ص/ ۱۰۳

۱٦۳۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر "تاریخ الخلفاء" ص/ ۸۱۔ ۸۲

۱٦٤۔ ابن رشیق قیروانی "کتاب العمدة " الشیبانی ، امام السنة احمد بن حنبل الشیبانی " العدة شرح العمدة" ج/ ، ص/

۱٦۵۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ص/ ۹۷

۱٦٦۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ص/ ۹۷۔ ۹۸

۱٦۷۔ شاہ ولی اللہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ/ ۲، ص/ ۱۹۳

۱٦۸۔ شاہ ولی اللہ "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" حصہ/ ۲، ص/ ۱۹۳

۱٦۹۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' مترجم: عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ص/ ۲۵۷

۱۷۰۔ شوقی ضیف، ڈاکٹر ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲۵۸

۱۷۱۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' مترجم: عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ص/ ۲۵۸

۱۷۲۔ عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' الجزء الاول ، ص/ ۵۵۵۔ ۵۵۸

۱۷۳۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲۵۹۔ ۲٦۰

۱۷٤۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲٦۰

۱۷۵۔ عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' الجزء الاول ، ص/ ٦٤۹۔ ٦۵۱

۱۷٦۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲٦۱

۱۷۷۔ عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' الجزء الاول ، ص/ ٦٤۹۔ ٦۵۱

۱۷۸۔ شوقی ضیف، ڈاکٹر ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲۷٦۔ ۲۸۹

۱۷۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲٦٦۔ ۲٦۷

۱۸۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲۷۰

۱/۔ حسن ابراہیم حسن، ڈکتور ''تاریخ اسلام'' الجزء الاول، ص/

۱۸۔ الشعراء: ۲۲۵، ۲۲٦

۱۸۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی "سنن ابن ماجه "کتاب الآداب ، باب الشعر، حدیث/

۳۷۵۵، ج/ ۳، ص/ ۳۰۰

۱۸۴۔ حسن ابراہیم حسن، دکتور ''تاریخ اسلام'' الجزء والاول، ص/

۱۸۵۔ جرجی زیدان ''تاریخ تمدن اسلامی'' مترجم: محمد حلیم انصاری، ج/ ۱۔۲، ص/ ۳۱۴۔۳۱۵

۱۸۶۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان "حصه/ ۱۔۲ ، ص/ ٦٦٥۔٦٦٦

۱۸۷۔ الکتانی، عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبویة" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجروالحالة العلمیة ، ج/ ۱ ص/ ٤١

۱۸۷۔ (الف) الکتانی، عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبویة" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجروالحالة العلمیة ، ج/ ۱ ص/ ٤١۔ ٤٢

۱۸۸۔ الکتانی، عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبویة" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجروالحالة العلمیة ، ج/ ۱ ص/ ٤٣۔ ٤٤

۱۸۹۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان "حصه/ ۱۔۲ ، ص/ ٦٦٧۔٦٦٨

۱۹۰۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان "حصه/ ۱۔۲ ، ص/ ٦٦٨

۱۹۱۔ البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان "حصه/ ۱۔۲ ، ص/ ٦٦٨

۱۹۲۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲۹۴

۱۹۳۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲۹۴

۱۹۴۔ فلپ، کے ہتی ''عرب اور اسلام'' ص/ ۲۹

۱۹۵۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲۹۴، مزید حوالے کے لیے دیکھیے:
شوقی ضیف، ڈاکٹر ''تاریخ ادب العربی'' الجزء ، ص/
عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' الجزء اول ص/ ۶۴۹۔۶۵۱

۱۹۶۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲۹۵، مزید حوالے کے لیے دیکھیے:
شوقی ضیف، ڈاکٹر ''تاریخ ادب العربی'' الجزء ، ص/
عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' الجزء اول ص/ ۶۴۹۔۶۵۱

۱۹۷۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲۹۵
شوقی ضیف، ڈاکٹر ''تاریخ ادب العربی'' الجزء ، ص/
عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' الجزء اول ص/ ۶۴۹۔۶۵۱

۱۹۸۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۲۹۶
شوقی ضیف، ڈاکٹر ''تاریخ ادب العربی'' الجزء ، ص/
عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' الجزء اول ص/ ۶۴۹۔۶۵۱

۱۹۹۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/ ۳۱۰
شوقی ضیف، ڈاکٹر ''تاریخ ادب العربی'' الجزء ، ص/
عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' الجزء اول ص/ ۶۴۹۔۶۵۱

۲۰۰۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/۳۱۴
شوقی ضیف، ڈاکٹر ''تاریخ ادب العربی'' الجزء ، ص/
عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' الجزء اول ص/۶۴۹۔۶۵۱
۲۰۱۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/۳۱۵
شوقی ضیف، ڈاکٹر ''تاریخ ادب العربی'' الجزء ، ص/
عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' الجزء اول ص/۶۴۹۔۶۵۱
۲۰۲۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/۳۱۶۔۳۷۱۔
شوقی ضیف، ڈاکٹر ''تاریخ ادب العربی'' الجزء ، ص/
عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' الجزء اول ص/۶۴۹۔۶۵۱
۲۰۲۔ (الف) عمر فروخ ''تاریخ ادب العربی'' دار العلم للملامیین، بیروت، حصہ/۱، ص/۳۷۔۳۸
۲۰۲۔ (ب) شوقی ضیف، دکتور ''تاریخ ادب العربی'' عصر الاول والامارات، الطبعۃ الثانیۃ، دار المعارف۔ ص/۲۰۷۔۲۰۱
۲۰۳۔ نقی الدین بن ابوالعباس احمد بن شهاب الدین، عبدالحلیم بن مجدالدین عبدالسلام بن عبداللہ بن الخفر بن محمد بن الخفر بن علی بن عبداللہ بن تیمیہ، امام۔ "مقدمہ اصول تفسیر" ص/۱۵
۲۰۴۔ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان" ج/۱، ص/۳٦٤
۲۰۵۔ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان" ج/۱، ص/۳٦٥
۲۰٦۔ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان" ج/۱، ص/۳٦٥
۲۰۷۔ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان" ج/۱، ص/۳٦٥
۲۰۸۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "تهذیب التهذیب" ج/٤، ص/۱۳
۲۰۹۔ احمد آمین "فجر الاسلام" ص۲٥۱
۲۱۰۔ الذهبی، ابوعبداللہ شمس الدین، محمد الذهبی "میزان الاعتدال" ج/۳، ص/۹
۲۱۱۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "تهذیب التهذیب" ج/۱۰، ص/٤۲
۲۱۲۔ نقی الدین بن ابوالعباس احمد بن شهاب الدین، عبدالحلیم بن مجدالدین عبدالسلام بن عبداللہ بن الخفر بن محمد بن الخفر بن علی بن عبداللہ بن تیمیہ، امام۔ "مقدمہ اصول تفسیر" ص/۲۸
۲۱۳۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "تهذیب التهذیب" ج/۲، ص/۱۳

٢١٤ـ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٧، ص/٢٦٣

٢١٥ـ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٥ ، ص/٨

٢١٦ـ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٧ ، ص/١٩٩

٢١٧ـ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٧ ، ص/١٩٩

٢١٨ـ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٣، ص/٢٨٤

٢١٩ـ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٣ ، ص/٣٨٤

٢٢٠ـ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٣، ص/٢٨٤

٢٢١ـ صفی الدین ، الخزرجی "خلاصه تذهیب الکمال " ص/٣٠٥، الخیریة ١٣٢

٢٢٢ـ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر "اتقان فی علوم القرآن" ج/١ ، ص/١٣٧ـ١٣٨

٢٢٣ـ الذهبی، ابوعبدالله شمس الدین ، محمد الذهبی "تذکرة الحفاظ " ج/١ـ٢ ، ص/٥٨

٢٢٤ـ الذهبی، ابوعبدالله شمس الدین ، محمد الذهبی "تذکرة الحفاظ " ج/١ـ٢ ، ص/٥٩

٢٢٥ـ الذهبی، ابوعبدالله شمس الدین ، محمد الذهبی "تذکرة الحفاظ " ج/١ـ٢ ، ص/٦٠

٢٢٦ـ الذهبی، ابوعبدالله شمس الدین ، محمد الذهبی "تذکرة الحفاظ " ج/١ـ٢ ، ص/١٨١

٢٢٧ـ القرطبی، محمد بن احمد الانصاری، القرطبی "مقدمه تفسیر قرطبی" ج/١ ،ص/٣٤
الذهبی، ابوعبدالله شمس الدین ، محمد الذهبی "تذکرة الحفاظ " ج/١ـ٢ ، ص/٨٨ـ ٨١

٢٢٨ـ القرطبی، محمد بن احمد الانصاری، القرطبی "مقدمه تفسیر قرطبی" ج/١ ،ص/٣٤

٢٢٩ـ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "الجامع البیان فی تفسیر القرآن " مقدمه تفسیر ابن جریر، ج/١ ، ص/ ٢٨

٢٣٠ـ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "الجامع البیان فی تفسیر القرآن " ج/١ ، ص/ ٣٠

٢٣١ـ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٥، ص/٦٥

٢٣٢ـ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٢، ص/٢٦٣

٢٣٣ـ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب"

ج/۸، ص/۳۵۱

۲۳۴۔ الزرکشی ، ابوعبداللہ محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۱۶۸۔۱۷۷
اردو دائرہ معارف اسلامیہ، قرآن، ص/۳۳۲
صبحی صالح، ڈاکٹر "مباحث فی علوم القرآن" ص/۱۷۷۔۱۶۸

۲۳۵۔ الزرکشی ، ابوعبداللہ محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۲٤۷

۲۳۶۔ الزرکشی ، ابوعبداللہ محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۲٤۷۔٤۸

۲۳۷۔ حاشیه :صحیفه همام بن منبه بتحقیق حمیدالله ، ڈاکٹر
بار بار اس روایت کو دہراتے ہیں۔ مؤرخین بھی بکثرت اس فقرہ کا اعادہ کرتے رہتے ہیں کہ "عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔ نیز دیکھیے: ابن سعد "طبقات ابن سعد" ج/۳۔۲ ، ص/۱۴۸

۲۳۸۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تفسیر طبری" ج/۱ ، ص/ ۲۹۷۔۲۹٦

۲۳۹۔ ابن سعد "طبقات ابن سعد" ج/۲ ،ص/۲۲
الکتانی ، عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ،الکتانی "نظام حکومة نبوية" التراتيب الادارية والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمية ، ج/۱، ص/٤۱

۲۴۰۔ صبحی صالح، ڈاکٹر "مباحث فی علوم القرآن" ص/٦٦

۲۴۱۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبدالله "الاستیعاب فی اسماء لاصحاب" ج/۲، ص/۳٦٦

۲۴۲۔ "انساب الاشراف مخطوطه القاهره" ج/۱، ص/٤۲۰ یہ حوالہ ڈاکٹر حمید اللہ نے دیا ہے۔ دیکھیے صحیفہ ہمام بن منبہ ص/٦، حاشیہ/۵

۲۴۳۔ الکتانی،عبدالحیٔ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبوية" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجروالحالة العلمية ، ج/۱، ص/٤۱

۲۴۵۔ صبحی صالح، ڈاکٹر "مباحث فی علوم القرآن" ص/٦۷

۲۴۶۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "مقدمه فتح الباری" ج/۱، ص/۱۸۷۔۱۸۵
ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری" ج/۱۔٤ ، ص/ ۱۸۰٦

۲۴۸۔ عبدالصمد صارم "تاریخ القرآن" ص/۱۷۳ ،صحیفه ابن همام ص/۱۷
ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "تهذیب التهذیب" ج/۳، ص/٤۸۷

۲۴۹۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "تهذیب التهذیب" ج/٤، ص/۲۳٦
محمد بن سیرین کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کتابت علم کو ناپسند فرماتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کتابوں کی وجہ سے گمراہ ہوئے جوان کو ورثہ میں ملیں۔
یوسف العش ، ڈاکٹر "تقید العلم" ص/٦۱

۲۵۰۔ ابن اثیر، عزالدین "اسد الغابة" مترجم:عبدالله بن عمرو بن العاص ، ج/۳ ، ص/۲۳۳

۲۵۱۔ احمد بن حنبل، الامام "المسند احمد بن حنبل" مسند عبدالله بن عمرو بن عاص ، ج/۲،

ص/ ۲۲۶ - ۱۵۸
۲۵۲۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ "الجامع البیان العلم وفضله" ج/ ۱، ص/ ۷۱ نیز احمد بن حنبل، الامام "المسند احمد بن حنبل" ج/ ۲، ص/ ۲۰۷
۲۵۳۔ ابن قتیبه، ابی محمد عبداللہ بن مسلم "تاویل مختلف الحدیث" ص/ ۳۶۵،
الحاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، نیسا بوری "المستدرک حاکم" ج/ ۱، ص/ ۱۰۵
۲۵۴۔ یوسف العش، دکتور "تقید العلم" ص/ ۸۲
ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ "الجامع البیان العلم وفضله" ج/ ۱، ص/ ۷۰
احمد بن حنبل، الا مام "مسند احمد بن حنبل" ج/ ۲، ص/ ۲۴۸، والاصابه ج/ ٤، ص/ ۱۱۲
ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "مقدمه فتح الباری" ج/ ۱، ص/ ۱۸٤
۲۵۵۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "تهذیب التهذیب" ج/ ۸، ص/ ٤۸ - ۵۵
۲۵۶۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "تهذیب التهذیب" ج/ ۸، ص/ ۵٤
ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ۲۔ ص/ ۱۲۵
۲۵۷۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "فتح الباری" باب کتابت علم و باب فکاك الاسیر، ج/ ۸، ص/ ۵٤
۲۵۸۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ۵۔ ص/ ۲۱۶
یوسف العش، دکتور "تقید العلم" ص/ ۱۳۶
۲۵۹۔ دارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن، "المسند دارمی" ج/ ۱، ص/ ۱۲۸
ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ٦۔ ص/ ۱۷۹
۲۶۰۔ ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ج/ ۵۔ ص/ ۲۱۶
۲۶۱۔ الذهبی "تذکرة الحفاظ" ج/ ۱، ص/ ۵ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تقریباً پانچ صد احادیث ایک کتاب میں جمع کی تھیں۔ پھر اس خدشہ کی بنا پر ان کو تلف کر دیا کہ مبادا انھوں نے کوئی ایسی چیز لکھ دی ہو جو انھیں اچھی طرح یاد نہ ہو۔
۲۶۲۔ ابن سعد "طبقات ابن سعد" ج/ ۵، ص/ ۳۹٦ کی روایت کے مطابق تحریر کیا ہے، اس لیے کہ طبقات ابن سعد ایک قدیم ترین ماخذ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اور نووی کے قول کے مطابق ہمام ۱۳۱ھ میں فوت ہوئے۔
۲۶۳۔ ''صحیفہ ہمام'' میں ان دونوں مخطوطوں پر تبصرہ ملاحظہ کیجیے۔ ص/ ۲۳ - ۲۱
۲۶۴۔ احمد بن حنبل، الامام "المسند احمد بن حنبل" ج/ ۲، ص/ ۳۱۹ - ۳۱۲
۲۶۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری" ج/ ۱، ص/ ۳٤، ۵٤، ٦٤، ۹۱ نیز ج/ ٤، ص/ ۵۹، ٦۳، ۸٦
۲۶۶۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، "تهذیب التهذیب"

ج/۱۱، ص/٦٧

۲٦۷۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب"
ج/۱۱، ص/٦٧، ١٠٦

۲٦۸۔ اسماعیل باشا بن محمد امین بن میر سلیم، البغدادی " الجامع الاخلاق الراوی واداب السامع"
ج/۸، ص/۱۱۲

۲٦۹۔ الذهبی، ابوعبدالله شمس الدین، محمد الذهبی "تذکرة الحفاظ " ج/۱، ص/٥

۲۷۰۔ یوسف العش، دکتور "تقید العلم" ص/٥٠
ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبدالله "الجامع البیان العلم وفضله " ج/۱، ص/٦٤
المتقی، علی بن حسام الدین، للعلامه علاؤ الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/٥، ص/٢٣٩

۲۷۱۔ الوهاب، عبدالطیف، المختصر فی رجال الاثیر" ص/۷۹

۲۷۲۔ حاشیه: سیوطی، مخطوطه جمع الجوامع حدیث نمبر ۱۹٦، ص/۱۰۸

۲۷۳۔ الحاکم، ابوعبدالله محمد بن عبدالله، نیسابوری، " المستدرک علی الصحیحین" ج/ ، ص/
حضرت ابوبکرؓ نے انسؓ کے نام ایک خط میں زکوٰۃ کے احکام تحریر کیے تھے جو نبی اکرمؐ نے (بحکم رب العزت) لوگوں پر فرض کیے

۲۷۴۔ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبدالله "جامع بیان العلم وفضله " ج/۱ ص/۷۲
المحدث الفاضل از رامرمزی مخطوطه ظاهریه حدیث نمبر ٤٠٠٠، مذکورہ حوالہ جات میں حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ قول منقول ہے کہ: ''لکھ کر علم کو محفوظ کر لیا کرو''
حضرت علیؓ بھی لکھنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ آپ کا یہ قول صحابہؓ میں عام اور مشہور تھا کہ لکھ کر علوم کو محفوظ کر لیا کرو، اس کے لیے دیکھیے ''تقید العلم'' ص/۹۰
الذهبی، ابوعبدالله شمس الدین، محمد الذهبی "تذکرة الحفاظ " ج/۱، ص/۲۹۲

۲۷۵۔ حاشیه : "جامع بیان العلم " ج/۱، ص/٦٧ و تقید العلم، ص/٤٦
عبیدہ بن عمرو سلمانی المرادی نے مرتے وقت اپنی تمام تحریریں طلب کیں اور ان کو یہ کہہ کر تلف کر دیا کہ ''مبادا یہ کسی کے ورثہ میں آئیں اور وہ ان کو غلط طور پر استعمال کرے۔ مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے:
ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ج/٦۔ ص/٦٣ نیز
عبدالبر، ابوعیر یوسف بن عبدالله "جامع بیان العلم وفضله " ج/۱ ص/٦٧
ابراہیم نخعی وابراہیم التیمی بھی کتابت کو ناپسند کرتے تھے۔ دیکھیے: سنن الدارمی، ج/۱، ص/۱۲۲
جابر بن زید کا نقطہ نظر بھی یہی تھا، ملاحظہ ہو۔

۲۷٦۔ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبدالله "جامع بیان العلم وفضله " ج/۲ ص/۳۱

۲۷۷۔ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبدالله "جامع بیان العلم وفضله " ج/۲ ص/۳۱
یوسف العش، دکتور "تقید العلم" ص/۲۰

۲۷۸۔ یوسف العش، دکتور "تقید العلم" ص/٤٣

۲۷۸۔ (الف) عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبدالله "جامع بیان العلم وفضله " ج/۱ ص/٦٥

۲۷۹۔ یوسف العش ، دکتور "تقید العلم" ص/٦٢

۲۸۰۔ عبدالبر ، ابوعمر یوسف بن عبداللہ "جامع بیان العلم وفضلہ " ج/١ ص/٧٣
یوسف العش ، دکتور "تقید العلم" ص/٩٩

۲۸۱۔ یوسف العش ، دکتور "تقید العلم" ص/٩٩
حدیث کے مشہور الفاظ: قَيِّدُ وَالْعِلْمَ بِالْكِتٰبِ ہیں

۲۸۲۔ یوسف العش ، دکتور "تقید العلم" ص/١٠٠

۲۸۳۔ الخطیب البغدادی ، ابوبکر احمد بن علی "تاریخ بغداد" ج/ ١١ ، ص/٢٣٢

۲۸۴۔ دارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن ، "المسند دارمی" ج/١، ص/١٢٨
یوسف العش ، دکتور "تقید العلم" ص/١٠٥

۲۸۵۔ دارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن ، "المسند دارمی" ج/١، ص/١٢٥

۲۸۶۔ طٰہٰ: ٥٢

۲۸۷۔ ابن سعد "طبقات ابن سعد " ج/٢ ، ص/١٣٤

۲۸۸۔ الکتانی، محمد بن جعفر، کتانی " الرسالۃ المستطرفۃ بیان مشهور کتب السنۃ المشرفۃ " ص/٤

۲۸۹۔ الکتانی، محمد بن جعفر، کتانی " الرسالۃ المستطرفۃ بیان مشهور کتب السنۃ المشرفۃ " ص/٤

۲۹۰۔ ابن عبدا لبر ، ابوعمر یوسف بن عبداللہ "جامع بیان العلم وفضلہ " ج/١ ص/٧٦

۲۹۱۔ الکتانی، محمد بن جعفر، کتانی " الرسالۃ المستطرفۃ " ص/٤

۲۹۲۔ ابن سعد "طبقات ابن سعد " ج/٢-٣ ، ص/١٣٥ نیز
ابوعبید القاسم بن سلام "کتاب الاموال " ص/٥٧٥ لکھتے ہیں کہ حکام سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز مراد ہیں، نیز دیکھیے
ابن عبدا لبر ، ابوعمر یوسف بن عبداللہ "جامع بیان العلم وفضلہ " ج/١ ص/٧٦

۲۹۳۔ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین محمد، الذہبی "تذکرۃ الحفاظ " ج/١ ، ص/١٠٣

۲۹۴۔ یوسف العش ، دکتور "تقید العلم" ص/١٠٨

۲۹۵۔ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین محمد، الذہبی "تذکرۃ الحفاظ " ج/١ ، ص/١٠٥

۲۹۶۔ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین محمد، الذہبی "تذکرۃ الحفاظ " ج/١ ، ص/١٠٥
ابن عبدا لبر ، ابوعمر یوسف بن عبداللہ "جامع بیان العلم وفضلہ " ج/١ ص/٦٧

۲۹۷۔ یوسف العش ، دکتور "تقید العلم" ص/٤٧

۲۹۸۔ ابن عبدا لبر ، ابوعمر یوسف بن عبداللہ "جامع بیان العلم وفضلہ " ج/١ ص/٧٢

۲۹۹۔ جبور عبدالنور" المعجم الادبی، ج/١ ، ص/١٩٤ دارالعلم للملایین بیروت الطبعۃ الاولیٰ ١٩٧٩ء

۳۰۰۔ خلیل بن احمد، ابوعبدالرحمٰن ،البصری ، الفراہیدی "کتاب العین " ج/٣ ، ص/٣٧٠

۳۰۱۔ جبور عبدالنور" المعجم الادبی، ج/١ ، ص/١٩٤

۳۰۲۔ المنجد ، عربی اردو ، ص/٩٣٩، دارالاشاعت کراچی نمبر١، اشاعت اول جنوری ١٩٦٠ء

۳۰۳۔ اصفہانی، حسین بن محمد الراغب ، اصفہانی " المفردات فی غریب القرآن " ص/

٣٠٤۔ التوبة :١٢٢

٣٠٥۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری " الصحیح البخاری " ج/١،ص/٢٥ طبع ترکی

٣٠٦۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی، الامام " جامع الترمذی" باب العلم ، ٥/٢٨
العلامة اشفاق الرحمٰن کاندھلوی "کشف المحظا عن وجه المؤطا " باب ما جاء فی اهل القدر ص/٧٠٤، طبع کراچی
احمد بن حنبل، امام ، "المسند امام احمد" ج/٤ ، ص/٩٢

٣٠٦۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی، الامام " جامع الترمذی" باب العلم ، ٥/٣٠
دارمی،ابومحمد عبدالله بن عبدالرحمٰن ،"سنن دارمی" ج/١،ص/٢٥

٣٠٧۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی، الامام " جامع الترمذی" باب العلم ،ج/٥، ص/٣٤
ابوداو'د، سلیمان بن اشعث السجستانی " سنن ابوداو'د " باب فی فضل العلم ، ج/٢ ص/١٢٦ طبع بیروت

٣٠٨۔ الشیخ محب الله " فواتح الرحموت علی بامش المصطفیٰ " ج/١ ، ص/١٠ ، طبع بیروت

٣٠٩۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام "احیاء العلوم الدین" ج/١ ،ص/٣٢

٣١٠۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام "احیاء العلوم الدین" ج/١ ،ص/٣٢

٣١١۔ الشیخ محب الله " فواتح الرحموت علی بامش المصطفیٰ " ج/١ ، ص/١٠ ، طبع بیروت

٣١٢۔ البقرة :٢٧٩

٣١٢۔ النساء :٢٩

٣١٣۔ الشوکانی، ارشاد الفحول من علم الاصول ، ص/٣ ،طبع مصر ١٩٣٧ء
المفردات درکلمه ۔ ابوزهره ، اصول ، ص/٦٠٥ ، دارالفکر

٣١٤۔ ابراهیم :١

٣١٥۔ الاستاذ الشیخ عبدالوهاب خلاف " اصول فقه " ص/٢٨٦
محمد سلام مدکور المدخل للفقه الاسلامی ، ص/٧٥۔ ٢٧

٣١٦۔ احمد مصطفی زرقاء ، دکتور " الفقة الاسلامی فی ثوبه الجدید " ف/٤٩

٣١٧۔ ابن قیم ، ابوعبدالله محمد بن ابوبکر ابن قیم الجوزیه "اعلام الموقعین " ج/١ ، ص/٦١
احمد مصطفی زرقاء ، دکتور " الفقة الاسلامی فی ثوبه الجدید " ف/٥٠

٣١٨۔ احمد مصطفی زرقاء ، دکتور " الفقة الاسلامی فی ثوبه الجدید " ف/٥٠

٣١٩۔ احمد مصطفی زرقاء ، دکتور " الفقة الاسلامی فی ثوبه الجدید " ف/٥٠

٣٢٠۔ محمد سلام ، مدکور "المدخل الی الفقة الاسلامی " ص/٨٢

٣٢١۔ الانفال :٤١

٣٢٢۔ ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی " سنن ابن ماجه " کتاب الحدود ، باب الستر علی المؤمن ودفع الحدود بالشبهات ، حدیث / ٢٥٤٥ ج/٢،ص/٣٧٩

۳۲۳۔ الحشر :۷۔۱۰

۳۲۴۔ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " فتح الباری " ج/۶ ، ص/۳۸

ابویوسف ، یعقوب بن ابراھیم، قاضی "کتاب الخراج " ص/۳۳

۳۲۵۔ احمد مصطفی زرقاء ، دکتور " الفقة الاسلامی فی ثوبه الجدید " ف/۵۳

حسن الساذی ، دکتور " المدخل للفقه اسلامی " ص/۱۲۹

۳۲۶۔ الحشر :۱۰

۳۲۷۔ احمد مصطفی زرقاء ، دکتور " الفقة الاسلامی فی ثوبه الجدید " ف/۵۳

۳۲۸۔ العامه اشفاق الرحمٰن کاندھلوی "کشف المخطا عن وجه الموطا " ص/۶۹۴

ابوزھرہ ،" اصول الفقه " ص/۹

۳۲۹۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری " الصحیح لمسلم "کتاب الحدود،حدیث /۱۳۳۱، تحقیق محمد فار عبدالباقی بیروت

۳۳۰۔ العامه اشفاق الرحمٰن کاندھلوی "کشف المخطا عن وجه الموطا " ص/۵۳۰

البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری " الصحیح البخاری " باب والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن ج / ۳ ، ص/۸۰۴۔۸۰۵

۳۳۱۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری " الصحیح البخاری " حدیث / ۱۶۱۱

۳۳۲۔ مصنف عبدالرزاق ج/۶ ،ص/۴۷۲

۳۳۳۔ ابوزھرہ " اصول الفقه " ص/۹۔۱۰۰

۳۳۴۔ القنوجی، صدیق بن حسن ، علامه " ابجد العلوم " الجزء / ۲ ، ص/۱۳۔۸ ، المکتبة القدوسیة ، ۱۸۔ اردو بازار ۔ لاھور ۔ پاکستان

۳۳۵۔ الحجرات :۱۳

۳۳۶۔ ’’الصحاح ستة "کتاب الشعر ج/۳۔۴ ، ص/۱۴۹۔۱۵۰، مکه پبلشنگ کمپنی ، لاھور

۳۳۷۔ الحجرات :۱۳

۳۳۸۔ ’’الصحاح ستة "کتاب الشعر ج/۳۔۴ ، ص/۱۴۹، مکه پبلشنگ کمپنی ، لاھور

۳۳۸۔ (الف)مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری " الصحیح لمسلم "کتاب الفضائل، ج/۶، ص/۱۵۹۔۱۶۲ ناشر خالد احسان پبلشرز ، لاھور

(ب) مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری " الصحیح لمسلم "کتاب الفضائل، ج/۶، ص/۱۵۹۔۱۶۲، ناشر خالد احسان پبلشرز ، لاھور

۳۳۸۔ (ج) مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری " الصحیح لمسلم "کتاب الفضائل، ج/۶، ص/۱۵۹۔۱۶۲ ناشر خالد احسان پبلشرز ، لاھور

۳۳۹۔ السمعانی ، عبدالکریم بن محمد بن منصور التیمی "الانساب " الجز / ۱ ، ص/۲۷۳، دارالکتب

العلمية ، طبعة الاولیٰ بیروت ، لبنان ۱٤٥٠ھ / ۱۸۸

۳۴۰۔ بغدادی ، علامہ ، کشف الظنون ،ص/۱۷۸۔ ۱۷۹

۳۴۱۔ اردودائرہ معارف اسلامیہ ۱۳/۱، ۳۰۹

۳۴۲۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "الجامع البیان فی تفسیر القرآن" ج/۱۷، ص/۱۲۹

۳۴۳۔ الجوهری " الصحاح " مقدمه ج /۱ ، ص /۲۸

البغدادی ، اسماعیل باشا بن محمد امین بن میر سلیم البغدادی " ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون " ج/۲، ص/۱۰۷

یاقوت بن عبدالله الحموی البغدادی "معجم الادباء " ج/۱ ، ص/۷۳

۳۴۴۔ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان " ج/۱، ص/۲۸

۳۴۵۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست " ص/٤۲

۳۴۶۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، ابن خلدون "تاریخ ابن خلدون" ج/۱ ،ص/٤۸۲

۳۴۷۔ جرجی زیدان " تاریخ آداب اللغة العربیة " ج/۲ ، ص/۱٤٤

۳۴۸۔ "اخبار الخویین البعریین " ص/۳۸

۳۴۹۔ السمعانی ، عبدالکریم بن محمد بن منصور التیمی "الانساب " ج/۱ ، ص/٤۲۱

۳۵۰۔ النووی ، ابی زکریا محی الدین بن شرف النووی "تهذیب الاسماء واللغات" ج/۱، ص/۱۷۷

ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/۳، ص/۱۶۳

۳۵۱۔ اردودائرہ اسلامیہ ۱/۱۴۰ ، ''علم نحو'' ص/۲۰۴

۳۵۲۔ تاج العروس ۱۰، ص/ ۳٦۰

۳۵۳۔ ابن منظور ،لسان العرب ۲۰:۱۸۱

۳۵۴۔ اردودائرہ معارف اسلامیہ ج/۱،ص/۱۴۰ علم نحو ص/۲۰۴،۲۰۵

۳۵۵۔ الکتانی،عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبویة" التراتیب الاداریه والعمالات والصناعات والمتاجروالحالة العلمیة ، ج/۲، ص/۲۷۲

۳۵۶۔ الکتانی،عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبویة" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجروالحالة العلمیة ، ج/۲، ص/۲۷۲

۳۵۷۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/۳۰۵

۳۵۸۔ احمد حسن زیات ''تاریخ ادب العربی'' ص/۳۰۴۔۳۰۵

۳۵۹۔ اردودائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۱،ص/۵۰۵

۳۶۰۔ طٰهٰ: ۲۰

۳۶۱۔ ابن منظور "لسان العرب " ج/٦ ، ص/۳۸۹۔ ۳۹۰

۳۶۲۔ الصحاح ج/۲، ص/٦۹۱

۳۶۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱،ص/۱۴۱،''علم السیر ۃ'' ص/۱۷۴

۳۶۴۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللّٰه " الجامع البیان العلم وفضله " ص/ ١٣٦

۳۶۵۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست " ص/ ٢٤٤

۳۶۶۔ محمد حسین الذهبی " میزان الاعتدال" ج/ ، ص/

۳۶۷۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللّٰه " الجامع البیان العلم وفضله "

۳۶۸۔ ابن سعد " الطبقات ابن سعد " جز/ ٢ ، ص/ ١٣٣

۳۶۹۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/ ١٢،
ص/ ٤٣٨-٤٣٩

۳۷۰۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" جز/ ٢ ، ص/ ١٣٤

۳۷۱۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر" تهذیب التهذیب" ج/ ١٠ ،
ص/ ٣٦٠

۳۷۲۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/ ٩، ص/ ٣٨-٤٦

۳۷۳۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/ ٩، ص/ ٣٨-٤٦

۳۷۴۔ عنایت الله ، ڈاکٹر " تاریخ ابن خلدون " ص/ ٢٠

۳۷۵۔ حاجی خلیفه "کشف الظنون" ج/ ٢ ، ص/ ١٠١٢-١٠١٦

۳۷۶۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/ ٩ ، ص/ ٤٤٥

۳۷۷۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/ ١٠ ،
ص/ ٢٦٠-٢٦٤

۳۷۸۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن " اعلان بالتوبیخ " ص/ ١٨٨

۳۷۹۔ شبلی نعمانی، مولانا ''سیرۃ النبیؐ ''ج/۱،ص/۳۶

۳۸۰۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن " اعلان بالتوبیخ " ص/ ١٩٠

۳۸۱۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن " اعلان بالتوبیخ " ص/ ١٩١

۳۸۲۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن " اعلان بالتوبیخ " ص/ ١٩٦-١٩٧

۳۸۳۔ ابن الهیثم " محاضرات ابن الهیثم التذکاریه " ج/ ٣ ، ص/ ٣

۳۸۴۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست " ص/ ٥٠٧-٥٠٨

۳۸۵۔ اکسیر قدماء کے خیال میں ایک ایسا مرکب مادہ ہے جو سستی معدنیات کو سونے میں تبدیل کر دیتا ہے۔

۳۸۶۔ فروخ ، عمر فروخ " تاریخ الادب العربی " ص/ ٨٠

۳۸۷۔ ابن الندیم ، محمد بن اسحاق "کتاب الفهرست " ص/ ٥٠٧، ٥٠٨

۳۸۸۔ مرحبا، عبدالرحمٰن "الموجز فی تاریخ العلوم العرب"

۳۸۹۔ ابن الهیثم " محاضرات ابن الهیثم التذکاریه " ج/ ٣ ، ص/ ٤

۳۹۰۔ ابن الهیثم " محاضرات ابن الهیثم التذکاریه " ج/ ٣ ، ص/ ٥

۳۹۱۔ Holmyard, E.T. "Makers of Chemistry" P:43

۳۹۲۔ ابن الندیم "کتاب الفہرست" ص/ ۳۳۸۔ ۳۹۳۔ ۳۳۷

ابن خلدون نے مقدمہ ۱۳۰۸ء میں یہ بحث اٹھائی ہے کہ خالد بن یزید اموی کی طرف ان کتابوں کا انتساب درست نہیں ہے ، کیوں کہ اسلام کی پہلی صدی میں جب کہ عرب ہنوز بدویت سے نہیں نکلے تھے ان سے ایسی سائنسی کتب کے تراجم وتصانیف بعید از قیاس ہیں۔ ان کتابوں کے مصنف کوئی دوسرا شخص ہے جو خالد بن یزید کا ہم نام ہے۔ غالبًا ابن خلدون کا اشارہ سپین کے طبیب خالد بن یزید بن زمان اصبعہ (۵۹۶ھ ۔ ۶۶۸ھ / ۱۲۰۰۔ ۱۲۷۰م) کی طرف ہے لیکن ابن الندیم (۳۷۷/۹۸۸ء) جو کہ ابن خلدون (۸۰۹ھ/۱۴۰۶ھ) سے چار صدیاں پہلے ہو گزرا ہے، کی روایت زیادہ قابل اعتماد ہے نیز الجاحظ ف (۲۵۵ھ / ۸۶۹) ا: ۳۱۴، اصفہانی ت (۳۵۶ھ/۱۰۷۰ء) ''الآغانی ''۱۲: ۸۸

ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" ص/ ۷۵

ابن خلکان ت (۷۰۹ھ / ۱۳۰۹ء) ، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء الزمان" ج/ ۵، ص/ ۱۴٦

ابن لقفطی ،جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء" (۷۰۹ھ/۱۳۰۹) الفخزی ، ۸۷۔ ۸۸ اور حاجی خلیفہ ۱۰٦۷ھ (۱٦۵۷ء) ۲: ۱۵۳ کی بھی یہی رائے ہے

۳۹۳۔ Sinoger C, "A Short History of Science" P:132

Gibbon "Roman Empire" P:415

۳۹۴۔ Holmyard, E.T. "Makers of Chemistry" P:84

۳۹۵۔ البغدادی ،سماعیل باشا بن محمد امین بن میر سلیم ، البغدادی "ایضاح المکنون فی الذیل علیٰ کشف الظنون عن أسامی الکتب والغنون"

۳۹٦۔ ابن القفطی ، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء" ص/ ۱۸۸

۳۹۷۔ ابن الندیم "کتاب الفہرست" ص/ ٤۵۱

آئین اکبری ص/ ۳۵ ، س ۱٤

۳۹۸۔ ابن القفطی ، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء" ص/ ۱۸۸

۳۹۹۔ برامکان، ج/ ۱ ، ص/ ٦۷ ، تکملہ ص/ ۱ ، ج/ ۱۰٦

۴۰۰۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب''

۴۰۱۔ جابر بن حیان "الخواص الکبیر" ص/ ۳۲۳

۴۰۲۔ Sorton G , "Introduction to the History of Science" Vol:1, P:532

Khair Allah , "Outlines of Arabic Contribution of Medicines and the Allied Science", P:147

۴۰۳۔ Sorton G , "Introduction to the History of Science" Vol:1, P:532

Khair Allah , "Outlines of Arabic Contribution of Medicines and the Allied Science", P:147

۴۰۴۔ ابن القفطی ، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء" ص/ ۱۱۲

۴۰۵۔ ابن ابی اصیبعہ "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" ج/ ۱ ، ص/ ۱۲۳

۴۰۷۔ ابن ابی اصیبعه "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" ج/ ۱ ، ص/ ٦٢١
۴۰۸۔ شوکة الشطی، ڈاکٹر "تاریخ طب" ص/ ١٦٧، ١٦٨، ١٦٩
۴۰۸۔ شوکة الشطی، ڈاکٹر "تاریخ طب" ص/ ١٦٧، ١٦٨، ١٦٩
۴۰۹۔ ایڈورڈ.جی براؤن، ''طب العرب'' ص/۲۰۰،
اردو دائرہ معارف اسلامیہ ''طب العرب'' ص/۱۴
۴۱۰۔ ایڈورڈ.جی براؤن، ''طب العرب'' ص/۲۰۰، ترجمہ وتنقید حکیم نیر واسطی، ص/۲۰۱
۴۱۱۔ ابن خلدون، عبدالرحمن، ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ص/۵۹، مطبوعہ بولاق
۴۱۲۔ جر.جی زیدان ''تاریخ التمدن الاسلامی'' ج/۳، ص/۴۸
۴۱۳۔ ابن ابی اصیبعه "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" ج/ ۱ ، ص/ ٣١٦
۴۱۴۔ ابن ابی اصیبعه "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" ج/ ۱ ، ص/ ٤
۴۱۵۔ ابو الفرخ الملطی "المختصر الدول" ص/ ٢٥١ مطبوعه بیروت
۴۱۶۔ ابن ابی اصیبعه "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" ج/ ۱ ، ص/ ٢٤٩
۴۱۷۔ جرجی زیدان "تاریخ التمدن الاسلامی" ج/ ٣ ، ص/ ١٤٦
۴۱۸۔ ابن ابی اصیبعه "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" ج/ ۱ ، ص/ ١٣٨
۴۱۹۔ ابن ابی اصیبعه "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" ج/ ۱ ، ص/ ١٣٥
۴۲۰ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱/۱۴، ص/۳۵۰
۴۲۱ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱/۱۴، ص/۳۵۱
۴۲۲ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱/۱۴، ص/۳۵۱
۴۲۳ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱/۱۴، ص/۳۵۲
۴۲۴ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱/۱۴، ''علم طب'' ص/۳۵۱
۴۲۵ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱/۱۴، ''علم طب'' ص/۳۵۲
۴۲۶ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱/۱۴، ''علم طب'' ص/۳۵۴
۴۲۷۔ ابن ابی اصیبعه "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" ج/ ٢ ، ص/ ١٠١
۴۲۸۔ جرجی زیدان "تاریخ التمدن الاسلامی" ج/ ٣ ، ص/ ٣
۴۲۹۔ جرجی زیدان "تاریخ التمدن الاسلامی" ج/ ٣ ، ص/ ٨٠
۴۳۰۔ جرجی زیدان "تاریخ التمدن الاسلامی" ج/ ٣ ، ص/ ١٣٩
۴۳۱۔ جرجی زیدان "تاریخ التمدن الاسلامی" ج/ ٣ ، ص/ ٢٠٦
۴۳۲۔ ابو الفرخ "مختصر الدمل" ص/ ٢٢٧ ، مطبوعه لیپك
۴۳۳۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' زبان وفلسفہ وتاریخ، مفصل اول عربی، ص/۴۸۹، ۴۸۸
۴۳۴۔ احمد حسن زیات ''تاریخ الادب العربی'' مترجم: عبدالرحمن طاہر سوتی، ص/۲۴،
۴۳۵۔ حمید الدین ڈاکٹر ''تاریخ اسلام'' ص/۲۷۹

۴۳۶۔ حمیدالدین ڈاکٹر ''تاریخ اسلام'' ص/۲۱۵

۴۳۷۔ ''اسلامی انسائیکلو پیڈیا'' رسم الخط ص/۹۰۰۔۸۹۹

۴۳۸۔ ''اسلامی انسائیکلو پیڈیا'' رسم الخط ص/۹۰۰۔۸۹۹

۴۳۹۔ جرجی زیدان "تاریخ التمدن الاسلامی" ج/۳، ص/۵۵، قاهره

۴۴۰ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص/۳۴۷

۴۴۱۔ الزرکشی، ابوعبدالله محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۳۸۹۔۴۰۸

۴۴۲۔ الحجر:۱۵

۴۴۳۔ حم سجده :۴۲

۴۴۴۔ الزرکشی، ابوعبدالله محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۳۸۹۔۴۰۸

۴۴۵۔ الفجر:۱۵

۴۴۶۔ الفجر :۸۹

۴۴۷۔ البقرة:۱۸۶

۴۴۸۔ الشوریٰ:۲۴

۴۴۹۔ القمر:۶

۴۵۰۔ البقرة:۴۰۔ ۴۱۔ ۱۵۲

۴۵۱۔ المائدة: ۳

۴۵۲۔ الاعراف:۱۹۵

۴۵۳۔ ابن الانباری "کتاب ایضاح الوقت والابتداء" ج/۱، ص/۲۵۰۔ ۲۵۶، دمشق ۱۹۷۱ء

۴۵۴۔ الزرکشی، ابوعبدالله محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۳۸۷۔ ۳۸۱

۴۵۵۔ الزرکشی، ابوعبدالله محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۴۱۰۔ ۴۰۹

۴۵۶۔ الزرکشی، ابوعبدالله محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱

۴۵۷۔ الزرکشی، ابوعبدالله محمد بن بهادر عبدلله "البرهان فی علوم القرآن" ج/۱، ص/۳۷۶۔ ۳۸۰

۴۵۸۔ احمد حسن زیات، استاذ ''تاریخ الادب العربی'' ص/۱۴۹۔۱۵۰، مترجم: عبدالرحمن طاہر سورتی، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ لاہور ،۱۹۶۱ء

۴۵۹۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر، البلاذری "فتوح البلدان" ص/۴۵۸

۴۶۰۔ القابسی "التعلیم عندالقابسی" ص/۴۵۸
خلیل طوطه "الترتیب عند القابسی" ص/۸۷

۴۶۱۔ القابسی "التعلیم عندالقابسی" ص/۲۲

۴۶۲۔ اصفهانی، حسین بن محمد الراغب، اصفهانی "کتاب الآغانی" ص/۱۰۶

۴۶۳۔ ابن سخون "آداب المعلمین" ص/۲۳

۴۶۴۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری" ص/۲۶

۴۶۵۔ الخطیب البغدادی، ابوبکر احمد بن علی "تاریخ بغداد" ص/۴۱۵۔۴۱۶

ابن الاثیر عزالدین ابی الحسن ، علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری "الکامل فی التاریخ" ص/۱٤۷

۳۶۶۔ النووی ، ابی زکریا محی الدین بن شرف النووی "تهذیب الاسماء واللغات" ص/۸٤۸

۳۶۷۔ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء الزمان" ص/۲۵۱

۳۶۸۔ ابن الاثیر عزالدین ابی الحسن ، علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری "الکامل فی التاریخ" ص/۱۰۷

۳۶۹۔ امیر علی سید "سپرٹ آف اسلام" ص/۲۵۵

۳۷۰۔ ابن عبدون "کتاب الشکواء جنرل ایشاٹك" ص/۵۰ ، ۱۹۳۰ء

۳۷۱۔ ابن هشام، ابومحمد عبدالملك "السیرة النبویة" ص/۱۱۹

۳۷۲۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ص/۹۲

۳۷۳۔ Amer Ali Syed " A Short History of the Sarasencs" P:569

۳۷٤۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد المقریزی " نضح الطیب" ص/۱۱٤۲

۳۷۵۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد المقریزی " نضح الطیب" ص/۱۱٤۳

۳۷۶۔ F: Rsenthal, The knowledge Triumphant " ,P:340

۳۷۷۔ Gold Ziher "Ency of Religion and Education Muslim Ethies " ,P:198-207

۳۷۸۔ العلق :۱۔۱۵

۳۷۹۔ آل عمران :۱٦٤

۳۸۰۔ شبلی نعمانی "سیرۃ النبی" ج/۲،ص/۸۸ ،مطبوعہ اعظم گڑھ

۳۸۱۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی "سنن ابوداؤد" ج / ۲ ص / ۱۲۹، مطبوعه دهلی

۳۸۲۔ احمد بن حنبل، امام، "المسند امام احمد" ج/۱، ص/۲۴۷، مطبوعہ قاہرہ

۳۸۳۔ الکتانی،عبدالحئ بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، کتانی "نظام الحکومة النبویة" التراتیب الاداریه والعمالات والضاعات والمتاجروالحالة العلمیة ، ج/۲، ص/۲۳۵، طبع بیروت

۳۸٤۔ المتقی، علی بن حسام الدین "کنز العمال فی سنن اقوال والافعال" ج/۱ ،ص/۲۱۷

۳۸۵۔ المبرد "الکامل" ج/۲، ص/٤۰، مطبوعه قاهره

۳۸۶۔ اصفهانی، حسین بن محمد الراغب ، اصفهانی "کتاب الآغانی" ج/۱، ص/۲۱۷

۳۸۷۔ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء الزمان" ج/۱ ، ص/۲۹۷، مطبوعه قاهره

۳۸۸۔ ابن قتیبه، ابی محمد عبدالله بن مسلم "تاویل مختلف الحدیث" ص/۱۸۵ ، مطبوعه قاهره

۳۸۹۔ احمد امین "صبحی الاسلام" ج/۲ ، ص/۵۰۔۵۲ مبطوعه قاهره ، ۱۹۳۵ء

۳۹۰ ریاست علی ندوی "اسلامی نظام تعلیم" ص/۳۷۔۳۸

۳۹۱۔ سید سلیمان ندوی "مسلمانوں کی آئندہ تعلیم" ص/۴۲

۳۹۲۔ احمد امین "ضحی الاسلام" ج/۲ ، ص/۵٤ مبطوعه قاهره ، ۱۹۳۵ء

۴۹۳۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ٤٥٧

۴۹۴۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ٤٥٧

۴۹۵۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ٤٥٧۔٤٥٨

۴۹۶۔ النووی ، ابی زکریا محی الدین بن شرف النووی "تهذیب الاسماء واللغات" ص/ ٧٣

نوشت وخواند کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ خصوصاً اولوالعزم لوگوں کے لیے جو نئے دور میں اعلیٰ عہدوں کے خواہش مند تھے۔ نئے محکمے قائم ہوجانے سے بہت سی انتظامی آسامیاں قائم ہوئیں تو لکھے پڑھے آدمیوں کی ضرورت ہوئی۔ جب ''دیوان الخراج'' میں مالیات کا ترجمہ عبدالملک اوراس کے بیٹے ولید کے عہد میں ہواتو پڑھے لکھے لوگوں کے لیے اورآسامیاں نکلیں۔ علاوہ ازیں اس فن کوزیادہ اہمیت اس وجہ سے بھی حاصل ہوئی کہ نابینا محدثین بوجہ لکھنا پڑھنا نہ جاننے کے ناقابل اعتماد سمجھے جانے لگے۔

۴۹۷۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "رسالة المعلمین" قلمی نسخه

جاحظ کا قول ہے: '' یہ قلم یہی ہے جو ہم تک ماضی کا علم پہنچاتا ہےاور آنے والوں کے لیے زمانہ حال کو محفوظ کردیتا ہے۔ قلم کی ''دیوان'' میں بھی اشد ضرورت ہےاوروہ بادشاہ کے لیے بھی بے حد ضروری ہے۔ اس کی مدد سے وہ مختلف صوبوں کی خبریں حاصل کرتا ہےاور پھراسی کی مدد سے احکامات جاری کرتا ہے۔

۴۹۸۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ١٤٧، ٤٥٩

۴۹۹۔ المبرد "الکامل " ج/ ١ ، ص/ ١٧١

۵۰۰۔ احمد شبلی، ڈاکٹر ''تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ'' ص/ ۵۳

۵۰۱۔ فلپ، کےہتی ''دی ہسٹری آف عربس''

۵۰۲۔ احمد امین "ضحی الاسلام" ج/ ٢ ، ص/ ٥٠

۵۰۳۔ ابن جبیر "الرحلة " ص/ ٢٧٢

۵۰۴۔ ابن بطوطه ، بوعبدالله ، شرف الدین محمد بن عبدالله " تحفة النظار " ج/ ١ ، ص/ ٢١٣

۵۰۵۔ احمد شبلی، ڈاکٹر ''تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ'' ص/ ۵۵۔۵۴

ابن خلدون، عبدالرحمٰن ، ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ص/ ۳۹۸

۵۰۶۔ " Encyclopedia of Religion and Ethics "

ابن عربی ''احکام القرآن'' ج/۲، ص/۲۱۹

۵۰۷۔ ابن عربی ''احکام القرآن'' ج/۲، ص/۲۹۱

۵۰۸۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر "الاتقان فی علوم القرآن " ج/ ٢، ص/ ٢٠٨

۵۰۹۔ احمد بن حنبل، امام ''المسند امام احمد'' ج/۵، ص/۳۱۵

۵۱۰۔ Muir, "The Life of Muhammad"

۵۱۱۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن ، ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ص/ ۳۱۳

۵۱۲۔ قزوینی ''اثرالبلاد'' ص/ ۶۵

۵۱۳۔ ابن عبدون مهمد التجیبی " جنرل ایشاٹك " ص/ ٢١٤ ، ١٩٣٤ء

۵۱۴۔ طلب الحسبه، ص/ ١٠٣، قرشی ، معالم القربه ، ص/ ١٧٠

۵۱۵۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ ''الجامع البیان العلم وفضلہ'' ص/۱، ص/۹۸

۵۱۶۔ یاقوت ، بن عبداللہ الحموی "معجم الادباء" ج/٤ ، ص/٢٧٢

۵۱۷۔ یاقوت ، بن عبداللہ الحموی "معجم الادباء" ج/١ ، ص/١٤١،١٥٢

۵۱۸۔ ابن حوقل ، ابوالقاسم محمد ،ابن حوقل "کتاب صورت الارض" ج/١ ، ص/١٢٦

۵۱۹۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/٢، ص/٩٢

۵۲۰۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/٢، ص/ ٩٢-٩٣

۵۲۱۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام "احیاء العلوم الدین" ج/٣ ،ص /٥٧

۵۲۲۔ ابن مسکویہ "تہذیب الاخلاق" ص/٢٠

۵۲۳۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' ج/۳،ص/۳۶۰

۵۲۴۔ اصفہانی، حسین بن محمد الراغب ، اصفہانی "کتاب الآغانی" ج/١٨، ص/١٠١

۵۲۵۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن ،ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ص/۳۹۹-۳۹۷

۵۲۶۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/٢، ص/ ٩٢

۵۲۷۔ ابن عبد ربہ "العقد الفرید" ج/١ ، ص/٢٦٣

۵۲۸۔ اصفہانی، حسین بن محمد الراغب ، اصفہانی "کتاب الآغانی" ج/١، ص/٢٩

۵۲۹۔ یاقوت ، بن عبداللہ الحموی "معجم الادباء" ج/٥ ، ص/١٢٦-١٢٥

۵۳۰۔ یاقوت ، بن عبداللہ الحموی "معجم الادباء" ج/٥ ، ص/١٢٦-١٢٥

۵۳۱۔ یاقوت ، بن عبداللہ الحموی "معجم الادباء" ج/٥ ، ص/١١٠-ایڈیشن مارگولیتھ

۵۳۲۔ ابن عبد ربہ "العقد الفرید" ج/١ ، ص/٢٦٣

۵۳۳۔ اصفہانی، حسین بن محمد الراغب ، اصفہانی "محاضرات الادبا" ج/١، ص/٢٩

۵۳۴۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن ،ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' ص/۳۹۹
البیهقی "المحاسن والمساوہ" ص/٢١٧

۵۳۵۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد المقریزی "کتاب خطط مصر" ج/١، ص/٤٤٣-٤٤٤

۵۳۶۔ ابن الانباری ''طبقات الادباء'' ج/۱،ص/۲۵۷

۵۳۷۔ ابن جماعہ، بدرالدین بن جماعہ "تذکرة السامع والمتکلم" ص/٢١١

۵۳۸۔ احمد امین "ضحی الاسلام" ج/٢ ، ص/٢٥٢

۵۳۹۔ ابن الانباری ''طبقات الادباء'' ص/۱۰-۴

۵۴۰۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/١، ص/ ٦٨

۵۴۱۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/١، ص/ ٤

۵۴۲۔ ابن قتیبہ "عیون الاخبار" ج/٢، ص/١٥٩ ،ادب المجالسہ
ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ، غیر مطبوعہ،

۵۴۳۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/٢، ص/ ٥

٥٤٤- الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البيان والتبيين" ج/٢، ص/ ١١٢
٥٤٥- ابن قتيبه "عيون الاخبار" ج/٢، ص/١٥٨
ابن عبدالبر، ص/٥٥
٥٤٦- ابن عبد ربه "العقد الفريد" ج/ ٢ ، ص/ ٢٠-١٨
٥٤٧- ابن خلدون، عبدالرحمن، ابن خلدون "مقدمه ابن خلدون" ص/٣٠٦
ابن قتيبه "عيون الاخبار" ج/٢، ص/١٥٩
٥٤٨- الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البيان والتبيين" ج/٢، ص/ ٣-٥
٥٤٩- ابن الانباری "طبقات الادباء" ص/٨٣-٨٤
٥٥٠- ابـن خلكان، ابی عباس شمس الدين احمد بن محمد بنابی بكر ، ابن خلكان "وفيات الاعيان وانباء الزمان" ج/١، ص/٥٤٩
٥٥١- ابن النديم "كتاب الفهرست" ص/٦٦
٥٥٢- ابن النديم "كتاب الفهرست" ص/٦٧
٥٥٣- ابن النديم "كتاب الفهرست" ص/٧٢
٥٥٤- ابن النديم "كتاب الفهرست" ص/٧٣
٥٥٥- " Encyclopedia of Education"
٥٥٦- " The History of the Arabs"
٥٥٧- ابن عبد ربه "العقد الفريد" ج/ ٢ ، ص/ ١٨
٥٥٨- ابن عبد ربه "العقد الفريد" ج/ ٢ ، ص/ ١٩
٥٥٩- ابن عبد ربه "العقد الفريد" ج/ ١ ، ص/ ٣٦٥
٥٦٠- ابن الانباری "طبقات الادباء" ص/٨٣-٨٤
٥٦١- اصفهانی، حسين بن محمد الراغب ، اصفهانی "كتاب الآغانی" ج/٣، ص/٢٦
٥٦٢- ابن الانباری "طبقات الادباء" ص/٨٣-٨٤
٥٦٣- ياقوت ، بن عبدالله الحموی "معجم الادباء" ج/ ٦ ، ص/٣٦٩
٥٦٤- ابن النديم "كتاب الفهرست" ص/٨٦
٥٦٥- ابن النديم "كتاب الفهرست" ص/٦٦، ٦٩، ١٢٢
٥٦٦- بشاری "احسن التقاسيم" ص/١٥٨
٥٦٧- اصطخری "مسالك الابصار" ج/١، ص/١٨٨
٥٦٨- بشاری "احسن التقاسيم" ص/١٥٨
٥٦٩- اصطخری "مسالك الابصار" ج/١، ص/١٨٩-١٨٨
٥٧٠- البلاذری، احمد بن يحيیٰ بن جابر شهير ، البلاذری "فتوح البلدان" ص/١٠٧
٥٧١- اصطخری "مسالك الابصار" ص/ ٦٠

البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ۱۰۸

۵۷۲۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ۱۰۷

۵۷۳۔ اصطخری " مسالك الابصار " ج/ ۱ ، ص/ ۱۸٦

۵۷۴۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر شهیر ، البلاذری "فتوح البلدان " ص/ ۱۰۸

۵۷۵۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/ ۲۵۱

۵۷۶۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/ ۳۰۴۔۳۰۳

۵۷۷۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/ ۳۰۴۔۳۰۳

۵۷۸۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/ ۲۸۰، ۲۷۳، مقبول اکیڈمی لاہور

۵۷۹۔ لیبان، گستاؤلی ''تمدن عرب'' ص/ ۳۲۸۔۳۲۷

۵۸۰۔ البکری ''المغرب فی ذکر بلادِ افریقہ والمغرب'' ص/ ۲۳۔۲۲

۵۸۱۔ زکی محمد حسین ''فنون اسلام'' ص/ ۴۳

حسن ابراہیم حسن، دکتور ''تاریخ اسلام''

السیاسی، والدینی والثقافتی والاجتماعی'' ج/ ۱، ص/ ۵۲۸۔۵۲۷

۵۸۲۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری " تاریخ طبری " حصه / ۵، ص/ ۳۷۰

شبلی احمد، دکتور " تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیه " ص/ ۹۳ ۔ طبع ۱۹۸۹ء

۵۸۳۔ ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ''

۵۸۴۔ ابن حزم ، ابومحمد علی بن احمد بن حرم ، الاندلسی " جمهرة الانساب العرب " ص/ ۱۸

۵۸۵۔ ابن ماجه ، بوعبدالله محمد بن یزید ، ابن ماجه " سنن ابن ماجه " فضل ابن عباسؓ ص/ ۷۸

۵۸۶۔ الترمذی، محمد بن عیسٰی ترمذی، الامام "شمائل ترمذی " مناقب عبدالله بن عباس ، ج / ۱، ص / ۲۲۳

"مشکوة المصابیح" مناقب عبدالله بن عباسؓ ، ص/ ۵٦۹

مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری " الصحیح لمسلم " مناقب عبدالله بن عباسؓ ج / ۲، ص/ ۲۲۳

۵۸۷۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " فتح الباری" ص/ ۱۳۸، ط ۱۳۲۵ھ ، قاهره

۵۸۸۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " فتح الباری" ص/ ۱۳۸، ط ۱۳۲۵ھ ، قاهره

۵۸۹۔ محمد حسین الذهبی " التفسیر والمفسرون " ج/ ۱ ، ص/ ۸۱

براکلمان ، ج/ ۱ ، ص/ ۱۹۰

ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/ ۳۳ ، تکمله ج/ ۱ ، ص/ ۳۳۱

۵۹۰۔ ابن حجر عسقلانی ، شهاب الدین ابوالفضل احمد بن حجر، عسقلانی "اصابه فی تمیز اسماء الصحابه " ص/ ۹۰ ۔ ۹٤

ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/ ۵۰ ۔ ۵۷

محمد حسین الذهبی " التفسیر والمفسرون " ج/ ۱ ، ص/ ٥٦

۵۹۱ـ محمد حسین الذہبی " التفسیر والمفسرون " ج/۱ ، ص/٦٥٤

۵۹۲ـ محمد حسین الذہبی " التفسیر والمفسرون " ج/۱ ، ص/٦٥٤

۵۹۳ـ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین ، محمد الذہبی "تذکرۃ الحفاظ " ج/۱ـ ۲ ، ص/۵۳ـ ۵٤

۵۹۴ـ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین ، محمد الذہبی "تذکرۃ الحفاظ " ج/۱ـ ۲ ، ص/۵۳

۵۹۵ـ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تہذیب التہذیب"

۵۹۶ـ الحاکم ، ابی عبداللہ نیسا بوری ، المستدرک مع التلخیص " ج/۳ ، ص/۵۳۷

۵۹۷ـ الحاکم ، ابی عبداللہ نیسا بوری ، المستدرک مع التلخیص " ج/۳ ، ص/۵۳۸

۵۹۸ـ المسلم ، مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری " الصحیح المسلم "کتاب الصلٰوۃ المسافرین ، باب جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر ، ج/۲، ص/۲۲۵

۵۹۹ـ الحاکم ، ابی عبداللہ نیسا بوری ، المستدرک مع التلخیص " ج/۳ ، ص/۵۳۷
الناشر مکتب المطبوعات الاسلامیہ ، حلب ، محمد آمین رمج بیروت ،لبنان

٦۰۰ـ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان " ج/۲، ص/۲۸۸

٦۰۱ـ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان " ج/۲، ص/۲۸۸

٦۰۲ـ خیر الدین ، الزرکلی " اعلام " ج/۳ ، ص/۱۷

٦۰۳ـ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین ، محمد الذہبی "تذکرۃ الحفاظ " ج/۱ـ ۲ ، ص/۱۵۷

٦۰۴ـ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین ، محمد الذہبی "تذکرۃ الحفاظ " ج/۱ ، ص/۱۵۸

٦۰۵ـ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین ، محمد الذہبی "تذکرۃ الحفاظ " ج/۱ ، ص/۱۵۸، مزید حوالہ جات کے لیے ملاحظہ کیجیے:
ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تہذیب التہذیب" ج/۳، ص/۲۹۸
ابن جوزی، ابو الفرج ، عبدالرحمٰن بن علی ، ابن جوزی"وصفۃ الصفوۃ " ج/۲ ،ص/۲۹۸
بغدادی ، ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی،"تاریخ بغداد " ج/۸ ، ص/٤۲۰
الذہبی ، عبداللہ شمس الدین ، محمد بن احمد ، ذہبی"میزان الاعتدال" ج/۱ ، ص/۱۳٦

٦۰٦ـ ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ج/٦ ، ص/۲٦۵
الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین ، محمد الذہبی "تذکرۃ الحفاظ " ج/۱ ، ص/۵۷

٦۰۷ـ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تہذیب التہذیب" ج/۵، ص/۱٦۵

٦۰۸ـ محمد بن طاہر المقدسی " الجمع بین رجال الصحیین" ج/۱ ، ص/۳۷۷

٦۰۹ـ ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ج/٦ ، ص/۲٦۷

٦۱۰ـ ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ج/٦ ، ص/۲۷۰

٦۱۱ـ ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ج/٦ ، ص/۲۷۱

٦۱۲ـ ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ج/٦ ، ص/۲۷۳

٦١٣۔ ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ج/٦ ، ص/٢٧٥۔ ٢٧٤ مزید حوالہ کے لیے دیکھیے:
الذهبی، ابوعبدالله شمس الدین ، محمد الذهبی "تذکرة الحفاظ " ج/١ ، ص/٧٥
ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٥، ص/١٦٥
محمد بن طاهر المقدسی " الجمع بین الرجال الصحیحین " ج/١ ،ص/٣٧٧

٦١٤۔ ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ج/٦ ، ص/١٠٦، ١٨٨
الذهبی، ابوعبدالله شمس الدین ، محمد الذهبی "تذکرة الحفاظ " ج/١ ، ص/٥٣۔ ٥١

٦١٥۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٤، ص/٨٤
" شذرات الذهب " ج/١، ص/١٥٢

٦١٦۔ ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ج/٥ ، ص/ ١٨٨
ابن نعیم "حلیة الاولیاء " ج/٢ ، ص/١٦١
ابـن خـلـکـان، ابی عبـاس شـمـس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان " ج/١، ص/٢٠٦

٦١٧۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری " تاریخ طبری " اموی دور حکومت ، حصه/٥، ص/ ٤٠٥

٦١٨۔ ا بو عبدالله ، شمس الدین محمد بن احمد الذهبی ، "سیر اعلام النبلاء " قسم/٢، ج/٤ ، ص/١٩٥

٦١٩۔ ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری " تاریخ طبری " اموی دور حکومت ، حصه/٥ ، ص/٤٤٩۔٤٤٨

٦٢٠۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/٨، ص/٢٦٢
ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ٧/١ ، ص/ ١١٤
ابن الندیم "کتاب الفهرست " ص/١٨٣

٦٢١۔ المبرد ، " الکامل " ص/١٠٨

٦٢٢۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٢، ص/٢٦٣

٦٢٣۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/٢، ص/٢٦٣

٦٢٤۔ ابن المرتضی " طبقات المعتزله " ص/١٨

٦٢٥۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست " ج/١ ، ص/٣٤ مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ کیجیے:
ابن سعد " الطبقات الکبریٰ " ٧/١ ، ص/ ١١٤
ابن الندیم "کتاب الفهرست " ص/١٨٣
ابن المرتضی " طبقات المعتزله " ص/١٨
ابـن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء الزمان " ص/١٠٠
الشهرستانی "کتاب الملل والنحل" ص/٣٢
ابن الجوزی "آداب الحسن البصری" قاهره ،١٩٣١ء

اخبار حسن بصری " محفوظه ظاهریه " دمشق ، قب فهرس (تاریخ) ص ٣٦٦
٦٢٦۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/١، ص/١٧٥
٦٢٧۔ الشاطبی ، ابی اسحاق " الموافقات فی اصول الشریعة " ج/٣ ، ص/٣٦٧، ترزیع عباس احمد البازمکة المکرمه ، مطبوعه قاهره
٦٢٨۔ ابن حجر عسقلانی، شهاب الدین ، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، " تهذیب التهذیب" ج/١٢، ص/١٠
"موجز البیان فی مباحث تخصص بالقرآن " ص/٥٢، بغداد ، ١٩٤٠
الذهبی ، عبدالله شمس الدین محمد بن احمد الذهبی " التفسیر والمفسرون " ج/١ ، ص/٦٥٤
٦٢٩۔ الذهبی ، عبدالله شمس الدین محمد بن احمد الذهبی " میزان الاعتدال" ج/١ ، ص/١٩٧ ، مطبوعه قاهره
٦٣٠۔ صبحی صالح، دکتور "علوم القرآن " ص/١٧١
٦٣١۔ محمد حسین الذهبی " تذکرة الحفاظ " ج/١ ، ص/٦٣
٦٣٢۔ البرهان ج/٢ ، ص/١٠٩
ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/٥١
٦٣٣۔ الجزری " غایة النهایة فی طبقات القراء " ص/٢٣٠ الثقافة اسلامیه ، اردو ترجمه ،ص/١٨٣
٦٣٤۔ الجزری " غایة النهایة فی طبقات القراء " ج/٢، ص/٣٨، مطبوعه قاهره
٦٣٤۔ صبحی صالح، دکتور " مباحث فی علوم القرآن " اردو ترجمه، ص/٣٥٣
بحواله الجزری ، طبقات القراء ج/١، ص/٣٤٩۔ ٣٤٦
٦٣٥۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/٢٥٤۔ ٣٠٨
٦٣٦۔ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان " ج/٢، ص/٢٢٣
ابوالفداء ، ج/١ ،ص/٢٠٦ ، ٢٠٥
٦٣٧۔ السمعانی ، عبدالکریم بن محمد بن منصور التیمی "الانساب " ج/ ، ص/
ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء الزمان " ج/١، ص/٤٣٦
٦٣٨۔ ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/٨٩
وهب ابن منبه التیجان فی ملوك الحمیر ، مطبوعه حیدر آباد ، ص/٣١٣۔ ١٣٢
ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان " ج/٢، ص/٣٦٥
٦٣٩۔ المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، المسعودی "تاریخ المسعودی " ج/٦، ص/٨١
٦٤٠۔ ابن قیم ، ابوعبدالله محمد بن ابوبکر ابن قیم الجوزیه "سیرة" ص/١٦١ ـ ١٦٢
٦٤١۔ ابن قتیبه، ابی محمد عبدالله بن مسلم "عیون الاخبار " ج/٢، ص/ ٢٣٠

الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/۱

۲- ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان" ج/۱، ص/ ۳۵۰

المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، المسعودی "تاریخ المسعودی" ج/۶، ص/ ۸۱

۶- ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/۴۹۷، ۳۳۸، مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے:

Hell, " The Arab Civilization" P:60

المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، المسعودی " مروج الذهب" ج/۲، ص/۱۱۹، ۱۲۰

حسن ابراهیم حسن، دکتور "تاریخ الاسلام " السیاسی والدینی والثقافتی والاجتماعی ج/۱، ص/ ۱۱۵

- ایڈورڈ جی براؤن ''طب العرب'' ترجمہ وتنقید: حکیم نیرواسطی، ص/ ۲۰۱

- اصفهانی، حسین بن محمد الراغب، اصفهانی "کتاب الآغانی " ج/۵، ص/۱۱۳-۱۱۴

- ابن جریر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری "تاریخ طبری " ج/ ۲، ص/ ۱۲۶۶

- المرزبانی " الموشه " ص/۲۸۹-۲۹۰

- ابن ابی اصیبعه "عیون الانباء " ج/ ۲، ص/ ۶۰۷

- (الف) صدیق حسن خان " ابجد العلوم " ص/۵۷۲، بھوپال ۱۲۹۰ھ

- (ب) ابن القفطی، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء " ص/۲۴۹، مطبوعه لائپزک

- (ج) المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، المسعودی " مروج الذهب " بحواله عبدالسلام " حکمائے اسلام " ج/۱، ص/۷۱-۷۰

- (د) ابن القفطی، جمال الدین علی بن یوسف "اخبار العلماء باخبار الحکماء " ص/ ۷۰، ۷۲، ۷۳، ۱۰۸

- (س) ابن الندیم "کتاب الفهرست" ص/۱۰۸، ۲۶۸

- (ص) H. Suter, Mathem, Biblioth, 2:12-40, 1901

- ابن النباء (۱۲۶۰ تا ۱۳۴۰) نے کتاب مذکورہ کی تلخیص کی۔ جس کا فرانسیسی ترجمہ A. Marre نے ۱۹۶۵ء میں روما سے شائع کیا۔

- (ط) صدیق حسن خان ''ابجد العلوم'' ج/ ، ص/

- (ظ) ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن حزم، الاندلسی " کتاب الفضل فی الملل والاهواء والنحل " ج/ ، ص/

- ابن جماعة "تذکرة السامع والمتکلم " ص/۱۵۱-۱۴۷

- الولید بن بکر " الوجازه " مخطوطه مملوکه العزازی (بغداد)

احمد شبلی، ڈاکٹر ''تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ'' ص/۲۷۷-۲۷۶

محمد عبده " الاسلام والنصرانیه مع العلم والمدینه " ص/۹۸

- ابن خلدون، عبدالرحمٰن، ابن خلدون "مقدمه ابن خلدون" ص/۳۹۴

- یاقوت، بن عبدالله الحموی "ارشاد" ص/۲۸۲

۶۵۴۔ امام غزالی "ارشاد" ص/۲۸۲
۶۵۵۔ محمد علی کرد "الاسلام وحضارة العربیه" ج/۲ ، ص/۶۸
۶۵۶۔ ابن قتیبه، ابی محمد عبداللّٰه بن مسلم "عیون الاخبار" ص/۱۲۳
۶۵۷۔ اصفهانی، حسین بن محمد الراغب ، اصفهانی "محاضرات الادباء" ص/۲۶
۶۵۸۔ اصفهانی، حسین بن محمد الراغب ، اصفهانی "محاضرات الادباء" ص/۲۷
۶۵۹۔ ابن قتیبه، ابی محمد عبداللّٰه بن مسلم "عیون الاخبار" ص/۱۲۳
۶۶۰۔ العبدری "المدخل" ص/۹۰
۶۶۱۔ یاقوت ، بن عبداللّٰه الحموی "ارشاد" ص/۱۲۳
۶۶۲۔ ابن جماعة "تذکرة السامع والمتکلم" ص/۵۳
۶۶۳۔ اصفهانی، حسین بن محمد الراغب ، اصفهانی "محاضرات الادباء" ج/۱، ص/۲۰
العبدری "المدخل" ص/۱۵۸
۶۶۴۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام "احیاء العلوم الدین" ص/۴۷
۶۶۵۔ یاقوت ، بن عبداللّٰه الحموی "معجم الادباء" ص/۷۳۔ ۷۲
۶۶۶۔ الادب الکبیر ، رسائل البلغاء ص/۴۰
۶۶۸۔ احمد امین "ضحی الاسلام" ج/۲ ، ص/۳۱۸
۶۶۹۔ ابن جماعة "تذکرة السامع والمتکلم" ص/۸۷
۶۷۰۔ الشکوة "جرنل ایشاٹك" ص/۲۸۴، ۱۹۴۰ء
۶۷۱۔ محی الدین، ابن عربی "المحاضرات الابرار" غیر مطبوعہ استنبول
۶۷۲۔ ابن جماعة "تذکرة السامع والمتکلم" ص/۸۷
۶۷۳۔ "رسائل اخوان الصفاء" ج/۴ ، ص/۱۸
۶۷۴۔ ابن جماعة "تذکرة السامع والمتکلم" ص/۸۷
۶۷۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری "الصحیح البخاری" باب العلم قبل القول والعمل ج/۱،ص/۱۶
۶۷۶۔ **Gibb, Mohammadenism, P:504**
۶۷۶۔ **Gibb, Mohammadenism, P:504**
۶۷۷۔ المقریزی، احمد بن علی بن عبدالقادر ، ابوالعباس الحسینی العبیدی ، تقی الدین المقریزی "الخطط المقریزی" ج/۲، ص/۲۵۳
۶۷۸۔ "رسالة المعلمین" غیر مطبوعه ورق/۱۰
۶۷۹۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/۱، ص/۱۴۱۔ ۱۴۰
۶۸۰۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/۱، ص/۱۴۱
۶۸۱۔ ابن الانباری "طبقات الادباء" ص/۱۰۴۔۱۰۳
۶۸۲۔ ابن خلکان، ابی عباس شمس الدین احمد بن محمد بنابی بکر ، ابن خلکان "وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان" ج/۱، ص/۴۶۹
۶۸۳۔ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البیان والتبیین" ج/۱، ص/۱۴۰

٦٨٣ـ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البيان والتبيين" ج/١، ص/١٤٠
٦٨٤ـ ياقوت ، بن عبدالله الحموى " معجم الادباء " ج/٥، ص/١١٠
٦٨٥ـ ياقوت ، بن عبدالله الحموى " معجم الادباء " غير مطبوعه ، استنبول
٦٨٦ـ ابن جماعة " تذكرة السامع والمتكلم " ص/١٠
٦٨٧ـ الجاحظ، ابوعثمان عمر الجاحظ "البيان والتبيين" ج/١، ص/١١٤
٦٨٧ـ المبرد " الكامل " ص/٥٧٣
٦٨٨ـ ابن خلكان، ابى عباس شمس الدين احمد بن محمد بنابى بكر ، ابن خلكان "وفيات الاعيان وانباء ابناء الزمان " ص/٢٠١ ، ٢٩٢
٦٨٩ـ ابن خلكان، ابى عباس شمس الدين احمد بن محمد بنابى بكر ، ابن خلكان "وفيات الاعيان وانباء ابناء الزمان " ص/١٨١ ، ٢٠١، ٢٩٢
٦٩٠ـ ابن جماعة " تذكرة السامع والمتكلم " ص/٨٨ـ ٨٩
٦٩١ـ ياقوت ، بن عبدالله الحموى " معجم الادباء " ج/٦، ص/٣٦٩
٦٩٢ـ الخطيب البغدادى ، ابوبكر احمد بن على "تاريخ بغداد " ج/٢ ، ص/١٧٣ـ ١٧٤
٦٩٣ـ ياقوت ، بن عبدالله الحموى " معجم الادباء " ج/٦، ص/٣١٠
٦٩٤ـ العبدرى "المدخل " ج/٢، ص/١٦٠ـ ١٥٩
٦٩٥ـ جرجانى " المنتخب من كتاب الادباء " ص/١١٨
٦٩٦ـ ابن خلكان، ابى عباس شمس الدين احمد بن محمد بنابى بكر ، ابن خلكان "وفيات الاعيان وانباء ابناء الزمان " ج/٢، ص/٤٦١
٦٩٧ـ القابسى " الفضله " ص/٧٣ ب
٦٩٨ـ ابن جماعة " تذكرة السامع والمتكلم " ج/٥، ص/١١٠
٦٩٩ـ ياقوت ، بن عبدالله الحموى " قاموس العلماء " ج/٥، ص/١١٠
٧٠٠ـ ياقوت ، بن عبدالله الحموى " معجم الادباء " ج/٥، ص/١١٠
٧٠١ـ ابن خلكان، ابى عباس شمس الدين احمد بن محمد بنابى بكر ، ابن خلكان "وفيات الاعيان وانباء ابناء الزمان " ج/١، ص/٤٧٠
٧٠٢ـ ابن خلكان، ابى عباس شمس الدين احمد بن محمد بنابى بكر ، ابن خلكان "وفيات الاعيان وانباء ابناء الزمان " ج/١، ص/٤٦١
٧٠٣ـ ياقوت ، بن عبدالله الحموى " معجم الادباء " ص/١٤٤
٧٠٤ـ Die, Renaissance Des Islams Mez. Vol:1, P:308
٧٠٥ـ ياقوت ، بن عبدالله الحموى " معجم الادباء " ج/٦، ص/٥٦
٧٠٦ـ ياقوت ، بن عبدالله الحموى " معجم الادباء " ج/٦، ص/٧٦ـ ٧٥

باب پنجم: نتائج اور عصر حاضر کے تعلیمی منہاج کی ترتیبِ نو

پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج۔۔۔تعارف

حدیث اور احادیث کے اسناد پر کھنے والے ذیلی علوم

عصر حاضر میں دینی مدارس کا کردار

برصغیر پاک و ہند میں دینی مدارس کا آغاز

قومی مقاصد اور تعلیمی پالیسی

نتیجۃ البحث

قومی تعلیمی سفارشات و آراء۔

۲۔ حدیث اور احادیث کے استناد کو پرکھنے والا ذیلی علم۔

۳۔ فقہ اور اصول فقہ

۴۔ فلسفہ مذہب (علم الکلام)

۵۔ تصوف

۶۔ علوم اللسان، نحو (گرامر) لغت، بیان، ادب

۷۔ منطق

۸۔ حساب

۹۔ علم ہندسہ

۱۰۔ علم ہیئت یا فلکیات

۱۱۔ علم طبیعات (فزکس، کمسٹری اور علم ادویہ)

۱۲۔ موسیقی

نمبر ۱ تا ۵ تک موضوعات علم وحی (علوم نقلیہ) سے تعلق رکھتے تھے اور مذہبی نصاب کا مرکز تشکیل دیتے تھے۔ بقیہ ۶ تا ۱۲ موضوعات اکتساب علم (علوم عقلیہ) کی اقلیم سے متعلق تھے اور حکومتی ملازمت کے ہر خواہشمند کیلئے ضروری سمجھے جاتے تھے۔ علوم اللسان علم وحی کا حصہ نہیں تھے۔ لیکن انہیں اس کی تفہیم کیلئے لازمی سمجھا جاتا تھا۔''[۲]

مسلمانوں نے ان علوم میں دسترس حاصل کرنے اور انکے پھیلاؤ کیلئے اپنی پوری توتیں اور صلاحیتیں وقف کر دیں۔

دور نبوی ﷺ خالصتاً قرآن فہمی اور احادیث نبوی ﷺ پر عمل کرنے اور غور و غوض کرنے کا دور تھا۔ اس لئے مسلمانوں کی تعلیم قرآن، تجوید، قرات، حفظ اور تفسیر۔

۲۔ حدیث اور احادیث کے استناد کو پرکھنے والے ذیلی علوم تھے۔

دورِ خلفاء راشدین

میں بھی ان علوم کو بنیاد بنایا گیا۔ اس میں بھی قرآن و تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ اور دیگر اسلامی علوم مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔

دورِ بنو امیہ میں ان بنیادی علوم کیساتھ ساتھ دیگر یونانی علوم کے تراجم عربی میں منتقل کرنے پر بھر پور توجہ دی۔

سنگر لکھتا ہے:

''ہم تاریخ سائنس کا آغاز یونانیوں سے کرتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے سائنس دان یونانی تھے۔ فی الحقیقت ایسا تھا بھی نہیں؟ البتہ ہمارے ریکارڈ کے مطابق وہ اولین قوم جو سائنسی شعور رکھتی تھی اور سائنسی عمل کی توسیع کے ادراک کی حامل تھی یونانی زبان بولتی تھی۔''

''اسلامی سائنس نے جو اہم ترین چیز جدید سائنس کو دی ہے وہ تجربی اسلوب ہے۔ مسلمانوں نے سائنس کا بیشتر

خام مواد یونان سے لیا لیکن یونانی سائنس میں تجربہ کا فقدان تھا۔" [۳]

عربوں کو ایران وشام سے جو یونانی علوم کا ذخیرہ ملا انہوں نے صرف اس کے ترجمے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان پر تنقید بھی کی۔

"عرب محققین نظریے کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ ٹھوس حقائق کی جمع آوری میں مصروف رہتے تھے۔"

اس تحقیقی مقالے میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے تمام ادوار اور مسلمان مفکرین کے تعلیمی نظریات کا جائزہ لینا نیز مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیاں اور ان کی محنت شاقہ کی وجہ سے علم کی شعائیں چار سو پھیل گئیں۔

مسلمانوں نے جہاں فلسفہ مذہب (علوم الکلام) تصوف، علوم اللسان، نحو گرامر، لغت، بیان، ادب، منطق، حساب، علم ہندسہ، علم ہیئت یا فلکیات میں ترقی کے مدارس بطریق احسن طے کئے۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے علم طب، کیمیا، علم طبیعات، فزکس، کمسٹری اور علم ادویہ وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل کی۔ ان تمام علوم کی تعلیم مدارس و مکتب میں دی جاتی رہی۔ سائنس کی تمام شاخوں کو تجربی اسلوب پر از سر نو منظم کیا۔ [۴]

"علم طب میں نئی ادویہ دریافت کیں، اپریشن کیئے، تعدیہ امراض کا اصول معلوم کیا، علاج کے نئے نئے طریقوں کا انکشاف کیا۔ فلکیات کے مشاہدے کیلئے رصد گاہیں بنائیں۔ سال ہا سال مشاہدات کئے اور نئے امور دریافت کئے۔ نئے اور صحیح کیلنڈر بنائے۔ طول بلد اور عرض بلد کی پیمائش کی، بطلیموسی نظریات پر تنقید کی، کشش ثقل کا اصول معلوم کیا، ریاضیات میں الجبراء کی بنیاد رکھی، اعداد ہندسہ واعداد غباریہ کو مرتب کیا اور دنیا بھر میں متعارف کروایا۔ ریاضیات میں نئے کلیئے دریافت کئے، نباتات وزراعت کی بنیاد تجربہ پر رکھی اور طبعی وزرعی نباتات کے باغات لگائے اور ان کے بارے میں ہمہ پہلو تحقیقات کیں۔ کمسٹری کو طلسمات سے نکال کر خالص تجربی اسلوب پر منظم کیا اور متعدد کیمیاوی ادویہ تیار کیں۔ بلکہ جدید کمسٹری کی بنیاد ہی انہوں نے مرتب کیں۔ منابع نیل کا صحیح تعین کیا۔ صنعت و حرفت میں کاغذ، گھڑیاں، بارود، توپ، قطب نما اور اس طرح کی دیگر متعدد اشیاء کی ایجاد یا ترقی سے سائنسی انقلاب کیلئے راہ ہموار کی۔" [۵]

عصر حاضر میں دینی مدارس

ماضی میں دینی مدارس نے تدوین علم کے فرائض بھی انجام دیئے اور تدریس علم کے بھی، اشاعت علم وعرفان کا ذریعہ بھی بنے اور تزکیہ وتربیت کا سبب بھی۔ کبھی یہ ادارے محض علمی جامعات تھے۔ کبھی یہ تحقیقی مرکز بنے۔ کبھی انہوں نے سائنسی رصد گاہوں کی شکل اختیار کی۔ کسی دور میں دینی مدارس ہی ملٹری اکیڈمیاں تھے اور کبھی دور بادشاہت کے ظلمت کدوں میں یہی دینی مدارس ملت اسلامیہ کی موثر حزب اختلاف کی صورت میں مینارہ نور تھے۔ فتنہ تاتار ہو یا سقوط بغداد، عروج امت کا دور ہو یا زوال اندلس کا سانحہ، سیاسی غلبے کا زمانہ ہو یا اجتماعی غلامی کا عرصہ نحوست، سقوط مشرقی پاکستان ہو یا جہاد افغانستان کے روح پرور مواقع ہر دور اور ہر مرحلہ پر ملت اسلامیہ کی رہنمائی و نمائندگی کا فریضہ یہی ادارے دیتے رہے ہیں۔

... تھے جنہوں نے ترویج علم و عرفان کے ساتھ ساتھ قیادت ملک وملت کی

ذمہ داری بھی ادا کی۔ غیر ملکی آقاؤں کے دور غلامی میں جب آج کے برسر اقتدار سیاسی خاندانوں کی پہلی نسل انگریز کی فوج کو سپاہی فراہم کر رہی تھی۔ دینی مدارس کے طلبہ واساتذہ نان جویں پر گزارہ کر کے انگریز کی گولیاں کھا رہے تھے اور آزادی وطن کی جنگ لڑ رہے تھے۔ لیکن پھر یہ بھی ایک ناقابل تلافی سانحہ ہے کہ اتنے عظیم الشان تاریخی کردار ادا کرنے والے ادارے آہستہ آہستہ غیر موثر ہوتے چلے گئے۔ حکمرانوں کی ساحری نے انہیں عین میدان جہاد میں سلا دیا اور دشمنوں کی سازش نے انہیں افتراق وانتشار اور فروعات وروایات میں الجھا دیا۔ اس طرح ان مدارس کی ایک تعداد اس کردار کو ادا کرنے سے قاصر رہی جو ان اداروں کا اصل مقصد وجود ہے۔

تاہم حالات میں مایوسی کی ان علامتوں کے باوجود "دینی مدارس" اپنی تمام تر کوتاہیوں اور رکاوٹوں کے باوجود ابھی تک معاشرے میں علم دین کی شمع روشن رکھے ہوئے ہیں اور ان کے ہی دم قدم سے دین کی علامتیں زندہ و تابندہ ہیں۔ تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ آج الحاد وبے دینی کی قوتیں جس تیز رفتاری سے غالب آ رہی ہیں نیکی کی قوتیں اس کے مقابلہ میں اتنی ہی غیر فعال، غیر منظم اور مرعوب ومنتشر ہیں۔

۱۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی ودنیاوی دونوں طرح کے تعلیمی اداروں میں انقلابی تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں۔

۲۔ اسلامی نظام کی صورت میں مثالی تعلیمی انقلاب کی منزل ابھی دور ہے اور پھر اسلامی نظام تعلیم کے نفاذ کے باوجود دینی مدارس کی علیحدہ ضرورت واہمیت کسی صورت ختم نہیں ہو سکتی۔ جس طرح میڈیکل کالج، انجینئرنگ یونیورسٹیاں، کامرس کالجز، ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹس وغیرہ قائم رہیں گے اگرچہ ان کے نصاب ورجحانات تبدیل کر دیئے جائیں گے۔

۳۔ اسی طرح آئیڈیل اسلامی نظام تعلیم میں بھی دینی مدارس قائم رہیں گے اور معاشرے کو متوازن فکر عالم دین اور آئمہ حضرات فراہم کریں گے۔

۴۔ دینی مدارس کا بنیادی مقصد ہی داعی ومبلغ تیار کرنا اور آئمہ وخطباء فراہم کرنا ہے۔ چونکہ یہ مقاصد بذات خود نہایت ارفع واعلیٰ ہیں۔ بلکہ امت مسلمہ کی بعثت کی غرض وغایت ہی ان مقاصد کی تکمیل ہے اس لئے ناگزیر ہے کہ دینی مدارس کے نظام ونصاب میں ایسی بنیادی انقلابی تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں جن کے بعد ان ہی اداروں سے عصری قیادت کی اہلیت رکھنے والے علمائے کرام میسر آسکیں۔

ایسے مدارس کی تعلیم سے ایسے طالبان علم فارغ ہوں۔ جو پیچ وتاب رازی اور سوز وساز رومی کے امین اور وراثت انبیاء کے اہل ہوں۔

نصاب ونظام میں ان تبدیلیوں کی ترتیب وار نشاندہی سے پہلے ان اہم نکات کو بیان کیا جائے جو تعلیم کے میدان میں خوشگوار انقلابی تبدیلی لا سکیں:

۱۔ دینی مدارس ہوں یا حکومت کے قائم شدہ تعلیمی ادارے دونوں تعلیمی انحطاط کا شکار نظر آتے ہیں۔

۲۔ تعلیم سے توجہ ہٹانے والے عوامل میں تعلیم کی عمومی ناقدری، مادیت پرستی کی حوصلہ افزائی، روح عصر (Sprit of the age) کے تقاضے بے روزگاری کے بڑھتے ہوئے منحوس سائے، عمومی اخلاقی انحطاط، زوال پذیر معاشرتی اقدار،

تعلیمی پالیسیاں وغیرہ سرفہرست ہیں۔

۳۔ ان عوامل کی اصلاح اور ملک میں علم و معلم کا وقار بلند کرنے سے جب عام تعلیم کا معیار بلند ہوگا تو دینی مدارس (درس نظامی) کے تعلیمی معیار میں بھی خوشگوار تبدیلی وقوع پذیر ہوگی۔ جب جدید درس گاہیں اپنی بالادستی' تسلط قبول عام اور حکومتی سرپرستی کے باوجود عصری قیادت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہیں تو دینی درس گاہیں اپنی کسمپرسی مغلوبیت' غیر مقبولیت' استحقار اور حکومتی سرپرستی سے محرومی کی حالت میں کیسے قیادت کے لئے رجال وابطال مہیا کر سکتی ہیں۔

۴۔ تاہم مختلف مسالک کے دینی مدارس کی جو اجتماعی تنظیمیں اس وقت ''وفاق المدارس'' ''تنظیم المدارس'' اور ''رابطہ المدارس'' وغیرہ کی صورت میں کام کر رہی ہیں وہ ایسے قواعد وضوابط ترتیب دے سکتی ہیں جن کے تحت غلط مقاصد کیلئے کام کرنے والے اداروں کا محاسبہ کیا جاسکے۔ دونوں نظام ہائے تعلیم (جدید و قدیم) میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی بھرپور سعی کی جائے۔

۵۔ درس نظامی کے نصاب میں موثر تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں اور یہاں بعض جدید علوم کو متعارف کرایا جائے۔ اس طرح جدید مدارس میں بی۔ اے تک مکمل قرآن مجید' باترجمہ' اسلامیات اور عربی زبان کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ مڈل کی سطح تک نصاب تعلیم یکساں ہو' سکول میں جو تعلیم مڈل تک پڑھائی جائے۔ اس میں قرآن حدیث اور عربی کے مضامین رکھے جائیں۔ عربی تعلیم میں گرائمر اور صرف ونحو کی کتب بھی شامل کی جائیں۔ مڈل کے بعد عام تعلیم کے طلبہ سکولوں' کالجوں یا پیشہ ورانہ اداروں میں چلے جائیں گے۔ درس نظامی کا نصاب آٹھ سالوں پر محیط ہو۔ طلبہ پہلے چار سال تو دنیوی تعلیم کا کوئی امتحان نہ دیں اور مکمل توجہ دینی علوم کی تحصیل پر صرف کریں چار سال کے بعد ان کو میٹرک کا امتحان دلوایا جائے پھر مزید چار سال دینی علوم کی تکمیل کریں اس طرح مڈل پاس آٹھ سالوں میں مکمل عالم دین بن جائے گا اور دنیاوی لحاظ سے میٹرک بھی ہوگا۔ مزید برآں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے فیصلہ کے مطابق اسے ایم اے اسلامیات کے برابر سمجھا جائے گا۔

٦۔ عہد نبوی ﷺ میں تعلیم کا تعلق قرآن وسنت رسول اللہ سے تھا اور اس زمانے میں اہل علم سے مراد ہی قرآن و حدیث کے عالم لئے جاتے تھے۔ پھر جب مکہ اور مدینہ کے علاوہ کوفہ' دمشق' بغداد اور فسطاط بھی علمی مراکز بن گئے تو نصاب تعلیم قرآن و حدیث کے علاوہ فقہ اور قواعد وادب عربی بھی شامل ہو گئے۔ عراق کی ہی درس گاہوں میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے صاحبین کے ہاتھوں احکام شرعیہ کی تدوین کا اہم کام انجام پایا۔ اس مرحلہ پر ''معانی و بیان'' اور ''تجوید وتفسیر'' کے علوم کا آغاز ہوا۔ حضرت سعید بن المسیب حدیث وتفسیر کے علاوہ اپنے حلقہ درس میں ''اشعار'' پر بھی بحث کرتے تھے۔ الطبری کے بیان کے مطابق انہوں نے جامع عمرو بن عاص قاہرہ میں الطرماح کی نظموں کو املاء کرایا۔

٧۔ جامعہ بنی امیہ دمشق جامع ابن طولون وغیرہ میں بھی اسی نصاب کے مطابق تعلیمی سلسلہ جاری رہا۔ اموی دور کے نظام تعلیم میں علوم وفنون کیلئے تالیف وتصنیف اور ترجمے کا سلسلہ قائم ہوا۔ اساتذہ وطلبہ کے لئے وظائف مقرر کئے گئے' زبانی تعلیم کے علاوہ املاء کا طریقہ بھی رائج کیا گیا۔

برصغیر پاک وہند میں دینی مدارس کا آغاز

برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی دینی مدارس کا آغاز ہو گیا۔ ابتدائی دور میں منصورہ (سندھ) اور ملتان اسلامی علوم کے مراکز تھے۔ اس زمانے میں بھی نصاب تعلیم میں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، عربی اور تاریخ کے مضامین شامل تھے۔ غزنوی دور میں لاہور پونے دو سو سال تک علماء و فضلاء کا مرکز رہا ہے۔ غوری خاندان کے عہد میں یہ حیثیت اجمیر کو حاصل رہی ہے اور یہاں مساجد و مدارس قائم ہوئے۔ خاندان غلاماں (۱۲۰۶ ـ ۱۳۸۷) کے عہد میں بختیار خلجی نے بنگال میں رنگپور کا شہر آباد کیا اور یہاں دینی مدارس قائم کئے۔ التمش نے دہلی اور بدایوں میں علمی مراکز استوار کئے۔ ان تمام ادوار میں نصاب تعلیم غالب قرآن و حدیث کے علوم ہی رہے اور عربی زبان کو خصوصی اہمیت حاصل رہی۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے اپنی خانقاہ میں ایک مختصر لیکن جامع یک سالہ نصاب جاری کیا۔ جس میں قرآن باترجمہ اور قدوری کو اہمیت رہی۔ سلاطین مغلیہ نے بھی ملک بھر میں دینی مدارس کو فروغ عطا کیا۔ بابر نے دہلی میں جو مدرسہ قائم کیا اس کے صدر مدرس شیخ حسن تھے۔ اس موقع پر نصاب میں علم ہیئت اور جغرافیہ بھی شامل کئے گئے۔

ہمایوں نے دہلی، شیر شاہ سوری نے پٹیالہ اور اکبر نے فتح پور سیکری میں مدارس قائم کئے۔ عہد جہانگیری میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے دہلی کو ہمیشہ کیلئے علوم دین کا دارالسلطنت بنا دیا۔ ان کے نصاب میں قرآن و سنت مبارک کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ خود انہوں نے ایک سو سے زیادہ کتب تصنیف کیں۔

اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں لکھنو میں مدرسہ ''فرنگی محل'' کی بنیاد پڑی۔ مدرسے کے بانی ملا نظام الدین تھے۔ جن کے انتساب سے درس نظامی مشہور ہوا۔ اس نصاب میں نحو، منطق و فلسفہ، فقہ اور اصول فقہ پر خاص زور دیا گیا ہے۔ اس نصاب سے پہلے مغلیہ سلطنت کے زوال تک ہندو مسلمان اکٹھے عام مکاتیب میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس نصاب میں زیادہ تر کتب فارسی مثلاً ہند نامہ، عطار، کریما، مامقیمان، اخلاق محسنی، گلستان، بوستان، سر نثر ظہوی، اخلاق ناصری، سکندر نامہ، یوسف زلیخاں وغیرہ کتابیں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ ابتدائی تعلیم میں خوشخطی، نوشت و خواند اور ابتدائی حساب بھی جزو نصاب تھا۔ یہ صورت حال انیسویں صدی کے آخر تک رہی۔

۱۸۰۰ء لارڈ ولزلی نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ ۱۸۲۲ء میں آگرہ کالج اور ۱۸۲۷ء میں دہلی کالج قائم ہوئے۔ جبکہ ۱۸۷۰ء میں علوم مشرقیہ کی تعلیم کے لئے لاہور میں اورنٹیل کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یوں درسِ نظامی اور دنیاوی تعلیم کے راستے یکسر مختلف ہو گئے۔ حکومتی سرپرستی میں علوم شرقیہ کی تعلیم میں بنیادی اہمیت لسانیات کو ہی حاصل رہی اور سکول کالج اور یونیورسٹیوں سے اس تعلیم کا اہتمام ہوا۔ جس کی ضرورت زمانے کی مارکیٹ میں تھی۔ ادھر دینی مدارس سرکاری سرپرستی سے محروم ہو کر اسی درس نظامی پر سختی سے کاربند ہو گئے جو صدیوں سے رائج تھا۔

تاہم اس تاریخی تسلسل سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ نصاب تعلیم میں ہمیشہ وہی تبدیلی موثر رہی جسے کسی موثر ادارے یعنی کسی استاد الاساتذہ یا علمائے کرام کے بورڈ کی سرپرستی حاصل تھی۔

۲۔ ملت اسلامیہ کے اجتماعی زوال نے دینی تعلیم کے نصاب کو بھی متاثر کیا۔ جیسے جیسے سیاسی غلبہ کمزور ہوا اور معاشرتی انحطاط رونما ہوا۔ دینی تعلیم کا نصاب بھی بدلتا چلا گیا اور نسبتاً کم اہمیت کے مضامین بنیادی اہمیت اختیار کرتے چلے گئے۔

۳۔ نصاب تعلیم کی تبدیلی سے دینی اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد کا معیار بھی متاثر ہوا۔

۴۔ علوم پر لسانیات کو ترجیح دینے کا عمل جو دورِ انحطاط میں معاشی ضروریات کی وجہ سے پیدا ہوا تھا کم ہونے کی جائے بڑھتا چلا گیا۔

چنانچہ ناگزیر ہے کہ درس نظامی کے نصاب پر از سر نو غور کیا جائے اور ان میں ترمیم واضافہ اور تنقیص واصلاح کو عمل میں لایا جائے۔ درس نظامی کے نصاب میں جو چند تبدیلیاں ضروری ہیں ان کے سلسلہ میں میری عالمانہ تجاویز حسب ذیل ہیں:

۱۔ قرآن پاک

میرے نزدیک درس نظامی کے موجودہ نصاب میں سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں پورا قرآن مجید شامل نصاب نہیں، قرآن پاک علوم کا مرکز و محور بلکہ منبع ومصدر ہے۔ سرمایہ حیات اور نورِ بصیرت ہے۔ اس کا مطالعہ انسان کو علم کی اوج گاہیں بھی عطا کرتا ہے اور کردار کی عظمت بھی۔ چنانچہ ضروری ہے کہ درس نظامی کے نصاب میں پورا قرآن مجید باترجمہ وتفسیر شامل ہو اور اسے آٹھ سالوں پر تقسیم کردیا جائے نیز خصوصی مباحث الگ پڑھائے جائیں۔

۲۔ تفسیر قرآن پاک

موجودہ نصاب میں سورۂ بقرہ تک قرآن مجید باتفسیر پڑھایا جاتا ہے۔ تفاسیر میں "جلالین" اور تفسیر "بیضاوی" شامل نصاب ہیں۔ یہ تفاسیر نہایت اہم، موثر اور علوم وفنون کا خزانہ ہونے کے باوجود دورِ حاضر کی ضروریات کے پیش نظر کماحقہ رہنمائی فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔

جبکہ موجودہ زمانے کے کئی نامور مفسرین کی عربی تفاسیر زبان وبیان اور مطالب ومفاہم کے جملہ تقاضے پورا کر سکتی ہیں۔ علامہ سیوطی کی "الاتقان فی علوم القرآن" بھی رائج کی جاسکتی ہے۔ قدیم تفاسیر میں سے تفسیر "قرطبی" اور جدید تفاسیر میں "فی ظلال القرآن" کو شامل کرنا بھی مفید رہے گا۔

۳۔ فقہ واصول فقہ

نصاب میں شرح وقایہ، نور الایضاح، کنزالدقائق، ہدایہ، نور الانوار، سراجی، اصول الشاشی، حسامی، توضیح، مسلم الثبوت وغیرہ شامل ہیں۔ اس میں کتاب کے اضافہ وکمی کی تو ضرورت نہیں۔ البتہ ضروری ہے کہ دورِ جدید کے مسائل مثلاً بلاسود بینکاری، عائلی قوانین وغیرہ کو الگ مباحث کے طور پر پڑھایا جائے۔ ان موضوعات پر عربی زبان میں کتب دستیاب ہیں۔ اصول فقہ (Jurisprudence) کے انداز میں پڑھایا جائے نیز فقہ کو بھی Condifide طرز پر مرتب کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کی ضرورت اس دور میں اس لئے بھی اور بڑھ گئی ہے کہ اب شرعی عدالتوں کی

صورت میں عدلیہ کے لئے ایسے افراد ناگزیر ہیں جو علوم دین کے ماہر ہوں اور فقہ کو جدید انداز میں سمجھتے ہوں۔

۴۔ منطق و فلسفہ

منطق میں ایساغوجی' صغریٰ کبریٰ' مرقات' سلّم' قال اقول' شرح تہذیب' قطبی جیسی کتب شامل نصاب ہیں۔ طلبہ کی صلاحیتوں کا ایک بڑا حصہ ان کتب کو سمجھنے پر صرف ہوتا ہے۔ ترمیم شدہ نصاب میں منطق و فلسفہ دونوں یکسر ختم کر دیئے جائیں۔ ان کی جگہ سائنس کا مضمون متعارف کرایا جائے۔ بہتر ہوگا کہ اردو میں نئے سرے سے ایک کتاب مرتب کی جائے جس میں سائنس' اس کے اصول' سائنسی قوانین' نظریات' سائنسی ایجادات وغیرہ کا آسان تعارف کرایا جائے۔ قدیم مسلمان سائنس دانوں کی خدمات کا جامع تذکرہ ہو۔ موجودہ دور ایٹمی توانائی کا دور ہے۔ اس لئے مغربی فکر و فلسفہ کو شکست دینے کیلئے سائنسی علوم کا مطالعہ یقیناً مفید رہے گا۔

۵۔ صرف و نحو

موجودہ درسِ نظامی میں میزان' زبدہ' فصول اکبری' شافیہ' نحو میر' شرح مائۃ عامل ہدایۃ النحو' کافیہ اور شرح ملاجامی وغیرہ کتب شامل ہیں۔

عرب دنیا میں گرائمر کی جدید کتب نہایت سائنٹفک انداز میں مرتب کی گئی ہیں۔ ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً النحو الواضح' البلاغۃ الواضحۃ اسی طرح کافیہ اور شرح جامی کی جگہ المغنی یا شرح ابن عقیل وغیرہ شامل کی جاسکتی ہیں۔

۶۔ عربی ادب و بلاغت

نصاب میں نفحۃ العرب' سبعہ معلقہ' دیوان المتنبی' مطول وغیرہ کتب شامل نصاب ہیں۔ ان کی جگہ جدید عربی لٹریچر میں سے کوئی کتاب شامل نصاب کی جائے۔ عربی ترجمے کی مشق خصوصی پروگرام کے تحت کروائی جائے۔ عربی رسائل و جرائد باآسانی میسر آجاتے ہیں۔ اساتذہ و طلبہ ان کا مطالعہ کریں تو عربی زبان کی تحصیل مزید آسان ہو سکتی ہے۔

۷۔ علم کلام

علم کلام کو درس نظامی میں خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ لیکن جن فرقہ باطلہ کا رد و استیصال اس علم کے ذریعہ سکھایا جاتا ہے ان کا اب کہیں وجود نہیں۔ معتزلہ' خوارج' جبریہ' قدریہ وغیرہ جس جہالت کی نمائندگی کرتے ہیں اب وہی قدیم جہالت نئے انداز اور نئے ناموں کے ساتھ میدانِ عمل میں موجود ہے۔ اب اس مضمون کو "اسلام اور مذاہب عالم" کا نام دے کر اس کے ذریعہ عیسائیت' یہودیت' بدھ مت' ہندومت' کمیونزم' سرمایہ دارانہ نظام' صیہونیت' قومیت پرستی وغیرہ کا تقابلی جائزہ اور مسلمان ممالک میں موجود فتنوں مثلاً انکار حدیث' قادیانیت وغیرہ کا رد سکھایا جائے۔ تاکہ ہمارے علمائے کرام جدید دور کے فتنوں سے آگاہ ہوں اور ان کا مقابلہ دلائل اور براہین کے ہتھیاروں سے کر سکیں۔

۸۔ انگریزی علوم

انگریزی زبان کے غلبہ و حاکمیت سے انکار نہیں۔ قدیم دور میں یونانی (جو ایک مغربی زبان ہی تھی) کو سیکھنے کا چلن

ہوا تو علمائے کرام نے اس کو رد کرنے کی جائے دیگر معاشرے سے بڑھ کر اسے اپنایا۔ متعدد علمائے کرام نے زبان میں مہارت حاصل کی اور یونانی علوم کو عربی میں منتقل کیا۔ تعلیمی اداروں میں اس زبان پر خصوصی توجہ دی جائے۔ نصاب میں گرائمر اور انگلش تراجم کرنے اور انگلش لٹریچر کو بھی خصوصی توجہ دی جائے تاکہ تمام طلبہ انگریزی پڑھنے' لکھنے اور بولنے پر قادر ہو سکیں۔

۹۔ اسلامی نظریہ حیات

اگرچہ سارا نصاب ہی اسلامی نظریہ حیات سے متعلق ہے۔ طلبہ وطالبات کو اسلامی نظریہ حیات سے اس انداز میں واقفیت دی جائے کہ اسلام کا معاشی نظام' مبادیات' معاشیات کی تشریح وتوضیح کے ساتھ 'اسلام کا سیاسی نظام' جدید سیاسی نظریات کے تقابل کے ساتھ اسلام کا معاشرتی نظام جدید معاشرتی افکار کے ہمراہ بالکل واضح ہو جائے اور طلبہ کو اسلام کی جامعیت اور اس کے کامل ترین ضابطہ حیات ہونے کا کماحقہ علم حاصل ہو سکے اور وہ پڑھے لکھے طبقے میں اسلامی نظام کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح اجاگر کر سکیں' نیز انہیں معاشیات کی اصطلاحات مثلاً زر مبادلہ' کرنسی کا پھیلاؤ' روپے کی قیمت' بجٹ وغیرہ اچھی طرح سمجھ میں آجائیں اور مغربی جمہوریت ودیگر نظام ہائے حکومت سے مکمل آگاہی حاصل کر سکیں۔

۱۰۔ تحقیقی کام

ہمارے دینی مدارس تحقیقی مراکز بھی ہوا کرتے تھے اور ان سے متعلق اساتذہ کرام نے ہزاروں گرانقدر تحقیقی کتب تصنیف کیں۔ لیکن ایک عرصہ ہوا ان اداروں میں تحقیق کے سوتے خشک پڑے ہیں۔ ہمارے قریبی دور میں شاہ عبدالحق دہلوی سو سے زیادہ کتب کے مصنف تھے۔ اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں علمائے کرام نے قانون سازی کا عظیم الشان کارنامہ فتاوئی عالمگیری کی شکل میں انجام دیا۔ مولانا نور الحق محدث دہلوی نے ''تیسر القاری'' کے نام سے ''صحیح بخاری'' شریف کی جامع شرح لکھی۔ شاہ ولی اللہ کے علمی کارناموں سے ایک دنیا واقف ہے۔ مولانا محمود الحسنؒ' مولانا حسین احمد مدنی' مولانا انور شاہ' مولانا اشرف علی تھانویؒ' مولانا سید سلیمان ندویؒ' مولانا احمد رضا خان بریلوی' مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ' مولانا ابوالکلام آزادؒ' مولانا شبیر احمد عثمانی' مولانا ابوالحسن ندوی' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ' پیر محمد کرم شاہ الازھری اور دیگر متعدد علماء کرام نے تحقیقی ذمہ داریاں کماحقہ ادا کیں۔ ان علمائے کرام نے ملت اسلامیہ کی بھرپور رہنمائی فرمائی۔ اب بھی مدارس کو تحقیقی اداروں کے طور پر بھی اپنے فرائض سر انجام دینے چاہئیں۔

۱۱۔ سمعی وبصری آلات تعلیم

اگرچہ سمعی وبصری آلات تعلیم سے خود سرکاری تعلیمی اداروں میں بھی کماحقہ استفادہ نہیں کیا جارہا۔ تاہم ان کی اہمیت وافادیت کسی سے مخفی نہیں۔ دینی مدارس میں ان کا استعمال اس لئے بھی آسان وممکن ہے کہ یہاں کسی بھی دینی مدرسے میں طلبہ کی محدود تعداد طویل عرصہ تک اقامت پذیر رہتی ہے۔ اس لئے یہ طلبہ وی۔ سی۔ آر اور کمپیوٹر کے ذریعہ جدید انداز میں اپنی دینی ودنیاوی معلومات بڑھا سکتے ہیں۔ علمائے کرام میں جدید ذرائع ابلاغ کی مرعوبیت بھی ختم ہو گی اور ان کا مثبت ومفید پہلو بھی ان پر واضح ہو گا۔

۱۲۔ تعلیمی سیاحت

سال میں ایک مرتبہ تعلیمی سیاحت کو بھی لازم قرار دیا جائے تاکہ طلباء اجتماعی انتظام میں مصروف لائبریریاں، جامعات اور تاریخی مقامات وغیرہ کی سیر کرائی جائے۔ اس طرح علمی معلومات میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ وسعت نظر بھی پیدا ہوگی۔ نیز تعلیمی سیاحت کے فطری تقاضے کو بھی مثبت انداز میں پورا کیا جاسکے گا۔

۱۳۔ لازمی فوجی تربیت

جس طرح کالجز میں این۔ سی۔ سی (N.C.C.) کی ٹریننگ کا سلسلہ ہے۔ اسی طرح حکومت سے رابطہ کر کے دینی مدارس کیلئے بھی یہ سہولت حاصل کی جائے تاکہ دینی مدارس کے طلبہ جہاد کی عملی مشق حاصل کرسکیں۔ اگر قوم وملک پر کوئی کڑا وقت آجائے تو علمائے کرام ہراول دستہ بن کر جہاد میں حصہ لے سکیں۔

دینی مدارس کے نصاب میں تاریخ کی اہمیت

اسی طرح دینی مدارس میں تاریخ پڑھانے کی بھی ضرورت ہے۔ یوں تو تاریخ ایک وسیع اور نہ ختم ہونے والا مضمون ہے۔ تاریخی معلومات کی وسعت کے لئے مستقل مطالعہ کی ضرورت ہے لیکن درجہ وار اجمالی تاریخ پڑھانا تاکہ اس مضمون کے ساتھ طلبہ کو انس پیدا ہو اور پھر وہ خود مطالعہ کرسکیں۔ کسی حد تک نصاب میں رکھنا بھی وقت کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے بھی اگر آسانی کی خاطر اردو کی کتابیں تجویز کی جائیں تو بہتر ہوگا۔ جماعت وار ترتیب یوں رکھی جائے کہ ایک کتاب جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ کے دورِ سعادت کے حالات کے بارے میں ہو تو دوسری کتاب خلفاء راشدین کے حالات پر مشتمل ہو، تیسری کتاب بنی امیہ کے حالات پر ہو اور ان میں سے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کا دور ذرا تفصیل سے پڑھایا جائے اور چوتھی کتاب دورِ عباسیہ پر مشتمل ہو۔ ان کتابوں کے پڑھنے اور سمجھنے اور یاد کرنے میں طلبہ کوئی خاص دقت نہیں ہوگی اور ان کا زیادہ وقت خرچ نہ ہوگا۔ میری رائے میں ندوۃ المصنفین اعظم گڑھ کی کتابیں اس مقصد کے لئے زیادہ مفید ہیں جن سے یہ کام لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح علامہ خضری کی کتاب التشریع الاسلامی بھی فقہ کی کسی کتاب کے ساتھ پڑھائی جائے تاکہ تدوین فقہ کی تاریخ بھی ان کے سامنے ہو۔ موجودہ دور میں علم معیشت نے بھی خاص اہمیت حاصل کی ہے۔ دینی مدارس کے طلبہ کو اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر کسی حد تک اس سے واقف ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اردو میں کوئی ایسی کتاب تجویز کی جائے کہ اس کے ذریعہ ان کو اس علم کی بنیادی معلومات حاصل ہوں اور اس کے ساتھ اسلام کا معاشی نظام بھی باقاعدہ دلائل کے ساتھ پڑھایا جائے۔ جغرافیہ پڑھانے کا بھی اسی طرح اہتمام کیا جائے کہ درجہ وار ہر جماعت میں اس کے کچھ حصے ضروری حد تک پڑھائے جائیں اور نقشوں کے ذریعے مختلف ممالک کے بارے میں ان کو واقف بنایا جائے۔ مثلاً پہلے درجہ میں پاکستان کا جغرافیہ، دوسرے درجے میں ایشیاء کا جغرافیہ، تیسرے درجے میں یورپ کے ممالک کا تعارف کرایا جائے، پانچویں درجے میں امریکہ کے بارے میں ان کو معلومات فراہم کی جائیں۔ سیاسیات اور شہریت کے لئے کتابیں منتخب کر کے ان کو مطالعہ کے لئے دی جائیں اور لازمی مطالعہ کے ذریعے انشاء اللہ وہ خود بخود معلومات حاصل کرسکیں گے۔ بالمقصد ادبی ذوق پیدا کرنے کیلئے اساتذہ اپنے طلبہ کو ترغیب دیا کریں کہ وہ اردو فارسی

میں کلامِ اقبال اور کلام اکبر کا مطالعہ کریں اور پسندیدہ اشعار یاد کیا کریں۔ پاکیزہ ادبی رسائل کا مطالعہ بھی کیا کریں۔

میری رائے میں نصابی کتابوں کی تبدیلی سے بڑھ کر اہم چیز طریقہ تعلیم و تدریس ہے۔ اب تک تفسیر و حدیث اور فقہ پڑھاتے وقت جن مسائل پر زیادہ زور دیا جاتا تھا اور جن پر اساتذہ اور طلبہ دونوں اپنا سارا زور صرف کرتے تھے وہ زمانہ ماضی سے تعلق رکھتے تھے۔ ہمارے دور میں قدیم معتزلہ اور ان کے اعتراضات و شکوک شبہات موجود نہیں بلکہ ان کی جگہ اس دور کے جدید معتزلہ نے جو عقلیت پسندی کے زعم باطل میں مبتلا ہیں۔ نئے نئے مسائل کھڑے کئے ہیں اور نئے نئے شبہات پیدا کر رہے ہیں۔ اب دین کی خدمت یہ ہے کہ تعلیم و تدریس میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ ہم طلبہ کو ایسے اسلحہ سے مسلح کریں اور وہ معلومات دے دیں کہ وہ مدارس سے نکل کر ہر میدان میں تقریر و تحریر کے ذریعے اس نئے دور کے معتزلہ کا مقابلہ کر سکیں۔ مثلاً فقہ میں خاص طور پر ہدایہ اخیرین پڑھاتے وقت معاملات کے ان مسائل کو جو وہاں ذکر ہیں موجودہ دور میں معاملات پر منطبق کیا کریں تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ کتاب صرف آٹھ سو سال پہلے زمانہ ماضی کے لئے بلکہ اس اس پندرہویں صدی میں بھی اس سے ہم رہنمائی حاصل کر کے اپنے معاملات کو شرعی طریقے پر چلا سکتے ہیں۔ اسی طرح ترمذی شریف اور بخاری شریف پڑھاتے ہوئے بھی سابقہ طریقہ کار کو بدل دیں اور معاملات اور دوسرے اجتماعی مسائل احادیث کی روشنی میں حل کیا کریں اور اساتذہ اور طلبہ دونوں اپنی ساری ذہانت اور قوت مطالعہ و تدریس اسی پر صرف کریں کہ موجودہ دور کے تمام پیچیدہ مسائل رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی روشنی میں بہترین طریقے سے حل ہو سکیں۔ ہمارے سابقہ نصاب میں براہ راست دین سے متعلق جتنی کتابیں ہیں ان کی تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں وہی مفید اور کافی ہیں۔ البتہ ان کی تدریس کا طریقہ بدلنا ضروری ہے۔ بقول اقبال مرحوم:

وہی شراب وہی ہا ہو رہے باقی
طریق مے کدہ رسم کدو بدل جائے

اسی طرح علم کلام کی کوئی کتاب بھی نصاب میں تجویز کی جائے۔ اس کے پڑھاتے وقت ان مباحث پر زیادہ زور دینے کی اب کوئی ضرورت نہیں جو زمانہ قدیم میں معتزلہ کے بعض غلط عقائد کی تردید کے لئے بیان کئے جاتے ہیں بلکہ وہ عقائد جن کی اہمیت قرآن و حدیث کی رو سے زیادہ ہے اور جو آیات و احادیث سے صریحاً ثابت ہیں۔ ان کو اچھی طرح نصوص کی روشنی میں سمجھانے کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل کے ساتھ بھی سمجھا دیا جائے اور شبہات کا ازالہ کیا جائے۔ مثلاً ثواب و عذاب قبر، مسئلہ ختم نبوت، مسئلہ خلافت وغیرہ۔

اب رہ گئی یہ بات کہ دینی مدارس میں انگریزی بھی پڑھائی جائے اور طلبہ کو دوسری نصابی کتابوں کے ساتھ انگریزی دان اور انگریزی خوان بھی بنا دیا جائے۔ اس بارے میں میری رائے یہ ہے کہ اگرچہ میں انگریزی زبان کی افادیت کا قائل ہوں اور بدقسمتی سے اس شخص کو جو انگریزی نہ جانتا ہو تعلیم یافتہ سمجھا نہیں جاتا۔ اس لئے اس کی اہمیت یقیناً ہے۔ لیکن دینی مدارس میں طلبہ کو نصاب کی ان دینی اور فنی کتابوں کے ساتھ انگریزی پڑھانا نقصان دہ سمجھتی ہوں۔

تجربہ یہ ہے کہ اس صورت میں طلبہ کی زیادہ توجہ انگریزی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ ذہنی قوی انگریزی کی طرف زیادہ مائل ہو جاتے ہیں اور دوسری کتابوں کی طرف توجہ باقی نہیں رہتی۔ طلبہ کی نگاہوں میں زیادہ اہمیت انگریزی

سیکھنے کی ہوتی ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل دینی علوم میں بالکل کچے رہ جاتے ہیں۔ان میں علم کی پختگی اور معلومات کی وسعت بالکل نہیں ہوتی اور یہ چیز مدارس دینیہ کے قیام کی اصل غرض وغایت کے خلاف ہے۔ہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اور کرنی چاہیئے کہ جس مدرسہ کے لئے یہ ممکن ہو کہ وہ علیحدہ شعبہ قائم کر سکے کہ جب طلبہ مدارس 'نصاب کی تمام کتابیں پڑھنے اور امتحان دینے کے بعد وہاں سے فارغ ہو جائیں اور علوم میں راسخ و پختہ ہو جائیں تو پھر خالص انگریزی کی طرف متوجہ ہوں اور انشاء اللہ ان دینی علوم کی برکت سے ذہن اتنا قوی اور صاف ہوا ہو گا کہ تھوڑے عرصے میں اچھی انگریزی سیکھ سکیں گے اور یہ ضرورت پوری ہو جائے گی۔الغرض میری رائے میں اس نصاب کے دوران تعلم میں طلبہ کو انگریزی سے دور ہی رکھا جائے تو بہتر ہو گا۔

موجودہ دور میں مختلف نوعیت کے مدارس کیلئے بزیل نام تجوید کئے جاتے ہیں

۱۔ تدارس القرآن

(الف) مدرسہ ناظرہ قرآن سے مراد وہ مدرسہ ہے جس میں صرف ناظرہ قرآن پڑھایا جاتا ہو۔
(ب) مدرسہ تجوید القرآن سے مراد وہ مدرسہ ہے جس میں قرآن کریم کو تجوید کیساتھ پڑھانے کا انتظام ہو۔
(ج) مدرسہ تحفیظ قرآن سے مراد وہ مدرسہ ہے جس میں قرآن کریم حفظ کرانے کا اہتمام ہو۔

۲۔مدارس علوم دینیہ

(الف) مدرسہ تحتانی سے مراد وہ مدرسہ ہے جس میں قرآن کریم ناظرہ' حفظ و تجوید کے علاوہ عربی و علوم دینیہ کی ابتدائی کتب کی تدریس کا انتظام بھی کیا گیا ہو۔
(ب) مدرسہ وسطانی سے مراد وہ مدرسہ ہے جس میں درس نظامی کی ابتدائی مروجہ کتب کی تعلیم و تدریس کا انتظام ہو۔
(ج) مدرسہ فوقانی سے مراد وہ مدرسہ ہے جس میں موقوف علیہ تک کتب یا فاضل عربی کا نصاب پڑھایا جاتا ہے
(د) دار العلوم سے مراد وہ ادارہ ہے جس میں درس نظامی کی مکمل تدریس بمعہ دورہ تفسیر حدیث کا انتظام ہو اور اس کا الحاق پاکستان کے وفاق المدارس' تنظیم المدارس اور رابطۃ المدارس' وحدۃ المدارس السلفیہ پاکستان یا رابطۃ المدارس العربیۃ میں سے کسی ایک ادارہ کے ساتھ ہو۔
(ہ) جامعہ سے مراد وہ تعلیمی ادارہ ہے جس میں مروجہ درس نظامی کی تکمیل کے بعد تخصص کا انتظام بھی ہو۔

سندات کا اجراء اور معاملہ سندات

کسی نظام تعلیم کے تحت امتحانات کے انعقاد اور ان میں طلباء کی شرکت کا اہم مقصد حصول سند ہوتا ہے۔سند اس امر کا ثبوت ہوتی ہے کہ اس کا حامل کس درجہ کا تعلیم یافتہ ہے۔
عام سکولوں اور کالجوں میں زیر تعلیم طلباء جب تعلیم کا سلسلہ منقطع کرتے ہیں یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں تو اپنے سکول یا کالج سے سکول / کالج چھوڑنے کا سرٹیفکیٹ حاصل کر کے کسی دوسرے تعلیمی ادارہ میں داخلہ

لے سکتے ہیں۔اسی تعلیمی سر ٹیفکیٹ کی بناء پر روزگار حاصل کرنے میں بھی سہولت حاصل ہوتی ہے۔

علوم دینیہ کی درسگاہوں کو بھی تعلیمی سلسلہ منقطع کرنے والے طلباء کو مدرسہ چھوڑنے کا سر ٹیفکیٹ جاری کرنا چاہیئے۔جس میں طلباء کی تعلیمی استعداد کا مناسب انداز میں اندراج ہونا چاہیئے۔

مدارس کی عمومی بہبودی کی تجاویز

(۱) مدرسہ میں داخل ہونے والے ہر طالب علم کا مفصل ریکارڈ مرتب کیا جائے۔ جس میں تاریخ پیدائش اور رجسٹریشن کے دیگر لوازم کا اندراج ضرور کیا جائے۔ طلباء کی باقاعدہ حاضری لی جائے۔اس سلسلہ میں ثانوی مدارس کی جائے کالجوں کا طریقہ اپنایا جائے یعنی جائے ایک دفعہ حاضری لینے کے ہر استاد اپنی جماعت کی حاضری لگائے تاکہ معلوم ہو کہ کون سا طالب علم جماعت سے غیر حاضر رہتا ہے اور کونسا حاضری کی پابند ہے۔

(۲) طلباء کی ریاضت جسمانیہ اور ورزش کا بھی اہتمام کیا جائے۔ تاکہ تعلیمی اور ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ جسمانی نشوونما پر بھی خوبی توجہ دی جاسکے۔ طلباء کی جسمانی صحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔اس مقصد کے لئے ایک قابل ڈاکٹر کی خدمات حاصل کر لینا چاہئیں۔ہر مہینے ہر طالب علم کا طبی معائنہ کرتا ہے اور اس کے ذاتی کارڈ پر اس کا اندراج کرتا رہے۔

(۳) دارالاقامہ میں بڑے بڑے کمرے بنوانے کے جائے ایسے چھوٹے چھوٹے کمرے زیادہ تعداد میں بنوائے جائیں۔ جن میں چار سے آٹھ طلبہ تک اقامت اختیار کر سکیں۔

(۴) مطبخ اور کھانے کے کمرے ایک طرف تعمیر کئے جائیں اور مطبخ کی صفائی اور حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق دیکھ بھال ہونی چاہیئے۔

(۵) طلباء کو تین وقت کھانا ضرور ملنا چاہیئے۔ یعنی ناشتہ 'ظہرانہ اور عشائیہ۔ کھانا وقت پر ملنا چاہیئے اور طلباء کی عزت نفس کو بر قرار رکھنے کے لئے انہیں مطبخ کا پکا ہوا کھانا ہی کھلانا چاہیئے۔ گھروں سے مانگ کر لانے اور قرآن خوانی کے معاوضے کے طور پر کھانا کھانے کی ممانعت ہونی چاہیئے۔

(۶) طلباء میں عزت نفس اور متانت پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ملک کے عام پبلک سکولوں کی طرح درس نظامیہ کے طلباء کے لئے بھی یونیفارم کے انداز میں ایک جیسا لباس مقرر کیا جائے۔جس کے لئے کوئی سادہ باوقار لباس تجویز کیا جا سکتا ہے۔ طلباء کا لباس بہر صورت صاف ستھرا ہونا چاہیئے۔

قومی مقاصد اور قومی تعلیمی پالیسی

"آئین پاکستان" کے بیان کردہ مقاصد مملکت کے تناظر میں اگر دس سالہ "تعلیمی پالیسی" کے پہلے تین ابواب کا جائزہ لیا جائے تو ان دونوں میں جزوی طور پر کچھ ربط و تعلق نظر آتا ہے لیکن مکمل ہم آہنگی کا خاصا فقدان ہے۔ تعلیمی پالیسی ایک اچھے مسلمان' ایک اچھے پاکستانی بننے میں متعدد نقائص موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ ایک اچھا مسلمان' اچھا پاکستانی اور قرآن وسنت کی تعلیمات کا کوئی اچھا نمونہ پیش کرنے میں شاید ہی کامیاب ہو سکے۔

یہ نقائص حسب ذیل ہیں:

ا۔ ماضی کے شریف کمیشن، نور خان، تعلیمی رپورٹ، پیرزادہ تعلیمی رپورٹ اور بے نظیر دور کے غلام مصطفےٰ شاہ تعلیمی رپورٹ کی طرح ہماری نئی تعلیمی پالیسی نے بھی سرکاری کنٹرول سے آزاد اس متوازی و متنوع نظام تعلیم کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کی ہے جو انگریزی ذریعہ تعلیم، بیرونی نصاب اور اونچی فیسوں پر مبنی معاشرے کے دولت مند طبقے کے لئے مخصوص ہے اور جس کے ادارے پرائمری سے لے کر کالجوں کی سطح تک ملک بھر میں ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا وجود تعلیم کے شعبے میں مسلمان بچوں کے درمیان کامل مساوات، حصول علم کے یکساں مواقع اور صلاحیت کی بنیاد پر مسابقت کے اسلامی اصولوں کی مکمل نفی ہے۔ اعلیٰ طبقوں اور مخصوص مفادات کا تحفظ کرنے والی پالیسی کو "قومی تعلیمی پالیسی" کا عنوان دینا قرین انصاف نہیں، جب تک قوم کے ہر فرد کو نافذ کردہ نصاب سے یکساں استفادے کا حق حاصل نہ ہو اسے قومی نہیں کہا جاسکتا ہے۔ ہمارے لئے یہ کس قدر افسوس بلکہ شرم کا مقام ہے کہ جس دین کے ماننے والوں نے علم کو ہوا اور پانی کی طرح ہر فرد کی لئے یکساں طور پر قابل حصول بنایا اور عام آدمی کی دسترس میں پہنچایا۔ عبادت گاہوں اور عدالتوں کی طرح درسگاہوں کو ۱۲ سو سال تک نہ صرف فیس کے تصور سے نا آشنار کھا بلکہ معلم اور متعلم دونوں کو مکمل کفالت کی ضمانت بھی مہیا کی، وہ آج کی اس ہم عصر دنیا میں، جہاں چین، جاپان، روس، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، برطانیہ امریکہ، اسکنڈے نیویا کے ممالک اور متعدد دوسری ریاستوں میں پوری قوم کے لئے یکساں نصاب تعلیم اور لازمی تعلیم کا اصول نافذ کیا جا چکا ہے۔ اسلام کی تجربہ گاہ بننے والے اس ملک میں وہ "طبقاتی نظام" کا تحفظ کر رہے ہیں۔ "یکساں نصاب کے بغیر" قوم کے بچوں اور نوجوانوں میں ذہنی و فکری ہم آہنگی، وحدت یکجہتی اور سمت و منزل کا یکساں شعور کبھی پیدا نہیں کیا جاسکتا، طبقات میں تقسیم نظام تعلیم، طبقاتی سوچ ہی کو فروغ دے گا اور قوم کو مختلف چھوٹے بڑے دائروں میں تقسیم کرتا رہے گا۔

۲۔ کسی قوم کی اصل قوت مادی وسائل سے زیادہ اس کی "فکری و نظریاتی ہم آہنگی" اور اس کے "باہمی اتحاد و یکجہتی" میں مضمر ہوتی ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران اسلام کے مشترک رشتے نے ہمیں فکری و نظریاتی ہم آہنگی عطا کی اور راس کماری سے لنڈی کوتل تک ایک مشترکہ زبان اردو نے ہمیں باہم مربوط و متحد کیا اور ہماری صفوں میں یکجہتی پیدا کی۔ اسلام اور ہندو مت جہاں نبرد آزما تھے وہیں اردو اور ہندی کا بھی مقابلہ جاری تھا۔ اردو تحریک پاکستان کے عوامل میں مذہب کے بعد دوسرا درجہ رکھتی تھی اور درحقیقت وہ ترجمان اسلام تھی۔ قائداعظم نے جو سندھ سے تعلق رکھتے تھے اور اردو کے چند جملے بولنے پر قادر نہ تھے انہوں نے اردو کو اسی لئے پاکستان کی قومی زبان قرار دیا تھا۔ ہمارے ہر آئین میں اس کی یہ حیثیت تسلیم کی گئی اور اسے دفتری زبان بنانے کی ضمانت دی گئی۔

مشترکہ علمی زبان کے بغیر کوئی قوم سرے سے قوم بنتی ہی نہیں۔ امریکہ میں انگریزی کے علاوہ فرانسیسی، جرمنی، اطالوی اور دیگر یورپی زبانیں مختلف حلقوں میں بولی جاتی تھیں اور یہ سب سے اعلیٰ علمی و سائنسی زبانیں ہیں۔ لیکن کہیں ترغیب اور کہیں جبر کے ذریعے انگریزی کو پوری قوم کی زبان بنائے بغیر امریکی ایک قوم نہیں بن سکے۔ یہی صورت روس میں اختیار کی گئی۔ بھارت میں سہ لسانی فارمولا جبراً نافذ کیا گیا اور ہندی کو پوری قوم کی مشترکہ زبان کے طور پر تسلیم کرایا اور بتدریج رائج کیا گیا۔ پاکستان میں ایک تسلیم شدہ غیر متنازعہ ڈاکٹریٹ تک کی سطح پر ذریعہ تعلیم بننے کی صلاحیت رکھنے والی زبان کو جو "یونیسکو" کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے۔

پاکستان کا ایک بھی نامور سائنس دان ایسا نہیں ہے کہ جس نے سائنسی ترقی کیلئے قومی زبان اردو کی ضرورت و اہمیت پر زور نہ دیا ہو اور یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان سمیت پاکستان میں ایک بھی نامور سائنسدان ایسا نہیں جو خود اردو ذریعہ تعلیم کی تخلیق نہ ہو۔ ہمارے قومی مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد قومی زبان کی "تنفیذ و ترویج" ہے۔ لیکن قومی تعلیمی پالیسی نے اس سلسلے میں بالکل الٹی سمت اختیار کی ہے اس لئے وہ قوم کی امنگوں اور مملکت کے آئین سے متصادم ہے۔

۳۔ پاکستان کو ترقی یافتہ دنیا کی صف میں لانے اور ۲۱ ویں صدی کے تقاضوں سے "ہم آہنگ" کرنے کیلئے غیر ملکی یونیورسٹیوں کے کیمپس یہاں کھولنے کی اجازت دی گئی ہے۔ بظاہر یہ بڑا جرأت مندانہ علمی اعتبار سے نہایت مفید اقدام نظر آتا ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو اس کے نقصانات اس کے فوائد سے بہت زیادہ ہیں۔ پہلی اور اصولی بات تو یہ ہے کہ تعلیمی کی اعلیٰ ترین سطح پر ایسے اساتذہ کی خدمات جو سیکولر ذہن رکھتے ہوں۔ اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر کو کوئی ادنیٰ سا تصور تو کجا وہ اس کا مخالفانہ اور مزاحمتی ذہن رکھتے ہوں' ہمارا کام سنوارنے کی بجائے مزید بگاڑیں گے۔ ان کا پیدا کردہ ذہنی الجھاؤ ہماری راہ کھوٹی کرے گا۔ وہ ہمیں دیں گے بہت کم اور ہم سے چھینیں گے بہت زیادہ۔

پاکستانی یونیورسٹیوں میں بیرونی اساتذہ کی خدمات سے بگاڑ شاید پیدا نہ ہو۔ جو بیرونی یونیورسٹیوں کے کیمپس قائم کرنے سے رونما ہو گا۔ بیروت کی امریکی یونیورسٹی نے اس ملک کی تہذیبی و ثقافتی زندگی اور اسکے ذہنی رنگ پر جو مضر اثرات مرتب کئے وہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ اس وقت اسکولوں اور کالجوں کی سطح پر جہاں جہاں تعلیم بیرونی ایجنسیوں اور مشنریوں کے کنٹرول میں ہے وہاں اس کے فکر و نظریاتی اور تہذیبی و ثقافتی نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ تعلیم کو بیرونی ہاتھوں میں دینے کا مطلب قوم کا دفاع دوسروں کے سپرد کر دینا ہے۔ جو آزاد اور خود مختار اسلامی جمہوری مملکت میں اس طرز کی پالیسی کا نفاذ قومی مفاد کے صریح منافی ہے۔

۴۔ پرائیویٹ سیکٹر میں ۱۶ یونیورسٹیوں اور لا محدود اسکولوں کالجوں کے قیام کا عزم بہت مبارک اور حوصلہ افزاء ہے لیکن اسلامی معاشرے کی روایات کے مطابق یہ کام تعمیر مساجد کی طرح ایک عبادت سمجھ کر کیا جاتا رہا ہے تجارت سمجھ کر نہیں۔ پالیسی میں یہ وضاحت نہیں ملتی کہ فروغ تعلیم کے منصوبے کو تجارتی رجحانات سے کس طرح پاک رکھا جائے گا؟ اگر علاقائی زبانوں پر مبنی ذریعہ تعلیم اردو میڈیم اور انگلش میڈیم کی طرز کے موجودہ اسکولوں اعلیٰ حکام کے بچوں کیلئے ماڈل اسکولوں' پبلک اسکولوں' مشنری اداروں کے مخصوص اسکولوں اور بلا فیس' ہلکی فیس اور گراں فیس کے اور مختلف نصاب کے اسکولوں ہی کو فروغ دیا گیا اور من مانی فیسیں مقرر کرنے کی کھلی چھوٹ دی گئی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم موجودہ بگاڑ کو مزید دراز اور گہرا کر رہے ہیں اور تعلیم کے میدان میں حیثیت مجموعی پوری قوم کی نہیں' اس کے مخصوص طبقات کی ترقی کے خواہاں ہیں اور پسماندہ طبقات کو پسماندہ ہی رکھنے پر مصر ہیں۔

۵۔ نصاب کے بارے میں یہ پالیسی اختیار کی گئی ہے کہ نصاب سازی اور درسی کتب کی تیاری پر قومی کنٹرول ختم کر دیا جائے گا اور درسگاہیں آزاد ہوں گی کہ اپنی پسند کا کوئی بھی نصاب منتخب کر کے اپنے ہاں رائج کر لیں۔ ایک نظریاتی مملکت میں اس طرح کی کھلی چھوٹ دینا نا قابل قیاس ہے یہ آزادی نہ برطانیہ میں ہے نہ امریکہ' کینیڈا' فرانس' جرمنی' جاپان اور چین یا بھارت میں' سعودی عرب اور متحدہ عرب عمارات میں بھی یہ آزادی نہیں ہے۔ ان ممالک میں آپ پرائیویٹ سیکٹر میں اسکول کھول سکتے ہیں مگر "نصاب" حکومت کا مقرر کردہ ہی پڑھانا ہو گا۔ طلبہ میں قومی سوچ اور ذہنی و فکری ہم آہنگی یکساں

نصاب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۶۔ خواتین یونیورسٹی کا قیام صدر محمد ضیاء الحق مرحوم کے زمانے (۸۸۔۱۹۷۷ء) سے حکومت کے ایک پختہ عہد کی صورت میں چلا آرہا ہے اور نواز شریف حکومت نے بھی نہ صرف اس کی پختہ یقین دہانی کی بلکہ لاہور میں اس کے لئے جگہ بھی مختص کی۔ لیکن قومی تعلیمی پالیسی اس سلسلے پر مکمل طور پر خاموش ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جہاں خواتین مردوں کی طرح اعلیٰ تعلیم کا پورا پورا حق رکھتی ہیں۔ مگر ان کی اکثریت مخلوط تعلیم کی مخالف ہے۔ ایسی یونیورسٹیوں کے قیام سے گریز کا مطلب یا خواتین کی اکثریت کو اعلیٰ تعلیم سے محروم رکھنا ہے یا ان پر جبراً مخلوط تعلیم مسلط کرنا ہے۔ یہ دونوں صورتیں صریح ظلم کی ہیں اور اس مثالی اسلامی معاشرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ جس کی تصویر کشی ہمارے آئین میں کی گئی ہے۔

۷۔ قومی تعلیمی پالیسی میں ہمارے ملک کی تعلیمی زندگی کے ایک بڑے شعبے کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جس میں طلبہ اور اساتذہ کی تعداد لاکھوں میں ہے یہ دینی مدارس کا شعبہ ہے۔ دینی اور دنیوی تعلیم کی یہ تقسیم بھی نو آبادیاتی دور سے شروع ہوئی۔ ورنہ اس سے قبل یہ دونوں تعلیم ایک ہی درسگاہ کی چھت کے نیچے کی جاتی تھیں۔ ایک آزاد اسلامی مملکت میں ان کو مربوط ہو جانا چاہئے۔ دینی مدارس کی تعلیم ہمارے معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کر رہی ہے۔ اس لئے یہ امر واقعہ ہے کہ اس سے بے تعلق رہ کر کوئی قومی تعلیمی پالیسی وضع نہیں کی جا سکتی۔

۸۔ تعلیمی پالیسی میں وفاقی سطح پر ایک "نیشنل ٹیسٹنگ سروس" (N.T.S.) کا قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ ایک اچھا اقدام ہے۔ اس کا مقصد اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں امتحانات اور آزمائشوں کیلئے ایسے نمونے اور طریقے فراہم کرنا ہے جن کے ذریعے طلبہ کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ کیا جا سکے اور ان کی درجہ بندی کی جا سکے۔

۹۔ اس پالیسی میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ضرورت واہمیت پر جا طور سے زور دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حقیقت نظر انداز کر دی گئی ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیش رفت عام تعلیم ہی کا ضمنی نتیجہ (Bi product) ہوا کرتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ایجاد و اختراع اور تعمیر و تخلیق کی غیر معمولی صلاحیتیں انہی قوموں میں نمودار ہوتی رہی ہیں۔ جنہوں نے تعلیم کو عام کیا اور ہر فرد کی دسترس تک اسے پہنچایا۔ جب علم کی یہ فراوانی ہمارے ہاں تھی تو سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہمارا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ جاپان اور چین کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہم اسی نسبت آگے بڑھ سکیں گے جس نسبت سے تعلیم اور بالخصوص ہم عصر علوم کی تعلیم وسیع سے وسیع تر کی جائے گی۔

۱۰۔ ہمارے آئین میں مملکت کے نظریاتی پہلو کا رنگ جتنا گہرا ہے وہ پالیسی میں اتنا گہرا نظر نہیں آتا۔ اس کی ایک وجہ غالباً یہ ہے کہ قومی تعلیمی پالیسی کو بڑے پراسرار طریقے سے تشکیل دیا گیا ہے۔ آخری شکل دینے سے پہلے اس کی مناسب تشہیر نہیں کی گئی۔ شرکاء تک کا انتخاب راز داری سے کیا گیا۔ ماہرین تعلیم، اساتذہ، علماء اور اہل فکر و دانش کو دعوت عام نہیں دی گئی۔ حتی کہ قومی تعلیمی پالیسی کو قومی اسمبلی میں زیر بحث نہیں لایا گیا۔ یہاں تک کہ کابینہ سے اس کی منظوری بڑے سرسری انداز میں حاصل کی گئی۔[10]

نتیجۃ البحث

اسلام آباد کے زیر اہتمام قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۹۲ء ۲۰۰۲ء میں مختلف سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے تعلق رکھنے والے ایک سو سے زائد ماہرین تعلیم اور دانش وروں نے شمولیت کی۔ تعلیمی پالیسی کا عمیق نظر سے جائزہ لیا گیا۔

اس کا حوصلہ افزاء پہلو یہ ہے کہ اس میں:

(الف) اسلامی نظام تعلیم کی ضرورت وافادیت اور علوم کی اسلامی تشکیل کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کے نفاذ کیلئے جو حکمت عملی تجویز کی گئی ہے وہ نامکمل و تشنہ نظر آتی ہے۔

(ب) ابتدائی اور پرائمری تعلیم کو خصوصی اہمیت دے کر ناخواندگی کو دور کرنیکا واضح الفاظ میں عزم مصمم نظر آتا ہے۔

(ج) تعلیمی پروگرام کے ہمہ گیر نفاذ کیلئے نئے مالی وسائل اور ذرائع کی نشاندہی کر کے تعلیمی بحران کا سنجیدگی سے نوٹس لیا گیا ہے۔

(د) میرٹ پر نجی تعلیمی اداروں کی حوصلہ کی ضرورت واہمیت وافادیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔

(ہ) دس سال کیلئے مختلف تعلیمی اہداف کا تعین کر کے راہ منزل نمایاں کرنیکی بھرپور سعی کی طرف اقدام کئے گئے ہیں۔

سیمینار کے شرکاء نے ان پہلوؤں اور تجاویز سے اتفاق کرتے ہوئے انہیں مزید محکم کرنے پر زور دیا ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی کی قابل اصلاح پالیسیوں پر نظر ثانی' مختلف نظری یا عملی خامیوں کی تصحیح اور اس پالیسی کو ملک وملت کے اصل مقاصد اور عزائم سے پوری طرح ہم آہنگ کرنے کے لئے مثبت تجاویز اور سفارشات پیش کیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) قومی تعلیمی پالیسی کو نظر ثانی کے بعد قوم کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس پر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں بحث کی جائے اور ''اسلامی تعلیمی'' کمیشن برائے اسلامائزیشن آف ایجوکیشن'' کی سفارشات کو اس میں شامل کرتے ہوئے اسے از سر نو مرتب کیا جائے۔

(۲) پارلیمنٹ ایک جامع تعلیمی ایکٹ منظور کرے جس میں تعلیم سے متعلق مقاصد' اہداف اور حکمت عملی کو آئینی تحفظ حاصل ہو۔

(۳) رسمی تعلیم کے ساتھ ساتھ غیر رسمی تعلیم بھی تعلیم کا موثر ذریعہ ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی روشنی میں جو مقاصد رسمی تعلیم کے ہیں وہی غیر رسمی تعلیم کے ہونے چاہئیں۔ اس سلسلے میں غیر رسمی تعلیم کے ذرائع یعنی اخبارات' رسائل' ریڈیو' ٹیلی ویژن اپنا بھرپور مرکزی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

(۴) پالیسی میں دینی مدارس کی تعلیم کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ محکمہ تعلیم ان مدارس کو اپنا دائرہ کار تصور کرے۔ ان اداروں کے اعداد و شمار جمع کرے اور ان مدارس کے ذمہ داروں کی مفید تجاویز پر عمل کرے۔

(۵) سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق اس پالیسی دستاویز میں جو سفارشات کی گئی ہیں ان پر فوری عمل درآمد کر کے قوم کے سامنے پیش کیا جائے۔

(۶) قومی تعلیمی پالیسی کے نفاذ کا "ایکشن پلان" فوری طور پر شائع کیا جائے۔ "نصاب اور درسی کتب پر بھرپور توجہ دی جائے"

(۷) قومی یکجہتی کیلئے پورے تعلیمی نظام میں ایک قومی نصاب کا ہونا ضروری ہے۔ اس وقت ملک میں تعلیم کے جو مختلف دھارے انگلش میڈیم' اردو میڈیم' پبلک سکول اور دیگر خصوصی تعلیمی اداروں کی شکل میں کام کر رہے ہیں ان میں یکساں نصاب تعلیم و تدریس کا نفاذ از حد ضروری ہے۔

(۸) درسی کتب کو از سر نو اس طرح مرتب کیا جائے کہ:

(الف) وہ قرآن و سنت کے ابدی پیغام کو طلبہ و طالبات کے ذہنوں میں نقش کر دیا جائے۔

(ب) غیر اسلامی نظریات (طبیعی اور سماجی علوم) میں علمی تنقیدی شعور بیدار کیا جائے۔

(ج) طلبہ و طالبات کی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جائے اور ہر شعبہ علم و فن سے متعلق گہری واقفیت سے ہمکنار کیا جائے۔

(۹) اسکولوں کی طرح پر بچوں کو غیر ملکی نصابی کتابوں کی ترویج کو سختی سے روکا جائے اور نجی اداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ صرف پاکستان میں تالیف ہونے والی درسی کتب کو ہی اپنے اداروں میں رائج کریں گے۔

(۱۰) اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کو پرائمری سے لے کر گریجویشن کی سطح تک ہر تعلیمی ادارے میں لازمی مضامین کے طور پر پڑھایا جائے۔ لیکن ان دونوں مضامین کے نصاب میں بنیادی تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ نئے نصاب میں فقہی مسالک سے بالاتر ہو کر تدریج کے ساتھ قرآن مجید' احادیث' اسلامی تاریخ و سیرت اور تحریک پاکستان کو ایک موثر اور باثر طریقے سے متعارف کرایا جائے۔

اس سلسلے میں اہم تجاویز درج ذیل ہیں:

(الف) دسویں کی سطح تک تمام بچوں کو قرآن مجید باترجمہ پڑھایا جائے۔

(ب) بنیادی عربی زبان ابتدائی ثانوی جماعتوں میں اس طرح پڑھائی جائے کہ طلبہ و طالبات میں آسان عربی کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

(ج) ابتدائی ثانوی جماعتوں میں سیرت پاک ﷺ تفصیل کے ساتھ پڑھائی جائے۔

(د) انٹر اور ڈگری کی سطح تک بر صغیر کی تاریخ کا تفصیلی جائزہ "تحریک پاکستان" اور اسکے آئین و بنیادی مقاصد ذہن نشین کرادیئے جائیں۔

(۱۱) ہر سطح پر تمام مضامین میں قومی زبان میں معیاری کتب نصاب اور کتب حوالہ کی ترتیب' تالیف اور طباعت کا کام ہنگامی بنیادوں پر شروع کیا جائے۔

اساتذہ کی پیشہ ورانہ تربیت پر خصوصی توجہ

(۱۲) کالجوں اور جامعات کے اساتذہ کی پیشہ ورانہ تربیت کا نظام رائج کیا جائے۔

(۱۳) اساتذہ کے پیشہ ورانہ معاملات' مسائل' انتخاب' تربیت اعلیٰ تعلیم کے اہتمام اور معاشرے میں ان کے مقام و مرتبے کی بحالی کیلئے مرکزی سطح پر ایک "ٹیچر کمیشن" مقرر کیا جائے جو ایک متعین وقت میں اسی سال کے دوران اپنی

سفارشات پیش کرے۔

ذریعہ تعلیم قومی زبان "اردو"

(۱۴) قومی پالیسی میں اردو کو جو نہ صرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی زبان ہے بلکہ سارے ملک میں رابطے کی زبان ہے اس کی بنیادی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

(۱۵) اعلیٰ ملازمتوں کے مقابلے کے امتحانوں میں قومی زبان اردو کو بھی ذریعہ اظہار بنایا جائے۔

(۱۶) انگریزی کو ثانوی اور اعلیٰ جماعتوں میں ایک مضمون کے طور پر پڑھایا جائے اور اس کے معیار کو بہتر بنایا جائے۔

(۱۷) غیر ملکی اداروں اور جامعات کو پاکستان میں اپنے کیمپس قائم کرنے یا تعلیمی ادارے قائم کرنے سے لازماً روک دیا جائے تاکہ وطنِ عزیز ان کی تہذیبی و ثقافتی یلغار سے محفوظ رہ سکے اور اندرون ملک (NCAAA) نجی اداروں کو تسلیم کرنے اور درجہ بندی کرنے کی مناسب پالیسی بنائے۔

(۱۸) "خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ مبذول کی جائے"

خواتین کی تعلیم کیلئے علیحدہ نصاب، علیحدہ اسکول اور کالج کھولنے، وفاقی سطح پر ایک اور چاروں صوبائی صدر مقامات پر علیحدہ یونیورسٹیاں قائم کرنے پر بھرپور عملی توجہ درکار ہے۔ نیز لڑکیوں کے معیاری کالجوں میں ایم۔ ایس۔ سی، ایم اے اور ایم۔ فل کی کلاسوں کی سہولت فراہم کی جائے۔

(۱۹) ابتدائی تعلیم مفت مہیا کی جائے۔

حکومت اس بات کی ذمہ دار ہو گی کہ آٹھویں جماعت تک ہر بچے کو مفت تعلیم مہیا کی جائے۔ خواندگی کو جلد از جلد عام کرنے کیلئے ہر مسجد جہاں باجماعت نماز کا اہتمام ہوتا ہو۔ اسے "مسجد مکتب" قرار دیا جائے۔ تین جماعت کے ان ابتدائی مدرسوں کو پرائمری اسکول کے ساتھ مربوط کیا جائے۔

(۲۰) عوام میں وسیع پیمانے پر تعلیم اور خواندگی بڑھانے اور "عوامی کتب خانوں" کی حوصلہ افزائی کیلئے واضح طور پر مالی اور عملی پروگرام دیا جائے۔

(۲۱) نظم تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے۔

تعلیمی اداروں کو سیاست دانوں، حکومت اور سول انتظامیہ کی مداخلت سے بچایا جائے۔

(۲۲) یونیورسٹیوں کی خود مختاری کو یقینی بنایا جائے۔

(۲۳) اسکول کی سطح تک والدین اور اساتذہ کی انجمنیں قائم کی جائیں۔ کمرشل ایجوکیشن، مینجمنٹ، بزنس ایڈمنسٹریشن، بین الاقوامی مالیات، کمپیوٹر خواندگی وغیرہ کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے پیش نظر حکومت ان مضامین کے متعلق معیاری ادارے قائم کرے، ان اداروں کی علیحدہ نظامت کی جائے۔

طلبہ و طالبات کی کردار سازی پر خصوصی توجہ مبذول کی جائے اور اس کے لئے عملی تدابیر

اختیار کی جائیں۔

(۲۴) طلبہ و طالبات کی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کیلئے ان کی نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے' تاکہ وہ کھیلوں' مباحثوں' علمی سرگرمیوں میں اپنے زائد وقت کا مفید اور باثمر استعمال کریں۔

(۲۵) اعلیٰ تعلیم کیلئے مستحق طلبہ کو قرضِ حسنہ کی سہولت مہیا کی جائے تاکہ وہ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کر سکیں اور بارو زگار ہونے کے بعد ادائیگی کر سکیں۔

(۲۶) مشیت ایزدی کا ایک سرِنہاں ہے کہ خالق ذوالجلال ہر دور اور ہر نسل میں کچھ افراد ایسے پیدا فرماتا ہے' جنہیں فہم و فراست کے اعتبار سے وہ خاص طور پر نوازتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں خداداد دیانت اور معاملہ فہمی پرکھنے کیلئے' امتحانات کے ذریعہ سے پہچانے جاسکتے ہیں اور انہیں خصوصی تعلیم اور ٹریننگ دے کر مختلف پیشوں کے لئے معاشرے میں پیداواری خدمات سرانجام دینے کے لئے وقف کر لیا جاتا ہے۔[1]

دورِ جدید میں ملک برطانیہ ایک ایسی مثال فراہم کرتا ہے' جس نے تعلیم کو اولیت دے کر دنیا بھر پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ برطانوی یونیورسٹیاں فطری قابلیت رکھنے والے افراد کے مراکز بن گئیں تھیں۔ جو طالب علم غیر معمولی قابلیت کے شواہد پیش کرتے تھے' انہیں یونیورسٹی میں ہی استاد بنا دیا جاتا تھا' اور وہ اپنے مضمون میں تصنیف اور تحقیق کی بلند منزلیں طے کرتے جاتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ نے بے مثال اقتصادی نقصان اٹھایا' جس کا ازالہ کئے بغیر اس قوم کا سنبھلنا مشکل نظر آتا تھا۔ چنانچہ کنزرویٹو پارٹی نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں اقتصادیات کے پروفیسر ہیرلڈ ولسن کو پارٹی کا سربراہ بنایا۔ پروفیسر ولسن کا کوئی سابقہ عملی سیاسی تجربہ نہ تھا۔ لیکن سیاسی پارٹی نے ان کی خداداد علمی قابلیت پر اعتماد کیا اور ولسن برطانیہ کے وزیر اعظم بن گئے۔

اسلام کی تاریخ میں ایسی مثالیں بہت سی ہیں کہ جن میں اعلیٰ ترین حاکمیت کے مناصب پر وہ افراد فائز ہوئے' جنہوں نے اپنی خداداد ذہانت کو صیقل کرنے کیلئے درس گاہوں میں وقت گزارا اور صاحب بصیرت اساتذہ سے زندگی کے اسرار و رموز کے بارے میں ہدایت لی۔ یورپ میں تعلیم اور تعلم کی اسلامی روایت ہسپانیہ (اسپین) اور قسطنطنیہ کی اطراف سے پھیلی' اور علم کی بے مثال افزائش کا باعث بنی۔ جس کی بناء پر یورپی اقوام نے دنیا بھر پر اپنی عملداری قائم کر لی۔

آج پاکستان کی تعلیم کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کس طرح ان چیدہ افراد کو جنہیں تعقل' تدبر اور تفکر کی اہلیت سے قدرت نے نوازا ہے' تدریس کی ذمہ داریاں سپرد کی جائیں؟ تعلیم اور قومی تعمیر کی اس بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تعلیم کا ایک سروس سٹرکچر بنایا جانا چاہیئے۔ جس کے تحت تعلیم و تدریس سے وابستہ ہونے والے قابل نوجوان کسی بھی پہلو سے دوسرے پیشوں سے پیچھے نہ رہیں۔ خوش قسمتی سے آج بھی پاکستان میں اساتذہ کے احترام کا تصور عوام کے شعور میں رچا بسا ہے۔ اس شعور کو برقرار رکھنا اور پروان چڑھانا اسلامی تمدن کے استقلال کا ایک جزو ہے' تاہم مادہ پرستی کے سیلاب میں بہہ جانے والی اقلیت اس منصب اور نزاکت سے بے پرواہ ہوتی جارہی ہے۔[2]

(۲۷) تعلیم اور سائنس کی اہمیت

''ہمیں سائنس دانوں کی ضرورت ہے اور ماہرین سماجیات کی نہیں'' یا ''ماہرین سماجیات و ادبیات محض بوجھ ہیں۔''

ہیں۔" نہیں، ہمیں انسانی زندگی کو ایک کل کے طور پر لینا چاہیئے کہ یہی دیانت داری ہے۔ اس میں دیکھنا چاہیئے کہ کون سا شعبہ کتنی اہمیت کا متقاضی ہے۔ پھر اس کے مطابق مجموعی قومی پیداوار سے وسائل صرف کرنے چاہئیں۔ ہمیں انتظامیات، بنک کاری، قانون، عمرانیات، سیاسیات، طب، ابلاغیات، سائنسی مضامین، کمپیوٹر اور انجینئرنگ وغیرہ میں پورے قومی شعور کے ساتھ پیش رفت کرنی ہے اور اسے محض نجی شعبے کی تاجرانہ کشاکش کا میدان نہیں قرار دینا۔ اگر ہمارے ارباب بست و کشاد نے ایسا کیا اور قوم کے باشعور طبقوں نے اس پر محض خاموشی اختیار کئے رکھی تو یاد رکھیئے یہ قومی جرم ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم ایسے فیصلے کرنے والوں کو یہاں کوئی سزا ملے گی یا نہیں؟ لیکن مجھے یہ صاف نظر آرہا ہے کہ بحیثیت قوم ہمیں اس دنیا میں ضرور سزا بھگتنا پڑے گی۔

قومی تعمیر و ترقی کے لئے ہمیں اپنی پیداواری صلاحیت کو کم از کم دس گنا زیادہ بڑھانا ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے مزدور بھائی اسے کس رنگ میں لیتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ ہمیں آٹھ گھنٹے کے بجائے بارہ گھنٹے کام کرنا چاہیئے اور انہیں اضافی چار گھنٹوں کا معاوضہ بھی دینا چاہیئے۔ تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی، صنعت، زراعت اور تجارت، کون ایسا میدان ہے کہ جہاں ہماری صورت حال تسلی بخش ہے؟ ظاہر ہے کہ تسلی بخش نہیں ہے اور ان تمام شعبہ جات کا نکتہ آغاز صرف تعلیم ہے۔

یہ بجا ہے کہ ہماری تعلیم کو ہماری ثقافت، ہمارے عقیدے اور ہماری تاریخ کا مظہر ہونا چاہیئے۔ لیکن اتنا ہی اہم سوال یہ بھی ہے کہ ہماری منزل کیا ہے؟ اور ہماری تعلیمی پالیسی کو اس منزل کی جانب کس انداز میں قوم کی رہنمائی کرنا ہے۔ اقوام عالم میں کس طرح باعزت زندگی گزارنا ہے، کس طرح بین الاقوامی تعلقات کی دلدل میں ذلت سے اپنا دامن بچا کر خودداری کا چراغ روشن کرنا ہے۔ یقین جانیئے، ان تمام معاملات کی ڈور تعلیم ہی سے نکلتی ہے۔ اس لئے میرے نزدیک نظریات کی اہمیت بجا مگر قومی ترقی اور خودداری بھی اتنی ہی ضروری ہے، بالکل اسی طرح قوم کی مادی ترقی اس صورت میں ممکن ہی نہیں جب تک کہ وہ ہمارے نظریات اور قومی مقاصد کی آئینہ دار نہ ہو۔ [۱۳]

(۲۸) اعلیٰ تعلیم، قومی تعلیمی پالیسی اور نجی شعبہ

پاکستان میں بیشتر سرکاری یونیورسٹیاں وقت کی ضروریات کا ساتھ دینے میں ناکام رہی ہیں، خصوصاً مضامین کے اضافے، نصاب کو جدید بنانے اور نئے تجرباتی آلات و سامان کی فراہمی وغیرہ کے ضمن میں سرکاری یونیورسٹیاں وقت کا ساتھ نہیں دے سکیں۔ جبکہ نجی شعبے نے کئی میدانوں میں فوقیت حاصل کی ہے۔ مستقبل قریب میں سرکاری یونیورسٹیاں انجینئرنگ اور ہائی ٹیکنالوجی کے میدانوں میں پرائیویٹ سیکٹر کو اپنا مدمقابل نہیں پائیں گی۔ کسی وقت ایسی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے کہ سرکاری یونیورسٹیاں بنیادی مضامین پر مرکوز ہو جائیں اور پرائیویٹ سیکٹر ان مضامین کے عملی پہلوؤں پر۔ جبکہ N.C.A.A.A کا بنیادی کردار یہ ہونا چاہیئے کہ مختلف مضامین **(Disciplines)** کے پھیلاؤ کو ضوابط کے دائرے میں رکھے اور "یونیورسٹی گرانٹس کمیشن" کی معاونت سے قومی ترقی کی ضروریات کے مطابق افراد کار کی کسی مخصوص میدان میں مانگ و فراہمی کا جائزہ لے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تحقیق و ترقی **(Research and Development)** کی بنیادی ذمہ داری سرکاری

شعبے کو اٹھانا پڑے گی۔ کیونکہ نجی شعبہ اپنے وسائل کو طویل مدت کے اور نا قابل بھروسہ قسم کے منصوبوں میں لگانے سے ہچکچاتا ہے۔ سرکاری یونیورسٹیاں اپنے بھاری وسائل کی بناء پر تحقیق کے میدان میں سبقت حاصل کر سکتی ہیں۔ اسی طرح لیبارٹری کی مرہون منت تحقیق سے بھی سرکاری شعبہ ہی برآ ہو سکتا ہے۔ نجی شعبہ ایسی اہم خدمت کو بے نفع مہم جوئی سمجھ کر پہلو بچاتا رہے گا۔

نجی شعبے میں تحقیقی کام کی کمی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ شعبہ سرکاری یونیورسٹیوں کے ماہرین اور اساتذہ پر انحصار کرتا ہے' جو پرائیویٹ اداروں میں جز وقتی (Part- time) کام کرتے ہیں۔ چنانچہ پرائیویٹ اداروں میں کام کرنے والے تین جز وقتی اساتذہ ہمہ وقتی (Full Time) استاد کے برابر کام کرتے ہیں۔ یہ اساتذہ عموماً اپنا لیکچر دینے تک ہی محدود رہتے ہیں۔ یہ بالعموم اپنی بنیادی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اتنے مصروف رہتے ہیں' کہ ان کے پاس تحقیق کے لئے کوئی وقت نہیں ہوتا۔

حکومتی ریسرچ گرانٹ کے بنیادی طور پر مستحق تو سرکاری ادارے ہیں' جبکہ غیر معمولی حالتوں میں جہاں اعلیٰ کارکردگی اپنا رنگ دکھائے ایسے نجی شعبے کو بھی ریسرچ گرانٹ دی جانی چاہیئے۔[۱۴]

(۲۹) استاد: تربیت اور تعلیمی کیڈر

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

☆ پرائمری اسکول کے تقریباً دو لاکھ پینسٹھ ہزار اساتذہ کو تربیت دے کر بھرتی کیا جائے گا۔
☆ جہاں تک ممکن ہو سکے پرائمری اسکولوں کے لئے خواتین اساتذہ کو بھرتی کیا جائے گا۔
☆ پرائمری اسکول کے اساتذہ کی بھرتی کے لئے عمر کی آخری حد میں رعایت دی جائے گی۔
☆ پرائمری اسکول (پی ٹی سی) کے اساتذہ کی تنخواہ اور شرائط ملازمت کو بہتر بنایا جائے گا۔
☆ محلہ اسکول کے معلم اور مسجد اسکول کے امام کے مشاہرہ پر نظر ثانی کی جائے گی۔
☆ دیہی اور شہری علاقوں میں کام کرنے والے اساتذہ کے الاؤنسوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔
☆ پرائمری اسکولوں کے اساتذہ کی تنخواہوں کو ان کی تعلیمی قابلیت کے ساتھ منسلک کر دیا جائے گا۔
☆ دوران ملازمت تربیت اساتذہ کیلئے ''وسیلی مراکز'' قائم کرنے کے سلسلے میں غیر سرکاری تنظیموں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔
☆ مرکزی سطح پر اور ہر صوبائی محکمہ تعلیم کی سطح پر تربیت اساتذہ کیلئے الگ الگ یونٹ منظم کئے جائیں گے۔
☆ اساتذہ کو ''کام کے دوران تربیت'' مہیا کرنے کیلئے ''گشتی تربیتی یونٹ'' ترتیب دیئے جائیں گے۔
☆ تربیت اساتذہ کے اداروں کو جدید ساز و سامان سے لیس کیا جائے گا اور ان اداروں کی فیکلٹی کی علمی سطح اور مہارتوں کو جدید خطوط پر استوار کرنے کیلئے مناسب تربیت کا بندوبست کیا جائیگا۔
☆ ہر سطح کے اساتذہ کیلئے دوران ملازمت تربیت کا ایک باقاعدہ نظام شروع کیا جائے گا۔ دوران ملازمت تربیت کیلئے فاصلاتی نظام تعلیم کے طریقے استعمال میں لائے جائیں گے۔ تربیت کے پروگراموں میں معاشرتی تحریک پیدا کرنے

کے طریقے استعمال کئے جائیں گے۔ تربیت اساتذہ کے تمام پروگراموں میں کمپیوٹر کی تعلیم ایک لازمی جزو ہوگی۔

☆ ریاضی، سائنس اور لسانیات کے اساتذہ کی کمی کو پورا کیا جائے گا۔ پیشہ تدریس میں قابل لوگوں کو متوجہ کرنے کیلئے خصوصی وظائف (سکالرشپ) کی اسکیم شروع کی جائے گی۔

☆ دوران ملازمت تربیت حاصل کرنے پر اساتذہ کو قائل کرنے کے لئے رغبت اور تحریک دینے کا ایک نظام وضع کیا جائے گا۔ ایجادات اور تخلیقی کام کے لئے نقد انعامات کا سلسلہ شروع کیا جائے گا۔

☆ اساتذہ کے لئے ''وسیلی مراکز'' قائم کرنے کے سلسلے میں نجی شعبہ کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ان مراکز سے تربیت حاصل کرنے کے لئے سرکاری سکولوں سے اساتذہ کی باقاعدہ نامزدگی کی جائے گی۔

☆ تربیت اساتذہ کے نصاب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے گا اور تربیت اساتذہ کے دورانیہ کو بڑھانے کی ضرورت کا جائزہ لیا جائے گا۔

☆ عملی تدریس کی مشق کو تربیت اساتذہ کے پروگرام کا لازمی جز بنایا جائے گا اور پاس ہونے کے لئے اس کی الگ اپنی حیثیت ہوگی۔ پرائیویٹ طور پر بی۔ایڈ کرنے والوں کو اس وقت تک کوئی ڈگری نہیں دی جائے گی جب تک کہ وہ ممتحن کی تسلی کے مطابق عملی تدریس کی مشق پوری نہ کرلیں۔ فاصلاتی تعلیم کے طریقے سے بی ایڈ کرنے والوں کے لئے بھی اس قسم کی شرط لازمی ہے۔

☆ اساتذہ کے مسائل معلوم کرنے اور ان مسائل کے حل کیلئے مفید مشورہ دینے کی غرض سے ایک قومی سطح کا کمیشن تشکیل دیا جائے گا۔

☆ بین الاقوامی سطح کی کانفرنس میں اساتذہ کی شرکت کے سلسلے میں .N.O.C (عدم اعتراض) کے سرٹیفکیٹ کی پابندی اٹھا لی جائے گی۔

☆ ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی کے طلبہ کی رہنمائی کرنے والے یونیورسٹی اساتذہ کو تحقیقی الاؤنس دیا جائے گا۔

☆ سائنس اور ٹیکنالوجی کے نئے مضامین میں یونیورسٹی اگر چاہے تو اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کو کنٹریکٹ (Contract) کی بنیاد پر زیادہ مشاہرہ دے کر تعینات کرسکتی ہے۔

☆ اساتذہ کا احتساب کارکردگی کی بنیاد پر ہوگا، جس کی روشنی میں انعام یا سزا دینے کیلئے خصوصی بورڈ تشکیل دیئے جائیں گے۔

☆ اساتذہ کو ایسے اختیارات دیئے جائیں گے کہ وہ ''ڈسپلن کمیٹی'' کے بغیر شر پسند اور دوسرے ایسے عناصر کو سزا دے سکیں۔

☆ اساتذہ اور منتظمین کے لئے ایک ضابطہ اخلاق بنایا جائیگا جس کی پابندی سختی سے کرائی جائیگی۔

(۳۰) اساتذہ کی عوام میں قدر افزائی کی صورت حال کا جائزہ

اساتذہ کے معاشرتی مقام کے تعین کے لئے چھٹا عنصر یہ ہیکہ اس پیشے کی قدر و قیمت کی عوام میں کیا صورت حال

ہے ؟اس مقصد کیلئے معاشرے میں موجود مختلف پیشوں کی عوام کی نظروں میں وقار کے اعتبار سے درجہ بندی اور اہمیت کے اعتبار سے ترتیب بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔اسے **Social Status Scale** کا نام دیا جاتا ہے اور اس میں یہ جانچا جاتا ہے کہ معاشرے میں موجود مختلف پیشوں کی مناسبت سے پیشہ تدریس 'لوگوں کی نظروں میں قدر افزائی کے نقطہ نظر سے کسی درجے پر آتا ہے۔ مثلاً برطانیہ میں رجسٹرار جنرل کی تحقیق کے نتیجے میں مرتب کردہ فہرست کے مطابق اسکول اساتذہ سوشل کلاس نمبر ۲ میں آتے ہیں اور یونیورسٹی کے اساتذہ سوشل کلاس نمبر ا میں آتے ہیں۔سوشل کلاس نمبر ا میں آنے والے دوسرے پیشوں میں سوشل ورکر 'ڈاکٹر 'انجینئر اور پادری بھی شامل ہیں۔اسی طرح امریکہ میں اسکول اساتذہ پیشہ وارانہ نمبر میں ڈاکٹروں 'انجینئروں 'وکیلوں اور وزراء سے بہت پیچھے ہیں۔پاکستان کی صورت حال اس میں بہت تشویش ناک ہے۔اس سلسلے میں مختلف سطح کے اساتذہ کے معاشرتی رویے کا تقابلی جائزہ 'امریکہ کے اساتذہ سے ذیل میں کیا جاتا ہے:

نمبر شمار	اساتذہ کا درجہ	پاکستان میں سوشل سکیل	امریکہ میں سوشل سکیل نمبر
۱	یونیورسٹی اساتذہ	۱۶,۵	۳,۵
۲	کالج کے اساتذہ	۲۱	۸
۳	اسکول کے اساتذہ	۴۳	۲۷,۵

ضرورت اس امر کی ہے کہ نئی قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۹۲۔۲۰۰۲ میں ایسے اقدامات شامل کئے جائیں 'جن سے پیشہ تدریس کا شمار سوشل کلاس نمبر ا میں ہونے لگے 'تاکہ اس کا مثبت اثر براہ راست استاد کے معاشرتی مقام پر پڑے۔

(۳۱) ہمیں پاکستان میں آج تک ایسے استاد کی اشد ضرورت ہے 'جو اسلامی کردار کا حامل ہونے کے ساتھ مستقبل کے مسلمان طلبہ کی اسلامی نہج پر نشوونما کر سکے۔ہمیں ہر طرح سے یہ کوشش کرنا ہوگی کہ ہمیں ایسے استاد میسر آئیں جن کا کردار قابل تحسین ہو 'جن میں مشنری جذبہ ہو 'جن میں مقاصد کے حصول کی لگن ہو 'جو علمی اور پیشہ وارانہ لحاظ سے اہل ہوں 'جن میں اسلامی بالغ نظری کوٹ کوٹ کر بھری ہو اور دوسروں تک بھی اسے منتقل کر سکیں 'جو تدریسی حکمت عملی اور طریقہ ہائے تدریس میں ماہر ہوں 'جو یورپی علوم کے ساتھ ساتھ قرآن اور سنت کے علم میں بھی عالم ہوں 'جو ہر مضمون کو اسلامی تناظر میں پڑھ سکیں 'جو حق بات کہنے میں کبھی بھی نہ ہچکچائیں 'جو اپنی سرکاری اور ذاتی زندگی میں اسلامی طرز حیات اپنائے رکھیں اور جو جدید دنیا اور بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں اپنے آپ کو نئے قالب اور کردار میں ڈھالنے کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔

(۳۲)☆ مشہور ماہرین تعلیم پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا جائے گا جو پاکستان کے اساتذہ کے کردار کا واضح تعین کرے گا۔اس سلسلے میں ان غیر سرکاری اداروں کا بھی تعاون حاصل کیا جائے جو اس میدان میں پہلے سے ہی سرگرم عمل ہیں۔

☆ تمام اساتذہ کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ ایک باعمل مسلمان استاد کا کردار اپنائیں۔اساتذہ کا جائزہ بھی اسی نئے

- ☆ تربیت اساتذہ کے پروگرام اور اس کے نصاب کو اس طرح تبدیل کیا جائے کہ اس مجوزہ کردار کے اساتذہ ہی میسر سکیں۔
- ☆ اس مجوزہ کردار کی بنیاد پر اساتذہ کو وفاقی اور صوبائی سطح پر ہر سال ''تمغہ حسن کارکردگی'' دیا جائے گا۔
- ☆ اس مجوزہ کردار کی روشنی میں ''ایک مثالی استاذ'' کا تصور متعارف کرایا جائے گا۔
- ☆ ملازمت پر موجودہ اساتذہ کو اس مجوزہ کردار میں ڈھالنے کے لئے ''دوران ملازمت تربیت/کورسز'' کا اہتمام کیا جائے گا اور ہر سال کل اساتذہ کی کم از کم ۱۰ فیصد اساتذہ کی تعداد کو یہ تربیت دی جائے گی۔
- ☆ بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں اساتذہ کے تبدیل ہوتے ہوئے کردار پر سیمیناروں' کانفرنسوں' آموزگاروں اور ورکشاپس کا اہتمام کیا جائے گا۔

(۴۳) تعلیم اور نظریہ پاکستان کا تحفظ

پاکستان اسلامی نظریہ حیات کے قیام کیلئے معرض وجود میں آیا تھا۔ اسلامی نظریہ کے عملی نفاذ کیلئے چونکہ یہ ضروری ہے کہ زندگی کے تمام شعبہ جات کو چلانے والے افراد کا راس نظریہ کا مکمل شعور و آگہی اور اس کے لئے عمل کا جذبہ رکھتے ہوں۔ ہمارا تعلیمی نظام طلبہ کی صلاحیتیں پروان چڑھانے میں بھی ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکا' چہ جائیکہ انہیں اس سلسلے میں ضروری اسلامی تعلیمات اور صالحیت جیسی خوبیوں سے لیس کرتا۔

چنانچہ اس کمی کو اسلام اور نظریہ پاکستان پر یقین رکھنے والی طلبہ تنظیموں نے پورا کیا ہے۔ ان تنظیموں نے طلبہ کے اندر اسلام اور پاکستان سے محبت کے جذبہ کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کبھی ملک کی نظریاتی اور جغرافیاتی سرحدوں کے تحفظ کا مسئلہ بنا خواہ وہ مسئلہ دینی واخلاقی افکار و تہذیب یا اخلاق و اقدار کی پامالی کا ہو یا دشمن کے ہاتھوں ملک کے ٹکڑے کر دینے کا۔ ان دونوں دھاروں میں طلبہ ہمیں ہراول دستے کے طور پر نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں ۱۹۵۳ء۔ ۱۹۷۴ء میں چلنے والی ''تحریک ختم نبوت'' اس کی بہترین مثال ہے۔ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے خلاف اسلامی نظریے کی حفاظت اور پاکستان کی سالمیت کی حفاظت کیلئے ''البدر'' کے نام سے جو تحریک چلی وہ بھی طلبہ ہی پر مشتمل تھی اور اس کی تنظیم سازی پاکستان کی سب سے بڑی طلبہ تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ نے کی۔ آج بھی باطل قوتیں اسلام اور پاکستان کے خلاف ہمیں جس طرح سینہ سپر نظر آتی ہیں' ان کا منہ توڑ جواب طلبہ ہی دے سکتے ہیں۔ کیونکہ طلبہ کی مثال بدن میں رواں خون کی سی ہے۔ جو مقدار میں کم ہوتا ہے مگر اس کا مثبت اور منفی کردار پورے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ طلبہ تنظیموں پر پابندی کے نتیجے میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو طلبہ کو رنگ' نسل اور مذہب کی حد بندی سے آزاد کر کے انہیں اسلام اور پاکستان کی حفاظت کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دے۔

(۴۴) پاکستان کی انتظامی مشینری کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ یہاں مفاد پرستی کا عنصر قومی مفاد پر غالب ہے اور اس میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ چھوٹی چھوٹی علاقائی اور لسانی قوتوں نے تشخص' علیحدگی پسندی' قوم پرستی اور حقوق کے نام پر اس سلسلے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اب تو یہ مرض ملک کے تعلیمی اداروں میں بھی پھیل چکا ہے۔ سندھ' بلوچستان اور سرحد کے تعلیمی اداروں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اس وبا کا راستہ سرکاری یا دفتری انداز سے نہیں روکا جا سکتا' بلکہ اس

کے لئے ایسے جذبہ اخوت و محبت کی ضرورت ہے کہ جو ہمیں ذاتی اور گروہی مفادات کے بجائے ملکی اور قومی مفادات کی خاطر کام کرنے پر مجبور کر دے۔ طلبہ کے اندر جذبہ صرف قومی سطح پر کام کرنے والی طلبہ تنظیمیں ہی پیدا کر سکتی ہیں۔ انسان معاشرتی طبع کا مالک ہے۔ لہٰذا طلبہ تنظیموں پر پابندی کا فیصلہ ملک میں علاقائیت 'برادری اور لسانیت کی بنیاد پر چھوٹے چھوٹے گروہوں کو جنم دے گا۔ جب سندھی' بلوچ' پٹھان' مہاجر' جٹ' آرائیں اور گوجر وغیرہ کی بنیاد پر طلبہ منظم ہوں گے تو تعلیمی اداروں میں تمام معیارات اور اخلاقی اقدار خاک میں مل جائیں گی۔[17]

(۳۵) تعلیمی امن کے قیام کیلئے ضابطہ اخلاق

قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۹۲ء باب نمبر ۱۱' دفعہ ۳' شق نمبر ۴ میں دیئے گئے ضابطہ اخلاق کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے اساتذہ انتظامیہ اور طلبہ تینوں کو اس میں شامل کیا جانا چاہیے۔ اساتذہ کرام کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ طلبہ کے معاملات میں غیر ضروری دخل اندازی' انہیں استعمال کرنے اور گروہ بندی سے اجتناب کریں۔ کلاس میں طلبہ کی حاضری و امتحانات کے دوران پسند و ناپسند سے بالاتر ہو کر غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کریں۔

انتظامیہ کے لئے ضروری ہو کہ وہ تعلیم کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنے میں ان کی بروقت مدد کرے۔ نصاب کی تکمیل' امتحانی شیڈول کا تحفظ اور نتائج کے بروقت اعلان کو اپنا مشن بنائے اور تعلیمی اداروں میں بدعنوان عناصر کا محاسبہ کر کے انہیں سخت سزائیں دینے کا بندوبست کرے۔ اسی طرح طلبہ سے اس بات کا عہد لیا جائے کہ وہ اسلام اور نظریہ پاکستان کے خلاف نہ خود کام کریں گے اور نہ ہی کسی ایسی تحریک یا تنظیم میں شمولیت اختیار کریں گے جس کا مقصد پاکستان کی سالمیت و استحکام کو کمزور کرنا ملک میں فرقہ واریت' علاقائیت ذات اور برادری ازم کو فروغ دینا ہو۔ انہیں اس بات کا بھی پابند کیا جائے کہ وہ اساتذہ کرام کا پورا پورا احترام کریں اور اس عہد کی خلاف ورزی کرنے والوں کو جرم ثابت ہو جانے پر مسلمہ اصولوں کے مطابق سزا کا مستحق قرار دیا جائے۔[18]

(۳۶) سپریم کورٹ: اسٹوڈنٹس یونین اور طلبہ سیاست

چیف جسٹس (ریٹائرڈ) محمد افضل ظلہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"یہ بات ہمارے علم میں لائی گئی ہے کہ طلبہ انجمنوں (Students Unions) کے عہدیداران اور دیگر ممبران کو متعلقہ قوانین کی بعض دفعات کی رو سے تعلیمی اداروں کی (اعلیٰ اختیاراتی) انتظامی مجالس مثلاً سنڈیکیٹ و سینیٹ وغیرہ کا کارکن بنایا جاتا ہے نہ صرف یہ بلکہ انہیں بعض کمیٹیوں کا بھی ممبر بنایا جاتا ہے (جس سے) اساتذہ اور ادارے کا وقار اور طلبہ برادری کی اکثریت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ حرکت' اظہار رائے' تقریر' اجتماع کی آزادی سے متعلقہ کئی بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر تعلیمی ماحول میں اساتذہ کا وقار اور طلبہ کی ایک بڑی اکثریت کے حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اس مثال کو حد درجہ مبالغہ آرائی سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس موضوع پر مزید بحث کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ جو افراد ہمارے سامنے پیش ہوئے ان سب کی متفقہ رائے تھی کہ اس عمل سے اداروں کے مجاز افسران اور انتظامیہ کو قابل لحاظ نقصان پہنچا ہے۔ لہٰذا ہم' جبکہ باضابطہ گروپس طلبہ انجمنوں (Legitimate

(Student Union اور ان کی سرگرمیوں سے پابندی اٹھارہے ہیں' اسی کے ساتھ ان گروپس' انجمنوں اور ان کے ممبران کی تعلیمی اداروں کے اندر طلبہ تنظیموں سے وابستگی خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو' ممنوع قرار دیتے ہیں۔ تاہم طلبہ گروپس / انجمنوں کے ارکان اور ان کے عہدیداران تعلیمی وابستگی خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو' ممنوع قرار دیتے ہیں۔ تاہم' طلبہ گروپس / انجمنوں کے ارکان اور ان کے عہدیداران تعلیمی زندگی کو بہتر بنانے اور وہاں قیام کے لئے اپنی شکایات' تجاویز' مشورے اور دیگر طریقے طلبہ امور کے انچارج تک پہنچانے میں مسلسل آزاد رہیں گے اور اس سلسلے میں وہ ضروری کارروائی کے بعد ادارے کے سربراہ سے بھی درخواست کر سکیں گے۔ ادارے کا سربراہ اس درخواست پر فوری کارروائی کرے گا لیکن اگر اس پر کسی بے آبرومندانہ یا کسی دوسرے طریقے سے زیر بار لایا جاتا ہے تو ایسی صورت میں وہ فوری کارروائی کا پابند نہ ہوگا۔ اس کے جائے جب وہ دباؤ اور جبر سے آزاد ہوگا' اپنی ذمہ داری کے مطابق معاملہ کا جائزہ لے گا اور احکام عدل' دیانتدارانہ رویے اور رحم دلی اور ہمدردی سے بھرپور پورے اختیارات کے ساتھ اس کا فیصلہ کرے گا۔ اگر کسی دادرسی سے انکار کر دیا جاتا ہے اور معاملہ اتنا اہم ہو کہ تعلیمی ادارے کے سربراہ اور طلبہ امور کے انچارج یا طلبہ گروپس یا انجمن کی مجلس عاملہ کی طرف سے اس کی اہمیت کی تصدیق کر دی جاتی ہے تو ایسی صورت میں معاملہ آئین کی دفعہ ۱۸۴' شق نمبر ۳ کے تحت مناسب حکم کے لئے سپریم کورٹ میں لایا جاسکتا ہے۔"[۱۹]

(۳۷) وسائل کی فراہمی اور قومی تعلیمی پالیسی

تعلیم کے لئے سرکاری بجٹ:

پروفیسر ڈاکٹر اشفاق ایچ قادری اس کے بارے میں تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"تعلیمی پالیسی میں پورے عرصے کے لئے ۱۴۳,۳ کروڑ روپے مختص کئے گئے ہیں۔ جن میں ۱۰۷,۲ کروڑ سرکاری یا پبلک سیکٹر کے تحت حاصل کئے گئے اور بقیہ ۳۶,۰۷ کروڑ نجی شعبہ یا پرائیویٹ سیکٹر فراہم کرے گا۔

۱۹۹۲ـ۹۵ء دورانیئے کا تخمینہ

یہ امر زیادہ حقیقت پسندانہ ہوگا کہ پہلے وسطی مدت یعنی ۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۵ء تک کے عرصے کے لئے مختص کی گئی رقوم کا جائزہ لیا جائے کیونکہ فی الوقت ملک میں تعلیمی ضرورت اور معاشی ماحول کے بارے میں کافی شعور اجاگر ہو رہا ہے۔

۱۹۹۱ـ۹۲ء کو بنیادی سال تصور کرتے ہوئے' منصوبہ بندی کے پہلے تین سالوں کے لئے سرکاری (رقوم) تخصیص کا تجزیہ کیا گیا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ ترقیاتی اخراجات میں ایک سال کے دوران ۸۶ فیصد تک اضافہ ہوگا۔ ۱۹۹۱ـ۹۲ء کے دوران ترقیاتی پروگرام پر کل سرکاری اخراجات کا تعین ۷۹ کروڑ روپے ہے۔ جس میں تعلیم کے لئے مجموعی طور پر ۳,۷ کروڑ روپے مختص کئے گئے ہیں۔ گویا مجموعی بجٹ کے لئے ۴,۶ فیصد رقوم مختص کی گئیں۔

۱۹۹۲ـ۹۳ء میں مجموعی سرکاری ترقیاتی پروگرام کیلئے ۷۴ کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے' جن میں سے تعلیم پر ۶,۹ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تعلیمی بجٹ پر مجموعی قومی بجٹ میں سے ۹,۴ فیصد حصہ صرف ہوگا۔ چنانچہ ایک سال میں تعلیمی بجٹ کا تناسب دوگنا ہو جائے گا۔

اگلے دو برسوں کے دوران ترقیاتی منصوبوں کیلئے سرکاری رقوم میں کوئی معتدبہ اضافہ ہوتا بظاہر دکھائی نہیں دیتا۔

ان دو برسوں کے لئے ایک تعین ۸۰ کروڑ روپے کے قریب ہے' جس میں سے تعلیم پر بالترتیب ۸٫۸ کروڑ اور ۹٫۳ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے۔ فیصد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو مجموعی ترقیاتی اخراجات میں تعلیمی حصے میں تقریباً ۱۱ فیصد تک اضافہ ہوگا' جو جٹ کے وسائل کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔

مالی دشواریاں

۱۹۹۱ء میں مجموعی سرکاری بجٹ کا کل خسارہ ۸۹ کروڑ روپے تھا' جو اگلے سال ۹۵ ملین روپے تک جا پہنچا۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان کے جاری کئے ہوئے مالی گوشوارے کے مطابق GDP کے فیصد حساب سے ۱۹۹۱ء میں خسارہ ۸٫۷ فیصد تھا اور ۱۹۹۲ء میں ۷٫۹ فیصد رہ گیا۔ ۹۲۔۱۹۹۱ء کے اس خسارے کا تقریباً ۸۰ فیصد بینکوں سے قرضوں کے ذریعے پورا کیا گیا۔

اس جانب اشارہ کیا جارہا ہے کہ موجودہ سال میں دسمبر تک بجٹ کی اس صورتحال میں کوئی مثبت تبدیلی ہوتی نظر نہیں آتی۔ انجام کار صرف بینکوں کے نظام سے قرضوں کی مقدار ۱۰۰ کروڑ روپے کی حد سے بھی آگے بڑھ جائے گی۔

مالیاتی وسائل کی افزائش اور حصول میں یہ ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ جبکہ حکومت کا زیادہ تر انحصار قرضوں پر اور خصوصاً بینکوں سے قرضوں پر ہے۔ یہ کس طرح قابل عمل ہو سکے گا کہ تعلیمی میدان میں ترقیاتی منصوبوں پر اخراجات میں ۸۶ فیصد تک اضافہ ہو سکے؟ ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔[۲۰]

(۳۸) تعلیمی پالیسی میں نجی شعبے کا کردار اور اس کا تنقیدی جائزہ

موجودہ تعلیمی پالیسی کے منصوبے میں کہا گیا ہے کہ "نجی شعبے کی جانب سے اگلے دس سالوں کے دوران ۱۶ نئی یونیورسٹیاں قائم کرنے کی توقع ہے" جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کراچی میں ایک پرائیویٹ یونیورسٹی گزشتہ چار سالوں میں ایک بھی پوسٹ گریجویٹ فیکلٹی شروع کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ ایک اور بڑے پرائیویٹ تعلیمی ادارے کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ فی طالب علم پانچ سالوں کے لئے بطور فیس =/۲۵۰۰۰ ڈالر وصول کرتا ہے۔ جو ایک لاکھ چھبیس ہزار روپے سالانہ (یا کل چھ لاکھ تیس ہزار روپے) سے زیادہ بنتا ہے۔ کیا یہ خدمت خلق ہے یا کاروبار؟ اسی طرح لاہور میں قائم معروف نجی یونیورسٹی کی بے پناہ فیسیں بھی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ ان اداروں کے علاوہ گذشتہ چار سالوں میں نجی شعبے کی جانب سے یونیورسٹی کی سطح پر کوئی قابل ذکر سرمایہ کاری نہیں کی گئی ہے۔ پھر آخر کیسے ہم توقع رکھیں کہ پرائیویٹ شعبہ اگلے دس سالوں میں باقاعدہ سولہ یونیورسٹیاں قائم کرے گا۔

ایک یونیورسٹی پر جس میں کم از کم دو فیکلٹیاں ہوں' لاگت کا تخمینہ ۱۵۰ کروڑ روپے ہے' جبکہ اضافی اخراجات تقریباً ۲۰ کروڑ روپے ہوں گے۔ کیا موجودہ حالات میں یہ بات سرمایہ کاروں کے کسی ایک گروپ کے بس میں ہے؟؟

یقیناً ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ تو کیا اس سے اندازہ نہیں ہوتا کہ تعلیمی پالیسی کا منصوبہ بڑی بے احتیاطی سے تشکیل دیا گیا ہے اور اس میں مختص کی گئی رقوم کا حصول بظاہر کسی بھی منطق سے پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا اور جس منصوبے کے مالی پہلو اتنے کمزور ہوں اس پر مجوزہ منصوبے کا ڈھانچہ کیسے کھڑا ہوگا؟

تعلیمی پالیسی میں' سرکاری اور نجی دونوں شعبوں کے لئے وسائل کی فراہمی کا طریق کار بہت سارے بنیادی

سوالات اٹھاتا ہے اور یہ یقین نہیں دلاتا کہ کوئی قابل عمل مالیاتی وضع کیا گیا ہے۔اس لئے ہمارے خیال میں یہ ساری کاوش نظر ثانی کی محتاج ہے۔ فی الوقت اس تعلیمی منصوبے کو پڑھنے والے مطمئن نہیں ہوتے تو پھر آنے والی نسلوں کے وسیع اور اچھی تعلیم کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟۲۱۔

دینی مدارس بورڈ اور ماڈل دار العلوم کے قیام کے بارے میں تشکیل دیئے جانے والے ورکنگ گروپ کا پہلا اجلاس اور اسکی رپورٹ درج ذیل بیان کی جاتی ہے۔

ورکنگ گروپ کا پہلا اجلاس جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی ممبر نیشنل سیکورٹی کونسل حکومت پاکستان اسلام آباد کی صدارت میں مورخہ ۶ مارچ ۲۰۰۰ء کو چیف ایگزیکٹو سیکریٹریٹ نمبر ۲ کے کانفرنس روم (342-A) میں صبح دس دس بجے منعقد ہوا۔

تلاوت قران مجید کے بعد جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اس اجلاس کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم دینی مدارس کی بہتری کیلئے ممکنہ اقدامات کے بارے میں غور وفکر کر کے مناسب اور قابل عمل لائحہ عمل تجویز کرنا چاہتے ہیں۔یہ ہماری دینی ضرورت بھی ہے اور دور جدید کا تقاضا بھی۔ آپ نے اس ورکنگ گروپ کی تشکیل کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تین ماہ قبل چیف ایگزیکٹو کے ساتھ ایک ملاقات میں دینی مدارس کے بارے میں تفصیلی گفتگو کے بعد طے پایا کہ کابینہ کے اجلاس میں اس موضوع پر **Presentation** دی جائے۔ جس کے نتیجے میں یہ ورکنگ گروپ تشکیل دیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ رسمی تعلیمی نظام میں دینی تعلیم پر کماحقہ توجہ نہیں دی گئی۔ جامعات میں بھی دینی تعلیم کے شعبوں میں کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا۔ طلباء کی فکری رہنمائی کے سلسلے میں یونیورسٹی اساتذہ کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے۔ ماضی میں کسی حکومت نے بھی اس پر توجہ نہیں دی۔

آپ نے تعلیم کے سلسلے میں مسلم حکومتوں کا کردار سراہتے ہوئے فرمایا کہ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں تعلیمی نظام کی آزادی مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا۔ چنانچہ موجودہ حکومت بھی اسی روایت کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے دینی مدارس کو مکمل طور پر آزاد اور خود مختار دیکھنا چاہتی ہے۔ حکومت دینی تعلیم کے بارے میں جو کردار ادا کرنا چاہتی ہے اس کے لئے متبادل تعلیمی نظام پیش کرے گی۔ اس نظام کے پیش کرنے والوں کے علم، فہم وبصیرت اور ذاتی کردار پر اگر قوم کو اعتماد ہوگا تو وہ اس کا خیر مقدم کرے گی ورنہ مسترد کردے گی جیسا کہ ماضی میں صدر ایوب خان کے عہد میں ہوا۔ اس دور میں معقول آمدنی والے وقف سرکاری تحویل میں لے لئے گئے اور دوسرے چھوڑ دیئے گئے۔ دوسرا تجربہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں ہوا دینی تعلیم کے بارے میں کمیٹی بنائی گئی' نصاب تیار ہوا' مدارس کی فلاح وصلاح کے سلسلے میں علماء کی جانب سے تجاویز مرتب ہوئیں اور یہ سارا کام تقریباً اتفاق رائے سے ہوا لیکن بورڈ بنانے کے سلسلے میں اس خدشے کے تحت کہ مدارس سرکاری کنٹرول میں آجائیں گے اور ان کی آزادی وخود مختاری مجروح ہوگی کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔

ڈاکٹر غازی صاحب نے مزید فرمایا: "تعلیم جب بھی حکومت کے تابع ہوگی' اس میں خرابی پیدا ہوگی اس لئے میں دینی مدارس کے سلسلے میں کوئی بھی پروگرام طے کرنے سے پہلے ان کی آزادی اور خود مختاری کو یقینی بنانا چاہتا ہوں۔ اس

سلسلے میں یہ محض ابتدائی خاکہ ہے۔ ایک تجویز یہ بھی ہے کہ حکومت مدرسہ ایجوکیشن بورڈ قائم کرے۔ وزارت تعلیم اور وزارت مذہبی امور سے نمائندے لئے جائیں۔ چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل بربنائے منصب اس کے سربراہ ہوں۔ حکومت ۵ تا ۱۰ سال تک مالی امداد دے، عوامی اعانت بھی قبول کی جائے اور ایک وقف قائم کیا جائے، یہ ادارہ نصاب تعلیم کی ترتیب، امتحانات کے انعقاد اور اسناد کے اجراء کا ذمہ دار ہوگا۔ ان اسناد کے حاملین اعلیٰ تعلیم، سرکاری ملازمت، مقابلے کے امتحانات الغرض جہاں بھی دوسری رسمی تعلیمی اسناد قابل قبول ہوتی ہوں، اس کی اسناد قابل قبول ہوں گی۔

ماڈل دار العلوموں کے قیام کے سلسلے میں آپ نے بتایا کہ کم از کم ایک پوسٹ گریجویٹ سطح کا دار العلوم فوراً قائم کیا جانا چاہئے۔ اس سلسلے میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کا احیاء بھی کیا جاسکتا ہے۔ جہاں پہلے ہی کیمپس موجود ہے۔ پرانی عمارت جو اب جامعہ اسلامیہ کے زیر استعمال نہیں رہی، ماڈل دار العلوم کے لئے مختص کی جاسکتی ہے اور اس کی وقف املاک بھی۔ اس ادارے میں ایم۔ اے، ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح پر تعلیم دی جائے۔

دوسرے درجے میں ماڈل دار العلوموں کے قیام کے لئے حاجی کیمپس کی عمارتیں جو بالعموم سال میں گیارہ ماہ تک خالی پڑی رہتی ہیں استعمال کی جائیں۔ اس پروگرام کے پہلے مرحلے میں دو زنانہ ادارے اور چار مردانہ ادارے قائم کئے جائیں گے۔ اسی طرح بادشاہی مسجد لاہور سے ملحقہ عمارات کا حصول بھی ممکن بنایا جائے گا اور بعد میں ہر ڈویژن میں کم از کم ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا کہ پاکستان کے ۱۰۶ اضلاع میں سے ہر ایک میں فوری طور پر ماڈل دینی مدارس کا قیام مشکل ہے۔ اس لئے سردست ۲۰ منتخب اضلاع میں ماڈل دینی مدارس قائم کئے جائیں۔ ان میں پرائمری / مڈل یا ایف۔ اے تک دینی اور رسمی تعلیم کو مربوط کر کے جاری کیا جائے۔ اس سلسلے میں عہد حاضر میں مغربی افکار کے تناظر میں عالم اسلام کے مسائل اور کمپیوٹر سائنس وغیرہ پر خصوصی توجہ دی جائے۔ ان مدارس کے لئے رسمی نصاب کے منتخب اجزاء، ابتدائی عربی زبان اور درس نظام کے منتخبات پر مشتمل ایک جامع نصاب مرتب کیا جائے۔

آپ نے آخر میں کہا کہ اس ابتدائی خاکے کے بارے میں مشورہ دیں کہ یہ کہاں تک قابل عمل ہے اور اس پروگرام پر عمل درآمد کے سلسلے میں کن مشکلات و مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مدارس بورڈ کی ہیئت ترکیبی کیا ہونی چاہئے؟ اور یہ بورڈ کسی وزارت کے تحت ہو یا آزاد؟ آپ نے کہا آپ کے مشوروں کی روشنی میں اس پروگرام کی حتمی صورت گری کی جائے گی۔ نیز مالی وسائل کے سلسلے میں اوقاف کے وسائل زکوٰۃ، بیت المال اور صوبائی حکومتوں کے وسائل سے مدد لی جائے گی۔ اس کے بعد آپ نے سب سے پہلے جناب ڈاکٹر ایس۔ ایم زمان، چیئرمین، اسلامی نظریاتی کونسل کو اظہار خیال کی دعوت دی۔ ۲۲ ـ

جناب ڈاکٹر ایس۔ ایم زمان نے فرمایا کہ ایسا پروگرام وضع کیا جائے جو زیادہ سے زیادہ قابل عمل ہو، اس کے ذریعے دینی تعلیم کے نصاب میں مزید وسعت اور گہرائی پیدا کی جائے۔ دینی اور رسمی نصابات کی ثنویت ختم کر کے انہیں باہم مربوط کیا جائے۔ رسمی مضامین موجودہ شکل میں پڑھانے کی جائے ان کی اسلامی تشکیل کی جائے۔ رسمی تعلیمی نظام میں ہی اسلامی اجزاء کا اضافہ کیا جائے۔ تعلیمی سرگرمیوں کے ذریعے اسلامی اقدار کے فروغ اور تحفظ کی خاطر سوشل سائنسز

(Social Sciences) کی تدریس پر خصوصی توجہ دی جائے' مدارس اور سکولوں / کالجوں کے مابین کھیلوں اور تقریری مقابلوں وغیرہ کے ذریعے رابطہ بہتر بنایا جائے' ماڈل دار العلوموں کے انتظام وانصرام اور نصابات وغیرہ کے لئے بورڈ تشکیل دیا جائے اور اس بورڈ کی آزادی اور خود مختاری کے لئے قانون سازی کی جائے۔ جامعہ عباسیہ یا کسی دوسرے موجود ادارے کی بجائے نیا ادارہ قائم کیا جائے تاکہ وہ مکمل طور پر غیر مسلکی بنیاد پر ہو۔ یہ ادارہ مدینۃ الحجاج یا علماء اکیڈمی میں قائم کرنا زیادہ بہتر ہوگیا۔ شیخ زاید اسلامک سنٹرز اب یونیورسٹیوں کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس لئے انہیں Centers of Excellence بنانے پر توجہ مرکوز کی جائے۔ ان اداروں میں فوری طور پر فوقانی سطح پر بلحہ تخصص کے درجے سے ابتداء کی جائے اور اس میں داخلے کے لئے موقوف الیہ کی تکمیل ضروری قرار دی جائے۔ ذرائع آمدنی کے سلسلے میں مدارس کا طریق کار اختیار کیا جائے اور حکومت پر انحصار کرنے کی بجائے وقف قائم کئے جائیں۔ ۲۳ے

چوہدری منیر احمد صاحب نے فرمایا کہ برصغیر میں مسلمانوں کا تعلیمی نظام غلامی سے پہلے نہایت جامع تھا۔ بد قسمتی سے موجودہ تعلیمی نظام کردار سازی سے عاری ہے۔ اس نظام کے تحت دینی علوم کی تدریس سے بھی خاطر خواہ نتائج بر آمد نہیں ہوئے۔ اب وزارت تعلیم نے سکولوں میں قرآن مجید ترجمے کے ساتھ پڑھانے کا پروگرام وضع کیا ہے۔ امید ہے کہ اس سے اصلاح احوال میں مدد ملے گی۔ آپ نے توقع ظاہر کی کہ ورکنگ گروپ تعلیمی نظام میں اسلامی عنصر (Compo-nent) کا مثبت انداز میں جائزہ لے کر مفید تجاویز مرتب کر سکے گا۔ آپ نے اس بات پر زور دیا کہ دینی تعلیمی نظام اور رسمی تعلیمی نظام کو باہم مربوط کرنا ہوگا۔ نیز رسمی تعلیمی نظام کی بالادستی کا تاثر بھی ختم کرنا ہوگا۔ آپ نے دینی اور رسمی تعلیمی نظاموں کے مابین ارتباط کے سلسلے میں حکومتی اقدامات کا تفصیل سے ذکر کیا اور اس بات پر زور دیا کہ ماڈل دینی مدارس قائم کئے جائیں Centers of Excellence بنائے جائیں۔ شیخ زاید اسلامک سنٹرز میں بہت ساری سہولتیں موجود ہیں۔ اب انہیں ماڈل دار العلوم بنایا جاسکتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ ابتداء میں پانچ ماڈل دار العلوم قائم کئے جائیں اور بعد میں نچلی سطح کے ادارے قائم کئے جائیں۔ موجودہ مدارس کا نظام جاری رہنے دیا جائے انہیں مناسب مدد دی جائے اور ترغیبات کے ذریعے ان میں رسمی مضامین کا اجراء ممکن بنایا جائے۔ ۲۴ے

ڈاکٹر میاں محمد صدیقی صاحب نے فرمایا کہ بورڈز آزاد ہونے چاہئیں یہ کسی وزارت کے تحت نہ ہوں۔ اگر کسی وزارت کے تحت انہیں کیا گیا تو مدارس ان بورڈز کو قبول نہیں کریں گے۔ ماڈل دار العلوم دو سطح پر قائم کئے جائیں۔ وفاقی سطح پر اور مدینۃ الحجاج میں' جامعہ عباسیہ کسی مسلک کا ادارہ نہ تھا' اس کی عمارت واگزار کراکے اس سے استفادہ کیا جائے۔ محدود مدت تک حکومت ان اداروں کی کفالت کرے۔ چند سالوں میں لوگ اعتماد کرنے لگ جائیں گے کہ ان میں حکومتی مداخلت نہیں ہے تو وہ بھی تعاون کریں گے۔ نیز پہلے سے قائم شدہ اداروں کی آزادی کی ضمانت دی جائے اور یہ بھی واضح کیا جائے کہ جو ادارے یہ نظام اختیار کریں انہیں کیا سہولتیں دی جائیں گی اور نئے اداروں کے قیام کی صورت میں حکومت کیا سہولتیں فراہم کرے گی۔ ۲۵ے

مفتی غلام سرور قادری صاحب نے فرمایا کہ اس امر کی اشد ضرورت تھی کہ تمام وفاقوں کا نام بھی ایک ہی ہو' لیکن بد قسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔ نصاب میں بنیادی علوم مثلاً صرف' نحو' ادب عربی اور عربی بول چال پر زیادہ توجہ دی جائے نیز یہ

علوم اس طرح پڑھائے جائیں کہ طالبعلم میں اجتہاد کی استعداد پیدا ہو۔ علم معانی' اصول تفسیر اور انگریزی زبان پر خصوصی توجہ دی جائے' مناسب ہوگا کہ پہلے نصاب بنالیں اگر ادارے آمادہ ہو جائیں تو مسئلہ آسان ہو جائے گا۔ ۲۶ے

قاری محمد حنیف جالندھری نے شمولیت کا موقع دینے پر شکریہ ادا کیا اور کہا کہ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ' ماڈل دار العلوموں اور دینی درس کے ارتباط کے سلسلے میں اگرچہ پہلے بہت باتیں ہوتی رہیں لیکن آج کی محفل میں محسوس ہوا کہ یہ پروگرام پہلے سرکاری پروگراموں سے مختلف ہے۔ موجودہ تعلیمی نظام کا مقصد دینی علوم سے واقفیت اور عصری علوم میں مہارت ہے۔ جبکہ مدارس کا نصب العین اس کے برعکس ہے۔ وفاق المدارس کی نصاب کمیٹی مدارس میں رسمی علوم اور کمپیوٹر کے اجراء کی منظوری دے چکی ہے۔ خیر المدارس میں خیر پبلک سکول (انگلش میڈیم) قائم ہے جہاں حفظ قرآن اور دینی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہی پروگرام دوسرے اداروں کے لئے ہے۔ مدارس نے سرکاری مداخلت کبھی گوارا کی نہ آئندہ کریں گے۔ آپ نے تجویز دی کہ دینی مدارس بورڈ کے چیئر مین / سیکرٹری سرکاری نہ ہوں بلکہ مدارس کے نمائندے ہوں۔ اگر مجوزہ بورڈ نئے مدارس کے قیام کے لئے ہے اور مدارس کو کنٹرول کئے بغیر کام کرنا چاہتا ہے تو ہم تعاون کریں گے ورنہ نہیں۔ درس نظامی گروپ کا مقصد دینی تعلیم کا فروغ ہے تو یہ سکولوں میں رائج کیجئے۔ ماڈل دار العلوم تدریجاً قائم کریں۔ فی الحال ایک وفاق میں قائم کریں اور باقی صوبوں میں ماڈل دار العلوم ایک اعلیٰ درجے کے ادارے ہوں جس میں مدارس کے فضلاء کو شامل کر سکتے ہیں' اسے پرکشش بنانے کے لئے' مراعات' اسناد اور ملازمت نہیں بلکہ علمی فضیلت بنیادی سبب ہو۔ ایم۔ اے کی سطح کے معادلے کے بعد نچلی سطح پر معادلہ نہیں ہو سکتا۔ جس سے احساس محرومی پیدا ہوا ہے۔ فاضلین کو ان کا حق ملنا چاہئے۔ جامع عباسیہ کے بجائے مدینۃ الحجاج بہت بہتر ہے۔ ۲۷ے

قاری عبد الرشید صاحب نے فرمایا کہ مجوزہ بورڈوں کے چیئر مین سب وفاقوں سے باری باری لئے جائیں۔ دلچسپی رکھنے والے دینی مدارس ان سے الحاق کر لیں گے۔ ماڈل مدارس بتدریج قائم کئے جائیں ایک مرکز میں اور ایک ایک ہر صوبے میں مدارس میں رسمی علوم باہمی افہام و تفہیم کے ساتھ جاری کریں۔ ۲۸ے

ڈاکٹر محمد فاروق خان نے ڈاکٹر غازی صاحب کی NSC کی موجودگی پر طمانیت کا اظہار کیا۔ آپ نے کہا کہ ماڈل اداروں کے قیام کے لئے مقصد کا تعین کرتے وقت یہ امر سامنے رہے کہ عام لوگوں اور علماء میں رابطے کا فقدان ہے۔ مدارس میں جانے والے بچے عموماً والدین کے فیصلے کے تحت داخلہ لیتے ہیں۔ اس وقت عام معاشرے کو دین کی ضرورت زیادہ ہے۔ اصلاح احوال کے لئے تمام کام کو پروفیشنل انداز میں کیا جائے' تاکہ محدود وقت میں زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔ آپ نے تجویز دی کہ **Institute of Islamic Sciences** بنایا جائے۔ نصاب میں ۴۰ تا ۳۰ % وقت براہ راست قرآن مجید کے لئے اور باقی وقت دوسرے علوم کے لئے مختص کیا جائے۔ عہد حاضر میں ایک عالم دین کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشیات' سیاسیات' جدید فلسفہ' نفسیات' تاریخ' تاریخ افکار' علوم اسلامی' انگریزی زبان اور معاشرتی علوم سے واقف ہوں۔ ان میں سے ہر مضمون کی تدریس کے لئے سوائے انگریزی کے ۱۵ لیکچر کافی ہیں۔ بشرطیکہ سائنٹفک انداز میں پڑھایا جائے۔ انگریزی زبان کی تدریس کا مقصد صرف روزمرہ بول چال کی استعداد پیدا کرنا ہو جس کے لئے ۶۰ لیکچر کافی ہوں گے۔ آپ نے تجویز دی کہ جماعت اول سے ایف۔ ایس' سی تک کا نصاب نئے سرے سے مرتب کیا جائے۔ دینی مدارس

کی کار کردگی اور خدمات کو مزید بہتر بنانے کے لئے داخلہ ایف۔اے کے بعد ہو اور فارغ التحصیل طلبہ کو ایم۔اے کی سند
دی جائے۔ مدارس میں مختلف مسالک کے مابین زیادہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے دوسرے مکاتب فکر کے علماء کو بطور
مہمان مقرر مدعو کیا جائے۔ ۲۹؎

ڈاکٹر انیس احمد صاحب نے فرمایا کہ بنیادی کام قابل قبول نصاب کی تیاری ہے۔ یہ کام مدارس کے ذمہ داران کے
ساتھ مل کر کیا جائے۔ مدارس میں مطالعہ علوم القرآن پر زور دیا جائے، فقہی مسالک میں اختلاف کے اسباب معلوم کرنے
کے لئے فقہی مذاہب کا تقابلی جائزہ رائج کیا جائے۔ تربیت اساتذہ کا ادارہ قائم کیا جائے۔ جو رسمی علوم کی تدریس کے لئے
اساتذہ فراہم کرے۔ مدارس بورڈز مکمل طور پر خود مختار ہوں۔ کسی وزارت کے ماتحت نہ ہوں۔ اساتذہ کے تبادلوں اور
سپورٹس مقابلوں وغیرہ کے ذریعے باہمی رابطہ بہتر بنایا جائے۔ ماڈل دار العلوم 'ماڈل افراد اور مثالی فکر کی وجہ سے بنتے ہیں۔
اس لئے یہ کام اسی انداز سے کیا جائے اور اس کا آغاز سرکاری مدارس سے کیجئے وہاں وہ چیزیں لائیں جو ان دین سے وابستہ
کرنے والی ہوں۔ موجودہ تعلیمی پالیسی میں سے آدھی چیزیں بھی اس سلسلے میں نافذ کر دی جائیں تو کام بن جائے گا۔ ۳۰؎

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ آزاد نے فرمایا کہ اسلام میں دوئی کا کوئی تصور نہیں، تعلیمی نظام میں پائی جانے والی ثنویت
باعث تشویش ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اگرچہ اسے فی الفور ختم کرنا ممکن نہیں لیکن اس کے خاتمے کا تدریجاً
اہتمام کیا جائے۔ ماڈل دار العلوموں کے قیام کی انہوں نے تائید کی۔ ۳۱؎

مولانا شمس الرحمٰن نے فرمایا کہ دینی مدارس کا اپنا ایک مزاج، مذاق، ماحول، ورثہ اور ان کی اپنی ایک تہذیب ہے۔
جس کے ہم سب امین ہیں اور ہم اس امانت میں ہرگز خیانت کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ مدارس کے بارے میں گذشتہ
تحریکات کی ناکامی کا بنیادی سبب یہی تاثر ہے کہ حکومت ان پر اپنا پروگرام مسلط کرنا چاہتی ہے۔ مدارس میں عصری علوم کی
ترویج کی ضرورت ہم خود محسوس کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ضروری اقدام بھی کر رہے ہیں۔ جہاں تک ماڈل دار العلوم
کے قیام کا تعلق ہے۔ ان کا بنیادی نصب العین اسلامی ورثے کا تحفظ ہونا چاہئے اور باقی امور اس کے تابع ہوں۔ لیکن اگر ناچ
گانا اور دیگر تہذیبی سرگرمیاں مطلوب ہیں تو رسمی تعلیمی ادارے پہلے ہی یہ کام کر رہے ہیں۔ دینی علوم کے لئے ماہر علماء
سے رہنمائی حاصل کریں اور ایسے رجال کار متعین کریں جو خود دینی سانچے میں ڈھلے ہوں۔ ماہر علماء اور مدرسین کو
حکومت کی جانب سے تربیت کے لئے بلانا مقام ماتم تو ہو سکتا ہے باعث مسرت ہرگز نہیں۔ ۳۲؎

مولانا فضل رحیم نے ماڈل دار العلوموں کے قیام کو نہایت مستحسن قرار دیا اور فرمایا کہ اس سے فارغ التحصیل علماء
عدلیہ اور اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز ہو کر فروغ واشاعت دین کا ذریعہ بنیں گے۔ مدارس بورڈ بنائیں لیکن وہ آزاد اور بااختیار
ہوں۔ اگر حکومت نے نیک نیتی سے اقدام کیا تو مدارس اور علماء ساتھ دیں گے۔ ۳۳؎

ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی نے فرمایا کہ اس اجلاس کے شرکاء کی اکثریت کا پس منظر دینی مدارس کا ہے۔ برصغیر میں علماء
نے مسلم اکثریت برقرار رکھی چنانچہ پاکستان کی تخلیق بھی دینی مدارس کا ہی کارنامہ ہے۔ اب اس امر کی ضرورت ہے کہ ہر
سطح پر قیادت فراہم کرنے کے لئے دینی مدارس اپنا کردار ادا کریں۔ نیز دنیا بھر میں دینی پیغام عام کرنے کے لئے علماء
کلچر سے آگاہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ مدارس کی آزادی اور تعلیمی معیار کو بہر صورت برقرار رکھا

جائے۔ دینی مدارس بورڈ بنایا جائے' ماڈل مدارس قائم کئے جائیں اور مدارس بورڈز کے تحت امتحانات لئے جائیں اور اس بورڈ کی اسناد ہر لحاظ سے رسمی تعلیمی نظام کے تحت جاری ہونے والی اسناد کے مساوی ہوں۔ دینی اور رسمی تعلیمی نظام کو باہم مربوط کیا جائے۔ مزید برآں رسمی تعلیمی نظام میں عربی اور اسلامیات پر نظر ثانی کے لئے کمیٹی تشکیل دی جائے۔ آپ نے واضح کیا کہ جامع عباسیہ ایک کامیاب ادارہ تھا جو محض اس لئے ختم ہوا کہ ریاست ختم ہو گئی۔ ۳۴؎

مولانا حبیب الرحمٰن عثاری نے ماڈل مدارس کے قیام کے سلسلے میں تعاون کا یقین دلایا۔ انہوں نے غیر ملکی زبانوں کی تدریس کی اہمیت واضح کی اور فرمایا کہ مدارس کو اسلاف کی نہج پر چلانے سے ہی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ ۳۵؎

صاحبزادہ ساجد الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ تحقیق کی جائے کہ جامعہ عباسیہ کا نصاب کیوں ختم کیا گیا؟ نیز رسمی اور دینی علوم کے ارتباط کا مثالی تجربہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی صورت میں کیا گیا ہے۔ اسی تجربے کی توسیع کر کے یا بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی سے الحاق کر کے ذیلی ادارے قائم کئے جا سکتے ہیں۔ ۳۶؎

ڈاکٹر ایس۔ ایم زمان صاحب نے شرکائے اجلاس کی بعض آراء اور تجاویز پر تبصرہ کیا اور بعض وضاحتیں کیں۔

آخر میں صدر نشین جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے تمام شرکاء کی بھرپور شرکت پر ان کا شکریہ ادا کیا اور یہ فرمایا کہ انہوں نے اس اجلاس میں تمام آراء و تجاویز سے استفادہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دینی مدارس بورڈ اور ماڈل دار العلوم وغیرہ کے قیام کے سلسلے میں ان آراء و تجاویز کو سامنے رکھ کر آئندہ پروگرام وضع کیا جائے گا۔ آپ نے دینی تعلیم اور مدارس کی آزادی و خود مختاری کی یقین دہانی کرائی اور فرمایا کہ ہم پوری طرح سے کوشش کریں گے کہ دینی اداروں کے کلچر کو برقرار رکھا جائے۔ ۳۷؎

باب نمبر۵

حوالہ جات

۱۔ حسن ابراہیم، حسن، ڈاکٹر ''تاریخ اسلام'' السیاسی، الدینی، والثقافتی والاجتماعی، ج ۱/ص ۴۹۶

۲۔ جے ڈی کران، ''اسلام میں مذہبی تعلیم، بالخصوص پاکستان کے حوالے سے ایک تعارف اور کتابیات'' ص/۱۱، کرسچن سٹڈی سنٹر ۱۹۸۴ء

۳۔ Singer C. " A Short History of Science" Oxford ,1941, P:5

۴۔ Sedg Wick, W.T. "A Short History of Science" London ,1918, P:383

۵۔ محمد طفیل ہاشمی، ڈاکٹر ''مسلمانوں کے سائنسی کارنامے'' ص/ ۲۶۶۔۲۶۷

۶۔ فرید احمد پراچہ ''دینی مدارس میں عملی اصلاحی اقدامات'' ص/ ۱۴۵۔۱۵۰

۷۔ عبداللطیف انصاری ''دینی نصاب تعلیم اور نظم ونسق'' ص/ ۱۳۷

۸۔ سید سیاح الدین کاکاخیل، مفتی ''درس نظامی، نصاب میں تبدیلی''

۹۔ سید محمد ناظم ندوی، مولانا ''دینی نظام تعلیم، تصور اور اصلاح'' ص/ ۲۰۸۔۲۰۹

۱۰۔ وحید قریشی، ڈاکٹر ''دس سالہ تعلیمی پالیسی کا تنقیدی جائزہ'' ص/ ۳۰۔۳۷

۱۱۔ قومی تعلیمی پالیسی ''سفارشات'' ص/ ۴۲۹۔۴۳۶، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

۱۲۔ اشفاق علی خان ''تہذیبی چیلنج اور پاکستانی تعلیمی پالیسی'' ص/ ۱۳۶

۱۳۔ محمد نذیر رومانی، ڈاکٹر ''اعلیٰ تعلیم میں نجی شعبے کا کردار'' ص/ ۲۳۷۔۲۳۶

۱۴۔ حسن صہیب ''اعلیٰ تعلیم، قومی تعلیمی پالیسی اور نجی شعبہ انتظامی و مالیاتی امور'' ص/ ۲۲۵۔۱۲۶

۱۵۔ محمد ظفر اقبال، ڈاکٹر ''استاد: تربیت اور تعلیمی کیڈر'' ص/ ۲۶۹۔۲۷۱

۱۶۔ محمد ظفر اقبال، ڈاکٹر ''استاد: تربیت اور تعلیمی کیڈر'' ص/ ۲۷۵۔۲۸۲

۱۷۔ عبدالرحمٰن صدیقی، ایڈووکیٹ ''تعلیمی اداروں میں امن وامان کا مسئلہ''، تعلیمی امن کے قیام کے لیے ضابطہ اخلاق، ص/۳۷۶۔۳۷۷

۱۸۔ عبدالرحمٰن صدیقی، ایڈووکیٹ ''تعلیمی اداروں میں امن وامان کا مسئلہ''، تعلیمی امن کے قیام کے لیے ضابطہ اخلاق، ص/۳۷۸

۱۹۔ محمد افضل ظلہ ''سپریم کورٹ: اسٹوڈنٹس یونین اور طلبہ سیاسیات''ص/۳۹۰۔۳۹۱

۲۰۔ اشفاق ایچ قادری، ڈاکٹر ''وسائل کی فراہمی اور قومی تعلیمی پالیسی''ص/۴۱۴۔۴۱۶

۲۱۔ اشفاق ایچ قادری، ڈاکٹر ''وسائل کی فراہمی اور قومی تعلیمی پالیسی''ص/۴۲۱



نتائج تحقیق و سفارشات

نتائج اور عصر حاضر کے تعلیمی منہاج کی تنظیمِ نو

اس باب میں پہلی صدی ہجری کے تعلیمی منہاج کا جائزہ پیش کرتے ہوئے اسلامی دینی مدارس کی تعلیمی خدمات مروجہ نصاب پر بحث کرتے ہوئے موجودہ حالات حاضرہ کا تعلیمی وتنقیدہ جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی، نیز پاکستان میں مروجہ تعلیمی نصاب جو دینی مدارس میں پڑھایا جارہا ہے اس کا ہر پہلو پر تنقیدی جائزہ کہ یہ نصاب آیا طلباء کی تعلیمی ضروریات کو پورا کررہا ہے؟ ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے، کردار میں پختگی پیدا کرنے نیز روزگار مہیا کرنے میں کس قدر مفید وکارآمد ہے۔ حکومت پاکستان تعلیمی ترقی میں اور افرادی صلاحیتوں کو بروقت بروئے کار لانے میں کیا کردار ادا کررہی ہے؟

نئی تعلیمی سفارشات

اسلام آباد کے زیر اہتمام قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۹۲ء سے ۲۰۰۲ء تک مختلف سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے تعلق رکھنے والے ایک سو سے زائد ماہرین تعلیم اور دانشوروں نے شمولیت کی۔ تعلیمی پالیسی کا عمیق نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کا حوصلہ افزا پہلو یہ ہے کہ اس میں:

۱۔ اسلامی نظام تعلیم کی ضرورت وافادیت اور علوم کی اسلامی تشکیل کو تسلیم کیا گیا ہے۔

۲۔ ابتدائی اور پرائمری تعلیم کو خصوصی اہمیت دے کر ناخواندگی کو دور کرنے کا واضح الفاظ میں عزم مصمم نظر آتا ہے۔

۳۔ تعلیمی پروگرام کے ہمہ گیر نفاذ کے لیے نئے مالی وسائل اور ذرائع کی نشاندہی کر کے تعلیمی بحران کا سنجیدگی سے نوٹس لیا گیا ہے۔

۴۔ میرٹ پر نجی تعلیمی اداروں کی ضرورت اور اہمیت وافادیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔

۵۔ قومی تعلیمی پالیسی کو نظر ثانی کے بعد قوم کے سامنے پیش کیا جائے اور اس پر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں بحث کی جائے اور'' اسلامی تعلیمی''، ''کمیشن برائے اسلامائزیشن آف ایجوکیشن'' کی سفارشات کو اس میں شامل کرتے ہوئے اسے از سر نو مرتب کیا جائے۔

۶۔ پارلیمنٹ ایک جامع تعلیمی ایکٹ منظور کرے جس میں تعلیم سے متعلق مقاصد، اہداف اور حکمت عملی کو آئینی تحفظ حاصل ہو۔

۷۔ رسمی تعلیم کے ساتھ ساتھ غیر رسمی تعلیم بھی تعلیم کا مؤثر ذریعہ ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی روشنی میں جو مقاصد رسمی تعلیم کے ہیں وہی غیر رسمی تعلیم کے ہونے چاہئیں۔ اس سلسلہ میں غیر رسمی تعلیم کے ذرائع یعنی اخبارات، رسائل، ریڈیو، ٹیلی ویژن اپنا بھرپور مرکزی کردار ادا کرسکتے ہیں۔

۸۔ پالیسی میں دینی مدارس کی تعلیم کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ محکمہ تعلیم ان مدارس کو اپنا دائرہ کار تصور کرے ان اداروں کے اعداد وشمار جمع کرے اور ان مدارس کے ذمہ داروں کی مفید تجاویز پر عمل کرے۔

۹۔ سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق اس تعلیمی پالیسی دستاویز میں جو سفارشات کی گئی ہیں ان پر فوری عمل درآمد کر کے قوم کے سامنے پیش کی جائیں۔

۱۰۔ قومی تعلیمی پالیسی کے نفاذ کا ''ایکشن پلان'' فوری طور پر شائع کیا جائے۔ ''نصاب اور درسی کتب'' پر بھرپور توجہ دی جائے۔

۱۱۔ قومی یک جہتی کے لیے پورے تعلیمی نظام میں ایک قومی نصاب کا ہونا ضروری ہے۔ اس وقت ملک میں تعلیم کے جو مختلف دھارے، انگلش میڈیم، اردو میڈیم، پبلک سکول اور دیگر خصوصی تعلیمی اداروں کی شکل میں کام کر رہے ہیں ان میں یکساں نصاب تعلیم و تدریس کا نفاذ از حد ضروری ہے۔ درسی کتب کو از سر نو اس طرح مرتب کیا جائے کہ

(الف) وہ قرآن و سنت کے ابدی پیغام کو طلباء و طالبات کے ذہنوں میں نقش کر دے۔

(ب)۔ غیر اسلامی نظریات، طبعی اور سماجی علوم میں علمی تنقیدی شعور بیدار کیا جائے۔

(ج)۔ طلباء اور طالبات کی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جائے اور ہر شعبہ علم و فن سے متعلق گہری واقفیت سے ہم کنار کیا جائے۔

۱۲۔ اسکولوں میں بچوں کو غیر ملکی نصابی کتابوں کی اشاعت و ترویج کو سختی سے روکا جائے اور نجی اداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ صرف پاکستان میں تالیف ہونے والی درسی کتب کو ہی اپنے اداروں میں رائج کریں۔

۱۳۔ اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کو پرائمری سے لے کر گریجوایشن کی سطح پر ہر تعلیمی ادارے میں لازمی مضامین کے طور پر پڑھایا جائے۔ لیکن ان دونوں مضامین کے نصاب میں بنیادی تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ نئے نصاب میں فقہی مسالک سے بالاتر ہو کر تدریج کے ساتھ قرآن مجید، احادیث مبارکہ، اسلامی تاریخ و سیرت اور تحریک پاکستان کو ایک مؤثر طریقے سے متعارف کرایا جائے۔ اس سلسلہ میں اہم تجاویز درج ذیل ہیں:

(الف)۔ دسویں کی سطح تک تمام بچوں کو قرآن مجید باترجمہ پڑھایا جائے۔

(ب)۔ بنیادی عربی زبان ابتدائی ثانوی جماعتوں میں اس طرح پڑھائی جائے کہ طلباء و طالبات میں آسان عربی کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

(ج)۔ ابتدائی ثانوی جماعتوں میں سیرت پاکؐ تفصیل کے ساتھ پڑھائی جائے۔

(د)۔ انٹر اور ڈگری کی سطح تک برصغیر کی تاریخ کا تفصیلی جائزہ۔ ''تحریک پاکستان اور اس کے آئین و بنیادی مقاصد ذہن نشین کرا دیئے جائیں۔

۱۴۔ ہر سطح پر تمام مضامین میں قومی زبان میں معیاری کتب، نصاب اور کتب حوالہ کی ترتیب، تالیف اور طباعت کا کام ہنگامی بنیادوں پر شروع کیا جائے۔

۱۵۔ کالجوں اور جامعات کے اساتذہ کی پیشہ ورانہ تربیت کا نظام رائج کیا جائے۔

۱۶۔ اساتذہ کے پیشہ ورانہ معاملات، مسائل، انتخاب، تربیت اعلیٰ تعلیم کے اہتمام اور معاشرے میں ان کے مقام و مرتبہ کی بحالی کے لیے مرکزی سطح پر ایک ''ٹیچر کمیشن'' مقرر کیا جائے جو ایک متعین وقت کے لیے اسی سال کے دوران اپنی سفارشات پیش کرے۔

۱۷۔ قومی پالیسی میں اردو کو جو نہ صرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی زبان ہے بلکہ سارے ملک میں رابطے کی زبان ہے اس کی بنیادی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

۱۸۔ اعلیٰ ملازمتوں کے مقابلے کے امتحانوں میں قومی زبان اردو کو بھی ذریعہ اظہار بنایا جائے۔ انگریزی کو ثانوی اور اعلیٰ جماعتوں میں ایک مضمون کے طور پر پڑھایا جائے اور اس کے معیار کو بہتر بنایا جائے۔

۱۹۔ غیر ملکی اداروں اور جامعات کو پاکستان میں اپنے کیمپس قائم کرنے یا تعلیمی ادارے قائم کرنے سے لازماً روک دیا جائے تاکہ وطن عزیز ان کی تہذیبی وثقافتی یلغار سے محفوظ رہ سکے۔

۲۰۔ خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ مبذول کی جائے جن کے لیے علیٰحدہ سکول، کالج اور وفاقی سطح پر ایک اور چاروں صدر مقامات پر علیحدہ یونیورسٹیاں قائم کرنے پر بھرپور توجہ درکار ہے۔ نیز لڑکیوں کے معیاری کالجوں میں ایم۔ ایس سی، ایم۔ اے اور ایم۔ فل کی کلاسوں کی سہولت فراہم کی جائے۔

۲۱۔ ابتدائی تعلیم مفت مہیا کی جائے۔ حکومت اس بات کی ذمہ دار ہوگی کہ آٹھویں جماعت تک ہر بچے کو مفت تعلیم مہیا کی جائے۔ خواندگی کو جلد از جلد عام کرنے کے لیے ہر مسجد جہاں باجماعت نماز کا اہتمام ہوتا ہو جسے ''مسجد مکتب'' قرار دیا جائے۔

۲۲۔ عوام میں وسیع پیمانے پر تعلیم اور خواندگی بڑھانے اور ''عوامی کتب خانوں'' کی حوصلہ افزائی کے لیے واضح طور پر مالی اور عملی پروگرام دیا جائے۔

۲۳۔ نظم تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے۔ تعلیمی اداروں کو سیاست دانوں، حکومت اور سول انتظامیہ کی مداخلت سے بچایا جائے۔

۲۴۔ یونیورسٹیوں کی خودمختاری کو یقینی بنایا جائے۔

۲۵۔ اسکولوں کی سطح تک والدین اور اساتذہ کی انجمنیں قائم کی جائیں۔ کمرشل ایجوکیشن، مینجمنٹ، بزنس ایڈمنسٹریشن، بین الاقوامی مالیات، کمپیوٹر خواندگی وغیرہ کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے پیش نظر حکومت ان مضامین کے متعلق معیاری ادارے قائم کرے۔ ان اداروں کی علیٰحدہ نظامت کی جائے۔

۲۶۔ طلباء وطالبات کی کردار سازی پر خصوصی توجہ مبذول کی جائے اور اس کے لیے عملی تدابیر کی جائیں۔

۲۷۔ طلباء وطالبات کی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ان کی نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے تاکہ وہ کھیلوں، مباحثوں، علمی سرگرمیوں میں اپنے زائد وقت کا مفید اور باثمر استعمال کریں۔

۲۸۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مستحق طلباء وطالبات کو قرض حسنہ کی سہولیت مہیا کی جائے تاکہ وہ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرسکیں اور برسر روزگار ہونے کے بعد ادائیگی کرسکیں۔

۲۹۔ پاکستان کی تعلیم کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کس طرح ان چیدہ افراد کو جنھیں تعقل، تدبر اور تفکر کی اہلیت سے قدرت نے نوازا ہے تدریس کی ذمہ داریاں سپرد کی جائیں۔ تعلیم اور قومی تعمیر کی اس بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تعلیم کا ایک سروس سٹرکچر بنایا جانا چاہیے جس کے تحت تعلیم وتدریس سے وابستہ ہونے والے قابل نوجوان کسی بھی پہلو سے دوسرے پیشوں سے پیچھے نہ رہیں۔

۳۰۔ تعلیم میں سائنسی ٹیکنالوجی کی اہمیت کو مدنظر رکھا جائے اور ماہرین تعلیم اس پر پوری توجہ صرف کرتے ہوئے نوجوان نسل کو وہ تمام

سہولیات اور مواقع مہیا کریں کہ وہ سائنسی اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکیں۔

۳۱۔ ہمیں انتظامیات، بینک کاری، قانون، عمرانیات، سیاسیات، طب، ابلاغیات، سائنسی مضامین، کمپیوٹر اور انجینئرنگ وغیرہ میں پورے قومی شعور کے ساتھ پیش رفت کرنی ہے۔ اور اسے محض نجی شعبے کی تاجرانہ کشاکش کا میدان نہیں قرار دینا بلکہ تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی، صنعت، زراعت اور تجارت، ان تمام میدانوں میں ہماری کارکردگی تسلی بخش ہونی چاہیے۔

۳۲۔ پاکستان میں بیشتر سرکاری یونیورسٹیاں وقت کی ضرورت کا ساتھ دینے میں ناکام رہی ہیں۔ خصوصاً مضامین کے اضافے، نصاب کو جدید بنانے اور نئے تجربی آلات وسامان کی فراہمی وغیرہ کے ضمن میں سرکاری یونیورسٹیاں وقت کا ساتھ نہیں دے سکیں بلکہ نجی شعبے میں کئی میدانوں میں فوقیت حاصل کی ہے۔ اس طرح مستقبل قریب میں سرکاری یونیورسٹیاں انجینئرنگ اور ہائی ٹیکنالوجی کے میدانوں میں پرائیویٹ سیکٹر کا اپنا مدمقابل نہیں پائیں گی۔ کسی وقت ایسی صورت حال پیدا ہوسکتی ہے کہ سرکاری یونیورسٹیاں بنیادی مضامین پر مرکوز ہوجائیں، جب کہ N.C.A.A.A کا بنیادی کردار یہ ہونا چاہیے کہ مختلف مضامین کے پھیلاؤ کو ضوابط کے دائرے میں رکھے اور یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی معاونت سے قومی ترقی کی ضروریات کے مطابق افرادکار کی کسی مخصوص میدان میں مانگ وفراہمی کا جائزہ لیں۔

۳۳۔ حکومت اساتذہ کی تربیت پر بھرپور توجہ دے:

- پرائمری سکولز کے تقریباً دولاکھ پینسٹھ ہزار اساتذہ کو تربیت دے کر بھرتی کیا جائے گا۔
- جہاں تک ممکن ہوسکا پرائمری سکولوں کے لیے خواتین اساتذہ کو بھرتی کیا جائے گا۔
- پرائمری سکولوں کے اساتذہ کی بھرتی کے لیے عمر کی آخری حد میں رعایت دی جائے گی۔
- پرائمری سکول پی ٹی سی کے اساتذہ کی تنخواہ اور شرائط ملازمت کو بہتر بنایا جائے گا۔
- محلّہ سکول کے معلم اور مسجد سکول کے امام کے مشاہرہ پر نظر ثانی کی جائے گی۔
- دیہی اور شہری علاقوں میں کام کرنے والے اساتذہ کے الاؤنسوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔
- پرائمری سکولوں کے تنخواہوں کو ان کی تعلیمی قابلیت کے ساتھ منسلک کردیا جائے گا۔
- دوران ملازمت تربیت اساتذہ کے لیے ''وسیلی مراکز'' قائم کرنے کے سلسلہ میں غیر سرکاری تنظیموں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ مرکزی سطح پر اور ہر صوبائی محکمہ تعلیم کی سطح پر تربیت اساتذہ کے لیے الگ الگ یونٹ مقرر کیے جائیں گے۔
- اساتذہ کو کام کے دوران تربیت مہیا کرنے کے لیے ''گشتی تربیتی یونٹ'' ترتیب دیے جائیں گے۔
- تربیت اساتذہ کے اداروں کو جدید ساز وسامان سے لیس کیا جائے گا اور ان اداروں کی فیکلٹی کی علمی سطح اور مہارتوں کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لیے مناسب تربیت کا بندوبست کیا جائے گا۔
- ہر سطح کے اساتذہ کے لیے دوران ملازمت تربیت کا ایک باقاعدہ نظام شروع کیا جائے گا۔ دوران ملازمت تربیت کے لیے فاصلاتی نظام تعلیم کے طریقے استعمال میں لائے جائیں گے۔

۳۴۔ ہمیں پاکستان میں آج تک ایسے اساتذہ کی اشد ضرورت ہے جو اسلامی کردار کے حامل ہوں، جو مستقبل کے مسلمان طلباء اور طالبات کی اسلامی نہج پر تربیت وتشو ونما کر سکیں۔ ایسے اساتذہ جن کا کردار قابل تحسین ہو، جن میں مشنری جذبہ ہو، جن میں مقاصد کے حصول کی لگن ہو، جو علمی اور پیشہ ورانہ لحاظ سے اہل ہوں۔ جو ہر مضمون کو اسلامی تناظر میں پڑھا سکیں اور حق بات کہنے میں کبھی بھی نہ ہچکچاہیں۔ جو اپنی سرکاری اور ذاتی زندگی میں اسلامی طرز حیات اپنائے رکھیں اور جو جدید دنیا اور بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں اپنے آپ کو نئے قالب اور کردار میں ڈھالنے کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔

۳۵۔ مشہور ماہرین تعلیم پر مشتمل ایک مشن تشکیل دیا جائے گا جو پاکستان کے اساتذے کے کردار کا واضح تعین کرے گا۔ اس سلسلہ میں ان غیر سرکاری اداروں کا بھی تعاون حاصل کیا جائے جو اس میدان میں پہلے سے ہی سرگرم عمل ہیں۔

۳۶۔ تمام اساتذہ کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ ایک باعمل مسلمان اور استاد کا کردار اپنائیں۔ اساتذہ کا جائزہ بھی اسی نئے تشخیص شدہ اور ترتیب شدہ کردار کی روشنی میں لیا جائے گا۔

۳۷۔ تربیت اساتذہ کے تمام پروگراموں میں کمپیوٹر کی تعلیم ایک لازمی جزو ہوگی۔

۳۸۔ ریاضی، سائنس اور لسانیات کے اساتذہ کی کمی کو پورا کیا جائے گا۔ پیشہ تدریس میں قابل لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے خصوصی وظائف (Scholarships) کی سکیم شروع کی جائے گی۔

۳۹۔ اساتذہ کے مسائل معلوم کرنے اور ان مسائل کے حل کے لیے مفید مشورہ دینے کے لیے ایک قومی سطح کا کمیشن تشکیل دیا جائے گا۔

۴۰۔ بین الاقوامی سطح کی کانفرنس میں شرکت کے لیے N.O.C (عدم اعتراض کے سرٹیفکیٹ) کی پابندی اٹھالی جائے گی۔

۴۱۔ ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی کے طلباء کی رہنمائی کرنے والے یونیورسٹی اساتذہ کو تحقیقی الاؤنس دیا جائے گا۔

۴۲۔ اساتذہ کو ایسے اختیار دیے جائیں گے کہ وہ "ڈسپلن کمیٹی" کے بغیر شرپسند عناصر کو سزا دے سکیں۔

۴۳۔ اساتذہ اور منتظمین کے لیے ایک ضابطہ اخلاق بنا دیا جائے گا جس کی پابندی سختی سے کروائی جائے گی۔

۴۴۔ تعلیمی تجاویز میں نظریہ پاکستان کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔

۴۵۔ تعلیمی امن کے قیام کے لیے انتظامیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ تعلیم کے لیے سازگار ماحول پیدا کرنے میں بروقت مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

۴۶۔ نصاب کی تکمیل، امتحانی شیڈول کا تحفظ اور نتائج کے بروقت اعلان کو اپنا مشن بنائے اور تعلیمی اداروں میں بدعنوان عناصر کا محاسبہ کر کے انھیں سخت سزائیں دینے کا بندوبست کرے اور طلباء سے اس بات کا عہد لیا جائے کہ وہ اسلام اور نظریہ پاکستان کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے اور نہ کسی ایسی تحریک یا تنظیم میں شمولیت اختیار کریں گے جس کا مقصد پاکستان کی سالمیت اور استحکام کو کمزور کرنا، ملک میں فرقہ واریت، علاقائیت، ذات اور برادری ازم کو فروغ دینا ہو۔

مندرجہ بالا تعلیمی سفارشات پر عمل درآمد سے ہمارے ملک کے تعلیمی مستقبل پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔



تحقیق کے بنیادی سوال کا جواب

مقالہ ہذا کے نتائج کی روشنی میں مسئلہ تحقیق کا جواب حسب ذیل ہے:

تعلیمی منہاج سے مراد وہ اسلوب اور طریقہ ہے جو کسی نظام تعلیم کو چلاتا ہے۔

پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں نے نہ صرف نظام تعلیم وضع کیا بلکہ اس کو ایک خاص اسلوب سے چلانے کے لیے منہ
بھی طے کیا۔ کیوں کہ قرآن وسنت کی رو سے تعلیم کی اہمیت مسلم ہے اور یہ مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ اسلام کی رو سے اگر چہ تعلی
شرعی اور غیر شرعی میں تقسیم کیا جاتا ہے لیکن دونوں کی اہمیت کسی طرح بھی کم تر نہیں ہے۔ دوسری تہذیبوں کے برعکس اسلام
صرف دینی یا لادینی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ اسلام نے دینی اور دنیاوی دونوں طرح کی تعلیم کو برابر اہمیت دی۔ اسی کا نتیجہ
کہ مسلمانوں نے تعلیم کے میدان میں بہت ترقی کی۔

بنوامیہ کے اہم تعلیمی اداروں میں:

(۱) جامع عمر (۲) جامع عقبہ بن نافع (۳) مسجد واسط (۴) جامع زیتونیہ شامل تھے۔

اس کے علاوہ مختلف حلقہ ہائے درس بھی جن میں مشہور حلقہ ہائے درس:

(۱) حلقہ درس عبداللہ بن عباسؓ، (۲) حلقہ درس عامر بن شراحیل الشعبی (۳) حلقہ درس سعید بن میتب

(۴) حلقہ ربیعۃ الرائے (۵) حلقہ درس ابوسعید بن ابی الحسن یسار بصری۔

درج بالا جواب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مفروضہ نمبر۱ جو کہ مقدمہ میں بیان کیا گیا ہے درست نہیں ہے۔ جب کہ مفرو
نمبر۲ جو کہ حسب ذیل ہے درست ثابت ہوتا ہے۔

''پہلی صدی ہجری میں ہی مسلمانوں نے دینی علوم کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم میں ترقی کی بنیاد رکھ
دی تھی اور قرون وسطیٰ میں مسلمانوں نے جو علمی ترقی کی اس بنیاد پہلی صدی ہجری کا منہاج ہی تھا۔''

اس مقالہ میں پیش کی گئی آراء اور دلائل کی روشنی میں جو نتائج مستنبط ہوتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ تعلیم کے لغوی معنی کسی چیز کو پہچاننے، جاننے اور محسوس کرنے کے ہیں جب کہ اصطلاح میں تعلیم سے مراد وہ معاشرتی عمل ہے جس کے تحت افراد سوجھ بوجھ اور عقلی نشوونما سے متعلق اپنی معلومات کا اضافہ کرتے ہیں۔

۲۔ قرآن حکیم کی رو سے تعلیم کے مقاصد یہ ہیں کہ انسان اپنے علم کو محدود سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس میں اضافے کی کوشش کرے۔ اپنے علم کو وحی الٰہیہ کے تابع رکھے۔ اس علم کی بنیاد پر وہ اللہ کا شکر گزار اور فرمانبردار بندہ ہے اور اس علم سے اپنا تزکیہ کرتے ہوئے اپنے اخلاق و کردار کو سنوارے۔

۳۔ سنتِ رسول ﷺ کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل علم انبیاء کے وارث ہیں۔ علم حاصل کرنے والوں کو اللہ کے ہاں خاص مقام حاصل ہوگا۔ علم حاصل کرنا جنت کے راستے پر سفر کے مترادف ہے۔ علم کا اجر اللہ کے ہاں انعامات کی صورت میں ملے گا۔

۴۔ صحابہ کرامؓ کے ہاں بھی علم کی بہت بڑی فضیلت تھی اور وہ علم کو تمام چیزوں پر فوقیت دیتے تھے۔

۵۔ تعلیم کے اسلامی اصولوں کے مطابق علم کا مصدر و منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ انسانی فطرت میں علم حاصل کرنے کی خواہش موجود ہے۔ علم کے مقاصد میں معرفت اور رضائے الٰہی کا حصول، منصب خلافت کی بجا آوری کے لیے اہلیت و تعمیر انسانیت، انفرادی و اجتماعی توازن شامل ہے۔

۶۔ علم کی مختلف قسمیں ہیں، جن میں شرعی اور غیر شرعی علوم شامل ہیں۔ شرعی علوم میں قرآن و سنت، حدیث و فقہ اور ان سے متعلقہ علوم شامل ہیں۔ جب کہ غیر شرعی علوم میں منطق، ریاضی، الجبرا، حیاتیات، نفسیات اور عمرانیات جیسے علوم شامل ہیں۔

۷۔ اسلام سے پہلے مختلف قوموں کے ہاں علم کا تصور موجود تھا۔ یونانی، رومی، یمنی، ہندی اور چینی تہذیبوں کے ہاں مختلف نظام ہائے تعلیم کی بنیادیں ملتی ہیں۔ تاہم اسلام کا تصور تعلیم ان تمام سے مختلف اور اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس تصور کے مطابق علم حاصل کرنا فرض ہے۔ اس سے انسان کا تزکیہ ہوتا ہے۔ انسان کو حکمت کی تعلیم ملتی ہے اس کی صلاحیتوں میں نشوونما ہوتی ہے اور وہ ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت سے علم کے ذریعے اپنے حقوق و فرائض کو پہچان لیتا ہے۔

۸۔ مسجد اور مکتب اسلامی نظام تعلیم کے وہ ادارے ہیں جن کے ذریعے تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھی جاتی ہیں۔

۹۔ طالب علم، استاد، تدریسی مواد اور انتظامیہ تعلیم کے عناصر ہیں۔

۱۰۔ عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم کی مستحکم بنیاد رکھی گئی۔ آپؐ نے جہاں پوری دنیا کو وحدانیت کا سبق دیا تو اس کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ مبذول کی۔

۱۱۔ ظہور اسلام کے وقت علاقہ حجاز میں تحریر و کتابت کا رواج پڑ چکا تھا۔ کچھ صحابہؓ کو سریانی و عبرانی زبانوں کو سیکھنے کا حکم دیا گیا۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کی تحریص و ترغیب پر مدینہ میں کثرت سے لوگوں نے فن کتابت سیکھ لیا۔ آپؐ نے قرآن مجید کی کتابت بھی اس خط میں کرائی جسے خط کوفی کا نام دیا گیا۔ اسی خط میں وثیقے اور معاہدے لکھے جاتے تھے۔ عام لوگوں سے خط و کتابت بھی

کی جاتی۔ مختلف ملک کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو مکاتبت بھی اسی خط میں کی جاتی۔ یہ رسم الخط اور اسلوب تحریر نہ صرف مکہ و مدینہ یا ملک عرب میں رائج تھا بلکہ عرب سے باہر کے ملکوں اور علاقوں کے بادشاہوں کو دعوت اسلام اور تبلیغی خطوط بھی اسی رسم الخط میں لکھے گئے۔ اس طرح ایران و عجم کے لوگ بھی اس سے آشنا ہوئے۔

۱۲۔ نبی کریم ﷺ نے باقاعدہ تعلیمی اداروں کی بنیاد رکھی۔ مکہ حضور کریم ﷺ کا وطن مولود تھا۔ یہیں سے تبلیغ اسلام کا آغاز ہوا اور پہلا درس دارارقم میں دیا۔ اسی مناسبت سے دارارقم کو تعلیمات اسلامی کا سب سے پہلا مرکز ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

۱۳۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو مدینہ میں سب سے پہلے مسجد نبویؐ کی بنیاد رکھی۔ یہاں سب سے پہلے تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ مسجد کی شمالی جانب ایک چبوترہ بنایا گیا، جس میں اکثر نادار و غریب، مسکین وضعیف لوگ، جن کے گھر بار نہیں تھے، رہائش پذیر ہوئے۔ ان کو دینی و اسلامی تعلیم دی گئی تاکہ وہ اسلام کے بہترین مبلغ بن جائیں اور انھیں گرد و نواح کے علاقوں میں اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے بھیجا جائے۔

۱۴۔ اصحاب صفہ علم میں مشغول رہتے، نماز و تلاوت قرآن کے ساتھ ساتھ انھوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا اور تعلیم پھیلنے لگی۔ نبی کریم ﷺ بذات خود ان کی دیکھ بھال کرتے، ان سے ملاقات فرماتے، ان کے حالات دریافت کرتے اور ان میں سے مریضوں کی عیادت بھی کرتے۔ مالی امداد بھی کرتے۔ ان کو کثرت سے صدقہ و خیرات بھیجا کرتے۔ ان سے کبھی بھی بے خبر نہ رہتے بلکہ ان کی حالت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمی حکمت انقلاب کے مقاصد کچھ اس طرح تھے:

i) انسانی زندگی کے ہر شعبے اور گوشے میں بندگی رب کا آزادانہ اہتمام کیا گیا۔ اور اللہ کا حق سب پر فائق جاری کیا۔

ii) نظام حق کے نفاذ کو جاری کرنا مقصد اولین تھا۔

iii) خدا کے باغیوں کا زور توڑنا اور ان کو راہ ہدایت کی طرف بلانا مقصود تھا جو کہ پورا ہو گیا۔

iv) اخلاقی جسمانی پاکیزگی اور طہارت نفس کا اہتمام ہوا اور پورے مسلم معاشرے کو ایسی تعلیم و تربیت دی جو کہ مثالی ہو۔

v) یہ انقلاب بلاشبہ فکر و عمل کا ایک زوردار دھارا ثابت ہوا جس کے اندر طاقتور عوامل کارفرما ہوئے۔ لیکن اس کا طریق تبلیغ و اصلاح، انسانی ضمیر کی آزادی اور حسن خلق پر مبنی تھا۔

۱۶۔ ہجرت کے بعد وفود کی آمد کا سلسلہ ۵ ھ سے شروع ہوا۔ عرب کے کونے کونے سے مختلف قبائل اور علاقوں کے وفود بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ کچھ اسلام قبول کرنے کے لیے، کچھ دعوت اسلام قبول کرنے کے بعد احکام دین سیکھنے اور حضور ﷺ کی زیارت و بیعت سے مشرف ہونے کے لیے، اور کچھ صلح و امن کے معاہدے کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوتے رہے۔ اس طرح تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی پھیلتی گئی۔ یہ وفود دین سیکھتے، دینی معلومات اور دین کی سمجھ حاصل کرتے۔ مسائل معلوم کرتے، حضور کریم ﷺ کے اخلاق عالیہ کا مشاہدہ کرتے اور ان کو صحابہ کرامؓ کی صحبت و معیت بھی نصیب ہوتی۔ نبی کریم ﷺ ان وفود کو رخصت کرتے وقت ان کے ساتھ نہایت عمدہ معاملت کا مظاہرہ کرتے۔

۱۷۔ اس طرح تمام لادینی قوتیں اور مزاحمتیں ختم ہو گئیں اور منفی رجحانات میدان چھوڑ گئے۔ اس لیے اصحاب رسولؐ نے بڑے بڑے

جتن کیے اور شبانہ روز محنت نے اسلام کی دھاک وقوت دیگر اقوام کے دلوں میں بٹھادی۔ اس طرح ایک طرف فکری دعوت کے میدان میں یہ ثابت ہوگیا کہ دلیل کی قوت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ دوسری طرف اخلاقی دائرے میں دھاک بٹھادی کہ اسلام کا تربیت یافتہ انسان بہترین نمونہ انسانیت ہے۔ ہجرت نبوی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ کی عمدہ وبہترین تعلیمی پالیسی کے ثمرات ظاہر ہونا شروع ہوگئے۔ بہت سارے مسلمانوں کو لکھنے اور پڑھنے کا طریقہ، اپنے معاملات کو لکھ کر محفوظ کرنے کا طریقہ آ گیا۔ اسی طرح مسلمانوں کے لکھنے اور پڑھنے کے عام ہونے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ پر نازل شدہ وحی کو لکھنے والوں کی کثیر تعداد آپ کے پاس موجود تھی۔ یہ بہت بڑا تعلیمی انقلاب تھا۔

۱۹۔ عہد نبویؐ میں مسلمانوں نے نہ صرف عربی زبان کو لکھنا پڑھنا سیکھا بلکہ حسب ضرورت دیگر زبانوں کو بھی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور آپ کی طرف سے اس زبان میں خط وکتابت ہوتی۔

۲۰۔ اس طرح ابتدائے اسلام میں ہی کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم اور تابعین نے قرآن مجید کی تفسیر اور بعض تالیفات لکھیں۔ جیسے کہ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور اس طرح ان کے شاگرد سعید بن جبیرؓ، مجاہدؒ، حسنؒ اور قتادہؒ وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ اس طرح بعض صحابہ کرامؓ نے حدیث نبوی میں بعض تالیفات لکھیں۔ جیسا کہ حضرت عمرو بن عاصؓ اور دیگر صحابہؓ کے نام لیے جاتے ہیں۔

۲۱۔ اسی طرح بعض صحابہ کرامؓ نے جو کہ نبی کریم ﷺ کے شاگرد اور آپ ﷺ کی کامیاب تعلیمی پالیسی کا ثمرہ تھے۔ بعض نے فقہی مسائل میں تالیفات مرتب کیں۔ مثلاً حضرت جابر بن عبداللہؓ نے مسائل حج اور حضرت زید بن ثابتؓ جو کہ صحابہؓ میں مسائل وراثت میں سب سے زیادہ ماہر تھے، انھوں نے مسائل وراثت پر لکھا۔

۲۲۔ خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم ومقصد صرف مذہبی تعلیم رہا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں تعلیم کی بہت اشاعت ہوئی، کیوں کہ مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے، اس لیے خلفائے راشدین نے حفاظت تعلیم اور اشاعت تعلیم کا بہت اہتمام کیا۔ عہد صدیقیؓ میں آپؓ کے اصرار سے کلام اللہ کی تدوین ہوئی۔ اس طرح تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے مکتب قائم کیے اور ان کے لیے تنخواہ دار معلم مقرر ہوئے۔ ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد ہی میں قرآن مجید کو جمع کیا۔ اس کی ترتیب ہوئی، صحیح نسخے لکھوا کر اس کو محفوظ کر دیا گیا۔ تمام ممالک میں اس کی تعلیم کا رواج ہوا۔ یہ سب اہتمام حضرت عمرؓ کے عہد میں ہی ہوا۔

۲۳۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن کا درس جاری ہو چکا تھا۔ مسلم قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کردی گئیں۔ خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبراً کی گئی۔

۲۴۔ قرآن کے طلبہ کے وظائف مقرر کیے گئے۔ ان تدبیروں سے ہزاروں حفاظ قرآن پیدا ہوئے۔ علاوہ ازیں قراء صحابہؓ کو تعلیم قرآن کے لیے دور دراز مقامات پر بھیجا گیا۔

۲۵۔ عہد فاروقی میں قرآن مجید کی اشاعت کے لیے ان تدبیروں کے ساتھ بہت سے وسائل اختیار کیے گئے۔ ضروری سورتوں یعنی

بقرہ، نساء، مائدہ، نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب عوام الناس اس قدر قرآن ضرور سیکھیں کہ ان کو احکام و فرائض کے بارے میں مکمل تعلیم ہو۔

۲۶۔ حدیث کے تفحص و جستجو اشاعت و ترویج سے متعلق حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد میں جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا سبب بنا۔ اس دور میں احادیث کی روایت اور اشاعت پر توجہ مبذول کی گئی۔ اس لیے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع ہوئی۔

۲۷۔ فاروقی عہد میں اسلامی تمدن کی ترقی سے صد ہائے مسائل پیدا ہوئے۔ اس لیے اس زمانہ میں علم فقہ کی بڑی ترقی و اشاعت ہوئی بلکہ اسی دور میں فقہ کی تکمیل ہوئی۔

۲۸۔ فقہ کی تعلیم و اشاعت کے لیے صحابہ کرام ؓ کو مختلف علاقوں میں بھیجا گیا تا کہ عوام الناس کو یہ علمائے کرام قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔

۲۹۔ تعلیم و تدریس کے لیے مساجد تعمیر ہوئیں۔ ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد میں ہی چار ہزار مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی ان کے عہد مبارک میں ہوا۔ حرم محترم کی عمارت کو وسعت اور اس کی زیب و زینت پر توجہ مبذول کی گئی۔

۳۰۔ خلفائے راشدین کے تعلیمی مقاصد نے عوام الناس میں انقلابی صورت حال پیدا کی۔

(i ہر خاص و عام کو تعلیم سے روشناس کرایا گیا۔

(ii تعلیم کی بنیاد قرآن و سنت پر محیط رہی۔

(iii مفتوحہ ممالک میں قرآن مجید کا درس عام ہوا۔

(iv نامور معلمین اشاعت تعلیم کا فریضہ بہ طریق احسن انجام دیتے رہے۔

(v دعوت اسلامیہ کی نشر و اشاعت میں بتدریج ترقی ہوئی۔

(vi تعلیم کے ذریعے عوام الناس کے کردار میں عمدگی و پختگی پیدا ہوئی۔ عوام الناس کی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے وظائف مقرر ہوئے۔

۳۱۔ اسلامی ریاستوں میں گورنروں اور عمال کی تعیناتی میں تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہوئی۔ مقاصد تعلیم میں بیت المال کا قیام، انتظام و انصرام پیش نظر رہا۔

۳۲۔ خلفائے راشدین کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا۔ اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنایا۔ علم تفسیر، علم حدیث، علم النحو، بصرہ و کوفہ میں پروان چڑھا اور یہی عربوں کے اہم ثقافتی مراکز رہے۔

۳۳۔ شہروں کی آبادکاری کی وجہ سے تعلیمی ترقی اوج کمال تک پہنچی۔

۴۱۔ عہد خلفائے راشدین کے بعد خلافت ملوکیت میں بدل گئی۔ اسلامی حکومت کی بھاگ ڈور جب امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں آئی تو نظام شوریٰ کی جگہ آمریت نے لے لی۔ بنوامیہ کے سیاسی وفاداروں نے ایسی حدیث کی روایتوں کو عام کیا جن میں اطاعت امیر پر زور دیا گیا۔ جب امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کی تو سیاست میں وراثت درآئی اور ایسا نظام وجود میں آیا جس کا خلافت راشدہ سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ اور یہ نظام اموی حکومت کا نظام سیاست بن گیا۔ علماء اور دین دار طبقہ نے امیر معاویہؓ کے خلاف کوئی باقاعدہ تحریک نہ چلائی لیکن وہ سیاست سے عملاً کنارہ کش ہو گئے۔ علماء نے خدمت دین کے لیے مختلف جگہوں پر اپنے اپنے حلقہ ہائے درس قائم کیے اور دین کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ حلقہ درس عبداللہ بن عباسؓ، حلقہ درس عامر بن شراحیل الشعبی، علمی حلقہ درس سعید بن مسیب، علمی حلقہ درس ابوسعید بن ابی الحسن یسار بصری۔

۴۲۔ اسلامی تعلیمات سے روشناس ہونے کے ساتھ ساتھ عربی زبان کو بھی فروغ دیا گیا۔ عبدالملک بن مروان نے سیاسی خدمات کے ساتھ ساتھ متعدد تعمیری کام بھی کیے۔ حکومت کی دفتری زبان فارسی اور رومی تھی۔ ان دفاتر کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ عربی زبان کی اہمیت بڑھ گئی۔ اور اس کو عظیم الشان فروغ حاصل ہوا۔ نئے شہر آباد ہوئے، نئی مساجد تعمیر ہوئیں، فوج کی باقاعدہ تنظیم ہوئی۔ تبلیغی ادارے قائم کیے اور مسلمانوں کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ مبذول کی گئی۔ قرآن مجید کے درس کے لیے جگہ جگہ مکاتب قائم ہوئے۔ علماء و متعلمین کے وظائف مقرر کیے گئے اور انھیں فکر معاش سے آزاد کر دیا گیا۔

۴۳۔ عربوں نے علمی خدمات دیگر زبانوں کے تراجم اور دفاتر منتقل کروانے کے ساتھ ساتھ ایک گراں قدر ثقافت بھی تعمیر کی۔ انھوں نے صرف اپنے اس قدیم موروثی تمدن ہی سے فائدہ نہیں اٹھایا جو دجلہ فرات کے کناروں، ارض نیل کے میدانوں اور بحیرہ روم کے مشرقی ساحلوں پر پروان چڑھا تھا بلکہ انھوں نے یونان وروما کی ثقافت کی بعض امتیازی خصوصیتوں کو بھی اس میں جذب کر لیا۔ یہی مسلمان آگے چل کر قرون وسطیٰ میں یورپ کو ایسے ذہنی تاثرات کے منتقل کرنے کا وسیلہ بنے۔ جنھوں نے مغربی دنیا کو بیدار کر کے اسے نشاۃ جدیدہ کی شاہراہ پر گامزن ہونے کے قابل بنا دیا۔

۴۴۔ یونانی علوم کی اشاعت میں عربوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔ عربوں کو ایران وشام سے جو یونانی علوم کا ذخیرہ ملا انھوں نے صرف اس کے تراجم پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان پر تنقید بھی کی۔ یونان وروام کے علوم وفنون ایران وشام میں پھیل گئے۔ یونانی فلسفہ کتب کے عربی میں تراجم ہوئے۔ دور بنوامیہ میں علوم وفنون کو ترقی ہوئی۔ یونانی کتب کے تراجم کا آغاز ہوا۔ یونانی علوم عربی زبان میں منتقل ہونا شروع ہوئے۔ اس طرح دیگر زبانوں کی علمی کتابوں کو عربی میں منتقل کر دیا گیا۔

۴۵۔ عہد بنوامیہ میں (۱) شاعری (۲) کتابت وانشاء (۳) تفسیر وقراءت (۴) حدیث (۵) فقہ (۶) انساب (۷) لغت (۸) نحو (۹) تاریخ ومغازی (۱۰) کیمیا (۱۱) فلسفہ وطب (۱۲) عربی زبان کی ترویج (۱۳) عربی رسم الخط کی اصلاح (۱۴) تعلیم نسواں۔ مذکورہ بالا علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔

عرب فطرتاً تمام سامی اقوام سے زیادہ شاعری کی قابلیت رکھتے ہیں اور شاعری پر ان کو پورا پورا عبور حاصل ہے۔ اس لیے ان کی زبان میں مفہوم ادا کرنے کے لیے ان کی طبیعتیں پاکیزہ اور ان کی زندگی سادہ ہے۔ قوتِ عصبیت اور جذبہ آزادی ان میں بدرجہ

۳۴۔ عہد خلفائے راشدین میں منظم فوجی نظام نے تعلیم کی راہیں کھول دیں۔ ماہر علم الانساب، حساب، کتاب کی خدمات سے عوام الناس میں تعلیم کا مزید پھیلاؤ ہوا۔

۳۵۔ دور خلفائے راشدین میں تعلیم کے مقاصد میں قران وحدیث، فقہ واجتہاد کے فروغ کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ عوام الناس کی تربیت اسی بنیاد پر ہوئی۔ مملکت اسلامیہ کے اہم عہدوں پر ان افراد کی تقرری کی جاتی جو قرآن وحدیث، فقہ واجتہاد، حلال وحرام کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے۔ گورنروں اور عمال کو سختی سے ان کے فرائض بتا دیے جاتے اور سخت تنبیہ کی جاتی کہ وہ فرائض کی ادائیگی میں راست بازی اور دیانت داری کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ فرائض کو کما حقہ ادا کریں اور غفلت سے کلی طور پر اجتناب کریں۔ رزق حلال اور حرام سے اجتناب تعلیم کا بنیادی مقصد رہا۔ علماء وفضلاء کی قدر دانی کو پیش نظر رکھا گیا اور ان کے وظائف مقرر کیے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں تعلیم کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔

۳۶۔ خلفائے راشدین کے دور میں تعلیم کو نہایت ترقی ہوئی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم ہوئے۔ جن میں قرآن مجید، اخلاقی شعار اور امثال عرب کی تعلیم دی گئی۔ بڑے بڑے عالم صحابہ اضلاع میں حدیث وفقہ کی تعلیم کے لیے مامون کیے گئے۔ مدرسین ومعلمین کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

۳۷۔ خلفائے راشدین بالخصوص حضرت عمر فاروق ؓ کا معمول تھا جب ان کے پاس فوج مہیا ہوتی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہو۔ فوجی افسروں کے لیے علم وفقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت رہی۔ یہی وجہ ہے کہ شام و عراق کی فتوحات مین ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں انھوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول وعقائد ان کے سامنے بیان کیے۔ اشاعت اسلام کی بڑی تدبیر یہ رہی ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔

۳۸۔ فوجی صدر مقامات علم کا گہوارہ بنے: (۱) مدینہ (۲) کوفہ (۳) بصرہ (۴) موصل (۵) فسطاط (۶) مصر (۷) دمشق (۸) حمص (۹) اردن (۱۰) فلسطین۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جاسکتے تھے وہ صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے۔ فوجی صدر مقام بھی انہی ممالک میں قائم ہوئے۔ ان شہروں کی علمی حیثیت یہ ہے کہ علم نحو کی ابتدا کوفہ میں ہوئی۔

۳۹۔ تنخواہ کی تقسیم میں عرب کے بڑے اہل انساب اور اہل الرائے کی خدمات لی گئیں۔ فوج میں خزانچی ومحاسب، مترجم، ایک افسر خزانہ، ایک محاسب اور ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح بھی ہوتے۔

۴۰۔ خلفائے راشدین کے دور میں مسجد کی علمی وسیاسی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مساجد سیاست کے مراکز تھیں۔ انصاف کی عدالتیں تھیں، تعلیمی درسگاہیں تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عبادت گاہیں تھیں۔ لہٰذا اسلام کے پھیلاؤ کے لیے مسجد کی بناء لازمی تھی۔ ہر مفتوحہ مقام پر اور ہر نئے شہر میں مسجد جلد از جلد تعمیر کی جاتی۔ مسجد جامع عمرؓ جو تعلیم کا گہوارا رہی اس وقت یہ مسجد تعلیمی مرکز اور عدالتی مرکز کا کام دیتی رہی۔ ان مساجد میں ادبی تحقیق کا کام بھی ہوتا۔

اتم موجود ہے۔

۴۶۔ عربوں میں شاعری اورعلم الانساب کے ساتھ کتابت کا فن موجود تھا۔انھوں نے ابتداًدوسری قوموں اور مذاہب کے ماننے والوں سے استفادہ کیااور رفتہ رفتہ وہ اس فن میں ماہر ہو گئے۔

۴۷۔ عہد اموی کا نثری اسلوب جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔اس عہد کے طرز بیاں میں پر شوکت الفاظ، بڑی بڑی ترکیبیں،موضوع کی پابندی،تطویل، وتکلف، نیز مبالغہ آمیزی سے اجتناب،ضمیروں کوقاعدہ کے مطابق استعمال کرنا وغیرہ جب ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوئے توانھوں نے خطوط کے کاغذات خوشنما بنانے،اعلیٰ اور پر تکلف خطاب کرنے اور عامیانہ طرزتحریر سے اجتناب کاحکم دیا چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوئے تو انھوں نے تقوئی شعاری وبدعت دشمنی کی بناپر سلف کے قدیم طرزتحریر کواختیار کرلیا۔ جب آبادی کی کثرت اور محصولات کی فراوانی ہوئی،حکومت کا دائرہ وسیع ہواتو انشاء پردازی،عہد بنوامیہ کی طرح صرف دفتری کاروباری اور خطوط نویسی تک محدود نہ رہی بلکہ اس حد سے نکل کر وہ تصنیف،ترجمے،مقالات،مقامات، عہد نامے، وصف، مناظرہ، ملاقات سے قبل تعارف،عتاب وناراضگی،تعزیت وتہنیت، رضاجوئی وغیرہ قسم کے شہری وتمدنی موضوعات کے لیے استعمال ہونے لگی۔

۴۸۔ عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں اسلامی فتوحات کا دور دورہ ہوا۔مسلمان مدینہ طیبہ کے مطلع انوار سے نکل کر دور دراز علاقوں میں پھیل گئے۔ جہاں جہاں اسلام کی روشنی پھیلی مسلمانوں نے وہاں وہاں بودوباش اختیار کرلی۔اہل اسلام میں ولاۃ وقضاۃ امراء وحکام اور معلم سبھی قسم کے لوگ تھے۔یہ لوگ جہاں بھی گئے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کردہ علم وفضل بھی ہم راہ لے کے گئے۔ بکثرت تابعین نے ان کی ہم نشینی سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ان سے علم حاصل کر کے لوگوں کو اس سے مستفید کرنے لگے۔چنانچہ بلاد دیار میں علمی مدارس قائم ہو گئے۔جن کے اساتذہ،صحابہؓ اور تلامذہ تابعین تھے۔ان میں سے بعض مدارس نے خصوصی شہرت حاصل کی اور تابعین کی کثیر تعداد نے مشہور مفسرین صحابہؓ سے کسب فیض حاصل کیا۔ چنانچہ ایک مدرسہ مکہ، دوسرا مدینہ،تیسرا عراق میں بپا ہوا۔ یہ مدارس سرگانہ اس دور کے مشہور تفسیری مکاتب شمار ہوئے۔

۴۹۔ اموی دور میں حدیث وفقہ کے ساتھ ساتھ دیگر شعبہ ہائے علوم پر دسترس حاصل کی گئی۔لغت،نحو،تاریخ ومغازی، کیمیااورطب۔ ان سب پر اموی حکمرانوں نے ذاتی توجہ مبذول کی۔ دمشق میں امویوں کا دور آیا توانھوں نے علم وحکمت کی سرپرستی کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیے۔شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہ نے یونانی فلسفے کے علماء کومصر میں جمع کیا۔ یونانی اور مصری کتب کو عربی میں منتقل کرنے کے حکم دیا۔ خالد بن یزید کے ساتھ اس کام میں مشہور عالمِ کیمیا جابر بن حیان بھی شامل ہوگیا۔اس طرح طب سے متعلق عملی کاموں کی جانب توجہ مبذول کی تواموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ۸۸ھ میں دمشق میں جذامیوں کے لیے ایک شفاخانہ بنوایا۔جس کا سنگ بنیاد اس نے بنفس نفیس اپنے ہاتھوں سے رکھا۔یہ گویا عربی حکومت کا پہلا باقاعدہ شفاخانہ تھا۔یہ حقیقت ہے کہ عربی دور حکومت میں نہایت بلند پایا،عربی اور غیر مسلم اطباء گزرے ہیں۔جن کی جلالت علم اور قدرومنزلت کا سکہ تمام ممالک میں رواں تھا۔اور یہ عربی عہد حکومت کی انتہائی فیاضی تھی کہ اطباء کی تکریم کے سلسلے میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی تخصیص نہ

تھی۔غرض یہ کہ عربوں میں یونانی طب کی از سرِنو تہذیب کر کے اس میں تمام دنیا کے طبوں کی مفید معلومات کا اضافہ کر کے ایک نئی طب کی بنیاد رکھی اور اس طرح انھوں نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق اپنے عہد کی ایک جامع اور مکمل طب بنائی۔

۵۰۔ اموی دور میں عربی زبان کی ترویج ہوئی۔عربوں سے پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے۔عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے بھی ان کی زبان کو اختیار کر لیا۔یہ زبان ممالک اسلامی میں اس درجہ پھیل گئی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں، یعنی سریانی، یونانی، قبطی، بربری وغیرہ کی جگہ لے لی۔ایران میں بھی ایک مدت تک عربی قائم رہی۔ اور اگرچہ اس کے بعد زبان فارسی کی تجدید ہوئی لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اس زبان میں ہوتی رہیں۔ایران کی کل علوم و مذہب کی کتابیں عربی میں لکھی گئیں۔

۵۱۔ عربی رسم الخط کی اصلاح بتدریج ہوتی رہی۔عصر نبوت اور عہد صحابہ کرام میں ایک متعین رسم الخط رواج پذیر ہو گیا۔جس میں قرآن مجید کی کتابت بھی کرتے، وثیقے اور معاہدے بھی لکھتے۔آپس کے معاملات بھی ضبط تحریر میں لاتے۔عام لوگوں سے خط و کتابت بھی کرتے، مختلف ملکوں کے حکمرانوں اور بادشاہوں سے مکاتبت بھی کرتے۔یہ رسم الخط اور اسلوب تحریر نہ صرف مکہ و مدینہ یا ملک عرب میں متعارف اور رائج ہوا بلکہ عرب سے باہر کے ملکوں، ایران کے تعلیم یافتہ طبقے میں بھی مروج و متعارف ہو گیا۔اس کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ جب حضور ﷺ نے مختلف ملکوں اور علاقوں کے بادشاہوں کو دعوت اسلام دی اور ان کو تبلیغی خطوط لکھے تو اسی رسم الخط میں لکھے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ ایران و عجم کے لوگ بھی اس سے آشنا تھے۔

۵۲۔ اموی دور حکومت میں اموی خلفاء شہزادوں کو عربیت کی صحیح تعلیم کے لیے بادیۃ الشام میں بھیجا کرتے۔اس کے علاوہ شہزادوں کی تعلیم کے لیے ممتاز استاد مقرر کیے جاتے جو ''مؤدب'' کہلاتے۔

اموی دور کے نظام تعلیم میں حسب ذیل تعلیمی خصوصیات کا اضافہ ہوا۔

۱۔ علوم و فنون کے تالیف و تصنیف اور ترجمہ کا سلسلہ قائم ہوا۔

۲۔ اساتذہ و طلباء کے وظائف مقرر کیے گئے۔

۳۔ مساجد میں تعلیم کے لیے درس کے مستقل حلقے قائم ہوئے۔

۴۔ بعض اسلامی ملکوں میں اہل علم کو اپنا تعلیمی کام جاری رکھنے کے لیے جہاد کی خدمت سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

۵۔ زبانی تعلیم کے علاوہ املاء کا طریقہ جاری ہوا۔یعنی استاد جو کچھ درس دیتا، شاگرد اسے لکھ لیتے۔یا استاد خود لکھاتا جاتا اور طلباء لکھتے جاتے۔

۶۔ کتابوں کی قراءت کی سند و اجازت کا رواج بھی اسی دور سے ہوا۔

۵۳۔ مکاتب برائے تعلیم نوشت و خواند۔۔۔اس بات کی شہادت موجود ہے کہ ابتدائی مدارس یا تو مدارس میں تھے یا کسی عمارت میں جو مسجد سے ملحق ہوتی۔اس طرح متعدد مکاتب جو مساجد میں تھے اور خود کفیل تھے اسلامی دنیا میں مکاتب اور معلمین کی تعداد بڑی تیزی اور کثرت سے بڑھنے لگی۔اس طرح ایک قوم میں ایک مکتب قائم ہو گیا۔مثال کے طور پر جب ابن حوقل نے مقلیہ کی

سیاحت کی تو صرف پلرمو میں اس نے ابتدائی تعلیم کے کم وبیش تین سو مدرسین کا شمار کیا۔

۵۴۔ اس قسم کی تعلیم محلات شاہی میں بھی ہوا کرتی۔ بعض حالات میں مؤدب محل کے ایک حصہ میں اپنے شاگرد کے ساتھ ہی رہا کرتا، تاکہ تربیت پر پوری توجہ دے سکے۔ جب احمد بن یحییٰ ثعلب کو طاہر بن محمد عبداللہ بن طاہر کا اتالیق مقرر کیا گیا تو اس کے لیے محل ہی میں قیام کا انتظام کیا گیا۔ اور وہ اپنے شاگرد ہی کے ساتھ کھانا کھایا کرتا۔ کبھی اتالیق کا مکان محل سے باہر ہوا کرتا تھا۔ اس صورت میں عموماً خلیفہ کا یہ دستور تھا کہ جس کمرے میں استاد پہلے دن شاگرد کی تعلیم شروع کرتا اس کا سارا ساز وسامان استاد کی نذر کر دیا جاتا۔ اگرچہ مضامین ہر حالت میں یکساں ہی تھے، لیکن باپ کی ہدایت کے مطابق ان میں ترمیم و تنسیخ ہوتی رہتی۔ ان مثالوں سے فرق معلوم ہو جائے گا کہ ان طلباء کو کس مقصد کے تحت تعلیم دی جاتی تھی۔

۵۵۔ بادیہ صحیح زبان کا مرکز بن چکا تھا۔ ابتدائی دور کے اموی شہزادوں کے لیے شامی بادیہ ایک مدرسہ کا کام دیتا تھا جہاں نوجوان لڑکے خالص عربی سیکھنے کے لیے بھیج دیے جاتے تھے اور وہاں سے وہ شاعری میں طاق ہو کر آتے تھے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے اور ولی عہد یزید کو بھی بادیہ میں تعلیم کی غرض سے بھیجا تھا۔ صحیح زبان یوں تو سارے بادیہ نشین بولا کرتے تھے لیکن ان بدوؤں میں سے غیر معمولی نمایاں اشخاص مجمع میں بیٹھ کر عمدہ اشعار اور عربوں کی تاریخ سنایا کرتے۔ ان اساتذہ میں چند مشہور نام یہ ہیں:

ابو ملک، عمرو بن کرکرہ، ابوزوان العکلی اور ابوالہندام کلاب بن حمزہ۔

۵۶۔ تعلیم وتربیت کے لیے مساجد کی تعمیر بہت بڑی علمی و تعلیمی خدمت رہی۔ اموی دور کی اہم تعمیر جامع اموی یا جامع دمشق ہے۔ اس کی تعمیر نہ صرف ولید کا بلکہ اس دور کا عظیم تعمیری کارنامہ ہے۔ اس کی تعمیر پر بے دریغ دولت صرف ہوئی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ملک شام کا پورا سات برس کا خراج اس پر صرف ہوا۔ اس کی تعمیر کے لیے ہندوستان، فارس، مغرب اور روم وغیرہ مختلف ملکوں سے کاری گر اور تعمیر کا سامان منگوایا گیا۔ صرف جزیرہ قبرص سے اٹھارہ جہازوں پر سونا اور چاندی آیا تھا۔ قیصر روم نے علیحدہ منبت کاری کا سامان بھیجا۔ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آتے اور متحیر ہوتے۔ یہ مسجد سر سے پاؤں تک سونے چاندی اور جواہرات سے لپی ہوئی تھی۔

مسجد عمرو، مسجد قیروان، مسجد واسط، مسجد زیتونیہ، بہت مشہور اور دیدہ زیب ہونے کے ساتھ علمی تحقیق کا گہوارہ رہیں۔

اس طرح بنو امیہ کے عہد میں اسلامی عمارتوں کی تعمیر کا فن شروع ہوا اور جلد ہی پروان چڑھا۔ اموی آثار ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ان فتوحات سے فائدہ اٹھایا اور اپنی حکومت میں بہت سے فنی عناصر میں منفرد ہوئے اور ان سے ایک اعلیٰ طرز پایا۔

۵۷۔ اموی دور میں عوام وخواص کے لیے جو علوم بطور تعلیمی نصاب سرفہرست رہے درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن، علم تفسیر (۲) حدیث اور شریعت (۳) نحو اور لغت (۴) تاریخ کی تدوین (۵) خطابت (۶) خط وکتابت (۷) شعر گوئی (۸) تعلیم وتربیت (۹) علم کیمیا (۱۰) فکر دبستان (۱۱) علم طبیعات (۱۲) علم ہیئت (۱۳) علم الحساب (۱۴) علم

الہیات۔

مذکورہ بالا گراں مایہ علوم کو سیکھنے اور اس کی تحقیق پر اموی حکومت نے سرپرستی کی۔ مسلمانوں نے ان علوم کو نئی سج دھج اور زیبائش عطا کی۔ اور تعلیمی اداروں میں بطور تعلیمی نصاب پڑھائے جانے لگے۔

۵۸۔ بنو امیہ کے تعلیمی اداروں میں اساتذہ و شاگرد کے باہمی روابط بہت گہرے رہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کرام کو خلفاء انعام و اکرام سے نوازتے اور قدر و منزلت میں اضافہ کرتے، بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کو حکومت کی سرپرستی حاصل رہی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اتالیقوں کو مختلف مواقع پر تحائف دیے جاتے تھے۔ ان کی مالی امداد کی جاتی اور ان کے طعام و قیام کا مستقل انتظام بھی کیا جاتا۔

۵۹۔ تاریخ کے اوراق کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم عصر حاضر کے تدریسی منہاج کی ترتیب نو کی طرف توجہ مبذول کرتے ہیں۔ وہ مذکورہ بالا علوم جن میں مسلمانوں نے مہارت تامہ حاصل کی اور دنیا انگشت بدنداں رہ گئی بلکہ مسلمانوں کے علوم و فنون ہی سے انھوں نے تحقیق کو آگے بڑھایا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان علوم کو کیسے موجودہ دور جو کہ سائنسی اور ٹیکنالوجی اور مشینی دور ہے ان علوم کو کارآمد بنایا جائے اور ایسے سانچے میں ڈالا جائے جس سے عوام و خواص دونوں مستفید ہو سکیں۔

ملخص مقاله

ملخص مقالہ

پہلی صدی ہجری کا تعلیمی منہاج

باب اول

اس باب کی فصول حسب ذیل ہیں:

فصل ا۔ اس فصل میں تعلیم کا لغوی مفہوم، اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے تعلیم کا تصور از روئے قرآن وحدیث بیان کیا گیا ہے۔

فصل ۲۔ تعلیم کے اسلامی اصول، جن کو مزید دس بڑے عنوانات پر منقسم کیا گیا ہے۔

(۱)۔تصور علم (۲)۔مقصد تعلیم (۳)۔انفرادیت اور اجتماعیت میں توازن

(۴)۔علم کی وحدت اور ہم آہنگی (۵)۔تعمیر کردار (۶)۔تکمیل حیات

(۷)۔فلسفہ تعلیم (۸)۔انسان کی حیثیت خلیفۃ اللہ فی الارض

(۹)۔راہ علم (۱۰)۔وحی الٰہیہ

ان تمام مذکورہ بالا ذیلی عنوانات کو قرآن وسنت، تعلیمی نظریات وتناظر کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی تحقیق کی گئی ہے۔

فصل ۳۔ مختلف وحدات کے تناظر میں تعلیم کے اثرات کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے۔جس میں دنیا کی معروف تہذیبوں کا تقابلی وتہذیبی وتمدنی وعلمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

فصل ۴۔ اسلامی تعلیم کے بنیادی مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس میں (۱)۔حصول علم کی اہمیت (۲)۔علم کی فرضیت (۳)۔تعلیم کا مقام ومرتبہ (۴)۔تزکیہ نفس (۵)۔تلاوت آیات (۶)۔کتاب وحکمت کی تعلیم (۷)۔صلاحیتوں کی نشوونما (۸)۔ملی ضروریات کی تکمیل (۹)۔قومی ضروریات کی تکمیل، (۱۰)۔مذکورہ مقاصد کے حصول کے ادارے اور وسائل۔ (الف)۔مسجد ومکتب (ب)۔تعلیم کے عناصر چہارگانہ (۱)۔طالب علم (۲)۔استاد (۳)۔تدریسی مواد (نصاب) اور (۴)۔حکومت اور تعلیمی انتظامیہ۔

ان تمام تعلیمی پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے تحقیق کے تمام اصول وضوابط کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

فصل ۵۔ اس فصل میں تعلیمی مقاصد کے حصول کے ادارے اور وسائل کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز مسلمانوں کے درخشاں تعلیمی ادارے، ان کی تعلیمی کارکردگی کا تنقیدی وتحقیقی جائزہ اس طرح پیش کیا گیا ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہو سکے کہ مسلمانوں نے تعلیمی میدان میں جو بیش بہا اور گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں وہ کسی مذہب وملت کے نصیب کا حصہ نہیں بن سکیں۔

باب دوم

عہد نبوی کے تعلیمی ادارے اور ان کے مقاصد

اس باب کو چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل ا۔ عہد نبویؐ میں نظام تعلیم۔

(الف)۔یمن اور روم کا تمدن (ب)۔مخصوص رسم الخط (ج)۔دور جاہلیت کے (د) مکہ معظمہ کی مرکزیت (ہ) تعلیمی اداروں

کی ابتداء ۔

فصل ۲۔ مدینہ منورہ میں تدریسی سرگرمیاں ۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ کو عام اور لازم قرار دیا۔ اسلام کی پہلی یونیورسٹی ''الصوفہ'' اس کی علمی حیثیت، مقام ومرتبہ، اصحاب صفہ کی تعداد، اس کی تعلیمی کارکردگی کا تفصیلی جائزہ نہایت تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

فصل ۳۔ تبلیغ اور تبلیغی وفود کا کردار، ان کے بنیادی اور انقلابی اثرات۔ علاوہ ازیں نبی پاک علیہ السلام کے تبلیغی خطوط اور فرامین جو آپ ﷺ نے اشاعت دین کے لیے تمام اکناف عالم کو وقتاً فوقتاً روانہ کیے اور ان کو دین حق کی دعوت دی اور اس کے بہترین اور دور رس نتائج سامنے آئے۔

فصل ۴۔ عہد نبوی میں نظام تعلیم ۔ اس فصل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نظام تعلیم کس طرح کا تھا اور الصفہ کے طلباء کس طریق سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ عہد نبوی میں تعلیمی نصاب کس قسم کا تھا۔ اور آپ ؐ نے کس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعلیم وتربیت فرمائی تھی۔ ان تمام پہلوؤں پر نہایت تحقیقی انداز میں جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ پھر تعلیمی محرکات اور عصری تقاضے کیا تھے اور انھیں کس طرح پورا کیا گیا تھا۔ عہد نبوی کی تعلیمی پالیسی کے مثبت نتائج وثمرات کا تنقیدی وتحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب میں تمام معلومات عربی کی بنیادی اور علمی اور تعلیمی کتب سے لی گئی ہیں۔ معلومات کو تحقیقی انداز میں نہایت مدلل اور جامعیت سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عہد نبوی کی تعلیمی پالیسی میں دینی موضوعات پر کام کرنے کے ساتھ غیر دینی موضوعات پر کام کیا گیا، جن کا تذکرہ تعلیمی پالیسی میں نہایت جامعیت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بلاد اسلامیہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ورود اور دینی علوم کی نشر واشاعت میں صحابہ کی بنیادی کاوشوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی میں ہر جگہ اور ہر موقع پر تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں آپ کے وصال کے بعد بھی صحابہ ؓ نے تعلیم پھیلانے میں بھرپور کاوشیں کیں۔ درسگاہ نبوت کے سند یافتہ صحابہ ؓ کی تعلیم اور روایت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا تھی۔ یہی صحابہ علم کے وہ تابناک و درخشاں ستارے ہیں جنھوں نے علوم وفنون کو عالم اسلام اور اکناف عالم میں پھیلا دیا۔

باب سوم

خلفائے راشدین اور تعلیمی ترقی

اس باب کو تین ذیلی فصول میں منقسم کیا گیا ہے:

فصل ۱۔ خلفائے راشدین کے تعلیمی منہاج پر ایک نظر۔

فصل ۲۔ تعلیم کے مقاصد

فصل ۳۔ خلفائے راشدین کے تعلیمی محرکات اور عصری تقاضے۔

(الف)۔ خلفائے راشدین کے تعلیمی نصاب کا جائزہ۔

(ب)۔قرآن وحدیث ودیگر علوم۔

اس باب میں خلفائے راشدین کے تعلیمی منہج کا بنظر غائر تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔دور خلفائے راشدین میں تعلیمی نصاب کیا تھا اوراس تعلیم کے کیا مقاصد تھے؟ خلفائے راشدین کے تعلیمی محرکات اور عصری تقاضوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔تعلیمی نصاب نے عوام الناس کی تعلیمی ومعاشرتی ضرورتوں کو کس حد تک پورا کیا؟

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے تعلیمی میدان میں جو بیش قیمت خدمات سرانجام دی اور تعلیم وتحقیق کی جو بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھی اس نہج پر چل کر مسلمانوں نے علوم وفنون کے میدان میں اتنی ترقی کی منازل طے کیں کہ دیگر اقوام عالم انگشت بدنداں رہ گئیں۔تعلیم کے ہر شعبے میں مسلمانوں کی خدمات نمایاں نظر آنے لگیں۔اہل مغرب نے ان علوم سے استفادہ کیا اور چاند ستاروں تک کمندیں ڈال دیں۔ اس کے پیچھے مسلمان جوانمردوں کا ہاتھ ہے۔

خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم ومقصد صرف مذہبی تعلیم تھا۔حضرت عمرؓ نے اس کی اشاعت کی، مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے۔اس لیے اس کی حفاظت تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا۔عہد صدیقی میں آپؓ کے ہی اصرار سے کلام اللہ کی تدوین ہوئی۔اپنے زمانہ میں تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے مکتب قائم کیے اوان کے لیے تنخواہ دار معلّم مقرر کیے۔ان مکتبوں میں کتاب کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔

حفاظ صحابہؓ کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کے لیے بھیجا۔چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابودرداءؓ شام بھیجے گئے۔انھوں نے حمص، فلسطین اور شام میں درس دیا۔

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لیے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کیے۔ضروری سورتوں یعنی بقرہ، نساء، مائدہ، نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں کیوں کہ ان میں احکام وفرائض مذکور ہیں۔عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہ مقرر کر دی جائیں۔اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے، ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔وقتاً فوقتاً عمال سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔

ان تدابیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے شمار آدمی قرآن پڑھ گئے، ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تا کہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لیے جابجا بھیجوں تو سعد بن ابی وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو (۳۰۰) حفاظ موجود ہیں۔

اس طرح حضرت عمرؓ نے تعلیم کی طرف پوری توجہ فرمائی۔تمام مفتوحہ ممالک میں ہر جگہ قرآن حکیم کا درس جاری کیا۔فوجیوں کے فرائض مذہبی میں قرآن مجید کی تعلیم شامل تھی۔حضرت عمرؓ ہر سال صوبوں کے حکام اور فوجی افسرون سے حفاظ قرآن کی فہرست طلب فرماتے تھے۔حضرت ابوموسیٰؓ نے صوبہ بصرہ سے ایک سال دس ہزار حفاظ قرآن کی فہرست بھیجی تھی جس پر حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے۔

تعلیمی ترقی اس قدر تیزی سے ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق کے عہد میں اسلام کی نشرواشاعت کے لیے دوسرے ممالک میں اسلامی افواج بھیجی گئیں۔جنھوں نے مختلف ممالک فتح کیے اور وہاں پر مسلمانوں نے تعلیمی وتدریسی عوامل لوگوں تک پہنچائے۔تعلیمی حلقے قائم کیے۔اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم ہر خاص وعام تک پہنچ گئی۔

اس عہد میں مساجد مختلف علوم کا مراکز تھیں اور ان میں درس وتدریس کے لیے تعلیمی حلقوں کا اہتمام کیا جاتا تھا۔مثلاً: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حلقہ جو وہ ہر جمعرات کو کعبہ میں منعقد کیا کرتے تھے اور وہاں تفسیر کا درس بھی ہوتا۔حلقہ ربیعۃ الرائے کا درس، جو مدینہ کی

مسجد میں منعقد ہوا کرتا تھا اور جہاں مالک اور حسن، مدینہ کے اعلیٰ طبقہ کے حضرات، فلسفہ آئین کا درس لیا کرتے تھے۔

حلقہ حسن البصری بصرہ میں دینیات کے لیے قائم ہوا تھا۔ حضرت حسن بصری کے حلقے دو فریق ہو گئے اور واصل بن عطاء نئے فریق کے سربراہ نے ایک حلقہ قائم کیا جہاں خصوصی طور پر متکلمانہ دینیات کو ترقی ہوئی۔

مسجد میں عربی علم اللسان کا درس بھی ہوتا تھا۔ ابو عمر الزاہد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مسجد منصور میں نحو کا درس دیا کرتے تھے۔

مساجد میں ادبی تحقیق کا کام بھی ہوا کرتا تھا۔ کوفہ کی مسجد میں کمیت بن زید اور حماد الراویہ عموماً ایک ادبی حلقہ منعقد کیا کرتے تھے۔ جہاں یہ دونوں شاعر ادبی مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔ سعید بن المسیب مدینہ کی مسجد میں عربی شاعری پر بحث کیا کرتے تھے۔

مسلم بن ولید اکثر مسجد بصرہ میں حلقہ قائم کر کے اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ مسجد میں طب کا درس بھی ہوا کرتا تھا۔

ابن تولون کی مسجد میں تفسیر، حدیث، فقہ، اور علم ہیئت پر تحقیقی کام ہوا کرتا تھا۔ عبداللطیف بغدادی سے روایت ہے کہ میں جامع ازہر میں صبح و شام درس دیا کرتا تھا اور دوپہر کو ایک عالم طب آتے جو درس دیا کرتے تھے۔

اسی طرح خلفائے راشدین کے دور میں تعلیمی ترقی نے اپنی راہیں کھول دیں اور علم کی روشنی اکناف عالم میں پھیل گئی۔

باب چهارم

بنو امیہ کے تعلیمی ادارے اور ان کے مقاصد

فصل ۱۔ اس فصل کو چھ عنوانات پر منقسم کیا گیا ہے اور ہر عنوان کو مربوط چھوٹے چھوٹے عنوانات کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔ اس میں عہد بنو امیہ کا سیاسی نظام اور اس کے تعلیمی منہاج پر اثرات، تعلیمی نصاب، مقاصد تعلیم اور عصری تقاضے، عربی زبان کی ترقی، دیگر علوم کی اشاعت وغیرہ۔

فصل ۲۔ اس فصل میں عہد بنو امیہ میں وہ علوم جو عوام الناس کی توجہ کا مرکز بنے اور جن پر تحقیقی کام ہوا، یہ تقریباً علوم و فنون کی چودہ شاخیں ہیں۔ یہ علوم تعلیمی اداروں میں بطور نصاب پڑھائے جاتے رہے۔

فصل ۳۔ تعلیمی اداروں کا انتظام و انصرام۔ اس میں نئے تعلیمی مدارس

فصل ۴۔ مسجدوں کی تعمیر، مکاتب، محلات، بادیہ اور نادر روزگار تعلیمی مساجد کی تعمیر جن میں مختلف علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی۔ جن کی تعمیر اس قدر پر شکوہ تھی کہ دیکھنے والی نظر مبہوت ہوئے بغیر نہ رہ سکتی۔ ان تمام عنوانات کو تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

فصل ۵۔ اس فصل میں مشہور علمی حلقہ ہائے درس اور ان کی کارکردگی، جن میں عوام الناس کی ذہنی، روحانی تربیت کی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں بنو امیہ کے تعلیمی اداروں کا نصاب۔ معاشرے میں اساتذہ کا مقام و مرتبہ اور اساتذہ و شاگردوں کے درمیان باہمی روابط۔ ان سب پر تفصیل حاصل بحث و تحقیق کی گئی ہے۔

میرے تحقیقی مقالے کا یہ باب بنیادی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس باب میں عہد بنو امیہ کی تعلیمی کاوشوں کو منظر عام پر لانے اور علم و فنون کی ترقی کو بتدریج تحقیقی سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔ اسلام کے شروع میں مسلمانوں کی پوری توجہ صرف دینی تعلیم پر مخصوص تھی اور وہ علوم قرآن، تفسیر، حدیث اور اس کے روایت اور فقہی احکام استنباط کرنے اور شرعی فتوے دینے پر مشتمل تھے جو کہ آپس میں مربوط تھے اور

جس میں نئی نئی باتیں شامل ہوتی رہتی تھیں۔اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ دین سے متصل علوم عہد بنوامیہ میں پھیلے اور عہد عباسی میں علوم عقلیہ، یعنی طب، فلسفہ اور ریاضیات پر بھرپور توجہ دی گئی۔علماء نے مملکت اسلامیہ کی پھیلی ہوئی سرحدوں اور عجمیوں میں دین کی اشاعت کا بروقت ادراک کرتے ہوئے عربی زبان، تدوین حدیث اور تفسیر قرآن کی ترویج کے لیے اس کے متعلقہ علوم کی تدریس کا باقاعدہ اہتمام کیا۔اس طرح علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ کی تعلیم اور توسیع کے لیے مختلف علاقوں میں ادارے سرگرم عمل ہو گئے۔

مدینہ منورہ کے اہل علم ہر دینی و دنیاوی امر میں مراجع تھے اور خلفاء وامراء تک ان کے مشورہ اور فتویٰ پر عمل کرتے تھے۔حضرت عمرؓ خاص طور سے اصحاب شوریٰ کے علاوہ ہر طبقہ کے علماء وقراء کو اپنی مجلس میں بلا کر اہم امور میں مشورہ لیتے تھے۔حضرت امام زہریؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر کی مجلس میں جوان اور عمر رسیدہ قراء کی بھیڑ رہا کرتی تھی اور آپ بسا اوقات ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ان کی دوسری روایت میں ہے حضرت عمرؓ کے سامنے جب کوئی مشکل معاملہ آ جاتا تھا تو نوجوانوں کو بلا کر ان سے مشورہ طلب کرتے اور ان کی تیزی عقل سے کام لیتے۔اسی طرح اموی خلفاء وامراء اہل مدینہ سے رائے، مشورہ لیتے تھے اور ان کی دینی رہنمائی میں خلافت و امارت کے امور سرانجام دیتے تھے۔مروان بن حکم پہلی بار ۴۲ھ میں امیر مدینہ ہوا۔اس کے بعد دوبارہ امیر ہوا۔وہ اپنے دونوں دورِ امارت میں صحابہؓ کو اپنی مجلس میں جمع کر کے ان کے مشورے پر عمل کرتا تھا۔

مروان اپنی امارت مدینہ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتا تھا اور جس بات پر وہ لوگ متفق ہو جاتے اس پر عمل کرتا تھا۔

صحابہ کے بعد مدینہ کے فقہاء سبعہ اور دوسرے اہل علم خلافت و امارت کے امور و معاملات میں حکم اور فیصل تھے اور امراء و عمال ان سے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ۸۶ھ سے ۹۳ھ تک مدینہ کے امیر رہے، اس پوری مدت میں وہ فقہاء سبعہ اور دوسرے قراء وفقہاء کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے۔انہوں نے مدینہ آتے ہی نماز ظہر کے بعد ان دس فقہاء وعلماء کو جمع کیا۔عروہ بن زبیرؒ، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث، ابوبکر بن سلیمان بن ابوحثمہ، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق، سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، خارجہ بن یزید بن ثابت رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

انھوں نے اپنے حکام، عمال اور عوام الناس کو ایک خطبہ میں تنبیہ کرتے ہوئے میں ارشاد فرمایا:

''میں نے آپ لوگوں کو ایک کام کے لیے بلایا ہے جس میں آپ لوگوں کے لیے اجر وثواب ہوگا اور آپ لوگ حق کے حامی و ناصر ہوں گے۔میں چاہتا ہوں کہ آپ سب کی رائے یا آپ میں سے جو حاضر ہو اس کی رائے کے بغیر کسی بات کا قطعی فیصلہ نہ کروں۔اگر کوئی کسی کو دیکھے کہ سرکشی کر رہا ہے یا میرے ماتحت حاکم کی طرف سے آپ لوگوں کو ظلم وزیادتی کی خبر پہنچے تو میں ہر ایسے واقف کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس کی خبر مجھے دے دے۔یہ سن کر لوگوں نے ان کو دعا دی اور مجلس برخاست ہوگئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ آ کر وہاں کے دس فضلاء کو بلایا اور ان سے کہا کہ آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں آپ لوگوں کی رائے اور مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کروں گا۔اس لیے مجھے مشورہ دیتے رہیں۔اس پر ان لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو دعا

دی۔ ۹۱ھ میں خلیفہ ولید کے حکم سے عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی کی جدید تعمیر کی۔ اس سے پہلے حضرت عمرؓ وعثمانؓ نے اس کی تعمیر وتوسیع کی تھی اور اصل جگہ مشتبہ ہوگئی تھی۔ اس لیے عمر بن عبدالعزیز نے قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، نافع بن جبیر، عبیداللہ بن عبداللہ، عبداللہ بن عامر، اور خارجہ بن یزید کو بلایا۔ ان حضرات نے عہد نبوی کی اصل مسجد کی حد بتائی تو اسی کے مطابق تعمیر کا نقشہ بنایا گیا۔

اس کے علاوہ حوادث ونوازل اور نئے مسائل کے متعلق فقہاء سبعہ جمع ہو کر کتاب وسنت اور تعامل صحابہؓ کی روشنی میں غور وفکر اور بحث ومباحثہ کرتے تھے اور اس ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے فیصلے اور فتویٰ کے مطابق عمل ہوتا تھا حتیٰ کہ قاضی بھی ایسے معاملات میں اسی فیصلے کو عدالت سے نافذ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے فقہاء سات تھے۔ جب کوئی مسئلہ ان کے سامنے آتا تو یہ سب حضرات جمع ہو کر اس میں غور کرتے۔ قاضی بھی ایسے مسئلے میں ان کی طرف ہی رجوع کرتا تھا۔ اور جب تک وہ غور وخوض کر کے فتویٰ صادر نہیں کرتے تھے، فیصلہ نہیں کرتا تھا۔

یہ فقہی اور تحقیقی مجلس عام طور پر مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی اور حسب ضرورت دوسرے مقامات پر بھی ان کا انعقاد ہوتا تھا۔

مدینہ کے یہ فقہاء سبعہ حضرت زید بن ثابتؓ کے تلامذہ اور ان کے فقہی مسلک کے حامل وناشر تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ زید بن مسیب متوفی ۹۴ھ۔

۲۔ اروئی بن زبیر متوفی ۹۴ھ۔

۳۔ قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق متوفی ۱۰۷ھ۔

۴۔ خارجہ بن زید بن ثابت متوفی ۱۰۰ھ۔

۵۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث متوفی ۹۴ھ۔

۶۔ سلیمان بن یسار ہلال متوفی ۱۰۷ھ۔

۷۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ متوفی ۹۸ھ۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین

یہی حضرات اس ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے ذمہ دار ارکان تھے اور ان ہی کے فتوے اور فیصلے بلا چوں چراں تسلیم کیے جاتے تھے۔

اس دور میں مدینہ منورہ میں اہل علم اپنے اپنے ذوق کے مطابق دینی، علمی، قومی، ادبی مجلسیں قائم کرتے تھے۔ حدیث وتفسیر، فقہ وفتویٰ، سیر ومغازی، شعر وادب، ایام وحروب، اس دور کے دلچسپ موضوع تھے اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ حلقے قائم ہوتے تھے۔ ان میں ہر طبقہ کے علماء وفضلاء شریک ہو کر دینی وعلمی مذاکرہ کرتے تھے۔ ان ہی میں مجلس قلادہ تھی جو مسجد نبوی میں اسطوانہ وفود کے پاس ہر رات منعقد ہوتی تھی۔ جس میں اجلہ صحابہؓ اور اعیان واشراف اہل علم شریک ہوتے تھے اور ان یواقیت وجواہر کی وجہ سے اس میں بڑا حسن وجمال تھا۔ اس لیے اس کو مجلس قلادۃ کہتے تھے۔ حضرت معاویہ ملک شام جانے کے بعد اس کو یاد کر کے کہا کرتے تھے کہ جب تک مجلس قلادۃ جاری رہے گی مدینہ آباد رہے گا۔ 757

ان مجلسوں میں جو تعلیمی وتربیتی درس گاہیں تھیں، علماء وفقہاء مشائخ اور ان کے معاصرین شریک ہو کر ہر قسم کے موضوعات پر بحث وتحقیق کرتے تھے۔ ان کے علاوہ تعلیم وتربیت کی مجلسیں اور حلقے مستقل طور پر جاری تھے جن میں صحابہؓ کے تلامذہ تبع تابعین علوم نبوت کی

تعلیم دیتے تھے۔تابعین حضرات اپنے دینی وعلمی اعمال وخدمات میں اس منصب ومقام پر پورے اترے اور ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک رہے۔البتہ اس دور میں بعض اہل علم تفقہ،علم حفظان واتقان میں تابعین کے مرتبہ کے نہیں تھے اور ان کے بارے میں مزید محتاط رویہ اختیار کیا گیا تھا۔

تابعین کے بعد اتباع تابعین ان کے جانشیں ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے اساتذہ ومشائخ کے مطابق حلقات ومجالس قائم کیے۔ان کی درسگاہوں کا وہ انداز تھا جو صحابہ وتابعین کے دور میں پایا جاتا تھا۔اس کے ساتھ عقلی وذہنی فتن وافکار کے سدباب میں مزید احتیاط بھرتی جاتی تھی۔

مدینہ منورہ مدینۃ الدین العلم تھا۔یہی سے پورے عالم اسلام میں دین وعلم دین کے اشاعت ہوتی۔اور یہیں کے قراء،فقہاء اور علماء کے تلامذہ واصحاب نے اپنے اپنے حلقوں اور علاقوں میں علم دین پھیلایا اور اس کے بعد مکہ مکرمہ دینی وعلمی مرکز تھا۔حجاز میں ان کے علاوہ کسی مقام کو مرکزی حیثیت حاصل نہ تھی۔عراق میں کوفہ وبصرہ اور شام میں مختلف شہروں میں صحابہ وتابعین کے حلقے قائم تھے۔اس کے بعد مصر میں تعلیمی سرگرمی جاری تھی۔عجم میں خراسان کا علاقہ دینی علوم کا مرکز تھا۔پہلی اور دوسری صدی ہجری تک یہی صورت رہی۔

باب چہارم میں ان مشہور علمی حلقہ ہائے درس جن کا تذکرہ اوپر کیا جاچکا ہے ان کی کارکردگی،جن میں عوام الناس کی ذہنی وروحانی تربیت کی جاتی تھی۔علاوہ ازیں بنوامیہ کے تعلیمی اداروں کے نصاب کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے اور اسلامی معاشرہ میں اساتذہ کا مقام ومرتبہ اور اساتذہ اور شاگردوں کے درمیان باہمی روابط کو علمی وتحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

باب پنجم

نتائج اور عصر حاضر کے تعلیمی منہاج کی تنظیمِ نو

اس باب میں پہلی صدی ہجری کے تعلیمی منہاج کا جائزہ پیش کرتے ہوئے اسلامی دینی مدارس کی تعلیمی خدمات مروجہ نصاب پر بحث کرتے ہوئے موجودہ حالات حاضرہ کا تعلیمی وتنقیدہ جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی،نیز پاکستان میں مروجہ تعلیمی نصاب جو دینی مدارس میں پڑھایا جارہا ہے اس کا ہر پہلو پر تنقیدی جائزہ کہ یہ نصاب آیا طلباء کی تعلیمی ضروریات کو پورا کررہا ہے؟ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے،کردار میں پختگی پیدا کرنے نیز روزگار مہیا کرنے میں کس قدر مفید وکارآمد ہے۔حکومت پاکستان تعلیمی ترقی میں اور افرادی صلاحیتوں کو بروقت بروئے کار لانے میں کیا کردار ادا کررہی ہے؟

نیز تعلیمی تجاویز اور سفارشات بھی پیش کی گئی ہیں،جن میں کلیۃً تمام تعلیمی مسائل کا تنقیدی جائزہ اور ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔کوشش کی گئی ہے کہ ان سفارشات کے ذریعے تعلیمی ترقی کی راہیں ہموار ہوں۔یہ سفارشات تقریباً ۴۶ شقوں پر محیط ہیں۔



الفهارس

فهرس الفهارس

مقالہ کی فہارس کو اہمیت کے پیش نظر درج ذیل ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔

۱۔ **فهرس الايات القرآنيه۔**

۲۔ **فهرس الاحاديث النبويه**

اس فہرس کو احادیث کے موضوع کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔

۳۔ **فهرس المصادر والمراجع**

اس فہرس میں مصادر والمراجع کو مصنفین کے اسماء کو حروف الفبائی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔

٤۔ **فهرس الموضوعات**

اس فہرس کو مقالہ میں آنے والے موضوعات، ابواب، فصول، اور مباحث کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔

۱۔ فہرس الایات القرآنیہ

	آیت	سورة نمبر	سورة	آیت نمبر	صفحہ
۞	كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ	۲	البقرة	۱۵۱	۱۲۷
۞	زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ	۲	البقرة	۲۵۷	۱۳۲
۞	وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ	۲	البقرة	۱۲۷	۱۵۰
۞	اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ	۲	البقرة	۱۸۶	۲۲۵
۞	اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنَ	۲	البقرة	۴۰	۲۲۵
۞	وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنَ	۲	البقره	۴۱	۲۲۵
۞	وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ	۲	البقرة	۱۲۷	۲۳۹
۞	رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا	۲	البقرة	۱۲۶	۲۴۲
۞	وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا	۲	البقرة	۱۶۲	
۞	شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	۳	آل عمران	۱۸	۱۱۸
۞	وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ	۳	آل عمران	۱۱۸	۱۱۴
۞	وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ	۳	آل عمران	۷	۱۲۰
۞	وَلَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا	۳	آل عمران	۱۶۴	۱۲۲
۞	وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا	۳	آل عمران	۱۰۳	۱۳۹
۞	اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ	۳	آل عمران	۹۰	۱۳۹
۞	وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ	۴	النساء	۶۴	۴۶
۞	اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ	۴	النساء	۱۰۵	۵۸
۞	يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ	۴	النساء	۴۷	۵۷
۞	يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ	۴	النساء	۱۷۱	۶۸
۞	يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ	۵	المائدہ	۱۵_۱۶	۵۹
۞	وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	۶	الانعام	۵۹	۶
۞	وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ	۶	الانعام	۵۹	۲۱

۞	قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	۶	الانعام	۱۶۳	۲۶
۞	قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ	۶	الانعام	۴	۳۰
۞	وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ	۶	الانعام	۱۶۶	۵۰،۴۵
۞	اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ	۶	الانعام	۵۷	۵۱
۞	اَوَ مَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ	۶	الانعام	۱۲۳	۱۰۴
۞	نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ	۶	الانعام	۸۳	۱۱۷
۞	وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ	۷	الاعراف	۱۴۷	۳۰
۞	قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ یَسْتَخْلِفَكُمْ	۷	الاعراف	۱۲۹	۵۰
۞	قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ	۷	الاعراف	۳۲	۵۱
۞	فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ	۷	الاعراف	۱۵۷	۵۹
۞	اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ	۷	الاعراف	۳	۶۰
۞	قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنَ	۷	الاعراف	۱۹۵	۲۲۵
۞	هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ	۷	الاعراف	۲۰۳	۱۱۵
۞	قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ	۱۰	یونس	۱۵	۵۲

۞	وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ	۱۲	یوسف	۶۸	۹
۞	نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ	۱۲	یوسف	۷۶	۱۱۷
۞	عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ	۱۳	الرعد	۹	۹
۞	الٓرٰ ؕ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ	۱۴	ابراہیم	۱	۵۶
۞	اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ	۱۵	الحجر	۹	۵۸
۞	اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ	۱۶	النحل	۵۱	۴۸
۞	وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ	۱۶	النحل	۴۴	۵۷
۞	وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتٰبِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ	۱۸	الکہف	۲۷	۵۸
۞	وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا	۱۸	الکہف	۱	۵۸
۞	سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى	۲۰	طٰہٰ	۲۰	۵۲۰
۞	وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ	۲۲	الانبیاء	۵۱	۹
۞	وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ	۲۲	الحج	۳	۸
۞	اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ	۲۲	الحج	۴۱	۴۲
۞	وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ	۲۲	الحج	۲۶	۱۵۰

✿	اَلَمْ تَرَا اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ عَلِمَ صَلَاتَهٗ	۲۴	النور	۴۱	۴۷
✿	اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ	۲۴	النور	۳۵	۱۰۳
✿	قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	۲۵	الفرقان	۶	۶۰
✿	وَاَوْحَيْنَا اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ	۲۸	القصص	۷	۵۳
✿	وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ	۲۹	العنکبوت	۴۳	۹،۱۱۸
✿	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ	۲۹	العنکبوت	۵۲	۵۱
✿	وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ	۳۲	السجدة	۹	
✿	يٰٓاَيُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا	۳۳	الاحزاب	۴۵،۴۶	۵۷
✿	وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَ يَهْدِیْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ	۳۴	سبا	۵،۶	۵۹
✿	اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا	۳۵	الفاطر	۲۸	۶،۸،۱۱۹
✿	اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ	۳۶	یٰسٓ	۲۱	۵۶
✿	وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْۢبَغِیْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ	۳۶	یٰسٓ	۶۹	
✿	يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى وَ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔	۳۸	صٓ	۲۶	۵۱

۞	وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ	۳۸	صٓ	۲۰	۱۲۳
۞	قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ	۳۹	الزمر	۹	۱۱۸،۷
۞	وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ	۴۱	حٰمٓ سجدہ	۴۲،۴۱	۵۹
۞	وَ یَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ یُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ	۴۲	الشوریٰ	۲۴	۵۴۲
۞	وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا	۴۹	الحجرات	۱۳	۵۰۹
۞	اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ	۴۹	الحجرات	۱۳	۵۱۰
۞	وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ	۵۱	الذاریات	۵۶	۱۱۶،۴۶
۞	وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی	۵۳	النجم	۴،۳	۵۸،۵۲
۞	فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی	۵۳	النجم	۳۲	۱۲۰،۹
۞	فَتَوَلَّ عَنْهُمْ یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ	۵۴	القمر	۶	۵۴۲
۞	اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ	۵۵	الرحمٰن	۱۔۴	۸
۞	اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ	۵۵	الرحمٰن	۶،۵	۱۳۲،۴۷
۞	یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ	۵۸	المجادلہ	۱۱	۱۱۸،۶
۞	هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ.	۵۹	الحشر	۲۲	۱۱۴،۸
۞	وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	۵۹	الحشر	۱۸	۴۸
۞	هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ	۶۲	الجمعۃ	۲	۱۲۱،۴۸،۹

۞	وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ	۶۹	الحاقۃ	۵۱	۶۰
۞	اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ	۷۵	القیامۃ	۱۷۔۱۹	۵۸
۞	سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ	۸۷	الاعلیٰ	۶۔۷	۵۸
۞	قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى	۸۷	الاعلیٰ	۱۴،۱۵	۲۷
۞	فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَكْرَمَنِ	۸۹	الفجر	۱۵	۵۴۲
۞	اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ○ الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِيُسْرًا○ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ○	۹۴ ۹۴	الانشراح الانشراح	۱ ۱۔۸	۵۶ ۱۱۶
۞	اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ	۹۶	العلق	۱۔۵	۸

۲۔ فهرس الاحاديث النبوية

نمبر شمار	ابواب/موضوع	متن حدیث	المصادر	صفحہ
۱۔	ابواب العلم، باب اذا اراد الله لعبده خيرا يفقه فى الدين	قَالَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهُهُ فِى الدِّيْنِ۔	الجامع الترمذی	۹، ۱۰
۲۔	ابواب العلم، باب فضل طلب العلم	مَنْ سَلَکَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ	الجامع الترمذی	۱۰
۳۔	ابواب العلم، باب فضل طلب العلم۔	مَنْ خَرَجَ فِىْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	الجامع الترمذی	۱۰
۴۔	ابواب العلم، باب فضل الفقة على العباد	يَقُوْلُ اِنَّهٗ يَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ۔	الجامع الترمذی	۱۰
۵۔	کتاب العلم، باب فى فضل العلم	مَا مِنْ رَجُلٍ يَسْلُکُ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا اِلَّا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا	السنن ابى داؤد	۱۰
۶۔	کتاب العلم باب فى لغير الله	مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا	السنن ابى داؤد	۱۱
۷۔	باب ثواب معلم الناس الخير	مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا فَلَهٗ اَجْرٌ	السنن ابن ماجة	۱۱
۸۔	کتاب العلم، باب اثم من کذب على النبى ﷺ	مَنْ کَذَبَ عَلَىَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّا مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ	الصحيح البخارى	۱۱
۹۔	باب ما جاء فى کتمان العلم	مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهٗ ثُمَّ کَتَمَهٗ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	الجامع الترمذی	۱۱، ۱۲
۱۰۔	باب فضل العلماء والحث على طلب العلم	فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ	السنن ابن ماجة	۱۲
۱۱۔	باب فصل من تعلم القران و علمه	اَفْضَلُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ	السنن ابن ماجة	۱۲
۱۲۔	باب فضل العلماء والحث على	مَنْ سَلَکَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰهُ	السنن	۱۲

۱۳۔	کتاب العلم ، باب فی فضل العلم	مَا مِنْ رَجُلٍ يَّسْلُكُ طَرِيْقًا يَّطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا اِلَّا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ	السنن ابی داؤد	۱۵
۱۴۔	باب التشدید فی الکذب علی رسول اللہ ﷺ	مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ	السنن ابی داؤد	۱۵
۱۵۔	باب الکلام فی کتاب اللہ بلا علم	مَنْ قَالَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ بِرَأْيِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ	السنن ابی داؤد	۱۶
۱۶۔	باب فی طلب العلم لغیر اللہ	مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا	السنن ابی داؤد	۱۶
۱۷۔	باب فضل طلب العلم	مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ۔	الجامع الترمذی	۱۶
۱۸۔	باب فضل طلب العلم	مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔	الجامع الترمذی	۱۶
۱۹۔	باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم	مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ	السنن ابن ماجة	۱۶
۲۰	باب فضل العلماء	ذَاتَ يَوْمٍ مِنْ بَعْضِ حُجَرِهٖ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَاِذَا هُوَ بِحَلْقَتَيْنِ اِحْدٰهُمَا يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ كُلٌّ عَلٰى خَيْرٍ هٰؤُلَاءِ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔	السنن ابن ماجة	۱۷
۲۱۔	باب ثواب معلم الناس الخیر	اِنَّهٗ يَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ حَتَّى الْحِيْتَانُ فِي الْبَحْرِ۔	السنن ابن ماجة	۱۷
۲۲۔	باب ثواب معلم الناس الخیر	مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا فَلَهٗ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهٖ لَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الْعَامِلِ۔	السنن ابن ماجة	۱۷
۲۳۔	باب فضل من تعلم القرآن و علمه	اَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ	السنن ابن ماجة	۱۸
۲۴۔	من بلغ علمًا	نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَاً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَبَلَّغَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ	السنن ابن ماجة	۱۸

نمبر	باب	متن	کتاب	صفحہ
۲۵ـ	کتاب العلم ، باب فضل العلم	يَرْفَعِ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ	الصحیح البخاری	۱۸
۲۶ـ	کتاب العلم ، باب الانقباط فی العلم والحکمة	وَقَالَ عُمَرُ تَفَقَّهُوا قَبْلَ اَنْ تَسَوَّدُوْا .	الصحیح البخاری	۱۸
۲۷ـ	کتاب العلم ، باب تحریض النبی ﷺ وفد عبدالقیس علی اَنْ يَّحْفَظُوْا الْاِيْمَانَ وَالْعِلْمَ وَ يُخْبِرُوْا مِنْ وَرَآءِ هِمْ وقال مالک بن الحویرث قَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ اِرْجِعُوْا اِلٰى اَهْلِيْكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ	قَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ اِرْجِعُوْا اِلٰى اَهْلِيْكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ	الصحیح البخاری	۱۹
۲۸ـ	کتاب العلم، باب رفع العلم فی اخرا لزمان ـ	اِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا مِنَ النَّاسِ وَ لٰكِن يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالاً ـ	الصحیح المسلم	۱۹
۲۹ـ	کتاب العلم ، باب الحیا فی العلم	لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ وَ قَالَتْ عَائِشَةُ نِعَمَ النِّسَآءُ الْاَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَآءُ اَنْ يَّتَفَقَّهْنَ فِى الدِّيْنِ	الصحیح البخاری	۱۹
۳۰	ابواب العلم ، باب ما جاء فی فضل الفقة علی العبادة	اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِن فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا ـ	الجامع الترمذی	۱۹
۳۱ـ	باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ـ	فَقِيْهٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ	السنن ابن ماجة	۲۰
۳۲ـ	ابواب العلم ، باب ما جاء فی الاستماء بمن یطلب العلم	يَاْتِيْكُمْ رِجَالٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ يَتَعَلَّمُوْنَ فَاِذَا جَاؤُ كُمْ فَاسْتَوْصُوْبِهِمْ خَيْرًا	الجامع الترمذی	۲۰
۳۳ـ	ابواب العلم ، با ب ما جاء فی ذهاب العلم	اِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا مِنَ النَّاسِ وَ لٰكِن يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالاً ـ	الجامع الترمذی	۲۰

۳۴ـ	ابواب العلم باب فی کراهة کتابة العلم	اِسْتَعِنْ بِیَمِیْنِکَ وَاَوْ مَا بِیَدِہٖ اَلْخَطِّ	الجامع الترمذی	۲۰
۳۵ـ	کتاب الوحی بَابُ کَیْفَ کَانَ یَبْدَءُ الْوَحْیُ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ	قَالَ یَارَسُوْلَ اللهِ کَیْفَ یَاْتِیْکَ الْوَحْیُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَحْیَانًا یَاْتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَھُوَ اَشَدُّہٗ	الصحیح البخاری	۵۶
۳۶ـ	ابواب البر والصلة ، باب فی الصنعة	قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ۔	الجامع. الترمذی	۱۴۰
۳۷ـ	باب المساجد ، مواضع الصلوٰة	قَالَ صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْھَا سَوا مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	مشکوٰة المصابیح	۱۵۰
۳۸ـ	باب البیان والشعر	اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَةٌ	مشکوٰة المصابیح	۱۷۵
۳۹ـ	باب البیان والشعر	ھُوَ کَلَامٌ فَحَسَنُہٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ	مشکوٰة المصابیح	۱۷۵
۴۰ـ	کتاب مواقیت الصلوٰة، باب الجوائز الوفد	اَجِیْزُ وا الْوَفُوْدُ بِنَحْوَ مَا کُنْتُ اَجِیْزَھُمْ	الصحیح البخاری	۲۶۹
۴۱ـ	کتاب الجهاد، والسیر ، باب کتب النبی ا الی ملوک الکفار یدھم الی الاسلام	کَتَبَ اِلٰی کِسْرٰی وَاِلٰی قَیْصَرَ وَاِلَی النَّجَاشِیْ وَ اِلٰی کُلِّ جَبَّارٍ یَّدْعُوْھُمْ اِلَی اللهِ	الصحیح المسلم	۲۷۶
۴۲ـ	باب موت النجاشی	قُوْمُوْا فَصَلُّوْا عَلٰی اَخِیْکُمُ النَّجَاشِیْ	الصحیح البخاری	۲۸۹
۴۳ـ	کتاب فضائل القرآن ،الفصل الاول	خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَہٗ	مشکوٰة المصابیح	۳۰۱
۴۴ـ	کتاب العلم الفصل الثالث	مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا فِیْ اَمْرِ	مشکوٰة	۳۰۴

نمبر	کتاب / باب	متن	ماخذ	صفحہ
۴۵۔	کتاب الاذان باب الرخصة فی المطر والعلة ان یصلی فی رحله	یَارَسُوْلَ اللّٰهِ تَکُوْنُ الظُّلْمَةُ وَالسَّیْلُ وَاَنَا رَجُلٌ ضَرِیْرُ الْبَصَرِ فَصَلِّ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فِیْ بَیْتِیْ مَکَانًا اَتَّخِذُهٗ مُصَلّٰی	الصحیح البخاری	۳۲۶
۴۶۔	کتاب الحدود، باب الستر علی المؤمن ودفع الحدود بالشبهات	اِدْفَعُوا الْحُدُوْدَ مَا وَجَدتُّمْ لَهٗ مُدْفَعًا	السنن ابن ماجة	۵۰۵
۴۷۔	کتاب الفضائل	قَالَ اسْتَاْذَنَ حَسَّانُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِیْ هِجَآءِ الْمُشْرِکِیْنَ فَقَالَ ﷺ فَکَیْفَ بِنَسَبِیْ فَقَالَ لَاَسُلَّنَّکَ مِنْهُمْ کَمَا تُسَلُّ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِیْنِ	الصحیح المسلم	۵۱۰
۴۸۔	باب فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ	فَقَالَ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِیْلَ	السنن ابن ماجة	۵۶۷
۴۹۔	باب مناقب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	اَنَّهٗ رَاٰی جِبْرَائِیْلَ مَرَّتَیْنِ وَدَعَا لَهُ النَّبِیُّ ﷺ مَرَّتَیْنِ	الجامع الترمذی	۵۶۷
۵۰۔	باب مناقب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یُّؤْتِیَنِیَ اللّٰهُ الْحُکْمَ مَرَّتَیْنِ۔	مشکوٰة المصابیح	۵۶۷

فہرس المصادر والمراجع

(آ)

۱۔ آلوسی، ابوالفضل شہاب الدین محمود عبداللہ، ت (۱۲۷۰ھ/۱۸۵٤ء)
"روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی" المطبوعة المنیریة مصر۔

۲۔ آلوسی، ابوالفضل شہاب الدین محمود عبداللہ، ت (۱۲۷۰ھ/۱۸۵٤ء)
"بلوغ الارب فی معرفة احوال العرب" مطبوعہ قاہرہ۔

(الف)

۳۔ ابن الاثیر، عزالدین علی بن محمد الجزری ت(٦۳۰ھ/ ۱۲۳۲ء)
"الکامل فی التاریخ" بیروت ۱۹۵۰ء

٤۔ احمد امین ت (۱۲۹۵ -۱۳۷۳ھ =۱۸۷۸ - ۱۹۵٤ء)
'ضحی الاسلام'

۵۔ احمد امین ت(۱۲۹۵۔۱۳۷۳ھ =۱۸۷۸۔۱۹۵٤م)
"فجر الاسلام" قاہرہ ۱۹۲۸ء

٦۔ احمد بن حنبل، امام، ت (۲٤۱ھ / ۸۵۵ء)
"مسند امام احمد" المطبوعة المنیریة مصر

۷۔ احمد بن حسن الزیات، (۱۳۰۲۔۱۳۸۸ھ/ ۱۸۸۵ ۔۱۹٦۸ء)، مترجم عبدالرحمٰن سورتی،
"تاریخ الادب العربی" شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ لمیٹڈ پبلشرز)

۸۔ احمدالازرقی، ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد، الازرقی ،ت(م قیل۲۱۲، و قیل۲۲۳)بعد ذلک
"اخبارمکہ وما جاء فیھا من الآثار"
الجزو الاول، الطبعة الارابعہ، ۱٤۰۳ھ ۱۹۸۳ء، مطابع دارا الثقافة مکہ المکرمہ

۹۔ احمد سمھودی، نور الدین علی بن احمد سمھودی، ت (۹۱۱ھ)
"وفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ" داراحیاء تراث العربی، بیروت۔

۱۰۔ احمد شلبی، ڈاکٹر ت( )
''تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ'' ادارہ ثقافت اسلامیہ،۲۔ کلب روڈ۔لاہور

۱۱۔ احمد شوقی ضیف، دکتور، ت (۱۲۸۵۔ ۱۳۵۱ھ/ ۱۸٦۸۔ ۱۹۳۲ء)
"تاریخ الادب العربی عصر الدول والامارات"
الطبعة الثانیة دارالمعارف مصر، القاھرہ

۱۲۔ اصفہانی، حسین بن محمد الراغب، اصفہانی، ت (۵۰۲ھ/ ۱۱۰۸م)
"کتاب الآغانی" القاھرہ ۱۹٦۳ء

١٣- اكرم ضياء العميرى ، دكتور، ت (   )
" المجتمع المدنى فى عهد النبوة خصائصه و تنظيماته الاولى "
رئيس المجلس العلمى و رئيس قسم الدراسات العليا بالجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة ،طبقة الاولى (١٤٠٣هـ / ١٩٨٣ء)

١٤- اصيبعة، ابن اصيبعة، (٥٩٦-٦٦٨هـ / ١٢٠٠-١٢٧٠م)
"عيون الأنباء فى طبقات الاطباء" دارالحياة ، بيروت ١٩٦٥ء

(ب)

١٥- البخارى ، محمد بن اسماعيل ، ت (٢٥٦هـ / ٨٧٠ء)
" الجامع الصحيح " مصطفى الحلبى ، مصر ٣٨٤-٤٠٨هـ/ ٩٩٤-١٠٤٤ء)

١٦- ابوالحسن بن حسين بن على المسعودى ، ت(٣٤٦هـ)
"تاريخ مسعودى مروج الذهب ومعادن الجواهر " دارالاندلس للطباعة ونشربيروت

١٧- البغدادى، اسماعيل باشا بن محمد أمين بن مير سليم 'البغدادى'
" ايضاح المكنون فى الذيل على كشف الظنون عن أسامى الكتب والفنون"
مطبع دارالفكر ١٦٠٢هـ-١٩٨٢ء

١٨- البلاذرى ، احمد بن يحيٰى بن جابر شهير البلاذرى ، ت (٢٧٩هـ/٨٩٢م)
"فتوح البلدان " نفيس اكيڈمى، اردو بازار ،كراچى ، ١٩٨٦ء

١٩- البيهقى، ابوبكر محمد بن حسين بن على بيهقى، ت(٤٠٨هـ)
"السنن الكبرى" دارالفكر للطباعة والنشر لتوضيفة، بيروت .

٢٠- البيرونى ،ابوريحان محمد بن احمد ، ت (٤٤٠هـ / ١٠٤٨ء)
" تحقيق ماللهند من مقولة مقبولة العقل" اومزدولة ، لنڈن ١٨٨٧ء

(ج)

٢١- الجاحظ، ابوعثمان عمربن ، الجاحظ ت (٢٥٥هـ)
" الحيوان " مكتبة معطفى الباجى الحلبى وأولاده ، مصر ص-ب الفورية ، ١٣٦٢هـ

٢٢- الجاحظ، ابوعثمان عمربن ، الجاحظ ت (٢٥٥هـ)
" البيان والتبيين " القاهره، مكتبة الخانجى ١٩٧٥ء

٢٣- الجاحظ، ابوعثمان عمربن ، الجاحظ ت (٢٥٥هـ)
" رسالة المعلمين " غيرمطبوعه .

٢٤- جرجى زيدان ، ت (١٣٣٢هـ)
" تاريخ آداب اللغة العربية " بيروت ١٩٦٧ء.

۲۵۔ ابن جریر طبری ، ابوجعفر محمد بن جریر طبری ، ت (۳۱۰ھ)
"تاریخ طبری" نفیس اکیڈمی ۱۸۹۳ھ

۲۶۔ ابن جریر طبری ، ابوجعفر محمد بن جریرطبری ت (۳۱۰ھ)
"تاریخ امم والملوک" مطبعة استقامة القاهره ۱۹۴۹ء۔

۲۷۔ ابن جریر طبری ، ابوجعفر محمد بن جریر طبری ، ت (۳۱۰ھ)
"خلافت راشده" نفیس اکیڈمی ۱۸۹۳ھ

۲۸۔ ابن جریر طبری ، ابوجعفر محمد بن جریر طبری ، ت (۳۱۰ھ)
"الخصائص الکبریٰ" دارالکتب الحدثیة ، ۱۴۔ شارع الجمهوریه لعابدین ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء۔

۲۹۔ الجصاص ، ابوبکر احمد بن علی الرازی ، ت (۳۷۰ھ / ۹۸۰ء)
"احکام القرآن" دارالکتاب العربی ، بیروت۔

۳۰۔ ابن جماعة ، بدرالدین بن جماعة ، ت (۷۳۳ھ)
"تذکرة السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم" دارالکتب العلیمة ۔

۳۱۔ جواد علی، دکتور
"المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" بیروت ۱۹۷۰ء

۳۲۔ ابن جوزی ، ابی الفرج عبدالرحمٰن بن جوزی ت(۵۱۰ھ / ۵۹۷ھ)
"کتاب الوفاء باحوال المصطفی"
تحقیق مصطفی عبدالواحد ، المکتبة النوریة الرضویة ،باجامع البغدادی گلبرگ اے ، لاهور باکستان

۳۳۔ ابن جوزی ، ابی الفرج عبدالرحمٰن بن جوزی ت(۵۱۰ھ ۔ ۵۹۷ھ)
"النبی المطهر" مکتبة مجددیه سلطانیه ملك پلازه ، جهلم ، فروری ۱۹۸۹ء

۳۴۔ ابن جوزی ، ابی الفرج عبدالرحمٰن بن جوزی ت(۵۱۰ھ ۔ ۵۹۷ھ)
"صفة الصفوة"
الناشر دارالوعیی لحلب ، الطبعة الأولی ۱۳۹۰ھ ، مطبعة النهضة الجدید ، ۱۹ شارع ارض الحرمین باظاهر القاهره ۔

٥(ح)

۳۵۔ الحاکم، ابوعبدالله محمد بن عبدالله، نیسابوری ، ت (۴۰۵ھ)
"المستدرك علی الصحیحین"
وبذیلة التلخیص للحافظ الذهبی ، الناشر مکتب المطبوعات الاسلامیة محمد دمج ،بیروت ، لبنان۔

۳۶۔ حاجی خلیفه مصطفی بن عبدالله ، ت (۱۰۱۷ھ ۱۹۶۸ء)
''کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون'' دارالفکر ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

٣٧- ابی حامد محمد بن محمد الغزالی ، للامام ، ت (٤٥٠-٥٠٥هـ/١٠٥٨-١١١١م)
"المستصفی من علم الاصول و بذیلة "فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت فی أصول الفقة"
الجزء الاول ، منشورات الرضی قم الطبعة الاولیٰ بالطبعة الامیریة ببولاق مصر سنة ١٣٤٤هـ

٣٨- ابن حجر عسقلانی ، شهاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، ت (٧٧٣-٨٥٢هـ/١٣٧٢-١٤٤٩م)
"تهذیب التهذیب" حیدرآباد دکن، ١٣٢٦هـ

٣٩- ابن حجر عسقلانی ، شهاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، ت (٧٧٣-٨٥٢هـ/١٣٧٢-١٤٤٩م)
"الإصابة فی تمیز أسماء الصحابة" القاهرة، ١٣٥٨هـ

٤٠- ابن حجر عسقلانی ، شهاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، ت (٧٧٣-٨٥٢هـ/١٣٧٢-١٤٤٩م)
"مقدمة فتح الباری" المطبعة السلفیة۔

٤١- ابن حزم ، ابو محمع علی بن احمد بن حزم الاندلسی ، ت (٤٥٦هـ)
"جمهرة الانساب العرب" یطلبه من دارالکتب العلمیة ، الطبعة الاولیٰ ١٤٠٣هـ/١٩٨٣ء

٤٢- حسن بن ابراهیم ، حسن ، الدکتور ، ت (٢٣٢هـ/ ٨٤٧ م)
"تاریخ اسلام" مطبعة النهضة المصریه۔

٤٣- حمیدالله ، ڈاکٹر
"الوثائق السیاسة" نصبة التالیفة ، مصر ١٩٥٦ء

٤٤- حمیدالله ، ڈاکٹر
"عهد نبوی صلی الله علیه وسلم کا نظام حکمرانی" نصبة التالیفة ، مصر ١٩٥٦ء

٥(خ)

٤٥- الخطیب البغدادی ،ابوبکر احمد بن علی، ت(٣٩٢-٤٦٣ / ١٠٠٢-١٠٧٢م)،
"الجامع الاخلاق الراوی وآداب السامع" المکتبة المعارف ، ریاض ١٤٠٣هـ ١٩٨٣ء

٤٦- الخطیب البغدادی ،ابوبکر احمد بن علی، ت (٣٩٢-٤٦٣ / ١٠٠٢-١٠٧٢م)،
"تقید العلم" المکتبة المعارف ، ریاض ١٤٠٣هـ ١٩٨٣ء

٤٧- الخطیب البغدادی ،ابوبکر احمد بن علی، ت (٣٩٢-٤٦٣ / ١٠٠٢-١٠٧٢م)،
"الکفایة فی علم الروایة" حیدرآباد۔

٤٨- ابن خلکان ، أبی عباس شمس الدین أحمد بن محمد بن ابی بکر ، ابن خلکان ت (٦٨١هـ)
"وفیات الأعیان وانباء أبناء الزمان" مکتبة النهضة المصریة ،القاهره ، ١٩٤٥ء

٤٩- خلیل بن احمد ، ابوعبدالرحمٰن البصری ، الفراهیدی ت (١٧٠ یا ١٧٥هـ)
"کتاب العین"
الجزء الاول تحقیق الدکتور مهدی المخزومی ، الدکتور ابراهیم السامرانی
من منشورات دارالهجرة ۔ ایران ، قم تاریخ النشر ١٤٠٥ء

☼(د)

۵۰- ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی ت(۲۷۵ھ/۸۸۹ء)
"سنن ابی داؤد" دارالفکر۔ بیروت

۵۱- دجلان احمد زینی ، ت ( )
"السیرۃ النبویۃ"

☼(ذ)

۵۲- الذھبی، ابوعبداللہ ، شمس الدین محمد الذھبی ، ت(۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء)
"تذکرۃ الحفاظ" حیدر آباد ، دکن ۱۳۱۵ھ

۵۳- الذھبی، ابوعبداللہ ، شمس الدین محمد الذھبی ، ت(۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء)
"میزان الاعتدال" حیدر آباد ، دکن ۱۳۱۵ھ

☼(ر)

۵۴- الرازی ، محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم ، الرازی ، ت(۳۲۷ھ)
"کتاب الجرح والتعدیل"
المطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ ، حیدر آباد، دکن ، الھند ، اشاعت ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء

۵۵- راغب ، اصفھانی ، ابوالقاسم الحسین بن محمد (۵۰۲ھ/۱۱۰۹ء)
"المفردات فی غرائب القرآن" مصطفی الحلبی، قاھرہ ، مصر۔

۵۶- راغب الاطباخ، علامہ ت(۱۲۹۲-۱۳۷۰/۱۸۷۵-۱۹۵۱ء)
"تاریخ افکار وعلوم اسلامی"
اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۔ ۱۳/ای شاہ عالم مارکیٹ ، لاھور ۱۹۶۸ء

۵۷- ابن رشد ، ت (۵۹۵ھ)
"کتاب النفس" دائرہ المعارف العثمانیہ ، حیدر اباد ، دکن ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء

۵۸- رفاعی ،الرفاعی انور ، ( )
"تاریخ العلوم فی الاسلام" دارالفکر دمشق ۱۹۷۳ء
اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۔ ۱۳/ای شاہ عالم مارکیٹ ، لاھور ۱۹۶۸ء

☼(ز)

۵۹- زرقانی ، محمد بن عبدالباقی ، العلامہ
"شرح العلامۃ الزرقانی علی المواھب اللدنیہ" دارالمعرفۃ بیروت الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۷۳ء

۶۰- الزرکشی، ابوعبداللہ محمد بن بھادر بن عبداللہ ، ت (۸۹۶ھ/۱۴۸۹ء)
"شرح الزرکشی علی متن الخرقی" المطبعۃ النھضۃ الحدیثۃ مکۃ المکرمۃ

٦١۔ الزركشی، ابوعبدالله محمد بن بهادر بن عبدالله، ت (٨٩٦ھ/١٤٨٩ء)
"البرهان فی علوم القرآن" المطبعة النهضة الحديثة مكة المكرمة
٦٢۔ الزركشی، ابوعبدالله محمد بن بهادر بن عبدالله، ت (٨٩٦ھ/١٤٨٩ء)
"البرهان فی علوم القرآن" قاهره، ١٣٧٦ء
٦٣۔ زرکلی، خير الدين
"الاعلام" الأعـام قـاموس تـراجم لأشهـر الـرجـال والـنسـاء من العـرب والمستغـربين والمستشرقين، سنة الطبع الطبعة الخامسة مايو ١٩٨٠ء
٦٤۔ زمخشری، محمود بن عمر، زمخشری، ت (٥٢٨ھ)
"الكشاف عن حقائق غوامص التنزيل وعيون الاقاويل فی وجوه التاويل" القاهره ١٣٥٤ھ
٦٥۔ زيدان جرجی، ت (١٣٣٢ھ)
"تاريخ التمدن الاسلامی" مطبعة الهلال، قاهره ١٩١٨ء
٦٦۔ زين المراغی، علامه، ت ( )
"معالم دارالهجرة"

☆ (س)

٦٧۔ السرخسی، ابوبكر محمد بن احمد بن سهل، ت (٤٨٣ھ / ١٠٩٠)
"اصول السرخسی" دارالمعرفة، بيروت، لبنان۔
٦٨۔ السرخسی، ابوبكر محمد بن احمد بن سهل، ت (٤٨٣ھ / ١٠٩٠)
"المبسوط" السعادة، قاهره، مصر
٦٩۔ السخاوی، ابی عبدالله محمد بن عبدالرحمٰن، ت(م ٨٣١ / ٩٠٢ھ)
"فتح المغيث"
بشرح الغية الحديث للعراقی، تحقيق و تعليق الشيخ علی حسين علی، الجز الثالث، الناشر ادارة البحوث الاسلامية بالجامعة السلفية ببنارس، الطبعة الأولىٰ ستمبر١٩٨٨ء
٧٠۔ السخاوی، ابی عبدالله محمد بن عبدالرحمٰن، ت (م ٨٣١ / ٩٠٢ھ)
"الاعلان بالتوبيخ" اردو ترجمة السخاوی، مطبوعة مركزی اردو بورڈ، لاهور۔
٧١۔ ابن سعد، ت (٢٣٠ھ)
"الطبقات الكبریٰ" دارالصادر، بيروت، ١٩٦٨ء
٧٢۔ السمعانی، عبدالكريم، بن محمد بن منصور التيمی، ت (٥٦٢ھ)
"الانساب" الجزء الاول، دارالكتب العلمية الطبعة الاولیٰ، بيروت، لبنان ١٤٠٨ھ / ١٩٨٨ء

٧٣- السهیلی، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ، ت (٥٨١ھ)
"الروض الانف فی السیرة النبویة لابن ہشام"
الجزء الاول، الناشر المکتبة الکلیات الازہریه لصاحبها حسین محمد الهبانی، المنیاوی، ٩٠/ شارع الازہر، ت (١٩٨١ء، ١٣٩١ھ)

٧٤- سیّد الناس، ت (٧٣٤ھ)
"عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر" دارالمعرفة، بیروت، لبنان۔

٧٥- السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، السیوطی، ت (٩١١ھ/١٥٠٥ء)
"تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی"
الطبعة الاولی، مکتبة العلمیة بالمدینة المنوره، ١٣٧٩ھ

٧٦- السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، السیوطی، ت (٩١١ھ/١٥٠٥ء)
"الخصائص الکبری" دارالکتب الحدیثة، ١٤ شارع الجمهوریة بعابدین، ١٣٨٧ھ/١٩٦٧ء

٧٧- السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، السیوطی، ت (٩١١ھ/١٥٠٥ء)
"تاریخ الخلفاء" مدینه پبلشنگ کمپنی، کراچی، فروری ١٩٧٢ء۔

٧٨- سید رشید رضا، ت (١٣٥٤ھ/١٩٣٥ء)
"الوحی المحمدی" مطبعة المنار، القاهره، ١٣٥٤ھ

○(ش)

٧٩- شاه ولی اللہ، عظیم الدین، محدث دهلوی، ت (١٧٦٢ء)
"ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" فرید بک سٹال، ٤٠/ اردو بازار، لاهور۔

٨٠- الشاطبی، ابی اسحاق، ت (٧٩٠ھ)
"الموافقات فی اصول الشریعة" الجزء الاول ترزیع عباس احمد البازمکة المکرمه۔

٨١- ابن شبه، ابوزید عمر بن شبه النیمری البصری، ت (٢٦٢ھ)
"اخبار المدینة النبویة اخبار مدینة المنورة"
دارالتراث، الدارالاسلامیة، بیروت، لبنان، الطبعة الاولیٰ، ١٤١٠ھ/١٩٩٠ء

٨٢- الشطی، احمد شوکة
"موجز تاریخ الطب عند العرب" منشورات وزارة الثقافة، دمشق ١٩٧٠ء

٨٣- الشهرستانی، ابی الفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر احمد الشهرستانی، ت (٤٧٩-٥٤٨ھ)
"الملل والنحل"
تحقیق محمد سید کیلانی، شرکة مکتب و مطبعة مصطفی البابی واولاده بمصر، (١٣٨١ھ/١٩٦١ء)

٨٤- الشیبانی، امام السنة، احمد بن حنبل الشیبانی، ت (١٦٤-٢٤١ھ)
"العدة شرح العمدة"

تالیف العالم المجاهد، شیخ بهاء الدین عبدالرحمٰن بن ابراهیم المقدسی، الناشر، مکتبه دارالسلام، فرع شارع الامیر عبدالعزیز بن جکوری، الریاض، الطبعة الاولیٰ ۱٤۱٥ھ/۱۹۹٤ء

۞(ع)

۸۵۔ عبدالحق، شیخ محدث دهلوی، ت (۱۰۵۲ھ)
مترجم: مولانا محمد فاضل، "اخبار الاخیار"
دارالعلوم کراچی، ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ، کراچی نمبر ۱

۸۶۔ عبدالحق، شیخ محدث دهلوی، ت (۱۰۵۲ھ) مترجم: مولانا محمد فاضل،
"مجذب القلوب الی دیار المحبوب" مدینہ پبلشنگ، بندرروڈ، کراچی

۸۹۔ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبدالله، ت (٤٦۳ھ/۱۰۷۰ء)، ۱۰۔
"جامع بیان العلم وفضله" دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان۔

۹۰۔ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبدالله، ت (٤٦۳ھ/۱۰۷۰ء)، ۱۰۔
"القصد والامم" دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان۔

۹۱۔ عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبدالله، ت (٤٦۳ھ/۱۰۷۰ء)، ۱۰۔
"الاستیعاب فی معرفة الاصحاب"

۹۲۔ عبدالرزاق الهام الصنعانی، ت (۲۱۱ھ/۸۲۷ء)، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان۔

۹۳۔ ابن عبد ربه، ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربه، ت (۹٤۰ھ)
"العُقد الفرید" دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان، ۱٤۰٤ھ/۱۹۸۳ء

۹۴۔ عمر رضا کحاله، ت (۷۷٤ھ/۱۳۷۲ء)
"جغرافیه شعبه جزیرة العرب" دمشق ۱۹٤۲ء

۹۵۔ عمر فروخ، ت (۱۰۰۹ھ/۱۵۱۷ء)
"تاریخ الادب العربی" دارالعلم للملایین، بیروت۔

۹۶۔ ابوعبیده القاسم بن سلام، ت (۲۲٤ھ)، تقدیم، ترجمه و تحشیه: عبدالرحمٰن
"کتاب الاموال" مطبعة الاستقامه، مصر ۱۳۸٤ھ

۞(غ)

۹۷۔ الغزالی، ابوحامد، محمد بن محمد، امام
"احیاء العلوم الدین" مکتبه رحمانیه، لاهور

۞(ق)

۹۸۔ ابن قتیبه، أبی محمد بن عبدالله بن مسلم بن قتیبه، ت (۸۸۹ھ)
"عیون الأخبار" المطبع، دارالکتب العلمیة، بیروت۔

۹۹۔ القرشی ، محی الدین محمد عبدالقادر ابن ابی الوفاء محمد بن محمد نصر الله بن ابی الوفاء القرشی ت (۶۷۶ھ / ۷۷۵ء)
"الجواهر المغیة فی طبقات الحنفیه"
(۱۲۷۷۔۱۳۷۳) میر محمد کتب خانه ،آرام باغ کراچی ۔

۱۰۰۔ ابن القفطی، جمال الدین علی بن یوسف،
"اخبار العلماء باخبار الحکماء" لیپزنگ ۱۹۰۳ء

۱۰۱۔ القلقشندی ، احمد بن علی بن احمد ، ت (۸۴۱ھ / ۱۴۱۸م)
"صبح الاعشی فی صناعة الإنشاء"
تالیف احمد بن علی بن احمد القلقشندی
الجزء الأول توزیع دارالباز للنشر والتوزیع عباس احمد الباز، مکة المکرمة ،
دارالکتب لعلمیة بیروت ، لبنان

۱۰۲۔ قنوجی ، صدیق بن حسن ، علامه ، ت (۱۳۰۷ھ)
"ابجد العلوم" المکتبةالقدوسیه ، اردو بازار لاهور، طبعه اولیٰ بپاکستان ۱۹۸۳ء

۱۰۳۔ ابن القیم الجوزیه ، شمس الدین ، ابوعبدالله محمد بن بکر الدمشقی، ت (۶۹۱ ـ ۷۵۱ھ) ،
"زادالمعاد فی هدی خیر العباد"
الجزء الاول ، مکتبه المنار الاسلامیه ، الکویت ۔

۱۰۴۔ ابن القیم الجوزیه ، شمس الدین ، ابوعبدالله محمد بن بکر الدمشقی، ت (۶۹۱۔۷۵۱ھ) ،
"اعلام الموقعین" مکتبه المنار الاسلامیه ، الکویت ۔

☆(ک)

۱۰۵۔ الکتانی ، محمد بن جعفر بن ادریس الکتانی ، ت (۱۸۵۷ھ ۔ ۱۹۲۷ء)
"الرسالة المستطرفة"
نور محمد اصح المطابع ،کارخانه تجارت ، آرام باغ، فرید روڈ ،کراچی، ۱۹۶۰ء

۱۰۶۔ الکتانی، عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد حسنی ادریسی فاسی ، الکتانی ، ت(۱۳۴۱ھ)
"نظام الحکومیة النبویة" التراتیب الاداریة والعمالات والصناعات والمتاجر والحالة العلمیة"
ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة ۴۳۷ ڈی ۔ گارڈن ایسٹ نزد سبیلیه چوک کراچی نمبر ۵

۱۰۷۔ ابن کثیر ، عماد الدین أبی الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی ت (۷۷۴ھ)
"البدایه والنهایة" الطبعة الأولیٰ ، مکتبة المعارف بیروت ۱۹۴۴ء مکتبه النصر الریاض ۔

☆(ن)

۱۰۸۔ ابن الندیم ، ت ( )
"کتاب الفهرست" مطبوعة لائپرنگ

١٠٩- النسائی ، ابوعبدالرحمٰن، احمد بن شعیب بن علی ، ت (٣٠٣ھ / ٩١٥ء)
"السنن النسائی" دارالکتاب العربی ، بیروت۔
١١٠- ابونعیم ، احمد بن عبدالله بن أحمد بن الا صفهانی ت (٣٣٦- ٤٣٠ / ٩٤٨-١٠٣٨م)
" حلیة الاولیاء" دارالکتاب العربیة ،١٣٨٧ھ / ١٩٦٧ ، بیروت ، لبنان ۔
١١١- النووی ، ابی زکریا محی الدین بن شرف النووی ت (٦٧٦ھ)
"تهذیب الاسماء واللغات" ادارة الطباعة المنیریة ۔

☆(م)

١١٢- مالك بن انس، الامام ، ت (١٧٩ھ / ٩٥) ،
"المؤطّأ"
تحت ادارة ابناء العلامة الاحد والفهامة الا مجد الحافظ المولوی محمد عبدالاحد ، فی المطبع المجتبائی الواقع ببلدة
١١٣- ابن ماجه ، محمد بن یزید القزوینی ، ت (٢٧٥ھ / ٨٨٧ھ)
" السنن ابن ماجة " دارالاحیاء الکتب العربیة ، بیروت ، لبنان
١١٤- الماروی، ابوالحسن، الماروی ، ت (٣٦٤ھ)
" الاحکام السلطانیه " مترجم:مولوی سید محمد ابراهیم ، مطبوعه قاهرة۔
١١٥- المتنبی، احمد بن الحسن ابوالطیب المتنبی ، ت (٣٠٤ھ)
" دیوان المتنبی "
بحواشی جدیدة حل اللغات و ترجمه اردو ، ناشر مکتبه امدادیه ، ملتان ، پاکستان۔
١١٦- المتقی ، علی بن حسام الدین ، للعامة علاء الدین ، ت (٩٧٥ھ)
"کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال "
مؤسسة الرسالة ، بیروت ، شارع سوریه بنایة صمدی وصالحه" ١٩٧٩ء
١١٧- محمد بن حبیب ابن امیه بن عمرو الهاشیمی البغدادی ، ت (٢٤٥ھ)
"کتاب المحبر" دارالنشر الاسلامیة ، ٢۔ شارع شیش محل ۔ لاهور پاکستان۔
١١٨- محمد بن حبیب ابن امیه بن عمرو الهاشیمی البغدادی ، ت (٢٤٥ھ)
"کتابُ المنمق" حیدرآباد۔
١١٩- محمد بن طاهر المقدسی ، ت (٥٠٧ھ)
" الجمع بین الرجال الصحیحین "
١٢٠- محمد مصطفی الاعظمی ، الدکتور
" دراسات فی الحدیث النبویّ وتاریخ تدوینه "
الجزء الاول ، المکتب الاسلامی ، ١٩٨٠ء ١٤٠٠ھ۔

١٢١- محمد بن محمد بن سليمان الفاسى المغربىّ، ت (١٠٣٩ـ١٠٩٤هـ)
"جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد"
المجلد الاول۔ المكتبة الاسلامية، سمندرى، لائل پور، باكستان۔

١٢٢- محمد الخضرى، ت (١٢٨٩ـ ١٣٤٥هـ/١٨٧٢ـ١٩٢٧ء)
"تاريخ التشريع الاسلامى" يطلب من المكتبة التجاريه الكبرى التوزيع، دارالفكر ١٩٦٧ء

١٢٣- محمد انور الكشميرى، ملاستاذ الكبر إمام العصر الشيخ، ت (١٣٥٢هـ)
"فيض البارى على صحيح البخارى"

١٢٤- محمد بن يوسف الصالحى، ت(٩٤٢)
"سبل للهدى والرشاد فى سيرة خير العباد" قاهره ١٩٧٢ء

١٢٥- محمد عبدالحادى ابوريده، دكتور، مترجم :ت۔ ج۔ دى بور
"تاريخ الفلسفة فى الاسلام" مكتبة النهضة المصريه لاصحابها حسن محمد وأولاده قاهره۔

١٢٦- محمد عجاج الخطيب، الدكتور
"السنة قبل التدوين"

١٢٧- ابن مسكويه، ابوعلى احمدبن محمد بن يعقوب، مسكويه، ت (١٠٣٠ء)
"تجارت الامم"

١٢٨- مسلم بن حجاج القشيرى، النيشاپورى، ت (٢٦١هـ/٨٧٥)،
"الجامع الصحيح" دارالاحياء الكتبه العربية، مصر

١٢٩- مكتبه محمد يعقوب الفراهى (مولوى فضل الرحيم مهتمم جامعه اشرفيه، لاهور باكستان، الطبعة الاولى ١٣٥٧هـ/١٩٣٨ء

١٣٠- المقدسى، محمد بن مفلح
"الاداب الالشرعية" مكتبه الرياض الجدسيه، رياض ١٩٧١ء

١٣١- المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر، ابوالعباس، الحسينى، العبيدى، تقى الدين المقريزى
ت (٧٦٩ـ ٨٤٥هـ/١٣٦٧ـ ١٤٤١ء)
"المواعظ الاعتبار بذكر الخطط والاثار ومعروف "بخطط مقريزى"
مكتبة احياء العلوم الجنوبى۔ يشاح، لبنان

١٣٢- المقريزى، احمد بن على بن عبدالقادر، ابوالعباس، الحسينى، العبيدى، تقى الدين المقريزى
ت (٧٦٩ـ ٨٤٥هـ/١٣٦٧ـ ١٤٤١م)
"شذور العقود فى ذكر العقود فى النقود" مكتبة احياء العلوم الجنوبى۔ يشاح، لبنان

١٣٣- ابن منظور، محمد بن مكرم، ت (٧١١هـ/ ١٣١١ء)
"لسان العرب" دارالاحياء والتراث العربى، بيروت

✿(و)

۱۳۴۔ واقدی ، عبداللہ محمد بن عمر واقدی
"المغازی"

✿(ی)

۱۳۵۔ یوسف یعقوب بن ابراهیم الانصاری ، للامام القاضی، ت(۱۸۲ھ)
"کتاب الاٰثار"
درالکتب العلمیة ، بیروت ، لبنان ۔ المکتبة الاثریة ، جامع مسجد اهل حدیث باع والی سانگله هل ، ضلع شیخوپوره ، پاکستان۔

۱۳۶۔ یاقوت بن عبداللہ الحموی البغدادی، ت (۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء)
"معجم البلدان" طبع دارالکتب العلمیة بیروت، لبنان ۱۴۱۰ھ / ۱۹۹۰ء

۱۳۷۔ یاقوت بن عبداللہ الحموی البغدادی، ت (۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء)
"معجم الادباء" مطبوعات دارالمامون ،دکتور احمد فرید رفاعی مدیر ادارة الصحافة والنشر والثقافة المصریه۔"



مراجع و مصادر

اردو کتب

(الف)

۱۔ احمد خان
''اقبال اور مسئلہ تعلیم'' — ناشر: ڈاکٹر معز الدین، ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی پاکستان، مطبع عالیہ ۱۲۰ ٹمپل روڈ لاہور۔ ۱۹۷۸ء

۲۔ امیر علی، سید
''سپرٹ آف اسلام'' — ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہو

۳۔ اکبر علی، ڈاکٹر
''ہماری تعلیمی ابتری اور تعلیمی پالیسی'' — انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

۴۔ اشفاق ایچ قادری، ڈاکٹر
''وسائل کی فراہمی اور پاکستانی تعلیمی پالیسی'' — انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

۵۔ امیر الہدیٰ
''مسلمانوں کے ثقافتی کارنامے'' — قمر کتاب گھر، کراچی

(ب)

۶۔ برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر
''قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل'' — ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۹ء

۷۔ بشیر احمد صدیقی، ڈاکٹر
''وفود عرب بارگاہ نبویؐ میں'' — حرا پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور۔ ایڈیشن دوم ۱۹۹۴ء

۸۔ بنت الاسلام
''نفس کا تزکیہ''

(ج)

۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر
''ذریعہ تعلیم کا مسئلہ اور قومی تعلیمی پالیسی'' — انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

۱۰۔ جاوید ہاشمی، ڈاکٹر
''نظریاتی پہلو سے تعلیم'' — انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

(ح)

۱۱۔ حمید الدین، ڈاکٹر
''تاریخ اسلام'' — پرنٹرز بک سیلرز اینڈ اسٹیشنرز، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور۔

۱۲۔ خورشید احمد، پروفیسر
''اسلام کا نظریہ حیات'' — شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی، کراچی، [illegible] ۱۹۷[illegible]

۱۳۔ خورشید احمد، پروفیسر
"اسلام کا نظریہ تعلیم" ادارہ تعلیمی تحقیق پاکستان، لاہور ۱۹۸۱ء

۱۴۔ ابن خلدون، عبدالرحمن، ابن خلدون
"مقدمہ ابن خلدون" المکتبۃ الجاریہ، مصر

(س)

۱۵۔ سید قطب، مترجم عنایت اللہ صدیقی، ڈاکٹر
"اسلام میں عدل اجتماعی" دار الکتاب عربی وشرکاء، مصر البعابی اللهی

۱۶۔ سید محمد سلیم
"اسلامی تعلیم، بنیادی تصورات وافکار" انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد

۱۷۔ سید، ریاست علی، ندوی
"اسلامی نظام تعلیم" اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۱۳/ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

۱۸۔ سید رشید رضا
"الوحی المحمدی" مطبعۃ المنار القاہرہ ۱۳۵۴ھ

۱۹۔ سعید اللہ قاضی، ڈاکٹر
"پاکستان میں نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل کی حکمت عملی" انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد

۲۰۔ سید احمد اکبر آبادی، مولانا
"مسلمانوں کا عروج وزوال" ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور ۱۹۸۳ء

۲۱۔ سلیمان منصور پوری، قاضی
"رحمۃ للعالمین" شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور

۲۲۔ سید عبدالواحد معینی
"مقالات اقبال"
ناشر ڈاکٹر محمد معز الدین، ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان، مطبع عالیہ، ۱۲۰۔ ٹمپل روڈ، لاہور ۱۹۷۸ء

۲۳۔ سید سیاح الدین کاکاخیل
"درس نظامی، نصاب میں تبدیلی" دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء

۲۴۔ سید محمد ناظم ندوی، مولانا
"دینی نظام تعلیم تصور اور اصلاح" انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد

۲۵۔ سید اسعد گیلانی
"رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب"
ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ، لاہور مطبع ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور طبع اول اکتوبر ۱۹۸۱ء

۲۶۔ سید سلیمان، ندوی
"سیرۃ النبیؐ" قرآن لمیٹڈ، لاہور ۱۳۹۵ھ

۲۷۔ سعید انصاری
"سیر انصار" (حصہ اول و دوم) ناشر: ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور نمبر۲

۲۸۔ سعید انصاری
"سیرۃ الصحابیات" ناشر: ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور نمبر۲

(ش)

۲۹۔ شبلی نعمانی، علامہ
"الفاروق" مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور ۱۹۹۸ء

۳۰۔ شبلی نعمانی، علامہ
"مقالات شبلی" دار الطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۸۰ء

(ع)

۳۱۔ عنایت اللہ، ڈاکٹر
"تاریخ ابن خلدون" العرب قبل الاسلام و عہد رسالت"
استقلال پریس، لاہور۔ ۱۹۶۰ء

۳۲۔ عبدالرشید، میاں
"اسلام اور تعمیر شخصیت، بہترین عمل" ادارہ ثقافت اسلامیہ، مکب روڈ، لاہور

۳۳۔ عثمان، پروفیسر
"نئے تعلیمی تقاضے" نیشنل بک فاؤنڈیشن ۱۹۷۵ء

(ظ)

۳۴۔ ظفیر الدین، مولانا
"اسلام کا نظام مساجد" دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی ۱۹۵۰ء

(م)

۳۵۔ محمد رضی الدین، ڈاکٹر
"تعلیم کا مسئلہ" مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۳۶۔ محمد اشرف خرم
"تعلیم کی فلسفیانہ اور عمرانیاتی بنیادیں" اردو اکیڈمی۔ سندھ کراچی ۱۹۹۴ء

۳۷۔ مشتاق الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر
"تعلیم و تدریس مباحث و مسائل" پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۱۹۹۸ء

۳۸۔ محمد یونس، ڈاکٹر
''رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام'' دارالفرقان، ۲۵۲۔ ڈی بلاک۔ سٹیلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

۳۹۔ منیر احمد خان، پروفیسر
''قومی تعلیمی بحران'' بک پرنٹرز، لاہور ۱۹۹۲ء

۴۰۔ محمد طفیل ہاشمی، ڈاکٹر
''مسلمانوں کے سائنسی کارنامے'' اسلامیہ پبلی کیشنز ۲۹۶۔ سٹریٹ ۷۶ ج ۹/۳، اسلام آباد ۱۹۸۸ء

۴۱۔ محمد امین زبیری
''مسلم خواتین کی تعلیم'' ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور۔

۴۲۔ مشتاق الرحمن، ڈاکٹر
''معلم کا قائدانہ کردار'' پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۱۹۹۸ء

۴۳۔ محمد رابع، ندوی
''جزیرۃ العرب'' مجلس نشریات اسلام کراچی نمبر ۱۸، ۱۹۸۴ء

۴۴۔ محمد حسین ہیکل
''حضرت عمر فاروق اعظم'' مکتبہ میری لائبریری، لاہور نمبر ۲، ۱۹۸۲ء

۴۵۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر
''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۸۷ء

۴۶۔ محمد اقبال
''ضرب کلیم'' شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۹ء

۴۷۔ محمد کرم شاہ، الازہری
''ضیاء القرآن'' ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

۴۸۔ محمد کرم شاہ، الازہری
''ضیاء النبی ﷺ'' ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور ربیع الاول

۴۹۔ محمد شفیع، مفتی
''معارف القرآن''

۵۰۔ مجاہد کامران، ڈاکٹر
''اعلیٰ تعلیم میں سائنس کا مسئلہ'' انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد

۵۱۔ محمد حنیف ندوی
''افکار ابن خلدون'' ادارہ ثقافت اسلامیہ، مکلب روڈ، لاہور

۵۲۔ محمد رفیع، ڈاکٹر
''نظریاتی اساس اور پاکستان تعلیمی پالیسی'' انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد

۵۳۔ محمد عبدالعزیز
''ہمارے تعلیمی مسائل'' — بک لینڈ، لاہور، ۱۹۵۷ء

۵۴۔ معین الدین، ندوی
''تاریخ اسلام'' — مکتبہ معارف اعظم گڑھ ۱۹۶۶ء

۵۵۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا
''تعلیمات وتصریحات'' — ادارہ تعلیم وتحقیق جامعہ پنجاب، لاہور

۵۶۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا
''تفہیم القرآن'' — مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور ۱۹۷۸ء

۵۷۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا
''اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی'' — اسلامی پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۱۳۔شاہ عالم مارکیٹ لاہور

۵۸۔ مسلم سجاد
''اسلامی ریاست میں نظام تعلیم'' — انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

English Books

1- Arnold, Sir Thomas, " The Legacy of Islam" Oxford University Press, 1960

2- Ali Ameer Syed, "A Short History of Seracens" P:569, Landon, Macmillan & Co. , 1955.

3- Ali Ameer Syed, "Spirit of Islam" , Landon, 1939.

4- A.Guillaume "The life of Muhammad(Peace be upon him)" A translation of Ishaq's Sirat Rasul Allah, Oxford University Press, New York, 1967.

4- Baron Carra de Vaux "Astromy and Mathematics in the Legacy" P:29, Oxford , London. 1947.

5- Bertrand Russal, "On Education " London:Grorge Allen & Unwin Ltd. Ruskin House, 40-Museum Street w.c.i.

6- Briffault Robert, "The Making of Humanity" Lahore, 1980, P:226

7- Dr. M. Mohammad Husain, "Education and Culture" National Book Foundation Karachi, P:12, 1976.

8- Deway Jhon, " Democracy of Education" New York, Macmillan Company 1961.

9- E.H. Hughes, "Educational Some Fundamental Problems" 1960, P:81

10- "Encyclopedia Britanica" A New Servay of Universal Knowledge, Encyclopedia Britanica Ltd. Chicago-London Toronto.

11- "Encyclopedia of Religion and Ethics" New York, 1934.

12- "Encyclopedia of Educational Research "5th Edition, The Free Press A Division of Macmillan Publishing Co. Inc. New York, Collier Macmillan Publishers, London, 1969.

13- "The Encyclopedia of Religion" Mircea Eliade, Editor in Chief, Macmillan Publishing Co. New York , Collier Macmillan Publishing London, 1986.

14- Farrington " Greek Science" P:15, London, 1953.

15- F. Rosenthal, "The Knowledge Triumphant" P:340, London 1970.

16- Gibbon, "Roman Empire" P:415, London, 1914.

17- Gold Ziher, "Encyclopedia of Religion and Education Muslim Ethics" Vol. 5 P:198-207, London, 1912.

18- Gold Ziher, "Vorlesungen Uber ben Islam" P:25, London, 1912.

19- H. Suter, Mathem, "Biblioth" 2:12-40, 1901

20- Herbert Read, "Education for Peace Routtedge Kngampame" London 1958 P:59

21- Hell, "The Arab Civilization" (Eng. T.R. by Khuda Bakhsh) P.60, Lahore 1943

22- Holmyard, E.T., Makers of Chemistry" P:43, Oxford , 1940.

23- James Husting, "Encyclopedia of Religion and Ethics" Vol. 5, Second Edition, London 1937, P:198.

24- Jhon Stuart Mill, " Inagural Address as Rector of St. Andrew's University" 876-vide w.o.

25- John Milton, "Areopagition and other Prose Works" P:46

26- Joseph T. Shipley, "Dictionary of Origins" 1957, P:114

27- Joe Park, "Introduction Selected Reading in Philosophy of Education" 1958, P:3

28- Khair Allah, "Outlines of Arabic Contribution of Medicines and the Allied Science" P:147.

29- Khawaja Ghulam Sayyedain, " Problems of Education Reconstruction" Asia Publishing House, Bombay, 1957, P:44

30- Mez: Renaissance=A.Mez "Die Renaissance Des Islams" Heidolberg 1922; Spanish Translation by S. Vila, Madrid -Granada, 1936.

31- Mohammad Hamid Ullah," Instroduction to Islam in India" 1959, P:151

32- Philip K. Hitti, " History of Arabs" P:310, Edinburgh, 1967.

33- Philip K. Hitti, " The Word of Islam" London, Maccmillan & Co. Ltd. New York, St. Martin's Press, 1960.

34- Raymount, "Modern Education, its Aim and Methods" P:158. Publishers: Longman & Co. London. 1956.

35- Robert Gullick, "Muhammad the Educator" The Institute of Islamic Culture, Club Road, Lahore. 1953.

36- Russell B., "The Scienific Outlook" P:12 London, 1949.

37- Sarton G., "Introduction to the History of Science" Vol. 1 P:52 Washington, 1950

38- Sedge Wick, W.T. "A Short History of Science" P:383, London, 1918.

39- Sir Percy Sykes, Brigadier General, "History of Persia" P:114, London Macmillan & Co. Ltd. New York St. Martin Press 1958.

40- Singer C. , "A Short History of Science" Oxford 1941.

41- Singer C., "A Short History of Science" P:5, Oxford 1941.

42- Unesco, "World Survey of Education" Part 2, 1958.

۴۔ فہرس الموضوعات

باب سوم خلفائے راشدین اور تعلیمی ترقی

اس باب کو تین ذیلی فصول میں منقسم کیا گیا ہے۔

باب چہارم بنو امیہ کے تعلیمی ادارے اور ان کے مقاصد

اس باب کو پانچ فصول میں منقسم کیا گیا ہے۔

تم بحمد الله

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اَنْتَ مَوْلٰـنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ